بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾

فتاویٰ دار العلوم زکریا

جلدِ ہفتم

”بقية كتاب الحظر والإباحة : أحكام اللباس والشعور ، أحكام السلام والمصافحه ، أحكام الأسامي والألقاب، أحكام الألعاب و اللهو واللعب وما يتعلق بالأشياء المقدسة “

افادات

حضرت مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث وصدر مفتی دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ

زیر اہتمام

حضرت مولانا شبیر احمد سالوجی صاحب مدظلہ

مہتمم دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ

تہذیب وتحقیق

محمد الیاس بن افضل شیخ، گھلا، سورت

معین دار الافتاء دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجمالی فہرستِ فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلدِ ہفتم (۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرستِ عنوانات

فصل دوم

عمامہ اور ٹوپی کے احکام کا بیان

❁

فصل سوم

حجاب اور پردہ کے احکام کا بیان

فصل چہارم

سونے، چاندی اور زیورات کے احکام کا بیان

باب ...... ﴿۵﴾

ما یتعلق بأحکام الشعور والختان والخضاب وتقلیم الأظفار

فصل اول

ڈاڑھی، مونچھ کے احکام کا بیان

فصل دوم

بالوں سے متعلق احکام کا بیان

باب ...... ﴿٦﴾

ما یتعلق بآحکام السلام والتقبیل والمصافحة والمعانقة

سلام، تقبیل، مصافحہ اور معانقہ کے احکام

باب ......《۷》

ما يتعلق بأحكام الأسامي والألقاب

نام اور القاب سے متعلق احکام کا بیان ۴۷۸

باب ......(۸)

ما یتعلق بآحکام الألعاب واللهو واللعب

فصل اول

کھیل کود کے احکام کا بیان

فصل سوم

ریڈیو کے احکام کا بیان

فصل چہارم

آلاتِ جدیدہ سے تصویر کشی کے احکام:

باب ...... ﴿۹﴾

ما يتعلق بالقرآن الكريم والذكر والتلاوة والأشياء المقدسة

قرآن کریم سے متعلق احکام کا بیان

فصل دوم

قرآنِ کریم کی تلاوت سے متعلق احکام کا بیان

فصل چہارم

اشیائے مقدسہ کے احکام کا بیان

پیش لفظ

از حضرت مفتی رضاء الحق صاحب حفظہ اللہ ورعاہ

شیخ الحدیث وصدر مفتی دارالعلوم زکریا، لنیشیا، جنوبی افریقہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدهٗ و نصلی علی رسوله الكريم

فتاویٰ دارالعلوم زکریا کی جلدِ ہفتم آپ کے شوقِ مطالعہ کی منتظر ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے علمی مراکز سے دور اُفتادہ دارالعلوم زکریا کے فتاویٰ کو جو مقبولیت عنایت فرمائی یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی احسان اور اکابر اساتذہ ومشائخ کی دعاؤں کا ثمرہ ہے، خصوصاً ہمارے شیخ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم زکریا کے تمام شعبوں کی ترقی کے لیے ہمیشہ دعا گو رہتے تھے، ان کی سرپرستی اور بار آور دعاؤں کے نتیجہ میں چند طلبہ سے شروع ہونے والا مدرسہ اب جنوبی افریقہ کے چند بڑے اور اہم مدارس میں شمار ہوتا ہے۔

ہم نے اپنے فتاویٰ میں اس بات کا بقدرِ ہمت اہتمام کیا ہے کہ وہ عام مسائل جو اردو کے مطبوعہ فتاویٰ میں موجود ہیں ان کے لکھنے سے پہلو تہی کی جائے اور ایسے سوالات کے جوابات کو فتاویٰ کا جز نہ بنایا جائے تاکہ بلاوجہ تطویل نہ ہو، بلکہ زیادہ تر اہم اور تحقیق طلب مسائل کی تحقیق ودلائل پر توجہ دی جائے الا ماشاء اللہ تعالیٰ۔

سابقہ جلدوں میں ہمارے خیال میں اور بعض احباب کے مشورہ پر جس مسئلہ میں نظر ثانی یا اس سے رجوع کی ضرورت تھی ہم نے اس مسئلہ یا اس کے دلائل پر نظر ثانی کا اہتمام اپنی استطاعت کے موافق کرلیا ہے اور موقع بموقع طبع بھی ہو چکے ہیں، البتہ دو مسائل نئے ہیں جو تا ہنوز طبع نہیں ہوئے تھے وہ اس مضمون کے آخر میں ہدیہ ناظرین کیے جائیں گے۔

جلد سابع میں مسلمانوں کے ناموں کا اچھا ذخیرہ آچکا ہے اور ناموں کے بارے میں احادیث کا مطلب اور تشریح بھی آگئی ہے، بعض حضرات کو تعجب ہوگا کہ اتنی کثرت سے ناموں کے ذکر کرنے کی کیا ضرورت اور کیا وجوہات تھیں؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم سے بکثرت بچوں اور بچیوں کے ناموں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تھا اور ہم اکثر زبانی اور بعض مرتبہ کتابوں کی مراجعت کے بعد جواب دیتے رہے، اور اگر کوئی نام عبرانی ہوتا تو

سائل کے اطمینان کے لیے اور اکثر اس کے اصرار پر عربی لغت کی مناسبت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جواب دیتے رہتے تھے، اس طرح ناموں کا کچھ ذخیرہ جمع ہو گیا پھر افادۂ عام کی خاطر ان کے ساتھ مزید ناموں کو شامل کیا گیا۔

اس جلد میں دار الافتاء کے جن طلبہ نے جوابات اور حوالوں میں تعاون فرمایا دار الافتاء ان کا ممنون ہے، اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو ان کے درخشندہ مستقبل کے لیے ترقی کا زینہ بنا دے، ہم اربابِ اہتمام کے بھی شکر گزار ہیں کہ انہوں نے دیارِ غیر میں ہمارے لیے علمی ماحول مہیا فرما کر اس علمی کام کو آسان بنایا، اللہ تعالیٰ سب معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس جلد کو سابقہ جلدوں کی طرح مقبول بنا دے اور ہماری خطاؤں کو معاف فرما دے، ہم اپنی سب تحریرات کے بارے میں یہ کہتے ہیں: **إن كان صواباً فمن الله تعالىٰ وإن كان خطأً فمنا ومن الشيطان .**

جلدِ اول کے ایک مسئلہ پر اشکالات اور اس کے جوابات:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فتاویٰ دار العلوم زکریا (۱/ ۴۶۷) میں کسی سائل کا سوال ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ کہنا: ”امصص بظر اللات“ آپ لات کی شرمگاہ کو چوس لیا کریں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان کے خلاف ہے، نیز آیتِ کریمہ: ﴿ **ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدواً بغير علم** ﴾ کے خلاف ہے، نیز قادیانی مرزا کے مغلظات کو اس روایت سے سند جواز عطا کرتے ہیں اور شیعہ اس کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بدزبانی کا مظہر قرار دیتے ہیں، اس کے جواب میں یہ لکھا گیا تھا کہ **بظر** کے ایک معنی ہونٹ کے درمیان کا ابھرا ہوا حصہ ہے یا اوپر والا ہونٹ تو یہ معنی ہوں گے کہ آپ اپنے لات کے ہونٹ چوستے رہیں، اس کے بالمقابل ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب چوستے رہیں گے، یا ان کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے اور ان سے محبت کریں گے۔

اس جواب پر ایک مولانا صاحب نے ایک دار العلوم کے موقر رسالہ میں تنقید فرمائی ہے، یہ تنقیدی مضمون مجھے کافی مدت کے بعد ایک صاحب نے دکھایا بندۂ عاجز نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان کے مناسب ایک توجیہ لکھی تھی، اس لیے اس مضمون کے جواب دینے کی ضرورت نہیں تھی لیکن بعض احباب کی فرمائش پر کچھ مزید گزارشات پیش کی جا رہی ہیں، مضمون نگار نے تقریباً ۱۷ شروحات کے حوالے اپنے پسندیدہ معنی کی ترجیح کے لیے دئے ہیں، شروحات کی روشنی میں یہ معنی بندۂ عاجز کو پہلے سے معلوم ہیں لیکن بندہ نے اپنے خیال

میں اس سے زیادہ مناسب معنی لیا جولغت کی کتابوں کے بھی موافق ہے بندہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کلام کو سب شتم سے بچا کر دوسرے معنی پر محمول کرنے کی کوشش کی، مضمون نگار نے تحریر فرمایا ہے کہ حالتِ جنگ میں گالی دینا قتال باللسان کی ایک قسم ہے اور صلح حدیبیہ کے موقع پر حالتِ جنگ تھی، اس لیے قتال باللسان اختیار کیا گیا، بہتر یہ ہے کہ ہم اختصار کے ساتھ جہاد کی اقسام کسی معروف ومشہور کتاب سے نقل کریں اور جہاد باللسان کی تشریح کر لیں، ہم حافظ ابن قیم کی زاد المعاد سے جہاد کی قسمیں نقل کرتے ہیں اور تطویل سے دامن بچاتے ہوئے عربی عبارات کو چھوڑ کر صرف ترجمہ بلکہ حاصل ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ جہاد کی چار قسمیں ہیں؛(۱) بمقابلہ نفس۔(۲) بمقابلہ شیطان۔(۳) بمقابلہ معاند یعنی دین دشمن کفار ومنافقین۔(۴) بمقابلہ فساق مومنین۔ پھر نفس کے مقابلہ میں جہاد کی چار شاخیں ہیں: جہاد بالعلم، جہاد بالعمل، جہاد بالدعوۃ، جہاد بالصبر۔ نفس کا مقابلہ کر کے علم حاصل کرنا پھر نفس کو دبا کر عمل کرنا اور دعوت دینا اور اس راہ میں آنے والی مشکلات اور آزمائشوں پر صبر کرنا۔

(۲) جہاد بمقابلہ شیطان کی دو قسمیں ہیں: شیطانی شبہات کو دفع کرنا اور شیطانی خواہشات کو دفع کرنا، یاد رہے کہ نفسانی خواہشات اور ہیں اور شیطانی خواہشات الگ ہیں ہاں کبھی دونوں مل جاتی ہیں بدبودار شراب کو پینے میں نفس کا کونسا تقاضا شامل ہے ہاں شیطان نے اس میں خیالی سرور پیدا کر کے اس کو محبوب بنایا ہے۔

(۳) جہاد بمقابلہ اعداء دین کی علامہ ابن قیمؒ نے چار شاخیں بیان کی ہیں، ہم بجائے چار کے ان کی چھ قسمیں بنا سکتے ہیں: (۱) جہاد بالقلب (۲) جہاد بالمال (۳) جہاد بالروح والبدن (۴) جہاد بالقلم (۵) جہاد بالمنصب والجاہ (۶) جہاد باللسان۔

جہاد بالقلب تو دل سے ان کے کفریات کو برا سمجھنا، جہاد بالمال ظاہر ہے، جہاد بالبدن والروح باطل کے مقابلہ میں تن من لگانا، جہاد بالقلم باطل کے خلاف اپنا قلم وقف کرنا، جہاد بالجاہ اپنے مرتبہ ومنصب کے ذریعہ دین کو فائدہ پہونچانا اور اپنے ماتحتوں کو دین کی طرف لانا اور بلانا یہ جہاد مسلمانوں کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے اور جہاد باللسان کا مطلب اپنی دعوتی زبان سے حق کو تقویت پہونچانا ہے۔

(۴) فساق وفجار مؤمنین کے مقابلہ میں جہاد کی تین قسمیں ہیں؛ جہاد بالید، جہاد باللسان جہاد بالقلب ان اقسام کی طرف مشہور حدیث میں اشارہ موجود ہے؛ **من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فإن لم یستطع فبلسانہ فإن لم یستطع فبقلبہ و ذلک أضعف الإیمان** .(صحیح مسلم، رقم:۴۹، باب بیان

کون النهي عن المنکر من الایمان).

جہاد کی ان اقسام میں سے جہاد باللسان کا ذکر قارئین کے سامنے آگیا جہاد باللسان دین کی طرف دعوت ہے یا مناظرہ اور دلائل کے ساتھ مقابلہ ہے جہاد باللسان گالی گلوچ نہیں ہے۔

بندہ عاجز عرض گزار ہے کہ سب وشتم کسی مسلمان کے ساتھ مناسب نہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا درجہ تو انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے اونچا ہے حدیث میں آتا ہے: **لیس المؤمن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش البذی** . (سنن ترمذی:۲/۱۸).

طعنہ بازی اور لعنت بھیجنا مسلمان کی شان نہیں ہے۔صحیح مسلم شریف میں ہے: **المستبان ماقالا فعلى البادی مالم یعتد المظلوم** . (صحیح مسلم:۲/۳۲۱) گالی گلوچ کرنے والوں میں ابتدا کرنے والے پر گناہ ہے جب تک مظلوم زیادتی نہ کرے۔ مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: **إن رجلاً شتم أبابكر والنبي صلى الله عليه وسلم جالس فجعل النبي صلى الله عليه وسلم يعجب ويتبسم فلما أكثر رد عليه بعض قوله فغضب النبي صلى الله عليه وسلم وقام فلحقه أبوبكر رضی اللہ عنہ فقال: يا رسول الله! كان يشتمني وأنت جالس فلما رددت عليه بعض قوله غضبت وقمت قال: إنه كان معه ملک يرده عنک فلما رددت عليه بعض قوله وقع الشيطان فلم أكن لأقعد مع الشيطان** . (مسنداحمد:۱۵/۳۹۰/۹۶۲۴) **قال الشيخ شعيب الأرنؤوط : حسن لغيره** ،

یعنی ایک آدمی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کر رہا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے جب اس آدمی نے بہت سب وشتم کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ ہوئے اور چلے گئے ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے گئے اور کہا یا رسول اللہ جب وہ گالی دے رہا تھا تو آپ بیٹھے تھے جب میں نے جواب دیا تو آپ غصہ ہوئے، آپ نے فرمایا: جب آپ خاموش تھے تو فرشتہ آپ کی طرف سے جواب دے رہا تھا جب آپ نے سب شتم شروع کیا تو فرشتہ گیا اور شیطان آیا میں شیطان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوابی سب وشتم سے کتنے ناراض ہوئے۔

مضمون نگار نے لکھا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر قتال کی حالت تھی اور قتال کی حالت میں سب وشتم جہاد باللسان کے زمرہ میں آتا ہے، صلح حدیبیہ میں قتال کی حالت نہیں تھی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کی نیت سے آئے تھے اور احرام کے لباس میں ملبوس تھے اور قربانیاں ساتھ لیکر آئے تھے، اور عمرہ کی نیت فرما کر آئے تھے،

وأحرم بالعمرة ليأمن الناس من حربه و ليعلموا أنه إنما خرج زائراً للبيت ومعظماً له . (عمدة القاری ، باب الشروط فی الجهاد،و التمهيد لابن عبدالبر:۱۴۹/۱۲ ،ط: مؤسسة القرطبة).

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے حمارِ وحشی کا شکار کیا تھا، وہ بغیر احرام کے آئے تھے تو شارحین حدیث نے اس کی متعدد تاویلات فرمائی ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اس موقع پر اسلام قبول کرنے کے لیے آیا ہو اور عمرہ کا ارادہ نہ ہو تو یہ الگ بات ہے، لیکن صحابہ کرام عمرہ کی نیت سے آئے تھے اور جب عمرہ نہیں ہوا تو آئندہ سب شرکاء عمرۃ القضاء کے لیے آ گئے۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **انطلقنا مع النبي صلى الله عليه وسلم عام الحديبية فأحرم أصحابه ولم أحرم** . (صحيح البخاری: ۲۴۵/۱،باب اذارأى المحرمون صيداً).

صحابہ کرام قتال کے لیے نہیں آئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے قاصد بدیل سے فرمایا: **إنا لم نجئ لقتال أحد ولكناجئنا معتمرين** . اور جب بدیل مشرکین کے پاس واپس آیا تو اس نے کہا: **إنكم تعجبون على محمد إنه لم يأت للقتال إنما جاء زائراً لهذا البيت**. حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: **يا رسول الله! خرجت عامداً لهذا البيت لا تريد قتل أحد ولا حرباً فتوجه له فمن صدنا قاتلناه** . ان سب روایات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام قتال کے لیے نہیں آئے تھے بلکہ اگر مشرکین کبھی حملہ کے لیے کوئی دستہ بھیجتے تھے تو پھر بھی مسلمان صبر کا دامن تھامتے تھے، اس لیے قتال کی کیفیت نہیں تھی بلکہ مسلمان صلح صفائی کے منتظر تھے، نیز جب مشرکین کا ایک مبعوث آیا اور صحابہ کرام نے تلبیہ پڑھنا شروع کیا اور قربانیوں کو اس کے سامنے کر دیا تو وہ کہنے لگا: **رأيت البدن قد قلدت وأشعرت فما أرى أن يصدوا عن البيت** . یہ عبارتیں صحیح بخاری باب الشروط فی الجہاد والمصالحہ مع اہل الحرب میں ملاحظہ کیجئے۔

اگر بالفرض صلح حدیبیہ کا میدان معرکہ قتال ہو تو پھر بھی گالی گلوچ جہاد نہیں ہے، جہاد لسانی دعوت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: **لأن يهدي الله رجلاً واحداً خير لک من أن يكون لک حمر النعم** . (رواه مسلم فی ابواب فضائل علی ، رقم: ۶۲۲۳). آپ کے ذریعہ ایک آدمی کی ہدایت آپ کے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

مولانا مفتی تقی صاحب تکملہ فتح الملہم میں فرماتے ہیں: **فكان النبي صلى الله عليه وسلم في أول الأمر مأموراً أن يجاهد الكفار بلسانه، لابيده، فيدعوهم، ويعظهم، ويجادلهم بالتي هي أحسن** .

(تکملة فتح الملهم:۳/۸، کتاب الجهاد والسیر، ط: مکتبه دارالعلوم کراتشی).

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: **فالمرحلة الأولى: هي الصبر على أذى المشركين، مع الاستمرار في دعوتهم إلى دين الحق** . (تکملة:۳/۵، کتاب الجهاد والسیر، ط: مکتبه دارالعلوم کراتشی).

قرۃ العینین میں ہے: **قال أبوبكر ابن العربي : اتفق العلماء على أن معنى الآية لا تسبوا آلهة الكفار فيسبوا آلهتكم وكذلك هو فإن السب في غير الحجة فعل الأدنياء فمنع الله في كتابه أحداً أن يفعل فعلاً يؤدى إلى محظور** . (قرة العينين على الجلالين ،ص ۱۸۰، للدكتور محمد احمد كنعان).

پھر یہ کہنا کہ "امصص بظر اللات" میں سبِ آلہہ نہیں بلکہ سبِ مشرکین ہے یہ تو بہت ہی عجیب ہے، نیز حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ یہاں ام کی جگہ لات رکھا بظر تو لات کی ہوگی، مشرکین کی نہیں اور اگر مشرکین مراد ہو تو" **لا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدواً بغيرعلم**" میں مفسرین کے نزدیک مشرکین کو بھی گالیوں کی ممانعت شامل ہے۔روح المعانی میں ہے: **والمراد من الموصول أما المشركون على معنى لا تسبوهم من حيث عبادتهم لآلهتهم كأن تقولوا تباً لكم ولآلهتكم** .

(روح المعانی:۷/۲۵۱).

دوسری جگہ لکھتے ہیں: **لا تخرجوا من دعوة الكفار ومحاجتهم إلى أن تسبوا مايعبدونه من دون الله** . (روح المعانی : ۷/۲۵۲) .

اسلام گالیوں کا دین نہیں، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: **عن عبد الرحمن بن عائذ كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا بعث بعثاً قال: تألفوا الناس وتأنوا بهم ولاتغيروا عليهم حتى تدعوهم فما على وجه الأرض من أهل بيت مدر ولا وبر إلا وأن تأتونى بهم مسلمين أحب إلي من أن تقتلوا رجالهم وتأتوني بنسائهم** . (المطالب العالية : ۲/۱٦٦،والاصابة :۳/۱۵۲).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد کے لیے کوئی جماعت بھیجتے تو فرماتے: لوگوں کو مانوس بناؤ اور ان کے ساتھ نرمی کرو، اور دعوت سے پہلے ان پر حملہ مت کرو پس روئے زمین پر کچے گھر اور خیمے والوں کو تم مسلمان بنا کر لاؤ گے یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ تم ان کے مردوں کو قتل کرو اور ان کی عورتوں کو قیدی بنا کر لاؤ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن بھیجا اور فرمایا: **إنك ستأتي قوماً أهل**

کتاب فإذا جئتهم فادعهم إلى أن يشهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله . (صحیح البخاری باب اخذ الصدقة من الاغنیاء)۔ **معلوم ہوا کہ لسانی جہاد دعوت ہے گالی گلوچ جہاد نہیں، گالی گلوچ تو منافق کی علامت ہے: إذا خاصم فجر** . مولانا احمد علی سہارنپوریؒ نے فجر کے معنی سب وشتم لکھے ہیں۔(بخاری:۱/۱۰) مولانا فخر الدین صاحب محدث دارالعلوم دیوبند نے فرمایا: کیونکہ فجور آپے سے باہر ہونے کی اور جھگڑے کے وقت گالیوں پر اُتر آنے کی تعبیر ہے۔(ایضاح البخاری:۴/۳۳۵) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے یوں ترجمہ کیا: جب کسی سے جھگڑا کرے تو گالی گلوچ کرے۔(سراج القاری:۱/۱۷۷)۔

قرآنِ کریم میں بوقتِ ضرورت جدال حسن کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي أحسن** . (النحل: ۱۲۵). حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں: موعظہ کا خلاصہ خیر خواہی کی بات کو اس طرح کہنا کہ مخاطب کا دل نرم ہو جائے اور بیان اور عنوان بھی ایسا جس سے قلب مطمئن ہو۔(خلاصہ معارف القرآن:۵/۴۰۹)۔تفسیر عثمانی میں ہے: حکمت کے معنی نہایت پختہ مضامین، موعظہ حسنہ موثر اور رقت انگیز نصیحتیں اور مناظرہ اور بحث کی نوبت آئے تو تہذیب اور شائستگی کے ساتھ بحث جس میں دلآزاری اور دلخراشی نہ ہو۔(تفسیر عثمانی ص۳۷۲)۔اور تفسیر مظہری میں ہے: **وجادلهم ؛ المناظرة على وجه لا يتطرق إليه طغيان النفس ولا وسواس للشيطان** . (مظہری:۵/۳۹۰). اور **جاهد الكفار والمنافقين واغلظ عليهم** . (التوبة: ۷۳) کی تفسیر میں لکھا ہے جب عناد اختیار کیا تبوک میں اب سختی اور ترش روئی کیجئے۔تفسیر عثمانی۔ اور مولانا خالد سیف اللہ صاحب فرماتے ہیں: اخلاق کے دائرہ میں رہتے ہوئے سختی اور کسی قدر درشت کلامی بھی ضروری ہوتی ہے۔(آسان تفسیر ص۵۹۲)۔

اور میرے خیال میں **واغلظ عليهم** کا مطلب مضبوط بات اور الزامی جواب دینا ہے دوسری جگہ غلاظ کے معنی سخت گیر آیا ہے حاصل یہ ہے کہ سب آلہہ اور سب مشرکین گالی گلوچ کے معنی میں نہیں ہونا چاہئے، ہاں اگر سب کے یہ معنی ہوں کہ آلہہ سے ان صفات کی نفی کریں جو صفات اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں تو یہ جائز بلکہ واقع ہے: **إن الذين تدعون من دون الله عباد أمثال لكم ، والذين تدعون من دونه لايستطيعون نصركم ولا أنفسهم ينصرون** ۔یعنی ان کی عاجزی بیان کرنا جائز ہے۔(کذا فی تعلیق زادالمعاد :۱۳، للشیخ شعیب الارنؤوط والشیخ عبدالقادر الارنؤوط) بعض دفعہ صحابہ کے بارے میں ایک دوسرے کو سب کرنے کا ذکر آتا ہے اس سے ملامت اور موقف کی مذمت مراد ہے، کمافی تکملۃ فتح الملہم فی فضائل علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اور معترض کا یہ کہنا کہ عروہ بن مسعود نے یہ کہا کہ اگر میں آپ کا احسان نہ اتارتا تو آپ کو جواب دیتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گالی دی لیکن اس میں جواب کا ذکر ہے گالیوں کا ذکر نہیں جواب گالی کے ساتھ خاص نہیں مشرکین نے **اعل هبل**، **اعل هبل** کہا اس کے جواب میں **الله أعلى و أجل** ، **الله أعلى و أجل** کہا گیا یہ گالی نہیں، مشرکین نے **إن لنا العزى و لا عزى لكم** ، کہا اس کے جواب میں **الله مولانا و لا مولى لكم** جواب ہے یہ گالی نہیں، مثلاً اگر عروہ جواب میں یہ کہتے کہ ہمیں اپنے اصنام سے محبت ہے وہ نعوذ باللہ ہمارے حاجت روا ہیں ہم اس کے لبوں کو چومتے ہیں تو جواب ہوتا جانبین سے گالی نہ ہوتی۔

اشکال: جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ کلام بندۂ عاجز کے خیال میں اس معنی پر محمول ہے کہ تم لات کے لبوں کو چوستے رہو جو تم کو فائدہ نہیں دے سکتا بلکہ یہ تمہارے بنائے ہوئے اصنام ہیں، ہم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مست اور مدہوش رہیں گے، تو پھر سب اکابر نے بظر سے شرمگاہ کے معنی کیسے لیے؟ یہ سب حضرات علم وعمل کے پہاڑ اور تقویٰ وطہارت کے علمبردار تھے، ہم انہیں کے علوم کے خوشہ چین اور زلہ ربا ہیں ہماری زندگی کا حاصل ان کی محبت وعقیدت ہے۔

اس اشکال کے دو جواب ہیں۔(۱) جب عروہ بن مسعود نے صحابہ کی شان میں نامناسب الفاظ استعمال کئے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلا چھوڑ کر اِدھر اُدھر بھاگ جائیں گے، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سخت غصہ آیا اور غصہ کی حالت میں بے اختیار یہ الفاظ زبان سے نکلے اور سخت غصہ میں کبھی کبھی ایسے الفاظ بے اختیار زبان سے نکل سکتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ملک الموت ان کی روح قبض کرنے کے لیے آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ایسا تھپڑ مارا کہ ان کی آنکھ نکل گئی اس کی توجیہ اور تاویل کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: **إن موسى دفعه عن نفسه لما ركب فيه من الحدة** . (فتح الباری :٦/٤٣٢).

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو اپنے آپ سے دفع کیا اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طبیعت میں غصہ تھا یعنی غصہ سے مغلوب ہو کر ایسا کیا۔ فیض الباری میں مرقوم ہے: **وفي العيني: إنه كان في طبع موسى عليه السلام حدة** ، اس کی تعلیق میں مولانا بدر عالم صاحب تحریر فرماتے ہیں: **روى أنه كان إذا غضب اشتعلت قلنسوته** . (فیض الباری : ٢/٤٧٦).

یعنی شدتِ غضب کی وجہ سے آپ کی ٹوپی جل جاتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہِ طور سے تشریف لائے اور بنی اسرائیل کو گمراہی میں مبتلا دیکھا تو شدتِ غضب سے تورات کی تختیاں ہاتھ سے گر گئیں،

اس کیفیت کوعلامہ آلوسیؒ نے یوں بیان فرمایا: **والصواب أن يقال إنه عليه السلام لفرط حميته الدينية وشدة غضبه لله تعالىٰ لم يتمالک ولم يتماسک أن وقعت الألواح من يده بدون اختيار فنزل ترک التحفظ منزلة الإلقاء الاختياری فعبر به** . (روح المعانی:۹/۶۷).

یعنی شدتِ غضب کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کنٹرول میں نہیں رہے اور الواح گر گئیں۔

مفسرین نے ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی پکڑنے کی بھی یہ تاویل وتشریح کی ہے، نیز حضرت عمرؓ پر شیعہ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا انکار کیسے کیا یہاں تک کہ ابو بکرؓ نے: **إنک میت وإنهم میتون** آیت تلاوت فرمائی، اس کے جواب میں علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے: **والجواب أن ذلک من شدة دهشته بموت قرة عينه وعيون المومنين** ، یعنی حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی وجہ سے مدہوش سے ہوگئے اور پریشانی نے ان کو حواس باختہ کر دیا اور یہ کلمات ان کی زبان سے نکلے، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص شدتِ غضب میں حواس باختہ اور مدہوش سا ہو کر طلاق دیدے تو اس کی طلاق بھی واقع نہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۴/۲۱۳)۔ **بظر اللات** کو سَبّ پر محمول کر کے یہ توجیہ مناسب ہے اور اگر سب وشتم کو جہاد باللسان قرار دیں جیسا کہ معترض صاحب نے کہا ہے پھر مولانا صاحب کے مدرسہ کے طلبہ ومدرسین بجائے ختمِ خواجگان، غیر مسلموں کو سب وشتم کر لیا کریں اور اس کو نشر کر لیا کریں اور جہاد باللسان کا ثواب لوٹتے رہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۵/۳۴۰) پر فرمایا: **وحمله على ذلک ما أغضبه من نسبة المسلمين** ، اور گزشتہ تفصیل کی طرف اشارہ فرمایا، اور حافظ عینیؒ نے بھی (۹/۶۴) پر مذکورہ بالا تفصیل کی طرف اشارہ فرمایا۔

ہمارے اکابرؒ کے فتاویٰ میں ایک سوال وجواب مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی شیخ سے مرید ہے اور خواب میں اس کا نام لیکر یہ کہہ رہا ہے کہ فلاں رسول اللہ، پھر بیدار ہونے کے بعد بے اختیار یہی الفاظ زبان پر جاری ہیں وہ شخص درود شریف پڑھنا چاہتا ہے لیکن بے اختیار فلاں رسول اللہ زبان پر آتا ہے، اس سوال کا مفصل جواب دیگر اکابرؒ کی طرح حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے اس کو نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کبھی بے اختیاری اور مجبوری میں یا شدید غصہ میں زبان بے قابو ہو جاتی ہے اور کچھ نامناسب الفاظ زبان پر آجاتے ہیں، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کفایت المفتی (۱/۶۳) پر تحریر فرماتے ہیں:

رہا دوسرا واقعہ جو حالتِ بیداری کا ہے، اس کے متعلق صاحبِ واقعہ کا بیان ہے کہ وہ اپنی حالت خواب کی غلطی سے نادم اور پریشان ہو کر چاہتا ہے کہ درود شریف پڑھ کر اس کا تدارک کرے، اور درود شریف پڑھتا ہے لیکن اس میں بھی بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے زید کا نام اس کی زبان سے نکلتا ہے، اسے اس غلطی کا احساس تھا، مگر کہتا ہے کہ زبان پر قابو نہ تھا، بے اختیار تھا، مجبور تھا، اس واقعہ کے متعلق دو باتیں تنقیح طلب ہیں۔

اول یہ کہ آیا حالتِ بیداری میں ایسی بے اختیاری اور مجبوری کہ زبان قابو میں نہ رہے بغیر اس کے کہ نشہ ہو، جنون ہو، اکراہ ہو، عتہ ہو ممکن اور متصور ہے یا نہیں؟ کیونکہ ان چیزوں میں سے کسی کا موجود ہونا سوال میں ذکر نہیں کیا گیا، تو ظاہر یہی ہے کہ ان اسباب میں سے کوئی سبب بے اختیاری پیدا کرنے والا نہ تھا۔ دوسرا یہ کہ اگر بے اختیاری اور مجبوری ممکن اور متصور ہو تو صاحبِ واقعہ کی تصدیق بھی کی جائے گی یا نہیں؟

امر اول کا جواب یہ ہے کہ بے اختیاری کے بہت سارے اسباب ہیں صرف سکر وجنون واکراہ وعتہ میں منحصر نہیں۔ کتبِ اصولِ فقہ وفقہ میں ان اسباب کے ذکر پر اقتصار کرنا تحدید وحصر پر مبنی نہیں، بلکہ اکثری اسباب کے طور پر انہیں ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ متعدد کتبِ فقہیہ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ خواہ کسی وجہ سے عقل مغلوب ہو جائے وہ مغلوبیت موجب رفع قلم ہو جاتی ہے۔ **إلا فی بعض المواقع فیکون الزجر مقصوداً۔**

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: **من أصابه برسام أو أطعم شیئاً فذهب عقله فهذی فارتد لم یكن ذلك ارتداداً وكذا لو كان معتوهاً أو موسوساً أومغلوباً علی عقله بوجه من الوجوه فهو علی هذا كذا فی السراج الوهاج.** (هندیه مطبوعه مصر صفحه ۲۸۲ ج۲)۔ **اس عبارت میں** لفظ موسوس اور لفظ بوجہ من الوجوہ قابل غور ہے، لیکن واقعہ مسئولہ عنہا میں نہ تو زوالِ شعور و زوالِ عقل کی تصریح ہے اور نہ میں واقعاتِ مذکورہ کی بنا پر زوالِ شعور کا ہونا صحیح سمجھتا ہوں کیونکہ صاحبِ واقعہ بحالتِ تکلم اپنی غلطی کا ادراک ہونا بیان کرتا ہے اور عذر میں صرف بے اختیاری، مجبوری، زبان کا قابو میں نہ ہونا ذکر کرتا ہے۔ اس لیے میں صرف اسی بات کو ٹھیک سمجھتا ہوں وہ باوجود شعور وادراک کے کلمہ کفریہ کہتا ہے، مگر بے اختیاری سے مجبوری سے اور عین تکلم کی حالت میں بھی اسے غلطی اور خلافِ عقیدہ سمجھتا ہے اور بعد الفراغ من التکلم بھی اس پر نادم ہوتا ہے، پریشان ہوتا ہے، روتا ہے، اسبابِ معلومہ (شرک، جنون، اکراہ، عتہ) کے علاوہ کبرسنی، مرض، مصیبت غلبہ

خوشی، غلبہ حزن، فرط محبت وغیرہ بھی زوالِ عقل یازوالِ اختیار کے سبب بن سکتے ہیں، اور جہاں زوالِ عقل یازوالِ اختیار ہو وہاں حکمِ ردت ثابت نہیں ہوسکتا۔...

(۲) صحیح مسلم کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے گنہ گار بندے کے توبہ کرنے پر اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جیسے کہ ایک مسافر کا جنگل میں سامان سے لدا ہوا اونٹ گم ہو جائے اور وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نا امید ہونے کے بعد مرنے پر تیار ہو کر بیٹھ جائے اور اسی حالت میں اس کی آنکھ لگ جائے تھوڑی دیر کے بعد آنکھ کھلے دیکھے کہ اس کا اونٹ مع سامان اس کے پاس کھڑا ہے، اسی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس شخص کی زبان سے غایت خوشی میں بے ساختہ یہ الفاظ نکل جاتے ہیں، أنت عبدي و أنا ربك ۔یعنی خدا تعالیٰ کی جناب میں یوں بول اٹھا کہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا خدا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: خطا من شدة الفرح ،یعنی شدتِ خوشی کی وجہ سے اس سے خطاً یہ الفاظ نکل گئے۔

اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہوگیا کہ شدتِ فرح بھی زوالِ اختیار کا سبب ہوجاتی ہے، اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد یہ نہیں فرمایا کہ الفاظ کفریہ کا یہ تکلم جو خطاً ہوا تھا جب کفر اور مزیل ایمان تھا، اس لیے آپ کے سکوت سے معلوم ہوگیا کہ الفاظ کفر کا تلفظ جو خطا کے طور پر ہو مثبت ردت نہیں۔

(۳) صلح حدیبیہ کے قصے میں جو صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے ذکر کیا گیا ہے کہ جب صلح مکمل ہوگئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم فرمایا کہ سر منڈ اڈالو اور قربانیاں ذبح کرو تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بوجہ فرط حزن وغم کہ اپنی تمنا و آرزو کے خلاف خانہ کعبہ تک نہ جاسکے، ایسے بے خود ہوئے کہ باوجود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکرر وسہ کرّر فرمانے کے کسی نے فرمانِ عالی کی تعمیل نہ کی، آپ غمگین ہو کر خیمے میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے، انہوں نے پریشانی کا سبب دریافت کیا اور عرض کیا کہ آپ باہر تشریف لے جا کر اپنا سر منڈا دیں اور کسی سے کچھ نہ فرمائیں، آپ باہر تشریف لائے اور حالق کو بلا کر اپنا سر منڈا دیا، جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دیکھا تو ان کے ہوش وحواس بجا ہوئے اور ایک دم ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے، اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ فرط حزن بھی موجب زوالِ اختیار ہو جاتا ہے، کیونکہ قصد و اختیار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل نہ کرنے کا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جانب وہم بھی نہیں ہوسکتا۔...

(۵) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں عدل کی پوری رعایت کر کے فرماتے: **اللّٰهم هذه قسمتي فيما أملك فلا تأخذني فيما تملك ولا أملك .**

یعنی اے خداوند میں نے اختیاری امور میں تو برابر تقسیم کردی، اب اگر فرطِ محبت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وجہ سے میلانِ قلب بے اختیاری طور پر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف زیادہ ہوجائے تو اس میں مواخذہ نہ فرمانا کیونکہ وہ میرا اختیاری نہیں۔...

بخاری شریف کی وہ حدیث دیکھئے جس میں امم سابقہ میں سے ایک شخص کا یہ حال مذکور ہے کہ اس نے اپنے بیٹوں سے موت کے وقت کہا تھا کہ مجھے جلا کر میری خاک تیز ہوا میں اڑادینا، **فهو اللّٰه لئن قدر الله علي الخ** . ان الفاظ کے (اس تقدیر پر کہ قدر کو قدرت سے مشتق مانا جائے) الفاظ کفریہ ہونے میں شبہ نہیں لیکن اس کا جواب رب خشیتک اسے کفر سے بچا کر مغفرتِ خداوندی ٹھہرادیتا ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خوفِ خداوندی نے اس کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلوادیئے اور بے اختیاری کی وجہ سے وہ مؤاخذہ سے بچ گیا...(کفایت المفتی :۱/۶۳-۶۶، ط: دارالاشاعت، کراچی)۔

(۲) اکابر نے اس قول کو سبّ پر کیوں محمول کیا اس اشکال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی کبھی توریہ فرماتے تھے توریہ اس کو کہتے ہیں کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں ایک معنی قریب ہو اور دوسرا بعید ہو تو متکلم معنی بعید مراد لے اور مخاطب معنی قریب لے، جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حبشہ ہجرت کی نیت سے جارہے تھے اور بنی قارہ قبیلہ کے سردار ابن دغنہ نے راستہ میں ان سے دریافت کیا آپ کہاں جارہے ہیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **إني أريد أن أسيح في الأرض** . (صحيح البخاري :۱/۵۵۲، باب هجرة النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه) میں زمین میں گھومنا پھرنا چاہتا ہوں، اس کے معنی قریب تو چکر لگانا ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقصد حبشہ جانا تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مراد حبشہ کی طرف ہجرت تھی، لیکن اس کی صراحت نہیں کی، اور جب ہجرت کے سفر میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کوئی پوچھتا آپ کے ساتھ کون ہیں کیونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت تجارت کی وجہ سے جانی پہچانی تھی تو وہ فرماتے تھے **هذا الرجل يهديني السبيل أو الطريق** . (صحيح البخاري :۱/۵۵۶، باب هجرة النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه) اس کے قریبی معنی ظاہری راستہ بتانا اور معنی مقصود دین کا راستہ بتلانا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی "**إني سقيم**" اور "**هذه اختي**" اور "**بل فعله كبيرهم**" میں

توریہ فرمایا تھا مخاطبین سمجھے کہ ظاہری بیماری ہے اور ابراہیم علیہ السلام کا مقصد قوم کے شرک کی وجہ سے طبیعت کی خرابی ناسازی اور بوجھ تھا اور ”هذه اختي“ میں مقصد دینی اخوت تھا اور ”بل فعله كبيرهم“ میں حاضرین میں بلند مرتبہ خود ابراہیم علیہ السلام تھے۔اسی طرح یہاں بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ذو معنی لفظ استعمال کیا مخاطب نے بظر سے شرمگاہ کے معنی لیے اور متکلم کا مقصد ہونٹ کا ابھرا ہوا حصہ تھا،اس تاویل سے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دامن نامناسب الفاظ کے دھبے سے پاک ہوجاتا ہے اور تنقید کنندہ نے جس معنی کی وکالت فرمائی اس کی رعایت بھی ہوجاتی ہے۔ رَبَّنَا لا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا.

جلد پنجم کے ایک مسئلہ کی تصحیح وتشریح:

جلدِ خامس میں ایک سوال کے جواب سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر کافر غصب اور چوری کا مال جمع کرے اور وہ مقروض ہو تو اس سے مسلمان مقرض اپنا قرض لے سکتا ہے، یہ مسئلہ یوں سمجھنا چاہئے کہ غیر مسلم اگر چوری اور غصب سے مال جمع کریں اور چونکہ غیر مسلم ذمی یا کفار ماموتین اور معاہدین کے حکم میں ہیں اس لیے جس کام کو وہ اپنے دین میں حرام سمجھتے ہوں اور اس کے ذریعہ سے مال حاصل کریں تو بعینہٖ وہ مال قرض میں لینا صحیح نہیں، ہاں اگر مال مخلوط ہو اور غالب حلال ہو یا شراب وغیرہ کی آمدنی ہو غصب، چوری نہ ہو تو مسلمان اس کو اپنے قرض میں وصول کرسکتا ہے۔ملاحظہ ہو امداد الاحکام میں مرقوم ہے:

پس جو عقد اہل ذمہ اپنے دین کے موافق کریں و شرائطِ معاہدہ کے بھی خلاف نہ ہو اس میں حکم صحت دیا جائیگا گو وہ شریعت کے خلاف ہو البتہ جو عقد ان کے دین کے بھی خلاف ہو یا شرائطِ معاہدہ کے خلاف ہو اس میں حکم فساد دیا جائیگا، ولعل الحق لا يتجاوز عن ذلك ولعل اللّٰه يحدث بعد ذلك أمرا۔(امداد الاحکام:۴/۳۹۰)۔

صلح حدیبیہ کے واقعہ میں آیا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے سفر میں اپنے مشرک ساتھیوں کو قتل کر کے ان کا مال چھینا اور مدینہ منورہ حاضر ہو کر مسلمان ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام قبول ہے اور مال سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: وأما المال فلست منه في شيء أى لا أتعرض له لكونه أخذه غدراً ويستفاد منه أنه لا يحل أخذ أموال الكفار في حال الأمن غدراً لأن الرفقة يصطحبون على الأمانة والأمانة تؤدى الى أهلها مسلماً كان أو كافراً وان أموال

الكفار انما تحل بالمحاربة والمغالبة ولعل النبي صلى الله عليه وسلم ترك المال في يده لامكان أن يسلم قومه فيرد اليهم أموالهم . (فتح البارى: ٣٤١/٥، باب الشروط فى الجهاد...).

حافظ عینیؒ فرماتے ہیں:

قال أى المغيرة لأبي بكر ﷺ : قتلتهم وجئت بأسلابهم الى رسول الله صلى الله عليه وسلم ليخمس أوليرى فيها رأيه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أما المال فلست منه في شيء يريد في حل لأنه علم أن أصله غصب وأموال المشركين وان كانت مغنومة عند القهر فلا يحل أخذها عند الأمن فاذا كان الانسان مصاحباً لهم فقد أمن كل واحد منهم صاحبه . (عمدة القارى : ٦٤١/٩، باب الشروط فى الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب).

اہل حرب نے تو احکامِ اسلام کا التزام بالکل نہیں کیا نہ اپنے معتقد کے موافق میں اور نہ مخالف میں لہذا وہ تو جس طرح بھی روپیہ کمائیں خواہ ربا خواہ غصب خواہ بیوعِ باطلہ وفاسدہ سے خواہ اپنے مذہب کے موافق خواہ مخالف طریق سے بہرصورت وہ روپیہ اس کی ملک میں داخل ہوجائیگا اور مسلمان کو تنخواہ میں لینا اس کا جائز ہے۔ (امدادالاحکام:۳۹۰/۴)۔

موجودہ دور میں اکثر ممالک کے غیر مسلم اہل ذمہ اور معاہدین کے حکم میں ہیں بنابریں وہ اپنے معتقد کے موافق میں جو اموال کمائیں فقط وہ ان کی ملک میں داخل ہیں:۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وجاز أخذ دين على كافر من ثمن خمر لصحة بيعه أى بيع الكافر الخمر لأنها مال متقوم في حقه فملك الثمن فيحل الأخذ منه. (فتاوى الشامى:٣٨٥/٦).

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو كان لمسلم على نصراني دين، فباع النصراني خمراً أخذ بثمنها وقضاه المسلم من دينه، جازله أخذه ، لأن بيعه له مباح. (الفتاوى الهندية:٣٦٧/٥، كتاب الكراهية،باب فى القرض والدين).

تکملة البحرالرائق میں ہے:

وكره لرب الدين أخذ ثمن خمر باعها مسلم لا كافر، يعني إذا كان لشخص مسلم

دین علی مسلم فباع الذي علیه الدین خمراً وأخذ ثمنها وقضی الدین لایحل للمدین أن یأخذ ذلک بدینه وإن کان البائع کافراً جاز له أن یأخذ والفرق أن البیع فی الوجه الأول باطل فلم یملک البائع الثمن وهو باقٍ علی ملک المشتري فلا یحل له أن یأخذ مال الغیر بغیر رضاه والبیع فی الوجه الثاني صحیح فملک البائع الثمن لأن الخمرمال متقوم في حق الکافر فجاز له الأخذ بخلاف المسلم. (تکملة البحرالرائق:۸/۲۰۱،کوئٹه).

امدادالفتاویٰ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے نومسلمہ کی حالتِ کفر میں زنا کی کمائی کے بارے میں فرمایا: یہ غیر طیب ہے، کیونکہ زنا کسی ملت میں حلال نہیں۔(امدادالفتاویٰ:۴/۱۴۴)۔

وللاستزادة انظر: (فتاوی الشامی:۶/۳۸۵،فصل فی البیع،سعید۔وتبیین الحقائق: ۷/۴۶۸، کتاب الکراهیة) .

نیز مالِ مخلوط جس میں غالب حلال ہو اس پر بھی ملک ثابت ہوجاتی ہے بنابریں ایسے اموال کا قرض میں وصول کرنا بھی جائز اور درست ہے۔ہاں اگر چوری،غصب کا مال معلوم اور معین ہے تو پھر نہیں لینا چاہئے۔ دلائل ملاحظہ فرمائیں:۔الدرالمختار میں ہے:

ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملکه فتجب الزکاة فیه ویورث عنه ؛ لأن الخلط استهلاک اذا لم یمکن تمییزعند أبي حنیفةؒ، وقوله أرفق اذ قلما یخلو مال عن غصب. وفي رد المحتار: قوله لأن الخلط استهلاک ، أي بمنزلته من حیث أن حق الغیر یتعلق بالذمة لا بالأعیان...لأنا نقول: انه لما خلطها ملکها وصار مثلها دیناً في ذمته لا عینها. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۲/ ۲۹۰،۲۹۱،سعید).

فتاویٰ بزازیہ میں مرقوم ہے:

ما یأخذه الأعونة من الأموال ظلماً و یخلطه بماله و بمال مظلوم آخر یصیر ملکاً له وینقطع حق الأول فلا یکون أخذه عندنا حراماً محضاً . (الفتاوی البزازیة بهامش الفتاوی الهندیة: ۴/۸۳).

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

اشتری بدراهم مغصوبة ، أو بدراهم اکتسبها من الحرام شیئاً ، فهذا علی وجوه :

(۱) إما أن دفع إلى البائع تلك الدراهم أو لا ، ثم اشترى منه بتلك الدراهم ، (۲) إذا اشترى قبل الدفع بتلك الدراهم ، ودفعها ، (۳) أو اشترى قبل الدفع بتلك الدراهم ، ودفع غير تلك الدراهم ، (۴) أو اشترى مطلقاً ، ودفع تلك الدراهم ، (۵) أو اشترى بدراهم آخر ، ودفع تلك الدراهم ، ففي الوجوه كلها لا يطيب له التناول قبل ضمان يعني قبل ضمان الدراهم ، وبعد الضمان يطيب له الربح ، هكذا ذكره في الجامع الصغير قال أبو الحسن الكرخيؒ: هذا الجواب صحيح في الوجه الأول والثاني ، أما في الوجه الثالث والرابع والخامس يطيب له، واليوم قالوا : الفتوىٰ على قول أبي الحسن الكرخيؒ، لكثرة الحرام دفعاً للحرج على الناس ، و على هذا تقرر رأى الصدر الشهيدؒ. (الفتاوى التاتارخانية : ۱٦/ ٥۱۰، ط : ديوبند).

وللمزيد راجع: (الدر المختار مع ردالمحتار: ٥/ ۲۳٥ ،سعيد،والدرالمختار:٦/ ۱۸۹ ،سعيد،وحاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ٤/ ۱۰٥، كوئته).

مالِ مخلوط میں غالب کا اعتبار ہے جب کہ حرام مال معلوم ومعین نہ ہو۔ فقہی عبارات ملاحظہ فرمائیں:۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس إلا أن يعلم بأنه حرام فإن كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لايقبل الهدية ولا يأكل الطعام إلا أن يخبره بأنه حلال...لأن أموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فالمعتبر الغالب . (الفتاوى الهندية:٥/ ۳٤۲).

المحيط البرهاني میں ہے:

وفي عيون المسائل : رجل أهدى إلى إنسان أو أضافه إن كان غالب ماله من حرام لا ينبغي أن يقبل ويأكل من طعامه ما لم يخبر أن ذلك المال حلال استقرضه أو ورثه ، وإن كان غالب ماله من حلال فلا بأس بأن يقبل ما لم يتبين له أن ذلك من الحرام ؛ وهذا لأن أموال الناس لا تخلو عن قليل حرام و تخلو عن كثيره ، فيعتبر الغالب ويبنى الحكم عليه.

(المحيط البرهانى: ٦/ ۱۱۰، الفصل السابع عشر فى الهداياو الضيافات).

(وکذا فی الموسوعة الفقهية الكويتية:۱۵/۷۸،والاشباه والنظائر:۱/۳٤۳، والمبسوط :۱۰/۱۹۷).

جواہرالفتاویٰ میں ہے:

جس شخص کے ذرائع آمدنی حلال وحرام دونوں طرح کے ہیں تو اس میں تفصیل ہے،اگر حلال آمدنی اور حرام آمدنی اس کے پاس الگ الگ ہیں،اپنے اخراجات کھانے ، پینے ،لباس وغیرہ میں حلال آمدنی استعمال کرتا ہے اوراس کی بات پر اعتماد ہے تو اس کے یہاں کھانا، پینا جائز ہے اورحلال مال سے کہہ کر اگر ہدیہ تحفہ دیتا ہے تو اس کا لینا بھی جائز ہے۔اور مخلوط ہوتو غالب کا اعتبار ہوگا۔(جواہرالفتاویٰ:۳/۲۹٦)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

رضاءالحق عفااللہ عنہ

دارالافتاءدارالعلوم زکریا

جنوبی افریقہ

مؤرخہ:۳/ ذوالحجہ ۱٤۳٦ھ،مطابق ۱۷/ستمبر ۲۰۱۵ء

﴿فتاویٰ دارالعلوم زکریا پر تعارف وتبصرے﴾

تبصرہ از ماہنامہ ''الحق'' دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک:

فتویٰ اور افتاء کا تاریخی سلسلہ بہت ہی قدیم ہے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک علماء صالحین اس عظیم منصب پر فائز ہوتے چلے آرہے ہیں۔اور اکثریت کے صادر کردہ فتاویٰ کا مجموعہ کتابی شکل میں اس وقت دنیا بھر کی لائبریریوں میں موجود ہے۔جن سے اربابِ علم وکمال استفادہ کرتے ہیں اور اہل فتویٰ ،فتویٰ نویسی میں رہنمائی لیتے ہیں۔فتاویٰ دارالعلوم زکریا بھی اسی سلسلے کی ایک اور کڑی ہے، جو حضرت مفتی رضاء الحق شاہ منصوری مدظلہ کے جاری کردہ فتاویٰ کا مجموعہ ہے،حضرت مفتی صاحب ایک باکمال، جامع صفاتِ علمی شخصیت ہیں اور آپ مدظلہ کا تعلق ضلع صوابی صوبہ سرحد کے ایک مشہور ومعروف گاؤں شاہ منصور کے زہد وتقویٰ ،علم وفضل کے پیکر خاندان سے ہے،اور جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے ان فرزندان میں سے ہیں جن پر جامعہ فخر کرتی ہے۔اللہ پاک جزاء دے مولانا عبدالباری صاحب اور مولانا محمد الیاس شیخ صاحب کو جنہوں نے حضرت مفتی صاحب کے ان گرانقدر علمی اور تحقیقی فتاویٰ کو جمع کر کے بہترین انداز میں مرتب کیا اور زمزم پبلشرز کراچی نے دیدہ زیب ٹائٹل،عمدہ کتابت اور شاندار طباعت کے ساتھ علماء اور طلباء بلکہ ہر خاص اور عام پر احسان کرتے ہوئے اس گنجینہ علم کی پہلی جلد کو شائع کیا۔فتاویٰ کی یہ پہلی جلد کتاب الایمان والعقائد، کتاب التفسیر والتجوید، کتاب الحدیث والاثار، کتاب السلوک والطریقہ اور کتاب الطہارۃ پر مشتمل ہے۔فتاویٰ میں استفتاء کا ہر جواب انتہائی تدقیق اور تحقیق کے ساتھ دیا گیا، جس کے لئے ہر مذہب کے علماء، محدثین اور فقہاء کی کتابوں کی طرف مراجعت کی گئی ہے اور ہر کتاب کا مکمل حوالہ مع عبارت کے درج ہے،بعض ایسے جوابات بھی ہیں جو دوسرے فتاویٰ میں نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو اجمالی ہے،اس لئے یہ فتاویٰ ہر خاص وعام کی علمی پیاس بجھانے کے لئے انتہائی مفید ہے اور ہر لائبریری کی زیب ہے،کتاب کا مطالعہ کر کے دل سے یہ دعاء نکلتی ہے کہ خدا کرے کہ یہ عظیم فقہی انسائیکلوپیڈیا پائے تکمیل تک پہنچ کر شائع ہوجائے۔(ماہنامہ ''الحق'' دارالعلوم حقانیہ،اکوڑہ خٹک)۔

تبصرہ از ماہنامہ ’’البینات‘‘ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن:

ایک دور تھا جب افریقہ، امریکہ، کنیڈا اور دوسرے یورپی ممالک میں دینی مدارس کا خاطر خواہ نظام نہیں تھا اور وہاں کے متلاشیانِ علم وہنر ہندو پاک کا رخ کرتے تھے اور یہاں کے اربابِ فضل وکمال اور اصحابِ علم وتحقیق کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کر کے علم ومعرفت کے جام لنڈھاتے تھے۔

یہاں سے اکتسابِ فیض کے بعد مختلف ممالک کے مخلصین نے جب ضرورت محسوس کی تو انہوں نے اپنے اپنے علاقوں اور ممالک میں دینی مدارس کا جال بچھانا شروع کر دیا، چنانچہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے نامور فاضل تلامذہ میں سے حضرت مولانا شبیر احمد سالوجی مدظلہ اور ان کے رفقاء نے جنوبی افریقہ کے شہر جوہانسبرگ میں دارالعلوم زکریا کے نام سے ادارہ قائم کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ترقیات کے مدارج طے کئے تو انہون نے اپنی سرپرستی اور اپنے دینی ادارے کی ترقی کے لئے اپنی مادرِ علمی سے ایک بڑے استاذ ومفتی اور شیخ الحدیث کی درخواست کی، اس پر اربابِ جامعہ علوم اسلامیہ نے اپنے ایک لائق، فائق، عظیم محقق مدرس اور مفتی حضرت مولانا رضاء الحق صاحب کو جنوبی افریقہ بھیج کر ایثار وقربانی کا ثبوت دیا۔ حضرت مولانا مفتی رضاء الحق دامت برکاتہم کی فیض رساں شخصیت نے افریقہ کو تعلیم وتدریس، علم وتحقیق اور فقہ وفتویٰ کے اعتبار سے بجا طور پر مستغنی کر دیا۔

پیش نظر فتاویٰ دارالعلوم زکریا کی جلد اول انھیں کی علمی تحقیقات کا منہ بولتا ثبوت ہے، جس میں نہایت خوبصورت انداز میں کتاب الایمان، کتاب التفسیر، کتاب الحدیث والآثار، کتاب السلوک والطریقۃ اور کتاب الطہارۃ کو مرتب اور مدون کر کے کتابی شکل دی گئی ہے۔

بلاشبہ فتاویٰ میں درج مسائل واحکام اہل حق اسلاف اور اکابر دیوبند کی تحقیق کی ترجمانی کے علاوہ ان کے ذوق ومزاج کا آئینہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس فتاویٰ کے مرتبین مولانا مفتی عبدالباری اور مولانا مفتی محمد الیاس شیخ کو جزائے خیر عطا فرمائے، جنہوں نے اس اہم خدمت کو سرانجام دیا۔ امید ہے کے اہل ذوق اس کی قدردانی میں بخل سے کام نہیں لیں گے، خدا کرے کہ فتاویٰ جلد از جلد مکمل ہو کر متلاشیانِ علم وتحقیق کی پیاس کو بجھائے، آمین۔ (ماہنامہ ’’بیّنات‘‘ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ، اگست ۲۰۰۸ء)۔

﴿دارالعلوم زکریا پر ایک طائرانہ نظر﴾

۞ ۱۹۸۱ء میں حضرت برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ نے جنوبی افریقہ تشریف لاکر دعا فرمائی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حضرت ہی کے نام پر دارالعلوم زکریا کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

۞ ۱۹۸۳ء دسمبر میں حضرت قاری عبدالحمید صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب اوران کے رفقاء کی سرپرستی میں مدرسہ کا باقاعدہ افتتاح ہوا، اور ۱۹۸۵ء تک مہتمم قاری عبدالحمید صاحب رہے۔

۞ قاری عبدالحمید صاحب کے ہندوستان تشریف لے جانے کے بعد مولانا شبیر احمد سالوجی صاحب مہتمم اور حافظ بشیر صاحب ناظمِ مدرسہ مقرر ہوئے، اور تاہنوز خدمت انجام دے رہے ہیں، اور انھیں کی توجہات وشبانہ روز محنت سے دارالعلوم ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔فجزاهم الله تعالىٰ أحسن الجزاء.

﴿دارالعلوم زکریا کے مختلف شعبے﴾

۞ شعبۂ تحفیظ القرآن: اکابرین کی توجہ اور دعا کی برکت اور اساتذۂ کرام کی محنت سے ماشاءاللہ خوب رو بہ ترقی ہے۔اساتذۂ درجاتِ حفظ کی تعداد: ۱۳، اور طلبائے عزیز کی تعداد: ۲۱۷، اور درسگاہوں کی تعداد: ۱۰ ہے۔

۞ درسِ نظامی: طلبائے کرام علومِ عالیہ وآلیہ سے تشنگی کی آگ بجھا رہے ہیں۔اساتذۂ کرام کی تعداد ۲۴ ہے۔اور طلبائے کرام کی تعداد ۴۴۲ ہے، مقامی ان میں سے ۳۲ فیصد، اور دیگر ۷۵ ممالک کے ۶۸ فیصد طلباء تحصیلِ علم میں مشغول ہیں۔

۞ شعبۂ افتاء واستفتاء: ۱۹۸۷ء سے حضرت مفتی رضاءالحق صاحب کی نگرانی میں رواں دواں ہے

ابتدا میں حضرت بذاتِ خود تحریر فرماتے تھے پھر ۱۹۹۲ء میں مستقل دارالافتاء کا نظام شروع ہوا۔

۞ شعبۂ قراءت وتجوید: ۱۹۸۸ء میں قراءت وتجوید کا مستقل شعبہ شروع ہوا۔

۞ شعبۂ ''النادی العربی'': طلبائے عزیز کا عربی ادب سے ذوق وشوق بڑھا اور تقریراً وتحریراً اس میں حصہ لیا اور مستقل شعبہ ''النادی العربی'' کے نام سے شروع ہوا۔

۞ دارالعلوم زکریا کی شاخ: برائے حفظ منتظمین حضرات نے مدرسہ ہذا سے تقریباً ۱۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ۲۰۰۰ء میں جناب عبدالرحمٰن میاں صاحب کی درخواست پر ان کی والدہ کی خواہش پر انھیں کی زمین پر ایک چھوٹا سا مدرسہ قائم کیا ہے جس میں تقریباً ۱۰۰ طلباء اور ۵، اساتذۂ کرام ہیں، اور ۵ درسگاہیں ہیں۔

۞ اللہ تعالیٰ تمام اساتذۂ کرام و منتظمین اور کارکنانِ مدرسہ ہذا کو جزاء خیر عطا فرمائیں۔ نیز دارالعلوم کو اور دیگر علمی اداروں کو دن دوگنی رات چوگنی ترقیات سے نوازے اور ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ فرما کر اپنی رحمتِ خاصہ نازل فرمائیں۔ آمین۔

۞ اکابرین وائمہ اور دیگر مہمانانِ کرام کے قدومِ میمنت لزوم سے یہ وادی خوشنما اور دلربا بنتی گئی۔ ان میں سے: حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ مفتیٔ دارالعلوم دیوبند۔ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ۔ حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ۔ حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ۔ ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ۔ حضرت حاجی فاروق صاحبؒ۔ حضرت مولانا عمر صاحب پالنپوریؒ۔ حضرت قاضی مجاہدالاسلام صاحبؒ۔ بھائی پاڈیا صاحبؒ۔ حضرت مولانا عمر جی صاحبؒ۔ حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب۔ حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب۔ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ۔ حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی۔ حضرت مولانا ادریس صاحب میرٹھیؒ۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ صاحبؒ۔ شیخ عبدالرحمٰن السدیس۔ شیخ شریم۔ شیخ صالح بن حمید۔ شیخ عبدالرحمٰن حذیفی۔ شیخ سبیل۔ شیخ صلاح بدیر۔ شیخ محمد علی صابونی۔ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب۔ حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب۔ حضرت مولانا ارشد صاحب مدنی۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب۔ دکتور عبداللہ عمر نصیف صاحب۔ حضرت مولانا

سیدرابع صاحب۔حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب۔حضرت مولانا سلمان صاحب۔حضرت حکیم اختر صاحب۔حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری۔حضرت مفتی فاروق صاحب میرٹھی۔حضرت مولانا یونس صاحب پونیؒ۔حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولا۔شیخ الحدیث مولانا یونس صاحب۔حضرت مولانا بدیع الزمان صاحبؒ۔حضرت مولانا سالم صاحب۔حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ۔حضرت بھائی طلحہ بن حضرت شیخ الحدیث۔حضرت مولانا رحمۃ اللہ کشمیری صاحب۔حضرت مولانا ابوالقاسم بنارسی۔والشیخ محمد عوامہ ونجلہ الشیخ الدکتورمحی الدین حفظہما اللہ تعالیٰ ورعاہما۔

بندۂ عاجز محمد الیاس بن افضل شیخ گھلا،سورت عفی عنہ
معین دارالافتاء دارالعلوم زکریا،لینیشیا،جنوبی افریقہ
مؤرخہ:۱۶/شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ مطابق:۶/ جولائی ۲۰۱۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ :

﴿یٰبنی آدم قد أنزلنا علیکم لباساً یواری سوءٰتکم وریشاً،
ولباس التقویٰ، ذلک خیر،
ذلک من اٰیات اللہ لعلهم یذکرون﴾.

[سورة الاعراف]

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: کان أحب الثیاب
إلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم أن یلبسها الحبرة"

(متفق علیه).

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:
"من جر ثوبه خیلاء لم ینظر اللہ إلیه یوم القیٰمة"

(متفق علیه).

عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:
"ما أسفل من الکعبین من الإزار فی النار"

(رواہ البخاری).

فصل اول

لباس، پوشاک سے متعلق احکام کا بیان

قمیص کی تعریف اور اقرب الی السنہ قمیص کی وضاحت:

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اور علمائے عظام درجِ ذیل ایک اہم مسئلہ کے بارے میں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیثِ مبارکہ میں مرقوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قمیص زیب تن فرماتے تھے، بایں وجہ علماء نے لکھا ہے کہ مردوں کا مسنون لباس قمیص ہے، لیکن قمیص سے کونسی قمیص مراد ہے؟ اس لیے کہ موجودہ دور میں دو قسم کے کرتے پہنے جاتے ہیں: (۱) جس کے جانبین مشقوق ہوتے ہیں جو عام طور پر ہندوستان، پاکستان، افغانستان، ایران اور افریقہ کے مختلف ممالک سوڈان، صومالیہ وغیرہ میں مروج ہے۔ (۲) مدور، جو عام طور پر عرب ممالک اور دیگر علاقوں میں بھی مستعمل ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ دونوں میں کونسا کرتہ اقرب الی السنہ ہے؟ حضرت والا سے عاجزانہ درخواست ہے کہ مفصل اور مدلل جواب عنایت فرما کر اجرِ عظیم کے مستحق ہوں۔

الجواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کے بارے میں کہیں صراحۃً احادیث میں یہ بات دستیاب نہیں ہوئی کہ قمیص کی کیا ہیئت تھی، مشقوق الجانبین تھی یا مدور، بنابریں حتمی طور پر کسی ایک جانب فیصلہ کر کے دوسری جانب کو رد کرنا درست نہیں ہے، دونوں کے استعمال کی گنجائش ہے۔

ہاں فقہاء اور اہل لغت کے کلام کی روشنی میں ہمارے نزدیک زائد ٹکڑے لگی ہوئی مشقوق الجانبین قمیص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص سے زیادہ مشابہ اور اقرب الی السنہ ہے، اور ہر زمانے میں چوٹی کے علماء، صلحاء کا لباس رہا ہے، اس وجہ سے اس کا استعمال ہمارے نزدیک اقرب الی السنہ ہے، زائد ٹکڑا لگی ہوئی مشقوق الجانبین

قمیص کے اقرب الی السنہ ہونے کے چند دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ فرمایئے:

دلیل اول (۱) خاتمۃ المحققین اور فقہ حنفی کے ممتاز و مایہ ناز، نامور عالم علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

والقميص من أصل العنق إلى القدمين بلا دخريص وكمين، والدخريص: الشّق الذى يفعل في قميص الحي ليتسع للمشي . (فتاوی الشامی:۲/۲۰۲، مطلب فی الکفن،سعید).

كذا ذكره العلامة فخر الدين الزيلعيؒ (م۷۴۳ھ) **فى التبيين** (۱/۲۳۷،ط:امدادیه)، **والعلامة السيد أحمد الطحطاويؒ** (م۱۲۳۱ھ) **في حاشيته على الدر المختار** (۱/۳٦۹،ط:کوئته)، **والعلامة ابن نجيمؒ فى البحر الرائق** (۲/۱۷۵، ط:کوئته) ، **والعلامة عبد الحي اللكنويؒ** (م۱۳۰۴ھ) **في عمدة الرعاية** (۱/۲۰٦) ، **والعلامة ظفر أحمد العثمانيؒ** (م۱۳۹۴ھ) **في إعلاء السنن** (۸/۲۳۹)، **والعلامة السيد عميم الإحسانؒ فى التعريفات الفقهية** (ص:۱۷۷،ط:بیروت) .

مذکورہ بالا تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ زندہ آدمی کی قمیص وہ ہے جس میں دخریص ہو، یعنی زائد ٹکڑے کے ساتھ شق اور شگاف ہو جس کی وجہ سے چلنے میں آسانی اور سہولت پیدا ہو جائے۔

ہمارے خیال میں دخریص کی تعریف میں لفظ " الشّق " بفتح الشین ہونا چاہئے اگر شین کے کسرہ کے ساتھ ہوتا تو پھر آگے یوضع کا لفظ آتا یفعل نہیں آتا جب کہ یہاں ”یفعل“ آیا ہے۔

نیز دخریص کے دونوں ہی معنی قمیص میں موجود ہیں، قمیص میں اضافی ٹکڑا بھی ہوتا ہے جس کو کلی کہتے ہیں اور کلی کے ساتھ شگاف اور پھٹن بھی ہوتی ہے۔

صاحبِ مغرب علامہ مطرزی (۵۳۸-۶۱۰ھ) دخریص کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

دخريص القميص ما يوسع به من الشّعب . (المغرب فی ترتیب المعرب :۱/۲۸۳).

(و کذا فی التعریفات الفقهیة ،ص:۹٤،ط: بیروت).

یعنی دخریص وہ ہے جس کے ذریعہ قمیص چاک اور شگاف سے کشادہ کی جاتی ہے۔

یادرہے " شَعب " شگاف اور پھٹن کو کہتے ہیں، اس کی وضاحت بخاری شریف کی روایت میں ملاحظہ فرمایئے:

أخرج البخاري عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ **أن قدح النبي صلى الله عليه وسلم انكسر فاتخذ مكان الشّعب سلسلة من فضة** . (بخاری شریف:۱/٤٣٨، باب ما ذکر من درع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، و ۲/۸٤۲، باب الشرب من قدح النبی صلی الله علیه وسلم، وأيضاً رواه البيهقى فى سننه الكبرى :۱/۲۹،باب

النهي عن الإناء المفضض، والطبراني في الأوسط: ۹/۲۴/۸۰۴۶، والإمام الطحاوي في مشكل الآثار: ۶/ ۲۹۴/ ۴۲۸۴، وابن ماجه، ۴۳۸).

حدیثِ بالا کی شرح کرتے ہوئے علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں:

الشَّعب : بفتح الشين المعجمة وسكون العين المهملة، الصدع والشَّق . (عمدة القاری: ۱۰/ ۴۴۰، ط: دار الحدیث، ملتان).

وفي النهاية: مكان الشَّعب أى مكان الصدع والشَّق الذى فيه. (النهاية في غريب الاثر: ۲/۱۱۶۷).

قال الإمام الصنعاني في شرح بلوغ المرام : مكان الشَّعب، بفتح الشين...لفظ مشترك بين معان، والمراد منها هنا : الصدع والشَّق. (سبل السلام: ۱/۳۴).

وفي تاج العروس: مكان الشَّعب أى مكان الصدع والشَّق الذى فيه. (تاج العروس: ۳/۱۳۴). (وكذا في لسان العرب: ۱/۴۹۷).

القاموس الوحید میں ہے:

والشَّق: دُرز، تڑخن، شگاف، پھٹن۔ (القاموس الوحید، ص: ۸۷۸)۔

خلاصہ یہ ہے کہ دخریص اس شگاف اور پھٹن کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ قمیص کشادہ کی جائے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ الشُعَب شُعْبَة کی جمع ہے اور شُعْبَة کہتے ہیں: **الفرقة من كل شيء** یعنی ٹکڑے کے معنی میں ہے اگر یہ معنی ہو تو پھر بھی اس کے ساتھ شق اور پھٹن ہوگی۔

دخریص کی مزید وضاحت ملاحظہ کیجئے:

معجم لغۃ الفقہاء میں ہے:

الدخريص: الشَّق في أسفل الثوب ليساعد لابسه على المشي. (معجم لغة الفقهاء، ص۲۰۷).

وفي التعريفات الفقهية : والدخريص: الشَّق الذى يفعل في قميص الحي ليتسع في المشي. (التعريفات الفقهية، ص: ۴۳۵).

شَق بمعنى شگاف و پھٹن کی مزید وضاحت : **قال في المنجد: الشَّق: بفتح الشين جمعه شقوق بمعنى الصدع والخرق والموضع المشقوق .** (المنجد، ص۳۹۶).

وفي لسان العرب : الشَق: الصدع البائن وقيل: غير البائن وقيل: هو الصدع عامة .

(لسان العرب : ۱۸۱/۱۰، بیروت).

وفی التعریفات الفقهیة : والجیب : الشّق النازل علی الصدر. (ص:۱۷۷، ط: بیروت).

وفي مراقی الفلاح مع الطحطاوی: الجیب الشّق النازل. (ص۵۷۷،ط: قدیمی).

(وکذا فی البحر الرائق: ۱۷۵/۲، وفتح القدیر:۱۱۵/۲، دارالفکر، وحواشی الشروانی :۱۲۱/۳، وتحفة المحتاج : ۴۹۸/۱۰).

بعض حضرات دخریص کا ترجمہ زائد ٹکڑے اور کلی سے کرتے ہیں یہ بھی صحیح اور جائز ہے، کیونکہ قمیص میں شگاف کے ساتھ کلی بھی ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو؛ تاج العروس میں ہے:

الدخریص من القمیص هو ما یوصل به البدن لیوسعه . (تاج العروس:۳۹۳/٤).

الدخریص من القمیص والدرع هو ما یوصل به البدن لیوسعه . (لسان العرب : ۳۵/۷).

فقہاء کی عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ زندہ اور مردہ کی قمیص کے درمیان فرق ہے مردہ کی قمیص میں دخریص، جیب، اور کمین نہیں ہوتیں، اور زندہ کی قمیص میں یہ سب چیزیں ہوتی ہیں۔ زندہ اور مردہ کی قمیص کا فرق درجِ ذیل روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

ولنا حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ **أن النبي صلى الله علیه وسلم کفن في ثلاثة أثواب فیها قمیصه . ولباسه بعد موته معتبر بلباسه في حیاته إلا أن في حیاته کان یلبس السراویل حتی إذا مشی لم ینکشف عورته وذلک غیر محتاج إلیه بعد موته فالإزار قائم مقام السراویل ولکن في حال حیاته الإزار تحت القمیص لیتیسر المشی علیه وبعد الموت الإزار فوق القمیص من المنکب إلی القدم لأنه لا یحتاج إلی المشي** . (المبسوط : ۶۰/۲، باب غسل المیت).

مذکورہ بالا حدیث اور علامہ سرخسیؒ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ قمیص میں شق ہوتا ہے اسی وجہ سے ستر یعنی رکبتین اور ران کے کھلنے کا امکان رہتا ہے، لہذا سراویل کا استعمال ستر کھلنے کے امکان کو دفع کرنے کے لیے ہوتا ہے اور میت میں یہ بات نہیں ہے۔

حضرت مولانا سید زوار حسین صاحبؒ عمدۃ الفقہ میں فرماتے ہیں:

کرتہ میں گریبان اور کلی اور چاک اور آستین نہ لگاویں کیونکہ زندہ آدمی یہ چیزیں اس لیے کرتا ہے کہ چلنے وغیرہ میں آسانی ہوتی ہے اور مردہ اس سے بے نیاز ہے۔ (عمدۃ الفقہ :۵۰۳/۲)۔

زندہ کی قمیص میں دخریص کا لفظ درجِ ذیل کتبِ فقہ ولغت میں ملاحظہ فرمائیے:

(دستور العلماء :۳/۹۰، والتعریفات الفقهية ،ص۱۷۷، واللباب فی شرح الكتاب :۱/۶۳، والمحيط البرهانی: ۸/۲۵۳، ورد المحتار علی الدرالمختار:۲/۲۰۲، سعيد، ومجمع الانهر شرح ملتقى الابحر:۱/۲۶۶، ومراقی الفلاح، ص۲۲۵، قديمي، والبحرالرائق:۲/۱۸۹، وتبيين الحقائق :۱/۲۳۷، وحواشی الشروانی :۳/۱۲۱، وشرح منتهى الارادات :۱/۳۵۶،وامدادالفتاح ،ص۶۱۲،وشرح النقاية:۲/۳۹،ط:بيروت).

(۲) دلیل دوم: شق والی قمیص میں ایک سے زائد دامن ہوتے ہیں ،اس کی تائید صاحبِ لسان العرب ابن منظور کی عبارت سے ہوتی ہے۔ملاحظہ ہو:

قال: الذيل واحد أذيال القميص وذيوله. (لسان العرب :۱۱/۲۶۰، وكذا فی مختار الصحاح، ص:۲۲۶، ط: بيروت، و الصحاح للجوهرى :۴/۱۳۹۲، داراحياء التراث العربی، بيروت).

تاج العروس میں ہے:

قال الزجاج : إذا زيد على الجزء (حرف) واحد وذلک الجزء مما لا يزاحف فاسمه المذال نحو متفاعلان أصله متفاعلن فزدت حرفاً فصار ذلک الحرف بمنزلة الذيل للقميص. (تاج العروس : ۷/۳۳۲).

حاصل یہ ہے کہ شق والی قمیص ہی کا ناحیہ مستقیمہ بنتا ہے الف کی طرح جب کہ مدور میں اس طرح کی کیفیت حاصل نہیں ہوتی۔

تیسری دلیل: جن علاقوں میں صحابہ کرام کی مقدس ہستیوں کے قدم پڑے ہیں وہاں ان کی تہذیب وثقافت ،اخلاق وکردار،عادات واطوارسب منتقل ہوئیں ،چنانچہ سوڈان ،صومالیہ وغیرہ افریقی ممالک نیز افغانستان وغیرہ کے علاقوں کا لباس بھی شق والا کرتہ اس بات کی کھلی گواہی دیتا ہے کہ یہی ان مقدس حضرات کا لباس تھا۔

البتہ فی زمانناجانبین کے شگاف رکبتین سے کچھ اوپر ہونے لگے،اوراس کی وجہ یہ ہے کہ نیچے شلوار یاازار پہنی جاتی ہے اس میں ستر علی وجہ الکمال پایا جاتا ہے ،ورنہ اصل قمیص نصف ساق تک ہونی چاہئے اورشگاف رکبتین سے ذرا نیچے ہوں،بغیر شلوار کے بھی اس میں ستر کھلنے کا امکان بہت کم ہے،جن صحابہ کرام نے صرف قمیص میں نماز پڑھی تھی وہ بھی اسی حالت پرمحمول ہے۔

اشکالات اور جوابات:

بعض علماء مشقوق قمیص پر چند اشکالات کرتے ہیں، مختصراً ان کے جوابات حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

اشکال (ا) صحابہ کرام کی ایک جماعت نے ایک قمیص میں نماز پڑھی، متعدد احادیث سے ثابت ہے، نیز شراحِ حدیث، فقہاء وغیرہ نے بھی تصریح فرمائی ہے کہ ایک قمیص میں نماز جائز اور درست ہے، اس لیے کہ اس میں سترِ عورت حاصل ہوجاتا ہے، اور یہ مدور میں ممکن ہے، شگاف والی قمیص میں ستر کھل جانے کا امکان ہے یا ستر عورت نہیں ہوتا ہے، لہذا شگاف والی قمیص مراد نہیں؟

الجواب: (الف) صحابہ کرام جن ممالک میں تشریف لے گئے تھے وہاں کے باشندوں کی قمیص شگاف والی ہے، ہاں یہ بات الگ ہے کہ ان حضرات کی قمیص میں شگاف رکبتین سے ذرا نیچے ہوتا ہے اور ہمارے ہاں پاکستان، ہندوستان میں شگاف رکبتین سے اوپر ہوتا ہے، لہذا فقہاء اور محدثین نے جو تحریر فرمایا ہے وہ اس قمیص کے بارے میں ہے جس کا شگاف رکبتین سے ذرا نیچے ہو اور نصف ساق تک لمبی ہو، اس میں سترِ عورت حاصل ہوجاتا ہے۔

الجواب: (ب) پھر قمیص واحد میں نماز پڑھنے سے کشفِ عورت کا احتمال صحابہ کرام کے دور میں بھی تھا بلکہ بعض مرتبہ ستر کھل جاتا تھا، اسی وجہ سے عورتوں کو تاکید کی گئی تھی کہ مردوں سے پہلے سجدہ سے سر نہ اٹھائیں۔

مطلب یہ ہے کہ کشفِ عورت کے احتمال کے ساتھ نماز جائز ہے اور صحابہ کرام نے اسی احتمال کے ساتھ نماز پڑھی ہے اور متعدد کپڑوں میں بھی پڑھی۔ کشفِ عورت کے احتمال کی چند روایات ملاحظہ ہوں:

(١) بوب الإمام الهمام البخاري في صحيحه (١١٣/١)**، فقال: عقد الثياب وشدها ومن ضم إليه ثوبه إذا خاف أن تنكشف عورته، حدثنا محمد بن كثير أناسفيان عن أبي حازم بن سهل بن سعد قال: كان الناس يصلون مع النبي صلى الله عليه وسلم وهم عاقدوا أزرهم من الصغر على رقابهم فقيل للنساء: لاترفعن رؤوسكن حتى يستوى الرجال جلوساً .**

قال الإمام بدر الدين العينيؒ في شرح هذا الحديث: قوله جلوساً ، أي جالسين كانت النساء متأخرات عن صف الرجال فنهين عن رفع رؤوسهن حتى يستوى الرجال جالسين، حتى لا يقع بصرهن على عوراتهم. وفيه الاحتياط في سترالعورة ، والتوثق بحفظ السترة.

(عمدة القاری شرح صحیح البخاری:٤/ ٥٦١).

مذکورہ بالا روایت درجِ ذیل کتبِ حدیث میں ملاحظہ فرمایئے: (السنن الکبری للبیہقی :۲/۲٤۱، والمعجم الکبیر:٦/۱۹۱، وسنن النسائی:۲/۷۰، شعب الایمان :۷/۲۸۳).

(۲) أخرج الإمام أبوداود في سننه (رقم:۸۵۱)، **عن أسماء بنت أبي بكر قالت: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من كان منكن يومن باللّٰه واليوم الآخرفلا ترفع راسها حتى يرفع الرجال رؤوسهم كراهة أن يرين من عورات الرجال. إسناده صحيح. وأيضاً رواه البيهقى فى الكبرى**(۲/۲٤۱)، **والطبراني فى الكبير** (۲٤/۹۷)، **وأحمد في مسنده** (رقم ۲٦۹٤۷) ، **وابن راهويه في مسنده** (۵/۱۱۹) ، **وعبد الرزاق فى مصنفه** (۳/۱٤۸).

قال العلامة العينیؒ: إنما نهى عن رفع رؤوسهن قبل جلوس الرجال خشية أن يلمحن شيئاً من عورات الرجال عند الرفع منه . (عمدة القاری :٦/۱۹۳).

بلکہ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ خود فرماتی ہیں: **قالت: وذلک إن أزرهم كانت قصيرة مخافة أن تنكشف عوراتهم إذاسجدوا** .(مسند احمد رقم: ۲٦۹۵۰، والمعجم الکبیرللطبرانی، رقم: ۲٦۱).

طبرانی کی روایت میں اس طرح مذکور ہے:

قالت: لأنه كانت بينهم حادة فيلبسون ثياباً تقصر عنهم فتبدو عوراتهم. (المعجم الکبیر، رقم: ۲٦۳).

قال العلامة العينیؒ فی شرح سنن أبی داود: قوله كراهية أن يرين " انتصاب" أى لأجل كراهية أن ترى النساء من عورات الرجال إذا رفعن رؤوسهن قبلهم وذلک لأنهم كان عليهم أزرقصيرة فإذا سجدوا ربما ينكشف موضع من عوراتهم.(٤/٤۳، ط: مكتبة الرشد).

خلاصہ یہ ہے کہ شق والی قمیص کو اس لیے رد کرنا کہ صحابہ کرامؓ نے ایک قمیص میں نماز پڑھی اور ستر نہیں کھلا درست نہیں ہے، ستر کھلنے کا امکان اُس زمانہ میں بہت ہوتا تھا جیسا کہ روایات اور شروحات سے واضح ہوا، تو شق والی قمیص میں کشفِ عورت کے احتمال کے ساتھ بھی نماز درست ہے اور صحابہ کرامؓ نے پڑھی۔

(ج) علی فرض التسلیم شگاف والی قمیص میں سترِ عورت (رکبتین) نہیں ہوتا بلکہ رکبتین کھل جاتے ہیں اس کے باوجود نماز درست ہوسکتی ہے جیسا کہ بعض ائمہ کے نزدیک اس کی گنجائش ہے پھر کشفِ عورت مذہب احناف میں بھی ربع عضو سے کم معاف ہے اور نماز درست ہے، نیز بقدرِ رکن نہ ہوا یک رکن سے کم وقفہ میں کھلا

اورفوراً چھپالیا تب بھی نماز درست ہے۔

علاوہ ازیں دیگر امکانات ہیں لہذا علی الاطلاق صحابہ کرامؓ کی نماز سے شگاف والی قمیص ردنہیں ہوتی ۔

ملاحظہ ہو: **قال الحافظ الفقيه ابن رجب الحنبلي** (۷۳۶ـ۷۹۵ھ) **في فتح الباری** (۲/۱۵۸): **وفيه (الحديث الذی مر آنفاً) أن من انكشف من عورته يسير في صلاة لم تبطل صلاته وقد استدل بذلک طائفة من الفقهاء ... وإنما ذكر حديث عمرو بن سلمة الجرمی أنه كان يصلی بقومه في بردة له صغيرة فكان إذا سجد تقلصت عنه فيبدوبعض عورته حتی قالت عجوزمن وراءه : ألا تغطون عنا إست قارئكم ، وقد خرجه البخاری في موضع آخر من كتابه هذا .**

ومذهب أحمد أنه إذا انكشفت العورة كلها أوكثير منها ثم سترها فی زمن يسير لم تبطل الصلاة وكذلک إن انكشفت منها شيء يسير، وهوما لايستفحش فی النظر ولوطال زمنه وإن كان كثيراً وطالت مدة انكشافه بطلت الصلاة وكذا قال الثوریؒ لو انكشفت عورته فی صلاته لم يعد . ومراده إذا أعاد سترها فی الحال .

وعن أبي حنيفةؒ وأصحابه: إن انكشف من المغلظة دون قدرالدرهم فلا إعادة ومن المخففة إن انكشف دون ربعها فكذلک .

ولا فرق بين العمد والسهو في ذلک عند الأكثرين وقال إسحاق: إن لم يعلم بذلک إلا بعد انقضاء صلاته لم يعد وهو الصحيح عند أصحاب مالکؒ .

نیز بہت سارے ائمہ کے نزدیک رکبتین ستر میں داخل نہیں ہے۔

قال الإمام النوویؒ : و عورة الرجل حراً كان أو عبداً ما بين السرة و الركبة على الصحيح . (روضة الطالبين: ۱/۲۸۲).

قال علاء الدين أبوالحسن الحنبلي(م۸۸۵): **عورة الرجل والأمة ما بين السرة والركبة كذا فی الإنصاف فی معرفة الراجح من الخلاف** . (۱/۴۴۹، داراحياء التراث).

وقال فی المغنی: والصالح فی المذهب أنها من الرجل ما بين السرة والركبة نص عليه أحمد في رواية جماعة . (المغنی: ۱/۶۱۵، ط: بيروت).

وقال الشيخ وهبة الزحيلي: مذهب الشافعية عورة الرجل ما بين سرته وركبته في الصلاة والطواف و أمام الرجال الأجانب والنساء المحارم ... فالسرة و الركبة ليستا من العورة على الصحيح . (الفقه الاسلامی وادلته: ۱/۵۸۸).

وفي حاشية الدسوقي: هي من رجل ما بين سرة وركبة وهو بيان لها بالنسبة للرؤية و كذا بالنسبة للصلاة . (۱/۳۳۷، فصل فی ستر العورة).

قال ابن رشد القرطبي الأندلسي: حد العورة من الرجل؛ فذهب مالكؒ والشافعيؒ إلى أن حد العورة منه ما بين السرة إلى الركبة و كذلك قال أبوحنيفةؒ . و قال قوم : العورة هما السوأتان فقط من الرجل وسبب الخلاف في ذلك أثران متعارضان كلاهما ثابت أحدهما: حديث جرهد رضی اللہ عنہ، أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الفخذ عورة، والثاني:حديث أنس رضی اللہ عنہ: أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم حسر عن فخذه وهوجالس مع أصحابه قال البخاري: وحديث أنس رضی اللہ عنہ أسند وحديث جرهد رضی اللہ عنہ أحوط ، وقد قال بعضهم: العورة الدبر والفرج والفخذ . (بداية المجتهد:۱/۸۳، الباب الرابع).

وللاستزادة انظر: (الفقه الاسلامی وادلته، وكفاية الطالب الربانی :۴/۳۵۳، وعرف الجادی من جنان هدی الهادی ،ص۶۵، وفيه : [السرة والركبة ليستا من العورة باتفاق أهل الحديث وفي الفخذ للراكب إذا تعرى عليه سترة]. والفقه السنة للسيد سابق :۱/۸۰۶).

اشکال (۲): قمیص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ پیراہن میں شمار ہوتی تھی اس وجہ سے کہ ’’أستر للعورة ‘‘ ہے اس میں ستر عورت اچھی طرح حاصل ہوتا تھا جب کہ موجودہ شق والی قمیص میں ستر عورت ممکن نہیں ہے؟

الجواب: واضح ہو کہ ’’ أستر ‘‘ دو معانی کے لیے ہے (۱) أشد ستراً (۲) دوسرا أكمل ستراً۔ پہلے معنی مراد ہو تو مطلب یہ ہے کہ قمیص میں ستر عورت زیادہ ہے بنسبت ازار ورداء کے اس لیے کہ دونوں کے گر جانے کا احتمال ہے خصوصاً جو لوگ اچھی طرح باندھنا نہیں جانتے، كما روى البخاريؒ في باب قراءة القرآن بعد الحدث وغيره ...وقال حماد عن إبراهيم: إن كان عليهم إزار فسلم وإلا فلا تسلم. (صحیح البخاری:۱/۳۰).

علم منه أن الإزار في الحقيقة موضوع لستر العورة فلذلك لم يقل إن كان عليهم إزار أو قميص فسلم وإلا فلا . وإن أمكن أن يكون ذكر الإزار للبسه عادة لكن المقصود في القميص الزينة ، ودفع الحر والبرد والستر والإزار للستر ،

یعنی ازار ستر عورت کے لیے مقرر ہے بخلاف قمیص کے اگر چھوٹی ہو تو ستر نہیں ہوگا یا مشکل ہوگا۔ اور اگر دوسرا معنی مراد ہو تو قمیص باوجود شق وشگاف کے نصفِ اسفل رکبتین تک ساتر ہوتی ہے اور ازار میں فقط نصف اسفل کا ستر ہوتا ہے جب کہ قمیص میں نصفِ اسفل کے ساتھ نصفِ اعلیٰ کا ستر بھی ہو جاتا ہے اس وجہ سے **أشمل وأكمل ستراً** فرمایا۔ اور یہ بات مشاہدہ سے ثابت ہے جہاں عام صحابہ کرامؓ والی قمیص پہنی جاتی ہے وہاں اس کے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

اشکال (۳): قمیص میں دخریص کا مطلب یہ ہے کہ دخریص وہ اضافی کپڑا ہے جس کے ذریعہ قمیص کشادہ کی جاتی ہے شگاف مراد نہیں۔ ملاحظہ ہو:

الدخريص من القميص هو ما يوصل به البدن ليوسعه . (تاج العروس :۴/ ۳۹۳).

ما يوسع به من الشعب . (المغرب ،ص ۲۸۳).

الشعب جمع شعبة ، الفرقة من الشيء . (المعجم الوسيط).

بلکہ لغات، فقہ اور حدیث میں کہیں پر یہ نہیں ملا کہ دخریص شق اور شگاف پر بولا جاتا ہے۔

والشق من الشيء جزء ه . (المعجم الوسيط).

الجواب: ابتداء میں یہ بات وضاحت کے ساتھ گزری ہے کہ دخریص شق کو بھی کہتے ہیں تاہم اگر اضافی کپڑا مراد ہو تب بھی درست ہے کہ قمیص میں دونوں ہی ہوتے ہیں اضافی کپڑا بھی ہوتا ہے جس سے قمیص کشادہ ہوتی ہے اور شق وشگاف بھی ہوتا ہے۔ اس دخریص کو اردو میں کلی کہتے ہیں اور کرتے کی کلی برصغیر اور افریقہ، سوڈان، صومالیہ وافغانستان میں مشقوق اضافی کپڑا ہوتا ہے گویا دخریص کی خصوصیت یہ ہوگی کہ:

الدخريص: ما يوسع به من قطعة الثوب مع الشّق أو الشّق فقط ۔

دخریص، شق وشگاف کے معنی میں ہے اس کے مزید دلائل ملاحظہ ہوں:

معجم لغۃ الفقہاء میں ہے: **الدخريص الشّق في أسفل الثوب ليساعد به على المشي .**

(ص ۲۰۷). (ومثله في المغرب ،ص ۲۸۳).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: الدخريص الشّق الذى يفعل في قميص الحي ليتسع للمشي .
(فتاوی الشامی:۲۰۲/۲،سعید). شامی میں القطعة التى توضع نہیں ہے۔

الشّق بفتح الشين جمعه شقوق بمعنى الصدع و الخرق و الموضع المشقوق .

(المنجد،ص٣٩٦).

المعجم الوسيط میں ہے:

الشَق الصدع ، الخرق ، الشق الخيشومى : إحدى الفتحات التى على جانبي الرأس وتفتح فى الجيب الخيشومى و الشق القيصر فى الولادة استخراج الجنين بشق البطن .

(المعجم الوسيط،ص:٤٨٩).

القاموس الوحيد میں ہے: الشّق ،شگاف،پھٹن، ج:شقوق۔(القاموس الوحید:۸۷۸/۱).

القاموس الوحید میں ہے:

الصدع: ٹھوس چیز میں دراڑ،شگاف،قرآن پاک میں ہے: و الأرض ذات الصدع ،دراڑ،پھٹن ج: صدوع۔(ص۹۱۶).

معترض صاحب نے جوشق کا معنی حصہ اور جزء بیان کیا دراصل یہ الشِّق بالکسر ہے جب کہ دخریص کی تعریف میں الشّق بالفتح بمعنی شگاف ہے۔جیسا کہ مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہوا۔

الشِّق بالكسر کے بارے میں ملاحظہ ہوالمعجم الوسیط میں ہے: الشِق بالكسر شِق الشيء جزء ه ونصفه ، وجانبه ، والجهد والمشقة وفى التنزيل العزيز: وتحمل أثقالكم إلى بلد لم تكونوا بالغيه إلا بشِق الأنفس . (المعجم الوسيط،ص:٤٨٩).

لہذا دونوں کے درمیان واضح اور بین فرق ہے۔فافهم وتدبر۔

بعض حضرات نے دخریص کی تعریف میں لفظ ”الشّعب“ کا اضافہ فرمایا ہے،اس سے اور زیادہ شگاف کی وضاحت ہوتی ہے۔ملاحظہ ہو: المغرب میں ہے: دخريص القميص: ما يوسع به من الشّعب .

(المغرب،ص:٢٨٣).

التعریفات الفقہیۃ میں ہے: دخريص القميص: ما يوسع به من الشّعب . (التعريفات الفقهية،ص:٩٤).

بعض حضرات یہاں بھی شعب کو فرقة من الشيء سے تعبیر کرتے ہیں،لیکن الشَّعب اصل شگاف اور پھٹن اور

انفراج کو کہتے ہیں۔

معجم لغۃ الفقہاء میں ہے: **الشَّعب: الانفراج بين جبلين** . (ص٢٦٣).

المعجم الوسيط میں ہے:

انفراج بين الجبلين والطريق ومجرى للماء تحت الأرض. (ص٤٨٣)، (وكذا فى التعريفات الفقهية ،ص١٢٣).

اس معنی کی وضاحت کے لیے حدیث شریف ملاحظہ ہو:

أخرج البخاري عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن قدح النبي صلى الله عليه وسلم انكسر فاتخذ مكان الشَّعب سلسلة من فضة . (بخارى شريف : ٤٣٧/١، باب ما ذكرمن درع النبى صلى الله عليه وسلم، وأيضاً رواه البيهقي في سننه الكبرى:٢٩/١، باب النهى عن الاناء المفضض، والطبراني فى الاوسط: ٨٠٤٦/٢٤/٩، والامام الطحاوى فى مشكل الآثار:٤٢٨٤/٢٩٤/٦، وابن ماجه ،٤٣٨).

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ ٹوٹ گیا تو پھٹن کی جگہ چاندی کا پترا لگایا۔

الشعب کی شرح میں شراحِ حدیث کے اقوال ملاحظہ فرمائیے:

حدیثِ بالا کی شرح کرتے ہوئے علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں:

الشَّعب: بفتح الشين المعجمة وسكون العين المهملة ، الصدع والشَّق .(عمدة القارى: ٤٤٠/١٠).

وفى النهاية: مكان الشَّعب أى مكان الصدع والشَّق الذى فيه. (النهاية فى غريب الاثر:١١٦٧/٢).

قال الإمام الصنعاني في شرح بلوغ المرام : مكان الشَّعب، بفتح الشين...لفظ مشترك بين معان، والمراد منها هنا : الصدع والشَّق. (سبل السلام :٣٤/١).

وفي تاج العروس: مكان الشَّعب أى مكان الصدع والشَّق الذى فيه. (تاج العروس:١٣٤/٣). (وكذا فى لسان العرب : ٤٩٧/١).

القاموس الوحید میں ہے:

والشَّق: دُرز، تڑخن، شگاف، پھٹن۔ (القاموس الوحید،ص:۸۷۸)۔

بعض روایت میں ''انکسر'' کی جگہ ''انصدع'' کا لفظ آیا ہے **كما فى رواية البيهقى** دونوں الفاظ

سے بھی واضح ہوتا ہے کہ شگاف مراد ہے۔ ورنہ اگر **فرقة من الشي**ء مراد ہوتو یہاں **قدح النبي صلى الله عليه وسلم** میں **فرقة من الشيء** کا کیا مطلب ہوگا؟

اشکال (۴): علامہ شامیؒ کی عبارت سے مشقوق قمیص تسلیم کرلیں تب بھی اتنی بات ثابت ہوگی کہ علامہ شامیؒ ۱۲۰۰ھ میں تھے لہذا یہ اس وقت موجود تھی، نہ کہ اس سے پہلے؟

الجواب: دخریص کی تعریف صرف علامہ شامیؒ نے بیان نہیں فرمائی بلکہ آپ سے پہلے بھی فقہاء نے بیان کی ہے۔ مثلاً صاحب المغرب الامام اللغوی ابوالفتح ناصر الدین المطرزی المولود ۵۳۸ھ والمتوفی ۶۱۰ھ مطابق ۱۱۴۴ء۔ ۱۲۱۳ء یعنی علامہ المطرزی چھٹی صدی ہجری کے عالم ہیں ان کی عبارت مذکور ہوئی۔

(۲) علامہ فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی المتوفی ۷۴۳ھ یعنی آٹھویں صدی ہجری کے فقیہ ہیں۔

(۳) علامہ ابن نجیم المصری نے بھی بیان کیا ہے۔ م ۹۷۰ھ دسویں صدی ہجری کے فقیہ ہیں۔ وغیرہ۔

لہذا یہ قول درست نہیں ہے کہ شق والا کرتا علامہ شامیؒ کے زمانہ میں ایجاد ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اصل چیز مشاہدہ اور عمل متوارث ہے جو ہر زمانہ میں علماء صلحاء کے جسم پر نظر آتا ہے اور قانون بھی ہے کہ ہر زمانہ میں اقرب الی السنہ وہی لباس کہلاتا ہے جو اُس زمانہ کے صلحاء و اولیاء اللہ کا عمومی سطح پر ہو ممکن ہے کہ پرانے زمانہ میں بھی بعض حضرات غیر مشقوق کرتا استعمال کرتے ہوں۔

لیکن کتب فقہ اور لغات کی روشنی میں شق والا کرتا زیادہ مناسب ہے اور جہاں جہاں اسلام کی کرنیں قرن اول میں پہنچیں وہ لوگ شق والا کرتا استعمال کرتے تھے اور کرتے ہیں، ہاں بغیر چاک کے کرتا بھی صلحاء کا لباس ہے اور اس کا استعمال بھی بالکل درست ہے۔

اشکال (۵) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ قمیص کی تعریف یوں کی گئی: **القميص ثوب مخيط غير مفرج يلبس تحت الثياب**؟

الجواب: (۱) ان حضرات کا دعویٰ یہ ہے کہ قمیص کے کنارے مشقوق نہیں ہوتے لہذا ایسی دلیل پیش کرنا چاہئے جس میں کناروں کے چاک کی نفی ہو جو اس تعریف میں نہیں ہے۔

(۲) اگر "**غير مفرج**" کا مطلب یہ لیا ہے کہ اس میں بالکل مشقوق نہیں ہے تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ قمیص میں گریبان تو ہوتا ہے جو مشقوق ہے، **كما في التعريفات الفقهية: والجيب: الشّق النازل على الصدر**. (ص ۱۷۷).

(۳)اس لیے ''غیـر مفـرج'' کا یا یہ مطلب ہے کہ اس میں پیچھے سے فروج کی طرح شق نہیں جو فروج میں ہوتا ہے یا مطلب یہ ہے کہ قمیص سامنے سے کھلی نہیں ہوتی ہے بخلافِ جبہ اور قبا کے وہ آگے سے مشقوق ہوتا ہے۔ **الـجبة ثـوب سـائـغ واسـع الـكـمـيـن مشقوق المقدم يلبس فوق الثياب** . (المعجم الوسيط:۱/۱۰۴).

الـفـروج قبـاء فيـه شـق من خلفه وفي الحديث : صلى بنا النبي صلى الله عليه وسلم وعليه فروج من حرير . (لسان العرب:۲/۳۴۴). (وكذا في تاج العروس : ۲/۸۴،والمغرب :۲/۱۲۸).

اشکال (٦): ہم نے تو اپنے اکابر اور اساتذہ سے سنا ہے کہ دخریص کے معنی کلی ہے چاک کے معنی تو ہم نے کبھی نہیں سنے بلکہ وہ زائد کپڑا مراد لیتے ہیں مشاہدہ اس پر دال ہے؟

الجواب: اکابر نے دخریص کے معنی کلی بیان کیے ہیں لیکن وہ زائد ٹکڑا چاک کے ساتھ ہوتا ہے بغیر چاک کے نہیں تھا، نیز لغت کی کتابوں اور شامی وغیرہ سے معلوم ہوا کہ صرف چاک میں بھی دخریص استعمال ہوتا ہے ہاں کپڑے کا زائد ٹکڑا بمعہ چاک بھی مستعمل ہے۔

حضرت مولانا سید زوار حسین صاحبؒ ہمارے اکابر علماء میں سے ہیں وہ عمدۃ الفقہ میں فرماتے ہیں:

کرتہ میں گریبان اور کلی اور چاک اور آستین نہ لگاویں کیونکہ زندہ آدمی یہ چیزیں اس لیے کرتا ہے کہ چلنے وغیرہ میں آسانی ہوتی ہے اور مردہ اس سے بے نیاز ہے۔(عمدۃ الفقہ :۲/۵۰۳)۔

پھر اگر دخریص کے معنی زائد ٹکڑا ہو جیسا کہ اس کی تعریف میں شق سے جزء اور حصہ لیتے ہیں تو پھر جیب کی تعریف میں شَق کا لفظ ہے اس میں کیسے جزء اور حصہ لیں گے، یہ تو مشاہدہ کے خلاف ہے، گریبان میں شَق ہونا اظہر من الشّمس ہے۔ ملاحظہ ہو التعریفات میں ہے:

الدخريص الشّق الذي يفعل في قميص الحي ليتسع في المشي . (التعريفات ،ص۱۷۷).

الجيب : الشّق النازل على الصدر . (التعريفات ،ص۱۷۷).

خلاصہ یہ ہے کہ دونوں جگہ الشّق سے شگاف اور چاک مراد ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کرتا ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کا حکم:

سوال: بعض لوگ اپنے کرتوں کو ٹخنوں سے نیچے رکھتے ہیں، اور دلیل میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کا حوالہ پیش کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ٹخنوں سے نیچے کرتا یا پاجامہ لٹکانا ناجائز ہے، اور اس کے بارے میں احادیث میں بہت زیادہ وعیدیں وارد ہوئی ہیں، نیز احادیث میں مطلق ممانعت وارد ہوئی ہے۔ مطلق ممانعت والی چند روایات ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما أسفل من الكعبين من الإزار في النار . (رواه البخاري، رقم: ٥٧٨٧).

عن أبي ذر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ثلاثة لايكلمهم الله يوم القيمة ولاينظر إليهم ولا يزكيهم ولهم عذاب أليم : المسبل ، والمنان ، والمنفق سلعته بالحلف الكاذب . (مصنف ابن ابی شيبة ٨/ ٢٠٠، ومسلم، رقم: ١٧١).

عن أبي سعيد قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أزرة المؤمن إلى أنصاف ساقيه لا جناح عليه فيما بينه وبين الكعبين وأسفل من ذلک في النار قلت: قال ذلک ثلاث مرات، ولا ينظر الله يوم القيٰمة إلى من جر إزاره بطراً . (رواه البيهقي في شعب الايمان، رقم ٦١٣٣، بيروت).

عن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الإزار إلى نصف الساق فلما رأى شدة ذلک على المسلمين قال: إلى الكعبين لا خير فيما أسفل من ذلک . (رواه احمد في مسنده، رقم: ١٣٦٠٥، والبوصيري في الزوائد، رقم: ٤٠٥٣).

عن عبد الله بن أبي هذيل، قال: سأل أبوبكر رضي الله عنه رسول الله صلى الله عليه وسلم عن موضع الإزار؟ فقال: مُسْتَدَقُّ الساق، لا خير فيما أسفل من ذلک ، ولا خير فيما فوق ذلک . (رواه ابن ابی شيبة ،رقم: ٢٥٣١٤).

عن حذيفة رضي الله عنه قال: أخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم بأسفل عضلة ساقي، أو ساقه ، فقال : هذا موضع الإزار، فإن أبيت فأسفل، فإن أبيت فأسفل، فإن أبيت فلا حق للإزار في الكعبين . (رواه ابن ابی شيبة ،رقم: ٢٥٣١٥).

عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:ما تحت الكعب من الإزار في

النار . (رواه ابن ابی شيبة ،رقم ٢٥٣١٦).

عن عائشةؓ قالت: دخل علي رسول الله صلى الله عليه وسلم فوضع عنه ثوبيه ثم لم يستتم أن قام ، إلى قوله ...أتاني جبريل عليه السلام فقال: هذه الليلة ليلة النصف من شعبان ولله فيها عتقاء من النار بعدد شعور غنم كلب ، لاينظر الله فيها إلى مشرك ولا إلى مشاحن ولا إلى قاطع رحم ولا إلى مسبل . (رواه البيهقي في الشعب ،رقم: ٣٥٥٦ ،بيروت).

مذکورہ بالا روایات کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ شرعی پوشاک وہ ہے جوٹخنوں سے اوپر ہو، اور ایسی قمیص یا پاجامہ یا تہبند کا استعمال جوٹخنوں سے نیچے چلا جائے سخت مکروہ اور شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہے۔

فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمائیے:۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

ويكره للرجال السراويل التي تقع على ظهر القدمين ،عتابية . (فتاوى الشامي: ٦/ ٣٥١ ،سعيد،و البحرالرائق:٨/ ٢١٦ ،دارالمعرفة،و الفتاوى الهندية:٥/ ٣٣٣).

وفي الفتاوى الهندية : تقصير الثياب سنة وإسبال الإزار والقميص بدعة ينبغي أن يكون الإزار فوق الكعبين إلى نصف الساق وهذا في حق الرجال . (الفتاوى الهندية : ٥/ ٣٣٣).

النتف فی الفتاوی میں ہے:

والثالث :كل لباس يكون على خلاف السنة يكون لبسه مكروهاً وهو مثل أثواب الكفار وأثواب الفسق والفجور وأهل الأشر والبطر مثل القرطق وإسبال الإزار...الخ .

(النتف فی الفتاویٰ ،ص١٦٢ ،بیروت).

فیض الباری میں ہے: **وجر الثوب ممنوع عندنا مطلقاً** . (فيض البارى : ٤/ ٣٧٣).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جوشخص (پاجامہ یا لنگی سے) ٹخنے ڈھانکے گا تو یہ حصہ دوزخ میں جلے گا، اس لیے مکروہِ تحریمی ہے اس طرح نماز بھی مکروہِ تحریمی ہوتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۹/ ۲۷۱، جامعہ فاروقیہ)۔

بعض حضرات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر تکبر کا قصد نہ ہوتو اسبالِ ازار مکروہ نہیں ہے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ملاحظہ ہو:

عن عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہ **عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من جر ثوبه خيلاء لم**

ینظر اللّٰہ إلیہ یوم القیٰمۃ قال أبوبکر رضی اللہ عنہ : یا رسول اللّٰہ إن أحد شقي إزاری یسترخي إلا أن أتعاھد ذلک منہ، فقال النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم لست ممن یصنعہ خیلاء . (رواہ البخاری ، رقم : ۵۷۸۴).

لیکن اس روایت سے استدلال بہ چند وجوہ صحیح اور درست نہیں ہے۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عمداً نہیں لٹکاتے تھے بلکہ بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، لیکن اس کے باوجود کبھی کبھی بے خبری میں ایسا ہوجاتا تھا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ بہت ہی نحیف الجسم تھے، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ کے اندر تکبر نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں:

وسبب استرخاءہ کون أبي بکر رضی اللہ عنہ رجلاً أحنی نحیفاً لایستمسک ، فإزارہ یسترخي عن حقویہ...وفیہ أنہ لا حرج علی من یجر إزارہ بغیر قصد . (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری:۱۵/۵،ملتان، وکذا فی ارشاد الساری للعلامۃ القسطلانی).

فتح الباری میں حافظ صاحب فرماتے ہیں:

وکان سبب استرخاءہ نحافۃ جسم أبي بکر رضی اللہ عنہ ، قولہ : إلا أن أتعاھد ذلک منہ أی یسترخي إذا غفلت عنہ ووقع في روایۃ معمر عن زید بن أسلم عند أحمد أن إزاري یسترخي أحیاناً فکأن شدہ ینحل إذا تحرک بمشی أو غیرہ بغیر اختیارہ فإذا کان محافظاً علیہ لایسترخي لأنہ کلما کاد یسترخي شدہ . (فتح الباری : ۲۵۵/۱۰).

فیض الباری میں ہے:

وأما قولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لأبي بکر رضی اللہ عنہ : إنک لست ممن یجر إزارہ خیلاء ففیہ تعلیل بأمر مناسب ، وإن لم یکن مناطاً، فعلۃ الإباحۃ فیہ عدم الاستمساک إلا بالتعھد.

(فیض الباری : ۳۷۳/٤).

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

رہا قصہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، میرے نزدیک اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ " إنک لست تفعلہ بالاختیار والقصد " چنانچہ " إلا أتعاھد" اس کی دلیل ہے کہ بلاقصد ایسا ہوجاتا تھا اور اسی

کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہے۔ (امداد الفتاویٰ:۱۲۲/۴)۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ کا سوال کرنا ہی دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کرام نے اس حدیث کو مطلق سمجھا تھا، کیونکہ اگر یہ وعید خاص متکبرین کے لیے ہوتی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سوال نہ کرتے اولاً تو وہ خود عمداً نہیں کرتے تھے، اور اگر عدمِ احتیاط سے نیچے ہو بھی جاتا تو اوپر کر لیتے تھے تکبر تو بہت دور کی بات ہے چہ جائیکہ تکبر کا شائبہ بھی ہو۔

شاہ صاحب فیض الباری میں فرماتے ہیں:

وسوال أبي بكر رضي الله عنه أيضاً يؤيد ما قلنا، فإنه يدل على أنه حمل النهي على العموم ولو كان عنده قيد الخيلاء مناطاً للنهي لما كان لسواله معنى. (فيض البارى : ٣٧٤/٤).

خلاصہ یہ ہے کہ ٹخنوں سے نیچے پاجامہ یا ازار لٹکانا یہ سنت اور تعلیماتِ نبوی کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، اگر قصداً تکبر کی وجہ سے ایسا کرتا ہے تو مکروہِ تحریمی ہے اور اگر تکبر نہیں بلکہ ویسے ہی پسند کرتا ہے تب بھی مکروہ ہے بعض روایات کے اطلاق کی وجہ سے، حتی کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نفس اسبال ہی تکبر ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

عن أبي جُرَيٍّ جابر بن سليم قال: رأيت رجلاً يصدر الناس عن رأيه لا يقول شيئاً إلا صدروا عنه قلت: من هذا قالوا: هذا رسول الله صلى الله عليه وسلم قلت: عليك السلام يارسول الله مرتين، قال: لاتقل عليك السلام، فإن عليك السلام تحية الميت قل السلام عليك ... قال: ولاتحقرن شيئاً من المعروف ...وإياك وإسبال الإزار، فإنها من المخيلة وإن الله لا يحب المخيلة . (رواه ابوداود،رقم: ٤٠٨٦،وابن حبان فى صحيحه ،رقم:٥٢٢،والبيهقى فى الكبرى :٢١٦٢٣).**قال الشيخ شعيب**(فى تعليقاته على مسند احمد رقم: ١٦٦١٦) : **حديث صحيح.**

مولانا بدر عالم میرٹھی فیض الباری کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

قلت: ويخطر ببالي أن الشرع جعل نفس الجر مخيلة ، فإن الذين يجرون ثيابهم لايجرون إلا تكبراً وفخراً ، وكذلك جربنا في زماننا أيضاً ، وإن لم يكن في زماننا كذلك فإنه قد كان في العرب ، وقدكان ، وإذن هو من باب إقامة السبب مقام المسبب، كالنوم، فإنه ليس بحدث ، ولكنه سبب لاسترخاء المفاصل، وأنه لايخلو عن خروج شيء منه غالباً،

فأقيم النوم الذي هو سبب مقام الحدث ، وكالسفر ، فإنه أيضاً ، أنيب مناب المشقة، وكالمباشرة الفاحشة ، فإنها سبب لخروج شيء عادة ، فأدير الحكم على المباشرة ، فهكذا جر الثوب ، فإن سببه المخيلة ، وهي أمر خفي يتعسر إدراكها، كالمشقة في باب السفر ، والحدث في النوم ، وخروج شيء في المباشرة الفاحشة ، فأدير الحكم على جر الثوب ، على أن قد جربنا أن للظاهر تأثيراً في الباطن ، ومن هذا الباب تحسين الأسماء ، فمن جر ثوبه لا يأمن أن يسرى الكبر إلى باطنه ، ألا ترى أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: اجعلوا أزركم على أنصاف سيقانكم، فإن أبيتم فلا حق لكم في الكعبين، بالمعنى، فدل على أن الحديث من أحكام اللباس، وأنه لا حق لنا فيما دون الكعبين ، وهذا التعبير يشعر بنفي التخصيص بالمخيلة وغيرها. (الدرالساري الى فيض الباري : ٤/ ٣٧٤).

خلاصہ یہ ہے کہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ پاجامہ یا کرتا وغیرہ ٹخنوں سے اوپر پہنا جائے، ٹخنوں سے نیچے لٹکانا درست نہیں ہے، ہاں عذر یا غفلت کی وجہ سے ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، تاہم اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بطورِ فیشن ازار لٹکانے کا حکم:

سوال: ایک شخص ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تکبر کی وجہ سے نہیں لٹکاتا ہوں، یہ تو فیشن ہے، اس وجہ سے لٹکاتا ہوں، اب آپ شریعت کا حکم بیان کیجئے کہ بطورِ فیشن ازار لٹکانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اس بارے میں روایات میں مطلقاً ممانعت وارد ہوئی ہے لہذا دونوں میں کراہت ہے البتہ کراہت میں تخفیف ہوگی، یعنی اگر بہ نیتِ تکبر ہے تو مکروہِ تحریمی ہے اور بطورِ فیشن لٹکانے میں کراہت ذرا کم ہوگی۔ ملاحظہ ہو ابن ماجہ شریف کے حاشیہ میں مرقوم ہے:

قال الشيخ عبد الغني المجددي: وهذا التطويل والتوسيع الذي تعارف في بعض ديار العرب من الحجاز و مصر مخالف للسنة و إسراف موجب لإضاعة المال فما كان منهما بطريق الخيلاء فهو حرام وما كان بطريق العرف والعادة وصار شعار القوم لا يحرم وإن كان الإسراف فيه لا يخلو عن كراهة . (حاشية سنن ابن ماجه،ص:٢٥٥،ط:قديمى).

امداد الفتاویٰ میں ہے:

حنفیہ کے نزدیک ایسی صورت میں مطلق اپنے اطلاق پر اور مقید اپنی تقیید پر رہتا ہے اور دونوں پر عمل واجب ہوتا ہے کما ہو مصرح فی الاصول۔(امداد الفتاویٰ:۴/۱۲۳)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

یہ لباس متکبرین اور فساق کا ہے، اگر اس نیت سے ہو کہ ان کے ساتھ تشبہ اختیار کیا جاوے یا تکبر کی نیت سے ہو تو حرام، ورنہ مکروہ ہے: **ولایجوز الإسبال تحت الکعبین إن کان للخیلاء ؛ إذ قد نص علیه الشافعيّ، وبغیر الخیلاء ، منع للتنزیه لا للتحریم ، مرقاة** . [۸/۱۲۹] آج کل عام طور پر یہ لباس انہیں لوگوں کا ہے جن پر مغربیت کا بھوت سوار ہے جو اپنی قدیم وضع اور طرزِ معاشرت کو برا سمجھتے ہیں اور مغربی تہذیب پر فخر کرتے ہیں، ایسے لوگوں کی مشابہت بھی مذموم ہے۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۲۷۲، جامعہ فاروقیہ)۔

مزید ملاحظہ ہو: (تقریر ترمذی:۲/۳۳۹۔۳۴۱، وتکملۃ فتح الملہم:۴/۱۲۱، ۱۲۳)۔

احادیث وغیرہ تفصیلات ماقبل میں ملاحظہ کرلی جائیں، تکرار موجبِ طوالت ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اسکول یونیفارم کا شرعی حکم:

سوال: ہماری اسکول نے یونیفارم (uniform) بنانے کا ارادہ کیا ہے، اس سے متعلق ہمیں کچھ ہدایات چاہئے کہ: کتنا لمبا ہو، اس کی ہیئت کیسی ہو وغیرہ، اس بارے میں چار نقشے پیش خدمت ہیں، کیا یہ سب لباس شریعت کے اصول کے مطابق ہے یا شریعت کے مخالف، اگر اس میں کوئی خلافِ شریعت لباس ہو تو تنبیہ فرمائیے؟

پہلا نقشہ: لڑکوں کا یونیفارم ہے، گرمی کے موسم کے لیے۔ دوسرا نقشہ: یہ بھی لڑکوں کے لیے ہے موسمِ سرما کے لیے۔ اور کھیلنے کے لیے۔ تیسرا نقشہ: یہ لڑکیوں کا یونیفارم ہے موسمِ گرما کے لیے۔ چوتھا نقشہ: یہ بھی لڑکیوں کے لیے ہے موسمِ سرما کے لیے۔ اور لڑکیوں کے بنیان (ٹی شرٹ) کے بارے میں بھی رہبری مطلوب ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: شریعتِ مطہرہ نے لباس کے بارے میں کوئی خاص وضع قطع متعین نہیں فرمائی، بلکہ اس بارے میں شریعت کی تعلیمات بڑی معتدل ہیں، ہر علاقہ و ہر خطہ والوں کو ہر موسم میں آب وہوا کے لحاظ سے مختلف لباس کے انتخاب کی آزادی دے رکھی ہے، البتہ چند **بنیادی اصول** متعین کر دیے ہیں، جن کو ملحوظ رکھنا

ضروری ہے:

(۱) لباس ساتر ہو لہذا عورتوں کو ایسا لباس پہننا جس میں ان کے اعضائے مستورہ نظر آئیں یا ٹانگیں وغیرہ نظر آئیں جائز نہیں۔

(۲) مردوں کے لیے خالص ریشم کا کپڑا اور سرخ شوخ رنگ کا کپڑا نہ ہو۔

(۳) ذی روح کی تصویر والا کپڑا نہ ہو۔

(۴) ٹخنوں سے نیچے نہ ہو کہ شرعاً اس کی ممانعت ہے۔

(۵) کفار کے ساتھ مشابہت والا کپڑا نہ ہو پھر مشابہت کے درجات ہیں: مثلاً ایک شخص کوٹ پتلون ٹائی انگریزی بال، ہیٹ پہن لے۔ تو خالص عیسائی معلوم ہوگا، ایسا لباس نہیں پہننا چاہئے اور اگر پتلون پہن لی مگر اوپر کرتہ پہن لیا تو اس میں مشابہت ختم ہوگئی۔ (تشبہ بالکفار سے متعلق مزید تفصیل آگے آرہی ہے)۔

(۶) نیچے پتلون اور اوپر شرٹ پہن لیا تو یہ لباس ناجائز تو نہیں، لیکن صلحاء کا لباس نہ ہونے کی وجہ سے خلافِ اولیٰ ہے اور اگر اس میں اعضائے مستورہ کی بناوٹ ظاہر ہوتی ہے تو مزید کراہت پیدا ہو جائے گی۔

(۷) جس لباس سے فخر وتکبر، شہرت ونمائش، اسراف وتنعم مترشح ہوتا ہو ایسے لباس سے بھی اجتناب کرنا چاہئے۔

(۸) مردوں کے لیے زنانہ لباس اور عورتوں کے لیے مردانہ لباس ممنوع ہے۔

ملاحظہ ہو النتف فی الفتاویٰ میں ہے:

فأما الألبسة فعلى ثلاثة أوجه: أحدها الحرام والثاني مكروه والثالث المستحب، أما اللباس الحرام فإنه على ثلاثة أوجه: أحدها الحرير، والثاني الديباج، والثالث الميتة ... وأما اللباس المكروه فعلى ثلاثة أوجه: أحدها جلود السباع كلها. والثاني لباس الرقاق الذي يبين منه البدن لأنه لباس أهل التكبر والخيلاء والأشر، ومن لا اهتمام له بأمر الآخرة، ... والثالث: كل لباس يكون على خلاف السنة يكون لبسه مكروهاً وهومثل أثواب الكفار وأثواب الفسق والفجور ...وإسبال الإزار. (النتف في الفتاوى، ص ۱۶۱، ۱۶۲، بيروت).

تکملة فتح الملهم میں ہے:

أن اللباس يجب أن يكون ساتراً لعورة الإنسان ، فالإسلام يلزم الرجل أن يلبس ما

يستر ما بين سرته وركبتيه، ويلزم المرأة أن تستر كل جسدها ما عدا وجهها وكفيها وقدميها... فستر العورة من أعظم مقاصد اللباس، وإن اللباس الذي يخل بهذا المقصد يهمل ما خلق لأجله، فيحرم على الإنسان استعماله ، فكل لباس ينكشف معه جزء من عورة الرجل و المرأة ، لا تقره الشريعة الإسلامية ، مهما كان جميلاً أو موافقاً لدور الازياء ، و كذلک اللباس الرقيق أو اللاصق بالجسم الذي يحكى للناظر شكل حصة من الجسم الذي يجب ستره...وما يقصد به الخيلاء و الكبر أو الأشر و البطر أو الرياء ، فهو حرام ... وأن اللباس الذى يتشبه به الإنسان بأقوام كفرة ، لا يجوز لبسه لمسلم إذا قصد بذلک التشبه بهم ... وأن لبس الحرير حرام للرجال دون النساء ، وكذلک إسبال الإزار إلى الكعبين لايجوز للرجال ويجوز للنساء . (تكملة فتح الملهم : ٤ /٨٨، ٨٩، كتاب اللباس و الزينة).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (جدید معاملات کے شرعی احکام: جلدِ سوم،ص۴۴ـ۵۰، دارالاشاعت، کراچی، وکتاب الفتاویٰ: ۶/ ۹۵، وتکملۃ فتح الملہم: ۴/ ۸۷ـ۸۹، وفتاویٰ ہندیہ: ۵/ ۳۳۳)۔

مذکورہ بالا تفاصیل سے بخوبی واضح ہو چکا کہ کونسا شرعی لباس ہے اور کونسا خلافِ شریعت ہے، تاہم نقشہ نمبر۳ اور۴، طالبات کے یونیفارم کے بارے میں ہدایت یہ ہے کہ اسے اور زیادہ لمبا کردیا جائے تاکہ گھٹنوں کے نیچے تک ہوجائے تو یہ بہتر ہوگا۔ نیز طالبات کی ٹی شرٹ کے بارے میں ہدایت یہ ہے کہ اگر وہ ایسی چست ہے کہ بدن کی ہیئت ظاہر ہوتی ہے تو یہ ناجائز ہے۔

طالبات کے لباس کے بارے میں مزید ہدایت یہ ہے کہ ان کے لیے عبایا تجویز کیا جائے جو آج کل بہت عام ہے اور ساتر بدن ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی لباس کہلاتا ہے۔

(نوٹ: طوالت کی وجہ سے اور ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے نقشوں کو حذف کردیا گیا ہے ورنہ اصل استفتاء میں نقشے موجود تھے)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سیاہ رنگ کے کپڑے پہننے کا حکم:

سوال: کیا کالے رنگ کے کپڑے پہننا جائز اور درست ہے؟ نیز نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سیاہ کپڑے پہننا ثابت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید رنگ کے کپڑے سب سے زیادہ پسند تھے تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیاہ رنگ کی چادر استعمال کرنا بھی ثابت ہے، لہذا سیاہ رنگ کا کپڑا پہننا جائز اور درست ہے، البتہ اگر کسی علاقہ یا کسی مخصوص وقت میں فساق وفجار کا شعار ہو تو اس وقت اس سے بچنا چاہئے، جیسے محرم میں روافض کا شعار ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أنس رضي الله عنه قال: لما ولدت أم سليم رضي الله عنها قالت لي: يا أنس انظر هذا الغلام فلا يصيبن شيئاً حتى تغدوا به إلى النبي صلى الله عليه وسلم يحنكه فغدوت به فإذا هو في حائط وعليه خميصة حريثية وهو يسم الظهر الذى قدم عليه فى الفتح. (رواه البخارى، باب الخميصة السوداء، رقم: ٥٨٢٤).

قال فى الفتح بعد ذكر الاختلاف فى ضبط لفظ حريثية: قلت: والذى يطابق من جميع هذه الروايات الجونية فإن الأشهر فيه أنه الأسود. (فتح البارى: ١٠/٢٨١، بيروت).

عن عائشة رضي الله عنها قالت: صنعت لرسول الله صلى الله عليه وسلم بردة سوداء فلبسها. (رواه ابوداود، رقم: ٤٠٧٦).

وفى لفظ الحاكم: جبة من صوف سوداء فلبسها. (رقم: ٧٣٩٣).

روى مسلم والترمذى عن عائشة رضي الله عنها قالت: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات غداة، وعليه مرط من شعر أسود.

وروى الإمام أحمد (١٦٤٧٣) **وأبو دواد** (١١٦٤) **والنسائي** (١٥٠٧) **عن عبد الله بن زيد المازني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم استسقى وعليه خميصة له سوداء، فأراد أن يأخذ بأسفلها فيجعله أعلاها فقلبها عليه، الأيمن على الأيسر، والأيسر على الأيمن.**

زادالمعاد میں ہے:

ولبس الخميصة المعلمة والساذجة ولبس ثوباً أسود. (زاد المعاد: ١/١٣٩، مؤسسة الرسالة).

طحطاوی علی الدر میں ہے: **ولا بأس بسائر الألوان من الأبيض والأزرق والأشقر.** (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ٤/١٨٠). (وكذا فى الدر المختار مع ردالمحتار: ٦/٣٥٨، سعيد).

وقال فی المحیط البرهانی: ذکر محمدؒ فی السیر فی باب العمائم حدیثاً یدل علی أن لبس السواد مستحب . (المحیط البرهانی: ٦/ ٧٤، فصل فی اللبس ، مایکره من ذلك ، ومالایکره).

وفی الفتاوی البزازیة :وقص الشارب إمارة أهل السنة والجماعة وترکه إمارة الرفض وکذا لبس السواد . (الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی الهندیة: ٦/ ٣١١).

کفایت المفتی میں ہے:

اور ماتمی علامت اور نشان مقصود نہ ہوتو سیاہ رنگ مثل دوسرے کے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (کفایت المفتی :۹/۱۵۹،دارالاشاعت)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

کالا کپڑا پہننا درست ہے مگر جب کسی جماعت فساق یا کفار کا شعار ہو جیسا کہ محرم میں روافض کا شعار ہے تو اس سے بچنا چاہئے۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۲۶۶،جامعہ فاروقیہ)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

سوال: سنا ہے مردوں اور عورتوں کو کالے کپڑے نہیں پہننے چاہئیں، کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی کملی کالی تھی، اس لیے سیاہ لباس پہننا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی ہے؟

الجواب: یہ خیال صحیح نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف رنگوں کا لباس استعمال فرمایا ہے، سفید رنگ سب سے زیادہ پسند تھا، خیالِ مذکور کی بنا پر تو ہر رنگ کا لباس ممنوع اور خلافِ ادب ہو جائے گا، لہذا ممنوع رنگوں کے سوا ہر رنگ کا لباس جائز ہے، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور جذبہ اتباع کا تقاضا تو یہ ہے کہ جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی اسے اختیار کیا جائے ،...اس زمانہ میں شعار شیعہ ہونے کی وجہ سے اس سے احتراز لازم ہے۔(احسن الفتاویٰ:۸/۶۴)۔

مزید ملاحظہ ہو: (کتاب الفتاویٰ:۶/۹۲)۔

خلاصہ یہ ہے کہ لباس سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ ترکِ تکلف کی تھی یعنی جو میسر ہوتا زیب تن فرماتے ،کوئی خاص لباس مقرر نہیں ہوتا تھا، مختلف اوقات میں مختلف رنگوں کا لباس استعمال فرمایا ہے، لیکن سفید لباس زیادہ پسندیدہ تھا، تاہم کسی مخصوص لباس کی خواہش نہ فرماتے اور نہ بالکل ادنی اور حقیر کا تکلف فرماتے بلکہ جو میسر ہوتا استعمال فرماتے تھے۔

چنانچہ حافظ ابن قیم زادالمعاد میں فرماتے ہیں:

والصواب أن أفضل الطرق طريق رسول الله صلى الله عليه وسلم التي سنها وأمر بها ورغب فيها وداوم عليها وهي أن هديه في اللباس أن يلبس ما تيسر من اللباس . (زاد المعاد: ١/١٤٣). (وکذا فی اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، ص۱۳۶، ط: دارالاشاعت کراچی)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

شلوار پہننے کا ثبوت:

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شلوار کا پہننا ثابت ہے یا نہیں؟ نیز شلوار بہتر ہے یا ازار؟

الجواب: بعض ضعیف روایات سے شلوار پہننے کا ثبوت ملتا ہے، البتہ شلوار خریدنا اور اس کو پسند کرنا صحیح احادیث سے ثابت ہے، نیز شلوار کا پہننا بہتر ہے اس لیے کہ یہ استر ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: دخلت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم السوق فقعد إلى البزازين فاشترى سراويل بأربعة دراهم...قلت: يارسول الله! إنك لتلبس السراويل قال: نعم، بالليل والنهار وفي السفر والحضر، فإني أمرت بالتستر فلم أجد ثوباً بأستر من السراويل . (رواه البيهقي في شعب الايمان، رقم ٥٨٣٠، والطبراني في الاوسط، رقم: ٦٥٩٤، وابويعلى في مسنده، رقم: ٦١٦٢، **وقال محشيه: إسناده ضعيف جداً**).

قال الهيثمي في المجمع (١٢٢/٥، دارالفكر): **رواه ابويعلى والطبراني في الأوسط وفيه يوسف بن زياد البصري وهو ضعيف** .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دن بازار گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کپڑا فروش کے پاس تشریف فرما ہوئے، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار درہم میں ایک پاجامہ خریدا...(حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں) میں نے آپ سے پوچھا کیا آپ پاجامہ پہنتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! رات میں بھی دن میں بھی، سفر میں بھی حضر میں بھی، مجھے ستر پوشی کا حکم دیا گیا ہے، اور شلوار سے زیادہ ستر پوش کسی اور کپڑے کو نہیں پاتا۔

وعن علي رضي الله عنه قال: كنت قاعداً عند النبي صلى الله عليه وسلم عند البقيع يعني بقيع

الغرقد في يوم مطرفمرت امرأة على حمار ومعها مكارفمرت في وهدة (أى منخفض من الأرض) من الأرض فسقطت فأعرض عنها بوجهه فقالوا : يارسول الله أنها متسرولة فقال: اللّٰهم اغفر للمتسرولات من أمتي ، رواه البزاز وفيه إبراهيم بن زكريا المعلم وهو ضعيف جداً . (مجمع الزوائد: ٥/ ١٢٢، دارالفكر).

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شلوار پہننے والیوں کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔
شلوار خریدنے کی صحیح روایت ملاحظہ ہو:

عن سويد بن قيس قال: جلبت أنا ومخرفة العبدى بزاً من هجر فأتانا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ونحن بمنى ووزان يزن بالأجرفاشترى منا سراويل فقال للوزان: زن وأرجح . (رواه النسائى فى سننه، رقم: ٤٦٠٦، والحاكم فى المستدرك ،رقم: ٢٢٣٠و٧٤٠٧، وقال: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه).

ازار کے بارے میں روایات ملاحظہ ہوں:

عن أنس رضی اللہ عنہ عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الإزار إلى نصف الساق أو إلى الكعبين لا خير في أسفل من ذلك. رواه أحمد والطبراني فى الأوسط ورجال أحمد رجال الصحيح . وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يرى عضلة ساقه من تحت إزاره إذا ائتزر. رواه أحمد وفيه صالح بن نبهان مولى التوأمة وقد اختلط وبقية رجاله رجال الصحيح . وعن سلمة بن الأكوع أن عثمان كان يتزرعلى نصف الساق وقال: هكذا أزرة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم . رواه البزار وفيه موسى بن عبيدة وهوضعيف. (مجمع الزوائد : ٥/١٢٢ ،باب فى الازار وموضعه ،دارالفكر).

شمائل کبریٰ میں ہے:

ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے پاجامہ پہنا ہے اور حضراتِ صحابہ آپ کے حکم سے پاجامہ پہنتے تھے گو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو مگر پہننے کے ارادے سے خریدنا تو ثابت ہے۔
البتہ یہ محقق ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پاجامہ موجود تھا، حتی کہ کہا گیا ہے کہ وصال کے بعد ترکہ میں بھی تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ سب سے پہلے جس نے پاجامہ پہنا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے، اسی پاجامہ کی وجہ سے ان کو قیامت کے دن سب سے پہلے لباس پہنایا جائیگا۔

پاجامہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پسند کیا ہے اور سنتِ ابراہیمی کی اتباع محمود اور امت سے مطلوب ہے۔ منیٰ کے میدان میں خریدنا صحاح سے ثابت ہے، ظاہر ہے کہ یہ پہننے ہی کے لیے تھا۔ (زاد المعاد) علامہ عینیؒ نے پاجامہ پہننا مستحب قرار دیا ہے۔ (شمائل کبریٰ: ۱/۱۷۵)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

ازار لنگی کو کہتے ہیں، لنگی اور شلوار دونوں سنن عادیہ میں سے ہیں، چونکہ اس زمانے میں لنگی ہی کا عام دستور تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی عام معمول لنگی باندھنے کا تھا، مگر شلوار کو بھی آپ نے پسند فرمایا اور خریدا، جس سے پہننے کا ثبوت ملتا ہے اور بعض روایات میں پہننے کی تصریح بھی ہے اور بعض سے اس کی فضیلت ثابت ہے، علاوہ ازیں شریعت میں تستر کی بہت اہمیت ہے اور ظاہر ہے کہ تستر شلوار میں زیادہ ہے اس لیے شلوار پہننا افضل ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۹/۴۰)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

پاجامہ خریدنا اور پسند فرمانا تو ثابت ہے، ایک روایت میں پہننا بھی منقول ہے، اس کی کیفیت کا علم نہیں، زیادہ تر لنگی ہی استعمال فرماتے تھے،... (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/ ۲۷۵، جامعہ فاروقیہ)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتح الباری: ۱۰/۲۷۲، وعمدۃ القاری: ۱۵/۲۱، دار الحدیث ملتان، وشمائل کبریٰ: ۱/۱۷۳۔ ۱۷۶، وفتاویٰ شیخ الاسلام ص ۱۱۲، وفتاویٰ محمودیہ مع التعلیقات: ۱۹/ ۲۷۵)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

آستین کی لمبائی کی مقدار:

سوال: آستین کو گٹے سے زیادہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ افضل اور بہتر یہ ہے کہ آستین گٹوں تک ہو، ہاں انگلیوں کے اطراف تک کی بھی گنجائش ہے لیکن اس سے زیادہ طویل رکھنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ متکبرین کی علامت ہے البتہ اگر کوئی عذر ہو تو اجازت ہوگی۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن مجاهد عن ابن عباس رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبس قميصاً

قصير اليدين والطول . (رواه ابن ماجه،ص٢٥٦، قديمى).

وفي إنجاح الحاجة : قصير اليدين أى قصير الكمين وكان إلى الرسغين كما جاء فى الرواية الأخرى والمراد من الطول القامة . (انجاح الحاجة على سنن ابن ماجه،ص٢٥٦).

وفي الزوائد : في إسناده مسلم بن كيسان الكوفي وهو متفق على تضعيفه ، ومدار السند عليه ، والحديث رواه البزارمن حديث أنس رضي الله عنه وله شاهد من حديث أسماء بنت السكن رواه الترمذى وقال: حديث حسن . (تعليقات محمد فؤاد عبد الباقى على سنن ابن ماجه: ٢/١١٨٤/٣٥٧٧، داراحياء الكتب العربية).

وعن أسماء بنت يزيد الأنصارية رضي الله عنها، قالت: كان كم قميص رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى الرسغ، رواه أبوداود (٤٠٢٧) **والترمذى** (١٧٦٥،وفى الشمائل ،٥٧) **وقال:حديث حسن** .

وفي جمع الوسائل في شرح الشمائل: قال الجزرى:فيه دليل على أن السنة أن لايتجاوز كم القميص الرسغ وأما غير القميص فقالوا : السنة فيه لايتجاوز رؤوس الأصابع من جبة وغيرها، ونقل في شرح السنة : أن أبا الشيخ ابن حبان أخرج بهذا الإسناد بلفظ كان يد قميص رسول الله صلى الله عليه وسلم أسفل من الرسغ ، (وكذا رواه أبو الشيخ في أخلاق النبي صلى الله عليه وسلم، (رقم:٢٣٤)**، وأخرج ابن حبان أيضاً من طريق مسلم بن يسار عن مجاهد عن ابن عباس رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبس قميصاً فوق الكعبين مستوى الكمين بأطراف أصابعه...ففيه أنه يجوز أن يتجاوز بكم القميص إلى رؤوس الأصابع ويجمع بين هذا وبين حديث الباب، إما بالحمل على تعدد القميص أو بحمل رواية الكتاب على التقريب والتخمين** . (جمع الوسائل:١/١١٠،ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ).

وفي حاشية جمع الوسائل للشيخ عبد الرؤوف المناويؒ: قال الإمام السيوطي ... وجمع بعضهم بين هذا وبين الحديث الأول بأن هذا كان يلبسه فى الحضر وذاك فى السفر وأخرج سعيد بن منصور والبيهقى عن على رضي الله عنه أنه كان يلبس القميص ثم يمد الكم حتى إذا بلغ الأصابع قطع مافضل ويقول:لا فضل للكمين على الأصابع وأخرج البيهقي عن

علي رضي الله عنه أنه ابتاع قميصاً فجاء به الخياط فمد كم القميص وأمره أن يقطع ماخلف أصابعه .

تنبيه : قال جدنا الأعلى من قبل الأم الحافظ زين الدين العراقي فلو أطال أكمام قميصه حتى خرجت عن المعتاد كما يفعله بعض المتكبرين فلا شك في حرمة ما مس الأرض منها بقصد الخيلاء قال: ولو قيل بتحريم مازاد على المعتاد لم يبعد استدلالاً بهذا الحديث لكن قد حدث للناس اصطلاح بتطويلها فإن كان على طريق التجدد من غير قصد للخيلاء بوجه من الوجوه فالظاهر عدم التحريم مالم يصل إلى حد الذيل المحرم . (حاشية جمع الوسائل: ۱/۱۰۹، اداره تالیفات اشرفیه).

قال الشيخ المناويؒ : وحكمة الاقتصار على أنه متى جاوز اليد شق على لابسه ومنعه سرعة الحركة والبطش ومتى قصر عن الرسغ تأذى الساعد ببروزه للحر والبرد فكان جعله إلى الرسغ وسطاً وخير الأمور أوساطها فينبغي لنا التأسي به وتحري ذلك في أكمامنا وثيابنا . (حاشية جمع الوسائل:۱/۱۰۹).

وللمزيد راجع : (دليل الفالحين :٤/٣٧٥، رقم : ٢٨، وفتاویٰ محموديه:۱۹/۲٦۹، جامعه فاروقيه).

وفي النتف في الفتاوى: وأما اللباس المكروه فعلى ثلاثه أوجه:...الثالث، كل لباس يكون على خلاف السنة يكون لبسه مكروهاً وهو مثل أثواب الكفار وأثواب الفسق والفجور وأهل الأشر والبطر مثل...تطويل الكم وتوسيعه...(النتف فی الفتاوی، ص١٦٢، ط: بيروت).

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے شرح شمائل کی عبارت ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ کرتہ کی آستین گٹے تک ہونی چاہئے اور چونکہ غایت اکثر مغیہ سے خارج ہوتی ہے اس لیے گٹے کا کھلا رہنا بہتر ہے اور ہاتھ کی انگلیوں سے آستین کا بڑھا ہونا خلافِ سنت ہے، واللہ اعلم۔ (امدادالاحکام:۴/۳۲۴)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مردوں کے لیے ریشمی لباس کا حکم:

سوال: مردوں کے لیے ملاوٹ والا ریشمی لباس پہننا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ آج کل تانابانا کا پتا

نہیں چلتا۔ بینوا تؤجروا۔

الجواب: شریعتِ مطہرہ کا اصل حکم یہ ہے کہ مردوں کے لیے ریشمی لباس پہننا ناجائز ہے البتہ جس میں ملاوٹ ہو یعنی تانا ریشم سے بنا ہے اور بانا غیر ریشم کا ہے تو جائز ہے، لیکن چونکہ آج کل تانے بانے کا پتا لگانا بہت مشکل ہے، اس لیے غالب کا اعتبار ہوگا اگر غالب ریشم ہو تو ناجائز ورنہ جائز ہوگا۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عمر رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن لبس الحرير إلا هكذا ورفع رسول الله صلى الله عليه وسلم أصبعيه الوسطى والسبابة وضمهما . (متفق عليه) وفي رواية لمسلم أنه خطب بالجابية فقال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن لبس الحرير إلا موضع أصبعين أو ثلث أو أربع . (مشكاة المصابيح: ٢/ ٣٧٤، قديمی).

روى الإمام البخاري رحمه الله في كتابه المفرد في القراءة خلف الإمام، حدثنا مسدد ثنا أبو عوانة عن قتادة عن زرارة قال: رأيت عمران بن الحصين يلبس الخز .(نصب الراية: ٤/ ٢٢٧).

ہدایہ میں ہے:

قال : ولا بأس بلبس ما سداه حرير ولحمته غير حرير كالقطن ، والخز في الحرب وغيره لأن الصحابة ، كانوا يلبسون الخز والخز مسدى بالحرير ولأن الثوب إنما يصير ثوباً بالنسج والنسج باللحمة فكانت هي المعتبرة دون السدى . (الهداية: ٤/ ٤٥٦، ملتان).

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

أما ما كان سداه حريراً ولحمته غير حرير فلا بأس بلبسه بلا خلاف بين العلماء وهو الصحيح وعليه عامة المشايخ ، ذكر شيخ الإسلام في شرح السير الثوب إذا كانت لحمته من قطن وكان سداه من إبريسم فإن كان الإبريسم يرى كره للرجال لبسه وإن كان لايرى لايكره لهم لبسه هذا هو الكلام في غير حالة الحرب . (الفتاوى الهندية: ٥/ ٣٣١).

مزید ملاحظہ کیجئے: (بدائع الصنائع: ۵/ ۱۳۱، سعید، والمحیط البرہانی: ۶/ ۷۷)۔

کفایت المفتی میں ہے:

سلک جوسن یا نباتاتی اجزا سے بنا ہو اس کا پہننا بلا شبہ جائز ہے البتہ جو سلک کیڑے کا بنا ہوا ہو وہ ریشم ہے

اور مردوں کے لیے بشرائط معتبرہ فی الحریر جائز یا ناجائز ہوگا، یعنی خالص یا جس کا بانا ریشم ہونا جائز اور جس کا تانا ریشم ہو وہ جائز ہے۔ (کفایت المفتی: ۹/۱۶۰، ط: دارالاشاعت، وامداد الفتاویٰ: ۴/۱۲۷)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مصنوعی ریشم کے کپڑے پہننے کا حکم:

سوال: ریشمی کپڑے پہننے کا کیا حکم ہے کیونکہ آج کل ریشم نقلی ہوتا ہے؟

الجواب: مصنوعی ریشم کے کپڑے پہننا جائز ہے ہاں اصلی ریشم پہننا مردوں کے لیے ناجائز ہے اور عورتوں کے لیے جائز ہے۔

قال الإمام النووی رحمہ اللہ: أما المختلط من حریر وغیرہ فلا یحرم إلا أن یکون الحریر أکثر وزناً، واللہ أعلم . (الشرح الکامل: ۲/۱۸۹، کتاب اللباس والزینة، ط: قدیمی).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

آج کل عموماً مصنوعی ریشم استعمال ہوتا ہے، اس کا استعمال جائز ہے، اگرچہ عرف میں اس کو ریشم کہتے ہیں، ہاں اگر کسی کپڑے کا اصلی ریشمی ہونا تحقیق سے ثابت ہو جائے تو اس کا استعمال مردوں کے لیے جائز نہ ہوگا۔ (احسن الفتاویٰ: ۸/۶۶)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

ریشم اصلی تو وہی ہے جو کیڑے سے بنتا ہے، لیکن نقلی ریشم بھی ولایت سے آتا ہے جو کسی اور چیز سے بنتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/۳۲۷، جامعہ فاروقیہ)۔

آپ کے مسائل میں ہے:

مصنوعی ریشم کے جو کپڑے تیار ہوتے ہیں، یہ ریشم نہیں اس لیے اس کا پہننا اور استعمال کرنا جائز ہے، البتہ اگر اصل ریشم کا کپڑا ہو تو اس کو پہننا درست نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/۳۶۷، اضافہ شدہ)۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

آج کل سلک کے مختلف ایسے کپڑے ایجاد ہوگئے ہیں جن میں خاصی چمک پائی جاتی ہے، لیکن غالباً ریشم کے بجائے کوئی اور چیز ان کپڑوں میں استعمال کی جاتی ہے، اگر یہ صحیح ہے اور کسی دوسری طرح اس میں چمک پیدا کی جاتی ہو تو پہننے میں حرج نہیں۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/۳۴۶)۔

خلاصہ یہ ہے کہ مصنوعی اور بناوٹی ریشم جائز ہے، نیز جس کپڑے کا تانا ریشم کا ہو وہ بھی جائز ہے، البتہ جس کپڑے کا بانا ریشم کا ہو وہ مردوں کے لیے ناجائز ہے، اسی طرح جس کپڑے پر چار انگل سے زائد ریشم کا نقش ونگار ہو وہ بھی جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خالص سرخ اور گلابی رنگ کے کپڑے کا حکم:

سوال: کیا مردوں کے لیے خالص سرخ اور گلابی رنگ کے کپڑے پہننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کسم اور زعفرانی رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے پہننا جائز نہیں ہے ان کے علاوہ تمام الوان کے کپڑے پہننا جائز اور درست ہے۔ البتہ علامہ رافعیؒ نے بحوالہ علامہ حمویؒ سبز رنگ کے کپڑے پہننے کو بھی مکروہ لکھا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سبز رنگ عورتوں کے کپڑوں کے مشابہ ہو تو ممنوع ہے ورنہ ممنوع نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال: رأی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علي ثوبین معصفرین فقال: إن هذه من ثیاب الکفار فلا تلبسها. وعنه قال: رأی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم علي ثوبین معصفرین فقال: أأمک أمرتک بهذا؟ قلت: أغسلهما قال: بل أحرقهما. (رواهما مسلم:۲/۱۹۳، رقم:۲۰۷۷و۲۰۷۸، باب النهی عن لبس الرجل الثوب المعصفر، ط:قدیمی).

وفی الدرالمختار: وکره لبس المعصفر والمزعفر الأحمر والأصفر للرجال، مفاده: أنه لایکره للنساء، ولا بأس بسائر الألوان وفی المجتبی والقهستانی وشرح النقایة لأبی المکارم: لابأس بلبس الثوب الأحمر، ومفاده: أن الکراهة تنزیهیة لکن صرح فی التحفة بالحرمة فأفاد أنها تحریمیة وهی الحمل عند الإطلاق، قاله المصنف.

وفي رد المحتار: قوله فأفاد أنها تحریمیة، هذا مسلم لو لم یعارضه تصریح غیره بخلافه ففي جامع الفتاویٰ قال أبوحنیفةؒ والشافعيؒ ومالکؒ: یجوز لبس المعصفر وقال جماعة من العلماء: مکروه بکراهة التنزیه وفي منتخب الفتاوی: قال صاحب الروضة یجوز للرجال والنساء لبس الثوب الأحمر والأخضر بلا کراهة، وفی الحاوی الزاهدی: یکره للرجال لبس المعصفر والمزعفر والمورس والمحمر أی الأحمرحریراً کان أوغیره

إذا كان في صبغه دم وإلا فلا ، ونقله عن عدة كتب ، وفي مجمع الفتاوى: لبس الأحمر مكروه وعند البعض لايكره ، وقيل: يكره إذا صبغ بالأحمر القاني لأنه خلط بالنجس وفي الواقعات مثله ولو صبغ بالشجر البقم لايكره ولو صبغ بقشر الجوز عسلياً لايكره لبسه إجماعاً ، فهذه النقول مع ما ذكره عن المجتبى و القهستانى وشرح أبى المكارم تعارض القول بكراهة التحريم إن لم يدع التوفيق بحمل التحريم على المصبوغ بالنجس أو نحو ذلك .

قوله وللشرنبلالى فيه رسالة سماها تحفة الأكمل والهمام المصدر لبيان جواز لبس الأحمر وقد ذكر فيها كثيراً من النقول منها ما قدمناه وقال: لم نجد نصاً قطعياً لإثبات الحرمة و وجدنا النهي عن لبسه لعلة قامت بالفاعل من تشبه بالنساء أو بالأعاجم أو التكبر وبانتفاء العلة تزول الكراهة بإخلاص النية لإظهار نعمة الله تعالىٰ وعروض الكراهة للصبغ بالنجس تزول بغسله ، ووجدنا نص الإمام الأعظم على الجواز ودليلاً قطعياً على الإباحة ، وهو إطلاق الأمر بأخذ الزينة و وجدنا في الصحيحين موجبه ، وبه تنتفي الحرمة والكراهة بل يثبت الاستحباب اقتداء بالنبي صلى الله عليه وسلم ، ومن أراد الزيادة على ذلك فعليه بها، أقول: ولكن جل الكتب على الكراهة كالسراج والمحيط والاختيار والمنتقى والذخيرة وغيرها وبه أفتى العلامة قاسم . (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٦/ ٣٥٨،سعيد).

وللمزيد راجع : (التحرير المختار: ٦/ ٣٠٦،سعيد).

کفایت المفتی میں ہے:

سرخ رنگ کا کپڑا (جب کہ وہ زعفرانی اور کسم کا رنگ نہ ہو) پہننا مباح ہے : وعن أبي حنيفةؒ : لا بأس بالصبغ الأحمر والأسود كذا في الملتقط (فتاوى عالمگیری) وكره لبس المعصفر والمزعفر للرجل ... یعنی کسم اور زعفران کا رنگا ہوا کپڑا مردوں کے لیے مکروہ ہے باقی تمام رنگ مباح ہیں، قال صاحب الروضة يجوز للرجال والنساء لبس الثوب الأحمر والأخضر بلاكراهة (ردالمحتار) یعنی مردوں اور عورتوں کو سرخ اور سبز رنگ کے کپڑے پہننا بلا کراہت جائز ہے اور شمائل ترمذی میں ہے: عن أبي جحيفة قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم وعليه حلة حمراء ، الخ . (شمائل

ترمذی) یعنی ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ سرخ حلہ زیب بدن فرمائے ہوئے تھے۔ (کفایت المفتی :۹/ ۱۶۳، دار الاشاعت)۔

قطب الاقطاب حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

سرخ معصفر بالاتفاق حرام ہے اور سوا معصفر کے علماء کا اختلاف ہے دونوں جانب محققین ہیں، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور اسماء بنت ابی بکرؓ دونوں جواز کے قائل ہیں، صاحب درمختار کی رائے بھی جواز کی طرف ہے اور مولانا مولوی شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے بھی اپنے رسالہ میں جائز لکھا ہے، لہذا التقویٰ ترک میں ہے، اگر کوئی اس کا استعمال کرے تو جائز ہے اور دونوں قول قوی ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۶۲۳، ط: مکتبہ رحمانیہ، لاہور)۔

علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں:

ہر سرخ رنگ حرام نہیں ہے بلکہ معصفر حرام ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ: جلدِ دوم، ص ۳۸۳، کتاب اللبس والزینۃ)۔

مزید ملاحظہ ہو: (مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر: ٤/ ١٩٢، ط: بيروت، والاختيار لتعليل المختار: ٤/ ١٩٠، وتحفة الملوك، ص ٢٧٧، وحاشية الطحطاوي على الدر المختار: ٤/ ١٨٠، وآداب الشرعية: ٤/ ٢٢٠، وغذاء الالباب في شرح منظومة الآداب: ٢/ ١٣٥، وامداد الاحكام: ٤/ ٣٦١، واحسن الفتاویٰ: ٨/ ٦٢)۔

خلاصہ یہ ہے کہ عصفر اور زعفرانی رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے پہننا ناجائز ہے اس کے علاوہ سرخ رنگ کے کپڑے جو عورتوں کے کپڑوں کے مشابہ نہ ہوں جائز اور درست ہیں۔ ہاں احتیاط ترک میں ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گریبان میں بٹن کھولنے کا حکم:

سوال: گریبان میں بٹن کھولنا بہتر ہے یا بند کرنا، اگر بند کرنا بہتر ہو تو حضرت معاویہ بن قرہؒ کیوں بٹن کھلے رکھتے تھے، جب کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے تھے؟

الجواب: حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ بیشتر اوقات اپنے گریبان میں بٹن لگانے کی تھی، ہاں گاہے گاہے کھلا رکھنا بھی ثابت ہے، اسی حالت میں حضرت معاویہ بن قرہؒ کے والد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ نے سمجھا کہ یہی عادتِ مستمرہ ہے اس لیے عشق نبی وحبِ نبی میں بٹن کھلا رکھنا شروع کیا۔ روایات ملاحظہ فرمائیے:

عن معاوية بن قرةؒ قال: حدثني أبي قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في

رهط من مزينة فبايعناه وإن قميصه لمطلق الأزرارقال: فبايعته ثم أدخلت يدي في جيب قميصه فمسست الخاتم، قال عروة : فما رأيت معاويةؓ ولا ابنه قط إلا مطلقي أزرارهما في شتاء ولا حر ولا يزرران أزرارهما أبداً . (رواه ابوداود، رقم:٤٠٨٤).

وأخرجه أيضاً البيهقي في شعب الإيمان، (رقم: ٥٨٢٧)، وأبو الشيخ في أخلاق النبي صلى الله عليه وسلم ، (رقم: ٢٤٠)، والترمذي فى الشمائل ، (رقم:٥٨)، وابن ماجه فى سننه (رقم: ٣٥٧٨).

بذل المجهود میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:

فيه تمثيل الصحابة والتابعين، فمن بعدهم من السلف الصالح باتباع السنة والمداومة عليها مهما استطاعوا ، جعلنا الله تعالىٰ من أهل الاتباع وجنبنا الابتداع .

وكتب مولانا محمد يحيى المرحوم من تقريرشيخه : قوله : فمارأيت معاوية ، إلى آخره ، وهذا وإن كان اختياراً لما هو خلاف الأولى خصوصاً فى الصلوات ، لكنهما أحبا أن يكونا على ما رأيا النبي صلى الله عليه وسلم، وإن كان إطلاقه أزراره إذ ذاك لعارض، ولم يكن هذا من عامة أحواله صلى الله عليه وسلم، وذلك لما فيه من قلة المبالاة بأمر الصلاة ، إلا أن الكراهة لعلها لا تبقى في حق معاويةؓ و ابنه لكون الباعث لهما حب النبي صلى الله عليه وسلم واتباعه فيما رأياه من الكيفية . (بذل المجهود فى حل سنن ابى داود: ١٢/ ١٠٩، دارالبشائر الاسلامية).

شرح رياض الصالحين میں ہے:

فظن معاويةؓ أن هذا من السنة ، و هو ليس من السنن المطلقة ، لكن من السنة إذا كان فيه تخفيف على البدن ، لأن كل ما يخفف عن البدن فهو خير ...لأنه لوكان من السنة لكان وضع الأزرار عبثاً لا فائدة منه ؛ والدين الإسلامي ليس فيه شيء عبث ، فكله جد . (شرح رياض الصالحين للشيخ العثيمين :٢/١٠٩١).

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

سوال: کرتہ کی گھنڈی یا بٹن کھلا رکھنا جس سے سینہ بھی کھلا رہے سنت ہے یا نہیں؟

الجواب: درست ہے احیاناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے رکھے ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۶۲۶)۔

شمائل کبریٰ میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کرتا بنوایا تھا جو تکمہ دار گھنڈی والا تھا۔ (جمع، ص ۱۱۱) فائدہ: یعنی کرتے کے گریبان میں گھنڈی (بٹن) لگوائی تھی۔

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گھنڈی لگاؤ خواہ کانٹے سے ہی سہی۔ (احمد، کنز العمال: ۲۱۹/۱۹) فائدہ: یعنی سینہ کو بٹن لگا کر مستور رکھو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے کا گریبان دونوں حال میں ہوتا، کبھی لگا ہوا کبھی کھلا ہوا۔

زید بن اسلمؒ نے ذکر کیا ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا تکمہ کھلا ہوا دیکھا، میں نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح (کھلا بٹن) نماز پڑھتے دیکھا ہے (بزار)۔

معاویہ بن قرہؒ نے اپنے والد سے بیان کیا ہے کہ قبیلہ مزینہ کے لوگوں کے ساتھ میں نے بیعت کی تو آپ کے کرتے کے بٹن کو کھلا ہوا دیکھا، محدث بیہقیؒ نے لکھا ہے کہ اس کے راوی عروہؒ نے کہا کہ میں نے معاویہؒ کو ہمیشہ گھنڈی نہ لگی قمیص میں پایا، خواہ گرمی ہو یا جاڑا۔ (آدابِ بیہقی، ص ۳۵۲)۔

یہ محبت اور کمالِ اتباع کی بات تھی کہ جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اسی حال میں اپنے آپ کو رکھنا پسند کیا اور جاڑے کی تکلیف کی از راہِ محبت پرواہ نہ کی۔ (شمائلِ کبریٰ: ۱/ ۱۵۸)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خوبصورت مزین برقعے کا حکم:

سوال: آج کل بعض عورتیں خوبصورت ڈزائن والے برقعے اور عبایا پہنتی ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب: معاشرے کو پاکیزہ رکھنے، فتنہ وفساد کے سدِ باب اور عورتوں کی عزت، آبرو اور ناموس کی حفاظت کی خاطر شریعتِ مطہرہ نے خواتین کو باپردہ گھر سے باہر نکلنے کی تعلیم دی ہے، پردہ ہی کی وجہ سے عورتوں کی شرم وحیا تابندہ رہتی ہے اور فساق وفجار کی مسموم نگاہوں سے خلاصی نصیب ہوتی ہے، اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب کہ پردہ اور برقعہ میں درجِ ذیل باتیں موجود ہوں:

(۱) پورے جسم کو ساتر اور چھپانے والا ہو، بوقتِ خروج چہرہ اور ہاتھوں کو بھی چھپائے۔

(۲) اتنا موٹا اور ڈھیلا ہو کہ جسم کے اعضائے مستورہ یا اس کی ساخت نمایاں نہ ہو۔

(۳) ایسے خوبصورت نقش ونگار والا اور پرکشش نہ ہو جو مردوں کو اپنی طرف مائل کردے۔ کیونکہ برقعہ سے مردوں کی توجہ ہٹانا مقصود ہے اور یہ تو توجہات کا مرکز بن گیا۔

جو عورتیں مردوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں ان کے متعلق حدیث شریف میں وعید آئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صنفان من أهل النار لم أرهما قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات رؤوسهن كأسنمة البخت المائلة لايدخلن الجنة ولايجدن ريحها وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا. (رواه مسلم، رقم: ۲۱۲۸، باب النساء الكاسيات عاريات).

مذکورہ بالا حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میری امت میں دوگروہ جہنمی ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک ان عورتوں کو قرار دیا جو لباس پہنی ہوئی بھی ہوں اور بے لباس بھی ہوں۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ کاسیات وعاریات کی ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ اعلیٰ قسم کے خوبصورت لباس میں ملبوس ہوکر بازاروں میں گشت کریں۔

علامہ بدرالدین عینیؒ نے ابوداود کی شرح میں لکھا ہے:

ومنها: مشيهن في الأسواق في ثياب فاخرة، وأنواع طيب فاتحة، مكشوفات الوجوه، مائلات: متبخترات. (شرح ابی داود: ۳/۵٤، ط: الرياض).

روح المعانی میں علامہ آلوسیؒ نے بھی مزین ومنقش برقعہ کو ممنوع قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: ۱۸/۱۴۶).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

امام جصاصؒ نے فرمایا کہ جب زیور کی آواز تک کو قرآن نے اظہارِ زینت میں داخل قرار دے کر ممنوع کیا ہے تو مزین رنگوں کے کامدار برقعے پہن کر نکلنا بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا۔ (معارف القرآن: ٦/٤٠٦)۔

مولانا عاشق الٰہیؒ اپنی کتاب ''شرعی پردہ'' میں رقمطراز ہیں:

آج کل بہت سی عورتیں طرح طرح سے غیر مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی بہت ساری تدبیریں کرتی ہیں، مثلاً برقعہ پہن کر باہر نکلیں اور ہاتھوں کو باہر نکال دیا، یا برقعہ کا نقاب اتنا چھوٹا رکھا کہ دونوں طرف کے

رخسار صاف نظر آسکیں یا ایسا باریک نقاب برقع میں لگایا جو خد وخال اور حسن و جمال کو اور بھی نمایاں کر دے، اور خود برقع ہی بجائے پردہ کے کشش کا سامان بن گیا، برقع پر پھولوں کا بنانا، چمکدار یا باریک کپڑے کا برقعہ ہونا بد نفس لوگوں کو برقعہ والی کی طرف متوجہ کر دیتا ہے، برقعے کیا ہوئے پردہ کے بجائے نظروں کو کھینچنے کا سامان بن گئے اور وہی مثل ہوگئی کہ جو نہ دیکھے وہ بھی دیکھے، العیاذ باللہ۔ (فصل الخطاب فی مسئلۃ الحجاب، ص۱۰۹، ط: ادارۃ المعارف)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ساڑھی پہننے کا حکم:

سوال: کیا ساؤتھ افریقہ میں مسلم خواتین کے لیے ساڑھی پہننا جائز ہے یا نہیں؟ جو کہ ہندو قوم کا لباس ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ساڑھی کے بارے میں علمائے کرام اور اکابرؒ کی آراء مختلف ہیں، ماحصل یہ ہے کہ جس معاشرے میں یہ لباس عام ہو وہاں اس کی گنجائش ہے جب کہ پورے جسم کو اچھی طرح چھپائے، اور جس معاشرے میں عام نہ ہو فقط ہندوؤں کا لباس سمجھا جاتا ہو وہاں نہیں پہننا چاہئے، اور ساؤتھ افریقہ میں یہ لباس عام نہیں بلکہ ہندوؤں کے ساتھ خاص ہے اس وجہ سے ایسے لباس سے بچنا چاہئے جب کہ اس میں اچھی طرح تستر بھی نہیں ہوتا۔ ملاحظہ ہو مسلم شریف کی روایت میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صنفان من أهل النار لم أرهما قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات رؤوسهن كأسنمة البخت المائلة لايدخلن الجنة ولا يجدن ريحها وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا. (رواه مسلم، رقم: ۲۱۲۸، باب النساء الكاسيات عاريات).

ابن عبد البر التمہید میں فرماتے ہیں:

وأما معنى قوله "كاسيات عاريات" فإنه أراد اللواتي يلبسن من الثياب الشيء الخفيف الذي يصف ولايستر فهن كاسيات بالاسم عاريات في الحقيقة. (التمهيد: ۱۳/۲۰۴).

قال الإمام النووي رحمه الله: وقيل معناه: تستر بعض بدنها وتكشف بعضه إظهاراً للزينة لجمالها ونحوه. (شرح صحيح مسلم:).

قال الإمام البغوي رحمه الله في شرح السنة: وقيل: هن اللائي يسدلن الخمر من ورائهن،

فتنكشف صدورهن ، فهن كاسيات بمنزلة العاريات إذا كان لايستر لباسهن جميع أجسامهن . (شرح السنة : ۱۰/۲۷۲).

ملاعلی قاریؒ مرقات میں فرماتے ہیں:

وقيل: يسترن بعض بدنهن ويكشفن بعضه إظهاراً لجمالهن وإبرازاً لكمالهن وقيل: يلبسن ثوباً رقيقاً يصف بدنهن وإن كن كاسيات للثياب عاريات في الحقيقة ...قال الطيبيؒ: أثبت لهن الكسوة ثم نفاها لأن الحقيقة الاكتساء ستر العورة فإذا لم يتحقق الستر فكأنه لا اكتساء . (مرقاة المفاتيح : ۱۱/۹۵).

ابن الجوزیؒ کشف المشکل میں فرماتے ہیں:

والثاني : أنهن يكشفن بعض أجسامهن فهن عاريات أي بعضهن منكشف . (كشف المشكل من حديث الصحيحين:۱/۱۰۳۱،ط: الرياض).

مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ حدیثِ مذکور کے تحت فرماتے ہیں:

بدن پر کپڑا ہونے اور اس کے باوجود ننگا ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بدن پر صرف تھوڑا سا کپڑا ہو اور بدن کا بیشتر حصہ اور خصوصاً وہ اعضاء کھلے رہیں جن کو باحیا عورتیں غیر مردوں سے چھپاتی ہیں، جیسا کہ یورپ (اور ایشیا کے بعض شہروں مثلاً بمبئی ،کلکتہ ،رنگون ،سنگاپور وغیرہ) میں ایسا لباس پہننے کا رواج ہے کہ گھٹنوں تک قمیص یا فراک ہوتا ہے آستین یا تو ہوتی نہیں یا اس قدر کوتاہ ہوتی ہے کہ مونڈھے سے صرف دو چار انچ ہی بڑھی ہوئی ہوتی ہے،...اور گلا آگے اور پیچھے سے اس قدر فراخ اور چوڑا ہوتا ہے کہ نصف کمر اور نصف سینہ نظر آتا ہے۔ (فصل الخطاب فی مسئلۃ الحجاب،ص ۱۰۷،ط:ادارۃ المعاف)۔

شراحِ حدیث کی عبارات کا خلاصہ یہ ہے کاسیات اور عاریات کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ بعض جسم کھلا ہوگا اور جسم کا بعض حصہ مستور ہوگا جس کی وجہ سے سترِ عورت مکمل حاصل نہیں ہوگا۔اور یہ معنی ساڑھی میں موجود ہے کہ جسم کا اکثر حصہ مستور ہوتا ہے اور بعض حصہ (مثلاً سینہ، پیٹ ، پیٹھ اور کلائیاں) کھلا ہوا ہوتا ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

اگر ساڑھی اس طرح سے پہنی جائے کہ اس سے پورا جسم چھپ جائے تو کوئی حرج نہیں ، لیکن آج کل ہزار میں سے بمشکل ایک عورت ہی اس طرح پورا جسم ڈھانپ کر ساڑھی پہنتی ہے، چونکہ ساڑھی پہن کر شرعی پردہ

نہیں ہوسکتا، اس لیے صرف ساڑھی پہن کر عورت کے لیے باہر نکلنا جائز نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۶۶/۸ طبع جدید۔ وکفایت المفتی: ۱۶۰/۹، دارالاشاعت)۔

مولانا خالد سیف اللہ فرماتے ہیں:

ساڑھی چونکہ اب غیر مسلموں کا مخصوص لباس باقی نہ رہا، بلکہ ہندوستان کے مشرقی اور جنوبی علاقوں میں عام طور پر مسلم خواتین بھی ساڑھی پہنتی ہیں، لہذا مسلم خواتین ساڑھی پہن سکتی ہیں، لیکن ایسا بلاؤز استعمال کرنا کہ پیٹھ اور پیٹ کا حصہ کھلا رہے، بہت ہی گناہ کی بات ہے غیرت وحیاء کے بھی خلاف ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۹۱/۶)۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جس جگہ تشبہ نہ ہو اور جسم بھی مکمل مستور رہے تو گنجائش ہوگی ورنہ نہیں۔ لیکن حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحبؒ نے فرمایا کہ ایسی عورت ہزار میں بمشکل ایک ہوگی۔ پھر عام طور پر ہمارے عرف میں یہ ہندوؤں کا لباس سمجھا جاتا ہے۔ لہذا مسلمان خواتین کو ایسے لباس سے بچنا چاہئے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

عورتوں کے سامنے چست لباس پہننے کا حکم:

سوال: مسلمان عورت کا دوسری مسلمان عورت کے سامنے تنگ وچست لباس پہننا جس میں بدن کی ساخت ظاہر ہوتی ہو، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مسلمان عورت کے لیے ایسا چست لباس زیب تن کرنا جس میں اعضاء کی ساخت ظاہر ہو، جائز اور درست نہیں ہے۔

لباس کا مقصد یہ ہے کہ اعضاء مستورہ کی ساخت اور بناوٹ کو چھپا دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿**لباساً یواری سوآتکم**﴾ (سورۂ اعراف: ۲۶)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

ان اعضائے انسانی کو سوءۃ کہا جاتا ہے جن کے کھلنے کو انسان فطرۃً برا اور قابل شرم سمجھتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہاری صلاح وفلاح کے لیے ایک ایسا لباس اتارا ہے، جس سے تم اپنے قابل شرم اعضاء کو چھپا سکو۔ (معارف القرآن: ۵۳۳/۳)۔

لہذا جو لباس جسم کے قابل شرم اور مستور اعضاء کو نہ چھپائے یا چست ہونے کی وجہ سے ان کی ساخت نظر

آئے وہ لباس ناجائز ہوگا۔

حدیث شریف میں ایسی عورتوں پر وعید وارد ہوئی ہے۔حدیث شریف اور اس کی ضروری تشریح ماقبل میں مذکور ہوئی، وہاں مراجعت کرلی جائے۔

نیز مسلمان خاتون کے لیے یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ کسی عورت کے سامنے ایسا لباس زیب تن کرے جو جسم کی بناوٹ کو ظاہر کردے۔چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

لا يحل للمسلمة أن تنكشف بين يدى يهودية أو نصرانية أو مشركة إلا أن تكون أمة لها كما فى السراج ، ونصاب الاحتساب ، ولاتنبغي للمرأة الصالحة أن تنظر إليها المرأة الفاجرة لأنها تصفها عند الرجال ، فلا تضع جلبابها و لا خمارها كما فى السراج . (فتاوی الشامی: ٦/ ٣٧١،سعید).

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

عورتوں کو ایسا باریک کپڑا پہننا جائز نہیں جس میں سے اندر کا بدن نظر آتا ہو، حدیث شریف میں ایسی عورتوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہیں گی۔(آپ کے مسائل اوران کا حل :٨/ ٣٦٨)۔واللہ ﷻ اعلم۔

غیر مسلم خادمہ کے سامنے سر کھولنے کا حکم:

سوال: کیا مسلمان عورت غیر مسلم خادمہ کے سامنے کھلے سر اور بازو چل پھر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء نے تحریر فرمایا ہے کہ مسلمان دیندار خاتون کے لیے درست نہیں ہے کہ کسی غیر مسلم فاسقہ فاجرہ کے سامنے اپنا سر یا اپنے بازو وغیرہ کھلے رکھ کر پھرے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

ولا تنبغي للمرأة الصالحة أن تنظر إليها المرأة الفاجرة لأنها تصفها عند الرجال، فلا تضع جلبابها ولاخمارها كما فى السراج . (فتاوی الشامی:٦/ ٣٧١،سعید، و كذا فى الفتاوى الهندية: ٥/ ٣٢٧). واللہ ﷻ اعلم۔

بطورِ فیشن سر کو اونچا کرنے کا حکم:

سوال: آج کل ایک فیشن رائج ہے کہ عورتیں اپنے بالوں کے نیچے گلدستہ کی شکل کی ایک چیز رکھتی ہیں، جس سے سر بہت اونچا معلوم ہوتا ہے، فی زماننا یہ فیشن مسلمان عورتوں میں بکثرت رائج ہے، اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مسلمان خواتین کو اس قسم کے فیشن سے اجتناب کرنا چاہئے، ایک حدیث میں آتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

...رؤوسهن كأسنمة البخت المائلة لايدخلن الجنة ولايجدن ريحها وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا . (رواه مسلم، رقم: ٢١٢٨، باب النساء الكاسيات عاريات).

قال الإمام النووي: روؤ سهن كاسنمة البخت، فمعناه: يعظمن روؤسهن بالخمر والعمائم وغيرها مما يلف على الرأس، حتى تشبه أسنمة الإبل البخت، هذا هو المشهور في تفسيره ...واختار القاضي أن المائلات تمشطن المشطة الميلاء، قال: وهي ضفر الغدائر وشدها إلى فوق وجمعها في وسط الرأس فتصير كأسنمة البخت . (شرح النووي على صحيح مسلم: ٢/ ٣٨٣، باب جهنم اعاذنا الله منها، ط: قديمي).

حدیث شریف اور اس کی شرح کی روشنی میں یہ بات معلوم ہوئی کہ مسلمان خواتین کو ایسے فیشن سے بچنا چاہئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورتوں کے لیے مختصر قمیص پہننے کا حکم:

سوال: ہمارے عرف میں عام طور پر یہ رواج ہے کہ عورتیں بوقتِ نوم بہت مختصر لباس پہنتی ہیں، اور دن میں بھی استعمال کرتی ہیں، تو کیا مسلمان عورت کے لیے گھر میں اس قسم کا لباس استعمال کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: گھر میں عورت کے لباس سے متعلق چند ضروری اصول حسبِ ذیل درج ہیں:

(۱) گھر میں شوہر کے سامنے بیوی کے لیے اپنے جسم کے کسی حصہ کا چھپانا واجب نہیں ہے، شوہر کے سامنے رات اور دن میں جو لباس پہننا چاہے پہن سکتی ہے۔ لیکن پھر بھی بے حیائی والا لباس پہننا مناسب نہیں۔

(۲) عورت کا اپنے محارم کے سامنے مواضع زینت: چہرہ، ہاتھ وغیرہ کا کھلا رکھنا درست ہے۔ نیز جسم کا

اتنا حصہ کھول سکتی ہے جتنا گھر کے کام کاج اور نقل وحرکت کرتے وقت کھولنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

(۳) اپنے رشتہ دار غیر محرم کے سامنے جو ایک گھر میں رہتے ہیں اور بار بار آنے جانے کی وجہ سے ہر وقت چہرہ کا پردہ مشکل ہو تو چہرہ کھلا رکھنا درست ہے۔باقی پورا جسم مستور ہونا چاہئے۔جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچازاد بہن ام ہانی کا فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانا اور بات چیت کرنا ثابت ہے اس میں یہ مذکور نہیں ہے کہ ام ہانی نے چہرہ کا پردہ کیا تھا۔ہاں فتنہ کا خوف ہو تو چہرہ کا پردہ بھی ضروری ہے نیز غیر محرم اقارب کے ساتھ خلوت اور اختلاط ممنوع ہے۔

(۴) اجنبیوں کے سامنے پورے جسم کو چھپانا لازم اور ضروری ہے،حتی کہ بلاضرورت چہرہ کھلا رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔

امام ابوبکر الجصاص احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

قوله تعالیٰ: ﴿ولايبدين زينتهن إلا لبعولتهن﴾الآية ،قال أبوبكر: ظاهره يقتضي إباحة ابداء الزينة للزوج ولمن ذكر معه من الآباء وغيرهم ومعلوم أن المراد موضع الزينة وهو الوجه واليد والذراع لأن فيها السوار والقلب والعضد وهو موضع الدملج والنحر والصدر موضع القلادة والساق موضع الخلخال فاقتضى ذلك إباحة النظر للمذكورين فى الآية إلى هذه المواضع وهي مواضع الزينة الباطنة لأنه خص في أول الآية إباحة الزينة الظاهرة للأجنبيين وأباح للزوج وذوى المحارم النظر إلى الزينة الباطنة. (احکام القرآن: ۳/۳۱۶،ط: سهيل).

درمختار میں ہے:

(وينظر الرجل)...(ومن عرسه وأمته) ...(إلى فرجها) بشهوة وغيرها والأولى تركه لأنه يورث النسيان(ومن محرمه)هى من لايحل له نكاحها أبداً بنسب أوسبب ولو بزنا (الى الرأس والوجه والصدر والساق والعضد إن أمن شهوته) وشهوتها أيضاً ...وإلا لا ، لا إلى الظهر والبطن ...وينظر من الأجنبية ولوكافرة إلى وجهها وكفيها فقط للضرورة. وفي رد المحتار: قوله ومن عرسه وأمته، فينظر الرجل منهما وبالعكس إلى جميع البدن من الفرق إلى القدم ولو عن شهوة لأن النظر دون الوطء الحلال. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۳۶۶، سعيد).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

ہاتھ کا کہنی تک یا اوپر تک اپنے محرم باپ، بھائی وغیرہ کے سامنے کھل جائے تو اس پر پکڑ نہیں لیکن نامحرم سے پردہ مکمل لازم ہے۔(فتاویٰ محمودیہ:۳۱۲/۱۹، جامعہ فاروقیہ)۔

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

اگر ماں باپ کے گھر رہتی ہیں اور وہاں کوئی نامحرم نہیں ہے، تو آدھی آستین کا کرتا پہننا صحیح ہے۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳۷۱/۸)۔

نیز عورتوں کو مختلف موسم کے لحاظ سے مختلف قسم کا لباس استعمال کرنے کی اجازت ہے، شریعتِ مطہرہ نے کسی خاص لباس اور وضع کی پابندی عائد نہیں کی ہے۔ہاں شریعت نے عام حالات میں خواتین کے لباس کی کچھ حدود مقرر کی ہیں، ان سے تجاوز کرنا درست نہیں۔وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) لباس اتنا چست اور باریک نہ ہو کہ جسم کی بناوٹ اور ساخت ظاہر ہو جائے۔

(۲) غیر مسلموں اور فاسقوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

(۳) مردوں کے لباس کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

(۴) فخر وغرور اور شہرت ونمائش مقصود نہ ہو۔

(۵) اسراف اور تبذیر نہ ہو۔ملاحظہ ہو: (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳۶۹/۸، طبع جدید)۔

خلاصہ یہ ہے عورت اپنے گھر میں شوہر کے سامنے مختصر لباس پہن سکتی ہے، ہاں جب باہر نکلے تو پورے جسم کو چھپانا ضروری ہوگا۔تاہم مسلمان نیک خاتون کے لیے مناسب بلکہ واجب ہے کہ پوری شرم وحیا اور عفت وپاکدامنی کی زندگی گزارے اور کافرات، فاسقات کے ساتھ تشبہ سے اجتناب کرے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شیر اور سانپ کی کھال کی ٹوپی اور جیکٹ پہننے کا حکم:

سوال: کیا سانپ یا شیر کی کھال کی ٹوپی یا جیکٹ پہننا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء نے تحریر فرمایا ہے کہ غیر ماکول اللحم جانوروں کی کھال دباغت دینے سے پاک ہو جاتی ہے اور اس کا استعمال جائز ہو جاتا ہے، لیکن سانپ کی کھال کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ چونکہ متحمل دباغت نہیں ہے اس وجہ سے پاک نہ ہوگی اور اس کا استعمال بھی جائز نہ ہوگا لیکن چونکہ فی زماننا کیمیکل

کے ذریعہ دباغت دی جاتی ہے لہذا اس کا استعمال بھی جائز ہے، چنانچہ ان کھالوں سے بنی ہوئی اشیاء کا استعمال جائز اور درست ہوگا، تاہم بہتر یہ ہے کہ ایسی ٹوپیوں اور کوٹ، جیکٹ سے احتراز کیا جائے جو درندوں کی کھالوں سے بنے ہوں۔

دباغت دینے سے کھال پاک ہوجاتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں حدیث شریف میں ہے: **"کل اھاب دبغ فقدطھر"**.

البحر الرائق میں ہے:

وقوله كل إهاب يتناول كل جلد يحتمل الدباغة. (البحر الرائق: ۱/۹۹، کوئٹہ).

فتح القدیر میں ہے:

وكل إهاب دبغ فقد طهر يتناول كل جلد يحتمل الدباغة لا مالا يحتمله. (فتح القدير: ۱/۹۲، دارالفكر).

فتاوی الشامی میں ہے:

والحاصل أن ذكاة الحيوان مطهرة لجلده ولحمه إن كان الحيوان مأكولاً، وإلا فإن كان نجس العين فلا تطهر شيئاً منه، وإلا فإن كان جلده لايحتمل الدباغة فكذلك، لأن جلده حينئذٍ يكون بمنزلة اللحم، وإلا فيطهر جلده فقط، والآدمي كالخنزير فيما ذكر تعظيماً له . (فتاوى الشامى: ۱/۲۰۵، مطلب فى احكام الدباغة، سعيد).

وفي الدرالمختار: وكل إهاب دبغ ولو بشمس وهو يحتملها طهر فيصلى به ويتوضأ منه وما لايحتملها فلا وعليه فلا يطهر جلد حية صغيرة ذكره الزيلعي. وفي رد المحتار: قوله جلدحية صغيرة أى لها دم . أما ما لا دم لها فهي طاهرة، لما تقدم أنها لووقعت فى الماء لاتفسده . (الدرالمختار مع رد المحتار: ۱/۲۰۳، مطلب فى أحكام الدباغة، سعيد).

عالمگیری میں ہے:

عن أبي حنيفةؒ لا بأس بلبس قلنسوة الثعالب كذا فى المبسوط، وعن أبي حنيفةؒ أنه قال: لا بأس بالفرو من السباع كلها وغير ذلك من الميتة المدبوغة والمذكاة وقال ذكاتها دباغها كذا فى المحيط، ولا بأس بجلود النمر والسباع كلها إذا دبغت أن يجعل

منها مصلى أو ميثرة السرج كذا في الملتقط . (الفتاوى الهندية: ۵/۳۳۳).

امدادالفتاویٰ میں ہے:

سوائے خنزیر کے کہ وہ نجس العین ہے اور سوائے انسان کے کہ وہ مکرم ومحترم ہے اور سب جانوروں کا چرم دباغت سے پاک ہوجاتا ہے اگر چہ وہ جانور مردار ہو۔ (امدادالفتاویٰ: ۱/۱۰۹، مکتبہ دارالعلوم کراچی)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے: مردار جانوروں کی کھال سوائے آدمی وخنزیر کے دباغت سے پاک ہوجاتی ہے اس کا استعمال جائز ہے۔ (امدادالفتاویٰ: ۱/۱۰۹)۔

قاموس الفقہ میں مولانا خالد سیف اللہ صاحب فرماتے ہیں:

حنفیہ نے عام طور پر سانپ اور چوہے وغیرہ کے چمڑے کو بھی ناقابل انتفاع قرار دیا ہے کیونکہ ان کی دباغت ممکن نہیں، مگر موجودہ زمانہ میں چوں کہ حشرات الارض کے چمڑوں کو بھی دباغت دینا ممکن ہوگیا ہے اس لیے ظاہر ہے کہ وہ بھی دباغت کے بعد قابل انتفاع ہوں گے، چنانچہ امام محمدؒ سے منقول ہے کہ اگر مردار بکری کے مثانہ کو دباغت دے کر قابل استعمال بنایا جاسکے تو وہ بھی پاک ہوجائیگا۔ (قاموس الفقہ: ۳/۴۰۵).

لیکن چونکہ یہ جانور سباع البہائم میں سے ہیں اس لیے اجتناب بہتر ہے۔ چنانچہ فقہاء فرماتے ہیں:

لأن طبيعة هذه الأشياء مذمومة شرعاً فيخشى أن يتولد من لحمها شيء من طباعها فيحرم إكراماً لبني آدم . (البحرالرائق: ۸/۱۷۱، کوئٹہ).

حدیث میں ہے:

عن معاوية رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاتركبوا الخز ولا النمار.

(رواہ ابوداود: ۲/۵۷۰، ط: فیصل).

وفي رواية له : أنه صلى الله عليه وسلم نهى عن لبس جلود السباع والركوب عليها.

(ابوداود: ۲/۵۷۰، فیصل).

اس حدیث پر محشی لکھتے ہیں:

وإنما نهى عن استعمال جلده لما فيه من الزينة والخيلاء ...وإن قيل بطهارته فالنهي لكونها من دأب الجبابرة وعمل المسترفهين . (حاشية ابی داود، رقم ۲-۳). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تسبیح میں ریشم کے دھاگے کا حکم:

سوال: تسبیح میں ریشم کا دھاگا استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ مرد کے لیے ریشم کے کپڑے ناجائز ہے؟

الجواب: تسبیح میں ریشم کا دھاگا استعمال کرنا جائز اور درست ہے، کیونکہ ریشمی لباس مردوں کے لیے ممنوع ہے اور یہ دھاگا لباس میں شامل نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

لو صلى على سجادة من الإبريسم لم يكره فإن الحرام هو اللبس أما الانتفاع بسائر الوجوه فليس بحرام . (مجمع الانهر:٤/١٩٤،ط: دارالكتب العلمية).

فتاوی الشامی میں ہے:

وفي الدر المنتقى: ولاتكره الصلاة على سجادة من الإبريسم لأن الحرام هو اللبس أما الانتفاع بسائر الوجوه فليس بحرام كما في صلاة الجواهر وأقره القهستاني وغيره. قلت: ومنه يعلم حكم ما كثر السوال عنه من بند السبحة فليحفظ. (فتاوى الشامي : ٦/٣٥٤، سعيد).

قال الإمام الطحطاوي: وهذا ظاهر إذا كانت من حرير لأنه ليس من اللبس. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ٤/١٧٨).

امداد الاحکام میں ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ تسبیح کے ڈورے میں ریشم کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے: لأن الحرمة في لبس الحرير وهذا ليس من اللبس في شيء ۔(امدادالاحکام:۴/ ۳۴۰)۔واللہ ﷻ اعلم۔

ریشم کی قالین پر بیٹھنے کا حکم:

سوال: میرے پاس ریشم کی قالین ہے۔(اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ مرد کے لیے ریشم کا لباس پہننا جائز نہیں ہے)اب میرے سولات یہ ہیں:

مذہب احناف میں ریشم کی قالین پر چلنا کیسا ہے؟
ریشم کی قالین پر بیٹھنا جائز ہے یا نہیں؟
اس قالین کے اوپر دستر خوان رکھ کر کھانا کیسا ہے؟
اس قالین کے اوپر عبادت کرنا (نماز، ذکر وتلاوت وغیرہ) کیسا ہے؟
حدیث کی روشنی میں اس کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب: امام اعظمؒ کے نزدیک ریشم کی قالین پر چلنا، بیٹھنا، دستر خوان رکھ کر کھانا اور اس پر نماز وغیرہ عبادت کرنا جائز اور درست ہے۔ البتہ صاحبینؒ کے نزدیک ریشم کی قالین کا استعمال مکروہ ہے۔ متون میں امام صاحبؒ کے قول کو اختیار کیا گیا ہے، لیکن اکثر مشائخ نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے، اور یہی اعدل اور احوط ہے۔ لہذا ریشم کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہئے۔ ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ويحل توسده وافتراشه والنوم عليه، وقالا والشافعي ومالك حرام وهو الصحيح كما في المواهب، قلت: فليحفظ هذا لكنه خلاف المشهور.

اس پر علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: **قوله ويحل توسده. الوسادة المخدة منح، وتسمى مرفقة، إنما حل لما روي أن النبي صلى الله عليه وسلم جلس على مرفقة حرير وكان على بساط ابن عباس رضي الله عنه مرفقة حرير وروي أن أنساً رضي الله عنه حضر وليمة فجلس على وسادة حرير ولأن الجلوس على الحرير استخفاف وليس بتعظيم فجرى مجرى الجلوس على بساط فيه تصاوير. قوله وقالا، قيل أبويوسفؒ مع أبي حنيفةؒ وقيل مع محمدؒ، قوله كما في المواهب ومثله في متن درر البحار قال القهستاني، وبه أخذ أكثر المشايخ كما في الكرماني ونقل مثله ابن الكمال، قوله لكنه خلاف المشهور، قال في الشرنبلالية: قلت: هذا الصحيح خلاف ما عليه المتون المعتبرة المشهورة والشروح.** (الدر المختار مع رد المحتار: ٦/٣٥٥، سعيد).

شرح تحفۃ الملوک میں ہے:

ويحل توسده أي توسد الحرير، يعني: جعله تحت رأسه، والنوم عليه لهما؛ أي: للرجال والنساء عند أبي حنيفةؒ، خلافاً لمحمد. ذكر القدوري، والقاضي أبوعاصم قول أبي يوسفؒ مع محمدؒ، وذكره الفقيه أبوالليث مع أبي حنيفةؒ. لمحمدؒ: ما روي من عموم

النهي والتحذير ولأن التنعم بالجلوس، والنوم عليه كالتنعم باللبس، وذلک عادة الأكاسرة والتشبه بهم حرام؛ قال عمر رضي الله عنه: إياكم وزي الأعاجم. ولأبي حنيفةؒ: ما روى عن ابن عباس رضي الله عنه أنه كان على بساطه مرفقة حرير، وعن أنس رضي الله عنه أنه حضر وليمة، وجلس على وسادة من حرير عليها طيور. والنص العام ورد في اللبس، والنوم دونه، فلايلحق به. (شرح تحفة الملوك لابن ملك: ۲/۱۸۱۱-۱۸۱۴).

علامہ عینیؒ البنایہ شرح الہدایہ میں تفصیلی بحث کے بعد فرماتے ہیں:

وفي الحقائق: وأكثر مشايخناؒ أخذوا بقولهما لأن مآله للتخير، ونقل فخر الإسلام عن نوادر هشام عن محمدؒ أنه قال: أكره ما يكره الديباج والإبريسم. (البناية في شرح الهداية: ۱۱/۱۱۶، مكتبة رشيديه).

ملاعلی قاریؒ شرح نقایہ میں صاحبینؒ کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وبقولهما قال مالكؒ والشافعيؒ، وهو الصحيح لما في صحيح البخاري عن ابن أبي ليلىٰ عن حذيفة رضي الله عنه قال: نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نشرب في آنية الذهب والفضة، وأن نأكل فيها، وعن لبس الحرير والديباج، وأن نجلس عليهما. (شرح النقاية: ۴/ ۳۱، ط: بيروت).

شرح النقایہ للقہستانی میں ہے: ويكره عندهما وبه أخذ أكثر المشايخ كما في الكرماني. (جامع الرموز، آخرين: ۳۰۳، ط: ايران).

وللمزيد راجع: (البناية في شرح الهداية: ۱۱/ ۱۱۴، والفقه الحنفي في ثوبه الجديد: ۵/۳۵۱-۳۵۳، والمحيط البرهاني: ۶/۷۹-۸۰، الفصل العاشر من كتاب الاستحسان، ط: مكتبه رشيديه، وشرح النقاية للملاعلى القاري: ۴/۳۱، بيروت، وغنية ذوى الاحكام للعلامة الشرنبلالي: ۱/ ۳۱۲، وتبيين الحقائق: ۶/۱۴، ط: امداديه، ملتان، وبدائع الصنائع: ۵/۱۳۱، سعيد).

امام صاحبؒ کے چند دلائل احادیث کی روشنی میں:

(۱) روى أن النبي صلى الله عليه وسلم جلس على مرفقة حرير.

قال الإمام المحدث جمال الدين الزيلعي في نصب الراية (۴/ ۲۲۷): قلت: غريب

جداً ، ويشكل على المذهب حديث حذيفة ﷛،قال: نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نشرب في آنية الذهب والفضة ، وأن نأكل فيها ، وعن لبس الحرير والديباج ،وأن نجلس عليه ، انتهى . أخرجه البخارى.

قال العلامة العينى فى البناية فى شرح الهداية : هذا لم يثبت عن النبى صلى الله عليه وسلم أصلاً ولا ذكره أحد من أرباب النقل لا بسند صحيح ولا بسند ضعيف...حديث حذيفة الذى ذكرناه حديث صحيح . (البناية: ١١/ ١١٥،مكتبة رشيديه).

(٢) أخرج ابن سعد فى الطبقات الكبرى (١/ ١٩٦/ ١١٢،مكتبة الصديق) قال أخبرنا عبد الوهاب بن عطاء ، قال:حدثنا عمروبن أبي المقدام، عن مؤذن بني وادعة ، قال:دخلت على عبد الله بن عباس ﷛ وهو متكئ على مرفقة من حرير وسعيد بن جبير عند رجليه وهو يقول: انظر كيف تحدث عني فإنك قد حفظت عني حديثاً كثيراً.

قال المحقق محمد بن صامل السلمي: إسناده ضعيف، عبدالوهاب بن عطاء العجلي صدوق ربما أخطأ، وعمرو بن ثابت بن أبي المقدام الكوفي، ضعيف، رمي بالرفض، ومؤذن بني وادعة ، لم أقف على من سماه .

وفي رواية له قال: أخبرنا الفضل بن دكين ، قال حدثنا مسعر، عن راشد مولى لبني عامر، قال: رأيت على فراش ابن عباس ﷛ أومجلس ابن عباس ﷛ مرفقة من حرير، (ابن سعد، رقم: ١٠٦).

قال المحقق محمد بن صامل: رجاله ثقات ما عدا راشد لم نجد له ترجمة...وإذا ثبت هذا فلعل المرفقة من الخز فقدكان بعض الصحابة يترخص فيه ، قال أبوداود: (٤١٩/٤)، كتاب اللباس، باب ماجاء في الخز، عشرون نفساً من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم أو أكثر لبسوا الخز منهم أنس والبراء بن عازب، وروى ابن أبي شيبة أن ابن عباس﷛كان يلبس المطرف من الخز. (المصنف :٨/ ١٥٣،وسيأتي رقم ١١٠،واسناده حسن). (الخز: ثياب تنسج من صوف وإبريسم وهى مباحة).

(٣) وعن أنس﷛ أنه حضر وليمة ، و جلس على وسادة من حريرعليها طيور. (لم اقف عليه).

صاحبینؒ کے چند دلائل احادیث کی روشنی میں:

(۱) ما روی من عموم النهی والتحذیر .

(۲) **قال عمر** رضی اللہ عنہ : **إياكم وزي الأعاجم. رواه ابن حبان** (رقم:٥٤٥٤، قال الشيخ شعيب : اسناده صحيح على شرط مسلم) **ومسلم،** (رقم:٢٠٦٩). **وينظر:** (نصب الراية : ٢٢٦/٤، والبناية : ١١٤/١١، وتعليقات الشيخ عبد المجيد بن عبد الرحمن الدرويش على شرح تحفة الملوك لابن ملك :١٨١٣/٢ـ١٨١٤).

(۳) **أخرج الإمام الطحاوي في "شرح معانی الآثار"** (٣٧٩/٢،باب لبس الحرير)، **والحاكم في المستدرک وصححه ووافقه الذهبی** (رقم:٣٦٩٧) **عن سعد بن أبي وقاص** رضی اللہ عنہ **أنه قال: والله لأن أضطجع على جمر الغضا أحب إلي من أن أضطجع عليها**(أی مرافق من حرير) .

(۴) **أخرج مسلم**(٢٠٧٨) **والنسائي** (رقم: ٥٣٧٦) **عن علي** رضی اللہ عنہ **قال : قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم:قل اللهم سددني واهدني ونهاني عن الجلوس على المياثر. والمياثر قسي كانت تصنعه النساء لبعولتهن على الرحل كالقطائف من الأرجوان . الميثرة : مركب للعجم كان يتخذ من الحرير والديباج .** (المعجم الوسيط،ص١٠١١).

(۵) **أخرج البيهقي فی" السنن الكبرى"** (رقم:٦٢٨٧) **عن علي بن أبي طالب** رضی اللہ عنہ **أنه أتي بدابة عليها سرج ديباج فأبى أن يركبها.**

(۶) **حديث حذيفة** رضی اللہ عنہ،**قال: نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نشرب فی آنية الذهب والفضة ، وأن نأكل فيها ، وعن لبس الحرير والديباج ، وأن نجلس عليه ، انتهى . أخرجه البخاری.** (رواه البخاری ، فی اللباس ، باب افتراش الحرير،رقم: ٥٨٣٧).

اس روایت کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ روایت متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے لیکن کسی کی روایت میں " وأن نجلس عليه" کا لفظ نہیں ہے فقط حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والے چند حضرات ہیں ان میں بھی صرف جریر بن حازم کے طریق میں ہے۔

طرق کی تفصیل حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

☆ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

☆ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ (ان سے مختلف حضرات روایت کرتے ہیں)۔

۱۔یزید بن ابی زیاد۔(اخرجه احمد بسند ضعيف ، رقم:٢٣٤٦٤ وابن ابى شيبه ،٢٤٦١٥ ولم يذكرفيه النهى عن الجلوس).

۲۔حکم بن عتیبہ۔ (اخرجه احمد بسندصحيح،فی خمسة مواضع، لم يذكرفيه النهى عن الجلوس).

۳۔مجاہد۔ان سے درجِ ذیل حضرات روایت کرتے ہیں:

منصور، سیف بن ابی سفیان ،ابن عون اور ابن ابی نجیح اور ابن ابی نجیح سے نقل کرنے والے دو حضرات ہیں: (۱) سفیان۔(۲) جریر بن حازم۔ان تمام میں سے فقط جریر بن حازم **النهى عن الجلوس** نقل کرتے ہیں۔ نیز حضرت حذیفہؓ سے ابووائل بھی روایت کرتے ہیں، **أخرجه البزار ولم يذكر النهى عن الجلوس .**

روایت کی تخریج اور اس کا نقشہ

اعلاء السنن میں مذکور ہے:

والجواب عنه أنه روى النهى عن لبس الحريرعن عدة من الصحابة كأنس بن مالك رضی اللہ عنہ **وعمر بن الخطاب** رضی اللہ عنہ **وابن عمر** رضی اللہ عنہ **وأبي هريرة** رضی اللہ عنہ **وغيرهم، وليس في شيء منها النهى عن الجلوس عليه** . (اعلاء السنن :١٧/ ٣٤٥). علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے اعلاء السنن میں تفصیلی بحث فرمائی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جریر بن حازم اس میں متفرد ہے اور محدثین نے ان پر کلام کیا ہے۔لیکن دکتور بشار عواد نے دفاع کرتے ہوئے ہر جزء کا جواب دیا ہے۔تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (تحرير تقريب التهذيب : ١/ ٢١٢، و تهذيب الكمال مع التعليقات:٤/ ٥٢٤ـ ٥٣٠،وتقريب التهذيب ،ص ٥٤،ومقدمة الفتح). پھر دوسری بات یہ ہے کہ قتادہ سے ان کی روایت کو ضعیف کہا ہے اور یہ روایت ابن ابی نجیح سے ہے نہ کہ قتادہ سے۔بہر حال ان سب کے باوجود اگر روایت کو ضعیف تسلیم کرلے پھر بھی احناف ضعیف روایت سے استدلال کرتے ہیں اس اعتبار سے بھی ریشم کی قالین پر بیٹھنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

چنانچہ فقہاء احناف میں سے بھی بعض حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ملاحظہ ہو:

نصب الرایہ میں علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: **ولو استدل على ذلك بحديث حذيفة** رضی اللہ عنہ **لكان أولىٰ، أخرجه البخارى**...(نصب الراية:٤/ ٢٢٦).

جرير بن حازم تفرد به وهو و إن كان ثقة لكن له اوهام وحديثه عن قتادة ضعيف.

حازم عن ابن أبي نجيح عن مجاهد عن عبد الرحمن بن أبي ليلى عن حذيفة عن النبي صلى الله عليه و سل

ي و هو من مفردات البخاري. والبيهقي في سننه الكبرى. و الدار قطنى٨٧ وقد جمع طرقها مسلم و لكن

ن حازم لهذه العلة.

علامہ عینیؒ البنایہ میں فرماتے ہیں:

ولو استدل المصنفؒ منها بحديث حذيفة ﷺ لكان أولیٰ، وهوما أخرجه البخارى عن ابن أبي ليلى...وهذا صريح في تحريم الجلوس عليه ، فإذا كان الجلوس عليه حرام فالتوسد مثله . (البناية فى شرح الهداية: ۱۱/ ۱۱٤،مكتبه رشيديه).

ملاعلی قاریؒ نے بھی شرح النقایہ میں صاحبینؒ کے مذہب کی تصحیح کرتے ہوئے بخاری کی اس روایت سے استدلال کیا ہے،عبارت گزرچکی ۔نیز علامہ فخرالدین زیلعیؒ نے بھی تبیین الحقائق (۱۴/۶) میں استدلال کیا ہے۔

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے بخاری کی روایت پر بحث کرنے کے بعد صاحبینؒ کے مذہب کوراجح قرار دیا ہے۔

ملاحظہ ہو: **ولكن المتأخرين من المشايخ قد صححوا مذهب صاحبيه ، والجمهور في هذا الباب نظراً إلى قوة الدليل، ولايخفى على من له مسكة أن مذهب الصاحبين والجمهور أقوى وأحوط ، فالأخذ به أعدل وأضبط .**

وأما قول بعض الأحباب: إن ابن عباس ﷺ أفقه من سعد ﷺ، وقبول زيادة الثقة ليس أمراً كلياً، وزيادة " أن نجلس عليه" منكرة ، وتصحيح البخارى أمر اجتهادى، فكل ذلك تمشية للمذهب لايخلوعن تعسف، وكفانا لدفع الطعن عن الإمام أن قد وافق قوله فعل ابن عباس ﷺ وابن عامر ﷺ من الصحابة ، وأما المعول عليه فهوقول صاحبيه والجمهور، وبه نأخذ كما أخذ به أكثر المشايخ ، وصرح فى" المواهب"بتصحيحه ، فهوالقول المنصور، والله أعلم بما فى الصدور، ظ. (اعلاء السنن : ۱۷/ ۳٤۷،ادارة القرآن). **واللہ ﷻ اعلم۔**

چارپائی پرریشم کی چادرڈالنے کاحکم:

سوال: اپنی چارپائی پرریشم کی چادرڈالنااوراس پر بیٹھنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب: امام ابوحنیفہؒ کےنزدیک جائز ہےالبتہ صاحبینؒ کےنزدیک مکروہ ہے،اس لیےاجتناب کرنا چاہئے۔ اس مسئلہ کے دلائل ماقبل میں گزرچکے ہیں۔

مزید ملاحظہ ہو:(بدائع الصنائع : ٥/ ١٣١،سعيد،وفتاوى الشامى: ٦/ ٣٥٥،سعيد،و البحرالرائق : ٨/ ١٨٩،والجوهرة النيرة : ٢/ ٣٨٢، والاختيارلتعليل المختار: ٤/ ١٥٨). **واللہ ﷻ اعلم۔**

کیا لباس اور کھانے پینے کی سنتیں عادات میں شمار ہیں یا عبادات میں؟ اور دونوں میں کیا فرق ہے؟

سوال: سنن عادیہ اور سنن تعبدیہ میں کیا فرق ہے؟ سنن عادیہ مستحب کے درجہ میں ہیں یا سنتِ مؤکدہ کے درجہ میں؟ اور لباس کی سنتیں سنن عادیہ میں شمار ہوتی ہیں یا سنن تعبدیہ میں؟ اگر کسی لباس میں کفار کے ساتھ تشبہ نہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر مکمل تشبہ ہو تو کیا حکم ہوگا؟

الجواب: عام طور پر فقہائے کرام نے سنن کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں: سنن ہدیٰ: جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کے طور پر کیا ہو، جیسے نماز با جماعت، اذان، اقامت، سنن رواتب وغیرہ، شریعت میں ان کو کرنے کی تاکید آئی ہے، ان کا حکم یہ ہے کہ ان کا چھوڑنا گمراہی اور قابل ملامت ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ عبادت نہ کیا ہو بلکہ اپنی عادتِ مبارکہ کے طور پر آپ کے جسم اطہر سے صادر ہوئی ہو وہ ''سنتِ عادیہ'' ہے اور اسے ''سنتِ زائدہ'' بھی کہا جاتا ہے جیسے اونٹ پر سواری کرنا، تہبند باندھنا، منقش یمنی شال استعمال فرمانا، مخصوص وضع کا لباس زیب تن فرمانا، عمامہ باندھنا، نشست و برخواست کا مخصوص انداز، وغیرہ وغیرہ یہ سب چیزیں سننِ عادیہ میں سے ہیں، جسے شرعی اصطلاح میں سننِ زوائد بھی کہا جاتا ہے، یہ مستحب کے درجہ میں ہیں، ان کے کرنے میں ثواب ہے اور نہ کرنے میں کوئی ملامت اور عتاب نہیں ہے، ہاں ان کا بجالانا اولیٰ اور افضل ہے اور محبت کی علامت ہے۔

یا یوں کہا جائے کہ جن سنتوں کا تعلق عبادات جیسے نماز، روزہ، اذان، اقامت سے ہوں وہ سنن ہدی ہیں، اور جن کا تعلق مباحات چلنے پھرنے کھانے پینے پہننے سے ہے وہ سنن عادیہ ہیں۔

فقہائے کرام کی درجِ ذیل عبارات کی روشنی میں سنن عادیہ اور سنن تعبدیہ کے مابین فرق اور ان کا حکم ملاحظہ کیجئے:

نور الانوار میں ملا جیون صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وهي نوعان: الأول: سنة الهدى وتاركها يستوجب إساءة، والثاني: الزوائد وتاركها لايستوجب إساءة كسير النبي صلى الله عليه وسلم في لباسه و قعوده و قيامه فإن هؤلاء كلها لاتصدر منه عليه الصلاة والسلام على وجه العبادة وقصد القربة بل على سبيل العادة

فإنه عليه السلام كان يلبس جبة حمراء وخضراء وبيضاء طويل الكمين وربما يلبس عمامة سوداء وحمراء وكان مقدارها سبعة أذرع أو اثنى عشر ذراعاً أو أقل أو أكثر وكان يقعد محتباً تارة ومربعاً للعذر وعلى هيئة التشهد أكثر فهذاكلها من سنن الزوائد يثاب المرأ على فعلها ولا يعاقب على تركها وهوفي معنى المستحب إلا أن المستحب ما أحبه العلماء وهذا ما اعتاده النبي صلى الله عليه وسلم. (نورالانوار،ص۱٦٧، ط: سعيد).

ملاجیون کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جوافعال واعمال عبادت اورقربت کے قبیل سے صادرنہ ہوئے ہوں بلکہ آپ نے عادۃً ان کوکیاہوں ایسے اعمال وافعال سنن عادیہ وزوائدکہلاتے ہیں اوریہ مستحب کے درجہ میں ہیں ان کے کرنے پرثواب اورنہ کرنے پرکوئی عتاب نہیں ہوگا۔

امام سرخسیؒ فرماتے ہیں:

السنة سنتان: سنة أخذها هدى وتركها ضلالة، وسنة أخذها حسن وتركها لا بأس به ... والثاني: نحو ما نقل من طريقة رسول الله صلى الله عليه وسلم في قيامه وقعوده ولباسه وركوبه. (اصول السرخسي:۱/۱۲۸،فصل فى بيان المشروعات من العبادات واحكامها،قديمي).

یعنی سنتیں دوقسم کی ہیں،ایک تووہ ہے جس پرعمل کرنا مطلوب اورترک کرنا ضلالت وگمراہی ہےاوردوسری جس پرعمل پیراہونااچھاہےاوراس کاترک کرنا قابل ملامت نہیں ہے...دوسری قسم کی مثال جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاطریقہ نشست وبرخواست اورلباس وسواری وغیرہ۔

اصولِ فقہ کی عام کتابوں میں تقریباً یہی مضمون موجودہے،مزیدچندعبارات حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

قال في كشف الأسرار على أصول فخر الإسلام البزدوی: قوله سنة الهدى يعنى سنة أخذها من تكميل الهدى أى الدين وهي التي تعلق بتركها كراهية أو إساءة، والإساءة دون الكراهة وهي مثل الأذان والإقامة والجماعة والسنن الرواتب...والزوائد أى والنوع الثاني: الزوائد وهي التي لا يتعلق بتركها كراهة ولا إساءة...وأفعاله خارج الصلاة من المشي واللبس والأكل فإن العبد لا يطالب بإقامتها ولا يأثم بتركها و لا يصير ميسئاً والأفضل أن يأتي بها كذا في بعض مصنفات الشيخ. (كشف الاسرار: ۲/۳۱۰،ط: الصدف ببلشرز، كراتشي،باكستان).

قال الإمام أكمل الدين البابرتي: ثم السنن نوعان: سنة الهدى، أى سنة أخذها من تكميل الهدى، أى الدين، وهي التي يتعلق بتركها كراهية إساء ة وهي دون الكراهية، وهي كالأذان، والإقامة، والجماعة، والسنن الراتبة ...وسنن تاركها لا يستوجب إساء ة ولا كراهية وهي الزوائد كسير النبي صلى الله عليه وسلم في لباسه وقيامه وقعوده وكتطويل القراء ة فى الصلاة، تطويل الركوع و السجود و سائر أفعاله التي يأتى بها، فى حال القيام والركوع والسجود، وأفعاله خارج الصلاة من المشي والركوب واللبس والأكل، فإن الأفضل أن يأتي بها، ولا يصير بتركها مسيئاً. (التقرير لاصول فخرالاسلام البزدوی:۳/۴۹۹،وزارة الاوقاف، الکویت).

قال الشيخ عز الدين عبد اللطيف ابن الملَك في شرح المنار: قوله سنن الهدى و هي، ماكانت إقامتها لتكميل الهدى أى الدين وحكم هذه السنة أن تاركها يستوجب إساء ة وكراهة والإساء ة دون الكراهة قال الحلواني: الكراهة فحش من الإساء ة هذا إن لم يصر على الترك فإن أصر كان ضالاً وفي بعض كتب الأصول وتركها إضلال ولعله أراد به الإصرار على الترك وإلا يلزم أن يكون مرتبة السنة فوق مرتبة الواجب...وزوائد وهي التي أخذها حسن، وتاركها لايستوجب إساء ة وكراهة...لأنها عليه الصلاة والسلام فعلها على مقتضى الطبعية البشرية بطريق الاتفاق لا بطريق قصد العبادة ولكن الأولى الاتباع. (شرح المنار: ۱/۵۸۷،۵۸۸).

قال العلامة عبد الحيى اللكنويؒ: والذي يظهر بالنظر الدقيق هو أن الفرق بين العبادة و العادة يعرف بالعرف فما يكون فى الملبس و المسكن و المشرب و المشي و القيام و القعود و أمثالها مما يتكرر فى الإنسان بالطبع وإن لم يرد الشرع يعد من العادات وإن نوى الإنسان فيها جهة من جهات القربة وكل ما ليس كذلك بل يعرف حسنه بالشرع يعد من العبادات فاندفع الإشكال وزال الإعضال. (السعاية في كشف ما في شرح الوقاية:۱/۱۷۳، ط: سهيل اكيدمی).

وللاستزادة: انظر: (دستور العلماء او جامع العلوم فی اصطلاحات الفنون للقاضی عبد رب النبی

الاحمدنکری:۲/۱۳۴، ط: دارالکتب العلمیة بیروت،وموسوعة کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم :۱/۹۸۱ ـ ۹۸۳ وتحفة الاخیار باحیاء سنة الابرار للعلامة عبد الحی اللکنوی، ص۶۸ـ۸۶).

فقہ حنفی کے اصول وضوابط میں مذکور ہے:

سنتِ مطلقہ وہ ہے جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ عبادت کیا ہے ورنہ سنن زوائد سے ہوگا، مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بال رکھنا بطورِ عادت کے ہے نہ کہ بطورِ عبادت کے اس لیے اولیٰ ہونے میں تو شبہ نہیں مگر اس کو خلافِ سنت نہ کہیں گے۔ (فقہ حنفی کے اصول وضوابط،ص ۱۲۳،اقسام سنت)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے: ایک صاحب نے استفسار کیا کہ کیا بکریاں پالنا سنت ہے؟ فرمایا جی ہاں سنت ہے۔ لیکن سنتِ عادیہ ہے سنتِ عبادت نہیں اور اصل مقصود سنتِ عبادت ہے۔ البتہ سنتِ عادیہ میں اگر منشا اس کا محبت ہے تو اس میں ثواب اور برکت ہے، اس میں غلو یعنی سنتِ عبادت کا سا اہتمام اور معاملہ نہ کیا جائے۔ بعض لوگ اس کی تحقیق میں رات دن رہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عصا مبارک کتنا بڑا تھا اور عمامہ شریف کتنا بڑا تھا، یوں کوئی عاشق ان باتوں کی تحقیق کرے وہ اور بات ہے، اس کا منشا تو محبت ہے، باقی ان کے پیچھے پڑ کر اکثر لوگ ضروریاتِ دین سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں اور اسی کو کافی سمجھنے لگتے ہیں، سو اس میں ایسا غلو ہو تو دین سے بیکار ہو جائے گا، ہر شئ اپنی حد پر رہنا چاہئے۔

سنتِ عبادت ''یعنی مستحب'' میں یہ قانون ہے کہ اگر اس میں عوام کے لیے کسی مفسدہ کا احتمال غالب ہو تو مستحب کو چھوڑ دینا بھی واجب ہے۔

...میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (بجائے گیہوں کے) جو عادۃً کھایا ہے یا عبادۃً؟ ظاہر ہے کہ عبادۃً نہیں کھایا، پھر عادتِ نبویہ کا اتباع شریعت میں واجب نہیں، نہ ان کے ترک میں کوئی گناہ ہے۔

عادات میں مزاج وغیرہ کے لحاظ کرنے کا اختیار ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض عادات ایسی ہیں جن کو ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لیے شریعت نے عادتِ نبویہ کا اتباع واجب نہیں کیا، ہاں اگر کسی کو ہمت ہو اور عادت پر عمل کرنا نصیب ہو جائے تو اس کی فضیلت میں شک نہیں مگر اس کو دوسروں پر طعن کرنے کا بھی حق نہیں۔ (فقہ حنفی کے اصول وضوابط،ص ۱۳۳،۱۳۴)۔

مزید ملاحظہ فرمایئے: (جدید معاملات کے شرعی احکام:۳/۵۹، دارالاشاعت، وشمائل کبریٰ)۔

شرعی لباس کے اصول وضوابط:

قرآن وحدیث کی رو سے شرعی لباس وہ کہلائے گا جس میں شرعی اصول وضوابط کی رعایت کی گئی ہو۔ ہر مسلمان کے لیے شرعی لباس کا اختیار کرنا بے حد ضروری ہے اور کفار وفساق کے لباس سے بچنا چاہئے۔

یہ بھی یاد رہے کہ شریعتِ مطہرہ نے لباس کے متعلق کسی خاص وضع قطع کی پابندی نہیں لگائی ہے البتہ اس کی کچھ حدود وقیود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز جائز نہیں، پس جو لباس ان حدود وقیود کے دائرہ میں رہتے ہوئے اختیار کیا جائیگا وہ شرعی لباس کہلائیگا ورنہ خلافِ شرع ہوگا۔ کچھ حدود واصول درجِ ذیل ہیں:

(۱) لباس اتنا چھوٹا، باریک یا چست نہ ہو کہ وہ اعضائے مستورہ کی ساخت کو واضح کردے۔

(۲) لباس میں کافروں اور فاسقوں کی نقالی اور تشبہ اختیار نہ کریں۔

(۳) لباس میں بڑائی وتکبر اور فخر ونمائش اور بے جا تکلفات سے اجتناب کریں۔

(۴) مرد شلوار، تہبند، جبہ اور پاجامہ وغیرہ اتنا لمبا نہ پہنیں کہ ٹخنے چھپ جائیں۔

(۵) مردوں کے لیے اصلی ریشم کا لباس پہننا حرام ہے۔

(٦) مرد زنانہ لباس اور عورتیں مردانہ لباس اختیار نہ کریں۔

لہذا فی زماننا عورتوں کے لیے کوٹ، پتلون، شرٹ، پینٹ، وغیرہ کا استعمال جائز نہیں، اسی طرح مردوں کو سونے، چاندی کی زنجیر پہننا، عورتوں کی طرح بال رکھنا، لبوں پر سرخی لگانا، ہاتھ، پیر میں مہندی لگانا وغیرہ جائز نہیں۔

(۷) مردوں کے لیے خالص سرخ لباس پہننا مکروہ ہے، ہاں خالص سرخ نہ ہو تو مضائقہ نہیں۔

(۸) اپنی مالی استطاعت سے بہت زیادہ قیمت کے لباس کا اہتمام نہ کریں۔

(۹) مال دار شخص اتنا گھٹیا لباس نہ پہنے کہ دیکھنے والے مفلس سمجھیں۔

(۱۰) لباس صاف ستھرا ہونا چاہئے، مردوں کے لیے سفید لباس زیادہ پسندیدہ ہے۔

ہاں لباس میں ہر علاقہ کے اہل صلاح وتقویٰ کے لباس کا اتباع زیادہ بہتر اور مستحب ہے کیونکہ یہ اقرب الی السنہ ہونے کی علامت ہے۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

جو لباس سنت سے ثابت ہو وہ یقیناً شرعی ہے اور جس لباس کا سنت میں ذکر نہ ہوا اور اس کو صلحاء نے اختیار کیا ہو، کفار اور فساق کا شعار نہ ہو، وہ بھی شرعی لباس ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/ ۲۵۵، جامعہ فاروقیہ)۔

تکملہ فتح الملہم میں ہے:

إن الإسـلام دين تشمل أحكامه جميع شعب الحياة ، فإنه لم يد ع باب اللباس هملاً ، بـل وضـع لـه مبـادئ وأحـكـاماً لايجوز لمسلم أن يخالفها . وقد يزعم الإنسان المعاصر أن الـلباس و الزينة من الأمور العادية البسيطة التي تخضع للتقاليد الرائجة في كل عصرومصر، ولا عـلاقة لها بـأحـكـام الـحلال و الحرام ، فإنها ليست من الأمور الجذرية التي تقوم على أسـاسهـا الـحيـاة ، ولكن هذا الزعم إنما نشأ من قلة التدبر... ولكن الإسلام لا يسلک في شـأن من شؤون الحياة إلا طريقاً يتفق مع الفطرة السليمة ، ويتجارب مع مقتضيات الطبيعة وبـمـا أن الإنسـان جبـل على حب التنوع في أنواع اللباس و الطعام ، فإن الإسلام لم يقصره عـلـى نـوع دون نوع ، ولم يقرر للإنسان نوعاً خاصاً، أو هيئة خاصة من اللباس ، ولا أسلوباً خاصاً للمعيشة وإنما وضع مجموعة من المبادى والقواعد الأساسية يجب على المسلم أن يتحفظ بها في أمر لباسه ، ثم تركه حراً في اختيار ما يراه من أنواع الملابس، و ليس هناک مـا يـمـنـع التـطور في أنواع اللباس ، ما دام الإنسان يتحفظ بهذه المبادى ، ويفي بشروطها الواجبة .

فـمـن مـقدمة هذه المبادئ (ا) أن اللباس يجب أن يكون ساتراً لعورة الإنسان ... و ستـر الـعـورة من أعظم مقاصد اللباس ، وأن اللباس الذي يخل بهذا المقصد يهمل ما خلق اللباس لأجله ، فيحرم على الإنسان استعماله...وكذلک اللباس الرقيق أواللاصق بالجسم الـذي يـحـكـي لـلـناظر شكل حصة من الجسم الذي يجب ستره ، فهو في حكم ماسبق في الحرمة و عدم الجواز .

(۲) أن الـلباس إنما يقصد به الستر و التجمل ... وأما ما يقصد به الخيلاء والكبر أو الأشر و البطر أو الرياء ، فهو حرام .

(۳) أن الـلبـاس الـذي يتشبه به الإنسان بأقوام كفرة ، لا يجوز لبسه لمسلم إذا قصد بذلک التشبه بهم .

(۴) أن لبـس الـحريرحرام للرجال دون النساء ، وكذلک إسبال الإزار إلى الكعبين لايجوز للرجال و يجوز للنساء .

(۵) الثوب المصبوغ بلون مطرب يحصل به الفخر و المراآة، فنهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المعصفر والمزعفر .

... ولا اختلاف بين قوله صلى الله عليه وسلم: إن البذاذة من الإيمان...وبين قوله صلى الله عليه وسلم : إن الله يحب أن يرى أثر نعمته على عبده...لأن هناک شيئين مختلفين فى الحقيقة ، قد يشتبهان بادى الرأى ، أحدهما مطلوب والآخر مذموم ، فالمطلوب ترک الشح ، ويختلف باختلاف طبقات الناس، فالذي هو في الملوک شح ربما يكون إسرافاً في حق الفقير، وترک عادات البدو واللاحقين بالبهائم واختيار النظافة ومحاسن العادات ، والمذموم الإمعان فى التكلف والمراآة والتفاخر بالثياب ، وكسر قلوب الفقراء ، و نحو ذلک و في ألفاظ الحديث إشارات إلى هذه المعانى كما لا يخفى على المتأمل. (تكملة فتح الملهم: ٤/٨٧-٨٩).

مزید ملاحظہ فرمایئے: (کتاب الفتاویٰ:٦/٩٥،ونوادرالفقہ:٢/٣٦٥،وجدید معاملات کے شرعی احکام:٣/٥٤)۔

لباس وغیرہ میں تشبہ بالکفار کی وضاحت اوراس کا حکم:

عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " من تشبه بقوم ، فهو منهم . (اخرجه ابوداود ،رقم٤٠٣١ ،وابن حبان فى صحيحه ، وابن ابى شيبة، رقم:١٩٤٠١، والبيهقى فى شعب الايمان:١١٩٩).

قال العراقي: أبو داود من حديث ابن عمر بسند صحيح. (٨٥١). وقال ابن حجر: إسناده حسن . (فتح البارى:١٠/٢٧١). وأورده السيوطى فى الجامع الصغير(٨٥٩٣) ورمزله بالحسن، وضعفه السخاوى والزركشي وغيرهما ، ولكن له شواهد .

قلت: إسناده حسن . فيه: عبد الرحمن بن ثابت بن ثوبان ، قال ابن حجر: صدوق. وقال يحيى بن معين: ليس به بأس. قال أبوحاتم: ثقة. يشوبه شيء من القدر، وهو مستقيم الحديث. قال أبوداود: كان فيه سلامة ، وكان مجاب الدعوة ، وليس به بأس . قال النسائي: ضعيف. قال أحمد بن حنبل: لم يكن بالقوى فى الحديث. قال الهيثمي: قد وثقه غير واحد ، وضعفه غيرهم.

راجع : (تهذيب الكمال للمزى:١٧/ ١٤، وتقريب التهذيب، وتهذيب التهذيب ٦/ ١٣٧، ومجمع الزوائد).

وحديث حذيفة أخرجه الطبراني في الأوسط، (٨٣٢٧)، **والبزار** (٢٩٦٦)، **وقال الهيثمي: فيه على بن غراب وقد وثقه غير واحد وضعفه بعضهم وبقية رجاله ثقات .**

وللمزيد راجع : (كشف الخفاء، رقم:٢٤٣٦، والمقاصد الحسنة،رقم:١١٠١، ونصب الراية :٤/ ٣٤٧).

ملاعلی قاریؒ مرقات میں فرماتے ہیں:

أى من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار فهو منهم أى في الإثم والخير، قال الطيبي: هذا عام في الخَلق والخُلق والشعار ولما كان الشعار أظهر في الشبه ذكر في هذا الباب، قلت: بل الشعار هو المراد بالتشبه لا غير فإن الخلق الصورى لا يتصور فيه التشبه والخلق المعنوى لا يقال فيه التشبه بل هو التخلق. (مرقاة المفاتيح:٨/ ٢٥٥، امداديه ،ملتان).

علامہ مناوی فیض القدیر میں فرماتے ہیں:

"من تشبه بقوم" أى تزيا في ظاهره بزيهم وفي تعرفه بفعلهم وفي تخلقه بخلقهم وسار بسيرتهم وهديهم في ملبسهم وبعض أفعالهم..." فهومنهم" وقيل المعنى من تشبه بالصالحين وهو من اتباعهم يكرم كما يكرمون ومن تشبه بالفساق يهان ويخذل كهم، ... وقال ابن تيمية : هذا الحديث أقل أحواله أن يقتضي تحريم التشبه بأهل الكتاب وإن كان ظاهره يقتضي كفر المتشبه بهم ...الخ. (فيض القدير:٦/ ١٠٤).

حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں: یہ مسئلہ خود نص قرآنی میں موجود ہے وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ **ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار**﴾ ترجمہ: یعنی مت مائل ہوان لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کیا کبھی تم کو بھی آگ پہنچ جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل باطل کی طرف میلان حرام ہے اور اس کے ساتھ ایک قاعدہ بھی ملایا جائے کہ تشبہ بدون رکون اور میلان قلبی کے نہیں ہوتا...قلب میں اولاً اس کی عظمت ہوتی ہے اور اس کے استحسان کا درجہ پیدا ہوتا ہے اور اس کی طرف میلان ہوتا ہے، پس جب رکون اور میلان حرام ہے تو تشبہ بھی حرام ہے۔(الاضافات:۸/ ۳۲۶، بحوالہ فقہ حنفی کے اصول وضوابط،ص ۱۴۸)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

تشبہ کی تعریف اور رفع تشبہ کی پہچان: اس کا معیار یہ ہے کہ جہاں کوئی بات کسی کی وضع ہو اور یہ معلوم ہوتا ہو کہ یہ بات کفار میں ہے اور کفار کی خصوصیت کی طرف ذہن جاتا ہو تو تشبہ ہوگا ورنہ نہیں۔ (حسن العزیز: ۳/۲۱۳، بحوالہ فقہ حنفی کے اصول وضوابط، ص ۱۵۰)۔

پہچان یہ ہے کہ ان چیزوں کے دیکھنے سے عام لوگوں کے ذہن میں ایک کھٹک نہ ہو کہ یہ وضع تو فلانے کی ہے، مگر جب تک یہ خصوصیت ہے اس وقت تک منع کیا جائیگا۔ (حیات المسلمین، ص ۲۲۴، بحوالہ فقہ حنفی کے اصول وضوابط، ص: ۱۵۰)۔

تشبہ کے اقسام اور اس کے احکام:

(۱) تشبہ بالکفار اعتقادات وعبادات میں کفر ہے اور مذہبی رسومات میں حرام ہے۔

(۲) معاشرت اور عبادات اور قومی شعائر میں تشبہ مکروہِ تحریمی ہے۔

جو چیزیں دوسری قوموں کی نہ قومی وضع ہیں نہ مذہبی وضع ہیں گو ان کی ایجاد ہوں اور عام ضرورت کی چیزیں جیسے دیا سلائی یا گھڑی یا نئے ہتھیار یا نئی ورزشیں جن کا بدل ہماری قوم میں نہ ہو اس کا برتنا جائز ہے۔ ایجادات وانتظامات اور اسلحہ اور سامانِ جنگ میں غیر قوموں کے طریقے لے لینا جائز ہے۔ ہاں جس کا بدل مسلمانوں کے پاس موجود ہو تو اس میں تشبہ مکروہ تنزیہی ہے۔

(۴) مسلمانوں میں جو فاسق یا بدعتی ہیں ان کی وضع اختیار کرنا بھی گناہ ہے۔

(حیات المسلمین، وانفاس عیسیٰ، بحوالہ فقہ حنفی کے اصول وضوابط، ص ۱۵۱)۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"من تشبه بقوم فهو منهم" سے مراد یہ ہے کہ کسی قوم کی ایسی چیز میں مشابہت اختیار کی جائے جو اس قوم کے ساتھ مخصوص ہو یا اس کا خاص شعار ہو تو ایسی مشابہت ناجائز ہے۔ (کفایت المفتی: ۹/۱۶۹، دار الاشاعت)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

جہاں مسلمان عورتوں کے اپنے لباس میں ساڑی داخل ہو وہاں جائز ہے، اور جہاں مسلمانوں میں ساڑی مروج نہ ہو صرف غیر مسلم عورتوں کے لباس میں داخل ہو وہاں مکروہ ہے۔ (کفایت المفتی: ۹/۱۶۰، دار الاشاعت)۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

انگریزی بال، ہیٹ، کوٹ پتلون میں سے ہر چیز تشبہ کے لیے کافی ہے مگر تشبہ کا حکم اسی صورت میں ہوتا

ہے کہ دیکھنے والا اسے دیکھ کر اس شبہ میں پڑ جائے کہ یہ شخص اس قوم کا فرد ہے، مثلاً ہیٹ لگانے والے کو کرسٹان سمجھا جائے۔ تو جو چیزیں کہ غیر لوگوں میں بھی عام طور پر استعمال ہونے لگی ہوں مثلاً بوٹ، پتلون، کوٹ تو ان میں تشبہ کی جہت کمزور اور خفیف رہ جاتی ہے۔ (کفایت المفتی: ۹/۱۶۴، دار الاشاعت)۔

کوٹ، پتلون سے متعلق حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

اب اس میں اتنا تشدد نہیں، اتنا ضرور ہے کہ ان اطراف میں یہ صلحاء کا لباس نہیں، اس سے بچنا چاہئے، کراہت کا درجہ ہے۔

تعلیق میں مرقوم ہے:

آج کل پینٹ شرٹ (کوٹ پتلون) اور انگریزی بال کا گرچہ مسلمانوں میں عام رواج ہوگیا ہے، مگر اس کے باوجود اسے انگریزی لباس ہی سمجھا جاتا ہے۔ الغرض تشبہ بالکفار نہ بھی ہو تشبہ بالفساق میں تو کوئی شبہ نہیں، لہذا ایسے لباس سے احتراز ضروری ہے۔ پتلون کے متعلق یہ تفصیل اس وقت ہے جب اس سے واجب الستر اعضاء کی بناوٹ اور حجم نظر نہ آتا ہو، اگر پتلون اتنی چست اور تنگ ہو کہ اس سے اعضاء کی بناوٹ اور حجم نظر آتا ہو، جیسا کہ آج کل ایسی پتلون کا کثرت سے رواج ہوگیا ہے، تو اس کو پہننا اور لوگوں کو دکھانا اور دیکھنا سب ناجائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ مع التعلیقات: ۱۹/۲۸۰، جامعہ فاروقیہ)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے:

جس علاقہ میں یہ کفار و فساق کا شعار ہو، وہاں اس سے پرہیز کیا جائے اور جہاں شعار نہ ہو، سبھی استعمال کرتے ہوں وہاں کا یہ حکم نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/۲۸۱، جامعہ فاروقیہ)۔

قاموس الفقہ میں ہے:

مسلمانوں کو ایسا لباس اختیار کرنا کہ غیر مسلموں سے مماثلت پیدا ہو جائے مکروہ ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ لوگو! راہبوں کے لباس سے بچو، جس نے رہبانیت اور تشبہ اختیار کیا، وہ مجھ سے نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جس نے کسی قوم سے تشبہ اختیار کیا وہ ان ہی میں سے ہے۔

ظاہر ہے کہ تشبہ کے مختلف درجات ہیں، غیر مسلموں کے مذہبی شعائر میں تشبہ سخت گناہ ہوگا، یہاں تک کہ بعض فقہاء نے زنار وغیرہ باندھنے پر کفر کا حکم لگایا ہے۔ گو محققین کے نزدیک اس کی وجہ سے تکفیر نہیں کی جائے گی،

لیکن فقہاء کے اس رویہ سے اس تشبہ کا حرام اور شدت کے ساتھ ممنوع ہونا ظاہر ہے، البتہ جو لباس مذہبی افکار وتصورات سے متعلق نہ ہو، اگر اس لباس کا اتنا عموم ہو جائے کہ کسی شخص کو اس لباس میں دیکھ کر یہ خیال نہ ہوتا ہو کہ یہ شخص فلاں قوم سے تعلق رکھتا ہے، تو پھر اس میں تشبیہ خفیف ہو جاتی ہے۔

...ایسا لباس جو جغرافیائی ضرورت کے لیے استعمال کیا جاتا ہو، اور مذہبی شعائر سے متعلق نہ ہو گو کسی خاص قوم کی ایجاد ہو، ان کے استعمال میں تشبہ نہیں ہے۔ (قاموس الفقہ :۴/ ۵۷۵)۔

مزید ملاحظہ ہو: (جدید فقہی مسائل:۱/ ۳۴۴)۔

پس اگر کوئی غیر مسلم ملک میں ملازمت کی ضرورت یا بار بار تلاشی کی مشقت یا کسی اور خاص مصلحت کی وجہ سے کوٹ پتلون نما لباس پہن لے تو اس کی وضع قطع کو ذرا مختلف بنا دے مثلاً کوٹ یا شرٹ اتنا لمبا ہو کہ اس میں سرین چھپ جائے اور پتلون نما شلوار ٹخنوں سے اوپر ہو۔ واللہ ﷻ اعلم۔

مسلمان کے لیے کفار کا لباس تیار کرنے کا حکم:

سوال: ایک مسلمان درزی کے پاس غیر مسلم کپڑوں کے ڈزائن تیار کرانے کے لیے آتے ہیں تو کیا مسلمان غیر مسلموں کے لیے کپڑے تیار کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ مسلمان درزی کو غیر مسلموں کے لباس کی ڈزائن وغیرہ نہیں بنانی چاہئے، خصوصاً جس میں ذی روح کی تصویریں ہوں اور نصاریٰ کے ہاتھ زنار اور مجوسی کے ہاتھ خاص قلنسوہ کی بیع کی اجازت اس وجہ سے ہے کہ ان دونوں میں ان کی تذلیل ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

ولو أن إسكافياً أمره إنسان أن يتخذ له خفاً على زي المجوس أو الفسقة أو خياطاً أمره إنسان أن يخيط له قميصاً على زي الفساق يكره له أن يفعل ذلک كذا فی المحيط.

(البحر الرائق:۸/ ۲۳۰،دارالمعرفة). (وكذا فی المحيط البرهانی : ۵/ ۲۱۴ الفصل الرابع عشر فی الكسب، وتبيين الحقائق:۶/ ۲۹، وفتاوی الشامی:۶/ ۳۹۲، سعيد، ومجمع الأنهر:۴/ ۱۸۸).

وقال في نصاب الاحتساب: إسكاف أمره إنسان أن يتخذ له خفاً مشهوراً على زی المجوس أو الفسقة و زاد فی الآجر قيل: لا ينبغي أن يفعل ذلک و كذا الخياط إذا أمره أن

يخيط ثوباً على زى الفساق . (نصاب الاحتساب،ص۲۷۹).

وفـى الـفتـاوى الهـنـدية: بيـع الـزنار من النصارى والقلنسوة من المجوس لايكره .

(الفتاوى الهندية: ۳/ ۲۱۰).

مزید دلائل کے لیے فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد پنجم،ص۱۴۳، ملاحظہ کیجئے۔

نیز کفار دنیا میں مخاطب بالفروع نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

تـحـقيق أن الكفار مخاطبون بالفروع أم لا؛ الكفارمخاطبون بالإيمان إجماعاً ، وكذا بـالـمشـروع من العقوبات والمعاملات ، وكذا بالفروع وعامة الشرائع فى حكم المؤاخذة فـى الآخـرة بلا خلاف، و ذكره فى المنار وغيره، وأما في وجوب الأداء فى أحكام الدنيا فالصحيح أنهم غير مخاطبين به ...الخ. (احكام القرآن:۱/ ۱۱،ط: ادارة القرآن). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ :

﴿بلى إن تصبروا وتتقوا ويأتوكم من فورهم هذا يمددكم ربكم بخمسة آلاف من الملائكة مسومين﴾

(سورة آل عمران).

مسومين يعني معلمين بالصوف الأبيض في نواصي الخيل، وفي أذنابها، عليهم البياض، قد أرخوا أطراف العمائم بين أكتافهم. (تفسير السمرقندي).

فصل دوم

عمامہ اور ٹوپی کے احکام کا بیان

عن جابر بن عبد الله الأنصاري رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل مكة وقال قتيبة: دخل يوم فتح مكة وعليه عمامة سوداء بغير إحرام.

(رواه مسلم).

فصل دوم

عمامہ اورٹوپی کے احکام کا بیان

عمامہ کا حکم اوراس کے سنن عادیہ میں سے ہونے کی وضاحت:

سوال: عمامہ کا کیا حکم ہے؟ سنت ہے یا مستحب؟ نیز سنن عادیہ میں سے ہے یا سنن ہدیٰ میں ہے؟ دونوں کی وضاحت کیجئے؟ اورسنن عادیہ کا کیا مطلب ہے؟ نیز اکثر اوقات عمامہ ثابت ہے یا ٹوپی؟ مفصل مدلل جواب تحریر فرمایئے۔ بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب: حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہرادا اللہ تعالیٰ کوسب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے، اور جو شخص بھی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقوں کو اپنی زندگی میں اپنائیگا، وہ اللہ تعالیٰ شانہ کے قریب ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنے محبوب بندوں میں شامل فرمالیں گے، تمام جہاں میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ کی ہرادا محفوظ ہے، اب ہمارے لیے باعثِ سعادت ہے کہ آپ کی ہرادا کو اپنائیں خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا عاداتِ یومیہ مثلاً نشست و برخواست، طعام وشراب، لباس و پوشاک کردار وگفتار وغیرہ سے ہو۔

اللہ تعالیٰ کے پاک ارشاد: ﴿قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ويغفر لكم ذنوبكم﴾ (آل عمران: ۳۱) کا بھی یہی تقاضا ہے۔

تاہم فقہاء نے سنت کو دوخانوں میں تقسیم کیا ہے (۱) سنن ہدیٰ (۲) سنن زوائد۔

سنن ہدیٰ وہ سنتیں ہیں جن پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے بعد خلفائے راشدین نے بطورِ عبادت مواظبت فرمائی ہو، اور یہ مکملاتِ دین میں سے ہوتی ہیں، اور یہ سنن مؤکدہ قریب بہ واجب ہیں، ان کا تارک

عاصی ہے، جیسے اذان اقامت، جماعت، اعتکاف، اسی طرح سنن صلاۃ وصیام وحج وغیرہ۔

اور سنن کی ایک قسم غیر مؤکدہ ہے جس پر موظبت ثابت نہ ہو اس کا تارک عاصی نہیں ہے۔ہاں عامل ماجور ہے۔جیسا کہ عصر کی سنتِ قبلیہ۔

(۲) سنن زوائد وہ سنتیں ہیں جو آپ کے اخلاق عادات سے متعلق ہوں، جیسے لباس ونوم، طعام وشراب وغیرہ کی سنن، چونکہ یہ مکملاتِ دین اور شعائر دین میں سے نہیں اس لیے ان کا بجالانے والا تو مثاب ہوگا لیکن تارک مستحق کراہت یا عقاب نہ ہوگا۔ان کو سنن عادیہ بھی کہتے ہیں اور اس کا مطلب یہ کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کو اتنا کیا کہ یہ امور عادت بن گئے۔

تنبیہ: زوائد کے لفظ سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ان امور کا بجالانا عبادت میں شامل نہیں، ایسا ہرگز نہیں! یہ بھی عبادت میں داخل ہیں، کیونکہ فی نفسہ سنت کا مفہوم ہی عبادت ہے۔**إن السنة هی الطريقة المسلوكة فی الدين فهي في نفسها عبادة** ۔(فتاوی الشامی:۱/۱۰۳،سعید)۔ (ہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ عبادت انجام نہیں دیا)۔

ان امورِ عادیہ میں بھی جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مداومت فرمائی ہے ان کا ترک مذموم ہوگا جیسے طعام میں ہمیشہ داہنا ہاتھ استعمال فرمانا، جوتا ہمیشہ پہلے داہنے پیر میں پہننا وغیرہ۔ہاں جن پر مداومت نہیں فرمائی ان کا ترک مذموم اور قابل ملامت نہ ہوگا مثلاً: ثرید کھانا، عجوہ کھانا وغیرہ، ہاں ان امور کو بجالانے والا ثواب پائیگا اور عامل سنت ہوگا۔ملاحظہ ہو علامہ سید احمد طحطاویؒ فرماتے ہیں:

والسنة نوعان سنة هدى كالأذان والإقامة وتركها يوجب الإساءة ، وسنة زائدة وتركها لايوجبها كسنة النبي صلى الله عليه وسلم في قعوده وقيامه ولبسه وأكله وشربه ونحو ذلک کما فی السراج ولكن الأولى فعلها لقوله تعالىٰ:﴿ لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة ﴾ (الأحزاب :۳۳). (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح ،ص ۱۹٤ ، باب الاذان ،ط:قديمی).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

والسنة نوعان : سنة الهدى ، وتركها يوجب إساءةً وكراهيةً كالجماعة ، والأذان والإقامة ونحوها ، وسنة الزوائد ، وتركها لايوجب ذلک كسير النبي صلى الله عليه وسلم في لباسه وقيامه وقعوده...قد مثلوا لسنة الزوائد أيضاً بتطويله عليه الصلاة والسلام القراءة

والركوع والسجود ، ولا شك في كون ذلك عبادة ، وحينئذٍ فمعنى كون سنة الزوائد عادةً أن النبى صلى الله عليه وسلم واظب عليها حتى صارت عادةً له ولم يتركها إلا أحياناً ؛ لأن السنة هي الطريقة المسلوكة فى الدين ، فهي في نفسها عبادة وسميت عادةً لما ذكرنا، ولما لم تكن من مكملات الدين وشعائره سميت سنة الزوائد ، بخلاف سنة الهدى، وهي السنن المؤكدة القريبة من الواجب التي يضلل تاركها ؛ لأن تركها استخفاف بالدين ... فاغتنم تحقيق هذا المحل فإنك لاتجده في غير هذا الكتاب ، والله تعالىٰ أعلم بالصواب.

(فتاوى الشامي: ۱/۱۰۳، مطلب فى السنة و تعريفها ، سعيد). مزید تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ لباس وغیرہ امورِ عادیہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سنت ہے اور خیر و برکت کا باعث ہے۔ اور عمامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر و بیشتر اوقات کا معمول تھا لہذا سنت ہے۔ اور سنت کی دوسری قسم زوائد میں داخل ہے۔

عمامہ سے متعلق چند احادیث ملاحظہ ہوں:

عن جابر بن عبد الله الأنصاري رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل مكة وقال قتيبة : دخل يوم فتح مكة وعليه عمامة سوداء بغير إحرام . (رواه مسلم ،رقم: ۱۳۵۸).

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن جب شہر میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔

وفي رواية له عن جعفر بن عمرو بن حريث عن أبيه رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطب الناس وعليه عمامة سوداء . (رواه مسلم ، رقم: ۱۳۵۹).

ترجمہ: حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا تو آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال : رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم توضأ وعليه عمامة قطرية ، فأدخل يده من تحت العمامة فمسح مقدم رأسه ولم ينقض العمامة . (رواه ابوداود ، رقم: ۱۴۷، وابن ماجه ،رقم: ۵۶۴).

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو فرماتے ہوئے

دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قطری عمامہ تھا آپ نے عمامہ کے نیچے اپنا ہاتھ داخل فرمایا اور سر کے اگلے حصہ کا مسح فرمایا اور عمامہ کو نہیں کھولا۔

عن ابن عباس رضي الله عنه قال: أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم خطب الناس وعليه عمامة دسماء . (رواه الترمذی فی الشمائل،ص۲۳۳، رقم: ۱۱۸، بتحقیق الشیخ محمد عوامة، والبخاری: ۱/۵۳۶).

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا اور آپ پر سیاہ عمامہ تھا۔

عن أبي الدرداء رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه وملائكته يصلون على أصحاب العمائم يوم الجمعة. رواه الطبراني في الكبير وفيه أيوب بن مدرك قال ابن معين: إنه كذاب . (مجمع الزوائد:۵/۱۲۱، باب اللباس للجمعة،دار الفکر).

ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے جمعہ کے دن عمامہ باندھنے والوں پر دعا رحمت کرتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ باندھنے کا حکم فرمایا۔ ملاحظہ ہو:

عن عبادة رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: عليكم بالعمائم فإنها سيماء الملائكة وأرخوها خلف ظهوركم. (رواه البيهقی فی شعب الایمان، رقم: ۵۸۵۱، و فیه عیسی بن یونس قال الدارقطنی: مجهول).

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمامہ باندھو یہ حضراتِ ملائکہ کی خاص نشانی ہے اور اس کے کنارے کو پشت پر ڈال دو۔

عن ابن عباس رضي الله عنه اعتموا تزدادو حلماً. رواه البزار والطبراني، وفيه عبيد الله بن أبي حميد وهو متروك. وفي إسناد الطبراني عمران بن تمام وضعفه ابوحاتم بحديث غير هذا وبقية رجاله ثقات . (مجمع الزوائد:۵/۱۱۹،دار الفکر).

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمامہ باندھا کرو، اس سے حلم وبردباری میں اضافہ ہوگا۔

وعن أبي المليح بن أسامة عن أبيه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: اعتموا تزدادوا حلماً. رواه الطبراني وفيه عبيد اللّٰه بن أبي حميد وهو متروك. (مجمع الزوائد:

۱۱۹/۵، دارالفکر).

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: علیکم بالعمائم فإنها سیماء الملائکة وأرخوا لها خلف ظهورکم. رواه الطبراني وفیه عیسی بن یونس قال الدارقطني: مجهول. (مجمع الزوائد: ۱۲۰/۵، دارالفکر).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم عمامہ لازم پکڑو اس لیے کہ یہ فرشتوں کی نشانی ہے اور اس کے شملہ کو پیچھے لٹکاؤ۔

عن عبد الأعلیٰ بن عدي أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم دعا علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ یوم غدیر خم فعممه وأرخی عذبة العمامة من خلفه ثم قال: هکذا فاعتموا فإن العمائم سیماء الإسلام وهي حاجز بین المسلمین والمشرکین. (اخرجه ابونعیم فی معرفة الصحابة: ۳۱۳/۴، ط: بیروت، وذکره المقدسی فی ذخیرة الحفاظ: ۱۳۳۶/۳).

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور عمامہ باندھا اور اس کا شملہ پیچھے چھوڑ دیا اور فرمایا کہ اس طرح عمامہ باندھو عمامہ خاص اسلام کی نشانی ہے، یہ مسلمان اور کافروں کے درمیان باعثِ امتیاز ہے۔

عمدۃ القاری میں ہے:

وفي کتاب الجهاد لابن أبي عاصم حدثنا أبوموسی حدثنا عثمان بن عمر عن الزبیر ابن جوان عن رجل من الأنصار قال: جاء رجل إلی ابن عمر رضی اللہ عنہ فقال: یا أبا عبد الرحمن العمامة سنة؟ فقال: نعم. (عمدة القاری: ۲۲/۱۵، ملتان).

وفي "الشمائل المحمدیة" للباجوری (ص۲۲۷)**: والعمامة سنة لا سیما للصلاة وبقصد التجمل لأخبار کثیرة فیها.** (وکذا فی شرح الشمائل للمناوی، ص۱۶۵).

وفي فیض القدیر: ذکره ابن العربي قال: والعمامة سنة المرسلین وعادة الأنبیاء و السادة وقد صح عن المصطفی صلی اللّٰہ علیہ وسلم أنه قال: لایلبس المحرم القمیص ولا العمامة فدل علی أنها کانت عادة أمر باجتنابها حال الإحرام وشرع کشف الرأس إجلالاً لذی الجلال. (فیض القدیر: ۵۶۴/۴، دارالکتب العلمیة).

خصائل نبوی میں ہے:

عمامہ کا باندھنا سنتِ مستمرہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمامہ باندھنے کا حکم بھی نقل کیا گیا ہے۔

(خصائل نبوی، ص ۸۸)۔

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

پگڑی باندھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے... باندھے تو ثواب ہے نہ باندھے تو گناہ نہیں۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/۳۵۴)۔

کفایت المفتی میں ہے:

سوال: عمامہ سنت ہے یا عادتِ نبوی؟ جواب: عمامہ سنت ہے۔ (کفایت المفتی: ۹/۱۵۹، دار الاشاعت)۔

شیخ عبد الحق محدثِ دہلویؒ فرماتے ہیں:

بدانکہ پوشیدنِ عمامہ سنت است واحادیث بسیار در فضل آں وارد شدہ ...(اشعۃ اللمعات: ۳/۵۴۵، ط: کتب خانہ مجیدیہ، ملتان)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/۲۹۴، جامعہ فاروقیہ، وفتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۸۴)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سیاہ عمامہ کا ثبوت اور اس کا حکم:

سوال: سیاہ عمامہ مستحب ہے یا مباح، بعض حضرات سیاہ عمامہ پہنتے ہیں اور اس کو جائز یا افضل بتاتے ہیں، کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہ عمامہ پہنا ہے؟ اگر پہنا ہو تو ایک موقعہ پر یا کئی مواقع پر؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: بہت ساری روایات میں سیاہ عمامہ مذکور ہے ہاں بعض احادیث میں سفید بھی آیا ہے، لہذا سیاہ وسفید دونوں سے مستحب کا عمل پورا ہو جائیگا۔ سیاہ عمامہ سے متعلق چند روایات ملاحظہ ہوں:

عن جابر بن عبد الله الأنصاري رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل مكة وقال قتيبة: دخل يوم فتح مكة وعليه عمامة سوداء بغير إحرام. (رواه مسلم، رقم: ١٣٥٨).

(وأيضاً أخرجه أبوداود: ٢/٢٠٧، والترمذي: ١/٣٠٤، والنسائي: ٢/٢٩٩، وابن ماجه، ص: ٢٠٢، وغيره).

أخرج ابن أبي شيبة عن ابن عمر رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم دخل مكة يوم الفتح وعليه عمامة سوداء. (مصنف ابن ابی شیبة: ١٢/٥٤٠).

أخرج مسلم عن جعفر بن عمرو بن حريث عن أبيه رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطب الناس وعليه عمامة سوداء . (رواه مسلم، رقم: ١٣٥٩).

وفي رواية له عنه قال: كأني أنظر إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر وعليه عمامة سوداء قد أرخى طرفيها بين كتفيه . (رواه مسلم: ١/٤٤٠، وابوداود: ٢/٢٠٧، والنسائى: ٢/٢٩٩، وابن ماجه، ص٢٠٢، والترمذی فی الشمائل، ص٨).

مصنف ابن ابی شیبہ میں چند آثار مذکور ہیں:

عن أبي جعفر الأنصارى قال: رأيت على علي رضي الله عنه عمامة سوداء يوم قتل عثمان. (رقم: ٢٥٤٥١).

وعن أبى العنبس عمر و بن مروان ، عن أبيه قال: رأيت على علي رضي الله عنه عمامة سوداء قد أرخى طرفها من خلفه . (رقم:٢٥٤٥٣).

وعن الحسن قال: كانت عمامة النبي صلى الله عليه وسلم سوداء . (رقم:٢٥٤٥٤).

وعن سلمة بن وردان قال: رأيت على أنس رضي الله عنه عمامة سوداء على غير قلنسوة ، وقد أرخاها من خلفه . (رقم:٢٥٤٥٥).

وعن عاصم بن محمدعن أبيه قال: رأيت ابن الزبير رضي الله عنه اعتم بعمامة سوداء قد أرخاها من خلفه نحواً من ذراع . (رقم:٢٥٤٥٦).

عن عثمان بن أبى هند قال: رأيت على أبي عبيدة رضي الله عنه عمامة سوداء . (رقم:٢٥٤٥٧).

وعن ملحان بن ثروان قال: رأيت على عمار رضي الله عنه عمامة سوداء . (رقم:٢٥٤٥٨).

وعن دينار أبوعمر قال: رأيت على الحسن رضي الله عنه عمامة سوداء . (رقم:٢٥٤٥٩).

وعن أبي صخرة قال: رأيت على عبدالرحمن بن يزيد عصابة سوداء . (رقم:٢٥٤٦١).

وعن سعيد بن جبيرقال: كانت عمامة جبريل يوم غرق فرعون سوداء. (رقم:٢٥٤٦٢).

وعن زياد قال قدم شيخ يقال له: سالم قال: رأيت على أبى الدرداء رضي الله عنه عمامة سوداء. (رقم:٢٥٤٦٤).

وعن حزن الخثعمى قال: رأيت على البراء رضي الله عنه عمامة سوداء . (رقم:٢٥٤٦٧).

وعن عطاء قال: رأيت على عبد الرحمن بن عوف رضي الله عنه عمامة سوداء. (رقم:٢٥٤٦٨).

وعن حسين بن يونس قال: رأيت على واثلة رضي الله عنه عمامة سوداء. (رقم:٢٥٤٧٦٩).

وعن أبي رزين قال: خطبنا الحسن بن علي رضي الله عنه يوم الجمعة وعليه عمامة سوداء.
(رقم: ٢٥٤٧٠). مزید ملاحظہ ہو: (السنن الكبرى للبيهقي: ٣/٢٤٦).

وعن عبد الله بن بسر رضي الله عنه قال: بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم على بن أبي طالب رضي الله عنه إلى خيبر فعممه بعمامة سوداء ثم أرسلها من ورائه أوقال على كتفه اليسرى ... رواه الطبراني عن شيخه بكربن سهل الدمياطي قال الذهبي: وهومقارب الحديث وقال النسائي:ضعيف، وبقية رجاله رجال الصحيح إلا أني لم أجد لأبي عبيدة بن سليم من عبد الله بن بسر سماعاً. (مجمع الزوائد: ٥/٢٦٧،باب ماجاء في القسي والرماح والسيوف،دارالفكر).

ذخیرۃ الحفاظ میں ہے:

حديث: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لعبد الرحمن بن عوف رضي الله عنه وكان قد بعثه على جيش فرأى عليه عمامة قدلفها فنقضها، ثم عممه بيده بعمامة سوداء. رواه يزيد بن سنان أبوفروة عن قيس، عن أبي مرثد، عن عطاء، عن ابن عمر رضي الله عنه، وهذا بهذا الإسناد غير محفوظ، ويزيد متروك الحديث. (ذخيرة الحفاظ: ٢/٧٨٠،ط: دارالسلف).

مرقات میں ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں:

ونقل السيوطيؒ لبس العمامة السوداء عن كثير من الصحابة والتابعين منهم: أنس بن مالكؓ وعماربن ياسرؓ ومعاويهؓ وأبوالدرداءؓ والبراءؓ،وعبد الرحمن بن عوفؓ، وواثلةؓ، وسعيد بن المسيبؒ، والحسن البصريؒ، وسعيد بن جبيرؒ، وغيرهم. (مرقاة المفاتيح: ٣/٢٦٨).

خلاصہ یہ ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چند مواقع پر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے سیاہ عمامہ کا پہننا ثابت ہے لہذا سیاہ عمامہ بہتر اور افضل ہے ہاں سفید بھی افضل ہے، ملاعلی قاریؒ اور امام نوویؒ نے سفید کو بہتر فرمایا ہے۔امام نوویؒ فرماتے ہیں:

قوله وعليه عمامة سوداء، فيه جوازلباس الثياب السود وفي الرواية الأخرى خطب الناس وعليه عمامة سوداء فيه جواز لباس الأسود في الخطبة وإن كان الأبيض أفضل منه

کما ثبت فی الحدیث الصحیح خیرثیابکم البیاض وأما لباس الخطباء السواد فی حال الخطبة فجائز ولکن الأفضل البیاض کما ذکرنا وإنما لبس العمامة السوداء في هذا الحدیث بیاناً للجواز . (شرح صحیح مسلم للامام النووی:١/٤٣٨،وفتح الملهم :٦/٢٦٨،دار القلم دمشق).

مرقات میں ہے:

وفی الجملة جازلبس السواد فی العمامة وغیرها وأن الأفضل البیاض نظراً إلی أکثر أحواله علیه الصلاة والسلام فعلاً وأمراً . (مرقاة المفاتیح : ٨/٦،ط: امدادیه ،ملتان).

علامہ محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

سفید یا سیاہ عمامہ پہن سکتے ہیں،البتہ شیعوں کے ساتھ مشابہت ہوتو سیاہ نہ پہنا جائے۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۸/۳۵۵)۔

مزید ملاحظہ ہو: (الحاوی للفتاوی:۱/۸۷۔۹۰،ط:فاروقی کتب خانہ،ملتان،واحسن الفتاویٰ:۹/۲۶۵۔۲۶۷)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

سفید عمامہ کا ثبوت اوراس کا حکم:

سوال: کیا حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سفید عمامہ ثابت ہے یانہیں؟ نیز اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بعض روایات میں آتا ہے کہ سفر میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ سفید ہوتا تھا اور گھر پر سیاہ زیب تن فرماتے تھے،نیز عمومی روایات سے بھی سفید لباس کی فضیلت معلوم ہوتی ہے،بنابریں سفید وسیاہ دونوں ہی مستحب اورافضل ہوں گے۔

قال المناوی في فیض القدیر: وقدکان المصطفی صلی اللّٰہ علیه وسلم یلبس ما وجد فلبس الکتان والصوف والقطن وما الهدی إلا هدیه وما الأفضل إلا ما سنه ...ولبس عمامة بیضاء تارة وسوداء أخری ...(فیض القدیر: ١/٢٤٥).

قال المناوی : ولغیره نقلاً عن عائشةؓ کانت عمامته صلی اللّٰہ علیه وسلم فی السفر بیضاء وفی الحضر سوداء من صوف وقیل عکسه . (فیض القدیر: ٥/٢٧٢).

لیکن اس روایت کے بارے میں علامہ سیوطی نے ” **الشمائل الشریفة** “ (ص٣٠٣) میں اورعلامہ مناوی نے ” **فیض القدیر** “(تحت رقم: ٧٠٢٤) میں ” **لا أصل له** “ فرمایا ہے۔

قال أبو أسامة في تعليق " المقالة العَذْبَة في العمامة و العَذَبَة " (ص٦٢) قال السخاوي في ((فتاويه)) عن هذا الخبر: هذا شيء ما علمناه . كذا في غذاء الألباب. (٢/٤٥).

الطبقات الكبریٰ میں ہے:

عن عائشةؓ قالت: وثب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وثبة شديدة فنظرت فإذا معه رجل واقف على برذون وعليه عمامة بيضاء قد سدل طرفها بين كتفيه و رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم واضع يده على معرفة برذونه فقلت يارسول اللّٰه لقد راعتني وثبتك من هذا ؟ قال: ورأيته ؟ قلت: نعم قال: ومن رأيت ؟ قلت: دحية الكلبى قال: ذاك جبرائيل عليه السلام . (الطبقات الكبرى :٤/ ٢٥٠،ط:دارصادر،بيروت).

أخرج ابن عساكر (٤٢/٤٦٠) عن ابن عباس رضي الله عنه قال :عقم النساء أن يأتين بمثل أمير المؤمنين علي بن أبي طالب رضي الله عنه والله ما رأيت ولا سمعت رئيساً يوزن به لرأيته يوم صفين و على رأسه عمامة بيضاء قد أرخى طرفها ...الخ. (كذا فى جامع الاحاديث، رقم: ٣٣٦٦٩).

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن سليمان بن أبي عبد اللّٰه قال: أدركت المهاجرين الأولين يعتمون بعمائم كرابيس سود وبيض وحمر وخضر وصفر يضع أحدهم العمامة على رأسه ويضع القلنسوة فوقها ثم يدير العمامة هكذا، يعني على كوره ، لايخرجها من تحت ذقنه . رواه ابن أبي شيبة (رقم:٢٥٤٨٩) وإسناده حسن .

أخرج الحاكم في المستدرك وصححه ووافقه الذهبي(٤/٦٥٣،رقم: ٨٦٢٣) : عن عطاء بن أبي رباح قال: كنت مع عبد اللّٰه بن عمر رضي الله عنه فأتاه فتى يسأله عن إسدال العمامة فقال ابن عمر رضي الله عنه: سأخبرك عن ذلك بعلم إن شاء اللّٰه تعالىٰ...إلى قوله: ثم أمر عبد الرحمن بن عوف يتجهز لسرية بعثه عليها، وأصبح عبد الرحمن قد اعتم بعمامة من كرابيس سوداء ، فأدناه النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ثم نقضه وعممه بعمامة بيضاء وأرسل من خلفه أربع أصابع أو نحو ذلك، وقال: هكذا يا ابن عوف اعتم فإنه أعرب وأحسن ...الخ .

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاہ عمامہ نکالنے کی ایک توجیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ غالبًا کھدر میں چونکہ کالا رنگ اچھا نہیں لگتا، اس لیے سیاہ کی جگہ سفید عمامہ باندھا۔

یادرہے سیاہ عمامہ متعدد روایات سے ثابت ہے اس لیے اس روایت کی روشنی میں سیاہ عمامہ کو خلافِ اولیٰ نہیں کہنا چاہئے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن الحسن بن صالح عن أبيه قال: رأيت على الشعبي عمامة بيضاء قد أرخى طرفها ولم يرسله. وفيه: أبوصالح، وهو ضعيف. (رقم:۲۵٤۷۲).

وعن إسماعيل بن عبد الملك قال: رأيت على سعيد بن جبير عمامة بيضاء. (رقم: ۲۵٤۷۳).

الطبقات الكبرى میں ہے:

عن خالد بن أبي بكر قال: رأيت على القاسم بن محمد عمامة بيضاء وقد سدل خلفه منها أكثر من شبر. (الطبقات الكبرى:۱۹۲/۵،ط:دار صادر،وسير اعلام النبلاء:٦٠/٥).

وفي رواية له عنه قال: رأيت على سالم قلنسوة بيضاء ورأيت عليه عمامة بيضاء يسدل خلفه منها أكثر من شبر. (الطبقات الكبرى:۱۹۷/۵،دار صادر).

وفي تاريخ بغداد: وقال عبد الحميد رأيت عكرمة أبيض اللحية عليه عمامة بيضاء طرفها بين كتفيه تحت ذقنه. (تاريخ بغداد:۵۸/۱۱،دار الكتب العلمية،وتاريخ دمشق:۸۱/٤۱،وسير اعلام النبلاء:۱۵/۵).

وفي سير أعلام النبلاء: عن يعلى بن عبيد: حدثنا أبوبكر المدني، قال: كان جابر رضي الله عنه **لايبلغ إزاره كعبه، وعليه عمامة بيضاء، رأيته قد أرسلها من ورائه.** (سير اعلاء النبلاء:۱۹٤/۳، مؤسسة الرسالة).

وفي تاريخ الرسل والملوك: قال: فجلس الحسين على المنبر وعليه عمامة بيضاء. (تاريخ الرسل والملوك للطبرى: ٤۹۰/٤).

امام نوویؒ اور ملاعلی قاریؒ نے بھی سفید عمامہ کو مستحب قرار دیا ہے۔ عبارات پیچھے گزر چکی ہیں۔

ونقل العینی فی عمدة القاری(۱۷/۷۷): **أن الملائكة قد اعتموا بها يوم بدر...فقال: قال ابن اسحاق : حدثني من لا أتهم عن مقسم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: كانت سيماء الملائكة يوم بدر عمائم بيض.**

ہاں عام لباس میں سفید افضل ہونے کی صحیح روایات کتبِ احادیث میں مسطور ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

(المستدرك للحاكم: ٤/٢٢٤-٢٢٥، والترمذی، وابوداود، والنسائی، وابن ماجه).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

سیاہ رنگ کی پگڑی کا استعمال اگرچہ فی نفسہ ثابت اور جائز ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید لباس اور عمامہ زیادہ پسند تھا، اور عام حالات میں سفید رنگ ہی کا لباس اور عمامہ استعمال فرماتے تھے، اس لیے سفید رنگ کا عمامہ افضل ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۹/۵۲، وص ۲۷۲)۔

علامہ محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفید لباس کو پسند فرماتے تھے، اس لیے سفید عمامہ بھی پسندیدہ ہے، اور سفر کے دوران سیاہ عمامہ بھی استعمال فرمایا۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/۳۵۴)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سبز عمامہ کا ثبوت اور اس کا حکم:

سوال: سبز عمامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں؟ نیز اگر صحابہ کرام سے ثابت ہو تو وہ بھی تحریر کیجئے؟ کیونکہ بعض حضرات بہت اہتمام کے ساتھ سبز عمامہ پہنتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز عمامہ زیب تن فرمایا ہو ہمیں کسی صحیح یا ضعیف حدیث میں دستیاب نہیں ہوا، ہاں بعض آثار میں صحابہ کرام سے مختلف الوان کے عمائم ثابت ہیں اس میں سبز بھی مذکور ہے علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز رنگ کے کپڑے زیب تن فرمائے ہیں اور جنتیوں کا لباس بھی سبز ہوگا اس اعتبار سے سبز پسندیدہ رنگ ہے، البتہ آج کل یہ بریلویوں کا شعار بن چکا ہے لہذا اس کے علاوہ سیاہ یا سفید عمامہ استعمال کرنا اولیٰ ہے۔

صحابہ کرام کے مختلف رنگ کے عمامے مصنف ابن ابی شیبہ کی درجِ ذیل روایت میں مذکور ہے:

عن سليمان بن أبي عبد الله قال: أدركت المهاجرين الأولين يعتمون بعمائم

كرابيس سود وبيض وحمر وخضر وصفر يضع أحدهم العمامة على رأسه ويضع القلنسوة فوقها ثم يدير العمامة هكذا، يعني على كوره ، لايخرجها من تحت ذقنه . (رواه ابن ابی شيبة ، رقم: ۲۵٤۸۹). **وإسناده حسن، ورجاله رجال الشيخين ، خلا سليمان بن أبي عبد الله، قال في "التقريب" مقبول من الثالثة .**

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حدیث میں آتا ہے:

ثم تهبط عيسى إلى الأرض وهو متعمم بعمامة خضراء متقلد بسيف راكب على فرسه . . .(فيض القدير: ۵۳۷/۳).

وفي كتاب موسوعة الدفاع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم: صفة عمامته قال ابن القيمؒ: لم تكن عمامته صلى الله عليه وسلم كبيرة تؤذى الرأس حملها ولاصغيرة تقصر عن وقاية الرأس بل كان متوسطاً بين ذلك وخير الأمور أوسطها ، وكان الرسول صلى الله عليه وسلم يعتم بعمامة بيضاء وأحياناً خضراء أو غير ذلك . (موسوعة الدفاع ،قدم لها ورتبها على بن نايف الشحود :۲/ ۲۵۲).

لیکن علامہ ابن قیمؒ کی متداول کتابوں میں یہ حوالہ نہیں ملتا۔ بنابریں یہ حوالہ مشکوک ہے۔

وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ كانت سيماء الملائكة يوم بدر عمائم قد أرخوها بين أكتافهم خضراً وصفراً وحمراً . (سبل الهدى والرشاد: ٤/ ٤٤).

وفي آداب الشريعة : وقال ابن عبدالبر: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحب من الألوان الخضرة ويكره الحمرة ويقول: هي زينة للشيطان. وقال مالك الاشتر لعلي بن أبي طالب: أى الألوان أحسن؟ قال: الخضرة لأنها ثياب أهل الجنة . (آداب الشريعة : ۲/ ۳٤۵).

وعن أبي رمثة رفاعة: قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليه ثوبان أخضران . رواه أبوداود ، والترمذى بإسناد صحيح . (رياض الصالحين ،۲۷٤).

وأخرج البزار والطبراني والبيهقى عن أنس رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يحب أو قال: كان أحب الألوان إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم الخضرة .

(اخرج البيقهى فى شعب الايمان ، رقم ٦٣٢٨، والطبرانى فى الاوسط ، رقم : ۸۰۲۷، والبزار، رقم: ۷۲۳٤).

قال ابن بطالؒ في شرح ” الجامع الصحيح “ ما نصه: الثياب الخضر من لباس أهل الجنة قال تعالىٰ: ويلبسون ثياباً خضراً من سندس وإستبرق . (شرح صحيح البخارى : ۱۰۲/۹).

وأخرج الإمام أحمد في مسنده (رقم:۱۵۷۸۳) بسنده عن كعب بن مالك ﷺ أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: يبعث الناس يوم القيمة فأكون أناْ وأمتي على تلٍّ ويكسوني ربي تبارك وتعالىٰ حلة خضراء ثم يؤذن لي فأقول ما شاء اللّٰه أن أقول فذاك المقام المحمود. قال الشيخ شعيب: إسناده صحيح على شرط مسلم رجاله ثقات رجال الشيخين غير يزيد بن عبد ربه وهوالزبيدى الحمصى فمن رجال مسلم .

”شآبيب الغمامه فى تحقيق مسئلة العمامه“ میں مذکور ہے:

وما وقفت على حديث صحيح أوضعيف يدل على أنه صلى اللّٰه عليه وسلم لبس العمامة الخضراء .قال الكتاني في ما نصه: ووقع السوال كثيراً عن العمامة الخضراء ، هل لبسها صلى اللّٰه عليه وسلم أم لا؟

والجواب أنه ذكر الشهاب يعنى الخفاجى في شرح الشفاء ما يفيد أنه لم يلبسها .

قال الإمام السيوطيؒ فى ” الحاوى للفتاوى“ عند ما يبحث عن أولاد زينب بنت فاطمة بنت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مانصه: هل يلبسون يعنى الأشراف من أهل البيت ، العلامة الخضراء ؟ والجواب أن هذه العلامة ليس لها أصل فى الشرع، ولا فى السنة ولا كانت فى الزمن القديم ، إنما حدثت في سنه ثلاث وسبعين وسبعمائة بأمر الملك الأشرف يعنى بن حسين ، وقال في ذلك جماعة من الشعراء ما يطول ذكره ، من ذلك قول أبي عبد اللّٰه بن جابر الأندلسى الأعمى صاحب شرع الألفية المشهور بالأعمى والبصير :

جعلوا لابناء الرسول علامة ☆ ان العلامة شأن من لم يشهر

نور النبوة فى وسيم وجوههم ☆ يغنى الشريف عن الطراز الاخضر

وللشيخ العلامة أبى الفيض المردسى الفاسى في ذلك :

نور النبوة في مرآة و جههم ☆ يغنى عن العمة الخضراء والعلم

فقل لمن يطلب التباسه بهم ☆ الورد يمتاز بالسيماء من السلم

وذكر الشيخ ابن حجر الهيتمي في" الفتاوى الحديثية " وأما العلامة الخضراء فلا أصل لها، وإنما حدثت سنة ثلاث وسبعين وسبعمائة بأمر الملك شعبان بن حسين .

قلت: وثبت مما أسلفنا من الأقوال أنه صلى الله عليه وسلم لم يلبس العمامة الخضراء ؛ فهل لبس أحد من الصحابة أم لا ؟

وما وقفت في ذلك على دليل إلا بهذا الأثر: أخرج ابن أبي شيبة في المصنف ... الخ . قد سبق ذكره .

...قال الإمام السيوطيؒ: وحظ الفقيه في ذلك إذا سئل أن يقول :

هذه العلامة بدعة مباحة ، ولا يمنع منها من أرادها من شريف وغيره ، ولا يؤمر بها من تركها من شريف وغيره، والمنع منها لأحد من الناس كائناً من كان ليس أمراً شرعياً لأن الناس مضبوطون بأنسابهم الثابتة وليس لبس العلامة مما ورد به شرع فيتبع إباحة ومنعاً .

قلت: ولا شك أن لبس العمامة الخضراء بدون أن تفضل على غيرها من الألوان جائز، ثابت لبسها بعض من الصحابة والتابعين في بعض الأحيان ،كما سبق آنفاً من أثر ابن أبي شيبة ، نعم لو اتخذت شعاراً وخصيصة لقوم لايجيزون غيرها وينكرون على ما سواها كما يفعل بعض أهل البلاد في زماننا هذا فليس بجائز بل هي بدعة مخترعة ومنكرة .

(شآبيب الغمامة فی تحقیق العمامة ، ص٥٦-٥٩، فصل فی ذکر اللون الاخضر، للشیخ ابی عبد اللہ عبد البصیرالخراسانی).

شمائل کبریٰ میں ہے: ذخیرۂ حدیث میں عمامہ تین رنگ کا ملتا ہے،سیاہ،سفید،زرد،سبزعمامہ کی روایت نہیں ملی۔(شمائل کبریٰ:۱/۱۸۰). واللہ ﷻ اعلم۔

زردرنگ کے عمامہ کا ثبوت اوراس کا حکم:

سوال: کیا پیلے رنگ کا عمامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اورصحابہ کرام سے ثابت ہے یانہیں؟ اورشرعاً اس کے پہننے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اوربعض صحابہ کرام اورفرشتوں سے زرداور ہلکازعفرانی رنگ کا

عمامہ پہننا ثابت ہے۔اور شرعاً بھی اس کے استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ہاں مزعفر اور معصفر رنگ جو گہرا زرد اور خوشبودار ہو اس کا استعمال مردوں کے لیے ممنوع ہے۔

(۱) أخرج الحارث في مسنده (رقم: ٥٦٦) بسنده عن عمران بن بشير الحضرمي قال: رأيت عبد الله بن بسر المزني صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليه عمامة صفراء أورداء أصفر . وإسناده ليس به بأس .

(۲) أخرج الطبراني في الكبير (رقم: ٥١٨) بسنده عن أبي المليح عن أبيه قال: نزلت الملائكة يوم بدر عليها العمائم وكانت على الزبير رضي الله عنه يومئذٍ عمامة صفراء .
إسناده ضعيف ، فيه : الصلت بن دينار وهو متروك ، ويوسف بن خالد كذاب .

وفي رواية للحاكم في المستدرک (٥٥٥٤) عن هشام بن عروة عن عباد بن عبد الله بن الزبير قال: كانت على الزبير بن العوام رضي الله عنه يوم بدر عمامة صفراء معتجربها فنزلت الملائكة عليهم عمائم صفر.

وفي رواية لأبي نعيم الأصبهاني التي رواها في فضائل الخلفاء الراشدين (رقم: ١١٣) بسنده عن عباد بن عبد الله بن الزبير ، أنه بلغه أن الملائكة ، نزلت يوم بدر وهم طير بيض عليهم عمائم صفر، وكان على رأس الزبير يومئذٍ عمامة صفراء بين الناس فقال النبي صلى الله عليه وسلم: نزلت الملائكة على سيما أبي عبد الله، وجاء النبي صلى الله عليه وسلم وعليه عمامة صفراء . (وكذا في شرح مذهب أهل السنة لابن شاهين : ١/٢٥٣/١٦٢).

قلت: إسناده مرسل ضعيف، فيه عامر بن صالح متروک . وعلى بن صالح مستور. واختلف نقاد الحديث في قبول رواية المستور، وانظر للتفصيل: (شرح شرح النخبة ، ص٥١٨،ودراسات فی اصول الحديث ،ص١٨٥).

وأخرج ابن عساكر في تاريخه (٣٨١٤) عن أبي هريرة قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليه قميص أصفر و رداء أصفر وعليه عمامة صفراء. وفيه سليمان بن أرقم وهو متروک .

وأخرج الحافظ الضياء المقدسي في " الأحاديث المختارة " (١٢٧) عن إسماعيل بن

عبد اللّٰہ بن جعفر عن أبیه ﷺ قال: رأیت علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ثوبین مصبوغین بزعفران رداء وعمامة. وأیضاً أخرجه الحاکم فی المستدرک (٦٤١٥) وأبونعیم في معرفة الصحابة (٣٥٨٦) وابن عساکر فی التاریخ (٢٠٢/٤،ط:بیروت) وقال الهیثمي فی المجمع: رواه الطبراني فی الأوسط والصغیر وأبویعلی بنحوه وفیه عبد اللّٰہ بن مصعب وهو ضعیف . (مجمع الزوائد:،باب ماجاء فی الخلوق).

وفی الطبقات الکبری لابن سعد : عن یحیی بن عبد اللّٰہ بن مالک قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یصبغ ثیابه بالزعفران قمیصه وردائه وعمامته. وفي روایة له عن زید بن أسلم قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یصبغ ثیابه کلها بالزعفران حتی العمامة . (الطبقات الکبری: ٤٥٢/١،دار صادر).

وکذا رواه ابن أبي شیبة (٢٥٢٤٣) قال الشیخ محمد عوامة: إسناد المصنف حسن لکنه معضل . قلت: فیه: هشام بن سعد المدني قال ابن حجرفی التقریب: صدوق له أوهام ورمي بالتشیع ، وقال بشار عواد: بل ضعیف یعتبربه في المتابعات والشواهد، فقد ضعفه یحیی بن سعید القطان وأحمد بن حنبل وابن معین والنسائی وابن سعد ...قال العجلی: جائز الحدیث، حسن الحدیث . (تحریرتقریب التهذیب:٣٩/٤).

لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ بعض روایات میں زرد اور زعفرانی رنگ کے کپڑے پہننے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

أخرج النسائي (٥١٨١) بسنده عن علي ﷺ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم نهی عن المعصفر والثیاب القسیة وعن أن یقرأ وهو راکع. وأیضاً أخرجه الإمام أبوعوانة فی مسنده (١٨٢٨)،والإمام أحمد في مسنده (١٠٩٨). وقال الشیخ شعیب الأرنؤوط: إسناده حسن .

وأخرج الإمام أحمد في مسنده (١٢٩٤٢) بسنده عن أنس بن مالک ﷺ قال: نهی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم الرجال عن المزعفر. قال الشیخ شعیب: إسناده صحیح علی شرط الشیخین .

نیز فقہاء نے بھی مکروہ لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال في البحر الرائق: وفي المنتقى عن الإمام يكره للرجال أن يلبسوا الثوب المصبوغ بالعصفر أو الورس أو الزعفران. (البحر الرائق: ۸/۱۹۰، ط: کوئٹہ، والفتاوى الهندية: ۵/۳۳۲، وفتاوى الشامي: ۶/۳۵۸، سعيد).

لیکن فقہاء نے اس کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ اس کی خوشبو زائل ہو جائے تو ٹھیک ہے، ہاں خوشبودار زعفرانی پیلا ہو تو مکروہ ہے۔ چنانچہ علامہ سید احمد طحطاوی فرماتے ہیں:

قوله (المزعفر الأحمر والأصفر) يعني أن المزعفر بقسميه مكروه وأما الأصفر من غير المزعفر فلا كراهة فيه ولا بأس بسائر الألوان... (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۴/۱۸۰، ط: كوئٹه).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاوى الشامي: ۶/۳۵۸، ط: سعيد، وتقريرات الرافعي: ۶/۳۰۶).

امداد الاحکام میں ہے:

سرخ رنگ صرف معصفر مردوں کو حرام ہے یعنی کسم کا رنگ ہو اور زرد صرف مزعفر حرام ہے جو زعفران سے رنگا گیا ہو اس کے سوا زرد سب بلا کراہت جائز ہے۔ (امداد الاحکام: ۴/۳۵۹)۔

خلاصہ یہ ہے کہ عمامہ سیاہ اور سفید افضل اور بہتر ہے ہاں زرد رنگ کا عمامہ بھی ثابت ہے اس وجہ سے زرد رنگ کا عمامہ پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

عربی مربع رومال لپیٹنے سے سنتِ عمامہ کا حکم:

سوال: اگر کسی نے مربع عربی رومال سر پر لپیٹ لیا تو یہ سنت عمامہ کے قائم مقام ہوگا یا نہیں؟ اور شرعاً عمامہ کی کوئی حد ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر کسی نے مربع عربی رومال سر پر باندھ لیا تو امید ہے کہ عمامہ باندھنے کا ثواب مل جائے گا، لیکن عرف میں جس کو عمامہ کہتے ہیں وہ رومال نہیں ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ عرفی عمامہ باندھنے کا معمول بنایا جائے، ہاں کبھی کبھی رومال باندھ لے تو کوئی حرج نہیں۔

عمامہ کی تعریف ملاحظہ ہو:

ما تلف علی الرأس تكويراً. (شآبيب الغمامة في تحقيق مسئلة العمامة ،ص ٥ ،و كذا في المعجم الوسيط ، ص٦٢٩ ، والمنجد في اللغة ،ص٥٢٨).

و للمزيد راجع :(معجم لغة الفقهاء ،ص ٣٢١ ، والتعريفات الفقهية ،ص٣٨٩ ،والشمائل المحمدية، ص٢٢٧ ، وارشادالساری،ص٤٢٧).

علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی سر پر عمامہ نہ ہونے کی صورت میں کوئی رومال یا کپڑا بھی لپیٹ لیتے تھے۔ چنانچہ امام غزالیؒ احیاء العلوم میں رقمطراز ہیں:

وربما لم تكن العمامة فيشد العصابة على رأسه وعلى جبهته ، أخرجه من حديث ابن عباس رضی اللہ عنہ صعد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم المنبر وقد عصب رأسه بعصابة دسماء الحديث. (احياء علوم الدين:٢/ ٣٧٥، والحاوی للفتاوى: ١/ ٨٣).

شمائل کبریٰ میں ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ کے علاوہ (عمامہ نہ ہونے پر) کپڑے کے ٹکڑے (مانند رومال وغیرہ) بھی لپیٹ لیتے تھے۔ (عمدۃ:۱/۳۰۹)۔ صاحب سیرت الشامی نے بیان کیا ہے کہ اگر عمامہ نہ ہوتا تھا تو آپ کپڑے کے ٹکڑے کو سر اور پیشانی پر باندھ لیتے تھے۔ (سبل الہدیٰ:۷/۴۳۰)۔ اس سے معلوم ہوا کہ رومال کو بھی سر پر باندھ لینا کندھے پر ڈال لینے سے بہتر ہے کہ مثل عمامہ کے باندھے۔ (شمائل کبریٰ:۱/۱۸۰)۔

خلاصہ یہ ہے کہ محققین کے نزدیک عمامہ کی کوئی خاص مقدار حدیث سے ثابت نہیں ہے اس بنا پر لوگ جس کو عمامہ سمجھتے ہو اس سے عمامہ کا ثواب مل جائے گا۔ ہاں سنتِ عمامہ ادا نہ ہوگی۔

حضرت فقیہ الامت تحریر فرماتے ہیں:

اور ٹوپی پر رومال وغیرہ باندھنے سے عمامہ کی فضیلت حاصل نہ ہوگی جب تک سنت کے موافق عمامہ نہ ہو، اس کی مقدار سات ہاتھ ہے اور بعض اوقات بارہ ہاتھ عمامہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے:

كان له صلى اللّٰه عليه وسلم عمامة طويلة ، وأن القصيرة كانت سبعة أذرع والطويلة كانت اثنى عشرة ذراعاً ، انتهى، وظاهر كلام المدخل أن عمامته كانت سبعة أذرع مطلقاً من غير قيد بالقصير والطويل، واللّٰه أعلم. (جمع الوسائل شرح شمائل: ١/ ٢٠٧ ، و كذا في عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية ،باب مايفسدالصلاة ، ومايكره فيها:١/ ١٦٩ ،سعيد). (فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۴۵، جامعہ فاروقیہ)۔

تنبیہ: عمامہ کی مقدار والی روایت سے محدثین نے لاعلمی ظاہر فرمائی ہے لہذا محققین کے نزدیک عمامہ کی مقدار کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے فتاویٰ دارالعلوم دیو بند میں اس کے خلاف تحریر فرمایا ہے:

تولیہ اور رومال ٹوپی پر باندھنا مکروہ نہیں ہے، یعنی عمامہ کے طور پر باندھنا اور نماز اس سے مکروہ نہ ہوگی، بلکہ اطلاق عمامہ کا اس پر آوے گا اور باندھنے والا مستحق ثواب ہوگا۔

یہ اعتجار مکروہ نہیں ہے، عصابہ بمعنی عمامہ بھی آتا ہے اور پٹی جو سر پر باندھی جاوے اس کو بھی عصابہ کہتے ہیں۔ **العصابة تأتي بمعنى العمامة كما في القاموس وشرح شمائل للقاريؒ۔**

عمامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت منقول ہے کہ آپ کے پاس دو عمامے تھے ایک سات ذراع کا اور ایک بارہ ذراع کا، لیکن صحیح یہ ہے کہ اس میں کوئی تحدید شرعاً نہیں ہے۔ بقدرِ ضرورت ہو کافی ہے۔

جمع الوسائل شرح الشمائل لعلی القاری میں ہے: **وقال الشيخ الجزري في تصحيح المصابيح قد تتبعت الكتب وتطلبت من السير والتواريخ لأقف على قدر عمامة النبي صلى الله صلى الله عليه وسلم فلم أقف حتى أخبرني من أثق به أنه وقف على شيء من كلام النوويؒ ذكر فيه أنه كان له صلى الله عليه وسلم عمامة قصيرة وعمامة طويلة وأن القصيرة كانت سبعة أذرع مطلقاً من غير تقييد بالقصير والطويل، الخ.** فقط۔ (عزیز الفتاویٰ، حصہ اول دوم، ص۹۳، امدادیہ، دیوبند)۔

لیکن پہلے یہ بات معلوم ہوئی کہ کسی حدیث میں عمامہ کی مقدار وارد نہیں ہوئی ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

عمامہ کی مقدار کا حکم:

سوال: احادیث کی روشنی میں عمامہ کی مقدار کیا ہے؟ کیا شرعاً عمامہ کی کوئی حد ہے یا نہیں؟

الجواب: شرعاً عمامہ کی کوئی معین مقدار وارد نہیں ہوئی ہے ہاں جو مقدار شراحِ حدیث اور فقہاء لکھتے ہیں وہ امام نوویؒ کے کلام سے ماخوذ ہے، البتہ بعض حضرات نے عمامہ کی مقدار میں ایک حدیث نقل کی ہے لیکن محدثین نے فرمایا کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو غذاء الالباب میں ہے:

وقال الحافظ السخاوي في فتاويه: رأيت من نسب لعائشةؓ أن عمامة رسول الله

صلى الله عليه وسلم كانت فى السفر بيضاء ، وفى الحضر سوداء وكل منهما سبعة أذرع، وقال: هذا شيء ما علمناه. وقال ابن الحاج فى كتابه المدخل وردت السنة بالرداء والعمامة والعذبة ...والعمامة سبعة أذرع أو نحوها ...على ما نقله الطبرى فى كتابه. (غذاء الالباب شرح منظومة الآداب :۲/۲۴۵،بيروت).

فيض البارى میں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

ففى الحديث: أن عمامته صلى الله عليه وسلم كانت في صلاته سبعة أذرع. (فيض البارى: ۲/۸، باب وجوب الصلاة فى الثياب،وكذا فى عرف الشذى على الترمذى:۱/۳۰۴).

قال الملا على القارى فى المرقاة : وقد قال الجزرى فى تصحيح المصابيح: قد تتبعت الكتب وتطلبت من السير والتواريخ لأقف على قدرعمامة النبي صلى الله عليه وسلم فلم أقف على شيء حتى أخبرني من أثق به أنه وقف على شيء من كلام النوويؒ ... (مرقاة المفاتيح:۸/۲۵۰،ملتان).

وقال الإمام السيوطيؒ: وأما مقدار العمامة الشريفة فلم يثبت فى حديث. (الحاوى للفتاوى:۱/۸۴،فاروقى كتب خانه).

قال ابن حجر الهيتمى المكى: أما طول عمامة النبي صلى الله عليه وسلم وعرضها فلم يثبت فيها شيء . (الفتاوى الحديثية:۳).

وقال فى تحفة الأحوذي: لا بد لمن يدعى أن مقدارعمامته صلى الله عليه وسلم كان كذا وكذا من الذراع أن يثبته بدليل صحيح وأما الادعاء المحض فليس بشيء . (تحفة الاحوذى: ۵/۴۱۴).

وقال الإمام السخاوىؒ: وما ورد من أن طولها سبعة أذرع في عرض ذراع ، لا أصل له. (الفجرالساطع : ۸/۱۰۲).

وقال الشيخ المناوى : لم يتحرر كما قال بعض الحفاظ في طول عمامته صلى الله عليه وسلم وعرضها شيء ، وما وقع للطبرى أنها سبعة أذرع، ولغيره نقلاً عن عائشةؓ ...فلا أصل له . (فيض القدير: ۵/۲۱۳).

وقال الملا علی القاری فی" المقالة العَذْبَة فی العمامة و العَذَبَة، بعد أن أورد نقولاً : **فقد علم أنه لم يرد في طولها وعرضها شيء يعتمد عليه ، فليقتصر الإنسان على ما يليق به، باعتبار عادة غالب أمثاله في محل الساكن فيه من البلاد**. (المقالة العَذْبَة فی العمامة و العَذَبَة ص: ٦٤).

وللمزيد راجع : (شآبيب الغمامة فی تحقيق مسئلة العمامة ،ص۳۹، وسبل الهدى و الرشاد فی سيرة خير العباد :۲۷۶/۷،ط: بيروت،و المقالة العذبة فی العمامة و العذبة،ص ٣٦_٦٥،ط:بيروت).

حضرت شیخؒ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ کی مقدار مشہور روایات میں نہیں ہے، طبرانی کی ایک روایت میں سات ذراع آئی ہے، بیجوریؒ نے ابن حجرؒ سے اس حدیث کا بے اصل ہونا ذکر کیا ہے، علامہ جزریؒ کہتے ہیں کہ میں نے سیر کی کتابوں کو خاص طور سے تلاش کیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ کی مقدار مجھے نہیں ملی۔ (خصائل نبوی،ص ۸۸،دارالاشاعت)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عمامہ کے شملہ کا حکم:

سوال: عمامہ کا شملہ پیچھے کی طرف ہونا چاہئے یا دائیں جانب بھی رکھنا درست ہے؟ اور ایک شملہ ہونا چاہئے یا دو؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عمامہ باندھنے کا افضل اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ عمامہ کے دونوں جانب کے سروں کو پیچھے کی جانب لٹکایا جائے، معتبر روایات میں یہی طریقہ منقول ہے اور اس کے علاوہ ایک شملہ لٹکانا بھی جائز ہے بلکہ علماء نے بغیر شملہ کے عمامہ کو بھی درست بتلایا ہے۔ نیز دائیں جانب لٹکانا بھی درست ہے۔

إرخاء العذبة بين الكتفين .

عن عمرو بن حريث رضی اللہ عنہ قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم على المنبر وعليه عمامة سوداء، قد أرخى طرفيها بين كتفيه. (اخرجه مسلم ،رقم :۱۳۵۹، وابوداود، رقم: ٤٠٧٩، وابن ماجه ،رقم : ۲۸۲۱، وابن ابی شيبة ،رقم: ۲٥٤۸۱، والنسائی ،رقم: ٥٣٤٦).

قال الإمام النوويؒ: هكذا هو في جميع نسخ بلادنا وغيرها طرفيها بالتثنية وكذا هو في الجمع بين الصحيحين للحميدی، وذكر القاضی عياض أن الصواب المعروف طرفها بالإفراد وأن بعضهم رواه طرفيها بالتثنية ، والله أعلم .

قلت: بل الصواب أن غالبهم رواها كذلك ؛ فقد روى هذا الحديث عن مساور: أبو أسامة ووكيع عن مساور . وعامة من رواها عن أبي أسامة ثناها، ولم يفردها ــ في حدود بحثي ــ سوى محمد بن أبان البلخي؛ عند: النسائي (رقم:٥٣٤٦).

ولا مانع من تصحيح اللفظين ، وإن كان الأول أصح ؛ إذ الآثار ناطقة بالتعبيرين كليهما . والله أعلم. (التعليقات لابی اسامة الجزائری علی المقالة العذبة للشیخ الملاعلی القاری ، ص٧٤،ط:لبنان).

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا اعتم سدل عمامته بين كتفيه قال نافع: وكان ابن عمر رضی اللہ عنہ يسدل عمامته بين كتفيه، قال عبيد الله: ورأيت القاسم وسالماً يفعلان ذلك . (رواہ الترمذی: ١/٣٠٤،ط: فیصل).

و ورد من عدة طرق أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما عمم عبد الرحمن بن عوف أرسل العذبة من خلفه .

وعن أبي عبد السلام قال: قلت لابن عمر رضی اللہ عنہ :كيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعتم ؟ قال: كان يدير كور العمامة على رأسه ، ويغرزها من ورائه ويرسلها بين كتفيه . (رواہ الطبرانی فی الکبیر ، و أبوعبد السلام قال ابن حبان : هوشيخ يروى عن ابن عمر مالايشبه حديث الاثبات ، لايجوز الاحتجاج به).

وعن أبي موسى رضی اللہ عنہ أن جبريل عليه السلام نزل على النبي صلى الله عليه وسلم، وعمامته سوداء قد أرخى ذوابتيه من ورائه. رواه الطبرانى فى الكبير، وفيه عبد الله بن عامر وهو ضعيف . (المقالة العذبة).

وعن السائب بن يزيد قال: رأيت عمربن الخطاب رضی اللہ عنہ قد أرخى عمامته من خلفه . إسناده ضعيف . (المقالة العذبة). وللمزيد راجع: (مصنف ابن ابی شیبة : ٨/٢٣٥).

(٢) إرسالها من بين يديه ومن خلفه :

عن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ قال: عممني رسول الله صلى الله عليه وسلم، فسدلها بين يدي ومن خلفي .

ضعيف . رواه أبوداود (٤٠٧٩)، وأبويعلى(٨٥٠)، وابن عدى (١٧٢/٥)، والبيهقى فى الشعب(٦٢٥٣) من طريق: عثمان بن عثمان الغطفاني: ثنا سليمان بن خربوذ: حدثنى شيخ من أهل المدينة قال: سمعت عبد الرحمن بن عوف؛ فذكره .

قلت: من بين عثمان وعبد الرحمن مجهولان . وقد ضعف هذا الخبرغير واحد من النقاد . تنبيه : وقع عند أبي يعلى، وابن عدى: الزبير بن خربوذ ، وهو وهم جزم به المزى في تهذيب الكمال. (٤٠٠/١١). (التعليقات على المقالة العذبة، ص٧٤).

وروى الطبراني بسند ضعيف عن ثوبان رضي الله عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان إذا اعتم أرخى عمامته بين يديه ومن خلفه. قال الهيثمي: رواه الطبرانى فى الأوسط وفيه الحجاج بن رشدين وهو ضعيف . (مجمع الزوائد: ١٢٠/٥،دارالفكر).

وروى أبوموسى المدنى بسند ضعيف عن الحسن بن صالح ، قال أخبرني من رأى عمامة علي بن أبي طالب رضي الله عنه، قد أرخاها من بين يديه ومن خلفه . (سبل الهدى : ٢٧٨/٧،وكذا فى مصنف عبدالرزاق:٥/١٧٨/٢٤٩٥٩).

وروى أبوموسي المدنى عن محمد بن قيس قال: رأيت ابن عمر رضي الله عنه يعتم بعمامة قد أرسلها بين يديه ومن خلفه فلا يدرى أيهما أطول . (سبل الهدى : ٢٧٨/٧).

إرخائها من الجانب الأيمن:

روى الطبرانى فى الكبير بسند ضعيف عن أبي أمامة رضي الله عنه قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لا يولي والياً حتى يعممه بعمامة، ويرخى لها عذبة من الجانب الأيمن نحو الأذن . قال الهيثمي: فيه جميع بن ثوب، وهو متروك . (مجمع الزوائد: ١٢٠/٥).

قال في شآبيب الغمامة: هذه الأحاديث تدل على سنية إرخاء طرف العمامة فالإتيان بكل واحد من تلك الأمور سنة ولا تعارض بين الروايات، لأن السنة تحصل بالكل، لكن الأفضل كونه بين الكتفين لما مر من حديث عمرو بن حريث عن أبيه رضي الله عنه .(ص٢٧).

وقال فى سبل الهدى: إرسالها خلف ظهره بين كتفيه، وهو الأكثر الأشهر الصحيح ... وقولهم : بين كتفيه : المراد به إرسالها من خلف لا من قدام . (٢٧٩/٧).

وفي الشامي: أن المستحب إرسال ذنب العمامة بين الكتفين . (فتاوى الشامي: ٧٥٥/٦،سعيد، والبحرالرائق: ٤٨٧/٨،وتبيين الحقائق: ٢٢٩/٦،والفتاوى الهندية: ٣٣٠/٥،والمحيط البرهاني: ١٨٦/٥، ودار احياء التراث).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (شآبيب الغمامة في تحقيق مسئلة العمامة،وسبل الهدى والرشاد، جلد٧، والمقالة العذبة،وشمائل کبریٰ: ١٧٧/١،والموسوعة الفقهية الكويتية: ١٦٩/٢١،كيفية ارخاء الذؤابة، وخصائل نبوی، ص ٩٠، ط:دارالاشاعت).

شیخ عبدالحق محدثِ دہلویؒ فرماتے ہیں:

وعذبہ آں حضرت اغلب پس پشت بودے واحیاناً بر جانبِ راست وگاہے دوعذبہ بودے میانِ دوکتف... وصواب آنست کہ ارسالِ عذبہ مستحب است وازسنن زوائدست مقابل سنن ہدیٰ ودرترکِ آں اثمے واساءتے نیست اگرچہ درفعل آں ثوابے وفضیلتے باشد وقول بہ بودنِ اوسنتِ مؤکدہ خلافِ تحقیق ست ودرکنز گفتہ: **وندب لبس السواد وإرسال ذنب العمامة بين كتفيه وهكذا في غيره من كتب الحنفية، والله أعلم.** (اشعۃ اللمعات:٥٤٥/٣،ط: کتب خانہ مجیدیہ،ملتان)۔واللہ ﷻ اعلم۔

بغیر شملہ کے عمامہ کا حکم:

سوال: کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغیر شملہ کے عمامہ پہننا ثابت ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی حوالہ ذکر کریں۔

الجواب: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول دونوں طرح کا تھا،ہاں اکثر وبیشتر اوقات شملہ لٹکانے کا تھا لیکن کبھی کبھی بلاشملہ کے عمامہ پہننا بھی ثابت ہے،لہٰذا دونوں طرح درست ہے،البتہ شملہ لٹکانا سنت وافضل اور بہتر ہے۔

قال الشيخ الملا علي القاريؒ في المقالة العذبة: عن ثوبان رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عمم عبد الرحمن بن عوف، فأرسل من خلفه أربع أصابع ونحوها، ثم قال: فاعتم؛ فإنه أعرب وأحسن، رواه الطبراني في الأوسط وإسناده حسن (بل ضعيف، فيه الحجاج بن راشد، وهوضعيف). **وفيه إشعار بأن العمامة مع العذبة أحسن، فيدل على حسن العمامة**

بـدون العذبة ؛ فيكون فيه رد على من قال بالكراهة . (المقالة العذبة ،ص ،وكذا في جمع الوسائل في شرح الشمائل : ١/١٦٨ ،ومرقاة المفاتيح).

وأخرجه الحاكم في المستدرك (رقم: ٨٦٢٣) **بسنده عن ابن عمر** رضي الله عنه، **وقال هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه ، ووافقه الذهبي .**

قال ابن القيم في زاد المعاد: وفي حديث جابر رضي الله عنه **أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم دخل مكة ، وعليه عمامة سوداء ، ولم يذكر في حديثه الذؤابة ، فدل على أن العذبة لم يكن يرخيها دائماً بين كتفيه** . (زادالمعاد: ١/،فصل في ملابسه صلى الله عليه وسلم).

قال الإمام النوويرحمه الله**: يجوز لبس العمامة بإرسال طرفها وبغير إرساله ، ولا كراهة في واحد منهما، ولم يصح في النهي عن ترك إرسالها شيء . وقد استدل على جواز ترك العذبة ابن القيم في الهدى بحديث جابر**رضي الله عنه **عند مسلم أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم دخل مكة وعليه عمامة سوداء بدون ذكر الذؤابة ، قال فدل على أن الذؤابة لم يكن يرخيها دائماً بين كتفيه** . (الموسوعة الفقهية الكويتية: ٢١/١٦٩).

حاشیہ شمائل ترمذی میں ہے:

أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم سدل عمامته في معظم الأوقات وتركه أحياناً . (حاشية شمائل الترمذي ،ص٨،وكذا حاشية جامع الترمذي : ١/٣٠٤).

شیخ عبدالحق محدثِ دہلویؒ فرماتے ہیں:

وبدانکہ گذاشتنِ عذبہ مرعمامہ راافضل ست ولیکن دائمی نیست وآن حضرت گاہے عمامہ راعذبہ فروگذاشتے وگاہے بےعذبہ پوشیدے وگاہے تحت الحنک برزدے وگاہے می خلانیدے یکطرف دستار را دردستار ومی گذاشت طرف دیگررا۔ (اشعۃ اللمعات: ۳/۵۴۵،ط: کتب خانہ مجیدیہ،ملتان،وخصائل نبوی،ص۹۰)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مدارس میں دستار بندی کی شرعی حیثیت:

سوال: مدارس میں دستار بندی کے جلسہ کا رواج ہے، کہ درس نظامی سے فراغت پرعمامہ پہنایا جاتا ہے، کیاشریعتِ مطہرہ میں اس کی کوئی نظیر ہے یانہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی صحابی کو کوئی عہدہ سپرد فرما کر روانہ فرماتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھتے تھے، اس کو دستار بندی کہتے ہیں جو آج کل ہمارے مدارسِ عربیہ میں رائج ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو آپ نے عمامہ باندھ کر روانہ فرمایا۔

ملاحظہ ہو:

عن عطاء بن أبي رباح قال: كنت مع ابن عمر رضي الله عنه، فأتاه فتى يسأله عن إسدال العمامة، فقال ابن عمر رضي الله عنه: سأخبرك ذلك بعلم إن شاء الله تعالىٰ، قال: كنت عاشر عشرة في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم أبوبكر وعمر وعثمان وعلي وابن مسعود ومعاذ وحذيفة وعبد الرحمن بن عوف وأبوسعيد الخدري فجاء فتى من الأنصار فسلم على رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم جلس... ثم أمر عبد الرحمن بن عوف رضي الله عنه يتجهز لسرية بعثه عليها، وأصبح عبد الرحمن قد اعتم بعمامة من كرابيس سوداء، فأدناه النبي صلى الله عليه وسلم ثم نقضه وعممه بعمامة بيضاء وأرسل من خلفه أربع أصابع أو نحو ذلك، وقال هكذا يابن عوف اعتم فإنه أعرب وأحسن ... (أخرجه الحاكم فى المستدرك: ٤/٦٥٣/٨٦٢٣، وقال: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه، ووافقه الذهبي، ورواه الطبراني فى الاوسط: ٥/٦٢/٤٦٧١، وقال الهيثمي: إسناده حسن، مجمع الزوائد: ٥/١٢٠، والبيهقي في شعب الإيمان: ٥/١٧٤/٦٢٥٤، وفي إسناده: عثمان بن عطاء الخراساني وهو ضعيف، والبزار: ٢/٢٦٧/٦١٧٥، ورجاله ثقات، وابن عساكر فى تاريخه: ٣٥/٢٦١، وابونعيم فى معرفة الصحابة، رقم: ٤٨٢).

سیاہ عمامہ نکال کر سفید عمامہ پہنانے کی وضاحت:

اس حدیث میں دو باتیں مذکور ہیں ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیجتے وقت عمامہ پہنایا۔ دوسری بات یہ ہے کہ غالبًا کھدر میں چونکہ کالا رنگ اچھا نہیں لگتا، اس لیے سیاہ کی جگہ سفید عمامہ باندھا۔ یاد رہے سیاہ عمامہ متعدد روایات سے ثابت ہے اس لیے اس روایت کی روشنی میں سیاہ عمامہ کو خلافِ اولیٰ نہیں کہنا چاہئے۔

قال ابن حجر رحمه الله فى الإصابة: عبد الله بن بشر الحمصي ذكره البغوى في معجم الصحابة وأورد له من طريق يحيى بن حمزة عن أبي عبيدة الحمصي قال: بعث رسول الله

صلى الله عليه وسلم علي بن أبي طالب رضي الله عنه على بعث فعممه بعمامة سوداء ثم أرسلها من ورائه أوقال: على كتفه . (الاصابة: ٤/٢٥).

رواه الطبراني في الكبير، والضياء في المختارة، وإسناده ضعيف. انظر: (حاشية المقالة العذبة، ص٧٧، ومجمع الزوائد:٥/٢٦٧).

وقال ابن الأثير في أسد الغابة (١/٥٧٨،في ترجمة عبدالاعلى بن عدى) : **روى عبد الرحمن بن عدى البهراني عن أخيه عبد الأعلى بن عدي: أن النبي صلى الله عليه وسلم دعا علي بن أبي طالب رضي الله عنه يوم غدير خم فعممه وأرخى عذبة العمامة من خلفه ثم قال: هكذا فاعتموا فإن العمائم سيماء الإسلام وهي حاجز بين المسلمين والمشركين** . (وأيضاً أخرجه أبونعيم، رقم: ٤٧٣٧، وابن عساكرفي تاريخه: ٢٥٥/٦٣). **وانظر للمزيد** : (حاشية المقالة العذبة،ص٧٩).

وعن أبي أمامة رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يولي والياً حتى يعممه ويرخي له عذبة من جانب الأيمن نحو الأذن . رواه الطبراني في الكبير، (رقم ٧٦٤١)، **وقال الهيثمي في المجمع**(٥/١٢٠)،**رواه الطبراني في الأوسط وفيه جميع بن ثوب وهومتروك.**

ورواه أيضاً الدولابي في الكنى والأسماء ، (رقم ٨٠٤)، **وتمام في فوائده**، (رقم: ١٥٦٩)، **وذكره السيوطي في الجامع الصغير** (رقم: ٦٩٢٦)، **ورمز له بالضعف** .

صحیح بخاری شریف کی روایت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ قدیم زمانہ میں عہدہ سپرد کرتے وقت عمامہ باندھنے کا رواج تھا۔

قال سعد بن عبادة رضي الله عنه اعف عنه (أى عبد الله بن أبي بن سلول) يا رسول الله واصفح فوالله لقد أعطاك الله الذي أعطاك ولقد اصطلح أهل هذه البحرة على أن يتوجوه فيعصبونه بالعصابة ...الحديث . (صحيح البخارى : ٢/٦٥٦،كتاب التفسير).

قال العلامة العيني: أى فيعمموه بعمامة الملوك...قال الكرماني: أى يجعلونه رئيساً لهم ويسودوه عليهم...وقيل: بل كان الرؤساء يعصبون رؤوسهم بعصابة يعرفون بها . (عمدة القارى :١٢/٥١١،ط:امداديه).

قال ابن حجرؒ: لأنهم يعصبون رؤوسهم بعصابة لاتنبغي لغيرهم يمتازون بها. (فتح

الباری: ۸/۲۳۲).

فتاویٰ فریدیہ میں ہے: سوال: مدارسِ دینیہ میں دستار بندی کی جو رسم جاری ہے کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: دورۂ حدیث کے طلباء کی دستار بندی تبرک اور اظہارِ اعتماد کے لیے کی جاتی ہے اس کے لیے اصل موجود ہے، **أما التعميم للتبرك فيدل عليه مارواه أبوداود عن عبد الرحمن بن عوف وفي إسناده شيخ مجهول وكذا يدل عليه ما رواه أبونعيم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عمم علي بن أبي طالب رضي الله عنه في غدير خم، وما رواه عن عماربن ياسر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عمم علياً حين بعثه إلى خيبر، وكذا التعميم لإظهار الاعتماد جائز أيضاً يدل عليه ما رواه البخاري أن النبي صلى الله عليه وسلم عند أول الهجرة لم ينكرعلى تعميمهم عبد الله بن أبي، والتفصيل في منهاج السنن للترمذى (۵/۲۱۲) وهوالموفق.** (فتاویٰ فریدیہ:۴/۵۱۳)۔

اشرف الاحکام میں ہے:

فرمایا ایک طریقہ وہ ہے جو بزرگوں نے اختیار کیا ہے کہ جو شخص قرآن سے فارغ ہو اس کی دستار بندی کی جائے اس سے بھی فارغین کو مسرت ہوتی ہے جو سبب سے تعلیم قرآن کی طرف بہت رغبت ہوتی ہے اور تعلیم کا سبب بن جانا یہ بھی تعلیم کا ایک مصداق ہے۔ پس یہ عمل خلافِ سنت نہیں ہے کیونکہ اعمال خیر کی طرف رغبت دلانے کا نص میں حکم وارد ہے، اور یہ بھی اسبابِ رغبت میں سے ہے پس صراحۃً تو نہیں مگر دلالۃً یہ بھی نص سے ثابت ہوا۔ (اشرف الاحکام،ص۵۱)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بلا عمامہ نماز پڑھنے اور امامت کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص بلا عمامہ صرف ٹوپی پہن کر نماز پڑھتا ہے اور امامت بھی کرتا ہے، اس کی نماز یا امامت مکروہ ہے یا نہیں؟ کسی فقیہ نے کراہت کی تصریح کی ہے یا نہیں؟ ایک صاحب بلا عمامہ امامت کرنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں، کیا ان کا یہ قول درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: فقہاء نے تحریر فرمایا ہے کہ تین کپڑوں میں نماز پڑھنا مستحب ہے، اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ خلافِ مستحب مکروہ نہیں ہے، کراہت کے لیے خارجی دلیل درکار ہے، اور وہ نیابد ہے، اس کی آسان مثال

فقہاء بیان کرتے ہیں کہ عید الاضحیٰ کے دن اپنی قربانی سے کھانا شروع کرنا مستحب ہے اور احادیث میں وارد ہے لیکن اگر کوئی شخص اس پر عمل نہ کرے تو اس کو مرتکبِ مکروہ نہیں کہا جائیگا۔ بایں وجہ بلا عمامہ صرف ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا یا امامت کرنا مکروہ نہیں ہے۔

فقہاء کی تحریرات ملاحظہ فرمائیے:

قال في البحر الرائق: والمستحب أن يصلي في ثلاثة أثواب: قميص وإزار وعمامة.

(البحر الرائق: ۱/۲۸۳، دار المعرفة).

وأيضاً قال: أما لو صلى في ثوب واحد متوشحاً به جميع بدنه كإزار الميت تجوز صلاته من غير كراهة ...وفسر في الذخيرة: التوشيح: أن يكون الثوب طويلاً يتوشح به فيجعل بعضه على رأسه وبعضه على منكبيه وعلى كل موضع من بدنه.

(البحر الرائق:۲/۲۷، دار المعرفة). (وكذا في الفتاوى الهندية:۱/۵۹، والمحيط البرهاني:۲/۵۷، ط: دار احياء التراث).

بدائع الصنائع میں ملک العلماء علامہ ابوبکر الکاسانیؒ فرماتے ہیں:

ولا بأس أن يصلي في ثوب واحد متوشحاً به أو قميص واحد والجملة فيه أن اللبس في الصلاة ثلاثة أنواع لبس مستحب ولبس جائز من غير كراهة ولبس مكروه، أما المستحب فهو أن يصلي في ثلاثة أثواب: قميص وإزار ورداء وعمامة، كذا ذكر الفقيه أبوجعفر الهندواني في غريب الرواية عن أصحابنا، وقال محمد: إن المستحب للرجل أن يصلي في ثوبين إزار ورداء لأن به يحصل ستر العورة والزينة معاً.

وأما اللبس الجائز بلا كراهة فهو أن يصلي في ثوب واحد متوشحاً به أوقميص واحد لأنه حصل به ستر العورة وأصل الزينة إلا أنه لم تتم الزينة، وأصله ماروي عن عليؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عن الصلاة في ثوب واحد فقال: أو كلكم يجد ثوبين أشار إلى الجواز ونبه على الحكمة وهي أن كل واحد لا يجد ثوبين وهذاكله إذاكان الثوب صفيقاً لا يصف ما تحته ...

وأما اللبس المكروه فهو أن يصلي في إزار واحد أو سراويل واحد لما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه نهى أن يصلي الرجل في ثوب واحد ليس على عاتقه منه شيء،

ولأن ستر العورة إن حصل فلم تحصل الزينة، وقد قال الله تعالىٰ: ﴿يابنيّ آدم خذوا زينتكم عند كل مسجد﴾ وروي أن رجلاً سأل ابن عمر رضی اللہ عنہ عن الصلاة في ثوب وقال: أرأيت لو أرسلتك في حاجة أكنت منطلقاً في ثوب واحد فقال: لا، فقال: الله أحق أن تتزين له. (۱) وروى الحسن عن أبي حنيفةؒ أن الصلاة في إزار واحد فعل أهل الجفاء وفي ثوب متوشحاً به أبعد من الجفاء وفي إزار و رداء من أخلاق الكرام . (بدائع الصنائع : ۱/۲۱۹،سعید).

وقال في مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: والأفضل أن يصلي في ثوبين حتى يحصل الستر التام وبعض الفقهاء قالوا: المستحب أن يصلي في ثلاثة أثواب قميص وإزار وعمامة . (مجمع الانهر:۱/۱۲۱،دارالکتب العلمیة).

نیز فقہاء کے زمانہ میں عمامہ لوگوں میں معتاد تھا اس وجہ سے عمامہ میں نماز کو مستحب لکھا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر بھی اس کا مؤید ہے کما مر۔ نیز علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں: والرجل في حياته يخرج في ثلاثة أثواب عادة قميص وسراويل وعمامة . (المبسوط : ۲/۱۲۹،ط: بیروت).

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ جس علاقہ میں عمامہ مروج ہو اور اس کے بغیر لوگ عام مجمع میں جانا پسند نہ کرتے ہو تو پھر بلا عمامہ نماز مکروہ ہوگی ورنہ نہیں۔ مزید وضاحت علامہ لکھنویؒ کی عبارت میں ملاحظہ کیجئے:

وقد سئلت غير مرة عن الصلاة بغير عمامة ، هل تكره كما هو المشهور بين العوام، فتجسسته في كتب الفقه، فلم أجد سوى قولهم: المستحب أن يصلى في ثلاثة أثواب: إزار وقميص، وعمامة وهولايدل على كراهة الصلاة بدونها ،كما حرره بعض علماء عصرنا، ظاناً أن ترك المستحب مكروه ، وذلک لأنه قد صرح فى البحر الرائق وغيره : إن ترک المستحب لاتلزم منه الكراهة ما لم يقم دليل خارجي عليه.

وفرع عليه : إن الأكل يوم النحر قبل صلاة العيد ليس بمكروه على المختار، مع تصريحهم بأن المستحب أن لا يأكل قبل الصلاة...وأفاد الوالد العلام في بعض تحريراته: تكره الصلاة بدونها فى البلاد التي عاده سكانها أنهم لايذهبون إلى الكبراء بدون العمامة ، بل ولا يخرجون من بيوتهم إلا معتعممين . وأما فى البلاد التي لايعتادون فيها ذلک ، فلا .

وقد اشتهر بين العوام أن الإمام إن كان غير متعمم والمقتدون متعممين فصلاتهم

مکروهة، وهذا أيضاً زخرف من القول لا دليل عليه، فاحفظ . (فتاوى اللكنوى، المسماة بـ نفع المفتي والسائل بجمع متفرقات المسائل، ص۲۹۸، بيروت).

نیز عمدۃ الرعایہ میں تحریر فرماتے ہیں:

ولا يكره الاكتفاء بالقلنسوة، ولا عبرة لما اشتهر بين العوام من كراهة ذلك، وكذا ما اشتهر أن المؤتم لو كان متعمماً بعمامة والإمام مكتفياً على قلنسوة يكره . (عمدة الرعاية على شرح الوقاية: ۱/۱۶۹، رقم الحاشية،۲، كتاب الصلاة، ط: المطبع المجيدى).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

عمامہ باندھ کر نماز پڑھانا مستحب ہے لیکن بلا عمامہ کے بھی بلا کراہت درست ہے، البتہ جس جگہ عمامہ کا اتنا رواج ہو کہ بغیر عمامہ کسی معزز مجلس میں نہ جاتے ہوں بلکہ اپنے گھر سے بھی نہ نکلتے ہوں تو ایسی جگہ بلا عمامہ نماز پڑھانا اور پڑھنا مکروہ ہے، کذا فی نفع المفتی والسائل۔ (فتاویٰ محمودیہ:۶/۴۲، جامعہ فاروقیہ)۔

ترکِ مستحب کراہت کی دلیل نہیں ہے۔اس کے مزید حوالہ جات ملاحظہ فرمائیے: (البحر الرائق: ۲/۱۷۶، دار المعرفة، وفتاوى الشامي: ۱/۱۲۴، سعيد، وكذا في ۱/۶۵۳، سعيد، ۲/۱۷۷، ومجمع الانهر: ۱/۱۸۸، دار الكتب العلمية).

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر کے اثر کی تخریج ملاحظہ کیجئے:

أخرج الإمام ابن خزيمة في صحيحه (۱/۳۹۷/۷۶۶، ط: المكتب الاسلامى) **بسنده عن أيوب عن نافع قال: رآني ابن عمر ﷛ وأناْ أصلي في ثوب واحد فقال: ألم أكسك ثوبين؟ قال: قلت: بلى قال: أرأيت لو أرسلتك في حاجة أكنت منطلقاً في ثوب واحد؟ قلت: لا، قال: فالله أحق أن تزين له ...الخ . قال الأعظمي: إسناده ضعيف . واللہ ﷻ اعلم۔**

عمامہ میں اسبال کا حکم:

سوال: عمامہ میں اسبال کہاں سے شروع ہوتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ہر چیز میں اسبال اس کے اعتبار سے ہوتا ہے چنانچہ ازار وقمیص میں اسبال یہ ہے کہ ٹخنوں سے نیچے ہو اور عمامہ میں اسبال یہ ہے کہ اس کا شملہ عادت سے زائد لٹکا دے۔

حدیث شریف میں ہے:

عن سالم بن عبد اللّٰہ عن أبیه عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: الإسبال فی الإزار والقمیص والعمامة من جر منها شیئاً خیلاء لم ینظر اللّٰہ إلیه یوم القیامة. (رواہ ابوداود، رقم: ٤٠٩٦، والنسائی، رقم: ٥٣٣٤، وابن ماجه، رقم: ٣٥٧٦).

ابن ماجہ کی شرح میں مذکور ہے:

قوله: الإسبال فی الإزار والقمیص والعمامة ؛ أی الإسبال یتحقق في جمیع هذه الأشیاء قیل: الإسبال فی العمامة یکون بإرسال العذبات زیادة علی العادة عدداً وطولاً و غایتها إلی نصف الظهر والزیادة علیه بدعة کذا ذکروا. (حاشیة السندی علی سنن ابن ماجه: ٦/٤٩٦/٣٥٦٦، طول القمیص کم هو).

قال الشیخ عبد الغنی المجدديؒ: وهذا التطویل والتوسیع الذي تعارف في بعض دیار العرب من الحجاز ومصر مخالف للسنة وإسراف موجب لإضاعة المال فما کان منهما بطریق الخیلاء فهو حرام وما کان بطریق العرف والعادة وصار شعار القوم لا یحرم وإن کان الإسراف فیه لا یخلو عن کراهة . (حاشیة سنن ابن ماجه، ص: ٢٥٥، ط: قدیمی).

قال الإمام النووي: الإسبال فی العمامة هو إرسال طرفها إرسالاً فاحشاً کإسبال الثوب . (المجموع: ٤/٤٥٧).

قال في فتح الباری: وفي تصویر جر العمامة نظر إلا أن یکون المراد ما جرت به عادة العرب من إرخاء العذبات فمهما زاد علی العادة في ذلک کان من الإسبال . (فتح الباری: ١٠/٢٦٢).

شملہ کی مقدار میں بھی مختلف اقوال ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے چار انگشت کی مقدار منقول ہے۔

عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: عمم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم عبد الرحمن بن عوف بعمامة سوداء کرابیس ، وأرخاها من خلفه قدر أربع أصابع ، وقال : هکذا فاعتم، فإنه أعرف ، وأجمل... الخ. (علل الحدیث لابن ابی حاتم، رقم: ١٤٥٨، ومختصر تاریخ مدینة دمشق: ٤/٣٥٥، وعمدة القاری: ٢١/٣٠٧، وتحفة الاحوذی: ٥/٣٣٧).

۲۔حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک بالشت کی مقدار ثابت ہے۔

روي أن سيدنا علياً رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه اعتم بعمامة سوداء وأرخاها من خلفه شبراً . (غذاء الالباب : ۲/۲٤٤).

وقال مصعب وقال ابن عيينة كان عامر بن عبد اللّٰہ بن الزبير يرخی عمامته يسدلها من خلفه شبراً . (التمهيد: ۲۰/۹۲،ط:مؤسسة القرطبة).

۳۔حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک ذراع کی مقدار ثابت ہے۔

وفی الآداب: إن ابن الزبير رضی اللہ عنہ أرخاها خلفه قدر ذراع . (غذاء الالباب : ۲/۲٤٤).

۴۔نصف ظہر اور موضع الجلوس تک کی مقدار بھی مروی ہے۔

ويرسل الذيل بين الكتفين إلى قدر الشبر أو موضع القعود أو نصف الظهر وهو متوسط مرضی . (شرح عين العلم : ۱/۳۰۵).

نیز فقہاء نے بھی مختلف اقوال ذکر فرمائے ہیں۔ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ندب لبس السواد وإرسال ذنب العمامة بين الكتفين إلى وسط الظهر كذا فی الكنز، واختلفوا في مقدار ما ينبغي من ذنب العمامة منهم من قدر بشبر ومنهم من قال إلى وسط الظهر ومنهم من قال إلى موضع الجلوس كذا فی الذخيرة . (الفتاوی الهندية: ٥/۳۳۰، الباب التاسع فی اللبس). وكذا فی المحيط البرهانی : ٥/۳٤۰،الفصل العاشرفی اللبس،والبحرالرائق: ۸/٥٥٥،دارالمعرفة،وتبيين الحقائق: ٦/۲۲۹،والدرالمختارمع ردالمحتار:٦/۷٥٥،سعيد،وتحفة الملوك ،ص۲۷۸،ومجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر:٤/۱۹۲،كتاب الكراهية).

خلاصہ یہ ہے کہ عادت سے زائد لٹکانے پر اسبال کا اطلاق ہوگا ورنہ نہیں۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ٹوپی پہننے کا ثبوت،اورٹوپی کی کیفیت:

سوال: کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوپی پہننا ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہے تو کونسی ٹوپی سنت ہوگی؟اس کی کیا کیفیت تھی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوپی پہننا ثابت ہے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تین

ٹوپیاں تھیں۔سفید نگندے ڈالی ہوئی ٹوپی، سبز دھاری دار ٹوپی، ذرا بڑی اور اونچی ٹوپی جسے سفر میں استعمال فرما تے تھے۔ہاں اکثر وبیشتر احوال میں آپ عمامہ زیب تن فرماتے تھے۔روایات حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیے:

ابوالشیخ ابن حیان الاصبہانیؒ (۲۷۴-۳۶۹ھ) نے اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں چند روایات نقل فرمائی ہیں:

(۱) عن ابن عمرؓ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبس قلنسوة بيضاء. (اخلاق النبی، رقم: ۳۰۱).

رواه الطبراني وفيه عبد الله بن خراش وثقه ابن حبان وقال ربما أخطأ، وضعفه جمهور الائمة، وبقية رجاله ثقات. (مجمع الزوائد:۵/۱۲۱،دارالفکر).

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفید ٹوپی پہنتے تھے۔

(۲) عن أبي هريرةؓ قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليه قلنسوة بيضاء شامية. (اخلاق النبی، رقم:۳۰۲).

وفي إسناده: الضحاک بن حجوة كان يضع الحديث، وشيخه عبد الله بن واقد وهو متروک.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ (کے سر مبارک) پر سفید شامی ٹوپی تھی۔

(۳) عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يلبس من القلانس في السفر ذوات الآذان وفي الحضر المشمرة يعني الشامية. (اخلاق النبی، رقم:۳۰۳).

وفي إسناده المفضل بن فضالة وهوضعيف، والباغندى فيه كلام. قال الحافظ العراقي في شرح الترمذى: هذا أجود إسناد في القلانس.

ترجمہ:حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں اونچی ٹوپی پہنتے تھے اور گھر پر شامی ٹوپی پہنتے تھے۔

(۴) عن ابن عباسؓ قال: كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث قلانس، قلنسوة بيضاء مضربة، وقلنسوة برد حبرة، وقلنسوة ذات آذان يلبسها في السفر، و ربما وضعها بين يديه إذا صلى. (اخلاق النبی، رقم:۳۰۴).

وإسناده ضعيف جداً ، في إسناده: محمد بن عبيد الله بن أبي سليمان، وهو متروك وسلم بن سالم ضعيف .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تین ٹوپیاں تھیں، سفید نگندے ڈالی ہوئی ٹوپی، سبز دھاری دار ٹوپی اور اونچی ٹوپی جسے سفر میں استعمال فرماتے تھے اور کبھی نماز میں سترہ کا کام لیتے تھے۔

(تنبیہ: ٹوپی کو سترہ بنانے والی روایت ضعیف ہے،اور مدۃ العمر کھلے سر نماز پڑھنا ثابت نہیں ہے۔دیکھئے: مقالاتِ کوثری)۔

(۵) عن عبد الله بن بسر رضی اللہ عنہ قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وله قلنسوة طويلة لها أذنان وقلنسوة لاطية . (اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم:۳۰۵).

إسناده ضعيف، في إسناده بقية ، وهو مدلس وقد عنعن، ويحيى بن حميد وعثمان بن عبد الله لم أعرفهما .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ کے پاس لمبی اونچی ٹوپی تھی اور چپکی ہوئی ٹوپی تھی۔

(۶) عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: رأيت على رسول الله صلى الله عليه وسلم قلنسوة خماسية طويلة. تفرد به الضحاك. وهوضعيف . (مسند ابی حنیفۃ روایۃ ابی نعیم:۱/۱۳۷،باب العین، مکتبۃ الکوثر، الریاض).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لمبی پنج گوشہ ٹوپی دیکھی۔

(۷) عن عمربن الخطاب رضی اللہ عنہ سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:ثم الشهداء أربعة رجل مؤمن جيد الإيمان...هكذا ورفع رأسه حتى وقعت قلنسوته قال: ما أدري أقلنسوة عمر أراد أم قلنسوة النبي صلى الله عليه وسلم . (رواہ الترمذی:۱/۲۹۴،دیوبند).

قال الشيخ شعيب : إسناده ضعيف لجهالة أبي زيد الخولاني، وعبد الله بن لهيعة: هو عبد الله بن لهيعة بن عقبة الحضرمي المصرى، وهو وإن كان سيء الحفظ ، رواه عنه غير واحد من العبادلة وهم: عبد الله بن المبارك وعبد الله بن وهب وعبد الله بن يزيد

المقری وعبد اللّٰہ بن مسلمة القعنبي وروایة هؤلاء عنه صالحة ، لکن تبقی علة الحدیث في جهالة أبی زید الخولاني . قال الترمذی حسن غریب . (تعلیقات الشیخ شعیب علی مسند الامام احمد رقم : ١٤٦).

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ شہداء چار ہیں، مومن مرد جس کا ایمان عمدہ ہو...اس طرح اور سر کو اٹھایا حتی کہ ٹوپی گر گئی راوی کہتے ہیں کہ معلوم نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ٹوپی مراد لی یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

(۸) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یلبس کمة (أی قلنسوة) بیضاء . [رواه الطبراني في الأوسط ، عن شیخه محمد بن حنیفة الواسطي وهو ضعیف لیس بالقوی]. (مجمع الزوائد:۵/ ۱۲۱،دارالفکر).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفید گول ٹوپی پہنتے تھے۔

(۹) عن أبي سلیط رضی اللہ عنہ أنه رأی علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قلنسوة أسماط لها آذان . (الآحادو المثانی لابن أبی عاصم:۳/ ۳۰۳، دار الرایة).

ترجمہ: ابوسلیط رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اونی اونچی ٹوپی دیکھی۔

(۱۰) عن مرقد رضی اللہ عنہ قال: أکلت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ورأیت علیه قلنسوة بیضاء في وسط رأسه . (رواه السکن فی المعرفة عن محمد بن سلام عن الحسن وذکره الشامی فی سبل الهدی :۷/ ۲۸٤، والحافظ فی الاصابة :۵/ ۲۰۷).

ترجمہ: حضرت فرقد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھایا آپ کے سر مبارک پر سفید ٹوپی تھی۔

(۱۱) عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال: رأیت النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم حین افتتح الصلاة رفع یدیه حیال أذنیه قال: ثم أتیتهم فرأیتهم یرفعون أیدیهم إلی صدورهم في افتتاح الصلاة وعلیهم برانس وأکسیة . (رواه ابوداود،رقم: ۷۲۸،کتاب الصلاة ، باب رفع الیدین فی الصلاة).

قلت: هذا إسناد رجاله ثقات إلا شریکاً ، وهو ابن عبد اللّٰہ القاضي، قال الشیخ بشار عواد: صدوق حسن الحدیث عند المتابعة...وخلاصة القول فیه إنه یتعین تتبع ما توبع علیه

فإنه يخاف أن يكون ضعيفاً عند التفرد لسوء حفظه وغلطه ، ولم يحتج به مسلم، وإنما أخرج له في المتابعات. قال ابن عدى: والغالب على حديثه الصحة والاستواء ... (تحريرالتقريب : ٢/ ١١٤) قلت: لكنه لم يتفرد به بل تابعه غيره كما سيأتي فالحديث صحيح وهذا إسناد حسن .

وفي رواية البيهقي: قال وائل: ثم أتيتهم في الشتاء فرأيتهم يرفعون أيديهم فى البرانس . (رواه البيهقى فى الكبرى:٢/ ٢٤/ ٢١٣٨، وابن خزيمة فى صحيحه، رقم: ٤٥٧، **قال الاعظمى: اسناده صحيح**، والنسائى فى المجتبى، رقم:١١٥٩، والحميدى فى مسنده ، رقم:٨٨٥).

وفي رواية الطبراني: عن وائل بن حجر ﷺ قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه في الشتاء فرأيتهم في البرانس والأكسية وأيديهم فيها. (اخرجه الطبرانى فى الكبير:٢٢/ ٤٠/ ٩٨). قال الهيثمي:ورجاله موثقون۔(مجمع الزوائد:٢/ ١٨٤/ ٢٢٢٦).

(وكذا أخرجه ابن المنذر فى أوسطه، رقم:١٢١٠، وتمام الرازى فى فوائده،٥٦٦، وابوالشيخ فى طبقات المحدثين، رقم: ١٠٣٢، والطحاوى فى شرح معانى الآثار،رقم: ١٠٧٢،باب رفع اليدين فى افتتاح الصلاة، **ولفظه:ثم أتيته من العام المقبل ، وعليهم الأكسية والبرانس فكانوا يرفعون أيديهم فيها**، وابن قانع فى معجم الصحابة : ٢/ ٣٣٠/ ١٣٧٢،باب الفاء).

البرانس: جمع برنس وهو كل ثوب رأسه منه ملتزق به ، وقيل: القلنسوة الطويلة .

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر ﷺ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جس وقت آپ نے نماز شروع فرمائی تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھایا۔اور فرماتے ہیں: پھر جب دوسری مرتبہ میں حاضر خدمت ہوا تو میں نے صحابہ کرام ﷺ کو دیکھا کہ وہ نماز شروع کرتے وقت (سردی کی وجہ سے) اپنے ہاتھ سینوں تک اٹھاتے تھے،اوران کے سروں پراس وقت لمبی ٹوپیاں تھیں اورانہوں نے چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔

فائدہ: ان روایات سے معلوم ہوا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نماز میں ٹوپیاں پہنا کرتے تھے۔اور برنس سر سے چپکی ہوئی ٹوپی یا لمبی ٹوپی کو کہتے ہیں۔

(١٢) أخرج ابن عساكر في ''تاريخ مدينة دمشق'' (٤/ ١٩٣،ط: دارالفكر) **بسنده عن**

عـائشة رضـي الـلّـه تـعـالىٰ عنها قالت: كان لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قلنسوة بيضاء لاطئة يلبسها .

وأورده السيوطى فى الجامع الصغير (۷۱٦۷) **و رمزله بالضعف .**

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سفید سر کے ساتھ چپکی ہوئی ٹوپی تھی جسے آپ پہنا کرتے تھے۔

(۱۳) عـن ابن عباس رضی اللہ عنہ قـال: كـان يـلـبـس الـقـلانـس تحت العمامة و بغير العمائم، ويـلـبـس العمائم بغير القلانس وكان يلبس القلانس اليمانية وهن البيض المضربة ، ويلبس ذوات الأذان فـي الـحـرب ، وكـان ربـمـا نزع قلنسوته فجعلها سترة بين يديه ، وهويصلى، وكـان من خُلقه يُسَمِّى سلاحه ، ودوابه ، ومتاعه . (اورده الامام السيوطى فى الجامع الصغير وعزاه الى الرويانى وابن عساكر و رمزله بالضعف، رقم: ۷۱٦۸، ومختصرتاريخ مدينة دمشق: ۱/۲۸۵).

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ کے نیچے ٹوپیاں پہنا کرتے تھے، اور بغیر عمامہ کے فقط ٹوپی بھی پہنا کرتے تھے، اور عمامہ بلا ٹوپی بھی پہنتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یمنی ٹوپیاں پہنا کرتے تھے، اور وہ ٹوپیاں سفید نگندے ڈائی ہوئی ہوتی تھیں، اور جنگ میں کانوں والی ٹوپیاں پہنتے تھے، اور کبھی (بیانِ جواز کے لیے) نماز پڑھتے وقت ٹوپی نکال کر سامنے سترہ بنادیتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ اپنے ہتھیار، سواری اور سامان کو نام سے موسوم فرمایا کرتے تھے۔

مذکورہ بالا روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قسم کی ٹوپیاں استعمال فرمائی ہیں، کوئی خاص ہیئت کی ٹوپی متعین نہیں تھی، اگر چہ مذکورہ بالا روایات میں سے اکثر روایات ضعیف ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ٹوپی پہننے کا ثبوت ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

(۱) أخـرج الطبراني فى الكبير (۲۰٥۲) **بسـنـده عـن عزة بنت عياض قالت: سمعت أباقرصافة قال: كساني رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم برنساً، وقال: البسه .**

قال الهيثمي: وفيه جماعة لم أعرفهم . (مجمع الزوائد: ٥/۲۲۳/۸٥٤٦). وقال ابن حجر: اسناده فيه من لايعرف (فتح البارى: ۱۰/۲۷۲).

ترجمہ: ابوقرصافہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لمبی ٹوپی پہنائی اور فرمایا: اسے پہن لیجئے۔

(۲) قال الإمام البخاری: باب السجود علی الثوب فی شدة الحر وقال الحسن: کان القوم یسجدون علی العمامة والقلنسوة ویداه في کمه . (صحیح البخاری:۱/۸٦، کتاب الصلاة).

وأخرجه موصولاً البیهقی فی الکبری (۲/۱۰٦)، **وابن أبي شیبة** (۱/۲٦٦)، **وعبد الرزاق فی المصنف** (۱/٤۰۰)، **وإسناده صحیح .**

ترجمہ: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمامہ اورٹوپی پرسجدہ کرتے تھے۔یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سخت گرمی کے موسم میں گرمی سے بچنے کے لیے عمامہ اورٹوپی پرسجدہ کیا کرتے تھے۔

(۳) وقال النخعی فی البرانس والطیالسة رأیتهم یصلون فیها ولایخرجون أیدیهم . (الاوسط لابن المنذر:۳/۱۸۱). **وکذا أخرجه البیهقی فی الکبری،** (رقم: ۲۷۸۱)، **وعبد الرزاق فی مصنفه،** (رقم:۱۵۷۱)، **وابن ابی شیبة** (۱/٤۰۱/۱۵۷۱).

ترجمہ: جلیل القدرتابعی حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام کولمبی ٹوپیوں اورچادروں میں نمازپڑھتے ہوئے دیکھاہے،اوروہ اپنے ہاتھ چادروں سے باہرنہیں نکالتے تھے۔

(۴) عن أبي کبشة الأنماري رضی اللہ عنہ قال: کانت کمام أصحاب النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم بطحاً. (رواه الترمذی،رقم:۱۷۸۲، واسناده ضعیف، والعقیلی فی الضعفاء الکبیر،رقم: ۸۷٤،وابوالشیخ الاصبهانی فی اخلاق النبی، رقم:۲٤۸) .

وفی روایة أکمة، وهما جمع کثرة وقلة. الکمة : القلنسوة ، یعنی أنها کانت منبطحة غیر منتصبة . (تاج العروس:۱/۷۸۸۳).

ترجمہ: حضرت ابوکبشہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضراتِ صحابہ کرام کی گول ٹوپیاں سرسے چپکی ہوئی ہوتی تھیں۔کمہ یعنی سرسے چپکی ہوئی تھی اٹھی ہوئی نہیں تھی۔

(۵، ٦، ۷) عن إبراهیم بن أبي عبلة قال: رأیت من أصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم عبد اللّٰہ بن عمرو، وعبد اللّٰہ بن أم حرام وواثلة بن الأسقع رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهم وغیرهم یلبسون البرانس. (اخرجه ابن عساکرفی تاریخ دمشق :٦/٤۳۳،والامام البخاری فی التاریخ الکبیر:٦/۳۰٦/۲٤۸۱،والخطیب البغدادی فی تاریخه:۳/۳۹۸/۱۵۲٤).

ترجمہ:حضرت ابراہیم بن ابی عبلہ فرماتے ہیں کہ میں صحابہ کرام میں سے حضرت عبداللہ بن عمرواور

عبداللہ بن ام حرام اور واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زیارت کی وہ لمبی ٹوپیاں پہنتے تھے۔

امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ٹوپی پہننے کا ثبوت:

(۸) **أخرج ابن أبي حاتم فی الجرح التعديل**(۹/۱۱۹/۵۰۰)**عن هناد بن سلمان القرشي روى عن أبيه أنه رأى على عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قلنسوة بيضاء مُضَرَّبَةً مبطنة ليس فيها حشو ولها زر في حلقه** . [مُضَرَّبَة: أی : قلنسوة ذات طاقين جُعلا على بعضهما وخِيْطا كذلک].

ترجمہ: سلمان قرشیؒ فرماتے ہیں امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے سر پر سفید نگندے ڈالی ہوئی تنگ ٹوپی دیکھی جس کے اندر کچھ روئی وغیرہ بھری ہوئی نہیں تھی، اور اس میں گھنڈی نما کوئی چیز تھی۔

امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ٹوپی پہننے کا ثبوت:

(۹) **حدثنا كيسان أبو عمر، قال: حدثني مولاى يزيدبن بلال قال: رأيت علياً رضی اللہ عنہ يتوضأ فخلل لحيته قال: ورأيت عليه قلنسوة بيضاء مضرَّبة** . (اخرجه ابوبشرالدولابی فی الكنى والاسماء، رقم:۲/۷٦۹/ ۱۳۲۸، دارابن حزم).

قلت: إسناده ضعيف لضعف كيسان و يزيد بن بلال. (انظر: تهذيب الكمال، وتحرير التقريب، وتقريب التهذيب).

ترجمہ: یزید بن بلال کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، آپ نے ڈاڑھی کا خلال فرمایا، اور میں نے آپ کے سر پر سفید نگندے ڈالی ہوئی ٹوپی دیکھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ٹوپی پہننے کا ثبوت:

(۱۰) **عن أبى البختري قال: أخبر رجل عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللہ عنہ أن قوماً يجلسون فی المسجد بعد المغرب فيهم رجل يقول: كبروا اللّٰه كذا وكذا سبحوا اللّٰه كذا وكذا واحمدوا اللّٰه كذا وكذا قال عبد اللّٰه: فيقولون قال: نعم، قال: فإذا رأيتهم فعلوا ذلک فأتني فأخبرني بمجلسهم فأتاهم وعليه برنس له فجلس ...الخ**. (اخرجه ابونعيم فی الحلية: ٤/۳۸۱).

فائدہ: اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب مسجد میں تشریف لائے تو آپ کے سر پر لمبی ٹوپی تھی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ٹوپی پہننے کا ثبوت:

(۱۱) عن عباد بن أبي سلمان قال: رأيت على أنس بن مالك قلنسوة بيضاء.

(اخرجه ابن سعد في الطبقات الكبرى: ٧/ ١٨، تسمية من نزل البصرة، دارصادر).

قال الإمام البخاري: باب البرانس وقال لي مسدد حدثنا معتمر سمعت أبي قال: رأيت على أنس رضي الله عنه برنساً أصفر من خز. (صحيح البخاري، كتاب اللباس: ٢/٨٦٣، ط: فيصل).

وفي "سداسيات الرازى" من طريق أم نهار قالت: كان أنس رضي الله عنه يمر بنا كل جمعة وعليه قلنسوة لاطئة. و معنى لاطئة: أى لاصقة بالرأس، إشارة إلى قصرها، وإنما حدثت القلانس الطوال في أيام الخليفة المنصور في سنة ثلاث وخمسين ومائة أو نحوها. (تعليقات الشيخ لطيف الرحمن القاسمى على مسندالامام الاعظم ابى حنيفةؒ: ١/ ١٢٨).

لیکن مسندابی حنیفہؒ کی بعض ضعیف مرفوع روایات میں لمبی ٹوپی کا ذکر آیا ہے۔

ترجمہ: عباد بن ابی سلمان کہتے ہیں کہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے سر پر سفید ٹوپی دیکھی۔

فائدہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص تھے دس سال آپ کی خدمت میں رہے چنانچہ ٹوپی آپ کے اتباع ہی میں پہنی ہوگی۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے سر سے چپکی ہوئی ٹوپی پہنتے تھے۔

امام بخاریؒ تعلیقاً روایت کرتے ہیں کہ سلمان تیمیؒ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سر پر زرد رنگ کی اونی لمبی ٹوپی دیکھی۔

ایک اور روایت میں ہے:

عن سعيد بن عبد الله بن ضرار قال: رأيت أنس بن مالك رضي الله عنه أتى الخلاء ثم خرج وعليه قلنسوة بيضاء مزرورة ...الخ. (مصنف عبدالرزاق: ١/ ١٩٠/ ٧٤٥).

حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے ٹوپی پہننے کا ثبوت:

(۱۲) أخرج الإمام أحمد في العلل ومعرفة الرجال (٦٩) قال: حدثنا أبوبكر بن عياش عن عبد الملك بن عمير قال: رأيت على أبي موسى الأشعرى رضي الله عنه برنساً.

ترجمہ: عبدالملک بن عمیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کے سر پر لمبی ٹوپی دیکھی۔

أخرج ابن أبي شيبة في مصنفه (٢٥٣٥٦) عن أشعث عن أبيه أن أبا موسى خرج من الخلاء، وعليه قلنسوة، فمسح عليها .

یعنی حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ بیت الخلاء سے باہر تشریف لائے، اور آپ نے ایک ٹوپی پہن رکھی تھی۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے ٹوپی پہننے کا ثبوت:

(۱۳) أخرج الإمام أبويعلى الموصلي التميمي في مسنده (٧١٨٣) قال: حدثنا سريج بن يونس أبوالحارث حدثنا هشيم عن عبد الحميد بن جعفر عن أبيه قال: قال خالد بن الوليد: اعتمرنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في عمرة اعتمرها فحلق شعره فاستبق الناس إلى شعره فسبقت إلى الناصية فأخذتها فاتخذت قلنسوة فجعلتها في مقدمة القلنسوة فما وجهت في وجه إلا فتح لي . قال حسين سليم أسد : رجاله ثقات غير أنه منقطع .

وأيضاً أخرجه الطبراني في الكبير (٣٨٠٤)، والحاكم في المستدرك (٥٢٩٩/٢٩٩/٣)، وقال الذهبي في التلخيص: منقطع. وابن عساكر في تاريخ مدينة دمشق (٢٤٦/١٦، ط:دارالفکر).

قال الهيثمي: رواه الطبراني وأبويعلى بنحوه ورجالهما رجال الصحيح وجعفر سمع من جماعة من الصحابة فلا أدري سمع من خالد أم لا . (مجمع الزوائد:٩/٥٨٢/١٥٨٨٢).

ترجمہ: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمرہ کیا، اس عمرہ میں آپ نے بھی بنفس نفیس عمرہ ادا فرمایا، عمرہ سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک کا حلق فرمایا، تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی طرف سبقت کرنے لگے، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشانی کے بالوں کو حاصل کرلیا، اور اپنی ٹوپی کے اگلے حصہ میں بالوں کو رکھدیا، پھر جب بھی مجھے کسی محاذ پر بھیجا گیا تو مجھے ان بالوں کی برکت سے فتح دی گئی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ٹوپی پہننے کا ثبوت:

(۱۴) أخرج الإمام البيهقي في الكبرى (٢٨٨) بسنده عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أنه كان إذا مسح رأسه رفع القلنسوة ومسح مقدم رأسه .

وأيضاً أخرجه الدارقطني في سننه (٥٥) .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب وضو فرماتے تو سر کے مسح کے وقت ٹوپی اتار کر سر کے اگلے حصہ کا مسح فرماتے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ٹوپی پہننے کا ثبوت:

(۱۵) أخرج الإمام أبوبكر بن أبي شيبة في مصنفه(۲۵۳۵۳) **قال: حدثنا أبومعاوية، عن هشام، قال: رأيت على ابن الزبير رضي الله عنه قلنسوة لها رف، كان يستظل بها إذا طاف بالبيت.**

وفي رواية له عنه قال: رأيت على ابن الزبير رضي الله عنه قلنسوة لها رف يعنى بُرْطُلَة [المظلة الصيفية]. (مصنف ابن ابی شیبۃ:۱۲/۵۴۵/۲۵۴۹۳).

وأيضاً أخرجه ابن الجعد في مسنده (۲۲۲۶)**، والفاكهي في أخبارمكة(۵۶۱)، والضياء المقدسي فى الأحاديث المختارة** (۳/۴۸۸/۳۱۰).

ترجمہ: ہشام بن عروہؒ کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے سر پر ایسی ٹوپی دیکھی جس پر بال تھے جب آپ بیت اللہ کا طواف کرتے تو اس ٹوپی سے سایہ کیا کرتے تھے۔دوسری روایت میں راوی رف کی تفسیر برطلہ سے کرتے ہیں یعنی موسم گرما کی چھوٹی چھتری۔جس سے گرمی سے بچنے کے لیے سایہ کرتے تھے۔

حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے کا ثبوت:

(۱۶) أخرج الإمام أبوداود في سننه (۹۴۹) **بسنده عن هلال بن يساف قال: قدمت الرقة فقال لي بعض أصحابي: هل لک في رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم قال: قلت: غنيمة، فدفعنا إلى وابصة قلت لصاحبي: نبدأ فننظر إلى دله فإذا عليه قلنسوة لاطئة ذات أذنين و برنس خز أغبر وإذا هو معتمد على عصا في صلاته ...الخ.**

وأيضاً أخرجه البيهقي فى الكبرى (۳۷۱۴)**، والحاكم في مستدركه** (۱/۳۹۷/۹۷۵) **وقال: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين غير أنهما لم يخرجا لوابصة بن معبد لفساد الطريق إليه.**

ترجمہ: ہلال بن یساف کہتے ہیں کہ جب میں رقہ شہر میں آیا تو میرے بعض ساتھیوں نے کہا کیا آپ صحابی رسول سے ملاقات کا شوق رکھتے ہیں، میں نے کہا بہت اچھا موقع ہے، پھر ہم حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، میں نے اپنے ساتھی سے عرض کیا سب سے پہلے ہم ان کی سیرت کو دیکھتے ہیں، جب

ہم نے دیکھا تو وہ اپنے سر پر چپکی ہوئی کانوں والی اور مٹیالے رنگ کی ٹوپی پہنے ہوئے تھے، اور لاٹھی کے سہارے نماز پڑھ رہے تھے۔

تابعین اور فقہاء سے ٹوپی پہننے کا ثبوت:

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں چند آثار مذکور ہیں:

(۱) عن عبد اللّٰہ بن سعید قال: رأیت علی علي بن الحسین قلنسوۃ بیضاء مضربۃ.

یعنی عبداللہ بن سعید کہتے ہیں کہ میں علی بن حسین زین العابدینؒ کے سر پر سفید نگندے ڈالی ہوئی ٹوپی دیکھی۔

(۲) عن یزید قال: رأیت علی إبراھیم قلنسوۃ مکفوفۃ بثعالب أو سَمُّور.

ترجمہ: یزید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم نخعیؒ کے سر پر لومڑی یا سمور جانور کے بال سے بنی ہوئی ٹوپی دیکھی۔

(۳) عن الأجلح قال: رأیت علی الضحاک قلنسوۃ ثعالب.

ترجمہ: اجلح کہتے ہیں کہ میں نے ضحاک کے سر پر لومڑی کی کھال سے بُنی ہوئی ٹوپی دیکھی۔

(۴) عن إسماعیل قال: رأیت علی شریح برنساً. (مسندابن الجعد،رقم:۱٦۷).

ترجمہ: اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے قاضی شریحؒ کے سر پر لمبی ٹوپی دیکھی۔

(۵) عن أبي شھاب قال: رأیت علی سعید بن جبیرؒ برنساً. (مصنف ابن ابی شیبۃ:۱۲/ ۵۱۰_۵٤٦،رقم الحدیث: ۲۵۳۵۲_ ۲۵۳۵۵، ط: المجلس العلمی).

ترجمہ: ابوشہاب کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیرؒ کے سر پر لمبی ٹوپی دیکھی۔

(٦) وضع أبوإسحاق قلنسوتہ فی الصلاۃ ورفعھا. (رواہ البخاری تعلیقاً، باب استعانۃ الید فی الصلاۃ:۱/ ۱۵۹، فیصل).

ترجمہ: ابواسحاق سبیعیؒ نے نماز میں اپنی ٹوپی اتار کر رکھ دی اور پھر پہن لی۔

(۷) عن محمد بن أحمد بن حسین بن ربیع یقول: رأیت ابن المبارک یقاتل في أرض في یوم شدید الحر وقد وقع قلنسوتہ عن رأسہ. (أخرجہ البیھقی فی شعب الایمان:۳/ ۱٦۷/ ۲۹٦۵).

(۸) عن عبد الرحمن بن عمارة بن عقبة بن أبي معيط قال: كنت فيمن حضر الأحنف بن قيس ومات بالكوفة، فلما وضعناه في قبره وسوينا عليه سقط قلنسوتي فأهويت لأخذها وإذا هو في فسح في قبره مد بصره. (اخرجه ابوالشيخ فی طبقات المحدثين: ۱/۱۰۶/۷۴،الطبقة الثانية).

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن عمارہ کہتے ہیں کہ میں حضرت احنف بن قیس کے جنازہ میں شریک تھا جن کا کوفہ میں انتقال ہوا تھا، جب ہم نے ان کو قبر میں اتارا اور مٹی ڈالی تو میری ٹوپی گرگئی، تو میں اپنی ٹوپی لینے کے لیے قبر میں جھکا تو کیا دیکھتا ہوں ان کی قبر منتہیٰ بصر وسیع اور کشادہ ہے۔

(۹) وقال معاذ بن معاذ: رأيت على ابن عون برنساً من صوف رقيقاً حسناً، قال: هذا اشتريته من تركة أنس بن سيرين كان لابن عمر ﷺ فكساه إياه. (تاريخ الاسلام للامام الذهبی: ۹/۴۶۲، دارالكتاب العربی).

وأيضاً أخرجه ابن سعد فی الطبقات الكبری (۷/۲۶۷،دارصادر،بيروت)،**وسير أعلام النبلاء** (۶/۳۷۰، مؤسسة الرسالة).

ترجمہ: معاذ بن معاذ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ابن عون کو ایک عمدہ باریک اونی ٹوپی پہنے ہوئے دیکھا، ابن عون نے کہا یہ ٹوپی میں نے انس بن سیرینؒ کے ترکہ سے خریدی ہے، یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ٹوپی تھی انہوں نے انس بن سیرینؒ کو پہنایا تھا۔

(۱۰،۱۱) أخرج ابن أبي شيبة في مصنفه (۲۷۵۲) **بسنده عن أبي إسحاق، قال: كان علقمةؒ، ومسروقؒ يصلون في برانسهم ومستقاتهم، ولايخرجون أيديهم.**

ترجمہ: ابواسحاق کہتے ہیں کہ علقمہؒ اور مسروقؒ اپنی ٹوپیوں اور جبوں میں نماز پڑھتے تھے، ہاتھوں کو باہر نہیں نکالتے تھے۔

(۱۲،۱۳) عن الحسن بن عبيد اللّٰه، قال: رأيت الأسود يصلي فی برنس طيالسه يسجد فيه، ورأيت عبد الرحمن يعنى ابن يزيد، يصلي في برنس شامي يسجد فيه. (مصنف ابن ابی شيبه: ۲۷۴۷).

ترجمہ: حسن بن عبیداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اسود کو دیکھا اپنی چادر والی ٹوپی میں نماز پڑھتے تھے اور سجدہ بھی اسی میں کرتے تھے، اور عبدالرحمٰن بن یزید کو بھی دیکھا اپنی شامی ٹوپی میں سجدہ کررہے تھے۔

(۱۴، ۱۵) عن عتبة بن المنذر قال: رأيت أبا أمامة ﷺ صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم شيخ قصير... ورأيت على أبي أمامة وأبي رهم، وعمر بن عبد العزيزؒ قلانس بيض صغاراً. (الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم: ۲/۴۲۳/۱۲۳۵).

ترجمہ: عتبہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوامامہؓ ابورہمؒ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے سروں پر سفید چھوٹی ٹوپیاں دیکھیں۔

(۱۶) وقال روح: عن ابن عون قال: رأيت على الشعبيؒ قلنسوة خز خضراء. (تاریخ الاسلام للامام الذہبی: ۷/۱۳۰، ط: دار الکتاب العربی، و الطبقات الکبری: ۶/۲۵۳).

ترجمہ: ابن عون کہتے ہیں کہ میں نے امام شعبیؒ کے سر پر سبز رنگ کی اونی ٹوپی دیکھی۔

(۱۷) عن سلمان بن حرب حدثنا وهيب قال: سمعت أيوب وذكر القاسم بن محمد قال: رأيت عليه قلنسوة خز وما رأيت رجلاً أفضل منه. (اخرجہ ابن عساکر فی تاریخ دمشق: ۴۹/۱۶۷).

ترجمہ: ایوب نے قاسم بن محمد کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ میں نے ان کے سر پر اونی ٹوپی دیکھی اور ان سے بہتر شخص کسی کو نہیں دیکھا۔

(۱۸) قال القعنبي: رأيت على مالك قلنسوة خز خضراء. (اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان: ۵/۱۶۵/۵۷۹۶).

ترجمہ: قعنبی نے کہا کہ میں نے امام مالکؒ کے سر پر سبز رنگ کی اونی ٹوپی دیکھی۔

(۱۹) عن عفان بن مسلم قال: كان حماد بن زيد يلبس قلنسوة بيضاء طويلة لطيفة.

(الطبقات الکبری لابن سعد: ۷/۲۸۶، الطبقة السادسة).

ترجمہ: عفان بن مسلم کہتے ہیں کہ حماد بن زید سفید لمبی ہلکی ٹوپی پہنتے تھے۔

(۲۰) وقال عبد الرحمن بن محمد بن المغيرة: رأيت أباحنيفة شيخاً يفتي الناس بمسجد الكوفة، عليه قلنسوة سوداء طويلة. (تاریخ الإسلام للذہبی ۹/۳۰۸، و سیر اعلام النبلاء: ۶/۳۹۹).

ترجمہ: عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ کو بوڑھاپے میں دیکھا کوفہ کی مسجد میں لوگوں کو فتویٰ

دیتے تھے اور آپ پر سیاہ لمبی ٹوپی تھی۔

(۲۱) عن عفان بن مسلم قال: کان أبوعوانة يلبس قلنسوة . (الطبقات الکبری: ۲۸۷/۷، دار صادر).

ترجمہ: عفان بن مسلم کہتے ہیں کہ ابوعوانہؒ ٹوپی پہنا کرتے تھے۔

(۲۲) عن أبي نعيم قال: رأيت داود الطلائی، وکان من أفصح الناس، وأعلمهم بالعربية يلبس قلنسوة طويلة سوداء . (تاریخ اسلام للامام الذهبی: ۱۷۹/۱۰، وسیر اعلام النبلاء: ٤٢٤/٧).

ترجمہ: ابونعیم کہتے ہیں کہ میں نے داود طائی کو دیکھا، سب سے زیادہ فصیح اللسان تھے، اور لوگوں میں سب سے زیادہ علم عربی پر عبور رکھتے تھے، وہ سیاہ لمبی ٹوپی پہنا کرتے تھے۔

(۲۳) عن عبدان قال: حدثنا أبويسارقال: رأيت الحسنؒ أبيض الرأس واللحية، ورأيت عليه کمة بيضاء . (اتحاف الخيرة المهرة: ٤/٥٠٣/٤٠٢٥، والمطالب العالية: ٦/٤٨١/٢٣٠٠).

ترجمہ: ابو یسار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصریؒ کو دیکھا سر اور ڈاڑھی کے بال سفید تھے، اور آپ کے سر پر سفید ٹوپی تھی۔

فقہائے کرام کی عبارات سے ٹوپی پہننے کا ثبوت:

ملاحظہ ہو علامہ فخر الدین الزیلعیؒ فرماتے ہیں:

ولا بأس بلبس القلانس لما روی أن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم کان له قلانس يلبسها، وقد صح ذکره فی الذخيرة . (تبيين الحقائق: ٢٢٨/٦، مسائل شتی، امداديه).

(وکذا ذکره ابن نجيم المصریؒ فی البحر الرائق: ۵۵۵/۸، ط: بيروت، والعلامة الحصکفی فی الدرالمختار: ۷۵۵/۲، سعيد، والعلامة ابن عابدين الشامی فی رد المحتار: ۳۵۴/۶، ط: سعيد، وکذا فی الفتاوی الهندية: ۳۳۰/۵، ومجمع الأنهرفي شرح ملتقى الأبحر: ۴۹۱/۴، مسائل شتیٰ، ط: بيروت).

علامہ سلیمان الجمل الشافعی فرماتے ہیں:

ولا بأس بلبس القلنسوة اللاطئة بالرأس والمرتفعة المُضَرَّبَة وغيرها تحت العمامة وبلا عمامة لأن کل ذلک جاء عنه صلی اللّٰه عليه وسلم وبقول الراوي وبلا عمامة قد يتأيد

بعض ما اعتاده بعض النواحي من ترک العمامة من أصلها وتمييز علمائهم بطيلسان على قلنسوة بيضاء لاصقة بالرأس، لكن بتسليم ذلک الأفضل ما عليه ما عدا هؤلاء من الناس من لبس العمامة لعذبتها و رعاية قدرها و كيفيتها السابقين. (حاشية الجمل على المنهج :۳/ ۴۸۷،ط: دارالفکر).

(وكذا في حواشي الشرواني والعبادي : ۳۶/۳،وتحفة المحتاج في شرح المنهاج : ۱۱۱/۱۰،وحاشية الرملي:۳۱۹/۲).

نماز وغیر نماز میں ٹوپی پہننا سنتِ متوارثہ ہے اور ننگے سر رہنا خلافِ مروت ہے:

علماء کے اقوال ملاحظہ کیجئے:

سئل مالک رحمه الله عن القلانس، هل كانت قديمة ومن أول من أحدثها؟ قال: كانت في زمان النبي صلى الله عليه وسلم، وقبل ذلک فيما روى. (البيان والتحصيل لابن رشد القرطبي المالكي: ۱۹/۱۷، دارالغرب الاسلامي، بيروت،لبنان).

قال الشيخ عبد الرؤف المناوي رحمه الله في فيض القدير: قال ابن العربي رحمه الله: القلنسوة من لباس الأنبياء والصالحين والسالكين تصون الرأس وتمكن العمامة وهي من السنة وحكمها أن تكون لاطئة لامقبية الا أن يفتقر الرجل إلى أن يحفظ رأسه عما يخرج منه من الأبخرة فيقيها ويثقب فيها فيكون ذلک تطيباً. (فيض القدير: ۳۱۴/۵،دارالكتب العلمية، وكذا في الفجر الساطع على الصحيح الجامع لمحمد الفضل الشبيهي:۱۰۳/۸، والشمائل الشريفة ،للامام السيوطي ،ص ۳۷۱،ط: دار طائر العلم).

قال أبو الفرج عبد الرحمن الجوزي (م۵۹۷ھ)**: ولايخفى على عاقل أن كشف الرأس مستقبح وفيه إسقاط مروءة وترک أدب وإنما يقع في المناسک تعبداً وذلاً له.** (تلبيس ابليس ،ص ۲۳۲،الباب العاشر في ذكر تلبيسه على الصوفية،ط:دارالفكر).

علامہ محمد زاہد الکوثری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أما صلاة المصلي و هو حاسر الرأس من غير عذر فصحيحة إذا كانت مستجمعة للشروط والأركان، لكنها خلاف السنة المتوارثة والعمل المتوارث في كل بقعة من بقاع المسلمين على توالي القرون وتشبه بأهل الكتاب فإنهم يصلون وهم حسر الرؤوس كما

هو مشهود، ونبذ للزينة التي أمر المسلمون بأخذها عند كل مسجد وصلاة ...ولا شک أن المرأ لا يخرج إلى من يحترمه وهو حاسر الرأس في عادة المسلمين خلفاً عن سلف فتكره صلاته وهوحاسر الرأس...ولا شک أن لفظ الزينة يتناول غطاء الرؤوس تناولاً أولياً فيكون مأموراً به فی الآية ...وقد استقصى المحدث السيد محمد بن جعفر الكتانیؒ فی "الدعامة" ذكر الأحاديث الدالة على مبلغ مواظبته صلى اللّٰه عليه وسلم على لبس القلانس بعمامة وبدون عمامة، وأقوال أهل العلم في ذلک، فليراجع...وزد على ذلک أن كشف الرأس فی الصلاة أصبح شعاراً لطائفة من مبتدعة اليوم فينبذ نبذاً بعداً عن التشبه بهم و الحاصل أنه لم يثبت عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه صلى حاسر الرأس من غير عذر حتى نقتدى به صلى اللّٰه عليه وسلم في كشف الرأس فی الصلاة. (مقالات الامام الكوثری، ص ۱۷۰ ـ ۱۷۲،ط: دارشمسی للنشر، كراتشی). واللہ ﷻ اعلم۔

سر پر عربی رومال ڈالنے کا حکم:

سوال: یہ عرب حضرات جو رومال استعمال کرتے ہیں وہ کہاں سے ثابت ہے؟ اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟ مع حوالہ مفصل ومدلل فرما دیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمادے۔

الجواب: احادیث میں آتا ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرۂ انور اور سر مبارک پر کپڑا ڈالا ہے، متعدد واقعات اس پر شاہد ہیں، البتہ شراحِ حدیث نے اس کے مختلف اسباب بیان کیے ہیں، بعض نے کہا کہ تیل سے بچاؤ کی وجہ سے استعمال کیا، بعض نے کہا گرمی، سردی سے حفاظت کی وجہ سے اور بعض کہتے ہیں کہ دشمن سے چہرہ چھپانے کی غرض سے سر اور چہرہ پر کپڑا ڈالا تھا۔ روایات ملاحظہ فرمائیے:

(۱) روى البخارى في صحيحه (۲/ ۵۵۳، باب هجرة النبى صلى الله عليه وسلم، فيصل) عن عروة بن الزبير أن عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها زوج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قالت: لم أعقل أبوي قط إلا وهما يدينان الدين ولم يمر علينا يوم إلا يأتينا فيه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم طرفي النهار بكرة وعشية...قال عروة: قالت عائشةؓ: فبينما نحن يوماً جلوس فی بيت أبي بكرؓ في نحر الظهيرة قال قائل لأبي بكر: هذا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم

متقنعاً في ساعة لم يكن يأتينا فيها...الخ .

(۲)أخرج الترمذی فی " الشمائل"(ص۳، باب ماجاء فی ترجل رسول الله صلى الله عليه وسلم ،و ص ۸، باب ماجاء فی تقنع رسول الله صلى الله عليه وسلم،فيصل) عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يكثر دهن رأسه وتسريح لحيته ويكثر القناع حتى كأن ثوبه ثوب زيات .

(۳)أخرج الإمام أحمد في "مسنده" (۲٦۲۹) عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنه خرج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم متقنعاً في ثوب، فقال: أيها الناس إن الناس ليكثرون وإن الأنصار يقلون ، فمن ولي منكم أمراً ينفع فيه أحداً فليقبل من محسنهم ويتجاوز عن مسيئهم. قال شعيب إسناده جيد .

(۴)أخرج ابن أبي يعلى في مسنده (۳٦۹۰) عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: خرج علينا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ذات يوم وهو غضبان ونحن نرى أن معه جبريل عليه السلام حتى صعد المنبر فما رأيت يوماً كان أكثر باكياً متقنعاً ...الخ .

(۵)روى الطبراني في الكبير (۸٦۲۹) عن قيس بن أبي حازم قال: ذكر لابن مسعود رضي الله عنه قاص يجلس بالليل ويقول للناس قولوا كذا ، فقال: إذا رأيتموه فأخبروني فجاء عبد اللّٰه متقنعاً ...الخ .

(٦)ذكر الحكيم الترمذي في نوادر الأصول (۲/۳۵۱، بيروت) عن ابن عمر رضي الله عنه عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: الالتفاع لبسة أهل الإيمان ، الالتفاع الالتحاف بالثوب متقنعاً و هو أستر وكان صلى اللّٰه عليه وسلم يكثر التقنع وذلك للحياء من اللّٰه تعالىٰ لأن الحياء في العين والفم وهو من عمل الروح وسلطانه في الرأس ثم هو متفش في جميع الجسد وروى أن من أخلاق النبيين التقنع وهذا من آداب الأنبياء والأولياء عليهم السلام .

شراحِ حدیث کی توجیہات ملاحظہ فرمایئے:

مقنعاً بثوبه والظاهر أنه كان متغشياً به فوق العمامة لاتحتها لأنه كان مستخفياً من

أهل مكة متوجهاً إلى المدينة. (جمع الوسائل فی شرح الشمائل: ۱/۱۷۷،اداره تالیفات).

وبهامشه قال: قال أبوزرعة: التقنع معروف وهو تغطية الرأس وأكثر الوجه برداء ونحوه وقال بعضهم التقنع إلقاء القناع أى الخرقة على الرأس لتقى نحو العمامة عما بها من دهن، انتهى، وظاهر القاموس أنه أعم من أن يكون لدهن أوغيره كان وقاية من حر أو برد فوق العمامة أو تحتها لكن يؤيد كونها فوقها أن المصطفى صلى الله عليه وسلم أتى بيت الصديق في قصة الهجرة فى القائلة متقنعاً بثوبه لئلا يعرفه أحد والظاهر أنه كان متغشياً به فوق العمامة لا تحتها. (حاشية جمع الوسائل للشيخ عبد الرؤوف المناوى:۱/۱۷۷).

عمدۃ القاری میں ہے:

التقنع وهو: تغطية الرأس، وأكثر الوجه برداء أو غيره ... وفى التوضيح: والتقنع للرجل عند الحاجة مباح، وقال ابن وهب: سألت مالكاً عن التقنع بالثوب، فقال: أما الرجل الذى يجد الحر والبرد أو الأمر الذى له فيه عذر فلا بأس به، وأما لغير ذلك فلا.

(عمدة القارى: ۱۵/۲۳،باب التقنع،ط: دارالحديث).

عون المعبود میں ہے:

متقنعاً أى مغطياً رأسه بالقناع أى بطرف ردائه على ما هو عادة العرب لحر الظهيرة ويمكن أنه أراد به التستر لكيلا يعرفه كل أحد...وفيه دلالة على مشروعية التقنع. (عون المعبود:۱۱/۹۲،بیروت).

جمع الوسائل کے حاشیہ شیخ مناوی فرماتے ہیں:

تتمة: كثر كلام الناس فى الطيلسان والحاصل أنه قسمان محنك وهو ثوب طويل عريض قريب من الرداء مربع يجعل فوق العمامة يغطى أكثر الوجه ثم يدار طرفه والأولى اليمين من تحت الحنك إلى أن يحيط بالرقبة جميعها ثم يلقى طرفاه على المنكبين ومقور وهو ما عدا ذلك فيشمل المدور والمثلث والمربع والمسدول وهو ما يرخى طرفاه من غير ضمهما أو إحداهما...والأول مندوب اتفاقاً ويتأكد لصلاة وحضورجمعة وعيد ومجمع، والثاني بأنواعه مكروه...وصح عن ابن مسعود رضي الله عنه وله حكم المرفوع التقنع من

أخلاق الأنبياء ...وفي خبر لايتقنع إلا من استكمل الحكمة ...ينبغي أن يكون للعلماء شعار مختص بهم ليعرفوا ليسئلوا . (حاشيةجمع الوسائل في شرح الشمائل: ١٧٧).

شمائل کبریٰ میں ہے:

ویسے آپ گرمی سے بچنے کے لیے سر مبارک پر کپڑا ڈال لیا کرتے تھے۔(شمائل کبریٰ:۱/۱۶۵)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے:

کبھی آپ ٹوپی اور عمامہ کے اوپر بھی رومال کے مانند کوئی کپڑا ڈال لیتے تھے۔چنانچہ امام بخاری نے باب التقنع میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے،عموماً دھوپ سے بچاؤ کے لیے ہوتا تھا۔چنانچہ حدیث ہجرت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے پاس دوپہر کو تشریف لائے اور سر کو کپڑے سے ڈھانکے ہوئے تھے۔

یہی سنت متوارث اہل علم میں چلی آرہی ہے کہ رومال وغیرہ سر پر رکھتے ہیں۔(شمائل کبریٰ:۱/۱۷۳)۔

مذکورہ بالا احادیث اور شروحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض احوال میں چادر یا کپڑا سر مبارک پر رکھا تھا نیز بعض روایات میں آتا ہے کہ تیل سے حفاظت کے لیے بھی کپڑا رکھتے تھے،لیکن اس کی وجہ سے عرب کا معتاد رومال ثابت نہیں ہوتا،ہاں چادر کا اثبات ضرور ہوتا ہے، جو سر اور کندھوں پر ہو۔ممکن ہے کہ ابتدا میں گرمی سردی سے بچاؤ کے لیے استعمال کیا گیا ہو بعد میں رواج بن گیا ہو۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ :

﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم
ويحفظوا فروجهم ذلك أزكى لهم
إن اللّٰه خبير بما يصنعون.
وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن
ويحفظن فروجهن ولايبدين زينتهن
إلا ماظهر منها وليضربن بخمرهن على جيوبهن﴾ (سورة النور).

فصل سوم

حجاب اور پردہ کے احکام کا بیان

عن عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إياكم والدخول على النساء. (متفق عليه).

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:
على كل نفس من ابن آدم كتب حظ من الزنا أدرك ذلك لا محالة
فالعين زناها النظر والرجل زناها المشي والأذن زناها السماع
واليد زناها البطش واللسان زناه الكلام
والقلب يتمنى ويشتهي ويصدق ذلك أو يكذبه الفرج.

(أخرجه الحاكم في المستدرك).

فصل سوم

حجاب اور پردہ کے احکام کا بیان

عورت کے چہرہ کے پردہ کا حکم:

سوال: عورت کے لیے اپنے چہرہ کا پردہ کہاں سے ثابت ہے؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ عورت کے چہرہ کا پردہ ضروری نہیں ہے؟ آپ قرآن، حدیث کی روشنی میں مسئلہ سمجھا دیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: قرآنِ کریم، احادیث اور فقہاء کرام کی عبارات کی روشنی میں عورت کے چہرے کا پردہ ثابت ہوتا ہے۔ دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وإذا سألتموهن متاعاً فاسئلوهن من ورآء حجاب، ذلكم أطهر لقلوبكم وقلوبهن﴾ (سورة الاحزاب:۵۳).

هذه هي آية الحجاب، نزلت في ذى القعدة سنة خمس من الهجرة، وهي تعم بإطلاقها حجاب جميع الأعضاء بما فيها الوجه والكفان، لا تستثنى عضواً من عضو. (ادلة الحجاب، ص ۲۵۱، للدكتور محمد احمد اسماعيل المقدم، ط: دار الايمان).

اگر چہرہ کا پردہ ضروری نہ ہوتا تو پھر "من وراء حجاب" کی کیا ضرورت تھی، پھر سامنے آنے میں بھی کوئی حرج نہیں تھا۔

(۲) قال تعالیٰ: ﴿يا أيها النبي قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن، ذلك أدنى أن يعرفن فلا يؤذين، وكان اللّٰه غفوراً رحيماً﴾ (سورة الاحزاب: ۵۹).

"الجلابيب" جمع جلباب وهو على ما روي عن ابن عباس رضی اللہ عنہ الذي من فوق على أسفل

وفی الكشاف: ومعنى "يدنين عليهن من جلابيبهن"... يقال: إذا زل الثوب عن وجه المرأة: أدنى ثوبک على وجهک . والظاهر أن المراد بـ عليهن على جميع أجسادهن و قيل: على رؤوسهن أو على وجوههن ، لأن الذي كان يبدومنهن فی الجاهلية هوالوجه ، انتهى .

قال ابن كثيرؒ : " والجلباب " هو الرداء فوق الخمار قاله ابن مسعودؓ وعبيدةؒ و قتادةؒ و الحسن البصریؒ و سعيد بن جبيرؒ و إبراهيم النخعيؒ وعطاء الخراسانيؒ وغير واحد ... إلى قوله : قال علي بن أبي طلحة عن ابن عباسؓ : أمر الله نساء المؤمنين إذا خرجن من بيوتهن في حاجة أن يغطين وجوههن من فوق رؤوسهن بالجلابيب ويبدين عيناً واحدة .

(تفسیرابن کثیر : ۵٦٩/۳،ط:مکتبة دارالسلام).

روح المعانی میں ہے:

وقال محمد بن سيرين: سألت عبيدة السلمانيؒ عن هذه الآية فرفع ملحفة كانت عليه فتقنع بها وغطى رأسه كله حتى بلغ الحاجبين وغطى وجهه وأخرج عينه اليسرى من شق وجهه الأيسر... و قال ابن عباسؓ و قتادةؒ : تلوى الجلباب فوق الجبين و تشده ثم تعطفه على الأنف وإن ظهرت عيناها لكن تستر الصدر ومعظم الوجه . و في رواية أخرى عن ابن عباسؓ رواها ابن جرير، وابن أبي حاتم، وابن مردويه: تغطي وجهها من فوق رأسها بالجلباب وتبدى عيناً واحدة . (روح المعانی : ۸۹/۲۲).

وفي قصة الإفک عن عائشة رضی اللّٰه تعالىٰ عنها وفيه أنها نامت بعد ذهاب القوم وجاء صفوان السلمي قالت: فرأى سواد إنسان نائم فأتاني فعرفني فاستيقظت باسترجاعه قالت: فخمرت وجهي بجلبابي ، لأن ذلک كان بعد نزول آية الحجاب . (احکام القرآن : ۴۵۱/۳ ، نقلاً عن السيرة الحلبية :۸۲/۲).

وقال الإمام أبوبكر الجصاص في تفسير قوله تعالىٰ: يدنين عليهن من جلابيبهن : في هذه الآية دلالة على أن المرأة الشابة مأمورة بستر وجهها عن الأجنبيين ، وإظهار الستر والعفاف عند الخروج لئلا يطمع أهل الريب فيهن . (احکام القرآن: ۳۷۲/۳، ط:سہیل).

(۳) قوله تعالىٰ:﴿ وقرن في بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولىٰ...الخ ﴾.

(الأحزاب:۳۲ ـ ۳۳).

قال الإمام أبوبكر الجصاص: يعنى إذا خرجتن من بيوتكن . (احكام القرآن: ۳/ ۳۶۰،ط: سهيل).

قال الإمام القرطبي: فإن مست الحاجة إلى الخروج فليكن على تبذل وتستر تام . (الجامع لاحكام القرآن:۱۴/ ۱۸۰).

لا يقال: إن هذا قد يكون حكماً خاصاً بزوجات الرسول عليه الصلاة والسلام لأن الفرق بين زوجات النبي صلى الله عليه وسلم وسائر نساء المسلمات فيما يتعلق بالحجاب إنما هو فارق زمني فقط، ذلک أن مشروعية الحجاب تمت في حق نسائه عليه الصلاة والسلام أولاً ، ثم إنها عمت سائر النساء بعد حين. (حاشية ادلة الحجاب،ص۳۴۵).

(۴) قال الله تعالىٰ : ﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم ذلک أزكى لهم إن الله خبير بما يصنعون. وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن ولايبدين زينتهن إلا ماظهر منها﴾ (سورة النور).

وذكر الإمام ابن الجوزیؒ في تفسير قوله تعالىٰ : ﴿ إلا ما ظهر منها﴾ سبعة أقوال ، والقول الأشبه فيها إنها الثياب . راجع : (زاد المسير:۶/ ۳۱، و أدلة الحجاب،ص۲۸۳ ـ ۳۱۰).

(۵) قوله تعالىٰ : ﴿ وليضربن بخمرهن على جيوبهن﴾ (النور:۳۱).

وهذا يتضمن أمر النساء بتغطية وجوههن ورقابهن . (أدلة الحجاب،ص ۳۱۰).

(۶) قوله تعالىٰ : ﴿ولا يضربن بأرجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن ﴾ (النور:۳۱).

إن دلالة الآية على الحجاب الكامل أظهر وأقوى من الآيات السابقة ، وذلک لأن إثارة الفتنة بسماع صوت الخلخال فى الرجل إذا ضربت المرأة برجلها وهي تمشي أقل بكثير من فتنة النظر إلى وجهها وسماع حديثها، فإذا حرم الله تعالىٰ بهذه الآية على المرأة أن تضرب الأرض برجلها خشية أن يسمع صوت حليها فيفتن به سامعه كان تحريم النظر إلى وجهها ـ وهو محط محاسنها ـ أولىٰ وأشد حرمة . (ادلة الحجاب،ص۳۱۶).

(۱) أخرج النسائي بسنده عن عبد الملک بن مروان بن الحارث بن أبي ذباب قال: أخبرني أبوعبد الله سالم سبلان قال: وكانت عائشة رضؓ تستعجب بأمانته وتستأجره ...قال

سالم : كنت آتيها مكاتباً ما تختفي مني فتجلس بين يدي وتتحدث معي حتى جئتها ذات يوم فقلت: ادعي لي بالبركة يا أم المؤمنين، قالت: وما ذاك ، قلت: أعتقني الله، قالت: بارك الله لك وأرخت الحجاب دوني فلم أرها بعد ذلك اليوم . (رقم: ١٠٠،باب مسح المرأة رأسها، ط: مكتب المطبوعات الاسلامية ،حلب).

(٢) عن أم سنان الأسلمية قالت: لما نزلنا المدينة لم ندخل منازلنا حتى دخلنا مع صفيةؓ منزلها، وسمع بها نساء المهاجرين والأنصار، فدخلن عليها متنكرات، فرأيت أربعاً من أزواج النبي صلى الله عليه وسلم متنقبات: زينب بنت جحشؓ، وحفصةؓ، وعائشةؓ، وجويريةؓ... الحديث. (الطبقات الكبرى لابن سعد:١٢٦/٨، ط: دار صادر بيروت).

(٣)عن أنس بن مالكؓ أن أم سليمؓ صنعت حيساً ، وأرسلت به إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم بمناسبة زواجه من زينب بنت جحشؓ، فدعا رسول الله صلى الله عليه وسلم أصحابه وجلسوا يأكلون ويتحدثون، و رسول الله صلى الله عليه وسلم جالس، وزوجته مولية بوجهها إلى الحائط إلى أن خرجوا. (رواه مسلم ، ١٤٢٨).

(٤) عن عائشةؓ قالت: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يسترني بردائه ، وأناْ أنظر إلى الحبشة يلعبون في المسجد، حتى أكون أناْ التي أسأم ، فاقدروا قدر الجارية الحديثة السن الحريصة على اللهو. (أخرجه البخاری (٧٨٨/٢، باب نظر المرأة الى الحبش) ، ومسلم (٢٢/٣)، النسائی (٢٣٦/١)، والبیهقی (٩٢/٧)، واحمد (٨٤/٦ـ٨٥).

(٥) عن نبهان مولى أم سلمةؓ أنه حدثه أن أم سلمة حدثته أنها كانت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، و عندها ميمونةؓ، فأقبل ابن أم مكتومؓ ، وذلك بعد أن أمرنا بالحجاب ، فقال النبي صلى الله عليه وسلم:" احتجبا منه" فقلنا : يا رسول الله أليس أعمى لايبصرنا ولا يعرفنا؟ فقال النبي صلى الله عليه وسلم: " أفعمياوان أنتما ؟ ألستما تبصرانه"؟

(رواه الترمذی فی الادب، رقم:٢٧٧٩ ، وقال: حديث حسن صحيح ، وأبوداود وأحمد).

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: إسناده ضعيف ،نبهان مولى أم سلمة: لم يوثقه غير المؤلف ، ولم يرو عنه غير الزهري ومحمد بن عبد الرحمن، وقال أحمد: نبهان روى حديثين عجيبين يعني هذا

الحديث وحديث :" إذا كان لإحداكن مكاتب فليحتجب منه " ونقل صاحب المبدع (۱۱/۷) تضعيفه عن أحمد ، وقال ابن عبد البر : نبهان مجهول لايعرف إلا برواية الزهرى عنه، وقال ابن حزم فيما نقله الذهبي عنه في المغنى (۶۹۴/۲): مجهول ، وفى التقريب : مقبول يعنى حيث يتابع وإلا فهو لين الحديث، ومتن الحديث معارض بأحاديث صحاح كما سيأتى...الخ. (صحيح ابن حبان:رقم: ۵۵۷۵)، قال حسين أسلم أسد : إسناده جيد. (مسند ابى يعلى ، رقم: ۶۹۲۲)، قال عبد الغفور البلوشي: إسناده قوى. (مسند اسحاق بن راهويه).

(۲) عن أنس رضی اللہ عنہ في قصة زواج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من صفيةؓ، فقال المسلمون : إحدى أمهات المؤمنين ، أو مما ملكت يمينه ؟ فقالوا: إن حجبها فهي من أمهات المؤمنين ، وإن لم يحجبها فهي مما ملك يمينه، فلما ارتحل وطأ لها خلفه، ومد الحجاب بينها و بين الناس. (رواه البخارى فى عدة مواضع ، ومسلم فى النكاح وفى المغازى).

قال الشيخ عبد العزيز بن خلف حفظه اللّٰه : وهذا الحديث من أدلة الوجوب أيضاً، لأنه من فعله صلى اللّٰه عليه وسلم بيده الكريمة فهوعمل كامل، حيث أنه صلى اللّٰه عليه وسلم ستر جسمه كله ، وهذا هوالحق الذي يجب اتباعه، فهو القدوة الحسنة ، ولو لم يكن دليل من النصوص الشرعية على وجوب سترالمسلمة وجهها وجميع بدنها ومقاطع لحمها إلا هذا الحديث الصحيح ، لكفى به موجباً وموجها إلى أكمل الصفات. (نظرات فى كتاب حجاب المرأة المسلمة للشيخ عبد العزيز بن خلف ، ص۹۷).

(۷) وأخرج ابن مردويه عن عائشةؓ قالت: رحم اللّٰه نساء الأنصار، لما نزلت ﴿ يا أيها النبي قل لأزواجك ﴾ الآية ، شققن مروطهن فاعتجرن بها، وصلين خلف رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كأنما على رؤوسهن الغربان . (فتح القديرللشوكانى:۴۳۵/۴).

ولايتأتى تشبيههن بالغربان إلا مع سترهن وجوههن بفضول أكسيتهن .

والاعتجار : هوالاختمار، قال الحافظ : قوله فاختمرن ، أى: غطين وجوههن .

(۸) وعن أم المؤمنين عائشةؓ قالت: كان الركبان يمرون بنا ونحن مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم محرمات ، فإذا حاذوا بنا أسدلت إحدانا جلبابها من رأسها على

وجهها، فإذا جاوزونا كشفناه . (اخرجه الامام أحمد، رقم:۲۴۰۲۱، وابوداود، وابن ماجه).

وهذان الحديثان صريحان في شمول الحجاب للوجوه ، بل يفيدان أن تغطية الوجوه كان هو المقصود بأمر الحجاب ، والحديث الأخير حكمه عام لجميع نساء المؤمنين ، فإن المراد بضمائر جمع المتكلم ليست أمهات المؤمنين فحسب كما يزعمه الزاعمون، والدليل على ذلک أن عائشةؓ هي التي روت هذا الحديث، وهي التي كانت تفتي: بأن المرأة المحرمة تسدل جلبابها من فوق رأسها على وجهها . (ادلة الحجاب، ص ۳۵۰، للدكتور محمد احمد اسماعيل المقدم ،ط:دارالايمان،اسكندريه).

دکتور محمد احمد اسماعیل نے ادلۃ الحجاب میں تین قسم کی احادیث بیان فرمائی ہیں: (۱) وہ احادیث جن سے علماء نے عام مسلمان عورتوں پر حجابِ شرعی کا وجوب مستنبط کیا ہے۔(۲) وہ احادیث جن سے ازواجِ مطہرات کے حجاب پر روشنی پڑتی ہے اور علماء نے ان سے عمومی طور پر حجاب مستنبط کیا ہے۔(۳) وہ احادیث جو بغیر کسی تخصیص کے امت کی تمام مسلمان خواتین پر کامل طور پر حجابِ شرعی کو واجب کرتی ہیں، اور اجنبی مردوں کو غیر محرم عورت کی طرف دیکھنے سے روکتی ہیں۔پھر تینوں اقسام کو بالترتیب بیان فرمایا ہے۔طوالت کی وجہ سے ہم فقط حوالہ پر اکتفاء کرتے ہیں۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (أدلة الحجاب للدكتور محمد أحمد إسماعيل المقدم، ص:۳۲۹-۳۶۳، ونظرات فى كتاب حجاب المرأة المسلمة، للشيخ عبد العزيز بن خلف، ورسالة الحجاب فى الكتاب والسنة، للشيخ عبد القادر بن حبيب الله السندى، واحكام القرآن للشيخ التهانويؒ :۳/۴۵۴-۴۸۲، حد الحجاب الشرعى ودرجاته وتفصيل احكامه، ادارة القرآن كراتشى، و آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸، طبع جديد).

فقہاء کی عبارات ملاحظہ کیجئے:

وفى الدر المختار : وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا لأنه عورة بل لخوف الفتنة. وفى الشامي: والمعنى تمنع من الكشف لخوف أن يرى الرجال وجهها فتقع الفتنة لأنه مع الكشف قد يقع النظر إليها بشهوة . (الدرالمختارمع فتاوى الشامى:۱/۴۰۶،باب شروط الصلاة ،سعيد).

وفى البحر الرائق: قال مشايخنا: تمنع المرأة الشابة من كشف وجهها بين الرجال

في زماننا للفتنة . (البحرالرائق: ١/ ٢٧٠،ط: کوئٹه).

وفي مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: وفى المنتقى: تمنع الشابة عن كشف وجهها لئلا يؤدي إلى الفتنة وفي زماننا المنع واجب بل فرض لغلبة الفساد وعن عائشة ؓ جميع بدن الحرة عورة إلا إحدى عينيها فحسب لاندفاع الضرورة . (مجمع الانهر: ١/ ١٢٢،ط: دارالكتب العلمية).

وقال شمس الأئمة السرخسيؒ: ...فدل أنه لا يباح النظر إلى شيء من بدنها ولأن حرمة النظر لخوف الفتنة وعامة محاسنها في وجهها، فخوف الفتنة فى النظر إلى وجهها أكثر منه إلى سائر الأعضاء . (المبسوط : ١٠/ ١٥٢).

وللاستزادة انظر: (بدائع الصنائع : ٥/ ١٢٣،ط:سعيد، وتبيين الحقائق : ٦/ ١٧،ط:امداديه).

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

عورت کو کسی مجبوری کے بغیر چہرہ کھولنے کی اجازت نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/ ۹۶)۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

روایات میں ہے کہ اس آیتِ مذکورہ (**يدنين عليهن من جلابيبهن**) کے نازل ہونے پر مسلمان عورتیں بدن اور چہرہ چھپا کر اس طرح نکلتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ کھلی رہتی تھی اس سے ثابت ہوا کہ فتنہ کے وقت آزاد عورت کو چہرہ بھی چھپا لینا چاہئے۔ (فوائد عثمانی ص ۵٦۸، سورۂ احزاب)۔

احکام القرآن میں ہے:

وبالجملة فاتفقت مذاهب الفقهاء وجمهور الأئمة على أنه لا يجوز للنساء الشواب كشف الوجوه والأكف بين الأجانب . (احكام القرآن للتهانويؒ: ٣/ ٤٧١،ط:ادارة القرآن، كراتشى).

احیاء العلوم میں ہے: **والنساء يخرجن متنقبات** ۔یعنی عورتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے زمانہ میں چہروں پر نقاب ڈال کر باہر نکلتی تھیں یعنی پردہ نشین تھیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۴/ از ۹۴ تا ۱۰۹، طبع قدیم)۔

کفایت المفتی میں ہے:

عورت کا چہرہ نماز میں پردے کا حکم نہیں رکھتا، مگر غیر محرموں کے سامنے آنے جانے میں پردہ کا حکم رکھتا ہے، کیونکہ چہرہ ہی اصل شئی ہے جو جاذبِ نظر اور مہیج جذبات ہے۔ (کفایت المفتی: ۵/ ۳۵۳)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حجاب کا مطلب اور اس کا حکم:

سوال: میں ایک مسلمان لڑکی ہوں اور میرا تعلق مسلمان گھرانہ سے ہے، پہلے میں پردہ نہیں کرتی تھی تو میں ہر جگہ آزادی سے جاتی آتی تھی، اب جب سے میں پردہ کرنے لگی تو لوگ میری طرف اجنبیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ایئر پورٹ وغیرہ میں بھی میری تلاشی لیتے ہیں جب کہ پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا، تو اب سوال یہ ہے کہ پردے میں کونسی چیزیں کھلی رکھ سکتی ہیں اور گریبان اور سینہ پردے میں داخل ہے یا نہیں؟ اس لیے کہ بعض سہیلیوں سے سنا ہے کہ فقط چہرہ چھپانا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: حجاب کا مطلب یہ ہے کہ ایسی چادر یا کپڑا جو ازسرتا پا عورت کے پورے جسم کو چھپائے بدن کی کوئی چیز نظر نہ آئے، لہذا سینہ اور گریبان بدرجہ اولیٰ ستر میں داخل ہے اور ان کا چھپانا بھی لازم اور ضروری ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یدنین علیهن من جلابیبهن﴾ وذكر ابن حجر في تحديد المقصود من الجلباب سبعة أقوال: المقنعة، والخمار، أو أعرض منه، والثوب الواسع يكون دون الرداء، والإزار، والملحفة، والملاءة، والقميص. وكذا في لسان العرب لابن منظور: (فتح الباری: ۱/۵۰۵).

وأرجحها ما ذهب إليه كثير من المحققين، وهو أن الجلباب في لغة العرب التي خاطبنا بها رسول الله صلى الله عليه وسلم هو ما غطى جميع الجسم لا بعضه، ذكره ابن حزم فی المحلی(۲۱۷/۳) **وصححه القرطبي في تفسيره** .(۲٤۳/۱٤).

وقال الشيخ أنور الكشميری: والجلباب رداء ساتر من القرن إلى القدم. (فیض الباری: ۳۸۸/۱).

والجلابيب: جمع جلباب وهو ما روی عن ابن عباس رضي الله عنه الذي يستر من فوق إلى أسفل. (روح المعانی: ۸۸/۲۲).

وقال الشيخ ابراهيم الشوری، والشيخ محمد الشيباوی: والصحيح أنه الثوب الذی يستر جميع البدن، وكل امرأة أعرف بما يستر جسمها، ولا يحتاج إلى تعليم في ذلك.
(تیسیر التفسیر، ص: ٤٦، از ادلة الحجاب، ص: ۹-۲۳۸). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

حجاب کا حکم:

پورے جسم کو چھپائے بغیر عورت کا باہر نکلنا ناجائز ہے۔ چہرہ مکمل مستور ہو راستہ دیکھنے کے لیے آنکھیں کھلی رکھنے کی اجازت ہے بہتر یہ ہے کہ اس پر بھی جالی لگا دی جائے۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ فرماتے ہیں: احادیث میں آتا ہے کہ جب آیتِ حجاب نازل ہوئی تو مسلمان عورتیں اس طرح نکلتی تھیں کہ راستہ دیکھنے کے لیے صرف ایک آنکھ کھلی رہتی تھی۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴۶/۸، طبع جدید)۔

روى الشيخان وغيرهما عن أم عطيةؓ قالت: أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نخرجهن في الفطر والأضحى: العواتق، والحيض، وذوات الخدور، فأما الحيض فيعتزلن الصلاة، ويشهدن الخير ودعوة المسلمين، قلت: يا رسول الله! إحدانا لايكون لها جلباب؟ قال: لتلبسها أختها من جلبابها. واللفظ لمسلم. (رقم: ۸۹۰).

قال الحافظ ابن حجر: وفيه امتناع خروج المرأة بغيرجلباب. (فتح الباری: ۴۲۴/۱).

وقال بدرالدين العيني: ومنها أي من فوائد الحديث امتناع خروج النساء بدون الجلابيب. (عمدة القاری: ۱۶۶/۳، دارالحدیث، ملتان).

قال في روح المعاني: في تفسيرقوله تعالىٰ: ﴿وليضربن بخمرهن على جيوبهن﴾ والخمر جمع خمار... وهوالمقنعة التي تلقيها المرأة على رأسها من الخمر وهوالستر، والجيوب جمع جيب وهوفتح في أعلى القميص يبدو منه بعض الجسد...والمراد من الآية كما روى ابن أبي حاتم عن ابن جبير أمرهن بستر نحورهن وصدورهن بخمرهن لئلا يرى منها شيء وكان النساء يغطين رؤوسهن بالخمر ويسدلنها كعادة الجاهلية من وراء الظهر فيبدو نحورهن وبعض صدورهن، وصح أنه لما نزلت هذه الآية سارع نساء المهاجرين إلى امتثال ما فيها فشققن مروطهن فاختمرن بها تصديقاً وإيماناً بما أنزل الله تعالىٰ من كتابه.

(روح المعانی: ۱۴۲/۱۸).

معارف القرآن میں ہے:

وليضربن بخمرهن على جيوبهن، یعنی آنچل مار لیا کریں اپنے دوپٹوں کا اپنے سینوں پر، خمر: خمار

کی جمع اس کپڑے کو کہتے ہیں جو عورت سر پر استعمال کرے اور اس سے گلا اور سینہ بھی چھپ جائے، جیوب جیب کی جمع جس کے معنی ہیں گریبان، چونکہ زمانہ قدیم سے گریبان سینہ ہی پر ہونے کا معمول ہے اس لیے جیوب کے چھپانے سے مراد سینہ کا چھپانا ہے شروع آیت میں اظہارِ زینت کی ممانعت تھی اس جملہ میں اخفاءِ زینت کی تاکید اور اس کی ایک صورت کا بیان ہے جس کی اصل وجہ ایک رسم جاہلیت کا مٹانا ہے، زمانہ جاہلیت میں عورتیں دوپٹہ سر پر ڈال کر اس کے دونوں کنارے پشت پر چھوڑ دیتی تھیں جس سے گریبان اور گلا اور سینہ اور کان کھلے رہتے تھے اس لیے مسلمان عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ایسا نہ کریں بلکہ دوپٹے کے دونوں پلے ایک دوسرے پر اُلٹ لیں تاکہ یہ سب اعضاء چھپ جائیں۔ (معارف القرآن:۶/۴۰۲)۔

حلال وحرام میں ہے:

عام فقہاء کے نزدیک اجنبی کے سامنے بلاضرورت چہرہ اور ہاتھوں کا کھولنا بھی جائز نہیں،...اگر شہوت اور فتنہ کا اندیشہ ہو جیسا کہ فی زمانہ اس کا مشاہدہ ہے تو پھر اجنبی سے مکمل پردہ ضروری ہے، خود قرآن مجید کی جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿یدنین علیهن من جلابیبهن﴾ تو بقولِ حضرت ام سلمہؓ انصاری خواتین نے ایسے سیاہ کپڑے پہن لیے کہ گویا ان کے سروں پر کوے ہوں اس لیے کہ جلباب ایسے کپڑے کو کہتے ہیں جو پورے جسم کو ڈھک دے۔ (حلال وحرام،ص۱۸۷)۔

کتاب الفتاویٰ میں ہے:

بہتر ہے کہ ایسا نقاب استعمال کیا جائے کہ آنکھ کے حصہ پر بھی جالی لگی ہو، تاہم فقہاء کی تصریحات کے مطابق آنکھیں کھلی رکھنے کی اجازت ہے تاکہ چلنے میں سہولت ہو، اصل مسئلہ خود نقاب کی ہیئت کا ہے، نقاب معمولی طور پر موٹے کپڑے کا ہونا چاہئے جس میں جاذبیت نہ ہو، آج کل نئے نئے ڈیزائن کے جاذبِ نگاہ نقاب بنائے جاتے ہیں یہ نقاب کے مقصد ومنشا کو مجروح کر دیتا ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۶/۸۳)۔

قرآن واحادیث سے حجاب کے مزید دلائل ماقبل میں گزر چکے ہیں وہاں مراجعت کر لی جائے، تکرار موجبِ طوالت ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حجاب کے حکم میں عمر کی تعین کا حکم:

سوال: لڑکی کو کس عمر سے حجاب پہننا چاہئے؟

الجواب: لڑکی جب قریب البلوغ ہوجائے اور اس عمر میں اس کی طرف مرد کی خواہش ہونے لگے اور مشتہاۃ ہوجائے ایسی عمر میں حجاب کا حکم دیا جائے گا، عام طور پر فقہاء 9 سال کی عمر لکھتے ہیں۔

البحرالرائق میں ہے:

وقال الفقيه أبو الليثؒ: ما دون تسع سنين لا تكون مشتهاة وعليه الفتوىٰ. فأفاد أنه لافرق بين أن تكون سمينة أو لا ولذا قال في المعراج: بنت خمس لاتكون مشتهاة اتفاقاً وبنت تسع فصاعداً مشتهاة اتفاقاً وفيما بين الخمس والتسع اختلاف الرواية والمشايخ والأصح أنها لا تثبت الحرمة . (البحرالرائق: ۱۰٦/۳،دارالمعرفة،بيروت).

(و كذا في الجوهرة النيرة: ٤٨٩/۳، كتاب النكاح ،والفتاوى الهندية: ۲۷٥/۱،والمحيط البرهاني: ۱٦٨/۳، دار احياء التراث العربي، وفتاوى الشامي: ۳۷/۳،ط:سعيد).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

جب لڑکی سیانی ہوجائے کہ اس کے اندر ایسا مادہ پیدا ہوجائے کہ خود اس کو مرد کی خواہش ہونے لگے یا مرد کو اس کی خواہش ہونے لگے تو وہ پردہ کے قابل ہوگی پھر ساری عمر پردہ کرے گی، کسی وقت بھی اس کو آزادی نہیں کہ بے پردہ ہوکر مردوں میں گھومتی پھرے۔ (فتاویٰ محمودیہ۱۹/۱۶۹، جامعہ فاروقیہ)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

احکامِ حجاب سے مقصود مردوں اور عورتوں کو بدنظری اور برے خیالات کے گناہ سے محفوظ رکھنا ہے، سو جس عمر سے بچوں میں اس گناہ میں مبتلا ہونے کا احتمال ہوگا وہ اس عمر سے احکامِ حجاب کے مکلّف ہوں گے اور پردہ کے سلسلہ میں ایسے بچوں کا وہی حکم ہوگا جو بالغ مردوں عورتوں کا ہے۔ (احسن الفتاویٰ:۸/۳۷)۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

جولڑکے عورتوں کے پردے سے واقف ہوں، ان سے پردہ کرنا چاہئے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸/۱۱۴، طبع جدید)۔

قال اللّٰہ تعالیٰ : ﴿ أو الطفل الذي لم يظهروا على عورات النساء ﴾.

روح المعانی میں ہے:

أى الأطفال الذين لم يعرفوا ما العورة ولم يميزوا بينها وبين غيرها على أن (لم

یظھروا) من قولھم ظھر علی الشيء إذا اطلع علیه فجعل کنایة عن ذلک أو الذین لم یبلغوا حد الشھوة و القدرة علی الجماع علی أنه من ظھر علی فلان إذا قوی علیه ومنه قوله تعالیٰ: ﴿فأصبحوا ظاھرین﴾ [الصف:١٤] **ویشمل الطفل الموصوف بالصفة المذکورة بھذا المعنی المراھق الذي لم یظھر منه تشوق للنساء... ویشمل أیضاً من دون المراھق لکنه بحیث یحکی مایراہ علی وجھه ، وذکروا في غیر المراھق أنه إن کان بھذه الحیثیة فکالمحرم وإلا فکالعدم فیباح بحضوره ما یباح فی الخلوة فلا تغفل** . (روح المعانی: ١٨/١٤٥).

معارف القرآن میں ہے:

أو الطفل الذین ،اس سے مراد وہ نابالغ بچے ہیں جو ابھی بلوغ کے قریب بھی نہیں پہنچے اور عورتوں کے مخصوص حالات وصفات اور حرکات وسکنات سے بالکل بے خبر ہوں ،اور جولڑکا ان امور سے دلچسپی لیتا ہو وہ مراہق یعنی قریب البلوغ ہے اس سے پردہ واجب ہے،(ابن کثیر) امام جصاصؒ نے فرمایا یہاں طفل سے مراد وہ بچے ہیں جو مخصوص معاملات کے لحاظ سے عورتوں اور مردوں میں کوئی امتیاز نہ کرتے ہوں۔(معارف القرآن: ۶/۴۰۵)۔

خلاصہ یہ ہے تقریباً نوسال کی لڑکی اور دس سال کا لڑکا حد شہوت تک پہنچ جاتے ہیں لہذا اس عمر میں پردہ کرنا ضروری ہوگا اور وہ خود اہتمام نہ کریں تو ان کے سرپرستوں کو چاہئے کہ ان سے اہتمام کروائیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حجاب کا ازواجِ مطہرات کے ساتھ خصوصیت کا شبہ:

سوال: بعض عورتیں یہ کہتی ہیں کہ قرآن کریم میں حجاب کی آیات ہیں ان کی مخاطب ہم ہیں یا نہیں؟ کیونکہ قرآن کے ترجمہ کو پڑھنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیاتِ حجاب کی مخاطب فقط ازواجِ مطہرات ہیں، ہم نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اصولیین کے یہاں قاعدہ ہے کہ خطاب اگرچہ خاص ہو لیکن حکم اس کا عام ہوتا ہے "**العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب**" اگرچہ قرآن کریم کی اولین مخاطب ازواجِ مطہرات تھیں لیکن اس کا حکم جمیع امت کی خواتین کو عام ہے، اس حکم میں قیامت تک آنے والی مسلمان خاتون شامل ہے۔ملاحظہ ہو امام ابوبکر جصاص رازیؒ فرماتے ہیں:

وهـذا الـحـكـم وإن نزل خاصاً في النبي صلى الله عليه وسلم وأزواجه ، فالمعنى عام فيه وفي غيره، إذكنا مأمورين باتباعه والاقتداء به، إلا ما خصه الله به دون أمته. (احکام القرآن: ۳/ ۳۷۰، ط: سهيل).

علامہ شیخ شنقیطیؒ فرماتے ہیں:

ومـن الأدلة على أن حكم آية الحجاب عام ، هو ما تقرر في الأصول من أن خطاب الـواحد يعم حكمه جميع الأمة ، ولا يختص الحكم بذلک الواحد المخاطب؛ لأن خطاب الـنبي صـلـى الـلّه عليه وسلم لواحد من أمته يعم حكمه جميع الأمة ، لاستوائهم في أحكام التـكـليف، إلا بدليل خاص يجب الرجوع إليه...وذلک بالنص والقياس...والنص كقوله صـلى اللّه عليه وسلم: إني لا أصافح النساء ، وما قولي لامرأة واحدة إلا كقولي لمائة امرأة، وبهـذا القاعدة الأصولية التي ذكرنا تعلم أن حكم آية الحجاب عام ، وإن كان لفظها خاصاً بأزواجه صلى اللّه عليه وسلم . (ادلة الحجاب ،ص ۲۵۷).

ادلۃ الحجاب میں فرماتے ہیں:

فـإن قال قائل: إن هذه الآية خاصة بأمهات المؤمنين وقد نزلت بحقهن، قلت: إنها وإن كـانـت خـاصـة بـنسـاء الـنبي صلى اللّه عليه وسلم من جهة السبب، فهي عامة من جهة الأحـكـام ، لأن العبرة بعموم اللفظ لابخصوص السبب، وأكثر آيات القرآن ذوات أسباب فـي نـزولهـا بـلا خـلاف بين العلماء ، فإذا حصرنا احكامها ضمن دائرة أسبابها فما هوحظنا مـنهـا إذن ؟ وبذلک نكون قد عطلنا آيات اللّه ، وأبطلنا أحكامها جملة وتفصيلاً ...فادعاء أنها خاصة بنساء النبي صلى اللّه عليه وسلم إضافة إلى ما ذكرته لاينهض حجة ...

ومـمـا يدفع دعوى الاختصاص: إشراک اللّه عز وجل أزواج النبي صلى اللّه عليه وسـلـم وبـنـاته ونساء المؤمنين في حكم واحد في قوله تعالىٰ:﴿ يا أيها النبي قل لأزواجک وبـنـاتـک ونسـاء الـمـؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن ﴾ فبطلت دعوى التخصيص. وإذا كـان الأمـر كـذلـک ، فـكل ما ثبت لنسائه صلى اللّه عليه وسلم ثبت لغيرهن، وكل ما ثبت لـغيـرهـن ثبـت لهـن ، ولـقـد فهم الصحابة رضوان اللّه عليهم أن الأمر يقتضي العموم، وأن

سياق الآية يفيده ويقتضيه .

...فقوله تعالىٰ:﴿ يٰنساء النبي لستن كأحد من النساء إن اتقيتن...الخ﴾ إنها وصايا ربانية وأوامر الٰهية، فأي منها لايتصل بعامة النساء المسلمات؟ وهل النساء المسلمات لايجب عليهن أن يتقين اللّٰه تعالىٰ، أو قد أبيح لهن أن يخضعن بالقول، ويكلمن الرجال كلاماً يغريهم ويشوقهم ؟ أو يجوز لهن أن يتبرجن تبرج الجاهلية ؟ ثم هل ينبغي لهن أن يتركن الصلاة ويمنعن الزكاة، ويعرضن عن طاعة اللّٰه ورسوله ؟ وهل يريد اللّٰه أن يتركهن فى الرجس ؟

فإذا كانت هذه الأوامر والإرشادات عامة لجميع المسلمات فما المبرر لتخصيص ما رود في سياق مخاطبة أمهات المؤمنين من قرار فى البيوت وملازمة للحجاب وعدم مخالطة الأجانب بهن خاصة ؟ إن التوجيه الرباني، والتربية الإلٰهية لكل النساء عامة بشخص أمهات المؤمنين من باب " إياك أعني واسمعي يا جارة ". (ادلة الحجاب، ص٢٥٩ـ ٢٦٢).

قال الشيخ عبد القادر بن حبيب اللّٰه السندي في" رسالة الحجاب فى الكتاب والسنة ": وأما ما قاله ابن بطال ونقل الحافظ فى الفتح عن شرحه ذاك بأن فرض الحجاب كان على أمهات المؤمنين خاصاً دون نساء المؤمنين .

قلت: إن هذه الدعوى مجردة عن الدليل ولا هناك دليل خاص يخص أمهات المؤمنين بالحجاب دون غيرهن ، بل الأمر قد يكون بالعكس لأن أمهات المؤمنين ممن حرم على المؤمنين نكاحهن البتة ومع ذلك قد شدد القرآن الكريم عليهن بما شدد به من عدم تبرجهن بتبرج الجاهلية...وإذا كان الأمر في حقهن كهذا الأمر الشديد المغلظ فغيرهن من نساء المؤمنين من باب أولى لأنه لم يحرم نكاحهن بعد موت الأزواج وهذا المعنى واضح جلي يدركه كل من أعطى أدنى فهم وبصيرة ومع ذلك لقد نص القرآن الكريم على هذا المعنى نصاً صريحاً وما دونه منه بكثير ...الخ. (رسالة حجاب المرأة المسلمة فى الكتاب والسنة ،ص٤٣ـ٤٤،ط: مكتبة دارالمنار).

قال الشيخ المفتي محمد تقي العثماني في" تكملة فتح الملهم": والظاهر أن هذا الأمر ليس مختصاً بالأزواج المطهرات لأن الأحكام السابقة واللاحقة في هذه الآية لايختص شيء منها بأمهات المؤمنين بالإجماع. (تكملة فتح الملهم: ٤/ ٢٦١).

مزید ملاحظہ ہو: (ادلة الحجاب للدكتور محمد احمد اسماعيل المقدم،ص ٢٦٣-٢٦٥). **واللہ ﷻ اعلم۔**

غیرمحرم کودیکھنااور مصافحہ کرنے کاحکم:

سوال: ایک غیرمحرم مردکاغیرمحرم عورت کے ساتھ مس کرنا،مصافحہ کرنا،معانقہ کرنااورایک دوسرے کودیکھناشرعاً کیساہے؟ایسےلوگوں کے بارے میں شریعتِ مطہرہ کاکیاحکم ہے؟

الجواب: شریعتِ مطہرہ کی نگاہ میں اجنبی مرداورعورت کے لیے ایک دوسرے کوکسی شدیدمجبوری کے بغیرقصداًبنظرشہوت دیکھنابھی ناجائزہے۔اورمصافحہ ومعانقہ توبدرجہ اولیٰ حرام اورناجائزہوگا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نےقرآنِ کریم میں ارشادفرمایا:

(۴) **قال الله تعالىٰ: ﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم ذلك أزكى لهم إن الله خبير بما يصنعون﴾** (سورة النور: ٣٠).

اے حبیب آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اوراپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے،بے شک اللہ تعالیٰ کوسب خبرہےجوکچھ لوگ کیاکرتےہیں۔

نیزعورتوں کوبھی یہی حکم دیاگیاہے:

﴿وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن ولايبدين زينتهن إلا ما ظهر منها﴾ (سورة النور: ٣١).

اورمسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اوراپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اوراپنی زینت کوظاہرنہ کریں...الخ۔

تفسیرعثمانی میں ہے:

بدنظری عموماً زناکی پہلی سیڑھی ہےاسی سے بڑے بڑےفواحش کادروازہ کھلتاہے،اس لیےقرآنِ کریم نےبدکاری اوربےحیائی کاانسدادکرنے کے لیےاول اسی سوراخ کوبندکرناچاہایعنی مسلمان مردوعورت کوحکم دیا

کہ وہ بدنظری سے بچیں اور اپنی شہوات کو قابو میں رکھیں۔ (فوائد عثمانی،ص ۴۷۱)۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہوں کی حفاظت پر خاص زور دیا ہے، چنانچہ بخاری اور مسلم کی حدیث میں مذکور ہے:

عن عقبة بن عامر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إياكم و الدخول على النساء . (متفق عليه).

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عورتوں کے پاس آنے جانے سے بچو۔ اس حدیث میں نامحرم عورتوں سے خلط واختلاط اور آمدورفت سے منع فرمایا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

عن جابر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تلجوا على المغيبات فإن الشيطان يجري من أحدكم مجرى الدم... الخ . (رواه الترمذي، رقم: ١١٧٢).

والمغيبة المرأة التي يكون زوجها غائباً .

قال الشيخ شعيب: إسناده ضعيف، لضعف مجالد وقد جمع في هذا المتن ثلاثة أحاديث وهي صحيحة. (مسند الإمام أحمد مع التعليقات، رقم: ١٤٣٢٤).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایسی عورتوں کے پاس مت جاؤ جن کے شوہر موجود نہیں ہیں، کیونکہ شیطان تمہاری رگوں میں خون کے ساتھ چلتا ہے۔

اس روایت میں خلوت بالاجنبیہ کی ممانعت موجود ہے اور جو حکم مرد کے لیے ہے وہی حکم عورت کے لیے بھی ہے کہ کسی اجنبی مرد کے پاس تنہائی اور خلوت میں عورت نہ جائے، نیز اس روایت سے اجنبی مرد کے ساتھ بے تکلفی کی بات چیت اور ملنا جلنا، خلوت اختیار کرنا، ایک ساتھ میز پر آمنے سامنے بیٹھنا، ایک کمرہ میں بیٹھنا سب ممنوع اور حرام ہے۔

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نامحرم مرد یا عورت کو دیکھنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

چنانچہ حدیث میں ہے: **عن الحسن قال: بلغني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لعن الله الناظر والمنظور إليه . هذا مرسل ضعيف .** (رواه البيهقي في شعب الإيمان، رقم: ٧٣٩٩، **وقال محشيه: إسناده ضعيف ☆ عبد الرحمن بن سلمان هو الحجرى الرعيني، المصرى، قال ابوحاتم: مضطرب الحديث .**

وقال البخاری فیہ نظر ، وقال النسائی وغیرہ : لیس بالقوی . ☆ الحسن ہو البصری . والحدیث رواہ المؤلف فی سننہ (۹۹/۷) بنفس الاسناد ھنا. (تعلیقات الشیخمختار احمد الندوی علی شعب الایمان:۷۳۹۹/۲۱۴/۱۰).

وحدیث: لعن اللّٰہ الناظر إلی عورۃ المؤمن والمنظور إلیہ. رواہ إسحاق بن نجیح الملطي: عن عباد بن راشد المنقری، عن الحسن ،عن عمران . وھذا الحدیث موضوع ، وإسحاق کذاب . (ذخیرۃ الحفاظ:۴۴۵۷/۱۹۴۲/۴، والکامل:۳۲۵/۱، والفردوس بماثور الخطاب:۵۴۴۱/۴۶۵/۳).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: اللہ تعالیٰ دیکھنے والے اور جس کو دیکھا جائے ان دونوں پر لعنت کرے،اس حدیث میں ہرنظرحرام کوسبب لعنت قراردیا گیاہے۔اگرچہ حدیث ضعیف ہے۔

اسی طرح اجنبی مرداورعورت کامس کرنا،مصافحہ کرنااورمعانقہ کرنا ناجائزاورحرام ہےاور بدترین گناہ ہے۔ایک حدیث میں اس کوزنا قراردیا گیاہے۔ملاحظہ ہو:

عن أبي ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : علی کل نفس من ابن آدم کتب حظ من الزنا أدرک ذلک لا محالۃ فالعین زناھا النظر والرجل زناھا المشي والأذن زناھا السماع والید زناھا البطش واللسان زناہ الکلام والقلب یتمنی ویشتھي ویصدق ذلک أو یکذبہ الفرج . أخرجہ الحاکم وصححہ ووافقہ الذھبي. (المستدرک للحاکم:۵۸۸/۲، رقم: ۳۷۵۲، کتاب التفسیر).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: ہرانسان کے لیےزنا کاوبال لکھاہواہےجس کووہ یقیناً حاصل کرکے رہتاہے، پس آنکھوں کازنادیکھناہےاورپیروں کازناچل کرجاناہےاورکان کازناسنناہےاورہاتھ کازنا پکڑناہےاورزبان کازنابات کرناہےاوردل آرزواورخواہش کرتاہےاورشرمگاہ اس کی تصدیق یاتکذیب کرتی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہواکہ نامحرم سے بلاضرورتِ شرعیہ ہاتھ ملانااورمصافحہ کرناہاتھوں کازناہےاور معانقہ کرناتوپورےجسم کاملاناہے،توپورےجسم کازناہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو بیعت کرنے میں فقط کلام سے بیعت فرماتے تھے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کومس نہیں فرمایا۔

روی الإمام البخاري عن عائشۃ رضی اللہ عنہا في حدیث طویل، قالت:عائشۃ رضی اللہ عنہا فمن أقر بھذا الشرط من المؤمنات فقد أقر بالمحنۃ فکان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذا أقررن بذلک من

قولهن قال لهن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: انطلقن فقد بايعتكن لا واللّٰه ما مست يد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يد امرأة قط غير أنه بايعهن بالكلام...الخ. (رواه البخاري ،رقم: ٥٢٨٨، ومسلم ، رقم: ١٨٦٦).

ایک روایت میں ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔

روى ابن حبان في صحيحه (رقم: ٤٥٥٣) **عن أميمة بنت رقيقةؓ أنها قالت: أتيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في نسوة يبايعنه... فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إني لا أصافح النساء إنما قولي لمئة امرأة كقولي لامرأة واحدة أو مثل قولي لامرأة واحدة. قال شعيب الأرنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين.**

ایک روایت میں ہے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کسی کے سر میں سوئی چبھودی جائے یہ اس کے لیے بہتر ہے کہ وہ ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے۔

قال يزيد بن عبد اللّٰه بن الشخير سمعت معقل بن يسار رضی اللہ عنہ يقول: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لأن يطعن في رأس أحدكم بمخيط من حديد خير له من أن يمس امرأة لا تحل له. (رواه الطبراني باسناد حسن،رقم: ٤٨٦).

مذکورہ بالا آیات اور احادیث کی روشنی میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نامحرم اجنبی مرد عورت کا بلاضرورت شدیدہ ایک دوسرے سے ملنا بات چیت کرنا اور مصافحہ ومعانقہ سب ناجائز اور حرام ہے۔ اگر ایسے لوگ توبہ واستغفار نہیں کرتے اور اپنے ان ناجائز امور سے باز نہیں آتے تو شرعی پنچایت وشرعی عدالت بطورِ تعزیر مناسب سزا جاری کرسکتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غیر محرم رشتہ دار سے پردہ کا حکم:

سوال: اگر فتنہ کا اندیشہ نہیں اور خلط واختلاط کی کثرت نہیں تو دیور یا چچازاد یا چچا کی بیوی اور ماموں زاد یا ماموں کی بیوی وغیرہ سے چہرہ کا پردہ نہ کرنے اور کبھی سلام وضروری کلام کرنے کی گنجائش ہوگی یا نہیں؟ بینوا بالدلیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب: دیور، چچازاد بھائی، چچا کی بیوی، ماموں زاد بھائی، ممانی وغیرہ سب غیر محارم ہیں، اگر خوفِ فتنہ ہوتو شرعاً ان سے پردہ لازم اور ضروری ہے، بے تکلفی، ہنسی مذاق، اوران کے ساتھ خلوت اور تنہائی میں بیٹھنا ناجائز ہے۔

ہاں اگر ایک مکان میں سب ساتھ رہتے ہیں اور مکان تنگ ہے اور آپس میں بے تکلفی ہنسی مذاق، خلوت، تنہائی وغیرہ نہیں، تو گھر والوں کے ساتھ جن میں بڑے بوڑھے حضرات بھی ہوں چہرہ کا سخت پردہ ہروقت ضروری نہیں، اس میں حرج اور مشقت ہے اور کام کاج میں مشغول ہونے کی وجہ سے ہروقت چہرہ پر پردہ لٹکانا مشکل بھی ہے لہذا اتنی اجازت ہے۔ اوراحناف کا اصل مذہب بھی یہی ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہوتو چہرہ کا پردہ لازم نہیں ہے البتہ احتیاط اسی میں ہے چہرہ بھی چھپایا جائے۔

بندۂ عاجز کہتا ہے تر یپل خاء نہ ہو یعنی خلوت، خوفِ فتنہ اور خلط واختلاط تو چہرے کا پردہ لازم نہیں، ہاں عورتوں کا کھلے چہرے کے ساتھ باہر گھومنا بالکل ناجائز ہے۔

لأن الشيطان يجري من الإنسان مجرى الدم ۔

دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیے:

المشهور من مذهب الحنفية جواز النظر إليها بشرط الأمن من الفتنة والشهوة، كما ذكره الزمخشري ومثله في استحسان البدائع (۵/۱۲۲،سعید) **حيث قال: فلا يحل النظر للأجنبي من الأجنبية الحرة إلى سائر بدنها إلا الوجه والكفين ومثله في شرح المنية الكبير.**

(احکام القرآن للتھانویؒ :۳/۴٦۱-۴٦۷).

وفي الدر المختار: وينظر من الأجنبية ولو كافرة إلى وجهها وكفيها فقط للضرورة قيل: والقدم والذراع إذا أجرت نفسها للخبز تاترخانية...فإن خاف الشهوة أو شك امتنع نظره إلى وجهها فحل النظر مقيد بعدم الشهوة وإلا فحرام وهذا في زمانهم وأما في زماننا فمنع من الشابة قهستاني وغيره وفي الشامي: لا لأنه عورة بل لخوف الفتنة كما قدمه في شروط الصلاة . (الدرالمختار مع فتاوی الشامی: ٦/ ۳۷۰، ۳۷۳،سعید).

وفي الهداية: ولا يجوز أن ينظر الرجل إلى الأجنبية إلا وجهها وكفيها لقوله تعالىٰ: ﴿ولايبدين زينتهن إلاما ظهرمنها﴾ قال علي رضي الله عنه وابن عباس رضي الله عنه منها ظهر منه الكحل

والخاتم والمراد موضعهما وهو الوجه والكف كما أن المراد بالزينة المذكورة موضعها ولأن في إبداء الوجه والكف ضرورة لحاجتها إلى المعاملة مع الرجال أخذاً وإعطاء وغير ذلک...قال: فإن كان لا يأمن الشهوة لا ينظر إلى وجهها إلا لحاجة لقوله عليه الصلاة والسلام: من نظر إلى محاسن امرأة أجنبية عن شهوة صب في عينيه الآنک يوم القيامة، فإن خاف الشهوة لم ينظر من غير حاجة تحرزاً عن المحرم وقوله: لا يأمن يدل على أنه لا يباح إذا شک فی الاشتهاء كما إذا علم أو كان أكبر رأيه ذلک. (الهداية: ٤/٤٥٨، كتاب الكراهية).

وللاستزادة انظر: (الفتاوى الهندية: ٥/٣٢٩، والفتاوى السراجية على هامش قاضيخان:٢/١٨، والمبسوط للامام السرخسي: ١٠/١٥٢، وشرح تحفة الملوك، ص،).

احکام القرآن میں ہے:

فالحاصل أن الحنفية حكموا بجواز النظر إلى وجه الأجنبية مشروطاً باليقين على عدم الشهوة والميلان إلى قربها ويحرم عند عدمه سواء علم الشهوة أو ظن أو شک فدار الحكم على حقيقة الفتنة ولم تكن حراماً حتماً فحيث خيفت الفتنة لايجوز وحيث يقع الأمن يجوز .

ومن هنا وقع الخلاف في صوت المرأة أنه من العورة فلا يجوز أن تتكلم بحيث يسمعها الأجانب أوليس بعورة فيرخص لها فی التكلم، والحق الحقيق عند أرباب التحقيق هو أن صوت المرأة ليس بعورة في نفسه إلا أنه قد يكون سبباً للفتنة، فدارحكمه على الفتنة وعدمها فحيث خيف الفتنة حرام إبدائه وحيث لا فلا. (احكام القرآن:٣/٤٥٤_٤٨٢).

مذکورہ بالا نقولِ فقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہوتو بقدرِ ضرورت سلام کلام کرنے اور چہرہ کھلا رکھنے کی اجازت ہے بشرطیکہ خلوت نہ ہو کیونکہ چہرہ کا پردہ بعلتِ خوفِ فتنہ لازم کیا گیا ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ رشدیہ میں ہے:

سوال: اگر حجابِ شرعی موجبِ بدگمانی وشرفساد کے نہ ہوسکے تو ان اجنبیوں سے جو اس کے چچا، تایا زاد بھائی یا دیور، جیٹھ یا بہنوئی ہیں یا بہنوئی یا جیٹھ، دیورزاد بھتیجے وعلی ہذا القیاس اور رشتہ دار ہوں تو ان سے فقط ستر پر کفایت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: حجابِ شرعی کا ترک کرنا ہر حال میں موجبِ گناہ ہے شر وفساد کے اندیشہ سے ترک کرنا حجاب کا جائز نہیں ہوسکتا البتہ چہرہ کا ڈھکنا اگر بوجہ اندیشہ شر ترک کر دیا جائے بشرطیکہ ترک میں فتنہ نہ ہو تو کچھ حرج نہیں کیونکہ یہ حجاب بوجہ مصلحت وقوع فتنہ ہے اور وہ اعضاء جن کا ستر واجب ہے ان کا کھولنا کسی حال میں جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص۶۳۲، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)۔

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ اپنے ایک مرید کے استفسار پر فرماتے ہیں:

حال: گھر میں شرعی پردہ نہیں گاؤں کے رواج کے مطابق پردہ ہوتا ہے، جو نہ ہونے کے درجہ میں ہے ایک مکان ہے اسی میں سب رہتے ہیں اس لیے احتیاط نہیں ہو پاتی، اگر بندہ اہلیہ کو پردہ کی تاکید کرتا ہے تو مکان کا عذر کرتی ہے بندہ بھی خاموش ہو جاتا ہے ارشاد فرمائیں کیا کروں؟

تحقیق: پردہ کے لیے اتنا کافی ہے کہ نامحرم سے تنہائی میں ملنا نہ ہو بے تکلف ہنسی مذاق دل لگی نہ ہو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات چیت نہ ہو۔ (تربیت الطالبین، ص۲۲۷، ط: جامعہ محمودیہ یوپی)۔

اشکال: لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیور کو موت قرار دیا ہے یعنی اس سے بہت سخت پردہ ہونا چاہئے۔ اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: اس روایت میں خلوت اور تنہائی سے منع کیا ہے، اس حدیث کے سیاق وسباق سے پتہ چلتا ہے اور خلوت بالاجنبیہ تو کسی حالت میں جائز نہیں۔ حدیث ملاحظہ ہو:

عن عقبة بن عامر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إياكم والدخول على النساء فقال رجل من الأنصار: يا رسول الله أفرأيت الحمو، قال: الحمو الموت. (رواه البخاري، رقم ٥٢٣٢، ومسلم، رقم:٢١٧٢)، **وفي رواية لمسلم عن ابن وهب قال: وسمعت الليث بن سعد يقول: الحمو أخ الزوج وما أشبهه من أقارب الزوج ابن العم ونحوه.**

قال الفقيه تقي الدين بن دقيق العيد في شرح العمدة: والحديث دليل على تحريم الخلوة بالأجانب، وقوله:" إياكم والدخول على النساء" مخصوص بغير المحارم، وعام بالنسبة إلى غيرهن، ولا بد من اعتبار أمر آخر، وهو أن يكون الدخول مقتضياً للخلوة، أما إذا لم يقتض ذلك فلا يمتنع. (احكام الاحكام، ص٥٠١، رقم الحديث: ٣١٤، كتاب النكاح، ط: دار الفكر)۔

مفتی تقی صاحب تکملہ میں فرماتے ہیں:

ویبدو أن ما قاله ابن دقيق العيدؒ هو الأوجه بالنظر إلى سياق الحديث . (تكملة فتح الملهم: ٤/ ٢٧١).

نیز امام بخاریؒ نے اس حدیث پر خلوت بالاجنبیہ کی ممانعت کا باب قائم کیا ہے " **باب لا يخلون رجل إلا ذو محرم والدخول على المغيبة** " اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خلوت بالاجنبیہ ناجائز ہے۔

نیز امام مسلمؒ نے اس حدیث کے بعد ایک حدیث بیان فرمائی ہے اس سے بھی پتہ چلتا ہے خلوت اور تنہائی ممنوع ہے۔ **روى مسلم عن عبد الله بن عمرو بن العاص أن نفراً من بني هاشم دخلوا على أسماء بنت عميس فدخل أبوبكر الصديق، وهي تحته يومئذٍ فرآهم، فكره ذلک، فذكر ذلک لرسول الله صلى الله عليه وسلم وقال: لم أر إلا خيراً ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله قد برأها من ذلک ، ثم قام رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر فقال: لايدخلن رجل، بعد يومي هذا ، على مغيبة ، إلا ومعه رجل أو اثنان .** (رقم: ٢١٧٣).

قال في فتح الملهم: قال القرطبي: قوله: إلا ومعه رجل أو اثنان ، سداً لذريعة التهمة ، فإنهم إذا كانوا جماعة ارتفعت. وهذا في ذلک الزمان العامة والخاصة ، وأما في الأزمنة الفاسدة ، فلا تخلو مع الواحد ، ولا مع الكثير لخوف الظنة ، إلا أن تكثر الجماعة أو يكون فيهم صالحون فتزول الظنة . (تكملة فتح الملهم: ٤/ ٢٧٣).

اور عام طور پر گھروں میں بڑے حضرات موجود ہوتے ہیں تو فتنہ کا اندیشہ نہیں ہوتا ہے۔

عن أسماء بنت أبي بكر ﷺ قالت: تزوجني الزبير ﷺ وما له في الأرض من مال ولامملوک ولا شيء غير فرسه قالت: فكنت أعلف فرسه وأكفيه مؤنته...قالت: فجئت يوماً والنوى على رأسي فلقيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعه نفر من أصحابه فدعاني ثم قال: إخ إخ ليحملني خلفه...الخ. (رواه مسلم ،رقم: ٢١٨٢).

اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے درمیان فتنہ کا احتمال کم ہے۔

امام بخاریؒ نے ایک باب قائم فرمایا" **باب ما يجوز أن يخلو الرجل بالمرأة عند الناس**" اور درجِ ذیل حدیث ذکر فرمائی ہے:

عن هشام قال: سمعت أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: جاء ت امرأة من الأنصار إلى النبي صلى الله عليه وسلم فخلا بها فقال: والله إنكن لأحب الناس إلي. (رقم: ٥٢٣٤).

علامہ عینیؒ اس باب کے تحت فرماتے ہیں:

أى هذا باب في بيان ما يجوز أن يخلو الرجل بالمرأة حاصله أن الرجل الأمين ليس عليه بأس إذا خلا بامرأة في ناحية من الناس لما تسأله عن بواطن أمرها في دينها وغير ذلک من أمورها وليس المراد من قوله أن يخلو الرجل أن يغيب عن أبصار الناس فلذلک قيده بقوله عند الناس وإنما يخلو بها حيث لا يسمع الذي بالحضرة كلامها ولاشكواها إليه ... وفيه أن مفاوضة المرأة الأجنبية سراً لايقدح فى الدين عند أمن الفتنة... وفيه تعليم الأمة وكيفية الخلوة بالمرأة. (عمدة القارى: ١٤/ ٢٠٩،دار الحديث ، ملتان).

سئل شيخ الإسلام ابن تيميةؒ: عن رجل يدخل على امرأة أخيه وبنات عمه وبنات خاله هل يجوز له ذلک أم لا؟

فأجاب: لا يجوز له أن يخلو بهن ولكن إذا دخل مع غيره من غير خلوة ولا ريبة جاز له ذلک، والله أعلم. (مسئولية المرأة المسلمة لعبدالله بن جاره بن ابراهيم جارالله ، ص٦٦).

مذکورہ بالاعبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلوت بالاجنبیہ ممنوع ہے لیکن لوگوں کے سامنے خصوصاً گھر والوں کے سامنے خلوت نہیں ہے اور نہ فتنہ کا اندیشہ ہے۔لہذا سخت پردہ ضروری نہیں۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

اس حدیث کا واضح مطلب یہ ہے کہ دیور سے موت کی طرح ڈرنا چاہئے،اس سے بے تکلفی کی بات نہ کی جائے،تنہائی میں اس کے پاس نہ بیٹھا جائے وغیرہ۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۸/ ۹۵،طبع جدید)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: عورت پر چہرے کا ڈھانپنا گھر میں واجب نہیں،البتہ غیر محرم سے پردہ کرنا واجب ہے، ہاں!اگر فتنہ کا خطرہ نہ ہوتو عورت چہرہ کھول سکتی ہے۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۸/ ۷۶،طبع جدید)۔

اشکال (۲): ترمذی شریف کی درجِ ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خوفِ فتنہ کے بغیر بھی دیکھنا بالکل ممنوع ہے ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ وہ اور میمونہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں اتنے میں حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ آ گئے یہ واقعہ حجاب کے نزول کے بعد تھا۔

فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: احتجبا منه فقلت: یارسول اللّٰہ ! ألیس هو أعمی لایبصرنا ولا یعرفنا فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: أفعمیاوان أنتما ألستما تبصرانه، یعنی اگر وہ اندھے ہیں تو تم تو اندھی نہیں ہو۔

الجواب: یہ حدیث مسند احمد، ترمذی، ابوداود، سنن النسائی الکبریٰ، شرح معانی الآثار، طبرانی المعجم الکبیر، بیہقی وغیرہ میں ہے۔امام ترمذیؒ نے یہ حدیث باب ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال کے تحت ذکر فرمائی ہے اور اس کو حسن صحیح فرمایا ہے۔

لیکن اس کی سند میں نبہان مولیٰ ام سلمہؓ مجہول ہیں، شیخ بشار عواد نے ترمذی کی تعلیقات میں امام ترمذی کے قول " حسن صحیح " پر یوں تبصرہ کیا: هكذا اجتهد رحمه اللّٰہ تعالیٰ ككثير من صنيعه في تصحيح أحاديث بعض المجاهيل ونبهان مولی أم سلمةؓ مجهول كما حررناه في تحرير أحكام التقريب ، قال الإمام أحمد نبهان روی حديثين عجيبين يعني هذا الحديث وحديث إذا كان لإحداكن مكاتب فليحتجب منه . (تعلیقات ترمذی : ٤٨٢/٤).

وللمزيد من البحث راجع : (تعليقات الشيخ شعيب على مسند الامام احمد:١٥٩/٤٤۔١٦٠).

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کا حبشیوں کے کھیل کی طرف دیکھنا صحیح حدیث سے ثابت ہے اور یہ ضعیف ہے۔

نیز یہاں عبداللہ بن ام مکتوم قریب تھے اور حبشیوں کے جہادی کرتب کا منظر دور تھا۔

نیز اگر یہ روایت صحیح ہو تو پھر احتیاط پر مبنی ہے اور احتیاط سے کون انکار کرسکتا ہے، خصوصاً اس فتنہ وفساد کے زمانہ میں احتیاط ہی پر عمل کرنا چاہئے کیونکہ ہر طرف فتنہ وفساد پھیلا ہوا ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورت کے لیے باریک دوپٹہ کا حکم:

سوال: (۱) الف: کیا عورت کے لیے باریک دوپٹہ جس میں سے بال نظر آتے ہوں، پہننا جائز ہے یا نہیں؟ ب: اگر ایسے باریک دوپٹے کے ساتھ نماز پڑھی ہو تو اس کی نماز کا کیا حکم ہوگا؟ ج: دوپٹوں کے باریک ہونے کا حکم کیسے متعین کیا جائے گا؟ یعنی کتنے فاصلے سے نظر آنے سے حکم لگایا جائے گا؟ کیونکہ بعض باریک دوپٹے ایسے ہوتے ہیں کہ دور سے آر پار نظر نہیں آتا لیکن قریب سے سر کی مانگ وغیرہ بھی نظر آتی ہے۔

(۲) اگر باریک برقع میں کئی سالوں تک نماز ادا کی گئی ہو تو کیا ان نمازوں کی قضا لازم ہے؟ اگر کسی عالم

کے قول پر عمل کیا ہو تو حکم میں فرق ہوگا، یعنی کسی عالم نے یہ بتایا ہو کہ ایسے باریک برقع میں نماز ہو جاتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: (ا) الف: کسی عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کسی نامحرم کے سامنے اس طرح باریک دوپٹہ پہنے جس میں سر کے بال وغیرہ صاف نظر آتے ہوں۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں مرقوم ہے:

وإن كان ثوبها رقيقاً يصف ما تحته ويشف أو كان صفيقاً لكنه يلتزق ببدنها حتى يستبين له جسدها فلا يحل له النظر لأنه إذا استبان جسدها كانت كاسية صورة عارية حقيقة وقد قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: لعن اللّٰه الكاسيات والعاريات . وروي عن سيدتنا عائشةؓ أنها قالت: دخلت علي أختي السيدة أسماءؓ وعليها ثياب شامية رقاق وهي اليوم عندكم صفاق، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : هذه ثياب تمجها سورة النور فأمر بها فأخرجت...الخ. (بدائع الصنائع: ۵/۱۲۳، كتاب الاستحسان ،ط: سعيد).

الموسوعة الفقهية میں ہے:

ويشترط فی الساتر أن لايكون رقيقاً يصف ما تحته بل يكون كثيفاً لايرى منه لون البشرة و يشترط كذلك أن لا يكون مهلهلاً ترى منه أجزاء الجسم لأن مقصود الستر لا يحصل بذلك . (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۲۴/ ۱۷۴ ،وزارة الاوقاف، الكويت).

ب: باریک دوپٹہ میں نماز نہیں ہوگی اس لیے کہ عورت کے لیے سر اور بالوں کا چھپانا نماز کے شرائط میں سے ہے۔ ملاحظہ ہو مبسوط الامام السرخسیؒ میں مذکور ہے:

وإن كان رقيقاً يصف ما تحته لا يحصل به ستر العورة فلا تجوز صلاته . (المبسوط : ۱/ ۳۴، مطلب فی صفة التوشح وحكمه، ط:ادارة القرآن).

امداد الفتاح میں ہے:

ويشترط ستر العورة و كان سترها فرضاً للإجماع عليه فی الصلاة ، ولو كان في بيت مظلم، ولحديث عائشةؓ : ولا يقبل اللّٰه صلاة حائض إلا بخمار، وصححه الحاكم، والساتر هو الذي لايرى ما تحته فالثوب الرقيق الذي يصف ما تحته لايكون ساتراً ، وفی التجنيس:

امرأة صلت ، و عليها ثوب رقيق يصف ما تحته ، لا يجوز صلاتها لأنها بمنزلة العارية ، قال عليه الصلاة و السلام: " لعن الله الكاسيات العاريات " أراد ما ذكرنا. (امدادالفتاح ، ص: ۲۲۸، ط:بیروت). (و كذا فی البحر الرائق: ۱/ ۲۶۹،وخلاصة الفتاوىٰ: ۱/ ۷۳،الفصل السادس فی سترالعورة من كتاب الصلاة، وفتاوى الشامی: ۱/ ٤۱۰، باب شروط الصلاة ، سعيد، و شرح منية المصلی ،ص ۲۱٤،ط:سهيل).

ج: مذکورہ بالا فقہاء کی عبارات کی روشنی میں اس کا حکم خود بخود واضح ہوجاتا ہے کہ ایسا باریک دوپٹہ جس میں کھال کا رنگ نظر آئے تو اس میں نماز نہیں ہوتی ، اور کھال کا رنگ تو قریب سے نظر آتا ہے، بنابریں اگر قریب سے نظر آتا ہے اور دور سے نظر نہیں آتا تب بھی باریک کپڑوں میں شمار ہوگا۔

(۲) باریک دوپٹہ پہن کر جو نمازیں پڑھی گئی ہیں ان تمام کا اعادہ واجب ہے۔ کیونکہ شرائط نماز میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وإذا أمهم زماناً ثم قال: إنه كافر ومع نجاسة مانعة أو بلا طهارة ليس عليهم إعادة لأن خبره غير مقبول في الديانات لفسقه باعترافه بخلاف ما إذا صلى فتبين له فساد صلاته بنجاسة أوعدم طهارة ...(امدادالفتاح ،ص ۳۳۱). (و كذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح ،ص۱۹۲،ط: بولاق).

اس عبارت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شرائطِ نماز میں کوتاہی کی وجہ سے اعادہ لازم ہے اگرچہ کئی سال اس طرح کیا ہو۔

فتاویٰ فریدیہ میں ہے:

زنانہ کے لیے باریک دوپٹہ میں نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے اور دوبارہ باقاعدہ واجب الاعادہ ہے۔(فتاویٰ فریدیہ:۲/ ۲۱۸،باب شروط الصلاۃ)۔

اگر کسی عالم کے بتانے کی وجہ سے پڑھی گئی تھی تب بھی قضا لازم ہے،البتہ اس مصلیہ پر گناہ نہیں ہوگا۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے: **" من أفتى بغير علم كان إثمه على من أفتاه "**. (رواه أبوداود: ۲/ ۱۵۹، باب التوقی فی الفتيا). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عورتوں کے لیے سر اور بالوں کے پردے کا حکم:

سوال: (۱) عورتوں کے لیے بال ڈھانکنے کا کیا حکم ہے؟

(۲) عورت کے لیے عورتوں کے درمیان بال ڈھانک کر رکھنا لازم ہے یا نہیں؟

(۳) اگر گھر میں عورت تنہا ہو تو عورت ننگے سر رہ سکتی ہے یا نہیں؟

(۴) کیا کسی کتاب میں ایسا مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کے گھر تشریف لے گئے وہ موجود نہیں تھے آپ واپس ہو گئے جب وہ صحابی اپنے گھر پہنچے تو ان کی بیوی نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے تم نہیں تھے تو واپس تشریف لے گئے وہ صحابی فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے گھر کھانے کی دعوت دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نہیں چلونگا اس لیے کہ جب میں تمہارے گھر گیا تھا تو تمہاری بیوی ننگے سر تھی اور آٹا گوندر ہی تھی شیطان نے اس کے سر پر پیشاب کیا اور پیشاب کے چھینٹے آٹے میں پڑے اس آٹے کو جا کر پھینک دو۔

(۵) عورت کے لیے اپنے محارمِ ابدیہ کے سامنے سر کھولنے یا ڈھانکنے کا کیا حکم ہے؟ جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: (۱) عورت گھر کی زینت ہے اور عورت کے لیے بال زینت ہے، عورت کو اپنے گھر میں اپنی زینت ظاہر کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ کوئی غیر محرم اس گھر میں موجود نہ ہو۔

(۲) عورتوں کے لیے عورتوں کے درمیان بالوں کو ڈھانک کر رکھنا افضل اور بہتر ہے، لیکن لازم نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

نظر المرأة إلى المرأة كنظر الرجل إلى الرجل حتى يجوز للمرأة أن تنظر منها إلى ما يجوز للرجل أن ينظر إليه من الرجل إذا أمنت الشهوة والفتن لأن ما ليس بعورة لايختلف فيه الرجال والنساء فكان لها أن تنظر منه ما ليس بعورة وإن كان في قلبها شهوة أو أكبر رأيها أنها تشتهي أو شكت في ذلك يستحب لها أن تغض بصرها. (البحر الرائق: ۱۹۳/۸، ط: کوئٹہ).

مزید براں غلط قسم کی عورتوں سے فتنہ کا اندیشہ بھی رہتا ہے چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

ولا تنبغي للمرأة الصالحة أن تنظر إليها المرأة الفاجرة لأنها تصفها عند الرجال، فلا تضع جلبابها ولا خمارها كما في السراج. (فتاوى الشامي: ۳۷۱/۶، سعيد).

(۳) عورت اپنے گھر میں تنہا ہو تو بال کھول سکتی ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

یرخص للمرأة کشف الراس في منزلها وحدها فأولى لها لبس خمار رقيق يصف ما تحته عند محارمها. (فتاوى الشامي: ١/٤٠٤، مطلب في سترالعورة، سعيد).

(وكذا في الفتاوى الهندية: ٥/٣٣٣).

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ آپ کے مسائل میں فرماتے ہیں:

اچھا تو یہی ہے کہ عورت سر ننگا نہ کرے، تاہم اگر گھر پر کوئی نامحرم نہ ہو تو سر ننگا کرنا جائز ہے، نامحرم کے لیے جائز نہیں۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶۴/۸، ط: طبع جدید)۔

(۴) تتبع کثیر اور تفتیش بسیار کے باوجود کسی حدیث کی کتاب میں یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔

(۵) بنگاہِ شریعت عورت کا اپنے محارمِ ابدیہ کے سامنے سر کھولنا جائز اور درست ہے۔تاہم شرم وحیا کی خاطر سر پر باریک دوپٹہ پہننا سر کھولنے کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے۔جیسا کہ علامہ شامیؒ نے فرمایا۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

وينظر الرجل من ذوات محارمه إلى الوجه والرأس والصدر والساقين والعضدين ولاينظر إلى ظهرها وبطنها وفخذها. والأصل فيه قوله تعالىٰ: ﴿ولايبدين زينتهن إلا لبعولتهن ...الآية﴾ والمراد والله أعلم مواضع الزينة...ولأن البعض يدخل على البعض من غير استيذان و احتشام و المرأة في بيتها في ثياب مهنتها عادة فلو حرم النظر إلى هذه المواضع أدى إلى الحرج وكذا الرغبة تقل للحرمة الموبدة فقل ما تشتهى. (الهداية: ٤/٤٦١، ط: مكتبة شركة علمية).

آپ کے مسائل میں ہے:

گھٹنے سے نیچے کا حصہ اور سینہ سے اوپر کا حصہ، سر، چہرہ، بازو، محرم کے سامنے کھولنا جائز ہے۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸۲/۸، طبع جدید)۔

خواتین کے فقہی مسائل میں ہے:

عورت اپنے محرم رشتہ دار جیسا کہ باپ، بھائی، لڑکے وغیرہ کے سامنے اپنے جسم کا صرف اتنا حصہ کھول سکتی ہے، جتنا گھر کے کام کاج اور نقل وحرکت کرتے ہوئے کھولنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔(خواتین کے فقہی مسائل، ص۲۰۳)۔

کتاب الفتاویٰ میں ہے:

...اگر گھر میں صرف شوہر اور محرم رشتہ دار ہوں تو سر کھلا رکھنے کی گنجائش ہے...لیکن احتیاط بہر حال گھر کے اندر بھی سر ڈھک کر رکھنے میں ہے کیونکہ اگر کھلے سر رہنے کی عادت بن گئی تو پھر بے خیالی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور محرم اور غیر محرم کا فرق بھی رخصت ہو جاتا ہے۔(کتاب الفتاویٰ:۶/۹۹)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورت کا عورت کے سامنے سینہ کھولنے کا حکم:

سوال: بعض عورتیں دوسری عورتوں کے سامنے بے تکلف سینہ اور پستان کھولتی ہیں اور کہتی ہیں کہ یہ عورت کے حق میں ستر نہیں ہے کیا ایسا کرنا درست ہے یا مکروہ ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر سینہ کھولنے میں شہوت اور فتنہ یا لذت ہو تو نہیں کھولنا چاہئے ، ہاں کبھی کبھی کھولنے کی ضرورت پڑتی ہے تو بقدرِ ضرورت کھولنے کی اجازت ہے، اور بلا ضرورت نہیں کھولنا چاہئے ، فی زماننا فتنہ وفساد کے غلبہ کی وجہ سے کسی عورت کے سامنے سینہ کھولکر بے حیائی کا مظاہرہ بالکل نہیں کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو علامہ ابو بکر کاسانیؒ بدائع الصنائع میں فرماتے ہیں:

وأما الثالث وهو بيان ما يحل من ذلک وما يحرم للمرأة من المرأة...فتنظر المرأة من المرأة إلى سائر جسدها إلا ما بين السرة والركبة لأنه ليس في نظر المرأة إلى المرأة خوف الشهوة والوقوع فى الفتنة...حتى لو خافت ذلک تجتنب عن النظر. (بدائع الصنائع: ۵/۱۲۴، سعید).

مذکورہ بالا عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ خوفِ فتنہ کی وجہ سے اجتناب کرنا چاہئے ، اور آج کل فتنہ فساد کا غلبہ ہے۔

صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں:

وتنظر المرأة من المرأة إلى ما يجوز للرجل أن ينظر إليه من الرجل لوجود المجانسة وانعدام الشهوة غالباً ... وكذا الضرورة قد تحققت إلى الانكشاف فيما بينهن. (الهداية: ۴/۴۶۱). (وكذا فى البحر الرائق:۸/۲۱۹،ط: بيروت،وتبيين الحقائق: ۶/۱۸،ط:امداديه ملتان).

صاحبِ ہدایہ کی عبارت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ عورتوں کے درمیان سینہ وغیرہ کھولنے کی ضرورت ہے اور فتنہ کا اندیشہ بھی نہیں ہے ہاں اگر ضرورت نہیں ہے اور خوفِ فتنہ بھی ہو تو نہیں کھولنا چاہئے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فوج میں ملازمت کے لیے اندرونی معائنہ کا حکم:

سوال: اگر کسی ملک کی فوج میں ملازمت کے لیے یہ شرط ہو کہ اس کا اندرونی معائنہ کیا جائیگا جس میں کشفِ عورت لازم آئیگا تو ایسی ملازمت اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: فوج کی تیاری اور اس کا اہتمام ملک کا ایک اہم شعبہ ہے خصوصاً موجودہ دور میں، اور فوج میں داخلہ کے لیے تحقیق وتفتیش کی جاتی ہے تاکہ ملک کی فوج بہتر سے بہتر طریقہ پر مقرر ہو، نیز فقہاء نے تحریر فرمایا ہے کہ بلاضرورتِ شدیدہ کشفِ عورت جائز نہیں ہے تو اگر یہ معائنہ ضرورت کے درجہ میں ہو تو اس کی گنجائش ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوی الشامی میں ہے:

مطلب: المواضع التي يحل فيها النظر إلى عورة الأجنبي. (قوله لاباحته لتحمل الشهادة) و مثله نظر القابلة والخافضة والختان والطبيب وزاد فی الخلاصة من مواضع حل النظر للعورة عند الحاجة الاحتقان والبكارة فی العنة والرد بالعيب فتح ، قلت : وكذا لو ادعى الزاني بكارتها. ونظمتها بقولي :

و لا تنظر لعورة أجنبي ☆ بلا عذر كقابلة طبيب

وختان وخافضة وحقن ☆ شهود زنا بلا قصد مريب

و علم بكارة في عنة أو ☆ زنا أو حين رد للمعيب

(فتاوى الشامي: ٤/٣٦، كتاب الحدود، سعيد).

وفي شرح فتح القدير: والنظر إلى العورة عند الحاجة لا يوجب فسقاً كنظر القابلة ...الخ.

(فتح القدير: ٥/٢٩٨، باب الشهادة على الزنا، دارالفكر، و كذا فی المبسوط للامام السرخسیؒ: ٩/١٣١، دارالفكر).

لیکن فقیہ الامت حضرت مفتی محمود صاحبؒ نے اس ضرورت کو شرعاً غیر معتبر قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

سوال: آج کل جو پولیس میں بھرتی کے وقت یا کالجوں میں داخلہ کے وقت آدمی کو ننگا کر کے اس کا ڈاکٹری معائنہ کرتے ہیں، کیا یہ جائز ہے کیونکہ کشفِ عورت تو حرام ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: کشفِ عورت کے لیے یہ ضرورت شرعاً معتبر نہیں، کیونکہ نہ اس پر مدارِ صحت ہے نہ زندگی، کوئی اور بھی شرعی ضرورت اس پر موقوف نہیں... پولیس کی ملازمت میں بہت سے مواقع پر قانوناً خلافِ

شرع کرنے پر آدمی مجبور ہوتا ہے، نیز اس پر کچھ معیشت کا بھی مدار نہیں، بغیر اس کے بڑی مخلوق آسائش کے ساتھ موافقِ شرع زندگی بسر کرتی ہے۔ پس صورتِ مسئولہ میں ارتکابِ حرام کی ہرگز گنجائش نہیں، بلکہ اجتناب واجب فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۲۴۵، جامعہ فاروقیہ)۔و(کفایت المفتی:۱۲/۲۸۰، ط:جامعہ فاروقیہ)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایسی ملازمت اختیار کرنے کے لیے اندرونی معائنہ کرانا جو کہ شرعاً حرام کے زمرہ میں آتا ہے بظاہر نہ تو اس کو ضرورتِ شرعی کہہ سکتے ہیں اور کوئی ضرورتِ معاش کہہ سکتے ہیں لہذا اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ کیونکہ ذرائع معاش اس کے علاوہ اور بہت ہیں۔ واللہ ﷻ اعلم۔

مخلوط تقریبات میں شرکت کا حکم:

سوال: کیا عورتوں کے لیے شادی، ولیمہ اور دیگر تقریبات میں شرکت کی اجازت ہے یا نہیں؟ اگر اجازت ہو تو کس طرح جائیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: اگر شادی، ولیمہ یا اور کوئی خاندانی تقریب ہو اور عورتوں کے لیے الگ کمرہ ہو جس میں مردوں سے خلط اختلاط کا اندیشہ نہ ہو، پردہ کا اہتمام ہو تو ایسی تقریب میں شرکت کی اجازت ہے، اور گھر سے نکلتے وقت مکمل پردہ کی رعایت کے ساتھ نکلے، یعنی پورا جسم مع چہرہ مستور ہو ہاں راستہ دیکھنے کے لیے آنکھیں کھلی رکھنا درست ہے۔ نیز شوہر کی اجازت ضروری ہے یا شوہر یا اور کوئی محرم ساتھ ہو۔

البتہ آج کل کی مخلوط مجلسیں جن میں پردہ وغیرہ کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا، خلط واختلاط مع الاجانب بھی ہوتا ہے، ایسی مجلسوں میں شرکت کی بالکل اجازت نہیں۔ شوہر کی اجازت ہو یا شوہر ساتھ ہو پھر بھی جائز نہیں۔

قال في مسئولية المرأة المسلمة: الاختلاط: هو اجتماع الرجل والمرأة التي ليست بمحرم، أو هو: اجتماع الرجال والنساء غير المحارم في مكان واحد يمكنهم فيه الاتصال فيما بينهم بالنظر أو الإشارة أو الكلام، فخلوة الرجل بالمرأة الأجنبية التي ليست من محارمه على أى حال من الأحوال تعتبر من الاختلاط، وهو محرم وهو من أخطر الأمور التي حذر الله منها المسلمين، فإن الاختلاط بين الجنسين الذكر والأنثى من أكبر أسباب الميسرة للفاحشة، وأخطر من ذلك الخلوة بالمرأة غير المحارم فإن ذلك مدخلاً للشيطان قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يخلون رجل بامرأة إلا كان الشيطان

ثالثهما. رواه أحمد والترمذي والحاكم وصححه. (ص۲۲).

وفي مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: وفى المنتقى: تمنع الشابة عن كشف وجهها لئلا يؤدي إلى الفتنة وفي زماننا المنع واجب بل فرض لغلبة الفساد وعن عائشةؓ جميع بدن الحرة عورة إلا إحدى عينيها فحسب لاندفاع الضرورة. (مجمع الانہر: ۱/۱۲۲،ط: دارالکتب العلمیة).

وقال شمس الأئمة السرخسيؒ:...فدل أنه لا يباح النظر إلى شيء من بدنها ولأن حرمة النظر لخوف الفتنة وعامة محاسنها في وجهها، فخوف الفتنة فى النظر إلى وجهها أكثر منه إلى سائر الأعضاء. (المبسوط: ۱۰/۱۵۲).

وللاستزادة انظر: (بدائع الصنائع: ۵/۱۲۳،ط:سعید، وتبیین الحقائق: ۶/۱۷،ط:امدادیه).

خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کے لیے ولیمہ میں شرکت کرنا جائز ہے جب کہ مندرجہ ذیل چند شرائط کا لحاظ رکھا جائے۔

دعوتِ ولیمہ میں شرکت کی اجازت کا ثبوت:

امام بخاری نے بخاری شریف میں باب قائم کیا ہے "باب ذهاب النساء والصبيان إلى العرس" اوراس باب کے تحت درجِ ذیل حدیث کی تخریج فرمائی ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: أبصر النبي صلى الله عليه وسلم نساء وصبياناً مقبلين من عرس فقام ممتناً فقال: اللّٰهم أنتم من أحب الناس إلي. (بخاری شریف،رقم: ۵۱۸۰).

قال العلامة بدرالدين العينيؒ: هذا باب في بيان جواز ذهاب النساء والصبيان إلى وليمة العرس وعقد هذه الترجمة لئلا يتخيل عدم جواز ذلك. (عمدة القاری: ۱۴/۱۳۶،ط: دارالحدیث ، ملتان).

قال الحافظ ابن حجرؒ: كأنه ترجم بهذا لئلا يتخيل أحد كراهة ذلك فأراد أنه مشروع بغير كراهة. (فتح الباری: ۹/۲۴۸).

قال فى الهداية: ومن دعي إلى وليمة أو طعام...وهذا لأن إجابة الدعوة سنة. (الهداية: ۴/۸۰).

شرکت کے شرائط حسبِ ذیل ملاحظہ ہو:

(۱) شوہر یا ولی اور سرپرست کی اجازت ضروری ہے۔ كما هو مرقوم في عامة كتب الفقه۔

(۲) نقاب پہن کر نکلے، اور سادہ برقعہ پہن کر نکلے نقش ونگار والے برقعہ سے اجتناب کرے۔

(۳) کوئی خوشبو، پاؤڈر وغیرہ نہ لگائے، یعنی بناؤ سنگار نہ کرے۔

(۴) سفر شرعی میں شوہر یا محرم کا ساتھ ہونا۔

(۵) اختلاط مع الاجانب نہ ہو۔

(۶) آلاتِ موسیقی وغیرہ نہ ہوں۔ اگر لہو ولعب کا بازار گرم ہو تو ایسی حالت میں مردوں کو بھی شرکت کی اجازت نہیں۔ قال في الدر المختار: وإن علم أولاً باللعب لايحضر أصلاً.

وفي الشامي: وساق بعد هذا في التبيين ما رواه ابن ماجة أن علياً رضي الله عنه قال: صنعت طعاماً فدعوته رسول الله صلى الله عليه وسلم فجاء فرأى في البيت تصاوير فرجع .قلت: مفاد الحديث أنه يرجع ولو بعد الحضور وأنه لايلزم الإجابة مع المنكر أصلاً، تأمل. (فتاوى الشامي: ٦/ ٣٤٨،سعيد).

حاصل یہ ہے کہ دعوتِ ولیمہ میں شرکت شرائطِ مذکورہ بالا کی رعایت کے ساتھ جائز ہے۔

اشکال: بہشتی زیور (ص۴۶۴، ط: دارالاشاعت، کراچی) میں حضرت تھانویؒ نے شادی اور ولیمہ وغیرہ کی دعوتوں میں شرکت کو ناجائز قرار دیا ہے، اس کا کیا مطلب ہوگا؟

الجواب: فی زماننا عموماً اس قسم کی دعوتوں میں جو مفاسد اور خرابیاں ہوتی ہیں ان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرتؒ نے منع فرمانے کے بعد تقریباً اس کی ۳۲ خرابیاں بیان فرمائی ہیں، (ملاحظہ ہو: بہشتی زیور، ص۴۶۴۔۴۶۷) جن میں سے اکثر پائی جاتی ہیں الا ماشاء اللہ کوئی محفل مستثنیٰ ہو۔ بنابریں ان خرابیوں، اور مفاسد کی موجودگی میں کون شرکت کی اجازت دے سکتا ہے؟

اسی طرح علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں:

شوہر عورت اجنبیوں کی زیارت اور ان کی عیادت سے اور ان کے ہاں دعوتِ ولیمہ میں جانے سے روکے اور اگر شوہر اجازت دے گا تو دونوں گنہگار ہوں گے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ: ۲/ ۸۷، آرام باغ، کراچی)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بوڑھیا کے لیے سر کے بالوں کا حکم:

سوال: کسی دوست نے مجھ سے کہا کہ جب ایک عورت آئسہ بن جاتی ہے تو اس کے لیے سر کے بال

ڈھانپنا ضروری نہیں ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: ننگے سر پھرنا فی زمانہ غیر مسلم اور آوارہ عورتوں کا شعار ہے اس لیے مسلمان عورتوں کو ننگے سر پھرنا ہرگز درست نہیں اگرچہ بوڑھی ہو۔

ملاحظہ ہو احکام القرآن میں ہے:

قال أبو بكر: لاخلاف في أن شعر العجوز عورة لا يجوز للأجنبي النظر إليه كشعر الشابة وأنها إن صلت مكشوفة الرأس كانت كالشابة في فساد صلاتها فغير جائز أن يكون المراد وضع الخمار بحضرة الأجنبي، فإن قيل: إنما أباح الله تعالىٰ لها بهذه الآية أن تضع خمارها في الخلوة بحيث لايراها أحد. قيل له فإذا لا معنى لتخصيص القواعد بذلك إذ كان للشابة أن تفعل ذلك في خلوة وفي ذلك دليل على أنه إنما أباح للعجوز وضع ردائها بين يدي الرجال بعد أن تكون مغطاة الرأس، وأباح لها بذلك كشف وجهها ويدها لأنها لاتشتهي وقال تعالىٰ: ﴿وأن يستعففن خيرلهن﴾ فأباح لها وضع الجلباب وأخبر أن الاستعفاف بأن لاتضع ثيابها بين يدي الرجال خير لها. (احکام القرآن:۳/۳۳٤، ط: سہیل).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

عورت کے شخصی حال کے اعتبار سے یہ کیا گیا کہ جو عورت بڑی بوڑھی ایسی ہو جائے کہ نہ اس کی طرف کسی کو رغبت ہو اور نہ وہ نکاح کے قابل ہو تو اس کے لیے پردہ کے احکام میں یہ سہولت دیدی گئی ہے کہ اجانب بھی اس کے حق میں مثل محارم کے ہو جاتے ہیں، جن اعضاء کا چھپانا اپنے محرموں سے ضروری نہیں ہے، اس بوڑھی عورت کے لیے غیر مردوں غیر محرموں سے بھی ان کا چھپانا ضروری نہیں، مگر ایسی بڑی بوڑھی عورت کے لیے بھی ایک قید تو یہ ہے ...بن سنور کر زینت کر کے نہ بیٹھے،... غیر محرموں کے سامنے آنے سے بالکل ہی بچیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ (معارف القرآن:٦/٤٤٧)۔

موجودہ دور میں ساٹھ، ستر سال کی بوڑھی عورت اس طرح بناؤ سنگار کرتی ہے کہ اس کو بوڑھی کہنا بھی مشکل ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورت کے لیے خارج البیت کام کرنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی پردہ میں رہ کر گھر سے باہر کام کرنے کے لیے نکلے تو کیا ﴿وقرن في بيوتكن﴾

کے منافی ہے یا نہیں؟ اور کام کرنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: اسلام نے عورت کو گھر کی ملکہ بنایا ہے، اور اس کے جسم کی ساخت بھی مرد سے مختلف ہے اس پر خارجی عمل کا بارڈالنا ناانصافی اور ظلم ہے، اس کے چند اسباب ہیں:

(۱) حیض، اس زمانہ میں عورت کی طبیعت پر ایک قسم کا بوجھ ہوتا ہے۔

(۲) الحمل، حمل کی تکالیف کے ساتھ باہر کام کرنا انتہائی مشکل ہے۔

(۳) ولادت ونفاس۔ ان ایام میں عورت کو مکمل آرام وراحت کی بے حد ضرورت ہے۔

(۴) رضاعت وحضانت، بچے کو دودھ پلانا اور اس کی پرورش اور اچھی طرح دیکھ بھال، وغیرہ۔

(۵) ترکیب جسمانی، ان اسباب کے ماتحت عورت کے لیے نہ وقت ہے اور نہ اس کی طاقت ہے۔

خارج البیت عمل کے عدمِ جواز کی وجوہ واسباب:

(۱) عورت کے لیے گھر سے باہر نکلتے وقت مکمل از سرتاپا پردہ پوشی لازم اور واجب ہے۔

(۲) فتنہ انگیز سفر عورت کے لیے ممنوع ہے، اور یہ آج کل خارج البیت عمل کے لوازمات میں سے ہے۔

(۳) اجانب کے ساتھ خلط واختلاط نصوصِ شرعیہ کی روشنی میں ناجائز ہے اور خارج البیت عمل میں اس سے اجتناب انتہائی مشکل ہے۔

(۴) بے پردگی اور مواضعِ زینت ومحاسنِ جسم کے اظہار میں اکثر عورتیں ملوث ہیں۔

(۵) امورِ خانہ داری کے حسن انتظام سے فرصت کہاں؟

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں: جولوگ مرد کا بوجھ عورت کے نحیف کندھوں پر ڈالتے ہیں وہ عورت پر ظلم کرتے ہیں۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸/۵۵)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

عورت کمپنی میں ملازمت کرے گی تو کئی ممنوعات کا ارتکاب ہوگا، بے پردگی ہوگی، نامحرم مردوں کے ساتھ اختلاط اور بعض موقعوں پر خلوت اور تنہائی کا موقعہ بھی آسکتا ہے، ان کے ساتھ بے تکلفانہ بات چیت اور نامحرم مردوں کے ساتھ آمد ورفت ہوگی وغیرہ وغیرہ، اس لیے شرعاً ایسی ملازمت کی اجازت نہیں ہوسکتی۔ عورت پریشان حال ہوتو گزربسر کے لیے اور کوئی جائز تدبیر اختیار کی جائے، سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ مناسب جگہ نکاح ثانی کرلے، جب تک یہ صورت نہ ہو یا کسی وجہ سے عورت نکاحِ ثانی کے لیے آمادہ نہ ہوتو گھر میں چھوٹے

بچے بچیوں کو پڑھانا شروع کردے یا کوئی گھریلو ہنر اختیار کرے اور اس سے اخراجات کا انتظام کرے، اگر ایسی کوئی صورت نہ ہو سکے اور عورت اور بچیوں کے پاس مال نہ ہو فاقہ کی نوبت آتی ہو تو عورت اور بچیوں کے اعزاء و اقرباء پر ان کے نان، نفقہ کا انتظام کرنا لازم ہوگا، اگر وہ انتظام نہ کریں تو اہل محلّہ و جماعتِ مسلمین پر یہ فریضہ عائد ہوگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۵/ ۴۵۸، مکتبۃ الاحسان، دیوبند)۔

ہاں اگر کوئی انتظام نہ اور بدرجہ مجبوری عورت کو نکلنا پڑے تو درجِ ذیل شرائط کی رعایت کے ساتھ نکل سکتی ہے:

(۱) شوہر یا ولی اور سرپرست کی اجازت ضروری ہے۔ كما هو مرقوم في عامة كتب الفقه ۔

(۲) نقاب پہن کر نکلے، اور سادہ برقعہ پہن کر نکلے نقش و نگار والے برقعہ سے اجتناب کرے۔

(۳) کوئی خوشبو، پاؤڈر وغیرہ نہ لگائے، یعنی بناؤ سنگار نہ کرے۔

(۴) سفر شرعی میں شوہر یا محرم کا ساتھ ہونا۔

(۵) اختلاط مع الاجانب نہ ہو اور خوفِ فتنہ نہ ہو۔

(۶) ہر وہ ملازمت ناجائز اور ممنوع ہے جس میں مرد کے ساتھ خلوت اور تنہائی لازم آتی ہے۔

عن أسماء بنت أبي بكر رضي الله عنه قالت: تزوجني الزبير رضي الله عنه وما له في الأرض من مال ولا مملوك ولا شيء غير فرسه قالت: فكنت أعلف فرسه وأكفيه مؤنته وأسوسه وأدق النوى لناضحه وأعلفه وأستقي الماء وأخرز غربه وأعجن ولم أكن أحسن أخبز وكان يخبز لي جارات من الأنصار وكن نسوة صدق وكنت أنقل النوى من أرض الزبير التي أقطعه رسول الله صلى الله عليه وسلم على رأسي وهي على ثلثي فرسخ ، قالت: فجئت يوماً والنوى على رأسي فلقيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعه نفر من أصحابه فدعاني ثم قال: إخ إخ ليحملني خلفه... الخ. (رواه مسلم، رقم: ۲۱۸۲).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (تكملة فتح الملهم: ٤/ ٢٦١، ومسئولية المرأة المسلمة، ص ٧٦۔ ٨١، وفتاویٰ رحيميه: ٥/ ٢٣٥، مكتبة الاحسان، ديوبند، وآپ کے مسائل اوران کا حل: ٨/ ٥٥، طبع جديد).

اور بوقتِ ضرورت وحاجت گھر سے نکلنا ﴿ وقرن في بيوتكن ﴾ کے خلاف نہیں ہے۔ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں مفسرین نے مواقع ضرورت کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو: (روح المعانی: ۲۲/ ۹)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نظر استحسان اور نظر شہوت کے درمیان فرق:

سوال: کسی عورت کی طرف دیکھنے میں نظر استحسان، نظر لذت ونظر شہوت میں کیا فرق ہے اور کیا حکم ہے؟

الجواب: نظر استحسان: جس میں اچھائی برائی پر غالب ہو یعنی شہوت، لذت وغیرہ نہ ہو یہ خلافِ اولیٰ ہے۔ اور نظر لذت: جس میں تکرارِ نظر میں لطف حاصل کرنا مقصود ہو۔ اور نظر شہوت: جس میں عورت کے ساتھ بغل گیر اور صحبت کا ارادہ ہو۔ آخر الذکر دونوں حرام ہیں۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

أقول: حاصله أن مجرد النظر واستحسانه لذلک الوجه الجميل وتفضيله على الوجه القبيح كاستحسان المتاع الجزيل لا بأس به، فإنه لايخلو عنه الطبع الإنساني بل يوجد فى الصغار، فالصغير المميز يألف صاحب الصورة الحسنة أكثر من صاحب الصورة القبيحة ويرغب فيه ويحبه أكثر بل قد يوجد ذلک فى البهائم فقد أخبرني من رأى جملاً يميل إلى امرأة حسناء و يضع رأسه عليها كلما رأها دون غيرها من الناس فليس هذا نظر شهوة و إنما الشهوة ميله بعد هذا ميل لذة إلى القرب منه أو المس له زائداً على ميله إلى المتاع الجزيل أو الملتحي لأن ميله إليه مجرد استحسان ليس معه لذة وتحرک قلب إليه كما في ميله إلى ابنه أو أخيه الصبيح وفوق ذلک الميل إلى التقبيل أو المعانقة أو المباشرة أو المضاجعة ...ولا يخفى أن الأحوط عدم النظر مطلقاً . (فتاوى الشامي: ٣٦٥/٦، سعيد).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

لفٹ میں خلوت بالاجنبیہ کا حکم:

سوال: حدیث شریف میں آتا ہے: ” لايخلون رجل بامرأة إلا كان ثالثهما الشيطان“ تو اگر کوئی شخص کسی اجنبیہ کے ساتھ لفٹ میں نیچے سے بیسویں منزل تک جائے تو کیا یہ ممنوع خلوت ہے یا نہیں؟

(۲) اگر زوجین لفٹ سے بیسویں منزل تک جائے تو یہ خلوتِ صحیحہ ہے یا نہیں؟

الجواب: خلوت بالاجنبیہ کا مطلب یہ ہے عورت کے ساتھ تنہائی میں ہو اور لوگوں کی آنکھوں سے

غائب ہو، عام طور پر لفٹ جب چلتی ہے تو عمارت کے بعض حصوں میں لوگوں کی آنکھوں سے غائب ہوتی ہے، اور بالکل مختصر چھوٹا سا کمرہ ہوتا ہے جس میں خوفِ فتنہ ہے، لہذا یہ ممنوع ہے ۔ہاں اگر دوسرے لوگ بھی موجود ہوں اور عورت مکمل پردہ میں ہوتو درست ہے۔

وحقيقة الخلوة أن ينفرد رجل بامرأة في غيبة عن أعين الناس وذلک يحدث اليوم كثير في بيوت المسلمين...وهو من أخطر الأمور التي حذر الله منها المسلمين ...فإن في ذلک مدخلاً للشيطان قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لايخلون رجل بامرأة إلا كان الشيطان ثالثهما، رواه أحمد والترمذي والحاكم وصححه . (مسئولية المرأة المسلمة، ص٢٤،٢٣و٢٢).

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إياكم والدخول على النساء ، فقال رجل من الأنصار: أفرأيت الحمو قال : الحمو: الموت. (متفق عليه).

وقال رسول اللّه صلى الله عليه وسلم: لايخلون أحدكم بامرأة إلا مع ذي محرم. (متفق عليه).

ہاں لوگوں کے سامنے ہوتو خلوت میں شمار نہیں ۔امام بخاریؒ نے ایک باب قائم فرمایا'' **باب ما يجوز أن يخلو الرجل بالمرأة عند الناس**'' اوردرجِ ذیل حدیث ذکرفرمائی ہے:

عن هشام قال: سمعت أنس بن مالک رضي الله عنه قال:جاء ت امرأة من الأنصار إلى النبي صلى الله عليه وسلم فخلا بها فقال: والله إنكن لأحب الناس إلي . (رقم: ٥٢٣٤).

علامہ عینیؒ اس باب کے تحت فرماتے ہیں:

أى هذا باب في بيان ما يجوز أن يخلو الرجل بالمرأة حاصله أن الرجل الأمين ليس عليه بأس إذا خلا بامرأة في ناحية من الناس لما تسأله عن بواطن أمرها في دينها وغير ذلک من أمورها وليس المراد من قوله أن يخلو الرجل أن يغيب عن أبصار الناس فلذلک قيده بقوله عند الناس ... (عمدة القارى: ١٤/٢٠٩، دارالحديث ، ملتان).

قال الإمام النووىؒ: قوله خلا معها في بعض الطرق...ولم يكن ذلک من الخلوة بالأجنبية فإن هذا كان في ممر الناس ومشاهدتهم إياه وإياها. (شرح النووى لصحيح

مسلم:۲/ ۲۵٦،ط:قديمي).

خلاصہ یہ ہے کہ اجنبی مرد کے ساتھ لفٹ میں اکیلے بلامحرم اوپر چڑھنا ناجائز ہے۔

(۲) خلوتِ صحیحہ وہ ہے جس میں صحبت سے شرعی اور حسی وطبعی رکاوٹ مانع نہ ہو۔

قال في الدرالمختار: والخلوة بلا مانع كمرض لأحدهما يمنع الوطء، وطبعي كوجود ثالث عاقل ذكره ابن الكمال وجعله في الأسرار من الحسي ...وشرعي كإحرام لفرض أو نفل ...(الدرالمختار: ۳/ ۱۱٤،سعيد).

خلاصہ یہ ہے کہ لفٹ میں مانع کا پایا جانا ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی بھی منزل پر بٹن دبا کر لفٹ کو روک دے، اس وجہ سے خلوتِ صحیحہ متحقق نہ ہوگی، ہاں اگر اپنی ذاتی عمارت ہے اور کوئی دوسرا نہیں ہے اور کسی کے روکنے کا بھی اندیشہ نہیں ہے تو خلوتِ صحیحہ متحقق ہوگی۔ واللہ ﷻ اعلم۔

غیر مسلم عورت کا مسلمان عورت کو مالش کرنے کا حکم:

سوال: کیا غیر مسلم عورت مسلمان عورت کو مالش اور مساج (massage) کر سکتی ہے یا نہیں؟ جب کہ اس میں کشفِ عورت ہوتا ہے۔ اور یہ مالش کسی خاص بیماری کا علاج ہے جس میں غیر مسلم عورت ماہر ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ علاج ومعالجات میں ایک قسم کی ضرورت ہے اور ماہر طبیب سے علاج حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں، لہٰذا غیر مسلم عورت سے مالش کرانے اور علاج حاصل کرنے میں چنداں حرج نہیں بلکہ جائز اور درست ہے۔ ہاں عورت کے ہوتے ہوئے مرد ڈاکٹر سے علاج کرانا درست نہیں۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ نظر الجنس الی الجنس اخف ہے۔ ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

والطبيب إنما يجوز له ذلك إذا لم يوجد امرأة طبيبة فلو وجدت فلا يجوز له أن ينظر لأن نظر الجنس إلى الجنس أخف، وينبغي للطبيب أن يعلم امرأة إن أمكن وإن لم يمكن ستر كل عضو منها سوى موضع الوجع ثم ينظر ويغض بصره عن غير ذلك الموضع إن استطاع لأن ما ثبت للضرورة يتقدر بقدرها...ويمس ما يحل له النظر إليه يعني يجوز أن يمس ماحل له النظر إليه من محارمه ومن الرجل لا من الأجنبية لتحقق الحاجة إلى ذلك

من المسافرة والمخالطة. (البحرالرائق: ۸/۱۹۲-۱۹۴،ط:کوئٹه).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاوی الشامی: ۳٦/٤، کتاب الحدود، سعید، وفتح القدیر: ۲۹۸/٥، باب الشهادة علی الزنا، دارالفکر، و کذا فی المبسوط للامام السرخسیؒ: ۱۳۱/۹، دارالفکر، والهدایة: ٤٥٩/٤).

المجمع الفقہی اس موضوع پر مجمع الفقہ الاسلامی تابع اسلامک ارگنائزیشن کانفرنس کے فیصلہ نمبر ۸۵/۱۲/۸۵ مؤرخہ: ۱۴۱۴/۱/۷ھ کی تائید کرتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: **اصل یہ ہے کہ جب مسلم اکسپرٹ خاتون ڈاکٹر موجود ہو تو وہی خاتون مریضہ کا ستر دیکھ سکتی ہے، اگر ایسی ڈاکٹر موجود نہ ہو تو غیر مسلم خاتون ڈاکٹر اس کام کو انجام دے گی**، ...(عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، ص۲۷٦)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

چھپی ہوئی ران کو مالش کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی کی ران کپڑوں میں چھپی ہوئی ہے تو اس کا دبانا اور مالش کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مستور ران دبانا اور مالش کرنا اسی وقت جائز ہوگا جب کہ خوفِ فتنہ اور اندیشۂ شہوت نہ ہو ورنہ ناجائز ہے۔

البحر الرائق میں ہے:

قال الفقيه أبو جعفر سمعت الشيخ الإمام أبابكر يقول: لا بأس بأن يغمز الرجل إلى الساق ويكره أن يغمز الفخذ ويمسه من وراء الثوب وكان الإمام أبوبكر يقول: لا بأس بأن يغمز الرجل رجل والديه ولا يغمز فخذ والديه. (البحرالرائق: ۱۹٦/۸،ط: کوئٹه).

وفي الفتاوى الهندية: والفقيه أبوجعفرؒ يبيح أن يغمز الفخذ ويمسها وراء الثوب وغيرها. (الفتاوی الهندیة:۳۲۸/٥). **واللہ ﷻ اعلم۔**

اجنبی مرد کے ساتھ ایک مکان میں رہنے کا حکم:

سوال: کیا ایک مسلمان عورت شادی شدہ یا غیر شادی شدہ یا مطلقہ کسی اجنبی مرد کے ساتھ چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم ایک مکان میں الگ کمرہ میں رہ سکتی ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں کیا مسلم ٹرسٹ اس عورت کی امداد کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: عرفِ عام میں ایک مکان کے مختلف کمرے ایک ہی گھر شمار ہوتے ہیں، پھر مطبخ، بیت الخلاء، حمام وغیرہ مشترک ہوتا ہے لہٰذا خلوت بالاجنبیہ ہے اور یہ ممنوع اور ناجائز ہے، اگر کوئی عورت اس طرح اجنبی مرد کے ساتھ رہتی ہو تو اس کی مدد یہ ہے کہ اس کو الگ ٹھہرا کر اس کی شادی کا انتظام کردے۔

وفي مسئولية المرأة المسلمة: وحقيقة الخلوة أن ينفرد رجل بامرأة في غيبة عن أعين الناس وذلک يحدث اليوم كثيراً في بيوت المسلمين الذين اتخذوا الخادمات الأجنبيات عن الأسرة والبيت والمجتمع يوتى بهن من بلاد بعيدة بدون محارم، ومن المتوقع بل من المؤكد أن رب البيت أو أحد أبنائه أو أحد رجال الأسرة يخلو بهذه الخادمة كثيراً حينما تخرج الأسرة وحينئذٍ يأتي دور الشيطان وهو دور محقق الخطر حيث أخبر الرسول صلى الله عليه وسلم بذلک فى الحديث المتقدم (أى: لايخلون رجل بامرأة إلا كان الشيطان ثالثهما، رواه أحمد والترمذی والحاكم وصححه) وهو يعم جميع الرجال ولوكانوا صالحين أو كبار السن كما يعم جميع النساء ولوكن صالحات أوعجائز. (مسئولية المرأة المسلمة، ص ٢٤).

بوب الإمام البخارىؒ في صحيحه باب لا يخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم والدخول على المغيبة، وخرج فيه عن ابن عباسؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لايخلون رجل بامرأة إلا مع ذى محرم فقام رجل فقال: يا رسول الله! امرأتي خرجت حاجة واكتتبت في غزوة كذا وكذا قال: ارجع فحج مع امرأتک. (رواه البخارى، رقم: ٥٢٣٣، كتاب النكاح). **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

محرم کے لیے عمر کی تعیین:

سوال: کس عمر سے بچہ ماں کے لیے محرم بننے کے قابل ہوجاتا ہے؟ سرکاری قانون کے اعتبار سے کوئی عمر متعین ہے عمرہ کی ویزا حاصل کرنے کے لیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اس میں اختلاف ہے کہ سفر کے معاملہ میں قریب البلوغ بالغ کی طرح ہے یا نہیں، تاہم ایک قول یہ ہے کہ وہ بالغ کی طرح ہے، آج کل سفر کی کثرت اور ضرورت کی وجہ سے اس قول کو اختیار کیا جا سکتا

ہے۔ ملاحظہ ہو فقہاء فرماتے ہیں کہ مراہق بالغ کی طرح ہے۔

قال فی الدرالمختار: ومع زوج أو محرم... بالغ قید لھما کما فی النھر بحثاً عاقل والمراھق کبالغ جوھرۃ . (الدرالمختار: ۲/٤٦٤، کتاب الحج، سعید). وکذا فی الفتاوی الھندیۃ: ۱/۲۱۹).

قال في تقريرات الرافعي: قول المصنف (والمراهق كبالغ) جعله الرحمتي كصبي لأنه محتاج إلى من يدفع عنه ولذا كان للأب منعه عن حجة الإسلام فكيف يصلح لحمايتها وفي المحيطين والبدائع الذي لم يحتلم لا عبرة له لكن ما في الجوهرة موافق لما في الخلاصة والبزازية، سندي . (التحریرالمختارعلی الدرالمختار: ۲/۱۵۷، سعید).

علامہ سید احمد طحطاویؒ حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں:

قوله بالغ، المراهق كالبالغ . (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص۷۲۸، قدیمی، وکذا فی غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر: ۱/٤۷٦، ط: ادارۃ القرآن).

عمدۃ الفقہ میں حضرت مولانا سید زوار حسین صاحب فرماتے ہیں:

مراہق (قریب البلوغ) لڑکے کا حکم بالغ کی مانند ہے جیسا کہ جوہرہ میں ہے، (پس اس کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے اور رحمتیؒ نے اس کو نابالغ لڑکے کے حکم میں کہا ہے کیونکہ وہ ایسے شخص کا محتاج ہے جو اس کی طرف سے مدافعت کرے اور اسی لیے اس کے باپ کو حق حاصل ہے کہ اس کو فرض حج سے روک دے پس وہ عورت کی حفاظت کی صلاحیت کیسے رکھتا ہے اور دونوں محیطوں میں اور بدائع میں ہے کہ جس لڑکے کو ابھی احتلام نہیں ہوا یعنی بالغ نہیں ہوا اس کے ساتھ سفر کرنا معتبر نہیں ہے لیکن جو کچھ جوہرہ میں ہے وہ خلاصہ اور بزازیہ کے موافق ہے (پس فتویٰ کے لیے یہی مختار ہے کہ وہ بالغ کے حکم میں ہے اور اس کے ساتھ سفر جائز ہے، مؤلف)۔ (عمدۃ الفقہ: ۴/۵۳، کتاب الحج)۔

(۲) مراہق لڑکا ہو تو وہ محرم بن سکتا ہے اور شریعت کی طرف سے اجازت ہے ہاں ویزا کے قانون کے خلاف نہ ہو تو حج، عمرہ کے لیے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ قانون کی مخالفت حکومت کا جرم ہے جس کی وجہ سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور انسان کو اپنی عزت آبرو کی حفاظت کرنا انتہائی ضروری ہے۔

بعض مفتی حضرات نے مراہق کے لیے عمر کی تعیین ۱۲ سال سے کی ہے۔ ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ: ۸/۳۰)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کافر محرم کے ساتھ سفر کا حکم:

سوال: اگر کوئی عورت اپنے کافر محرم کے ساتھ سفر کرتی ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ یعنی محرم کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: محرم کے لیے مسلمان ہونا ضروری نہیں کافر غیر مجوسی بھی مسلمان عورت کا محرم بن سکتا ہے، ہاں فاسق فاجر ہو نہ، ورنہ ایسے شخص کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں، اور علامہ حموی کی رائے یہ ہے کہ کتابی کے ساتھ سفر نہیں کرنا چاہئے، ورنہ وہ مسلمان عورت کو اسلام سے برگشتہ کر دیگا، اور مجوسی محرم نہیں بن سکتا کیونکہ ان کے یہاں بیوی، بہن کی تفریق نہیں۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

قال في الدر: ومع زوج أو محرم ولو عبداً أو ذمياً أو برضاع...غير مجوسي ولا فاسق لعدم حفظهما. (الدرالمختار:۲/۴٦٤،سعيد).

وفي البدائع: وسواء كان المحرم حراً أو عبداً، لأن الرق لا ينافي المحرمية، وسواء كان مسلماً أو ذمياً أو مشركاً، لأن الذمي والمشرك يحفظان محارمهما، إلا أن يكون مجوسياً لأنه يعتقد إباحة نكاحها، فلا تسافر معه لأنه لايؤمن عليها كالأجنبي. (بدائع الصنائع: ۲/۱۲٤،سعيد).

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/٦، امداديه ملتان،و حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح،ص۷۲۸).

علامہ حمویؒ کی رائے ملاحظہ ہو:

أقول: إذا لم يكن الفاسق محرماً للخشية عليها من فسقه، فأحرى أن لا يكون الكتابي محرماً لها خشية أن يفتنها عن دين الإسلام إذا خلا بها، فليتأمل. (غمزعيون البصائر على الاشباه والنظائر: ۱/٤۷٦).

وكذا نقل عنه العلامة الرافعي في التحرير المختار وزاد بقوله: وأقره هبة الله وأبو السعود. (التحرير المختار:۲/۱۵۷،سعيد). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

متبنیٰ سے پردہ کا حکم:

سوال: اگر کوئی عورت کسی بچے کو لے کر پالے اور اس کو لے پالک بنادے، اور وہ بڑا ہو جائے تو وہ

اجنبی کیطرح ہوگا یا اپنے بچے کی طرح ہوگا؟ یعنی اس سے پردہ کا اہتمام کرنا ضروری ہوگا؟ یا اس میں تخفیف ہوگی؟

الجواب: کسی بچے کو لے کر پالنے سے وہ حقیقت میں اپنی اولاد کی طرح نہیں ہوجاتا بلکہ وہ اجنبی ہی رہتا ہے اور جملہ مسائلِ نکاح، وراثت، پردہ میں وہ اجنبیوں کے حکم میں ہوتا ہے، چنانچہ قرآنِ پاک میں ہے:

﴿ **وما جعل أدعياء كم أبناء كم ذلكم قولكم بأفوهكم** ﴾ (سورة الاحزاب، الآية:٤).

ترجمہ: اور نہیں بنایا تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے۔ یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے۔

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں تمام مفسرین اور فقہاء امت کا اتفاق ہے کہ لے پالک کا حکم حقیقی بیٹوں اور حقیقی اولاد والا نہیں ہے بلکہ وہ اجنبیوں کی طرح ہے لہذا نکاح، وراثت اور پردہ وغیرہ کے احکام میں وہ اجنبیوں کی طرح ہے۔ علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

أی ليس ذلک إلا مجرد قول بالأفواه ولا تأثير له، فلا تصير المرأة به أمّاً ولا ابن الغير به ابناً، ولا يترتب على ذلک شيء من أحكام الأمومة والبنوة . (فتح القدير:٤/٢٦١).

اور یہی مسلک تمام فقہاء اور مفسرین کا ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں:

متبنیٰ بنانا تو درست ہے لیکن متبنی بنانے سے حقیقی اولاد کے احکام ثابت نہیں ہوتے، اور نہ متبنیٰ کو وراثت کا حق حاصل ہوتا ہے۔ (کفایت المفتی: ۵/۲۷۶، ط: دارالاشاعت)۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

متبنیٰ بیٹے کو حقیقی بیٹے کے احکامِ شرعیہ نکاح، وراثت پردہ وغیرہ میں شریک نہ سمجھا جائے۔ (کفایت المفتی: ۵/۲۷۶، دارالاشاعت)۔

ہاں اگر بچپن میں اس کو دودھ پلادیا جائے تو اس سے رضاعت ثابت ہوجائے گی پھر وہ اجنبی کے حکم میں نہ ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

صبی ممیّز کے ساتھ سفر کرنے کا حکم:

سوال: کیا صبی ممیّز عورت کے لیے محرم بن سکتا ہے یا نہیں؟ یعنی اس کے ساتھ سفر کرنا جائز ہوگا یا

نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ صبی ممیّز جوکہ مراہق اور ہوشیار نہ ہو عورت کے لیے محرم نہیں بن سکتا لہٰذا اس کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ہاں اگر وہ مراہق اور ہوشیار ہے یعنی تقریباً ۱۲ سال کی عمر کا ہے تو محرم بن سکتا ہے۔ملاحظہ ہو جوہرہ میں ہے:

والصبي والمجنون ليسا بمحرم والمراهق كالبالغ . (الجوهرة النيرة: ١/ ١٨٤، ط: امداديه).

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ١/ ٤٨٤، وفتاوى الشامي: ٢/ ٤٦٤، سعيد).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

بارہ سال سے کم عمر کے بچے کے ساتھ سفر بالاتفاق جائز نہیں بارہ سال کے بعد جواز میں اختلاف ہے، لہٰذا بارہ سال کا بچہ اگر ہوشیار ہو، جسمانی اور عقلی لحاظ سے بالغ جیسا معلوم ہوتا ہو تو اس کے ساتھ سفر کی گنجائش ہے۔(احسن الفتاویٰ:۸/۳۰)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورت کی آواز سننے کا حکم:

سوال: کیا چینل اسلام سننے کی ترغیب دینا چاہئے یا نہیں؟ کیا عورت کی آواز ستر میں داخل ہے یا نہیں؟ کیا عورت کسی اجنبی شخص کے ساتھ بات کرسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عورت کی آواز کا دارومدار خوفِ فتنہ پر ہے اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو محض آواز سننے میں چنداں حرج نہیں ہے جب کہ آواز میں لچک نہ ہو، عام لہجہ میں بات کرے، ہاں اگر فتنہ کا اندیشہ ہے تو سننا جائز نہیں ہے، البتہ چونکہ فی زماننا فتنہ فساد لوگوں پر غالب ہے اس لیے بلاضرورت اجنبیہ کی آواز سننے سے احتراز کرنا چاہئے۔ اگرچہ اصح قول کے مطابق عورت کی آواز ستر میں داخل نہیں ہے۔ہاں ضروری بات چیت کی اجازت ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوی الشامی میں ہے:

قوله وصوتها يعنى أنه ليس بعورة قوله على الراجح عبارة البحر عن الحلية أنه الأشبه وفي النهر هو الذى ينبغي اعتماده ومقابله ما فى النوازل نغمة المرأة عورة وتعلمها القرآن من المرأة أحب قال عليه الصلاة والسلام: التسبيح للرجال والتصفيق للنساء فلا يحسن أن يسمعها الرجل، وفي الكافي: ولا تلبي جهراً لأن صوتها عورة ومشى عليه فى المحيط فى

باب الأذان ، بحر ، قال في الفتح وعلى هذا لو قيل : إذا جهرت بالقراء ة في الصلاة فسدت كان متجهاً ولهذا منعها عليه الصلاة والسلام من التسبيح بالصوت لإعلام الإمام بسهوه إلى التصفيق .

أقره البرهان الحلبي في شرح المنية الكبير وكذا في الإمداد ثم نقل عن خط العلامة المقدسي ذكر الإمام أبو العباس القرطبي في كتابه في السماع ولا يظن من لا فطنة عنده إنا إذا قلنا صوت المرأة عورة إنا نريد بذلك كلامها لأن ذلك ليس بصحيح فإنا نجيز الكلام من النساء للأجانب ومحاورتهن عند الحاجة إلى ذلك ولا نجيز لهن رفع أصواتهن ولاتمطيطها ولا تليينها وتقطيعها لما في ذلك من استمالة الرجال إليهن وتحريك الشهوات منهم ومن هذا لم يجز أن تؤذن المرأة ، قلت: و يشير إلى هذا تعبير النوازل بالنغمة . (فتاوى الشامي: ۱/٤٠٦، مطلب في ستر العورة، سعيد). وينظر : (فتاوى الشامي:٦/٣٦٩،سيعد).

احکام القرآن میں حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ فرماتے ہیں:

حكم صوت المرأة : وقع الخلاف في صوت المرأة ، أنه من العورة فلا يجوز أن تتكلم بحيث يسمعها الأجانب ، أو ليس بعورة فيرخص لها في التكلم ، والحق الحقيق عند أرباب التحقيق ، و هو أن صوت المرأة ليس بعورة في نفسه إلا أنه قد يكون سبباً للفتنة ، فكان من القسم الثاني من سد الذرائع ، فدار حكمه على الفتنة وعدمها فحيث خيفت الفتنة حرام إبدائه وحيث لا ، فلا ، كيف وقد حرم الله سبحانه وتعالىٰ إظهار صوت الخلخال وأمثاله فقال: ولايضربن بأرجلهن ، لمظنة الفتنة فكيف يجوز إظهار صوت نفسها مطلقاً ؟

(احكام القرآن : ٣/٤٨٢،ط: ادارة القرآن).

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

نامحرم سے بات کرنے کی اگر ضرورت پیش آئے تو عورت کو چاہیے کہ ایسے انداز سے بات کرے کہ نامحرم کو اس کی طرف کشش نہ ہو، زبان میں لوچ نہ ہو بلکہ ایک طرح کا اکھڑ پن اور درشتی ہو۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۸/۶۸،طبع جدید)۔

معارف القرآن میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

کیا عورت کی آواز فی نفسہ ستر میں داخل ہے اور غیر محرم کو آواز سنانا جائز ہے؟ اس معاملہ میں حضراتِ ائمہ کا اختلاف ہے، امام شافعیؒ کی کتب میں عورت کی آواز کو ستر میں داخل نہیں کیا گیا، حنفیہ کے نزدیک بھی مختلف اقوال ہیں، ابن ہمامؒ نے نوازل کی روایت کی بنا پر ستر میں داخل قرار دیا ہے، اسی لیے حنفیہ کے نزدیک عورت کی اذان مکروہ ہے لیکن حدیث شریف سے ثابت ہے کہ ازواجِ مطہرات نزولِ حجاب کے بعد بھی پس پردہ غیر محارم سے بات کرتی تھیں اس مجموعہ سے راجح اور صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس موقع اور جس محل عورت کی آواز سے فتنہ پیدا ہونیکا خطرہ ہو وہاں ممنوع ہے جہاں یہ نہ ہو جائز ہے (جصاص) اور احتیاط اسی میں ہے کہ بلاضرورت عورتیں پس پردہ بھی غیر محرموں سے گفتگو نہ کریں۔ واللہ اعلم۔ (معارف القرآن: ۶/ ۴۰۶، و ۷/ ۱۲۳، ادارۃ المعارف)۔

واللہ ﷻ اعلم۔

عورت کا مجمع میں تقریر کرنے کا حکم:

سوال: کیا عورت پردہ کی رعایت کے ساتھ مردوں کے مجمع میں تقریر کرسکتی ہے؟

الجواب: مذکورہ بالا تفصیلی فتوی میں یہ بات وضاحت کے ساتھ مذکور ہوئی کہ اصح قول کے مطابق عورت کی آواز ستر میں داخل نہیں ہے لیکن خوفِ فتنہ ہو تو اظہار سے روکا جائے گا، چونکہ مردوں کے مجمع میں فتنہ کا اندیشہ ہے لہذا مردوں کے مجمع میں تقریر نہیں کرنی چاہئے، ہاں خاص عورتوں کا مجمع ہو تو وعظ ونصیحت کی اجازت ہے۔

قال في مجمع الأنهر: إن المرأة إن رفعت صوتها فقد باشرت منكراً؛ لأن صوتها عورة... أقول: وفيه كلام؛ لأن صوتها مطلقاً ليس بعورة، وإلا يستلزم أن يكره تكلمها مع الأجنبي وليس كذلك، بل يكره رفع صوتها. (مجمع الانهر، باب الاذان).

قال في حاشية البحر الرائق: إنا إذا قلنا صوت المرأة عورة انا نريد بذلك كلامها؛ لأن ذلك ليس بصحيح فإنا نجيز الكلام مع النساء الأجانب ومحاورتهن عند الحاجة إلى ذلك ولا نجيز لهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها ولا تليينها وتقطيعها لما في ذلك من استمالة الرجال إليهن وتحريك الشهوات منهم ومن هذا لم يجز أن تؤذن المرأة. (منحة الخالق: ۱/ ۲۷۰، باب شروط الصلاة، كوئته). **وينظر:** (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص۲۴۲، و۵۴۰، ط: قديمي، والبحر الرائق: ۱/ ۲۷۰، ط: كوئته).

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے مردوں کے مجمع میں بھی تقریر کی اجازت دی ہے۔
ملاحظہ ہو کفایت المفتی میں ہے:

شریعتِ مقدسہ اسلامیہ عورتوں کو کسی اسلامی خدمات سے جو ان کے لائق ہو منع نہیں کرتی پردہ کی محافظت کے ساتھ عورت مردوں کے مجمع میں تقریر کر سکتی ہے۔ (کفایت المفتی :۲/۶۹، ط: دارالاشاعت، کراچی)۔

لیکن حضرت مفتی صاحبؒ کے زمانہ میں شرم وحیا غالب ہوگی، فی زماننا لوگ جانتے ہی نہیں کہ شرم وحیا کیا چیز ہے۔ بلکہ عریانی اور فحاشی کا سیلاب موجزن ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

نامحرموں کے سامنے بے پردہ تقریر کرنا جائز نہیں، حرام ہے، اور بوقتِ ضرورت پردے کے ساتھ گفتگو جائز ہے، مگر لب ولہجے میں سختی ودرشتی ہونی چاہئے، جس سے دوسرے آدمی کو عورت کی طرف کشش پیدا نہ ہو۔ آج کل جلسوں میں خواتین وحضرات کا مشترکہ خطاب ہوتا ہے، یہ جاہلیتِ جدیدہ کی بدعتِ سیئہ ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل :۸/۹۲، طبع جدید)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: اگر مقرر عورت برقع اوڑھ کر مردوں کے مجمع میں تقریر کرے تو کیسا ہے؟

الجواب: عورت کا مردوں کے ساتھ مسجد میں جا کر نماز پڑھنا بھی علمائے کرام نے ممنوع لکھا ہے، خواہ برقع اوڑھ کر جائے یا بلا برقع اوڑھے، کیونکہ اس میں بہت مفاسد اور فتن ہیں، لہذا عورت کا مردوں کے مجمع میں جا کر تقریر کرنا بھی (بلا شدید ضرورت) منع ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ :۱۹/۱۹۴، جامعہ فاروقیہ)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے:

اگر صرف مستورات کا مجمع ہو اور آواز نامحرموں تک نہ پہونچے تو عورت کا وعظ کہنا اور اپنی بات بتانا درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ :۱۹/۱۹۶، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اجنبی کے ساتھ گاڑی میں سوار ہونے کا حکم:

سوال: اگر کوئی عورت ضرورت کی وجہ سے کسی اجنبی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ خلوت میں شمار ہے یا نہیں؟ مثلاً کبھی عورت کا شوہر باہر رہتا ہے اور وہ بیمار ہو جائے یا کہیں اس کو جانا

ہے تو اگر کسی غیر محرم رشتہ دار کے ساتھ بس میں یا گاڑی میں چلی جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ عورت کے لیے اجنبی مرد کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر جانا درست نہیں ہے اس میں خلوتِ بالاجنبیہ ہے اور احادیث میں اس کی سخت ممانعت وارد ہوئی ہے، اس معاملہ میں بہت احتیاط سے کام لینا چاہئے اور عورتوں کی اکثر ضرورتیں، ضرورت کے زمرہ میں نہیں آتیں۔

قال في مسئولية المرأة المسلمة : وهناك نوع آخر من الاختلاط ابتلى به بعض المسلمين وخطره لا يقل عما سبق وهو اتخاذ الخدم الرجال السائقين الأجانب الذين نراهم يغدون ويروحون بأسرهم وينفردون بنسائهم بدون محارم .

و بعض المسلمين بدأ يرسل ابنته إلى المدرسة مع السائق أو يرسل أحد محارمه إلى السوق مع هؤلاء منفردات مع السائق ولربما يكون غير المسلم أو منحرفاً في دينه أو سلوكه أو زيه ، بل وعلى فرض أنه رجل تقي صالح فذلك حرام لا يجوز بدليل الحديث السابق : " لايخلون رجل بامرأة إلا كان الشيطان ثالثهما ". والشر متوقع والمسلم العاقل لايقبل ذلك في أهله ولا يجوز له أن يفرط بالأمانة ويسلم أغلى ما يمكنه وهو محارمه إلى الخطر الكبير. (مسئولية المرأة المسلمة ،ص ٢٤-٢٥).

ہاں اگر بس یا بڑی گاڑی ہے جس میں زیادہ عورتیں ہیں اور دوسرے لوگ بھی بس میں موجود ہیں تو شرعی مسافت سے کم مقدار میں جانے کی اجازت ہوگی۔ جب کہ خوفِ فتنہ، خلوت اور خلط واختلاط نہ ہو۔

بخاری شریف کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کی موجودگی میں سوار ہونے کی اجازت ہے، اس میں فتنہ نہیں ہے۔

عن أسماء بنت أبي بكر رضي الله عنها قالت: تزوجني الزبير رضي الله عنه وما له في الأرض من مال ولامملوك ولا شيء غير فرسه قالت: فكنت أعلف فرسه وأكفيه مؤنته وأسوسه وأدق النوى لناضحه وأعلفه وأستقي الماء وأخرز غربه ... قالت: فجئت يوماً والنوى على رأسي فلقيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعه نفر من أصحابه فدعاني ثم قال: إخ إخ ليحملني خلفه...الخ. (رواه البخاري : ٢/٧٨٦،ومسلم ، رقم: ٢١٨٢).

قال الحافظ ابن حجرؒ في فتح الباري: وفيه جواز ارتداف المرأة خلف الرجل في

موكب الرجال . (فتح البارى :۹/ ۳۲٤).

دوسری روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی موجودگی میں خلوت نہیں ہے۔

عن هشام قال: سمعت أنس بن مالك رضي الله عنه قال: جاء ت امرأة من الأنصار إلى النبي صلى الله عليه وسلم فخلا بها فقال: والله إنكن لأحب الناس إلي . (رواه البخارى ، رقم: ۵۲۳٤).

علامہ عینیؒ اس باب کے تحت فرماتے ہیں:

... وليس المراد من قوله أن يخلو الرجل أن يغيب عن أبصار الناس فلذلك قيده بقوله عند الناس وإنما يخلو بها حيث لا يسمع الذي بالحضرة كلامها ولاشكواها إليه ... وفيه أن مفاوضة المرأة الأجنبية سراً لايقدح فى الدين عند أمن الفتنة... (عمدة القارى: ١٤/ ۲۰۹ ، دارالحديث ، ملتان).

البتہ سفر شرعی کی مقدار بلامحرم سفر کرنا بالکل جائز اور درست نہیں ہے، اگر چہ دوسری عورتیں موجود ہوں۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي سعيد رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لايحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر سفراً فوق ثلاثة أيام فصاعداً إلا ومعها أبوها أو أخوها أو زوجها أو ابنها أو ذومحرم منها . (رواه ابوداود ، رقم : ۱۷۲۸).

وعن ابن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا تسافر المرأة ثلاثاً إلا ومعها ذو محرم . (رواه مسلم، رقم: ۱۳۳۸).

علامہ سید احمد طحطاویؒ فرماتے ہیں:

ولا يكفي فى السفر جمع النساء و تحرم الخلوة بالأجنبية وإن كان معها غيرها من النساء . (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ۱/ ٤٨٤، ط: كوئته). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

استانی کا طلبہ کے ہمراہ سیر وسیاحت کے لیے جانے کا حکم:

سوال: آج کل ہمیں ایک مسئلہ پیش آیا ہے کہ ہمارے ادارے سے طلبہ تعلیمی سیر کے لیے جاتے ہیں اور اتنی مسافت وہ طے کرتے ہیں کہ وہ مسافر ہو جاتے ہیں تو کیا استانی ان طلبہ کے ساتھ بغیر محرم کے جاسکتی ہے

یا نہیں؟ یہ بھی یاد رہے ایک دن سے کم میں واپس آجاتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: سفر شرعی یعنی تقریباً ۸۲ کیلومیٹر یا اس سے بعید سفر کے ارادہ سے نکلنے سے سفر کے احکام جاری ہوجاتے ہیں مثلاً نماز میں قصر، عورت کے لیے شوہر یا محرم کا رفیق سفر ہونا، اگر چہ یہ سفر چند گھنٹوں میں طے ہوجاتا ہو چاہے وہ سفر حج کا ہو یا تجارت کا ہو یا سیر وتفریح کا۔ عورت کے لیے بلا محرم شرعی ناجائز ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي سعيد رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لايحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر سفراً فوق ثلاثة أيام فصاعداً إلا ومعها أبوها أو أخوها أو زوجها أو ابنها أو ذومحرم منها. (رواه ابوداود، رقم: ۱۷۲۸).

قال في مسئولية المرأة المسلمة: ومن أنواع الاختلاط المحرم سفر المرأة من غير محرم قال صلى الله عليه وسلم: " لا تسافر المرأة إلا مع ذي محرم " متفق عليه، لأن ذلک من وسائل الفتنة والفساد، والمحرم هو زوجها أو من تحرم عليه على التأبيد بنسب كأخ مسلم أو سبب كأخ رضاع. (ص ۲۵).

لہذا اس سلسلہ میں بہتر یہ ہے کہ کوئی مرد استاذ طلبہ کے ساتھ جائے یا استانی کے ساتھ کوئی محرم چلا جائے۔ آخر شریعت کے مسئلہ پر عمل کرنے کے لیے ہم اتنی قربانی دینے کے لیے تیار نہ ہوں تو پھر جنت کا مفت میں ملنا تو مشکل ہے جب کہ سیر وسیاحت کا سفر ضروری بھی نہیں، اغیار کی تابعداری میں صرف ایک رسم چلی ہے، بغیر محرم کے سفر کی خرابیاں کسی ذی ہوش پر مخفی نہیں، اور اگر ہمیں کوئی خرابی نظر نہ آئے تب بھی شریعت کا مسئلہ بغیر چوں و چرا کے تسلیم کرلینا چاہئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خسر کے والد کے ساتھ سفر کرنے کا حکم:

سوال: ایک عورت کے لیے اس کے خسر کے والد محرم ہے یا نہیں یعنی ان کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عورت کے لیے اس کے خسر کے والد محرم ہے اور ان کے ساتھ حج، عمرہ وغیرہ کا سفر کرنا جائز اور درست ہے جب کہ خوفِ فتنہ نہ ہو۔ ملاحظہ ہو فتاوی الشامی میں ہے:

وتحرم موطوء ات آبائه وأجداده وإن علوا ولو بزنى والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح وموطوء ات أبنائه وأبناء أولاده وإن سفلوا ولو بزنى والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح . (فتاوی الشامی: ۳/۲۸،سعید).

بدائع الصنائع میں ہے:

وحليلة ابن الابن وابن البنت وإن سفل تحرم بالإجماع أو بما ذكرنا من المعنى لا بعين النص لأن ابن الابن يسمى ابناً مجازاً لا حقيقة فإذا صارت الحقيقة مرادة لم يبق المجاز مراداً لنا . (بدائع الصنائع: ۲/۲٦۰،سعید). **واللہ ﷻ اعلم۔**

بیٹے کی منکوحہ کے ساتھ سفر کرنے کا حکم:

سوال: ایک عورت کے شوہر کا انتقال نکاح کے بعد رخصتی سے قبل ہوگیا، کیا وہ عورت اس شوہر کے والد کے ساتھ سفر کرسکتی ہے یا نہیں؟ یعنی وہ محرم ہے یا غیر محرم؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر نکاحِ صحیح کے بعد شوہر کا انتقال ہوگیا چاہے رخصتی ہوئی ہو یا نہیں، شوہر کا باپ بیٹے کی منکوحہ کے لیے شرعی محرم ہے، فتنہ وغیرہ کا خوف نہ ہو تو اس کے ساتھ سفر کرنے کی اجازت ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

قال الله تعالىٰ: ﴿وحلائل ابنائكم الذين من أصلابكم﴾... سواء كان دخل بها الابن أو لم يدخل بها لأن النص مطلق عن شرط الدخول والمعنى لا يوجب الفصل أيضاً على ما ذكرنا ولأن العقد سبب إلى الدخول والسبب يقام مقام المسبب في موضع الاحتياط على ما مر . (بدائع الصنائع : ۲/۲٦۰،سعید).

قال في الدر المختار: و زوجة أصله وفرعه مطلقاً ولوبعيداً دخل بها أو لا. وفي رد المحتار: قوله ولو بعيداً ، الخ . بيان للإطلاق أى ولوكان الأصل أو الفرع بعيداً كالجد وإن علا وابن الابن وإن سفل وتحرم زوجة الأصل والفرع بمجرد العقد دخل بها أو لا.

(الدرالمختار مع ردالمحتار ۳/۳۱، سعید).

قال في رد المحتار: قوله بمجرد العقد الصحيح ، يفسره قوله وإن لم تؤطأ قوله

الصحيح احتراز عن النكاح الفاسد فإنه لايوجب بمجرده حرمة المصاهرة بل بالوطء أو ما يقوم مقامه من المس بشهوة والنظر بشهوة لأن الإضافة لا تثبت إلا بالعقد الصحيح . (فتاوی الشامی: ۳/ ۳۰،سعید). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بلامحرم مسافتِ شرعی سے کم سفر کرنے کا حکم:

سوال: ایک عورت سوکیلومیٹر سفر کرنا چاہتی ہے اور فی الحال محرم اس کے ساتھ نہیں، ستر کیلومیٹر کے بعد محرم ساتھ ہوگا، تو کیا ستر کیلومیٹر تنہا سفر کرنے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ مطہرہ مسلمان خاتون کو بلامحرم مسافتِ سفر طے کرنے کی اجازت نہیں دیتی، احادیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے، اور سفرشرعی کی مقدار تقریباً ۸۲ کیلومیٹر ہے، بنابریں اس مسافت سے کم مقدار مثلاً: ستر کیلومیٹر تنہا سفر کرنے کی اجازت ہوگی جب کہ خوفِ فتنہ نہ ہو، تاہم موجودہ پرازفتن دور میں عورت کو تنہا سفر نہیں کرنا چاہئے، امام صاحبؒ کی ایک روایت کے مطابق مکروہِ تحریمی ہے۔ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر مسيرة يوم وليلة ليس معها حرمة . (رواه البخاری، رقم: ۱۰۸۸).

وفي رواية لمسلم عنه عن النبي صل الله عليه وسلم قال: لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر تسافرمسيرة يوم إلا مع ذي محرم. (رواه مسلم، رقم: ۱۳۳۹،باب سفرالمرأة مع محرم).

قال في شرح النقاية : إن كان بينها وبين مكة مسيرة سفر، وهي ثلاثة أيام بلياليها، ويباح فيما دونها...وروي عن أبي حنيفةؒ، وأبي يوسفؒ كراهة خروجها مسيرة يوم بلا محرم ، لما في الصحيحين عن سعد بن أبي سعيد ، عن أبي هريرة رضي الله عنه مرفوعاً ...وفي لفظ لأبي داود: بريداً ، وهو عن ابن حبان في صحيحه ، والحاكم وقال: صحيح على شرط مسلم ، وللطبراني في معجمه : ثلاثة أميال، فقيل له : إن الناس يقولون: ثلاثة أيام ، فقال: وهموا . قال المنذري في حواشيه : ليس في هذه الروايات تباين ، فإنه يحتمل أنه صلى الله عليه وسلم قالها في مواطن مختلفة بحسب الأسئلة ، ويحتمل أن يكون ذلك كله تمثيلاً

لأقل الأعداد ...الخ. (شرح النقاية للملاعلى القارى: ۲/۲۰۵،ط: بيروت).

فتاوى الشامى میں ہے:

قوله في سفر، هو ثلاثة أيام ولياليها فيباح لها الخروج إلى ما دونه لحاجة بغير محرم وروي عن أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ كراهة خروجها وحدها مسيرة يوم واحد وينبغي أن يكون الفتوىٰ عليه لفساد الزمان، شرح اللباب، و يؤيده حديث الصحيحين...الخ. (فتاوى الشامى: ۲/۴۶۴،سعيد). (وكذا فى البحرالرائق: ۲/۳۳۹، دارالمعرفة، والفتاوى الهندية: ۱/۲۱۹، و ۵/۳۶۶، وبدائع الصنائع: ۲/۱۲۴، سعيد). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عورت کے لیے ڈرائیونگ کرنے کا حکم:

سوال: کیا عورت اپنی ضروریات کے لیے ڈرائیونگ کر سکتی ہیں؟ جب کہ شوہر دوسری ضروریات میں مشغول ہوتا ہے۔کیا صحابیات سے گھوڑے چلانا ثابت ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی مدلل بیان کیجئے۔

الجواب: مکمل پردہ کی رعایت کے ساتھ ڈرائیونگ کی اجازت ہے، مختلف صحابیات سے گھوڑے کی سواری ثابت ہے، کیونکہ بعض مرتبہ عورتوں کو گاڑی چلانے کی ضرورت پیش آتی ہے، اسی طرح گاڑی سیکھنے کی بھی اجازت ہے جب کہ سکھانے والا محرم ہو، یا عورت ہو، ہاں حدودِ شریعت سے تجاوز جائز نہیں ہے، نیز مفاسد سے بچنا بھی ضروری ہے۔

ازواجِ مطہرات اور مختلف صحابیات کی سواری سے متعلق احادیث درجِ ذیل ملاحظہ فرمائیے:

(۱) عن عائشةؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم إذا كان بالليل سار مع عائشةؓ يتحدث فقالت حفصة: ألا تركبين الليلة بعيري وأركب بعيرك تنظرين وأنظر فقالت: بلى فركبت فجاء النبي صلى الله عليه وسلم إلى جمل عائشةؓ وعليه حفصةؓ فسلم عليها ثم سار حتى نزلوا ...الخ. (رواه البخارى، رقم: ۵۲۱۱، كتاب النكاح، ومسلم، رقم: ۲۴۴۵).

(۲) عن أبي هريرةؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: خير نساء ركبن الإبل نساء قريش أحناه على ولد في صغره وأرعاه على زوج في ذات يده . (رواه البخارى، رقم: ۵۳۶۵، و۳۴۳۴، و۵۰۸۲، باب الى من ينكح، و مسلم، رقم: ۲۵۲۷).

(۳) عن عبد اللّٰه بن عبد الرحمن الأنصاري قال: سمعت أنساً رضي الله عنه يقول: دخل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم على ابنة ملحان فاتكأ عندها ثم ضحك فقالت: لم تضحك يا رسول اللّٰه فقال: ناس من أمتي يركبون البحر الأخضر في سبيل اللّٰه ...قال أنس رضي الله عنه: فتزوجت عبادة بن الصامت فركبت البحر مع بنت قرظة فلما قفلت ركبت دابتها فوقصت بها فسقطت عنها فماتت . (رواه البخاری، رقم: ۲۸۷۷، باب غزوة فی البحر).

(۴) عن عائشة رضي الله عنها في حديث طويل، فقالت: ما كلمني كلمة ولا سمعت منه كلمة غير استرجاعه حتى أناخ راحلته فوطئ على يديها فركبتها فانطلق يقود بی الراحلة حتى أتينا الجيش بعد ما نزلوا... (رواه البخاری، رقم: ۴۷۵۰، باب ولولا اذ سمعتموه قلتم).

(۵) عن عمران بن حصين رضي الله عنه قال: كانت ثقيف حلفاء لبنی عقيل ...إلى قوله: وأسرت امرأة من الأنصار وأصيبت العضباء فكانت المرأة فی الوثاق وكان القوم يريحون نعمهم بين يدی بيوتهم فانفلتت ذات ليلة من الوثاق فأتت الإبل فجعلت إذا دنت من البعير رغا فتتركه حتى تنتهي إلى العضباء فلم ترغ قال: وناقة منوقة فقعدت في عجزها ثم زجرتها فانطلقت...الخ. (رواه مسلم، رقم: ۱۶۴۱، باب لاوفاء لنذر فی معصية الله).

عورتوں کو بعض مرتبہ ڈرائیونگ کی اجازت نہ ہونے یا نہ سیکھنے کی وجہ سے بعض لڑکیاں نوجوان ڈرائیور کے ساتھ تنہائی میں جاتی ہیں، یہ فتنہ خود ڈرائیونگ کے فتنہ سے بھی زیادہ ہے۔

اشکال: بعض حضرات عورتوں کو ڈرائیونگ کرنے سے روکتے ہیں اور درجِ ذیل احادیث استدلال میں پیش کرتے ہیں: " **لعن اللّٰه الفروج على السروج** " اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: (۱) یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے یہاں تک کہ بعض نے اس کو بے بنیاد کہا ہے۔ لہٰذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: **لا أصل له** . (الاسرار المرفوعة، رقم: ۷۱۵).

اور نصب الرایہ میں علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: **غريب جداً**. (نصب الراية: ۲۲۸/۳). حافظ ابن حجرؒ نے " **لم أجده** " فرمایا ہے۔ (الدراية: ۵۶۹).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: **نقل المدني عن أبی الطيب أنه لا أصل له** . (فتاوی الشامی: ۴۲۳/۶، سعيد).

دوسری جگہ فرماتے ہیں: **قال فی الفتح: إنه حديث غريب جداً**. (فتاوی الشامی: ۲۵۶/۳، سعيد).

(۲) مذکورہ بالا صحیحین کی احادیث کے مقابلہ میں یہ روایت ضعیف اور مرجوح ہے۔

(۳) بالفرض اگر حدیث قابل استدلال تسلیم کرلیں تو فقہاء نے اس کی توجیہ یہ ذکر فرمائی ہے کہ اپنے آپ کو بنا سنوار کر مردوں پر پیش کرنے کے لیے سوار ہونا منع ہے، ورنہ کسی حاجت کے لیے سوار ہونا حدودِ شریعت کی رعایت کے ساتھ جائز ہے مثلاً جہاد، حج وغیرہ۔

(۴) یا بلاضرورت صرف لہو ولعب کے طور پر سواری کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

قال في البحر الرائق : ولا تركب امرأة مسلمة على السرج لقوله عليه الصلاة والسلام: لعن الله الفروج على السروج ، هذا إذا ركبت متلهية أم متزينة لتعرض نفسها على الرجال فإن ركبت لحاجة كالجهاد والحج فلا بأس به . (البحرالرائق: ۲۱۵/۸،دارالمعرفة).

وقال في المحيط البرهاني: والمعنى في النهي من وجهين : أحدهما: أن هذا تشبه بالرجال، وقد نهين عن ذلك ، والثاني: أن فيه إعلان الفتن وإظهارها للرجال، وقد أمرن بالستر، قالوا : وهذا إذا كانت شابة ، فأما إذا كانت عجوزاً أوكانت شابة إلا أنها ركبت مع زوجها بعذر بأن ركبت للجهاد ، وقد وقعت الحاجة إليهن للجهاد أو للحج أو للعمرة فلا بأس بأن كانت مستترة ، فقد صح أن نساء المهاجرين كن يركبن الأفراس، و يخرجن للجهاد ، فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يراهن ولا ينهاهن ، وكذلك بنات خالد بن الوليد كن يركبن، ويخرجن للجهاد . (المحيط البرهاني : ۱۳۴/۶،ط: كوئته).

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اس قسم کی اور ایک روایت مروی ہے۔ ملاحظہ ہو:

أخرج ابن عدي في الكامل (۱۳۴۳)، **قال: حدثنا زيد بن عبد الله الفارض ثنا كثير بن عبيد ثنا بقية عن علي عن ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس** رضي الله عنه **قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ذوات الفروج أن يركبن السروج . قال ابن عدى: علي بن أبي على القرشي يحدث عنه بقية مجهول و منكر الحديث.** (۱۸۳/۵،دارالفكر). (وكذا في ميزان الاعتدال : ۶۷/۴، رقم: ۵۸۹۶، ولسان الميزان، رقم:۵۴۴۶).

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت بھی علی القرشی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت مروی ہے۔ ملاحظہ ہو:

وروى القاضي أبو الفرج المعافى بن زكريا (ثقة، م ۳۹۰) بسنده عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: لما حج النبي صلى الله عليه وسلم حجة الوَداع أخذ بحلقتي باب الكعبة ثم أقبل بوجهه على الناس فقال: أيها الناس... إن من أشراط القيامة إماتة الصلوات، واتباع الشهوات، إلى قوله: يا سلمان عند ذلک يكتفي الرجال بالرجال، والنساء بالنساء، وتركب ذوات الفروج السروج فعليهن من أمتي لعنة الله... الحديث. (الجليس الصالح الكافي والانيس الناصح الشافی:۱/۴۴۴-۴۴۷،المجلس الحادی والستون، حدیث طویل فی اشراط الساعة، ط:دارالکتب العلمیة).

قلت: إسناده ضعيف؛ وفي بعض سياقه نكارة. فيه: سليم بن مسلم الخشاب؛ قال أحمد: ضعيف الحديث، منكر الحديث. قال أبوزرعة: ليس بقوي. قال النسائي: متروك الحديث. قال يحيى بن معين: جهمي خبيث. راجع: (الجرح والتعدیل:۴/۳۱۴، والمغنی فی الضعفاء:۱/۲۸۵).

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے اور صحیح روایات کے مقابلہ میں قابل حجت نہیں ہے۔

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کی ایک روایت مروی ہے۔ ملاحظہ ہو المعجم الاوسط میں ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: والذي بعثني بالحق لا تنقضي الدنيا حتى يقع بهم الخسف والمسخ والقذف قالوا: ومتى ذاک يا نبي الله قال: إذا رأيت النساء ركبن السروج وكثرت القينات... الخ. (اخرجه الطبرانی فی الاوسط، رقم: ۵۰۶۱).

وقال الهيثمي (مجمع الزوائد:۸/۱۰، دارالفکر): فيه سليمان بن داود اليمامي، وهو متروك. وأخرجه أيضاً: الحاكم: ۸۳۴۹، والبزار: ۸۶۳۶، وابن عدى، ترجمة: ۷۴۸، والبيهقي في شعب الإيمان: ۵۴۶۶، وقال: تفرد به سليمان بن داود وهو ضعيف.

وينظر: (لسان المیزان:۳/۸۳). خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت بھی ضعیف ہے اور قابل استدلال نہیں۔

(۵) ایک اور روایت ہے لیکن وہ بھی صحیح نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو کشف الخفاء میں ہے:

ومن الأباطيل أيضاً ما وضعه إسحاق بن نجيح الملطي منها: لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تضع الفرج على السرج. (کشف الخفاء:۲/۴۰۸). وإسحاق بن نجيح كذاب كما مر. واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

لڑکیوں کے لیے قراءت، نعت پڑھنے کا حکم:

سوال: کیا بالغ لڑکیاں مرد اور عورتوں کے مخلوط مجمع میں قراءت، نعت وغیرہ پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب: بالغ لڑکیاں اور عورتیں خوش آوازی کے ساتھ مردوں کو سنانے کے لیے تلاوت، نعت وغیرہ نہ پڑھیں، اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے، ہاں مخلوط اجتماع کے بغیر صرف عورتوں کے مجمع میں سادہ طریقہ پر تلاوت کریں اور خوش آوازی کا مظاہرہ نہ کریں تو شرعاً اس کی گنجائش ہے بشرطیکہ فتنہ نہ ہو۔

دلائل ماقبل میں تفصیل سے مذکور ہوئے حاصل یہ ہے کہ اصح قول کے مطابق عورت کی آواز ستر میں داخل نہیں ہے تاہم فتنہ کے اندیشہ کی وجہ سے روکا جائیگا، اور مردوں کے مجمع میں پڑھنا فتنہ سے خالی نہیں، لہذا اجتناب کرنا چاہئے۔حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں:

شادی نکاح کے موقع پر دف بجانا جائز ہے اور عورتوں کو عورتوں میں گیت گانا دوشرطوں سے جائز ہے ایک شرط یہ ہے کہ غیر محرم مردوں کے کان میں ان کی آواز نہ پہنچے دوسری شرط یہ کہ گیت میں فحش مضمون اور ناجائز کلام نہ ہو۔(کفایت المفتی:۹/۲۰۰، دارالاشاعت)۔

کتاب الفتاویٰ میں ہے:

اصل مقصد فتنہ کے دروازوں کو بند کرنا ہے، جہاں غیر محرم تک آواز پہنچنے اور پہنچانے میں فتنہ کا اندیشہ ہو وہاں اس سے احتیاط کرنا واجب ہے، جیسے کسی غیر محرم کو نعت یا حمد سنانا...الخ۔(کتاب الفتاویٰ:۶/۹۹)۔واللہ ﷻ اعلم۔

بوڑھی عورت سے تیراکی سیکھنے کا حکم:

سوال: ایک لڑکا تیرنا سیکھنا چاہتا ہے اور ایک بوڑھی عورت جس کی طرف نہ کوئی رغبت ہے اور نہ شہوت ہے وہ سکھانا جانتی ہے، کیا ایسی عورت سے سیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح مرد ایسی بوڑھی عورت سے ڈرائیونگ سیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شناوری سیکھنا کوئی واجب اور لازم نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے ممنوع کام کا ارتکاب کیا جائے، اور سکھانے والی عورت اگر چہ عمر رسیدہ ہے لیکن لڑکے کے اوپر والے کپڑے اس کے بدن پر نہیں ہوں گے اور بدن کا کافی سارا حصہ برہنہ ہوگا اس حال میں شہوت کے ابھرنے کا قوی امکان ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی (۳۶۴/۶،سعید) میں ہے:

قوله ولو عجوزاً أى لإطلاق النصوص، قال الشاعر :

لكل ساقطة فى الحى لاقطة ☆ وكل كاسدة يوماً لها سوق

قال في مسئولية المرأة المسلمة : فخلوة الرجل بالمرأة الأجنبية التي ليست من محارمه على أى حال من الأحوال تعتبر من الاختلاط وهو من أخطر الأمور التي حذر الله منها المسلمين ، فإن الاختلاط بين الجنسين الذكر والأنثى من أكبر الأسباب الميسرة للفاحشة ، وأخطر من ذلك الخلوة بالمرأة غير المحرم فإن ذلك مدخلاً للشيطان، قال صلى الله عليه وسلم لا يخلون رجل بامرأة إلا كان الشيطان ثالثهما ، رواه أحمد والترمذي والحاكم وصححه...وهو يعم جميع الرجال ولوكانوا صالحين أوكبار السن كما يعم جميع النساء ولو كن صالحات أو عجائز ، وهذا شيء مشاهد من الطبيعة البشرية ميل الرجال إلى النساء بالفطرة . (ص ٢٢-٢٤). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اجنبی عورت سے ڈرائیونگ سیکھنے کا حکم:

اسی طرح مرد کے لیے کسی اجنبی عورت سے اگر چہ بوڑھی ہو ڈرائیونگ بھی سیکھنا جائز اور درست نہیں، اس میں بھی خلوت بالاجنبیہ ہے اور بلا ضرورتِ شرعی ناجائز ہے۔

ملاحظہ ہو حضرت مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری صاحبؒ فرماتے ہیں:

...نامحرم سے سیکھنا اس کے پہلو میں بیٹھنا اور اس سے بات چیت کرنیکا موقع یقیناً آئیگا، بے پردگی گویا لازمی ہے، اور اس کے علاوہ بہت سے مفاسد ہیں...الخ۔ (فتاویٰ رحیمیہ:۴۲۵/۶،مکتبہ رحیمیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ:

﴿من حليهم عجلاً جسداً له خوار﴾

قال رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم:

”حرم لباس الحرير والذهب
على ذكور أمتي وأحل لإناثهم“ (ترمذی شریف)

فصل چہارم
سونے، چاندی اور زیورات کے احکام کا بیان

عن حذيفة رضي الله عنه قال: نهانا النبي صلى الله عليه وسلم أن نشرب في آنية الذهب والفضة، وأن نأكل فيها.

(رواہ البخاری)

فصل چہارم

سونے، چاندی اور زیورات کے احکام کا بیان

لوہے کی انگشتری پہننے کا حکم:

سوال: عورت کے لیے لوہے، پیتل کی انگوٹھی پہننا جائز ہے یا نہیں؟ سونے چاندی کی انگوٹھی تو جائز ہے، لیکن لوہے یا دوسری دھات کے متعلق حکم دریافت کرنا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: فقہاء فرماتے ہیں کہ سونے چاندی کے علاوہ دوسری دھات کی انگوٹھی عورتوں کے لیے بھی مکروہ ہے۔ اور مردوں کے لیے چاندی کے علاوہ دوسری دھات کی مکروہ ہے۔

فقہاء کی عبارات ملاحظہ ہوں:

امام محمد الجامع الصغیر میں فرماتے ہیں: **ولا یتختم إلا بالفضة** . (الجامع الصغیر، ص ٤٧٧، باب فی الكراية فی اللبس).

قال فی الجوهرة : التختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه للرجال والنساء ، لأنه زي أهل النار . (الجوهرة النيرة: ٢/ ٣٨٣، كتاب الحظر والاباحة، امداديه، ملتان).

(وكذا فی الفتاوى الهندية: ٥/ ٣٣٥، و فتاوى قاضيخان بهامش الفتاوى الهندية: ٣/ ٤١٣).

وقال فی المحيط البرهانی: فأما التختم بالحديد والرصاص والصفر والشبة فهو حرام على النساء والرجال جميعاً ، والأصل فيه ما روي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى على رجل خاتم صفر، فقال: مالي أجد منك ريح الاصنام، ورأى رسول الله صلى الله عليه وسلم على رجل خاتماً من حديد ، فقال: ما لي أرى عليك حلية أهل النار . (المحيط

البرهاني: ٦/٨٥، الفصل الحادى عشرفى استعمال الذهب والفضة من كتاب الاستحسان والكراهية).

و فـي الـفتـاوى السراجية: التختم بالحديد والصفر والرصاص حرام. (ص٣٢٨، باب اللبس). وكذا في فتاوى الشامي:٦/٣٦٠، سعيد).

اورروایات اس بارے میں مختلف ہیں بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بلاکراہت جائز ہونی چاہئے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

(١) عن سهل بن سعد رضي الله عنه قال: أتت النبي صلى الله عليه وسلم امرأة فقالت: إنها قد وهبت نفسها لله ولرسوله صلى الله عليه وسلم فقال:ما لي في النساء من حاجة فقال رجل: زوجنيها قال: أعطها ثوباً قال: لا أجد قال: أعطها ولوخاتماً من حديد ...الخ. (رواه البخاري، رقم: ٥٠٢٩، كتاب فضائل القرآن، باب خيركم من تعلم القرآن).

لیکن اس روایت کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ واقعہ لوہے کی انگوٹھی کی ممانعت سے پہلے کا ہے، فلاحجة فيه۔

بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں خاتمِ حدید سے مبالغہ مقصود ہے۔ كما قال سيدنا أبوبكر الصديق: ولو منعوني بعقال۔ قطع نظر اس سے کہ عقال زکوۃ میں لے سکتے ہیں یانہیں۔ اسی طرح یہاں بھی مہر میں مال کی طلب اورادائیگی مقصود ہے، قطع نظر اس سے کہ انگوٹھی پہن سکتے ہیں یانہیں۔ کیونکہ بیچ کر انتفاع تو جائز ہے۔

قال الملا على القاري في المرقاة: ويحتمل أن يكون النكير عن التختم بخاتم الحديد بعد قوله في حديث سهل رضي الله عنه: التمس ولو خاتماً من حديد، لأن حديث سهل رضي الله عنه كان قبل استقرار السنن واستحكام الشرائع وحديث بريدة رضي الله عنه بعد ذلك. (مرقاة المفاتيح:٨/٢٧٧، باب الخاتم ،ط:امداديه، ملتان).

قال ابن حجرؒ في فتح الباري: فيه اذهب فالتمس ولوخاتماً من حديد، استدل به على جواز لبس خاتم الحديد ولا حجة فيه لأنه لا يلزم من جواز الاتخاذ جواز اللبس فيحتمل أنه أراد وجوده لتنتفع المرأة بقيمته. (فتح الباري: ١٠/٣٢٣).

قال في إعلاء السنن: قوله: اطلب ولو خاتماً من حديد، على ما قبل النهى، مع أن الحديث الثاني لا يراد به الحقيقة بل المبالغة في الطلب، على أنه لا يلزم من وجوده لبسه.

(اعلاء السنن: ۱۷/۳۲۸،ادارة القرآن). (وكذا فى اشعة اللمعات: ۳/ ۶۰۲، ط: المكتبة الرشيدية).

(۲) عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: أقبل رجل من البحرين إلى النبي صلى الله عليه وسلم فسلم فلم يرد عليه وكان في يده خاتم من ذهب وجبة حرير فألقاهما ثم سلم فرد عليه السلام ثم قال: يا رسول الله أتيتک آنفاً فأعرضت عني فقال: إنه كان في يدک جمرة من نار ... قال: فماذا أتختم قال: حلقة من حديد أو ورق أو صفر. (رواه النسائی، رقم: ۵۲۰۶).

رجاله ثقات ؛ فيه على بن محمد بن على المصيصى ؛ قال فى التهذيب(۷/۳۲۱) : ثقة.

وداود بن منصور من أهل ثغر قال النسائى: ثقة .

وليث بن سعد ؛ قال أحمد: ثقة ثبت. (تهذیب التهذیب:۸/۴۰۲).

عمروبن الحارث ؛ قال الساجى : صدوق ، ثقة . (التهذیب۸/۱۵).

بكربن سوادة ؛ قال ابن معين : ثقة . (التهذیب:۱/۴۴۲).

أبوالبخترى ؛ سعيد بن فيروز ؛ قال ابن معين : ثقة . (التهذیب:۴/۶۶).

نسائی شریف کے حاشیہ میں شیخ محمد محدث تھانویؒ نے اس روایت کا درجِ ذیل جواب دیا ہے:

قوله: حلقة من حديد لعل الإجازة بخاتم الحديد والصفرة كان قبل النهى عنهما أو كانت الإجازة على سبيل ترک الأولى وجعل النهى نهياً تنزيهاً لأن ترک الخاتم المصوغ منها خلاف الأولى و وجه النهى عن استعمال الصفر ورد فى الحديث لريح الصفر كريح الأصنام لأن بعض الأصنام كانت من الصفر ووجه النهى عن الحديد ورد فى الحديث أنه حلية أهل النار معاذ الله منهما فأما استعمال الصفر فقد ثبت من النبي صلى الله عليه وسلم كان له تور منه لكن استعمال الحديد ليس كذلک ، والله أعلم بالصواب. (حاشية سنن النسائى المجتبىٰ:۲/۲۸۹،قديمى).

بعض روایات سے مطلقاً ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ملاحظہ ہو:

(۱) عن عبد الله بن بريدة عن أبيه أن رجلاً جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم وعليه خاتم من شبه فقال له: ما لي أجد منک ريح الأصنام، فطرحه ثم جاء وعليه خاتم من حديد

فقال: ما لي أرى عليك حلية أهل النار، فطرحه فقال: يا رسول الله من أى شيء اتخذه قال: اتخذه من ورق ولا تتمه مثقالاً . (رواه ابوداود،رقم: ٤٢٢٥،والترمذی ،رقم: ١٧٨٥،والنسائی ،رقم: ٥١٩٥،وابن حبان فی صحيحه، رقم: ٥٤٨٨،والبيهقی فی شعب الايمان ،رقم:٥٩٣٥).

وفيه عبد الله بن مسلم أبوطيبة السلمي المروزى وهو مختلف فيه ، مقبول فى المتابعات والشواهد . یہ روایت ضعیف ہے،البتہ بعض حضرات نے حسن قرار دیا ہے، كما سيأتي ۔ مسند احمد میں صحیح روایت موجود ہے۔ملاحظہ ہو:

(۲) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى على بعض أصحابه خاتماً من ذهب فأعرض عنه فألقاه واتخذ خاتماً من حديد فقال: هذا شر هذا حلية أهل النار فألقاه فاتخذ خاتماً من ورق فسكت عنه .

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: صحيح وهذا إسناد حسن .

وأخرجه البخارى فى "الأدب المفرد" (١٠٢١) والطحاوي في" شرح معانى الآثار" ٤/٢٦١، من طريقين عن ابن عجلان بهذا الإسناد . وأورده الهيثمي فى" المجمع "٥/١٥١، و قال: رواه أحمد والطبراني ، وأحد إسنادي أحمد ثقات. قلنا يشير إلى هذا الإسناد...وله شاهد من حديث أبي هريرة رضي الله عنه عند البخاري (٥٨٦٤) ومسلم (٢٠٨٩)، وآخر من حديث عمربن الخطاب رضي الله عنه ، سلف (١٣٢). (مسند الإمام أحمد مع تعليقات الشيخ شعيب:١١/٦٩/ ٦٥١٨، و١١/٢٦٤).

(۳) عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنه: أنه لبس خاتماً من ذهب، فنظر إليه رسول الله صلى الله عليه وسلم، كأنه كرهه ، فطرحه ، ثم لبس خاتماً من حديد ، فقال: هذا أخبث وأخبث، فطرحه ، ثم لبس خاتماً من ورق ، فسكت عنه .

قال الشيخ شعيب: صحيح لغيره ، عبد الله بن المؤمل ضعفوه ، وباقي رجاله ثقات رجال الصحيح . (مسند الامام احمد:١١/٥٥٩/٦٩٧٧).

مذکورہ بالا روایات سے لوہے کی انگوٹھی کے استعمال کی مطلقاً ممانعت معلوم ہوتی ہے، دونوں کے درمیان تطبیق اس طرح ہوسکتی ہے کہ خالص لوہے کی انگوٹھی ممنوع ہے ہاں لوہے پر چاندی کا خول چڑھایا گیا ہو یا چاندی

کا گلٹ چڑھایا ہوتو وہ ممنوع نہیں خلافِ اولیٰ کے قبیل سے ہے اوراس کی تائیددرجِ ذیل روایت سے ہوتی ہے۔ملاحظہ ہو:

عن إياس بن الحارث بن المعيقيب عن جده أنه قال: كان خاتم رسول الله صلى الله عليه وسلم من حديد ملوى عليه فضة قال: و ربما كان في يدي . (رواه النسائی :۸/۵۵٦).

قال السندیؒ: قيل: هذا أجود إسناداً مما قبله...ويحمل المنع على ما كان حديداً صرفاً وههنا بالفضة التي لويت عليه ترتفع الكراهة ، والله أعلم . (حاشية نسائی شریف : ۸/۵۵٦، ط: دارالمعرفة ، بیروت).

وأخرجه أبوداود، رقم: ٤٢٢٤، قال الشيخ شعيب: حسن لغيره ، وهذا إسناد ضعيف لجهالة إياس بن الحارث بن المعيقيب ، وله شواهد مرسلة في طبقات ابن سعد ، وقال فی تعليقات المسند للإمام أحمد: وإسناده صحيح ،۱۱/۷۰ ، والطبراني فی الكبير، رقم: ۸۳۱، قال محشيه: وسنده صحيح ، والبيهقي في شعب الإيمان، رقم: ٥٩٣٦، وفی الآداب ، رقم: ٥٤٣، وقال: وكرهه من الحديد لريحه ...والفضة التی لويت عليه تمنع وجود الرائحة منه .

قلت: فيه إياس بن الحارث بن المعيقيب ، قال الحافظ ابن حجر فی التقريب، (ص٤٠) **: صدوق .**

لكن قال فی التحرير: بل مجهول تفرد بالرواية عنه أبومكين نوح بن ربيعة ، ولم يوثقه سوى ابن حبان . (تحریر التقریب:۱/۱۵۵).

قال في إعلاء السنن: أقول: ويحتمل حديث كان خاتمه من حديد على ما هو مذكور فی الخبر أنه كان ملوياً عليه فضة ولا نزاع فيه . (اعلاء السنن : ۱۷/۳۲۸، ط:ادارۃ القرآن).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولا بأس بأن يتخذ خاتم حديد قد لوى عليه فضة أو ألبس بفضة حتى لا يرى كذا فی المحيط . (الفتاوی الهندية:۵/۳۳۵).

وقال فی المحيط: وفی الفتاوی: ولا بأس بأن يتخذ خاتم حديد قد سوى عليه فضة وألبس بفضة حتى لايرى ؛ لأن التزين يقع بالفضة دون الحديد ؛ لأن الحديد ليس بظاهر.

(المحیط البرهانی: ٦/٨٦، فصل فی استعمال الذهب والفضة). (وکذا فی فتاوی الشامی:٦/ ٣٦٠، سعید).

خلاصہ یہ ہے کہ خالص لوہے کی انگوٹھی ممنوع ہے ہاں لوہے پر چاندی کا خول چڑھایا جائے تو اس کی اجازت ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی عبارت کا بھی یہی مطلب ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

لوہے اور پیتل کی انگوٹھی میں مرد وعورت یکساں ہیں اور کراہت ان کے پہننے کی تنزیہی ہے نہ تحریمی کہ مسئلہ مجتہد فیہا ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک مردوں کو بھی درست ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۵۸۵)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

چاندی کی انگشتری پہننے کا حکم:

سوال: چاندی کی انگوٹھی پہننا مردوں کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ اور چاندی کی مقدار کتنی ہونی چاہئے؟ نیز دو تین انگوٹھیاں پہننا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مردوں کے لیے ایک مثقال سے کم چاندی کی انگوٹھی پہننا درست ہے۔ اور ایک مثقال کی مقدار ۴ گرام ۳۷۴ ملی گرام ہے یا ساڑھے چار ماشہ، اس مقدار سے زائد مکروہ ہے، اسی وجہ سے دو تین انگوٹھیاں پہننا بھی ناجائز ہوگا، ہاں باری باری پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ (کذا فی اشعۃ اللمعات:۳/۳۰۲)۔

حدیث شریف سے چاندی کی انگوٹھی کا ثبوت:

عن عبد اللّٰه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اتخذ خاتماً من ذهب وجعل فصه مما یلي کفه فاتخذه الناس فرمی به واتخذ خاتماً من ورق أو فضة. (رواه البخاری، رقم: ٥٨٦٥، کتاب اللباس، باب خواتیم الذهب).

چاندی کی مقدار ایک ضعیف روایت میں وارد ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن عبد اللّٰه بن بریدة عن أبیه قال: جاء رجل إلی النبي صلی اللّٰه علیه وسلم وعلیه خاتم من حدید فقال: ما لي أری علیک حلیة أهل النار، فطرحه...فقال: یارسول اللّٰه، من أی شيء اتخذه؟ قال: من ورق، ولا تتمه مثقالاً. (رواه الترمذی، ١٧٨٥، وابوداود، ٤٢٢٣، وابن حبان، ٥٤٨٨).

قال الشیخ شعیب الأرنؤوط: إسناده ضعیف، عبد اللّٰه بن مسلم أبوطیبة، قد انفرد به عن عبد اللّٰه بن بریدة، قال ابن حبان في" ثقاته "٧/٤٩: یخطئ ویخالف، وقال أبوحاتم

یکتب حدیثه ولایحتج به. (تعلیقات الشیخ شعیب علی صحیح ابن حبان :۱۲/ ۳۰۰/۵۴۸۸).

امام سیوطیؒ نے اس روایت کوحسن قرار دیا ہے۔

وأورده الإمام السیوطي فی الجامع الصغیر برقم:۱۰۵، و رمز له بالحسن .

اور ملاعلی قاریؒ نے بھی حسن فرمایا۔چنانچہ مرقات میں فرماتے ہیں:

رواه أبوداود والترمذي والنسائي أی بسند حسن بل صححه ابن حبان . (مرقاة المفاتیح: ۸/۲۷۷، ط: امدادیہ ، ملتان).

دراصل عبداللہ بن مسلم مختلف فیہ راوی ہے،بعض نے توثیق کی ہےاوربعض نے جرح کی ہے۔ملاحظہ ہو:

قال فی التقریب: صدوق، یهم. قال فی التحریر: بل ضعیف یعتبر به فی الشواهد والمتابعات و هو معنی قول أبي حاتم الرازی : یکتب حدیثه ولا یحتج به ، وذکره ابن حبان فی الثقات ، وقال : یخطئ ویخالف ، وقال الذهبي : صالح الحدیث . (تحریرتقریب التهذیب:۲/ ۲۷۰).

وقال الإمام الدارقطني: لیس به بأس . (سوالات ابی عبدالرحمن السلمی للامام الدارقطنی فی الجرح والتعدیل وعلل الحدیث ،ص۱۴۳/ ۵۰۳، ط: الفاروق الحدیثة للطباعة والنشر وکذا فی التذییل علی کتاب تهذیب التهذیب، ص۲۲۵).

تسہیل القدوری میں ہے:

ولا بأس بالخاتم للرجال إذا کان من فضة بشرط أن لایتم مثقالاً ولایجوز من غیر الفضة. (تسهیل القدوری :۲/۲۳۶). (وکذا فی الجوهرة النیرة : ۲/۳۸۳، ط: امدادیہ ، ملتان).

شرح النقایہ میں ہے:

إلا بخاتم من الفضة . أما الخاتم فلما أخرجه الجماعة أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اتخذ خاتماً من فضة له فص حبشي ونقش فیه : محمد رسول اللّٰه...والعبرة للحلقة لأن قوام الخاتم بها دون الفص، ویجعل الرجل فی لبسه الفص إلی باطن الکف، بخلاف المرأة ؛ لأنه للتزیین في حقها ، و یستحب للقاضی و السلطان و نحوهما ممن یحتاج إلی الختم ، والأفضل لغیرهم ترکه . (شرح النقایة للملاعلی القاری : ۴/ ۲۶،ط:بیروت).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

بادشاہ وقاضی اور متولی وغیرہ کو مہر لگانے کے لیے انگشتری چاندی کی جائز ہے جس کا وزن چار ماشہ سے کم ہو، اوروں کے لیے مناسب نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۳۴۴، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

مرد کے لیے پلاٹینم کی انگشتری کا حکم:

سوال: کیا مرد کے لیے پلاٹینم (Platinum) کی انگوٹھی پہننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: پلاٹینم کے بارے میں اہل لغت کا خیال ہے کہ یہ تین قیمتی دھاتوں (سونا، چاندی، پلاٹینم) میں سے ایک قیمتی دھات ہے اور یہ تینوں میں سے ایک انوکھی قسم ہے، اور دوسری دھاتوں سے زیادہ سخت ہے جلد پگھلنے والی نہیں ہے، اس کا رنگ سفید چاندی کی طرح ہوتا ہے۔ اس کو وائٹ سلور (white silver) یا سفید سونا بھی کہتے ہیں۔

بایں وجہ چاندی کے حکم میں ہو کر اس کے استعمال کی اجازت ہونی چاہئے، لیکن چونکہ اس کا چاندی ہونا محقق نہیں اس لیے اس کے استعمال سے اجتناب کرنا اولیٰ ہے۔ کیونکہ عام فقہائے احناف نے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کی انگوٹھی کو مرد کے لیے مکروہ قرار دیا ہے۔

قال في فتاوی قاضیخان: ولایتختم الرجل إلا بفضة أما لایتختم بالذهب للحدیث المعروف وکذا التختم بالحدید لأنه خاتم أهل النار. (فتاوی قاضیخان علی هامش الفتاوی الهندیة: ۳/۴۱۳، باب مایکره من الثیاب والحلي والزینة ومالایکره).

عن إیاس بن الحارث بن المعیقیب عن جده أنه قال: کان خاتم رسول الله صلی الله علیه وسلم من حدید ملوی علیه فضة قال: وربما کان في یدي. (رواه النسائي: ۸/۵۵۶).

حضرت گنگوہیؒ نے بھی دوسری دھاتوں کی انگوٹھی کو مکروہِ تنزیہی قرار دیا ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

ٹائیٹینم کی انگوٹھی پہننے کا حکم:

سوال: کیا مردوں کے لیے ٹائیٹینم کی انگوٹھی پہننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ٹائیٹینم کو لغات والے قیمتی چمکتا ہوا لوہا کہتے ہیں، (Silver grey metal) اگر اس کا

لوہا ہونا محقق ہے تو پھر اس کی انگوٹھی کا استعمال جائز اور درست نہیں ہوگا۔ہاں اگر اس کا رنگ چاندی کی طرح چمکدار ہو اور چاندی ہی کی طرح معلوم ہوتا ہو تو پھر اس کی گنجائش ہے تاہم اجتناب اولیٰ ہے۔کیونکہ عام فقہائے احناف نے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کی انگوٹھی کو مرد کے لیے مکروہ قرار دیا ہے۔

امام محمد الجامع الصغیر میں فرماتے ہیں: **ولا يتختم إلا بالفضة** . (الجامع الصغیر،ص ٤٧٧،باب في الكراهية في اللبس).

قال في الجوهرة : التختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه للرجال والنساء ، لأنه زي أهل النار . (الجوهرة النيرة :٢/٣٨٣، كتاب الحظروالاباحة،امداديه ،ملتان).

(وكذا في الفتاوى الهندية: ٥/٣٣٥، وفتاوى قاضيخان على هامش الفتاوى الهندية: ٣/٤١٣،باب مايكره من الثياب والحلي والزينة ومالايكره،و فتاوى الشامي:٦/٣٦٠، سعيد).

نیز حدیث شریف میں لوہے کی انگوٹھی کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔حدیث ماقبل میں گزر چکی ہے۔

ہاں اگر اس پر چاندی کا خول چڑھایا گیا ہے تو پھر اس کی اجازت ہوگی۔جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

عن إياس بن الحارث بن المعيقيب عن جده أنه قال: كان خاتم رسول الله صلى الله عليه وسلم من حديد ملوى عليه فضة قال: و ربما كان في يدي . (رواه النسائي :٨/٥٥٦).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاوى الشامي: ٦/٣٦٠، سعيد،و الفتاوى الهندية: ٥/، والمحيط البرهاني:) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

پلاٹینم کے زیورات کا حکم:

سوال: کیا عورت کے لیے پلاٹینم (Platinum) کے زیورات پہننا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: عورتوں کے لیے سونے چاندی اور دیگر دھات کے زیورات پہننا جائز اور درست ہے، اور پلاٹینم لوہے کی ایک قیمتی قسم ہے جو چاندی کی طرح چمکدار ہے، اسی وجہ سے اس کو سفید سونا بھی کہا جاتا ہے، لہٰذا اس کے زیورات پہننا بھی جائز اور درست ہے۔ہاں انگوٹھی پہننے سے اجتناب کرنا چاہئے، کیونکہ اس کا سونا یا چاندی ہونا محقق نہیں ہے اور عورتوں کے لیے صرف سونے اور چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے دیگر دھات کی انگوٹھی عورتوں کے لیے بھی مکروہ ہے۔ملاحظہ ہو بہشتی زیور میں ہے:

عورتوں کو زیور پہننا جائز ہے، سونے، چاندی کے علاوہ اور کسی چیز کا زیور پہننا بھی درست ہے جیسے پیتل،

گلٹ، رانگا وغیرہ، مگر انگوٹھی سونے چاندی کے علاوہ اور کسی چیز کی درست نہیں۔ (بہشتی زیور: ۳/۲۷۸، دارالاشاعت)
فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

ولا بأس لهن بلبس الديباج والحرير والذهب والفضة واللؤلؤ. (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الفتاوى الهندية: ۳/٤١٣، باب مايكره من الثياب والحلي والزينة ومالايكره).

وفي الهندية : ولا بأس للنساء بتعليق الخرزفي شعورهن من صفر أو نحاس أوشبه أو حديد ونحوها للزينة والسوار منها. (الفتاوى الهندية: ٥/٣٥٩) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

۹ کیرٹ سونے کے زیورات اور انگوٹھی پہننے کا حکم:

سوال: ۹ کیرٹ سونے کے زیورات اور انگوٹھی عورتوں کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: وزن کے اعتبار سے کسی دھات کے ۲۴/۱ حصہ کو کیرٹ کہتے ہیں، ۲۴ کیرٹ تقریباً خالص سونا ہے، اس میں ۳، ۰ فیصد ملاوٹ ہوتی ہے، سونے کو جمانے اور سخت بنانے کے لیے۔

۱۸ کیرٹ (۲۴/۱۸) میں ۴/۳ سونا اور ۴/۱ ملاوٹ ہوتی ہے۔

۹ کیرٹ (۲۴/۹) میں ۵، ۳۷ فیصد سونا، ۱۰ فیصد چاندی اور ۵، ۵۲ فیصد ملاوٹ ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا وضاحت کے مطابق ۲۴ اور ۱۸ کیرٹ میں سونا غالب اور دوسری دھات مغلوب ہے، لہٰذا یہ سونے کے حکم میں ہے، اس کی انگوٹھی پہننا عورتوں کے لیے جائز ہے۔

البتہ ۹ کیرٹ میں سونا مغلوب اور دوسری دھات غالب ہے بایں وجہ اگر ۹ کیرٹ سونے کی انگوٹھی اوپر سے سونے کی طرح معلوم ہوتی ہو تو اس کا پہننا جائز ہوگا اور اگر دوسری دھات کی طرح لگتی ہو تو پھر نہیں پہننا چاہئے۔

ملاحظہ ہو قدوری میں ہے:

وإن كان الغالب على الدراهم الفضة فهي في حكم الفضة وإن كان الغالب على الدنانير الذهب فهي في حكم الذهب...وإن كان الغالب عليها الغش فليسا في حكم الدراهم والدنانير فهما في حكم العروض . (القدوری، ص ١٣٧، باب الصرف، ط: سعيد).

وفي رد المحتار عن الجوهرة : والتختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه للرجال والنساء . (فتاوى الشامي: ٦/٣٨٩، سعيد).

عـن إيـاس بن الحارث بن المعيقيب عن جده أنه قال: كان خاتم رسول الله صلى الله عليه وسلم من حديد ملوی عليه فضة قال: و ربما كان في يدي . (رواه النسائی :۵۵۶/۸).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاوی الشامی: ۳۶۰/۶، سعید،و الفتاوی الهندیة: ۵/، والمحیط البرهانی۸۶:۶).

ہاں انگوٹھی کے علاوہ زیورات، سونے، چاندی اور دوسری دھات کے جائز ہیں، لہٰذا ۹ کیرٹ سونے کے زیورات پہننا عورتوں کے لیے بالکل جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو بہشتی زیور میں ہے:

عورتوں کو زیور پہننا جائز ہے، سونا، چاندی کے علاوہ اور کسی چیز کا زیور پہننا بھی درست ہے جیسے پیتل، گلٹ، رانگا وغیرہ، مگر انگوٹھی سونے چاندی کے علاوہ اور کسی چیز کی درست نہیں۔ (بہشتی زیور:۲۷۸/۳، دارالاشاعت)۔

فتاوی قاضیخان میں ہے:

ولا بـأس لهـن بـلبس الديباج والحرير والذهب والفضة واللؤلؤ. (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الفتاوی الهندیة:۴۱۳/۳، باب مایکره من الثیاب والحلی والزینة ومالایکره).

وفي الهندية : ولا بأس للنساء بتعليق الخرز في شعورهن من صفر أو نحاس أو شبه أو حديد ونحوها للزينة والسوار منها . (الفتاوی الهندیة:۳۵۹/۵). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

صلیب کی علامت والے زیورات پہننے کا حکم:

سوال: کیا مسلمان عورت کے لیے جائز ہے کہ ایسا زیور یا ہار پہنے جس میں صلیب ہو جو کہ عیسائیوں کا خاص مذہبی نشان ہے؟ اور یہ صرف زینت کے لیے ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام مظلوم مصلوب ہوئے اور شہید کیے گئے، اس وجہ سے صلیب اپنے باطل مذہب کی علامت بنالی، اللہ تعالیٰ نے اس عقیدہ کو قرآنِ پاک میں باطل قرار دیا ہے، لہٰذا اگر کوئی مسلمان عیسائی مذہب کے احترام میں صلیب کا نشان اختیار کرے تو کفر ہے اور ویسے ہی بطورِ زینت استعمال کرے تب بھی جائز اور درست نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عـن عـائشةؓ قـالـت: إنـا لا نـلبـس الثياب التي فيها الصليب . وعن أبي جحاف قال: سـألـت أبـا جـعـفـر عن تابوت لي فيه تماثيل فقال: حدثني من رأى عمرؓ يـحرق ثوباً فيه

صليب، ينزع الصليب منه. وعن ابن عون، عن محمد؛ أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى على بعض أزواجه ستراً فيه صليب، فأمر به فقضب. (مصنف ابن ابی شیبة :۸/۱۹٦، کتاب اللباس).

وقال ابن ملك: الصليب في اصطلاح النصارى خشبة مثلثة يدعون أن عيسى عليه الصلاة والسلام صلب على خشبة مثلثة على تلك الصورة وقد يكون فيه صورة المسيح.

(عون المعبود:۱۱/۳۰٦،ط: بيروت).

وفي رد المحتار: أقول: والظاهر أنه يلحق به الصليب وإن لم يكن تمثال ذي روح لأن فيه تشبها بالنصارى ويكره التشبه بهم في المذموم وإن لم يقصده كما مر. (فتاوى الشامي: ۱/٦٤٨،سعيد).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

ٹائی ایک وقت میں نصاریٰ کا شعار تھا، اس وقت اس کا حکم بھی سخت تھا، اب غیر نصاریٰ بھی بکثرت استعمال کرتے ہیں، اب اس کے حکم میں تخفیف ہے، اس کو شرک یا حرام نہیں کہا جائیگا، کراہیت سے اب بھی خالی نہیں، کہیں کراہیت شدید ہوگی، کہیں ہلکی، جہاں اس کا استعمال عام ہوجائے وہاں اس کے منع پر زور نہیں دیا جائیگا۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۲۸۹،مبوب ومرتب).

البتہ بعض حضرات نے عیسائیوں کا مذہبی شعار بتلا کر اسے ناجائز قرار دیا ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ محمودیہ کی تعلیق وحاشیہ میں مرقوم ہے:

ٹائی کا استعمال اگرچہ مسلمانوں میں بھی عام ہوگیا ہے مگر اس کے باوجود انگریزی لباس کا حصہ ہی ہے، اگر انگریزی لباس تصور نہ کیا جائے، لیکن فساق وفجار کا لباس تو بہر حال ہے، لہذا تشبہ بالفساق کی وجہ سے ممنوع قرار دیا جائیگا، دوسری بات یہ ہے کہ اہل صلاح اس لباس کو پسند بھی نہیں کرتے، کیونکہ یہ علماء وصلحاء کے لباس کے خلاف ہے، تیسری بات یہ ہے کہ اس کے علاوہ ٹائی میں ایک اور خرابی یہ بھی ہے کہ عیسائی اس سے اپنے عقیدہ ''صلیب عیسیٰ علیہ السلام'' یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب کیے جانے کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو کہ نصِ قرآنی کے خلاف ہے، لہذا تشبہ بالکفار کے ساتھ ساتھ عیسائیوں کے مذہبی یادگار اور مذہبی شعار ہونے کی وجہ سے بھی پہننا جائز نہیں: (البتہ بعض علماء کو اس کے صلیبی نشانی اور مذہبی شعار ہونے میں کلام ہے۔)

وعن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" من

تشبه بقوم" أي من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره أوبالفساق أو الفجار أوبأهل التصوف والصلحاء الأبرار،" فهومنهم" في الإثم والخير، قال الطيبيؒ : هذا عام في الخَلق والخُلق والشعارولماكان الشعار أظهرفي التشبه... (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، ۷/۱۵۵، رشيدية).

(مستفاد از حاشیہ فتاوی محمودیہ: ۱۹/۲۸۹، مبوب ومرتب)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بدستِ راست انگشتری پہننے کا حکم:

سوال: انگوٹھی داہنے ہاتھ میں پہننا افضل ہے یا بائیں ہاتھ میں؟ اس بارے میں احناف وغیرہ کا کیا مذہب ہے؟

الجواب: اس بارے میں مختلف قسم کی روایات وارد ہوئی ہیں بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دستِ راست میں زیب تن فرماتے تھے اور بعض میں آتا ہے دستِ چپ میں، محدثین حضرات نے دونوں کے مابین اس طرح تطبیق دی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر معمول دستِ راست میں پہننے کا تھا ہاں گاہے گاہے دستِ چپ میں بھی پہنی ہے۔ فقہائے احناف نے بائیں ہاتھ میں پہننے کو بہتر قرار دیا ہے اور فقیہ ابو اللیثؒ کے نزدیک دونوں میں یکساں ہے، امام بخاری وامام ترمذی وغیرہ نے دستِ راست والی روایات کو راجح قرار دیا ہے۔

بہ دستِ راست انگشتری پہننے کی روایات ملاحظہ کیجئے:

عن عائشةؓ قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتختم في يمينه، ويقول: اليمين أحق بالزينة من الشمال. (اخرجه ابو الشيخ في اخلاق النبي، رقم: ۳۲۷، اسناده ضعيف).

عن ابن عباس رضي الله عنه، قال: رأيت الخاتم في يمينه، ولا إخاله إلا ذكر: أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يتختم في يمينه. (ابو الشيخ في اخلاق النبي، رقم: ۳۱۹، اسناده ضعيف).

عن عبد الله بن جعفر أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يتختم في يمينه. (ابو الشيخ، رقم: ۳۲۱، اسناده صحيح).

عن أنس رضي الله عنه، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يتختم في يمينه، ويجعل فصه في باطن كفه. (ابو الشيخ، رقم: ۳۲۴، ومسلم، اسناده صحيح).

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم لبس خاتماً في يمينه . (ابوالشیخ ، رقم: ۳۳۰، والترمذی فی الشمائل ،۱۰۵، وھوحدیث صحیح).

عن علي رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يتختم في يمينه . (اخرجه ابوالشیخ ، رقم: ۳۳٤، ابوداود: ٤۲۲٦،والترمذی فی الشمائل ،۹٦،والنسائی :۲/ ۲۹۰،واسناده صحیح).

عن أبي أمامة ، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يتختم في يمينه . (اخلاق النبی، ۳۳۵، والطبرانی فی الکبیر،رقم: ۷۹۵۳،اسناده ضعیف).

عن أبي سلمة رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يتختم في يمينه. إسناده حسن. (الاحادیث المختارۃ ، رقم: ۵۸۳).

بہ دستِ چپ انگشتری پہننے کی روایات ملاحظہ کیجئے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ: أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يتختم في يساره . (السنن الکبری للبیهقی ، رقم: ۷۸۱٤،وابوداود،رقم: ٤۲۲۹).

عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يتختم في يمينه، ثم أنه حوله في يساره . (اخلاق النبی، رقم:۳۳۳، اسناده ضعیف).

وعن أنس رضی اللہ عنہ قال: كان خاتم النبي صلى الله عليه وسلم في خنصره اليسرى . (اخرجه ابوالشیخ فی اخلاق النبی ،رقم: ۳۳۷،والطبرانی فی مسندالشامیین،واسناده ضعیف).

عن أنس رضی اللہ عنہ ، قال: كان خاتم النبى صلى الله عليه وسلم في هذه ، وأشار إلى خنصره من يده اليسرى . (اخلاق النبی ،رقم: ۳۳۸،اخرجه مسلم ، رقم: ۲۰۹۵).

عن جعفر بن محمد ، عن أبيه ، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم و أبوبكر و عمر وعلي والحسن والحسين رضى الله تعالىٰ عنهم كلهم يتختمون فى اليسار . (اخرجه ابو الشیخ فی اخلاق النبی ، رقم: ۳۳۹، والترمذی فی الشمائل ، رقم: ۱۰۳، والبیهقی :٤/۱٤۲، وھوحدیث صحیح موقوف کما فی سنن الترمذی ، رقم: ۱٤۲٦).

اس باب میں سب سے زیادہ صحیح روایت:

روى الإمام الترمذي بسنده عن حماد بن سلمة قال: رأيت ابن أبى رافع يتختم فى

يمينه فسألته عن ذلك فقال: رأيت عبد الله بن جعفر يتختم في يمينه وقال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يتختم في يمينه قال محمد (بن إسماعيل البخارى) وهذا أصح شيء روي عن النبي صلى الله عليه وسلم في هذا الباب . (سنن الترمذی: ۱/۳۰۵،ط:فیصل).

شراحِ حدیث کے اقوال ملاحظہ کیجئے:

قال العلامة بدر الدين العينيؒ: وقد وردت أحاديث كثيرة فى التختم فى اليمنى ، (ذكر العلامة سبعة أحاديث) ...و وردت أحاديث أخرى فى التختم فى اليسار (ذكرثلاثة) ... وقال ابن أبي حاتم : سألت أبازرعة عن اختلاف الأحاديث في ذلك ، فقال: لايثبت هذا ولا هذا ، ولكن في يمينه أكثر، ورجح الشافعية اليمين وهو الأشهر عندهم ، وقال شيخنا في شرح الترمذى: فى الأحاديث استحباب التختم فى اليمين ، وهو أصح الوجهين لأصحاب الشافعي: أن التختم فى اليمين أفضل منه فى اليسار ، وذهب مالكؒ إلى استحباب التختم فى اليسار، وكره التختم فى اليمين...وأما مذهب الحنفية فقد ذكر فى الأجناس: وينبغي أن يلبس خاتمه في خنصره اليسرى ولا يلبسه فى اليمين ولا في غير خنصر اليسرى من أصابعه، وسوى الفقيه أبو الليث في شرح الجامع الصغير بين اليمين واليسار ، وقال بعض أصحابنا: هو الحق لاختلاف الروايات ويقال: جاء ت أحاديث صحيحة فى اليمين ، ولكن استقر الأمر على اليسار. قلت: يدل على ذلك ما قاله البغوى في شرح السنة : أنه صلى الله عليه وسلم تختم أولاً في يمينه ثم تختم في يساره ، وكان ذلك آخر الأمرين . (عمدة القارى: ۱۵/۷۶۔۷۸،باب من جعل فص الخاتم فى بطن كفه،ط:امداديه ملتان).

وللمزيد انظر: (شرح صحيح مسلم للامام النووى: ۲/۱۹۷،ط:قديمى، ومرقاة المفاتيح: ۸/۲۶۹، امداديه ملتان، و اشعة اللمعات :۳/۵۹۸، باب الخاتم).

فقہاء کی عبارات ملاحظہ ہوں:

ويجعله لبطن كفه في يده اليسرى وقيل اليمنى. وفي رد المحتار: قوله في يده اليسرى وينبغي أن يكون في خنصرها دون سائر أصابعه ودون اليمنى ذخيرة...وفي غاية البيان: قد سوى الفقيه أبو الليث في شرح الجامع الصغير بين اليمين واليسار، وهوالحق

لأنه قد اختلفت الروايات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في ذلك. (الدرالمختارمع ردالمحتار:٦/٣٦١،سعيد).

قال الإمام فخر الدين قاضيخان: ثم يجعله في اليد اليسرى في زماننا. (فتاوى قاضيخان على هامش الفتاوالهندية:٣/٤١٣،باب مايكره من الثياب الحلي والزينة ومالايكره).

قال في مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: ويلبس خاتمه في اليسرى لا في اليمنى... وسوى الفقيه أبو الليث بين اليمين واليسار وهو الحق لاختلاف الروايات. (٤/١٩٧،فصل في اللبس،بيروت).

خلاصہ یہ ہے کہ مذہبِ احناف میں دستِ چپ والاقول منقول ہے،لیکن فقیہ ابواللیثؒ کے نزدیک دونوں میں یکساں ہے،بعض فقہاء نے روایات کے اختلاف کی وجہ سے اسی کو حق کہا ہے۔پھر دائیں یا بائیں ہاتھ کی خنصر میں پہننا چاہئے،انگشتِ شہادت اور وسطیٰ میں پہننے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ملاحظہ ہو:

عن أبي بردة قال: قال علي: نهاني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن اتختم في إصبعي هذه أو هذه، قال: فأومأ إلى الوسطى والتي تليها. (رواه مسلم، رقم: ٢٠٧٨).

وفي مسند أبي عوانة: عن علي أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن الثياب القسية والميثرة الحمراء وعن التختم ههنا وههنا وأشار بالسبابة والوسطى. (مسندابی عوانة،رقم: ٨٦٤٧، باب النهي عن التختم في الاصابع الوسطى والتي تليها).

البتہ شراح لکھتے ہیں کہ یہ نہی تحریمی نہیں ہے بلکہ تنزیہی ہے۔

قال الإمام النوويؒ في شرح صحيح مسلم: ويكره للرجل جعله في الوسطى والتي تليها لهذا الحديث وهي كراهة تنزيه. (شرح صحيح مسلم:٢/١٩٧، ط: قديمي). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

گھڑی بہ دستِ راست پہننے کا حکم:

سوال: گھڑی کونسے ہاتھ میں پہننا بہتر ہے؟ اگر یہ مسئلہ انگوٹھی کی طرح ہے تو مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں کیا حکم ہے؟ اور احادیث کا کیا تقاضا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: گھڑی انگوٹھی کی طرح ہے اور انگوٹھی کے بارے میں مذکورہ بالا فتوی میں تفصیلات گزر چکی ہیں

کہ احناف کے ہاں دونوں ہاتھ برابر ہیں روایات کے اختلاف کی وجہ سے، لہذا دونوں میں پہننا صحیح اور درست ہے۔ ہاں اکثر فقہائے احناف نے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کو بہتر فرمایا ہے۔ کما مر آنفاً۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

گھڑی ایک سامانِ زینت بھی ہے اور ضرورت بھی، عہدِ رسالت میں اس کی بہترین نظیر انگوٹھی ہے جس میں زینت کا پہلو بھی موجود تھا اور وہ ضرورت بھی تھی کہ سلاطین مملکت کو خطوط روانہ کرتے وقت اسی سے مہر لگائی جاتی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے دائیں ہاتھ میں بھی انگوٹھی پہنی ہے ...اور بائیں ہاتھ میں بھی...اس لیے گھڑی دونوں ہی ہاتھ میں باندھی جاسکتی ہے، مگر چوں کہ اکثر خیر کی چیزوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں سمت کو ترجیح دی ہے اور گھڑی بھی ذریعہ خیر ہے کہ اس سے نماز اور عبادات کے اوقات معلوم ہوتے ہیں اس لیے دائیں ہاتھ میں پہننا زیادہ بہتر ہوگا۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/۳۱۴)۔

مفتی صاحب کی بات سر آنکھوں پر لیکن چونکہ انگوٹھی میں اکثر فقہائے احناف کا مسلک بایاں ہاتھ ہے بنابریں گھڑی میں بھی بایاں ہونا چاہئے اور اگر کسی کے دل میں یہ اشکال پیدا ہو جائے کہ اچھے کاموں میں دستِ راست کے استعمال کی فضیلت آئی ہے تو جواباً عرض ہے کہ دستِ چپ میں اتارنے اور پہننے کے لیے دایاں ہاتھ استعمال ہوگا اور اگر دستِ راست میں پہن لیں تو اس کے اتارنے میں اور پہننے کے لیے بایاں ہاتھ استعمال کرنا پڑیگا لہذا دستِ چپ میں پہننے کے اندر دستِ راست کے ثواب سے ان شاء اللہ محرومی نہیں ہوگی، بہر حال اس میں تنگی نہیں لہذا ایک فریق دوسرے کو ملامت نہ کرے۔

مالکیہ کے نزدیک بائیں ہاتھ میں پہننا اولیٰ ہے۔

ملاحظہ ہو الثمر الدانی میں ہے:

والاختيار مما روى في التختم: التختم في اليسار لأن تناول الشيء باليمين فهو يأخذه بيمينه ويجعله في يساره . (الثمر الدانی، ص۴۴۹، باب فی الفطرة، ط: بیروت).

شافعیہ کے ہاں داہنے ہاتھ میں پہننا اولیٰ ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں:

وأما الحكم في المسئلة عند الفقهاء فاجمعوا على جواز التختم في اليمين وعلى جوازه في اليسار ولا كراهة في واحدة منهما، واختلفوا أيتهما أفضل فتختم كثيرون من السلف في اليمين وكثيرون في اليسار واستحب مالك اليسار وكره اليمين، وفي مذهبنا

وجهان لأصحابنا الصحيح أن اليمين أفضل ...الخ . (شرح صحیح مسلم: ۱۹۷/۲،ط:قدیمی).

(و كذا فی الموسوعة الفقهية الكويتية: ۲۷/۱۱).

اورحنابلہ کے نزدیک دستِ چپ میں اولیٰ ہے۔ ملاحظہ ہوالانصاف میں ہے:

جواز لبسه في خنصر يده اليمنى واليسرى، ولا فضل في لبسه في إحداهما على الأخرى،...قال: والصحيح من المذهب: أن التختم فی اليسار أفضل، نص عليه في رواية صالح والفضل بن زياد ، قال الإمام أحمدؒ : هو أقرب وأثبت وأحب إلي وجزم به في المستوعب والتلخيص والبلغة وابن تميم والإفادات وغيرهم،...قال الحافظ ابن رجب: وقد أشار بعض أصحابنا إلى أن التختم فی اليمنى منسوخ ، وأن التختم فی اليسار آخر الأمرين، انتهى. قال فی التلخيص: ضعف الإمام أحمد حديث التختم فی اليمنى وهذا من غير الأكثر الذی ذكرناه فی الخطبة أن ما قدمه فی الفروع هو المذهب، وقيل: اليمنى أفضل قدمه فی الرعاية الصغرى والحاويين . (الانصاف: ۱۰۳/۳،بیروت). (وكذا فی كتاب الفروع: ۱۵۳/٤، مؤسسة الرسالة،والموسوعة الفقهية الكويتية: ۲۷/۱۱). **واللہ ﷻ اعلم۔**

سونے کے پرزے والی گھڑی کا حکم:

سوال: اگرکسی کی گھڑی ایسی ہے جس کی چین میں سونا ملا ہوا ہے یا کچھ پرزے سونے کے ہیں تو ایسی گھڑی کا استعمال جائز ہوگا یانہیں؟

الجواب: مکمل سونے کی گھڑی کا استعمال مردوں کے لیے ناجائز ہے ہاں گھڑی کی چین میں سونا ملا ہواہے یا کچھ پرزے سونے کے ہیں اورسونا مغلوب ہے تو اس کے استعمال کی اجازت ہوگی۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ مبارک ٹوٹ گیا تو آپ نے پھٹن کی جگہ چاندی سے جوڑ دیا تھا۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ أن قدح النبي صلى اللّٰه عليه وسلم انكسر فاتخذ مكان الشعب سلسلة من فضة قال عاصم: رأيت القدح وشربت فيه . (رواه البخاری،رقم: ۳۱۰۹).

وفي رواية قال: قدحاً كان للنبي صلى اللّٰه عليه وسلم فيه ضبة فضة . (اخرجه الامام احمد، رقم: ۱۲٤۱۱).

ملاحظہ ہو جدید فقہی مسائل میں ہے:

سونے کی گھڑی کا استعمال تو مطلق جائز نہ ہوگا اور غالباً ایسی گھڑی کا استعمال بھی کراہت سے خالی نہ ہوگا جس کا کیس چاندی کا ہو اور وہ نمایاں ہو، اس لیے کہ انگوٹھی کے علاوہ دوسری استعمالی چیزوں میں بھی چاندی کے استعمال کو فقہاء مکروہ قرار دیتے ہیں: **وكذا الأكل بملعقة الذهب والفضة وكذا الاكتحال بميل الذهب والفضة** . (خلاصة الفتاوى: ٤/ ٣٧١، كتاب الكراهية) ہاں اگر اس کا کوئی پرزہ سونے کا ہو تو درست ہوگا اور چاندی میں تو بدرجہ اولیٰ۔ چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں: **ولا بأس بمسامير الذهب والفضة** . (الهندية: ٥/ ٣٣٥) اسی طرح اندر کی مشین سونے چاندی کی بنی ہو اور اوپر کا کیس لوہے کا ہو تو بھی اجازت ہوگی۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/ ۳۱۶)۔

آپ کے مسائل میں ہے:

سوال: راڈو گھڑی میں جو سونے کے پرزے لگے ہوتے ہیں، اسی طرح ایک گھڑی میں پلاٹینم گولڈ جو کہ سونے سے بھی دگنی قیمتی دھات ہے، لگا ہو، اس کی گھڑی پہننا جائز ہے؟

جواب: سونا اگر ہوتا ہے تو براہِ راست اس کا استعمال نہیں ہوتا، بلکہ گھڑی کے تابع ہو کر ہوتا ہے، اس لیے جائز ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/ ۳۷۸، طبع جدید)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

یہ ولایتی گھڑیاں جن کا کیس سونے چاندی کا کیا جاتا ہے اس میں چونکہ دوسری دھاتیں غالب اور سونا چاندی مغلوب ہوتا ہے اس لیے یہ سونے چاندی کے حکم میں نہیں بلکہ عام دھاتوں کی طرح اسباب ومتاع میں داخل ہیں (صرح بہ الہدایہ وغیرہا) لہٰذا ان کا استعمال مردوں کے لیے جائز ہے اور زکوۃ بھی مثل سونے چاندی کے ان پر نہیں آتی، البتہ اگر تجارت کے لیے گھڑیاں ہوں تو عام تجارتی مال کی طرح ان پر بھی زکوۃ آئے گی فاؤنٹین پین میں بھی جو نب ہوتا ہے وہ بھی غالباً اصلی سونے کا نہیں ہوتا اس لیے جائز ہے۔ (امداد المفتیین: ۲/ ۸۱۵، ط: دار الاشاعت)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سونے کی قلعی کی ہوئی گھڑی کے استعمال کا حکم:

سوال: اگر گھڑی کی چین پر سونے کا گلٹ کیا ہوا ہے، تو اس کے استعمال کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

الجواب: سونے کا گلٹ چڑھائی ہوئی چین والی گھڑی کا استعمال مردوں کے لیے جائز اور درست ہے، کیونکہ سونے کے پانی کو فقہاء نے اصل سونے کے حکم میں داخل نہیں فرمایا، وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر چین سے سونا علیحدہ کیا جائے تو سونا علیحدہ نہیں ہوگا۔ ملاحظہ ہو شرح نقایہ میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

وهذا كله إذا كان يخلص منه شيء ، وأما الذى لا يخلص منه شيء كالمموّه فلا بأس به إجماعاً ؛ لأنه مستهلك فلا عبرة ببقاء لونه . (شرح النقاية : ٤/ ٢٥،بيروت).

(و كذا فى فتاوى الشامى: ٦/ ٣٤٣،سعيد،و الجوهرة النيرة :٢ /،و الفتاوى الهندية: ٥/ ٣٣٤،و الهداية:٤ /، فصل فى الاكل و الشرب،و بدائع الصنائع: ٥/ ١٣٣،سعيد).

وفـي الـمبسوط : إن التمويه لون الفضة وليس بعين الفضة ألا ترى أنه لايتخلص منه شيء فلا يجرى فيه الربا باعتباره. (المبسوط للامام السرخسيؒ : ١٤/ ١٩، كتاب الصرف، دار الفكر).

آپ کے مسائل میں ہے:

گھڑی کی چین سونے کے گلٹ کی جائز ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸/۳۷۴،طبع جدید)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

سونے چاندی کا گلٹ چڑھائی ہوئی گھڑی مرد پہن سکتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۵/ ۴۷۵)۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

سونے کی قلعی کی ہوئی چیزوں کا استعمال مردوں کے لیے جائز ہے۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/ ۳۱۴)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مرد کے لیے ۹ کیرٹ سونے کی انگشتری پہننے کا حکم:

سوال: کیا ۹ کیرٹ سونے کی انگوٹھی پہننا مرد وعورت کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ۹ کیرٹ سونے کے بارے میں ماقبل میں مذکور ہوا کہ اس میں سونا مغلوب ہے اور دوسری دھات غالب ہے، لیکن عرفِ عام میں اس کو سونا ہی کہتے ہیں اس وجہ سے عورت ۹ کیرٹ سونے کی انگوٹھی اور دوسرے زیورات وغیرہ پہن سکتی ہے، البتہ مرد کے لیے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کی انگوٹھی درست نہیں ہے اور اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت بھی پائی جاتی ہے اس لیے ممنوع ہے۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں روایت ہے:

عن أبي موسى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: حرم لباس الحرير والذهب على ذكور أمتي وأحل لأناثهم. (جامع الترمذی: ۱/۳۰۲،ط: فیصل،والنسائی: ۲/۲۸۴)۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

وأما خاتم الذهب فهو حرام على الرجل بالإجماع وكذا لوكان بعضه ذهباً وبعضه فضة... وأما النساء فيباح لهن لبس الحرير وجميع أنواعه وخواتيم الذهب وسائر الحلى منه ومن الفضة. (شرح صحیح مسلم: ۲/۱۸۸)۔

قال في الجوهرة النيرة: ثم الخاتم من الفضة إنما يباح للرجال إذا ضرب على صفة ما يلبسه الرجال أما إذا كان على صفة خواتيم النساء فمكروه. (الجوهرة النيرة: ۲/۳۸۳، کتاب الحضروالاباحة، ط:امدادیه ، ملتان)۔

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

ائمہ اربعہ کا اجماع ہے کہ سونا پہننا مردوں کو حرام ہے اور عورتوں کے لیے حلال، بہت سے اکابر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۳۷۲/۸،طبع جدید)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ۹ کیرٹ سونا پہننا عورتوں کے لیے جائز اور درست ہے اور مردوں کے لیے ناجائز ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اسٹیل کی چین والی گھڑی پہننے کا حکم:

سوال: گھڑی کی چین اگر اسٹیل کی بنی ہوئی ہو تو اس کا استعمال مردوں کے لیے درست ہے یا نہیں؟ کیا گھڑی کو انگوٹھی پر قیاس کرتے ہوئے ناجائز یا مکروہ کہا جائیگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مردوں کے لیے اسٹیل کی چین والی گھڑی کا استعمال جائز اور درست ہے۔گھڑی کی چین کو انگوٹھی پر قیاس کرنا بعید ہے، اگر اسٹیل لوہے کی قسم ہو تو اسٹیل کی انگوٹھی کو مکروہ کہا جائیگا اور چین کو درست کہا جائیگا نیز انگوٹھی کے استعمال کی ممانعت سے چین کی ممانعت لازم نہیں آتی، ورنہ پھر لوہے کی زرہ بھی ناجائز ہوگی جبکہ یہ جائز ہے نیز چین میں ضرورت بھی ہے چمڑے کا پٹہ باندھنا مشکل ہے اور ٹوٹنے کا اندیشہ زیادہ ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے کی زرہ زیب تن فرمائی تھی۔ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن يحيى بن عباد بن عبد الله بن الزبير عن أبيه عن جده عبد الله بن الزبير بن العوام

قال: كان على النبي صلى الله عليه وسلم درعان يوم أحد ...الخ. (رواه الترمذي، وقال: هذا حديث حسن صحيح غريب، رقم:۳۷۳۸).

بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم وهو في قبة: اللّٰهم إني أنشدک عهدک ووعدک اللّٰهم إن شئت لم تعبد بعد اليوم فأخذ أبوبكر رضی اللہ عنہ بيده فقال: حسبک يا رسول الله! فقد ألححت على ربک وهو فى الدرع ...الخ. (رواه البخاري، رقم: ۲۹۱۵).

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم ودرعه مرهونة عند يهودي بثلاثين صاعاً من شعير وقال يعلى: حدثنا الأعمش درع من حديد وقال معلى: حدثنا عبد الواحد حدثنا الأعمش وقال: رهنه درعاً من حديد. (رواه البخاري، ۲۹۱۶).

درمختار میں ہے:

ولا يكره في المنطقة حلقة حديد أو نحاس وعظم. (الدرالمختار:۶/۳۵۹، سعيد).

کمر بند میں لوہے یا تانبے یا ہڈی کا حلقہ لگا سکتے ہیں۔ نیز تانبے لوہے کے برتن بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

آج کل گھڑیوں میں لوہا اور اسٹیل کی چین کا استعمال عام ہے، یہ جائز ہے گھڑی کی حفاظت کے لیے اس طرح کی چین حاجت کا درجہ رکھتی ہے اور فقہاء کا اصول ہے کہ حاجت بھی بعض اوقات ضرورت کا درجہ اختیار کر لیتی ہے...الخ. (جدید فقہی مسائل:۱/۳۲۱)۔ (وکذا فی منتخبات نظام الفتاویٰ:۱/۳۸۰)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گھڑی کی چین کو خاتم حدید پر قیاس کرنے کا حکم:

سوال: کیا گھڑی کی چین کو خاتم حدید پر قیاس کرنا اور نا جائز کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: گھڑی کی چین کو زرہ یا تلوار کے بیلٹ پر قیاس کرنا درست ہے انگوٹھی پر قیاس کرنا درجِ ذیل وجوہات کی بنا پر بعید معلوم ہوتا ہے اور تلوار کے بیلٹ میں لوہے کا لگانا بطورِ زینت جائز ہے۔

قال سليمان بن حبيب سمعت أبا أمامة رضی اللہ عنہ يقول: لقد فتح الفتوح قوم ما كانت حلية

سیوفهم الذهب ولا الفضة إنما كانت حليهم العلابي والآنك والحديد . (رواه البخاري: ۱/۴۰۷، باب حلية السيوف).

قوله : العلابي : جمع علباء ، وهو عصب العنق ، وهما علباوان يميناً وشمالاً ، كانت العرب تشد العصب على غلف سيوفها وهو رطب ، ثم يجف فيصير كالقد . والآنك : الرصاص الأبيض وقيل: الأسود ، وقيل: الخالص منه .

(۱) گھڑی چین کے ساتھ معلق ہے جیسے تلوار پٹے اور پرتلے کے ساتھ معلق رہتی ہے۔

(۲) گھڑی کی چین گھڑی کی تابع ہے جیسے تلوار کا بیلٹ تلوار کے تابع ہے۔جبکہ انگوٹھی مقصود بالزینت ہے۔

(۳) تلوار مجاہد کے لیے ضروری ہے اور گھڑی مسلمان کے اوقاتِ صلوات کے لیے ضروری ہے کیونکہ جیبی گھڑی میں مشقت ہے۔

(۴) تلوار کا پٹہ تلوار کے لیے ضرورت کے درجہ میں ہے جبکہ انگوٹھی اس زمانہ میں صرف زینت کے لیے ہے، کیونکہ اب اس سے مہر لگانے کا کام متروک ہو چکا ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ مفتی محمود میں ہے:

گھڑی انسانی ضرورت کی چیز ہے اور زنجیری یا چین اس کی حفاظت کے لیے ہے۔جیسا کہ تلوار کے لیے دونوں سروں پر ایک یا دو حلقے ہوتے ہیں۔فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر یہ حلقے لوہے، تانبے، پیتل کے ہوں تو جائز ہیں اور اس میں کراہت نہیں۔اس سے بظاہر لوہے وغیرہ کی چین کی اجازت مفہوم ہوتی ہے۔**قال في الشامية**(۶/۳۵۹): **ولا يكره في المنطقة حلقة حديد أو نحاس وعظم وأيضاً تحت قوله: ولا يتختم إلا بالفضة أي بخلاف المنطقة فلا يكره فيها حلقة حديد و نحاس**۔(فتاویٰ مفتی محمود: ۱۰/۳۰۱، وص ۴۰۳، وص ۲۵۱)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/۳۶۴، جامعہ فاروقیہ، واحسن الفتاویٰ: ۸/۲۱۳)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تانبے پیتل کے برتن استعمال کرنے کا حکم:

سوال: کیا تانبے اور پیتل کے برتن استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: سونے چاندی کے علاوہ دھات مثلاً تانبہ، پیتل، اسٹیل وغیرہ کے برتن استعمال کرنا جائز اور درست ہے۔ہاں لوہے وغیرہ کے برتن جس میں میل کچیل جما ہوا ہو اور زنگ آلود ہو تو ضرر اور تکلیف کے اندیشہ کی وجہ سے بعض فقہاء نے قلعی سے پہلے منع کیا البتہ قلعی کیے ہوئے برتن کا استعمال درست ہے کیونکہ ضرر کا اندیشہ نہیں ہے۔آج کل قلعی کیے ہوئے صاف ہوتے ہیں اس وجہ سے اس کا استعمال جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی شامی میں ہے:

قوله (ويكره الأكل في نحاس أو صفر) وعزاه في الدر المنتقى إلى المفيد والشرعة ... ثم قيد النحاس بالغير المطلى بالرصاص وهكذا قال بعض من كتب على هذا الكتاب أى قبل طلية بالقزدير والشب لأنه يدخل الصدأ في الطعام فيورث ضرراً عظيماً وأما بعده فلا ، أقول: والذي رأيته في الاختيار: واتخاذها من الخزف أفضل إذ لا صرف فيه ولا مخيلة وفي الحديث: من اتخذ أواني بيته خزفاً زارته الملائكة ، ويجوز اتخاذها من نحاس أو رصاص، وفي الجوهرة : وأما الآنية من غير الفضة والذهب فلا بأس بالأكل والشرب فيها والانتفاع بها كالحديد والصفر والنحاس والرصاص والخشب والطين ، فتنبه . (فتاوى الشامی: ٦/٣٤٣، كتاب الحظر والاباحة، سعيد).

قال في البحر الرائق: ويجوز استعمال الأواني من الصفر لما روى عن عبد الله بن يزيد قال: أتانا رسول الله صلى الله عليه وسلم فأخرجنا له ماء في تور من صفر فتوضأ . رواه البخارى ، وأبوداود وغيرهما، ويستدل به على إباحة غير الذهب والفضة لأنه في معناه بل عينه . (البحرالرائق: ٨/٢١١، فصل في الاكل والشرب ، دارالمعرفة).

(وكذا في تبيين الحقائق : ٦/١١، ومجمع الانهر في شرح ملتقى الابحر:٤/١٨٣،دارالكتب العلمية).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

پیتل اور تانبے کے برتنوں کا استعمال کرنا درست ہے۔البتہ اگر کفار کی مشابہت ہو تو منع ہے۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۳۵۷،جامعہ فاروقیہ)۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

اسلام نے صرف سونے چاندی کے برتن استعمال کرنے سے منع کیا ہے اس لیے کہ یہ بہت زیادہ تعیش

اور اللہ کی نعمتوں کا غلط اور ناروا استعمال ہے، سونے اور چاندی کے علاوہ کسی بھی دھات کا برتن استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ... یہاں تک کہ اگر برتن پر سونے اور چاندی کا پانی چڑھایا ہوا ہوتب بھی اس کا استعمال درست ہے بشرطیکہ اس کو منہ لگانے کی نوبت نہ آئے: **ولا بأس بالأكل والشرب من إناء مذهب ومفضة إذا لم يضع فاه على الذهب والفضة** . (الفتاوی الهندية: ٥/٣٣٤). (ماخوذ از جدید فقہی مسائل:۱/۳۱۷)۔

مزید ملاحظہ ہو: (امداد الفتاویٰ:۴/۱۲۸)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

سونے چاندی کے نقش ونگار والے برتن استعمال کرنے کا حکم:

سوال: ایک برتن پر سونے کا نقش ونگار کافی مقدار میں ہے اگر چہ اصل برتن کسی اور دھات کا ہے تو کیا اس کا استعمال کرنا اور اس میں کھانا، پینا وغیرہ جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: سونے چاندی کے نقش ونگار والے برتن کے استعمال کی درجِ ذیل چند صورتیں ہیں اور ہر ایک کا حکم علیحدہ ہے:

(۱) برتن چاہے خالص سونے چاندی کے ہوں یا سونے چاندی کا نقش ونگار ہو بطورِ زینت گھر میں رکھنا جائز اور درست ہے۔ ہاں زکوٰۃ اس کے شرائط کے ساتھ ادا کرنی ہوگی۔

(۲) خالص سونے چاندی کے برتن کا استعمال مثلاً: اس میں کھانا، پانی پینا یا اس پر بیٹھنا وغیرہ جائز اور درست نہیں۔

(۳) برتن میں سونے چاندی کا کچھ حصہ ملایا گیا ہو تو اس میں اختلاف ہے: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کا استعمال اس وقت جائز ہوگا جب کہ سونے چاندی کی جگہ اپنا منہ وغیرہ نہ لگائے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔ اور صحیح امام صاحبؒ کا قول ہے۔

(۴) سونے چاندی کی قلعی کیے ہوئے برتن یعنی دوسری دھات کے برتن پر سونے یا چاندی کا پانی چڑھایا گیا ہو تو اس کا استعمال بالاتفاق جائز اور درست ہے۔ بشرطیکہ اس جگہ پر منہ نہ لگائے۔

دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله عنه **أن قدح النبي صلى الله عليه وسلم انكسر فاتخذ مكان الشعب سلسلة من فضة قال عاصم: رأيت القدح وشربت فيه** . (رواه البخاري، رقم: ٣١٠٩).

وفي رواية قال: قدحاً كان للنبي صلى اللّٰه عليه وسلم فيه ضبة فضة . (اخرجه الامام احمد، رقم: ١٢٤١١).

عن حذيفة بن اليمان ﷺ قال: قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: لاتشربوا في آنية الذهب والفضة ولا تأكلوا في صحافها، فإنها لهم فى الدنيا، ولكم فى الآخرة. (متفق عليه).

وعن أم سلمةؓ قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الذي يشرب في إناء الفضة إنما يجرجر في بطنه نار جهنم . (متفق عليه).

درمختار میں ہے:

وحل الشرب من إناء مفضض أى مزوق بالفضة والركوب على سرج مفضض والجلوس على كرسى مفضض ولكن بشرط أن يتقي أى يجتنب موضع الفضة بفم قيل ويد وجلوس سرج ونحوه وكذا الإناء المضبب بذهب أو فضة ، والكرسى المضبب بهما و حلية مرآة ومصحف بهما كما لوجعله أى التفضيض في نصل سيف وسكين أوفى قبضتهما أو لجام أو ركاب ولم يضع يده موضع الذهب والفضة ...أما المطلى فلا بأس به بالإجماع بلا فرق بين لجام و ركاب وغيرهما لأن الطلاء مستهلك لايخلص فلا عبرة للونه .

(الدرالمختار: ٦/٣٤٣،سعيد).

(كذافى البحرالرائق: ٨/٢١١،دارالمعرفة). وكذا فى شرح النقاية للملاعلى القاريؒ : ٤/٢٥،بيروت،و المحيط البرهانى:٦/٨٢،فصل فى استعمال الذهب والفضة).

وفى تبيين الحقائق : وهذا كله عند أبي حنيفة ، وقال أبويوسفؒ يكره ذلك كله، وقول محمد يروى مع أبي حنيفةؒ ، ومع أبي يوسفؒ ، وهذا الخلاف فيما يخلص وأما التمويه الذي لا يخلص فلا بأس به بالإجماع لأنه مستهلك فلا عبرة ببقائه لوناً . (تبيين الحقائق: ٦/١١، امداديه ، ملتان).

وفى الفتاوى الهندية : والصحيح قول أبي حنيفةؒ كذا فى المضمرات . (الفتاوى الهندية: ٥/٣٣٤).

قال في تكملة عمدة الرعاية : فالحاصل إن كان الذهب والفضة حيث لم يمس فى

الاستعمال يجوز وإلا فلا ...والصحيح ما قال أبوحنيفةؒ واستفيد من الآثار الكثيرة ما قاله أبوحنيفةؒ. (تكملة عمدة الرعاية : ٤/٤٤، كتاب الكراهية).

وفي الفتاوى الهندية: لا بأس بأن يكون في بيت الرجل أواني الذهب والفضة للتجمل لايشرب منها نص محمد لأن المحرم الانتفاع والانتفاع في الأواني الشرب كذا في الكبرى. (الفتاوى الهندية: ٥/٣٣٤).

امدادالفتاویٰ میں ہے:

شرعاً اعتبار غالب کا ہے، پس اگر بدری پر چاندی یا سونا غالب ہے تو اس کا استعمال ناجائز ہے، اور اگر مغلوب ہے تو جائز، اور دونوں مساوی تو احتیاط عدمِ جواز میں ہے۔ (امدادالفتاویٰ: ۴/۱۲۸)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے: اگر چاندی سونا پکڑنے کی جگہ ہو تو جائز نہیں اگر نیچے ہو تو جائز ہے۔ (امدادالفتاویٰ: ۴/۱۲۹)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مخصوص اعضا پر زیورات پہننے کا حکم:

سوال: آج کل تحسین اور تزیین کا ایک نیا دور چلتا ہے جس میں عورتیں اپنے چند مخصوص اعضا مثلاً: ناف، زبان، شرمگاہ وغیرہ پر زیور پہنتی ہیں، اور ان اعضا کو چھید کر زیور پہنا جاتا ہے، اور یہ زیور تزیین اور خوبصورتی کے لیے ہوتا ہے، نیز یہ زیور سونے چاندی یا لوہے وغیرہ کا ہوتا ہے، تو کیا شادی شدہ عورت اپنے شوہر کے لیے اس کی رضامندی سے پہن سکتی ہے یا نہیں؟ نیز غیر شادی شدہ لڑکی کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: احادیث اور کتبِ فقہ میں کان اور ہاتھ میں زیورات پہننے کا تذکرہ ملتا ہے، نیز کتبِ فقہ میں ناک میں زیور پہننے کا بھی ذکر موجود ہے لیکن ان اعضا کے علاوہ مثلاً: ناف یا شرمگاہ وغیرہ میں زیور پہننے کا ذکر نہ کتبِ حدیث میں موجود ہے اور نہ کتبِ فقہ میں، اور نہ مسلمان خواتین کا طریقہ ہے، بلکہ یہ فاسقات فاجرات کی ایجاد ہے اس سے مسلم خواتین کو بچنا چاہئے، جب ناف وغیرہ میں زیور ہوگا تو لامحالہ دوسروں کو دکھانے کا بھی اہتمام ہوگا اور یہ اعضا چھپانے کے ہیں دکھانے کے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ غیر اقوام کی تقلید سے مسلمانوں کی حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

ملاحظہ بخاری شریف میں ہے:

فجعلت المرأة تلقی القرط والخاتم . (رواه البخاری : ۱/ ۲۰).

عالمگیری میں ہے:

ولا بأس بثقب آذان النسوان كذا في الظهيرية ولا بأس بثقب آذان الأطفال من البنات لأنهم كانوا يفعلون ذلک في زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم من غير إنكار كذا فی الكبرى . (الفتاوی الهندية: ۵/ ۳۵۷). (وكذا فی الموسوعة الفقهية الكويتية: ۷/ ۸۷).

قال فی الدرالمختار: قلت: وهل يجوز الخزام فی الأنف لم أره . وقال فی الشامية: قلت: إن كان مما يتزين النساء به كما هو فی بعض البلاد فهو فيها كثقب القرط ، وقد نص الشافعية على جوازه . (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۶/ ۴۲۰، سعید).

(وكذا فی الطحطاوی على الدرالمختار: ۴/ ۲۰۹، کوئٹه، و امدادالفتاوی: ۴/ ۱۳۵). **واللہ ﷻ اعلم۔**

عینک کی کمانی سونے کی استعمال کرنے کا حکم:

سوال: کیا عینک میں سونے کا فریم استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی شئی میں سونے چاندی کی کشید کاری کی گئی ہو یا اس شئی کا کچھ حصہ سونے چاندی کا ہو تو اس کے استعمال کے لیے ضروری ہے کہ سونے چاندی کو ہاتھ نہ لگائے مثلاً: کھاتے، پیتے وقت منہ نہ لگائے، زین وغیرہ میں سونے چاندی پر پیر نہ رکھے، دیگر پکڑنے کی اشیاء میں ہاتھ سونے چاندی پر نہ رکھے، اس عبارت کی روشنی میں چونکہ سونے کا فریم کان سے متصل ہوگا اور اتارتے وقت بھی ہاتھ سونے کی جگہ مس ہوگا لہذا اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو الدرالمختار میں ہے:

وحل الشرب... والركوب على سرج مفضض والجلوس على كرسی مفضض ولكن بشرط أن يتقي أی يجتنب موضع الفضة ... وكذا الإناء المضبب بذهب أو فضة ، والكرسی المضبب بهما و حلية مرآة ومصحف بهما كما لو جعله أی التفضيض في نصل سيف وسكين أوفی قبضتهما أو لجام أو ركاب ولم يضع يده موضع الذهب والفضة .

(الدرالمختار: ۶/ ۳۴۳، سعید).

وفـي الشـامية : فالحاصل: أن المراد الانقاء بالعضو الذى يقصد الاستعمال به ، ففى الشـرب لما كان المقصود الاستعمال بالفم اعتبر الاتقاء به دون اليد ولذا لوحمل الركاب بيـده مـن مـوضـع الفضة لايحرم ، فليس المدارعلى الفم إذ لا معنى لقولنا متقياً فى السرج والكرسى موضع الفم فافهم ولايخفى أن الكلام فى المفضض وإلا فالذى كله فضة يحرم استعمالـه بـأى وجـه كـان كما قدمناه ولوبلا مس بالجسد ...الخ. (الدر المختار مع الشامي: ٦/٣٤٣، سعيد).

امداد الاحکام میں ہے:

عینک کی کمانی سونے اور چاندی کسی کی جائز نہیں۔ قـال فى الدر: وكذا الإناء المضبب بذهب أوالكرسى المضبب بهما وحلية مرآة وفى المنح والهداية وغيرهما حلقة مرآة بالقاف قال فى الكفاية والمراد بها التى تكون حوالى المرآة ، ومصحف لهما إلى أن قال: ولم يضع يده موضع الذهب والفضة ، الخ .

پس عینک کی کمانی حلقہ مرآۃ کے مشابہ ہے،اور وہ اس شرط سے جائز ہے کہ چاندی اور سونے کی جگہ پر ہاتھ نہ رکھا جائے اور ظاہر ہے کہ عینک کا لگانا بدونِ کمانی کو ہاتھ لگائے دشوار ہے ، اس لیے ناجائز ہے۔ (امداد الاحکام:۴/۳۳۲)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دانتوں پر سونے چاندی کا خول چڑھانے کا حکم:

سوال: (الف) اگر کسی مرد یا عورت کے دانتوں میں خرابی ہے یا نکالدئے ہیں،تو اس کی جگہ پر سونے چاندی کے دانت لگوانا یا سونے چاندی کا خول چڑھانا جائز ہوگا یا نہیں؟ جب کہ سونے چاندی کے علاوہ دوسری چیز کے بھی دانت میسر ہیں۔(ب) اگر کسی نے لگوائے ہیں تو ان پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ (ج) نیز مرنے کے بعد نکالا جائیگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: (الف) سونے کے دانت لگوانے میں فقہاء کا اختلاف ہے تو جب تک کوئی واقعی ضرورت نہ ہو اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔محض زینت کے لیے لگانا مکروہ ہے۔(ب) اگر ضرورت کی وجہ سے کسی نے لگوائے ہیں تو یہ سونا اگر بقدرِ نصاب ہے یا دوسرے سونے چاندی یا رینڈ کے ساتھ ملا کر نصاب مکمل ہوتا ہو تو زکوۃ

واجب ہوگی۔(وجوبِ زکوٰۃ کی تفصیل فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلدِ سوم،ص۹۲ پر ملاحظہ کیجئے)۔(ج)مرنے کے بعد دانت کو یا دانت کے خول کو نہیں نکالا جائیگا۔

ملاحظہ امام محمدؒ الجامع الصغیر میں فرماتے ہیں:

ولا تشد الأسنان بالذهب ، وتشد بالفضة ، وقال محمدؒ : لا بأس بالذهب أيضاً. وقال في النافع الكبير: قوله : وقال محمد الخ ؛ وقيل قول أبي يوسفؒ مثل قول محمد ، ذكره في الأصل وذكره الكرخيؒ في مختصره قول أبي يوسفؒ مثل قول أبي حنيفةؒ ، فصار عن أبي يوسفؒ روايتان. لهما أن عرفجة بن سعدؓ أصيب أنفه يوم الكلاب ، فاتخذ أنفاً من فضة فأنتن ، فأمره رسول الله صلى الله عليه وسلم، أن يتخذ أنفاً من ذهب . ولأبي حنيفةؒ أن الحاجة تندفع بالفضة ، فأما الأنف فما اندفعت الحاجة لأنه أنتن . (الجامع الصغير مع شرحه، ص:٤٧٧،ط: عالم الكتب ،بيروت). (وكذا في الهداية: ٤/٤٥٧،كتاب الكراهية).

کفایت المفتی میں ہے:

دانتوں کی کسی خرابی کی وجہ سے سونے کا خول چڑھوانا ناجائز نہیں اور محض زینت کے لیے مکروہ ہے۔ (کفایت المفتی:۳۱۳/۲،دارالاشاعت)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا،جلداول،ص۶۴۹،وص۶۶۲)۔

دانتوں کو سونے سے باندھنے اور سونے کا خول چڑھانے سے متعلق حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

امداد المفتین میں ہے:

اگر کسی شخص کا دانت ہلنے لگے تو اس کو سونے یا چاندی کے تار سے باندھنا جائز ہے اور یہی مطلب حدیث سنن ابی داود کا ہے جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے: إذا تحركت ثنية الرجل إلى أن قال: فشدها بذهب أوفضة لا بأس به وليس هذا كالحلي . الخ ۔(امداد المفتین:۸۱۵/۲،ط:دارالاشاعت)۔

امداد الفتاویٰ میں ہے:

سونے کے دانت لگانے میں اختلاف ہے،اس لیے گنجائش ہے،مگر اول احتیاط ہے،کذا فی الدرالمختار۔ (امداد الفتاویٰ:۱۳۷/۴)۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:(امداد الاحکام:۳۳۹/۴)۔واللہ ﷻ اعلم۔

رنگین لینز لگانے کا حکم:

سوال: آج کل یہ فیشن چلا ہے کہ لوگ اپنی آنکھوں میں زینت کے لیے رنگ بہ رنگ کے لینز لگواتے ہیں، آیا شریعت کی نگاہ میں اس کا استعمال جائز ہوگا یا نہیں؟ کیا یہ تغییر لخلق اللہ میں داخل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے زینت اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، چنانچہ ایسے رنگ بہ رنگی لینز استعمال کرنا بھی جائز ہوگا، بشرطیکہ اس میں اسراف اور خوفِ فتنہ نہ ہو اور دوسرے مفاسد نہ ہوں، کیونکہ یہ تغییر لخلق اللہ میں شامل نہیں ہے، بلکہ تزیین کے قبیل سے ہے۔ لیکن اگر بطورِ فیشن اور دوسری اقوام کی مشابہت میں یہ عمل کیا جاتا ہو تو اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ نتھ سے متعلق فرماتے ہیں:

قوله: لم أره قلت: إن كان مما يتزين النساء به كما هو في بعض البلاد فهو فيها كثقب القرط، وقد نص الشافعية على جوازه مدني. (فتاوى الشامي: ٦/٤٢٠، سعيد).

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

یوں تو خواتین کو ناک کے زیور کی بھی اجازت ہے، مگر شریف عورتوں کو بازاری عورتوں کی مشابہت سے پرہیز لازم ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/۳۷۵، طبع جدید)۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

اسلام نے زیب و زینت کے معاملہ میں اعتدال اور میانہ روی کی راہ اختیار کی ہے، اس نے ایک طرف زیبائش کے لیے غیر معمولی اور بے جا تکلف سے بھی منع کیا ہے اور دوسری طرف ایک خاص حد میں اس کی اجازت بھی دی ہے، چنانچہ نتھ اور آئرنگ وغیرہ پہنانے کے لیے بچیوں کی ناک اور کان میں سوراخ کرنا درست ہے: **لا بأس بثقب أذن البنات.** (خلاصة الفتاوىٰ: ٤/٣٧٧) اور ظاہر ہے جب یہ درست ہوگا تو ان کا استعمال بھی جائز ہوگا۔

اسی طرح بالوں میں خوبصورتی کے لیے چاندی، سونے یا کسی دھات کے کانٹے پھول وغیرہ بھی لگانے کی اجازت ہے۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/۳۱۳)۔

خلاصہ یہ ہے رنگین لینز کا استعمال بطورِ زینت جائز اور درست ہے، جب تک اس میں غیر اقوام کی مشابہت اور دیگر مفاسد نہ ہوں۔ البتہ نیک مسلمان خاتون کو یہ بات زیب نہیں دیتی ہے کہ بازاری عورتوں کی ہر

چال چلن اختیار کرے، اگر چہ حدِ جواز کے دائرہ میں ہو پھر بھی تقویٰ طہارت اسلام میں قابل مدح وستائش زیور ہے جس سے آراستہ پیراستہ ہونا ہر مسلمان خاتون کا اخلاقی فریضہ ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

عطر لگانے کا طریقہ:

سوال: عطر لگانے کا کوئی سنت طریقہ ہے یا نہیں؟

الجواب: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم عطر استعمال فرماتے تھے، اور خوشبو کو بہت زیادہ پسند فرماتے تھے اور ہر اچھی چیز میں داہنی جانب کو ترجیح دیتے تھے، بنابریں عطر استعماال کرنا سنت ہے اور دائیں ہاتھ سے لیکر جس جگہ لگانا ہو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر لگائے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عائشةؓ قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم يحب التيمن ما استطاع في شأنه كله في طهوره وترجله وتنعله. (رواه البخاري، رقم: ٤٢٦).

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

يستحب البداءة باليمنى في كل ما كان من باب التكريم والزينة والنظافة ونحو ذلك ...الخ. (شرح صحيح مسلم: ١٤/٧٤، داراحياء التراث العربى، بيروت).

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

عطر لگانے کا کوئی خاص طریقہ مسنون نہیں، البتہ دائیں جانب سے ابتدا کرنا سنت ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳۴۳/۸، طبع جدید)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

عصا کی کیفیت اور اس کے استعمال کرنے کا حکم:

سوال: ہمارے ہاں دو قسم کے عصا مستعمل ہیں ایک وہ جس کا سر امڑا ہوا ہوتا ہے، اور دوسری وہ جس کا سر امڑا ہوا نہیں ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں اور لغت کی کتابوں کی روشنی میں کونسا استعمال کرنا چاہئے؟ اکثر مشائخ وعلماء پہلی قسم کا عصا اور بعض مشائخ دوسری قسم کا استعمال کرتے ہیں، اور عصا کا استعمال مباح ہے یا مستحب؟ اور اس کے لیے عمر کی تعیین ہے یا نہیں؟

الجواب: عصا استعمال کرنے کے بارے میں مختلف قسم کی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ملاحظہ کیجئے:۔

(۱) من بلغ أربعين سنة ولم يأخذ العصا عد له من الكبر والعجب .

ذكره السيوطي في الحاوى للفتاوى(۲/۴۳) مرفوعاً بلا إسناد ، وقال فيه ابن حجر الهيتمي المكي في فتاواه ص:۱۲۴ ، نقلاً عن السيوطي : إنه كذب موضوع .

قال القارى فى الموضوعات الكبرى،رقم ۳۸۳ : ليس له أصل .

(۲) حمل العصا علامة المؤمن وسنة الأنبياء . رواه الديلمي في مسند الفردوس من طريق يحيى بن هاشم الغساني عن قتادة عن أنس رضي الله عنه مرفوعاً . (زهرالفردوس :۲/۹۷) ، وأورده الإمام السيوطي فى الجامع الصغير . وقال المناوى فى فيض القدير (۳۷۶۱): فيه يحيى بن هاشم الغساني قال الذهبى فى الضعفاء: قالوا: كان يضع الحديث .

والحديث موضوع كما قال الحافظ أحمد الغمارى فى المغير ص۱۵۶ .

(۳) التوكؤ على العصا من سنة الانبياء عليهم الصلاة والسلام ، قال القارى: كلام صحيح ، وليس له أصل صريح ، وإنما يستفاد من قوله تعالىٰ : وما تلك بيمينك يا موسىٰ، ومن فعل نبينا صلى اللّٰه عليه وسلم في بعض الأحيان كما بينه في رسالة .

(الموضوعات الكبرى ،ص۹۹، رقم: ۳۸۲، وكذا فى اسنى المطالب،رقم: ۵۲۳).

وقال ابن حجرؒ الهيتمي: روى ابن عدى عن ابن عباس رضي الله عنه أنه قال: التوكؤ على العصا من أخلاق الأنبياء وكان النبيصلى اللّٰه عليه وسلم يتوكؤ عليها. (الفتاوى الحديثية، ص۱۲۱، وكذا فى كشف الخفاء:۱/۳۲۱/۱۰۲۵).

قال في ذخيرة الحفاظ: رواه معلى بن هلال عن ليث ، عن مجاهد ، عن ابن عباس رضي الله عنه ومعلى هذا كذاب ، يضع الحديث . (ذخيرة الحفاظ:۲/۱۱۷۸/۲۵۰۸، ورواه ابو الشيخ فى اخلاق النبى صلى الله عليه وسلم ، ص۲۵۹، و ابن عدى فى الكامل :۱/۳۳۰).

(۴) عن معاذ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن أتخذ المنبر فقد اتخذه أبي إبراهيم عليه السلام ، وإن أتخذ العصا فقد اتخذها أبي إبراهيم على السلام . أخرجه البزار(۲۶۳۲) والطبراني(۳۵۴)، قال الهيثمي: فيه موسى بن محمد وهو ضعيف جداً. (مجمع

الزوائد: ۲/۱۸۱). **وأيضاً أخرجه الفاكهي في أخبارمكة** (۳/۱۷۸/۱۹۸٤).

(۵) كانت للأنبياء كلهم مخصرة يختصرون بها تواضعاً لله عزوجل . أخرج أبونعيم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ . (كشف الخفاء : ۱/۳۲۱/۱۰۲۵، وجامع الاحاديث للامام السيوطى).

(٦) وأخرج ابن ماجه عن أبي أمامة رضی اللہ عنہ: **خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو متكئ على عصا** . (ابن ماجه، رقم: ۳۸۳٦).

(۷) عن عبد الله بن أنيس رضی اللہ عنہ **أقبل إلى رسول الله صلى عليه وسلم ومع رسول الله صلى الله عليه وسلم عصا يتخصر بها. أخرجه الطبراني فى الكبير** (۹۸) **قال الهيثمي: فيه : الوازع بن نافع وهو متروك.** (مجمع الزوائد:٦/٢٠٤، دارالفكر).

وللمزيد راجع : (سبل الهدى والرشاد:٣٦٧/٧، والفردوس بماثور الخطاب ، رقم: ۲۷۵۰، والموضوعات الكبرى ، رقم: ۳۸۲و۳۸۳، ص ۹۹، وكشف الخفاء : ۱/۳۲۱/۱۰۲۵، والمغير مع التعليقات ، ص١٥٦، والفتاوى الحديثية، ص ۱۲۱، ط:دارالفكر، واسنى المطالب، رقم: ۱۳٦۷، و۵۲۳).

خلاصہ یہ ہے کہ روایاتِ کثیرہ میں عصا لینے کا ذکر موجود ہے اگر چہ اس میں ۴۰ سال کی عمر کی تخصیص کی روایت موضوع ہے۔

پھر عصا مڑی ہوئی لاٹھی کے علاوہ سیدھی لاٹھی کو بھی کہتے ہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " **محجن**" بھی استعمال فرماتے تھے، اور وہ مڑی ہوئی لاٹھی کو کہتے ہیں۔ " **يستلم الركن بمحجن**"، یعنی حجر اسود کو سر مڑی ہوئی لاٹھی سے مس کیا، " **المحجن عصا معقفة الراس كالصولجان**"۔ (النہایۃ لابن الاثیر الجزری: ۱/۹۰۱، وکذا فی الفائق للزمخشری: ۲/۱۹۳)۔ اور عصا سے بھی متبادر مڑی ہوئی لاٹھی ہے جیسے کتبِ لغت میں اس کی تصویر دی ہے، اس لیے میرے خیال میں مڑی لاٹھی کا استعمال کرنا بہتر واولیٰ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

لڑکی کی ناک چھیدنے کا حکم:

سوال: لڑکی کی ناک چھیدنے کا کیا حکم ہے؟ ناک میں زیور پہننے کے لیے سوراخ کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جس علاقہ میں عورتیں ناک میں زیور پہنتی ہیں اور وہاں کا عرف ہے تو اس علاقہ کی لڑکیوں

کے لیے ناک چھیدنا اور زیور پہننا جائز اور درست ہے، البتہ جہاں بازاری عورتوں کا طریقہ ہو اور مسلم خواتین میں یہ زینت نہ ہو تو اس سے بچنا چاہئے۔

قال في الدر المختار: قلت: وهل يجوز الخزام في الأنف لم أره . وقال في الشامية: قلت: إن كان مما يتزين به كما هو في بعض البلاد فهو فيها كثقب القرط ، وقد نص الشافعية على جوازه . (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٦/ ٤٢٠، سعيد).

(و كذا في الطحطاوي على الدرالمختار: ٤/ ٢٠٩، كوئته).

قال في نفع المفتي و السائل: الاستفسار : هل يجوز ثقب أنف النساء ؟

الاستبشار : ما اطلعت على تصريحه في كتب الفقه إلى الآن ، بل قال في الدر المختار .... وقال في رد المحتار: ... وقد سئل والدي ، مد ظله عنه ، فقال: يجوز قياساً على ثقب الأذن . (فتاوى اللكنوي ، ص ٤٨٠، ما يتعلق بالنوم والقيام ...).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

کانوں میں بالیاں پہننے کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رواج تھا اور اب بھی عرب میں اس کا رواج ہے، اس پر قیاس کر کے ناک چھیدنا بھی جائز ہے اگر یہ تغییر خلق اللہ میں داخل ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور نکیر فرماتے۔(احسن الفتاویٰ:۱۹۲/۸)۔

مزید ملاحظہ ہو: (مجموعۃ الفتاویٰ:۲/ ۳۸۸، ط: آرام باغ کراچی، وکتاب الفتاویٰ:۶/ ۸۳، وآپ کے مسائل اوران کا حل:۸/، وعزیز الفتاویٰ، ص۷۳۲، وفتاویٰ محمودیہ:۱۹/ ۳۷۰، جامعہ فاروقیہ، وفتاویٰ رشیدیہ، ص۵۷۹، وامداد الفتاوی:۴/ ۱۳۵)۔واللہ ﷻ اعلم۔

کان میں دو تین سوراخ کرنے کا حکم:

سوال: کیا عورتوں کے لیے اپنے کانوں میں بالیاں پہننے کے لیے دو تین سوراخ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کان میں بالیاں زینت کے لیے پہنی جاتی ہیں، جیسے ہاتھ میں انگوٹھی زینت کے لیے عورتیں پہنتی ہیں پھر زینت کا مدار عرف پر ہے بعض علاقوں میں دو دو، تین تین انگوٹھیاں پہنی جاتی ہیں یہی حال بالیوں کا بھی ہے بعض علاقہ میں ایک پر اکتفا کیا جاتا ہے اور بعض علاقوں میں دو دو، تین تین پہنی جاتی ہیں، بنا

بریں جب تک غیر مسلم عورتوں کے ساتھ تشبہ نہ ہوتو اس کی گنجائش ہے۔ہاں فاسقات فاجرات عورتوں کی راہ روی سے بھی مسلم خواتین کو بچنا چاہئے۔

کانوں میں بالیاں پہننے کا دستور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے چلا آرہا ہے صحابیات بھی اپنے کانوں میں بالیاں پہنتی تھیں۔ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أيوب قال: سمعت عطاء قال: سمعت ابن عباس رضي الله عنه قال: أشهد على النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أو قال عطاء: أشهد على ابن عباس رضي الله عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم خرج و معه بلال فظن أنه لم يسمع فوعظهن وأمرهن بالصدقة فجعلت المرأة تلقى القرط والخاتم وبلال يأخذ في طرف ثوبه . (رواه البخاری، رقم: ۹۸، باب عظة الامام النساء).

قال العلامة العيني: القرط للنساء وهو ما يحلى به الأذن من ذهب أو فضة صرفاً أومع لؤلؤ و ياقوت ونحوهما ويعلق في شحمة الأذن غالباً . (عمدة القاری: ۱٤).

قال ابن عابدين الشامي: ثقب الأذن لتعليق القرط وهو من زينة النساء...والذي في عامة الكتب وقدمناه عن التاترخانية لا بأس بثقب أذن الطفل من البنات . (ردالمحتار: ٦/٤٢٠، سعید).

کفایت المفتی میں ہے:

کانوں میں بالیاں جبکہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنی گئیں اور شرعاً اس کو جائز رکھا گیا تو کانوں کے چھیدنے کو مثلہ یا مثلہ کے مشابہ خیال کرنا بھی غلط ہے۔(کفایت المفتی: ۹/۱۷۵، دارالاشاعت)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بجنے والے جوتے پہننے کا حکم:

سوال: اونچی ایڑی کا جوتا جو چلتے وقت ٹک ٹک کی آواز کرتا ہے کیا یہ بھی " **ولا تضربن بأرجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن**" کی تفسیر میں شامل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مذکور جوتا اگر آواز کی وجہ سے مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے تو اس آیتِ کریمہ کے تحت ممنوع قرار دیا جائیگا، پھر اگر اس میں کافرات وفاسقات، فاجرات کے ساتھ تشبہ بھی ہوتو ممانعت اور سخت ہوگی، لیکن اگر دونوں باتیں نہ ہوں تو نفس جوتا ممنوع نہیں قرار دیا جائیگا۔

ملاحظہ ہو قاضی بغداد علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

" ولا يضربن بأرجلهن ليعلم مايخفين " أی ما يسترنه عن الرؤية " من زينتهن " أی لايضربن بأرجلهن الأرض ليتقعقع خلاخلهن فيعلم أنهن ذوات خلاخل فإن ذلك ما يورث الرجال ميلاً إليهن ويوهم أن لهن ميلاً إليهم ... والنساء اليوم على جعل الخرز ونحوها في جوف الخلخال فإذا مشين به ولو هوناً صوت ولهن من أنواع الحلی غير الخلخال ما يصوت عند المشي أيضاً لاسيما إذا كان مع ضرب الرجل وشدة الوطء ، ومن الناس من يحرك شهوته وسوسة الحلی أكثر من رؤيته وفی النهی عن إبداء صوت الحلی بعد النهی عن إبداء عينه من النهی عن إبداء مواضعه ما لا يخفى . (روح المعانی : ۱۸/ ۱٤٦).

قال في تفسير النسفي: كانت المرأة تضرب الأرض برجليها إذا مشت لتسمع قعقعة خلخالها فيعلم أنها ذات خلخال فنهين عن ذلك إذ سماع صوت الزينة كإظهارها ومنه سمي صوت الحلی وسواساً . (مدارك التنزيل: ۲/ ۱٤۱). (وكذا فی احكام القرآن للجصاص: ۵/۱۷۷).

قال في تفسير القرطبي: أی لايضربن المرأة برجلها إذا مشت...وسماع هذه الزينة أشد تحريكاً للشهوة من إبدائها ، قاله الزجاج ... من فعل ذلك منهن فرحاً بحليهن فهو مكروه ومن فعل ذلك تبرجاً وتعرضاً للرجال فهوحرام مذموم . (الجامع لاحكام القرآن: ۱۵۸/٦).

قال في تفسير نسمات القرآن: ويقاس عليه صوت فرقعة أحذية النساء لإظهار الزينة فی المنع . (تفسير نسمات القرآن، ص ۳۷۱).

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي سعيد الخدري ﷺ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كانت امرأة من بني إسرائيل، قصيرة تمشي مع امرأتين طويلتين، فاتخذت رجلين من خشب، وخاتماً من ذهب مغلق مطبق، ثم حشته مسكاً، وهو أطيب الطيب فمرت بين المرأتين ، فلم يعرفوها، فقالت: بيدها هكذا ، ونفض شعبة يده . (رواه مسلم :۲/ ۲۳۹،ط:قديمی كتب خانه).

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأما اتخاذ المرأة القصيرة رجلين من خشب حتى مشت بين الطويلتين فلم تعرف، فحكمه في شرعنا أنها إن قصدت به مقصوداً صحيحاً شرعياً بأن قصدت ستر نفسها لئلا تعرف فتقصد بالأذى أو نحو ذلك فلا بأس به وإن قصدت به التعاظم أو التشبه بالكاملات تزويراً على الرجال وغيرهم فهو حرام. (شرح صحيح مسلم: ۲/۲۳۹،ط: قديمى).

خلاصہ یہ ہے کہ ٹک ٹک کی آواز نہ ہو اور صحیح مقصود ہو مثلاً ازالہ عیب وغیرہ اور دوسری خرابیاں نہ ہوں تو گنجائش ہوگی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورتوں کے لیے زیورات پہننے کے دلائل:

سوال: بعض لوگ عورتوں کے لیے زیورات پہننے کا انکار کرتے ہیں، کیا قرآن وحدیث میں کہیں عورتوں کے لیے زیورات پہننے کا تذکرہ ہے یا نہیں؟ نیز عورتوں کے لیے زیورات کے بارے میں البانی صاحب کیا کہتے ہیں، اس بارے میں ان کا کیا موقف ہے؟ اوران کا موقف احادیث کی روشنی میں صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: احادیث سے پتہ چلتا ہے عورتوں کے لیے سونے چاندی وغیرہ کے زیورات پہننا جائز اور درست ہے، اس بارے میں البانی صاحب کا موقف عدمِ جواز کا ہے اور یہ موقف صحیح احادیث کے خلاف ہے بنابریں درست نہیں ہے۔ چند احادیث ملاحظہ کیجئے:

(۱) عن أبي موسى الأشعرى رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: حرم لباس الحرير والذهب على ذكور أمتي وأحل لإناثهم. رواه الترمذى وقال: وفى الباب عن عمر وعلي وعقبة بن عامر وأنس وحذيفة وأم هانى وعبد الله بن عمرو وعمران بن حصين وعبد الله بن الزبير وجابر وأبى ريحان وابن عمر و واثلة بن الأسقع رضي الله عنهم وحديث أبي موسى رضي الله عنه حديث حسن صحيح. (رقم: ۱۷۲۰).

بخاری شریف میں ہے کہ عید کے دن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو وعظ فرمایا اور وعظ کے بعد صدقہ کی ترغیب دی، راوی کہتے ہیں کہ خواتین نے اپنے زیورات اتار کر صدقہ کرنا شروع کر دئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زیورات پہننے کا عام دستور تھا۔ روایت ملاحظہ ہو:

(۲) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى يوم الفطر ركعتين لم يصل قبلها ولا بعدها ثم أتى النساء ومعه بلال فأمرهن بالصدقة فجعلن يلقين ، تلقى المرأة خرصها وسخابها . (رواه البخاری، رقم: ۹٦٤).

وفي رواية لـه عـنه قال: فتصدقن وبسط بلال ثوبه فجعلن يلقين الفتخ والخواتيم فی ثوب بلال. (بخاری شریف، رقم: ٤٨٩٥).

وفي رواية له عنه : فجعلت المرأة تلقی قرطها. (بخاری شریف، رقم: ٥٨٨٣).

قال ابن حجر : الفتخ وهی الخواتيم التی تلبسها النساء في أصابع الرجلين قاله ابن السكيت وغيره وقيل : الخواتيم التی لا فصوص لها وقيل: الخواتيم الكبار...والخرص ... هی الحلقة الصغيرة من ذهب أو فضة ...والسخاب ؛ قلادة تتخذ من أنواع الطيب. والقرط : ما يحلى به الأذن ذهباً كان أو فضة صرفاً أو مع لؤلؤ وغيره ويعلق غالباً على شحمتها . (فتح الباری : ۱۰/ ۳۳۰،۳۳۱).

بخاری شریف میں ہے:

(۳) باب الخاتم للنساء ، وكان على عائشة رضی الله تعالیٰ عنها خواتيم ذهب .

(صحیح البخاری :۲/ ۸۷۳،ط:فیصل).

قال العلامة العينیؒ: هذا التعليق وصله ابن سعد من طريق عمرو بن أبي عمرو مولى المطلب قال: سألت القاسم بن محمد فقال: لقد رأيت والله عائشة رضی الله تعالیٰ عنها تلبس المعصفر وتلبس خواتيم الذهب . (عمدۃ القاری:۱۵/ ۸۰،ط:دارالحدیث).

قال ابن بطال : الخاتم للنساء من جملة الحلی الذی أبيح لهن، والذهب حلال للنساء . (شرح صحیح البخاری لابن بطال:۹/ ۱۳۸).

صحیح بخاری شریف میں ہے:

(۴) باب ما يلبس المحرم من الثياب والأردية والأزر ولبست عائشة رضی الله تعالیٰ عنها الثياب المعصفرة...ولم تر عائشة رضی الله تعالیٰ عنها باساً بالحلی والثوب الأسود...الخ. (بخاری شریف:۱/ ۲۰۹،ط:فیصل).

السنن الکبریٰ میں ہے:

(۵) عن عبد الرحمن بن القاسم عن أبيه أن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها زوج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: كانت تلي بنات أخيها يتامى في حجرها لهن الحلي ...الخ. (رقم الحديث:٧٧٨٤).

(٦) وعن مالك عن نافع أن عبد اللّٰه بن عمر رضی اللہ عنہ كان يحلي بناته وجواريه الذهب ...الخ. (موطاالامام مالك ،رقم: ٨٥٩).

(٧) وعن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن امرأة أتت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ومعها ابنة لها وفي يده ابنتها مسكتان غليظتان من ذهب ...الخ. (رواه ابوداود،رقم: ١٥٦٥). وإسناده حسن.

وأيضاً أخرجه البيهقي في سننه الكبرى ،والنسائي فى المجتبى ، (رقم:٢٤٧٩)، والدارقطني في سننه (٢/١١٢،رقم:٧).

(٨) وعن أسماء بنت يزيد قال: دخلت أناْ وخالتي على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وعلينا أسورة من ذهب ...الخ. (اخرجه ابن الجوزی فی التحقيق فی احاديث الخلاف،رقم: ٩٨٤).

(٩) وعن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: قدمت على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم حلية من عند النجاشي أهداها له فيها خاتم من ذهب فيه فص حبشي قالت: فأخذه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بعود معرضاً عنه أو ببعض أصابعه ثم دعي أمامة ابنة أبي العاص ابنة ابنته زينب فقال: تحلي بهذا يا بنية . (سنن ابی داود،رقم:٤٠٤٦).

(١٠) عن أم سلمة رضی اللہ عنہا قالت: كنت ألبس أوضاحاً من ذهب فقلت: يا رسول اللّٰه أ كنز هو فقال: ما بلغ أن يؤدى زكاته فزكي فليس بكنز. (سنن ابی داود،رقم: ١٥٦٦).

الأوضاح: جمع وضح وهو نوع من الحلي يعمل من الفضة .

علامہ نوویؒ نے عورتوں کے زیورات کے استعمال پر اجماع نقل کیا ہے۔ملاحظہ ہو:

أجمع المسلمون على أنه يجوز للنساء لبس أنواع الحلي من الفضة والذهب جميعاً كالطوق والعقد والخاتم والسوار والخلخال والتعاويذ والدمالج والقلائد والمخانق وكل

مایتخذ فی العنق وغیره و کل ما یعتدن لبسه ولا خلاف فی شيء من هذا. (المجموع شرح المهذب:٦/ ٤٠).

امام بیہقیؒ " **السنن الكبرى**" میں زیورات سے متعلق احادیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فهذه الأخبار وما ورد في معناها تدل على إباحة التحلى بالذهب للنساء واستدللنا بحصول الإجماع على إباحته لهن على نسخ الأخبار الدالة على تحريمه فيهن خاصة، والله أعلم. (السنن الكبرى:٤/ ١٤١،باب سیاق اخبارتدل علی اباحته للنساء).

علامہ ابن عبدالبر القرطبی التمہید میں فرماتے ہیں:

وكذلك التحلي بالذهب لا يختلفون فى ذلك وردت بمثل ما أجمعوا عليه من ذلك آثار صحاح. (التمهيد:١٤/ ٢٤١،مؤسسة القرطبة).

الاختیار میں ہے:

و يجوز للنساء التحلي بالذهب والفضة. (الاختيار،كتاب الكراهية). وكذافى الجوهرة :٦/ ١٥٦، و اللباب :١/ ٤٠٩، ومجمع الانهر:٤/ ١٩٦).

شیخ البانی کا موقف ان کی کتاب " آداب الزفاف" میں ملاحظہ کیجئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ : ﴿قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي﴾

(سورة طه: ٩٤).

عن عائشة رضي اللّٰہ تعالیٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: ”عشر من الفطرة: قص الشارب، وإعفاء اللحية، والسواک، واستنشاق الماء، وقص الأظفار، وغسل البراجم، ونتف الإبط، وحلق العانة، وإنتقاص الماء قال الراوی: ونسیت العاشرة إلا أن تکون المضمضة.

(رواه مسلم).

باب......(۵)

ما يتعلق بأحكام الشعور والختان والخضاب وتقليم الأظفار

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: خالفوا المشرکین و وفروا اللحی واحفوا الشوارب.

(رواه البخاری).

فصل اول

ڈاڑھی، مونچھ کے احکام کا بیان

ڈاڑھی کی حدودِ اربعہ و مذاہبِ اربعہ میں اس کا حکم:

سوال: ڈاڑھی کی حد کیا ہے کیا رخسار اور خدین سے نیچے کے بال ڈاڑھی کی حد میں داخل ہیں یا اس کا کاٹنا جائز ہے؟ کیا چہرے کی گول ہڈی یعنی رخسار سے نیچے کے بال کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟ آج کل طلبہ اور بعض دیگر حضرات نے یہ طریقہ اختیار کرلیا ہے اور یہ رواج بہت عام ہوتا جارہا ہے ایک پٹی سی چھوڑ دیتے ہیں اور گول ہڈی سے بہت نیچے تک خط بناتے ہیں، کیا شرعاً یہ سنت کے مطابق ہے یا خلافِ سنت؟ اور ٹھوڑی کے اوپر زیرِ لب ہونٹ کے نیچے کے بال جس کو ریش بچہ کہتے ہیں ان کے کاٹنے کا کیا حکم ہے؟ امید ہے کہ مدلل جواب عنایت فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔

الجواب واللہ الموفق للصواب:

شریعتِ مطہرہ نے مردوں پر ڈاڑھی رکھنے کو واجب اور لازم قرار دیا ہے، اور اس کی کم از کم حد طولاً و عرضاً ایک مشت ہے، یعنی ڈاڑھی ایک مشت سے کم کرنا ناجائز ہے، یہ ائمہ اربعہ کا متفقہ اور مسلمہ حکم ہے۔ ایک مشت سے پہلے ڈاڑھی کٹانے والا یا چھوٹی رکھنے والا فاسق و فاجر ہے۔

ملاحظہ فرمائیں بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: خالفوا المشرکین، وفروا اللحی وأحفوا الشوارب. (رواہ البخاری: ۲/۸۷۵، باب تقلیم الاظفار، ط: فیصل).

مسلم شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: جزوا الشوارب وأرخوا اللحى، خالفوا المجوس. (رواه مسلم: ۱/۱۲۹، باب خصال الفطرة، فیصل).

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مشرکین کی مخالفت ڈاڑھی بڑھانے میں ہے، اس لیے کہ مشرکین ڈاڑھی کو چھوٹی کرتے تھے۔

ملاحظہ ہو عمدۃ القاری میں ہے:

لأنهم كانوا يقصرون لحاهم ومنهم من كان يحلقها. (عمدة القاری: ۱۵/۹۰، دارالحدیث، ملتان).

مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں ڈاڑھی کا حکم:

مذہبِ احناف:

محقق ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: **وأما الأخذ منها وهي دون ذلك (القدر المسنون وهو القبضة) كما يفعله بعض المغاربه ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد.** (فتح القدیر: ۲/۳۴۸، کتاب الصوم، ط: دار الفکر).

وللمزيد راجع: (فتاوى الشامی: ۲/۴۱۸، سعید، والبحر الرائق: ۲/۳۰۲، دار المعرفة، وجوب اعفاء اللحية للشيخ محمد زكريا الكاندهلوی، ص ۱۸-۱۹، وفتاویٰ محمودیہ مع التعلیقات: ۱۹/۳۹۲-۴۰۲، ط: جامعہ فاروقیہ، ورسالہ: ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں، از مفتی سعید پالنپوری، ورسالہ: ڈاڑھی کی شرعی حیثیت، از مولانا حفظ الرحمان اعظمی، واحسن الفتاوی: ۹/۵۵، وفتاوی رشیدیہ، ص ۵۷۵، وفتاوی رحیمیہ: ۱/۱۷۵، وفتاوی بینات: ۴/۳۷۴-۴۰۲)۔

مذہبِ مالکیہ:

فإن قلت وما حكم القص عند عدم الطول أو الطول القليل؟ قلت صرح بعض الشراح بأنه يحرم القص إن لم تكن طالت كالحلق. (حاشیۃ العدوی: ۲/۵۸۱، باب فی بیان الفطرة).

مذہبِ شافعیہ:

سبق في الحديث أن إعفاء اللحية من الفطرة فالإعفاء بالمد قال الخطابي وغيره هو توفيرها و تركها بلا قص، كره لنا قصها كفعل الأعاجم قال: وكان من زي كسرى قص اللحى وتوفير الشوارب. (المجموع شرح المهذب: ۱/۲۹۰، ط: دار الفکر).

مذہبِ حنابلہ:

وإعفاء اللحية بأن لا يأخذ منها شيئاً قال في المذهب ما لم يستهجن طولها و يحرم حلقها ذكره الشيخ تقي الدين ولا يكره أخذ ما زاد على القبضة . (كشاف القناع:١/٧٥، ط:دار الفكر).

ہاں جب ایک مشت سے بڑھ جائے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کی بنا پر فقہاء نے اس کو کاٹنے کی اجازت دی ہے۔

وكان ابن عمر إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته فما فضل أخذه. (البخاری:٢/٨٧٥).

وإعفاء اللحى ، قال محمد عن أبي حنيفة تركها حتى تكث وتكثر و التقصير فيها سنة وهو أن يقبض الرجل لحيته فما زاد على قبضته قطعه. (الاختيار:٤/١٧٨، كتاب الكراهية).

وقال أصحابنا: الإعفاء تركها حتى تكث وتكثر والقص سنة فيها وهو أن يقبض الرجل لحيته فما زاد منها على قبضة قطعها كذلک ذكر محمد فی كتاب الآثار عن ابی حنيفةؒ قال : وبه نأخذ . (حاشية البحر الرائق للعلامة ابن عابدين الشامیؒ:٣/١١، ط: كوئته).

ڈاڑھی کی حدود حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

"لحية" کی تحقیق:

عربی میں "لحي" اس ہڈی کو کہتے ہے جس پر دانت ہوتے ہیں اور چونکہ ڈاڑھی اسی ہڈی پر پیدا ہوتی ہے اسی لئے ڈاڑھی کو "لحية" کہتے ہیں، پس اس ہڈی پر جو بال ہوں ان کو کٹوانا یا منڈانا جائز نہیں ہے۔

مغرب میں مذکور ہے: **اللحی العظام الذی عليه الأسنان.** (المغرب، ص:٢٤٤).

لسان العرب میں ہے: **واللحی منبت اللحية من الأسنان و غيره... و اللحيان حائطا الفم وهما العظمان اللذان فيهما الأسنان من داخل الفم من كل ذی لحی.** (لسان العرب:١٥/٢٤٣).

فیض الباری میں مذکور ہے: **واللحية ما على اللحيين وكذالک فی الهندية (ڈاڑھی) مشتق من (ڈاڑھ) لكونها نابتة على الأضراس.** (فيض الباری:٤/٣٨٠، باب قص الشارب).

امداد الفتاویٰ میں ہے:

کنپٹی کے نیچے جو ہڈی ابھری ہوی ہے یہاں سے ڈاڑھی شروع ہے اس سے اوپر سر ہے۔(امداد الفتاوی:۴/۲۲۱)۔
البحر الرائق میں ہے:

وفي شرح الإرشاد: اللحية الشعر النابت بمجتمع اللحيين والعارض ما بينهما و بين العذار وهو القدر المحاذى للأذن يتصل من الأعلى بالصدغ ومن الأسفل بالعارض.

(البحرالرئق:۱/۱٦، ط: كوئته).

رخسار کے بالوں کو صاف کرنے اور خط بنوانے کا حکم:

جبڑے کی ہڈی پر جو بال ہوں وہ ڈاڑھی میں شامل ہیں ان کو چھوڑ کر جبڑے کی ہڈی کے اوپر جہاں سے رخسار شروع ہوتا ہے ان کو برابر کر کے خط بنوانا درست ہے، کیوں کہ رخسار کے بال ڈاڑھی میں شامل نہیں ہیں۔لیکن علماء فرماتے ہیں کہ اس کا بھی چھوڑ دینا افضل ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

و لا بأس بالأخذ من الحاجبين و شعر وجهه ما لم يشبه فعل المخنث. (رد المحتار: ٦/٣٧٣، و كذا فى الفتاوى الهندية:٥/٣٥٨).

علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: **أما الأشعار التي على الخدين فليست من اللحية لغةً، وإن كره الفقهاء أخذها لأنه إن كان بالحديد فذلك يوجب الخشونة فى الخدين، وإن كان بالنتف فإنه يضعف البصر.** (فيض البارى: ٤/٣٨٠، باب قص الشعر، كتاب اللباس).

حلق کے بالوں کا حکم:

حلق پر جو بال ہوتے ہیں بہتر اور اولیٰ تو یہی ہے کہ اسکو نہ منڈایا جائے، البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اسکی اجازت دیتے ہیں۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: **ولا يحلق شعر حلقه، وعن أبي يوسف رحمة الله تعالىٰ لا بأس بذلك.** (الفتاوى الهنديه:٥/٣٥٨). (كذا فى الشامية: ٦/٣٧٣، سعيد).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ حلق کے بالوں کو نہیں مونڈنا چاہئے، ہاں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہے۔کان کے قریب جو ہڈی ہے اس سے اوپر سر کا حصہ ہے اور نیچے ڈاڑھی کا حصہ ہے، لہذا اوپر کا حصہ منڈوانا درست ہے اور نیچے کا درست نہیں۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۴۲۱، فاروقیہ)۔

ریش بچہ کا حکم:

ریش بچہ یعنی ہونٹ کے نیچے ٹھوری پر جو بال ہوتے ہیں یہ ڈاڑھی کے حکم میں ہے اور بچہ کے دونوں جانب لب زریں کے بال منڈوانے کو فقہاء نے بدعت لکھا ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: **ونتف الفنيكين بدعة وهما جانبا العنفقة وهي الشعر الشفة السفلى** . (فتاوى الشامي:٦/٣٧٣، سعيد). (وكذا في الهندية:٥/٣٥٨).

بخاری شریف میں ہے: **وكان ابن عمر رضي الله عنه يحفي شاربه حتى ينظر إلى بياض الجلد و يأخذ هذين يعني بين الشارب واللحية** . (رواه البخاري في باب قص الشارب:٢/٨٧٤،ط:فيصل).

بہشتی زیور میں ہے: رخسار کی طرف جو بال بڑھ جاویں ان کو برابر کر دینا یعنی خط بنوانا درست ہے اسی طرح اگر دونوں ابرو کسی قدر لے لیجاویں اور درست کردی جاویں یہ بھی درست ہے، حلق کے بال منڈوانا نہ چاہئے، مگر ابو یوسف سے منقول ہے کہ اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں ریش بچہ کے جانبین لب زیریں کے بال منڈوانے کو فقہاء نے بدعت لکھا ہے اس لیے نہ چاہئے، اسی طرح گدی کے بال بنوانے کو بھی فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔ (بہشتی زیور، ص:۹۶۷، بالوں کے متعلق احکام، ط: دارالاشاعت). **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔**

حضرت آدم علیہ السلام کی ڈاڑھی:

سوال: کیا حضرت آدم علیہ السلام کی ڈاڑھی تھی یا نہیں تھی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ڈاڑھی تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی سنت ہے، حضرت آدم علیہ السلام بھی نبی تھے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:"عشر من الفطرة: قص الشارب، و إعفاء اللحية، والسواك، واستنشاق الماء، و قص الأظفار، و غسل البراجم، ونتف الإبط، وحلق العانة، و انتقاص الماء قال زكريا قال مصعب: ونسيت العاشرة إلا أن تكون المضمضة . (رواه مسلم:١/١٢٩، ط: فيصل).

(ورواه ابوداود، رقم: ٥٣، وابن ماجه:٢٩٣، والترمذي: ٢٧٥٧،وابن خزيمة: ٨٨).

قال العلامة العيني: وأراد بالفطرة السنة القديمة التي اختارها الأنبياء عليهم السلام

واتفقت عليها الشرائع فكأنها أمر جلي فطروا عليه. (عمدة القاری:۱۵/۸۸، باب قص الشارب).

قال في المرقاة : أى عشر خصال من سنة الأنبياء الذين أمرنا أن نقتدي بهم. فكأنا فطرنا عليها كذا نقل عن أكثر العلماء . (مرقاة المفاتيح: ۲/۴، باب السواك، ط: امداديه ، ملتان).

قال في فيض القدير: يعني سنة الأنبياء الذين أمرنا بالاقتداء بهم . (فيض القدير: ۲/۵۴۳).

قال الإمام النووي في شرح صحيح مسلم: ومعناه أنها من سنن الأنبياء صلوات اللّٰه وسلامه عليهم . (باب خصال الفطرة،۱/۱۲۸، ط: فيصل).

یعنی اکثر شراح کی رائے یہ ہے کہ فطرت سے مراد انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے۔تو ڈاڑھی کا رکھنا انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے۔معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی ڈاڑھیاں تھیں، نیز ڈاڑھی اپنے وقت میں جمال ہے انبیاء علیہم السلام اس جمال سے کیسے محروم ہوں گے؟

ہدایہ میں ہے: **ولنا أن اللحية في وقتها جمال وفي حلقها تفويته على الكمال .** (الهداية : ۴/۵۸۷). (وكذا في المبسوط للامام السرخسیؒ : ۱۱/۱۶۳،والبحر الرائق: ۸/۳۷۷،دار المعرفة،وبدائع الصنائع: ۷/۳۱۲، سعيد، وتبيين الحقائق: ۶/۱۳۰، ط:مكتبه امداديه ، ملتان).

قرآنِ مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی کا ذکر فرمایا ہے:

قال: يبنؤم لا تأخذ بلحيتي ولا برأسي۔ہارون علیہ السلام نبی تھے اور ان کی ڈاڑھی تھی۔

خلاصہ یہ ہے آدم علیہ السلام نبی تھے اور ان کی ڈاڑھی تھی اور ڈاڑھی رکھنا ان کا طریقہ تھا۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاڑھی رکھنے کو ان اعمال میں سے شمار کیا ہے جو تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہیں، پس جس چیز کی پابندی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک خدا کے سارے نبیوں نے کی ہو، ایک مسلمان کے لیے اس کی پیروی جس درجہ ضروری ہوسکتی ہے وہ آپ خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۸/۳۰۸،طبع جدید)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایک مشت ڈاڑھی رکھنے کا ثبوت:

سوال: ایک شخص کا سوال ہے کہ ایک مشت ڈاڑھی رکھنا کہاں سے ثابت ہے؟ کونسی حدیث میں ایک

مشت کا ذکر آیا ہے، اور اس حدیث کی کیا حیثیت ہے؟ امید ہے کہ تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں گے۔

الجواب: حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو ترمذی شریف کی روایت میں ہے:

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده: أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يأخذ من لحيته من عرضها وطولها . قال أبوعيسىٰ: هذا حديث غريب، وسمعت محمد بن إسماعيل يقول: عمر بن هارون مقارب الحديث لا أعرف له حديثاً ليس إسناده أصلاً أو قال: ينفرد به إلا هذا الحديث...ورأيته حسن الرأي في عمر، قال أبوعيسىٰ : وسمعت قتيبة يقول: عمربن هارون كان صاحب الحديث . (ترمذی شريف : ۲/۱۰۵/۲۷۶۲،وشعب الايمان للبيهقی ،رقم: ٦٤٣٩).

إسناده ضعيف جداً ؛ فيه عمر بن هارون ؛ وثقه البعض وضعفه جماعة. حتى قيل :إنه كذاب ، متروك الحديث . امام بخاریؒ اور امام قتیبہ نے ان کی توثیق کی ہے ان کے علاوہ اکثر حضرات نے کلام کیا ہے۔(ملاحظہ کیجئے: میزان الاعتدال:۴/۱۴۸،تہذیب الکمال:۲۱/۵۲۰،وتقریب التہذیب،ص۴۸۶،رقم:۴۹۷۹)۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں چند آثار مذکور ہیں:

عن نافع ، عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أنه كان يأخذ ما فوق القبضة ، وقال وكيع: ما جاز القبضة.

عن أبي زرعة ، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أنه كان يأخذ من لحيته ما جاز القبضة .

عن ابن طاؤوس ، عن أبيه ، أنه كان يأخذ من لحيته ، ولا يوجبه .

عن الحسن ، قال: كانوا يرخصون فيما زاد على القبضة أن يؤخذ منها .

عن أفلح ، قال: كان القاسم إذا حلق رأسه أخذ من لحيته وشاربه .

عن أبي هلال، قال: سألت الحسن ، وابن سيرين فقالا : لا بأس به أن تأخذ من طول لحيتك . (مصنف ابن ابی شيبة:۱۳/۱۱۲ـ۱۱۳،کتاب الادب،ماقالوا فی الاخذ من اللحية، ط: المجلس العلمی).

کتاب الآثار میں امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں:

قال: حدثنا يوسف عن أبيه عن أبي حنيفةؒ عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أنه كان يأخذ من لحيته .

عن أبي يوسفؒ عن أبي حنيفةؒ عن الهيثم عن ابن عمر رضي الله عنه أنه كان يقبض على لحيته فيأخذ منها ما جاوز القبضة .

عن أبي يوسفؒ عن أبي حنيفةؒ عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنه أنه كان يأخذ من لحيته .

عن أبي يوسفؒ عن أبي حنيفةؒ عن حمادؒ عن إبراهيمؒ أنه قال: لا بأس أن يأخذ الرجل من لحيته ما لم يتشبه أهل الشرك .

(كتاب الآثار للامام ابويوسفؒ ،ص ٢٣٤،فى الخضاب والاخذ من اللحية والشارب ، دارالكتب العلمية).

قال فى العناية شرح الهداية : والقبضة وقد روي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأخذ من لحيته من طولها وعرضها. أورده أبوعيسىٰ في جامعه ، وقال: من سعادة الرجل خفة لحيته ، وذكر أبوحنيفةؒ في آثاره عن عبد الله بن عمر رضي الله عنه ...و به أخذ أبوحنيفةؒ وأبويوسفؒ ومحمدؒ . (العناية فى شرح الهداية بهامش فتح القدير:٢/٣٤٧، كتاب الصوم، ط: دارالفكر).

مذکورہ بالا آثار سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ایک مشت ڈاڑھی رکھنے کا تھا، نیز یہ مقدار صحابہ کرام نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اخذ کی ہوگی، کیونکہ اس میں قیاس کا کوئی دخل نہیں ہے۔لأن في هذا لا مجال للقياس۔اوراحناف کا یہی مذہب ہے۔مزید دیکھئے:(عمدۃ القاری:۱۵/۱۹)۔

اشکال: بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ صحیحین کی روایات سے مطلق اعفاء اللحیۃ یعنی ڈاڑھی کا بڑھانا معلوم ہوتا ہے جو قبضہ سے زائد کاٹنے کے خلاف ہے۔اس کو ترجیح ہونی چاہئے؟

الجواب: محقق ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہوتو اس روایت سے استدلال درست نہیں ہوتا،اوراعفاء کی روایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اوروہ خود قبضہ سے زائد تراشتے تھے، نیز اگر یہ کہا جائے کہ یہ روایت دیگر حضرات سے بھی مروی ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مکمل یا اکثر حصہ تراشنے کے مقابلہ میں اعفاء وارد ہوا ہے۔جیسا کہ عجم کے مجوسیوں کا طریقہ ہے،اس طرح روایات کے مابین تطبیق حاصل ہوجاتی ہے اوراس کی دلیل مسلم شریف کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ڈاڑھی بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو،تو اعفاء اللحیہ کی علت مخالفتِ مجوس ومشرکین ہے اوروہ قدرِ مسنون،یعنی قبضہ میں حاصل ہے۔

قال الشيخ المحقق ابن الهمامؒ في فتح القدير: فإن قلت: يعارضه ما فى الصحيحين

عن ابن عمر رضي الله عنه عنه عليه الصلاة والسلام: أحفوا الشوارب وأعفوا اللحى؟ فالجواب : أنه قد صح عن ابن عمر رضي الله عنه راوی هذا الحديث أنه كان يأخذ الفاضل عن القبضة...وذكره البخاري تعليقاً فقال: وكان ابن عمر رضي الله عنه إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته فما فضل أخذه ، وقد روي عن أبي هريرة رضي الله عنه أيضاً أسنده ابن أبي شيبة...فأقل ما فى الباب إن لم يحمل على النسخ كما هو أصلنا في عمل الراوى على خلاف مرويه مع أنه روى عن غير الراوى وعن النبي صلى الله عليه وسلم يحمل الإعفاء على إعفائها من أن يأخذ غالبها أو كلها كما هو فعل مجوس الأعاجم من حلق لحاهم كما يشاهد فى الهنود وبعض أجناس الفرنج فيقع بذلک الجمع بين الروايات ويؤيد إرادة هذا مافي مسلم عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم:جزوا الشوارب وأعفوا اللحى، خالفوا المجوس فهذه الجملة واقعة موقع التعليل. (فتح القدير: ۲/ ۳٤۷، كتاب الصوم، دار الفكر).

قال في النهاية : وما وراء ذلک يجب قطعه هكذا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه كان يأخذ من اللحية من طولها وعرضها . (فتح القدير: ۲/ ۳٤۷).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

حدیث شریف میں صاف " أعفوا اللحى"، " أرخوا اللحى"، "أوفروا اللحى" کے الفاظ موجود ہیں جن کا ترجمہ ہے: ڈاڑھی بڑھاؤ۔ڈاڑھی لٹکاؤ۔ڈاڑھی زیادہ کرو۔ان الفاظ کا تقاضا تھا کہ بڑھانے کی کوئی حد مقرر نہ ہوتی اور کٹانا بالکل جائز نہ ہوتا، مگر حدیث کے راوی کا معمول تھا کہ ایک مشت سے جو مقدار آگے بڑھ جاتی اس کو کٹا دیتے۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۹/ ۳۹۷، جامعہ فاروقیہ)۔

آپ کے مسائل اوران کا حل میں ہے: ڈاڑھی ایک مشت رکھنا واجب ہے اور زائد کا تراشنا جائز ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل:۸/ ۳۰۷)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ڈاڑھی منڈانے کا حکم:

سوال: کیا قرآن وحدیث میں ڈاڑھی ایک مشت سے پہلے تراشنے اور منڈوانے کی کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟ کیا کسی مذہب میں اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: احادیث کی روشنی میں ایک مشت ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور ایک مشت سے پہلے ڈاڑھی کٹانے والا یا چھوٹی رکھنے والا فاسق وفاجر ہے۔

ڈاڑھی کے بارے میں چند احادیث ملاحظہ کیجئے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أحفوا الشوارب وأعفوا اللحى.

(متفق علیه، رواه مسلم: ۱/۱۲۹، باب خصال الفطرة، فیصل، والبخاری: ۲/۸۷۵، باب تقلیم الاظفار، ط: فیصل).

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: جزوا الشوارب وأرخوا اللحى، خالفوا المجوس . (رواه مسلم: ۱/۱۲۹، ط: فیصل).

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "عشر من الفطرة: قص الشارب، وإعفاء اللحية، والسواك، واستنشاق الماء، وقص الأظفار، وغسل البراجم، ونتف الإبط، وحلق العانة، وإنقاص الماء قال الراوى: ونسيت العاشرة إلا أن تكون المضمضة". (رواه مسلم: ۱/۱۲۹/۲۶۱، فیصل).

(ورواه ابوداود، رقم: ۵۳، وابن ماجه: ۲۹۳، والترمذی: ۲۷۵۷، وابن خزیمة: ۸۸).

وعن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خالفوا المشركين، وفروا اللحى، وأحفوا الشوارب، وكان ابن عمر رضی اللہ عنہ إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته فما فضل أخذه . (رواه البخاری، کتاب اللباس، باب تقلیم الأظفار: ۲/۸۷۵، ط: فیصل).

شراح حدیث کی عبارات ملاحظہ کیجئے:

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

فحصل خمس روايات أعفوا وأوفوا وأرخوا، وأرجوا، ووفروا، ومعناها كلها تركها على حالها هذا هو الظاهر من الحديث الذى يقتضيه ألفاظه، وهو الذى قاله جماعة من أصحابنا وغيرهم من العلماء . (شرح مسلم: ۱/۱۲۹، فیصل).

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

"قوله خالفوا المشركين" أراد بهم المجوس، يدل عليه رواية مسلم: خالفوا المجوس لأنهم كانوا يقصّرون لحاهم ومنهم من كان يحلقها. (عمدة القاری: ۱۵/۹۰، امدادیه)

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

"قوله خالفوا المشركين" في حديث أبي هريرة رضي الله عنه عند مسلم خالفوا المجوس، وهو المراد في حديث ابن عمر رضي الله عنه فإنهم كانوا يقصون لحاهم ومنهم من كان يحلقها. (فتح الباري: ۱۰/۳٤۹، دارنشر الكتب الإسلامية).

علامہ نوویؒ شرحِ مسلم میں فرماتے ہیں:

أما إعفاء اللحية فمعناه توفيرها وهو معنى أوفوا اللحى في الرواية الأخرى وكان من عادة الفرس قص اللحية نهى الشرع عن ذلك. (شرح الصحيح لمسلم للنووي، ۱/۱۲۹، كتاب الطهارة باب خصال الفطرة، فيصل).

ابوداود شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (رواه ابوداود، رقم: ٤۰۳۳، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة).

مرقات میں ہے:

أي من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار (فهو منهم) أي في الإثم والخير قال الطيبي: هذا عام في الخلق والخلق والشعار ولما كان الشعار أظهر في الشبه ذكر في هذا الباب، قلت: بل الشعار هو المراد بالتشبه لا غير فإن الخلق الصوري لا يتصور فيه التشبه والخلق المعنوي لا يقال فيه التشبه بل هو التخلّق. (مرقاة المفاتيح: ۸/۲۵۵، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مسئلة التشبه، امداديه).

فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمائیے:

مذہبِ احناف:

فتح القدیر میں ہے:

وأما الأخذ منها وهي دون ذلك (أي بقدر المسنون وهو القبضة) كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد. (فتح القدير: ۲/۳٤۸، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة).

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

أو تطويل اللحية إذاكانت بقدر المسنون، وهو القبضة، والأخذ من اللحية وهو دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة،ومخنثة الرجال لم يبحه أحد، وأخذكلها فعل يهود الهند، ومجوس الأعاجم. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص ٦٨١،كتاب الصوم، فصل فيمايكره للصائم، قديمی ، وهكذا فی الشامی:٢/٤١٨،كتاب الصوم ، مطلب فی الاخذ من اللحية ،سعيد).

بدائع الصنائع میں ہے:

ولأن حلق اللحية من باب المثلة لأن اللّٰه تعالیٰ زين الرجال باللحی والنساء بالذوائب ولأن ذلک تشبه بالنصاری فيكره . (بدائع الصنائع: ٢/١٤١،سعيد).

فتاوی بزازیہ میں ہے:

لا يحل للرجل أن يقطع اللحية. (الفتاوی البزازية علی هامش الهندية،كتاب الاستحسان:٣/٣٧٩).

اشعۃ اللمعات میں حضرت شاہ عبدالحق محدثِ دہلویؒ فرماتے ہیں:

مشہور قدر یکمشت ست چنانچہ کمتر ازیں نباید واگر زیادہ براں بگذارد نیز جائز ست بشرطیکہ از حد اعتدال نگذرد...وحلق کردن لحیہ حرام است وروش افرنج وہنود وجوالقیاں ست کہ ایشاں راقلندریہ گویند وگذاشتنِ آں بقدرِ قبضہ واجب است وآنکہ آں راسنت گویند بمعنے طریقہ مسلوکہ دردین ست یا بجہت آنکہ ثبوتِ آں بسنت ست۔(اشعۃ اللمعات:۱/۲۲۸،باب السواک،ط:المکتبۃ الرشیدیہ)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۴۰۹،جامعہ فاروقیہ)۔

مذہبِ مالکیہ:

مواہب الجلیل میں ہے:

وحلق اللحية لايجوزوكذلک الشارب وهو مثلة وبدعة ويؤدب من حلق لحيته أوشاربه . (مواهب الجليل لشرح مختصرخليل،كتاب الطهارة،فصل فی فرائض الوضوء:١/٣١٣).

حاشیۃ العدوی میں ہے:

فإن قلت:وما حكم القصّ عند عدم الطول أوالطول قليل؟قلت:صرح بعض الشراح بأنه يحرم القصّ ان لم تكن طالت كالحلق. (حاشية العدوی باب فی بيان الفطرة:٢/٥٨١).

مذہبِ شافعیہ:

حواشی الشروانی میں ہے:

قال الشيخان: يكره حلق اللحية واعترضه ابن الرفعة في حاشية الكافية بأن الشافعيؒ نص في الأم على التحريم قال الزركشي وكذا الحليمي في شعب الإيمان وأستاذه القفّال الشاشي في محاسن الشريعة وقال الأذرعي الصواب تحريم حلقها جملة لغير علة بها كما يفعله القلندرية. (حواشی الشروانی علی تحفة المحتاج شرح المنهاج،فصل فی العقیقة:۹/۴۳۶).

فتح الباری میں ہے:

ثم حكى الطبري اختلافاً فيما يؤخذ من اللحية هل له حد أم لا ؟ فأسند عن جماعة الاقتصار على أخذ الذي يزيد منها على قدر الكف، وعن الحسن البصري أنه يؤخذ من طولها وعرضها ما لم يفحش وعن عطاءؒ نحوه. (فتح الباری:۱۰/۳۵۰، باب تقلیم الأظفار،دار النشرللکتب الإسلامیة ، و حاشیتان القلیوبی و عمیرة :۴/۲۰۵، وحاشیة الجمل علی المنهج : ۵/۱۶۴).

شرح المہذب میں ہے:

سبق في الحديث أن إعفاء اللحية من الفطرة فالإعفاء بالمد:قال الخطابي وغيره هو توفيرها وتركها بلا قص، كره لنا قصها كفعل الأعاجم،قال وكان من زي كسرى قص اللحى وتوفير الشوارب.(المجموع شرح المهذب،مسائل مستحبة من خصال الفطرة ۱/۲۹۰،دارالفکر).

مذہبِ حنابلہ:

کشاف القناع میں ہے:

وإعفاء اللحية بأن لا يأخذ منها شيئاً، قال في المذهب ما لم يستهجن طولها ويحرم حلقها ذكره الشيخ تقي الدين ولا يكره أخذ ما زاد على القبضة . (کشّاف القنّاع عن متن الإقناع ، کتاب الطهارة،ویسن الإمتشاط...:۱/۷۵، و مطالب اولی النهی:۱/۸۵، ط: المکتب الاسلامی).

مذکورہ بالا حدیث اور فقہی عبارات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک ڈاڑھی کا منڈوانا حرام ہے، اوراس کا کاٹنا جو کہ کفار کے مشابہ ہو بعض کے نزدیک حرام اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے، پھر مکروہ پر اصرار کرنے والا فاسق ہوگا، کیونکہ صغیرہ پر اصرار کرنے سے وہ کبیرہ کا حکم لے لیتا ہے، جیسے کہ علامہ شامیؒ

کی عبارت سے پتہ چلتا ہے: **لأن الصغيرة تأخذ حكم الكبيرة بالإصرار**. (رد المحتار ،٥/٤٧٣،کتاب الشهادات ، باب القبول وعدمه ،سعيد). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ڈاڑھی منڈانے پر وعید:

سوال: بعض روایات میں آتا ہے کہ ڈاڑھی منڈانے والے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا تھا، یہ روایت موقوف ہے یا مرفوع، صحیح ہے یا ضعیف؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بعض صحیح روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاڑھی منڈانے والے سے اپنا چہرۂ انور پھیر لیا تھا۔ اگرچہ روایت مرسل ہے لیکن مرفوع روایات سے مؤید ہونے کی وجہ سے مقبول ہیں۔

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا محمد بن فضيل، عن حصين، عن عبد الله بن شداد ، قال: كتب كسرى إلى باذام :إني نبئت أن رجلاً يقول شيئاً لا أدري ما هو، فأرسل إليه ، فليقعد في بيته ، ولا يكن من الناس في شيء ، وإلا فليواعدني موعداً ألقاه به، قال: فأرسل باذام إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلين حالقي لحاهما، مرسلي شواربهما، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما يحملكما على هذا ؟ قال: فقالا له : يأمرنا به الذي يزعمون أنه ربهم ، قال: فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لكنا نخالف سنتكم ، نجز هذا ونرسل هذا. (مصنف ابن ابی شيبة : ٢٠/٢٨١/٣٧٧٨١).

قال الشيخ محمد عوامة في تعليق هذا الحديث: رجاله ثقات ، وعبد الله بن شداد : ممن ولد على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وحصين:هو ابن عبد الرحمن السلمي.

والخبر بطوله عند ابن جرير في "تاريخه"(٢/١٣٣) **مرسلاً ، ونقله عنه ابن كثير فی "سيرته" المفردة** (٣/٥٠٨)، **والدلائل لأبي نعيم** (٢٤١) **من وجه آخر متصل .**

تاریخ الطبری کی روایت حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

حدثنا ابن حميد قال:حدثنا سلمة عن محمد بن اسحاق عن يزيد بن حبيب قال: بعث عبد الله بن حذافة بن قيس بن عدى بن سعد بن سهم إلى كسرى بن هرمز ملك

فارس ... إلى قوله: ودخلا على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وقد حلقا لحاهما وأعفيا شواربهما فكره النظر إليهما ثم أقبل عليهما فقال: ويلكما ! من أمركما بهذا قالا: أمرنا بهذا ربنا يعنيان كسرى فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لكن ربي قد أمرني بإعفاء لحيتي وقص شاربي. (تاريخ الامم والملاك: ۱۳۳/۲، دارالكتب العلمية).

تاریخ طبری کی سند میں ☆محمد بن حمید الرازی و☆سلمۃ بن الفضل الابرش پر کلام ہے، اس کے علاوہ محمد بن اسحاق کا عنعنہ بھی محل کلام ہے، لیکن دوسری روایات اس مسئلہ میں موجود ہیں یہ صرف تائید کے لیے ہے۔

☆ محمد بن حميد الرازى، قال الذهبى فى الكاشف: وثقه جماعة، والأولى تركه، قال يعقوب بن شيبة: كثير المناكير، وقال البخارى: فيه نظر، وقال النسائى: ليس بثقة. (الكاشف: ۴۸۱۰)،

وينظر: (المغنى فى الضعفاء، رقم: ۵۴۴۹، وسير اعلام النبلاء ۲۶۲/۳).

☆ سلمة بن الفضل الأبرش: ضعيف يعتبر به فى الحديث قوى فى المغازى فهو صاحب مغازى ابن اسحاق وتدل دراسة ترجمته ورواياته على صحة هذا الحكم الذى قلناه إن شاء اللّٰه. (تحريرالتقريب: ۵۹/۲). **قال يحيى بن معين: ثقة، قدكتبنا عنه، كان كيساً، مغازيه أتم، ليس فى الكتب أتم من كتابه، وقال أبوحاتم: صالح، محله الصدق، فى حديثه إنكار، ليس بالقوى ...الخ.** (الجرح والتعديل: ۷۳۹/۱۶۹/۴).

وينظر: (التاريخ الكبير، رقم: ۲۰۴۴، وكتاب الثقات، رقم: ۱۳۴۸۰، وكتاب الضعفاء لابن الجوزى، رقم: ۱۴۸۷، والضعفاء للنسائى، رقم: ۲۴۱، والضعفاء للبخارى: ۱۴۹، والكامل فى ضعفاء الرجال: ۳۴۰/۳، والكاشف: ۲۰۴۳).

البتہ دلائل النبوۃ لابی نعیم الاصبہانی کی سند متصل ہے اور درجہ حسن سے کم نہیں۔ درج ذیل ملاحظہ فرمائیے:

حدثنا حبيب بن الحسن قال: حدثنا محمد بن يحيى بن سليمان قال: ثنا أحمد بن محمد بن أيوب قال: ثنا إبراهيم بن سعد (ثقة حجة)، **عن صالح بن كيسان** (ثقة، ثبت) **قال: قال ابن شهاب: أخبرني عبيد اللّٰه بن عبد اللّٰه بن عتبة** (ثقة، ثبت) **أن ابن عباس** رضي الله عنه **أخبره أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بعث بكتابه إلى كسرى فلما قرأه مزقه ...الخ.** (دلائل النبوة: ۲۳۵/۲۷۹/۱).

رجال کی تحقیق:

☆ **حبيب بن الحسن: ضعفه أبوبكر البرقاني، ووثقه الخطيب وأبونعيم، محمد بن أبى الفوارس، ومحمد بن العباس بن الفرات** . (تاريخ بغداد: ۸/۲۵۳،ولسان الميزان :۲/ ۱۷۰،وميزان الاعتدال : ۱/ ۴۵۴).

☆ **محمد بن يحيى بن سليمان: قال الدارقطني: صدوق ، قال الخطيب:ثقة ، قال مسلمة :كان كثير الحديث**. (تهذيب الكمال : ۹/ ۵۱۰).

☆ **أحمد بن محمد بن أيوب البغدادى : قال ابن حجر: صدوق. قال الذهبى: وثق .قال ابراهيم الحربى: ثقة . قال ابن عدى : أثنى عليه احمد وعلى ، وتكلم فيه يحيى وهو مع هذا كله صالح الحديث ليس بمتروك**.(تهذيب الكمال: ۱/ ۴۳۱).

احناف کے نزدیک حدیثِ مرسل کا حکم:

قال في دراسات في أصول الحديث: إن ائمة الحنفية صاروا إلى أربعة مذاهب فى المرسل ، وإليک تفصيل هذه المذاهب مع بيان من رجحه من المتأخرين :

الأول: مذهب عيسىٰ بن أبان : وهو أن مرسل العدل مقبول من القرون الثلاثة ، أما بعدها فإن كان من ائمة الدين ، عارفاً بالجرح والتعديل قبل وإلا فلا .

والثاني: مذهب أبى الحسن الكرخيؒ: مذهبه قبول من العدل سواء كان من القرون الثلاثة أو بعدها .

الثالث: مذهب الجصاص الرازي : وهو أن مرسل من كان من القرون الثلاثة حجة ما لم يعرف منه الرواية عمن ليس بعدل ثقة . ومرسل من كان بعدها لايكون حجة إلا من اشتهر بأنه لا يروى إلا عمن هو عدل ثقة .

الرابع : عدم قبول المرسل مطلقاً بعد القرون الثلاثة .

ثم أتى بعدهم الإمام المحقق ابن الهمامؒ فجاء بمذهب خامس لم يسبقه إليه أحد من الحنفية ، وهو أنه يقبل المرسل إذا كان المرسِل إماماً من ائمة الدين سواء كان من القرون الثلاثة أو بعدها .

المذهب الراجح : والقول الراجح : هوقول عيسىٰ بن أبانؒ، لأن المعلوم أن النبي

صلی اللہ علیه وسلم شهد للقرون الثلاثة بالخیر و الصلاح ...الخ. (دراسات فی اصول الحدیث علی منهج الحنفیة ،ص ۳۸۲-۳۸۶).

وللمزید راجع: (توجیه النظر الی اصول الاثر:۲/ ۵۵۹،ومنهج النقد فی علوم الحدیث ،ص ۳۷۱، ومبادی علوم الحدیث و اصوله،ص ۲۵۶،و کشف الاسرار:۳/ ٤،دار الکتب العلمیة).

قصہ مذکورہ بالا درجِ ذیل کتب میں بھی مذکور ہے:

عمدۃ القاری، حیاۃ الصحابہ، تحریم حلق اللحیۃ، البدایہ والنہایہ، المختصر فی اخبار البشر، تاریخ ابن الوردی، تاریخ ابن خلدون، محمد رسول اللہ، وغیرہ.

نیز اس واقعہ کو علماء نے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے اور قبولیت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ زکریاؒ نے اپنی کتاب ''وجوب اعفاء اللحیہ'' (ص ۲۹) پر ذکر کیا ہے، اور علامہ محمد یوسف لدھیانویؒ نے آپ کے مسائل اور ان کا حل میں: ۸/ ۳۱۰ پر بحوالہ البدایہ والنہایہ، حیاۃ الصحابہ نقل فرمایا ہے، مفتی سعید پالنپوری نے اپنی کتاب ''ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں'' میں ص ۱۳۳ پر ذکر کر کے حاشیہ میں مختلف حوالے پیش کیے ہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ڈاڑھی منڈانے والے کو سلام کرنے کا حکم:

سوال: ڈاڑھی منڈانے والے کو سلام کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ ڈاڑھی منڈانے والا فاسق و فاجر ہے، تو بحثاً اس کو سلام نہ کرنا اولیٰ ہے، ہاں اگر سلام میں اس کی تعظیم مقصود نہ ہو بلکہ تالیفِ قلب اور دین کی طرف مائل کرنا مقصود ہو تو ثواب کی امید ہے۔

ملاحظہ ہو روح المعانی میں ہے:

ولا یجب رد سلام فاسق أو مبتدع زجراً له أو لغیره وإن شرع سلامه . (روح المعانی :۳/ ۱۰۱، النساء:۸٦).

امداد الفتاویٰ میں ہے:

تکبر حرام ہے اور مرتکب اس کا بالخصوص اس پر جو مصر ہو فاسق ہے اور فاسق کو ابتداءً سلام نہ کرنا جائز ہے بلکہ اولیٰ ہے۔ (امداد الفتاویٰ:۴/ ۲۷۹)۔

کفایت المفتی میں ہے:

فاسق کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں لیکن جواب دینا جائز ہے مکروہ نہیں، جو لوگ ڈاڑھی منڈاتے ہیں یا منڈی ہوئی مثل کترواتے ہیں وہ فاسق کی تعریف میں شامل ہیں۔ (کفایت المفتی:۹/۱۰۶)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

رخسار کے بال تراشنے کا حکم:

سوال: ڈاڑھی سے متصل دونوں رخساروں کے بال کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: دونون رخساروں کے بال تراشنا جائز ہے البتہ مناسب نہیں ہے کیونکہ اس کی وجہ سے چہرہ پر زیادہ بال آنا شروع ہو جاتے ہیں اور چہرہ بدنما بن جاتا ہے نیز بار بار کے حلق سے خشونت پیدا ہوتی ہے یہ مشورہ ہے مسئلہ نہیں ہے، باعتبارِ مسئلہ جائز ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

وفي المضمرات: ولا بأس بأن يأخذ الحاجبين وشعر وجهه ما لم يشبه المخنث.

(البحر الرائق: ۸/۲۳۳،دار المعرفة).

(وكذا في الفتاوى الهندية: ۵/۳۵۸، وفتاوى الشامي: ۲/۴۱۸،سعيد،و ۶/ ۳۷۳،سعيد، و ۶/۴۰۷، سعيد، وحاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ،ص ۳۴۲،ط: بولاق).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

رخسار اور حلق کے بالوں کا چنوانا اور منڈانا شرعاً درست ہے، نہ منڈوانا بہتر ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۴۴۲)۔

علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: **أما الأشعار التي على الخدين فليست من اللحية لغةً، وإن كره الفقهاء أخذها لأنه إن كان بالحديد فذلك يوجب الخشونة في الخدين، وإن كان بالنتف فإنه يضعف البصر.** (فيض الباري: ۴/ ۳۸۰،باب قص الشعر،كتاب اللباس). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ریش بچہ اور جانبین کے بال کاٹنے کا حکم:

سوال: کیا ریش بچہ یعنی ڈاڑھی کے نیچے کے بال کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز جو بال ریش بچہ کی دونوں جانب میں ہیں ان کا کاٹنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ریش بچہ ڈاڑھی کے حکم میں ہے لہذا اس کا کاٹنا درست نہیں ہے۔ نیز دونوں جانب کے بال جن کو فنیکین کہتے ہیں ان کا ٹنا بھی درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ونتف الفنيكين بدعة وهما جانبا العنفقة وهي شعر الشفة السفلى كذا في الغرائب .

(الفتاوى الهندية: ٣٥٨/٥).

(وكذا في فتاوى الشامي: ٤٠٧/٦، سعيد، وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص٣٤٢، بولاق).

قال الإمام النوويؒ في شرح مسلم : وقد ذكر العلماء في اللحية عشر خصال مكروهة بعضها أشد قبحاً من بعض... السابعة ... ونتف جانبي العنفقة . (شرح مسلم : ١٤٩/٣، داراحياء التراث العربي).

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ریش بچہ میں سفید بال نظر آتے تھے۔ ملاحظہ ہو:

عن وهب أبي جحيفة السوائي قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم ورأيت بياضاً من تحت شفته السفلى العنفقة . (رواه البخاري، رقم: ٣٥٤٥).

قال العلامة بدر الدين العيني: واللحية تشمل العنفقة . (عمدة القاري: باب صفة النبي صلى الله عليه وسلم).

وعن أنس رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يخضب قط إنما كان البياض في مقدم لحيته وفي العنفقة ... الخ. (اخرجه احمد في مسنده، رقم: ١٣٢٦٣).

وفي النهاية في غريب الأثر: العنفقة : الشعر الذي في الشفة السفلى، وقيل: الشعر الذي بينها وبين الذقن. وأصل العنفقة : خفة الشيء وقلته . (النهاية: ٥٩٠/٣، ط: المكتبة العلمية).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مونچھوں کے تراشنے کا حکم:

سوال: مونچھوں کا تراشنا اور کم کرنا افضل ہے یا حلق یعنی بال بالکل جڑ سے صاف کرنا اولیٰ ہے؟ برائے کرم مفصل ومدلل جواب عنایت فرما کر اجر عظیم کے مستحق ہوں۔

الجواب: شریعتِ مطہرہ میں مونچھوں کا تراشنا اور بالکل بالوں کا جڑ سے صاف کرنا دونوں ہی جائز

اور درست ہے۔نیز فقہاء کی بعض عبارات افضلیتِ قص پر دال ہیں اور بعض افضلیتِ احفاء وحلق پر، تاہم صحیح احادیث، اور بعض فقہی روایات کی روشنی میں قصر اور کم کرنا افضل اور بہتر ہے۔

مونچھوں کے کاٹنے سے متعلق چند روایات ملاحظہ کیجئے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قصوا الشوارب وأعفوا اللحى . (اخرجه احمد فى مسنده ، رقم: ٧١٣٢).

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: صحيح وهذا إسناد حسن .

عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنهكوا الشوارب وأعفوا اللحى. (رواه البخارى ، رقم: ٥٨٩٣).

عن ابن عمر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:أحفوا الشوارب وأعفوا اللحى. (رواه مسلم ، رقم: ٢٥٩).

وفي رواية له عنه خالفوا المشركين أحفوا الشوارب وأوفوا اللحى . (رقم:٦٢٥).

عن أبي هريرة رضي الله عنه، رواية : الفطرة خمس أو خمس من الفطرة : الختان والاستحداد ونتف الإبط وتقليم الأظفار وقص الشارب . (رواه البخارى :٢/ ٨٧٤، باب قص الشارب).

عن ابن عمر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من الفطرة قص الشارب. (رواه البخارى ، رقم: ٥٨٨٨).

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: عشر من الفطرة : قص الشارب ...الخ. (رواه مسلم ، رقم: ٢٦١).

قال الإمام النسائي: أخبرنا محمد بن عبد الله بن يزيد المقرئ المكي قال: حدثنا سفيان عن الزهري عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الفطرة خمس: الختان ، وحلق العانة ، ونتف الإبط ، وتقليم الأظفار ، وحلق الشارب.

(سنن النسائى الكبرى :١/٦٥/٩، ابواب الفطرة ، عددالفطرة).

نسائی شریف کی ایک روایت میں ’’حلق الشارب‘‘ کا لفظ آیا ہے، اور یہ شاذ ہے۔

حافظ عراقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت سنداً بالکل صحیح ہے، اس کے رجال سب ثقات ہیں، لہذا سند پر کوئی

کلام نہیں، لیکن دراصل لفظ "حلق الشارب" کی تحقیق مطلوب ہے۔

چنانچہ مذکورہ بالا سند میں محمد بن عبداللہ بن یزید مکی نے سفیان بن عیینہ سے روایت کرتے ہوئے "حلق الشارب" بیان کیا ہے لیکن سفیان بن عیینہ سے اس روایت کو نقل کرنے والے درجِ ذیل چند رواۃ ہیں:۔

(۱) امام احمد بن حنبل (۲) علی بن المدینی (۳) ابوبکر بن ابی شیبہ (۴) عمرو بن محمد الناقد (۵) زہیر بن حرب (۶) مسدد بن مسرہد۔ (۷) زکریا بن یحیی بن اسد۔ (۸) اسحاق بن ابراہیم۔ (۹) سریج بن یونس۔ (۱۰) حمیدی۔

یہ کل دس حضرات سفیان بن عیینہؒ سے روایت کرتے ہیں اور سب کی روایت میں "قص الشارب" کا لفظ ہے۔ ہر ایک کی روایت ملاحظہ کیجئے:

(۱) أحمد بن حنبل، حدثنا سفيان، عن الزهري عن سعيد عن أبي هريرة ﷺ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال سفيان: مرة رواية: خمس من الفطرة: الختان، والاستحداد وقص الشارب، وتقليم الأظفار، ونتف الإبط. (مسند احمد، رقم: ۷۲۶۱).

(۲) قال الإمام البخاري: حدثنا علي حدثنا سفيان قال الزهري، ثنا عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة ﷺ، رواية: الفطرة خمس...وقص الشارب. (رواه البخاری: ۲/ ۸۷۴).

(۳) حدثنا أبوبكر بن أبي شيبة و(۴) عمرو الناقد و(۵) زهيربن حرب جميعاً عن سفيان قال أبوبكر حدثنا ابن عيينة عن الزهري عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة ﷺ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الفطرة خمس...وقص الشارب. (رواه مسلم: ۱/۱۲۸، فيصل).

ورواه ابن ماجه عن أبي بكر بن أبي شيبة مثله. (ابن ماجه، ۲۵).

ورواه أبويعلى عن عمرو الناقد عن سفيان، مثله. (رقم: ۵۸۷۲).

(۶) حدثنا مسدد حدثنا سفيان عن الزهرى عن سعيد عن أبي هريرة ﷺ يبلغ به النبي صلى الله عليه وسلم: الفطرة خمس...قص الشارب. (رواه ابوداود: ۲/۵۷۷/۴۲۰۰).

(۷) حدثنا زكريا بن يحيى بن أسد قال: ثنا سفيان بن عيينة عن الزهرى عن سعيد المسيب عن أبي هريرة ﷺ ...الخ. (أخرجه الإمام أبوعوانة فی مستخرجه، ۴۷۱).

أيضاً أخرجه البيهقي فی الصغرى (۳۴۶۴) **والكبرىٰ** (۷۰۶) **و معرفة السنن والآثار**

(۱۲۷۸) و شعب الإيمان (۸۲۶۹) و الآداب (۵۵۹) عن زكريا بن يحيى بن أسد .

(۸) إسحاق بن إبراهيم . قال ابن حبان أخبرنا عبد الله بن محمد الأزدى قال: حدثنا إسحاق بن إبراهيم قال: أخبرنا سفيان عن الزهرى عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة رضي الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم... الخ. (صحيح ابن حبان ، رقم: ۵۴۸۱).

(۹) سريج بن يونس. قال ابن حبان أخبرنا حامد بن محمد بن شعيب قال: حدثنا سريج بن يونس، قال: حدثنا سفيان عن الزهرى عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم... الخ. (صحيح ابن حبان ، رقم: ۵۴۸۲).

(۱۰) حدثنا الحميدى، قال: ثنا سفيان قال: سمعت الزهرى يقول: أخبرني سعيد بن المسيب عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم... الخ. (مسند الحميدى ، رقم: ۹۶۵).

وفي "جزء سفيان بن عيينة" (۶۸) : حدثنا عن الزهرى عن سعيد عن أبي هريرة رضي الله عنه يبلغ به النبي صلى الله عليه وسلم قال: الفطرة خمس أو خمس من الفطرة : الختان ، والاستحداد ونتف الإبط ، وقص الشارب ، وتقليم الأظفار .

مذکورہ بالا تفصیل سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ سفیان بن عیینہ سے لفظ "قص الشارب" نقل کرنے والے ۱۰ افراد کی ایک جماعت ہے، بنابریں لفظ "حلق الشارب" غیر محفوظ اور شاذ ہے۔

چنانچہ حافظ عراقیؒ فرماتے ہیں:

وقول الجماعة هو الصواب لحفظهم واتفاقهم ، ورواية النسائى المسئول عنها شاذة اللفظ لمخالفتها لرواية الثقات . (مسئلة فى قص الشارب، ص ۲۵، ط: دار البشائر الاسلامية).

سفیان بن عیینہؒ سے روایت کرنے والوں کی تفصیل مذکور ہوئی، اور سفیان عن الزہری روایت کرتے ہیں، تو اب سفیان کے متابع درجِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) ابراہیم بن سعد الزہری۔ (۲) یونس بن یزید الایلی۔ (۳) معمر بن راشد۔ (۴) زمعۃ بن صالح۔ یہ سب حضرات، ابن شہاب الزہری سے روایت کرتے ہیں اور سفیان کی طرح ان کی روایت میں بھی قص الشارب کا لفظ موجود ہے۔ درجِ ذیل تحریر میں ان کی روایات کی تخریج ملاحظہ ہو:

(ا) قال الإمام البخاري: حدثنا أحمد بن يونس حدثنا إبراهيم بن سعد حدثنا ابن شهاب عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه سمعت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يقول : الفطرة خمس : الختان ، والاستحداد، وقص الشارب...الخ. (رقم: ٥٨٩١،و٦٢٩٧).

(۲) يونس بن يزيد عن الزهرى . (اخرجه مسلم : ١/ ١٢٩، والنسائى :١/ ٧).

(۳) ومعمربن راشد عن الزهرى . (اخرجه الترمذى :٢/ ١٠٤، والنسائى :١/ ٧).

(۴) زمعة بن صالح عن الزهرى . (مسندابى داود الطيالسى :٦/ ٣٦٦/ ٢٤٠٤، نسخة المدينة).

تنبیہ: مسندطیالسی کے موجودہ نسخوں میں قص الشارب کالفظ نہیں ہے بلکہ سواک کا ذکر ہےاورزمعۃ اس میں متفرد ہے، اس رسالہ کے محقق عبدالرحیم بن مبارک الدرویش نے اس رسالہ کے حاشیہ میں لکھاہے کہ ایک محقق نسخہ میں قص الشارب کالفظ موجود ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

إن في إحدى النسخ كتب قص الشارب فوق قص الأظفار ". (ص٢٦،حاشيه نمبر٦).

یہ نسخہ جس میں قص الشارب موجود ہے، وہ نسخۃ المدینۃ (رمزله بـ د) ہے۔

قال الدكتور محمد بن عبد المحسن التركي: وتوجد هذه النسخة ضمن مجموعة طوبقبو سراى ، بمدينة استانبول ، في تركيا برقم: ٢٧٨، وتقع في مجلدة متوسطة، عدد أوراقها :٢٠٦ ورقة .

خلاصہ یہ ہے کہ سفیان کے چار متابع موجود ہیں اورسب جمہور کے موافق روایت بیان کرتے ہیں۔

پھر آگے سعید بن المسیب سے صرف ابن شہاب الزہری روایت کرتے ہیں۔

اورسعید بن المسیب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں تو سعید بن المسیب کے علاوہ (۱) سعید المقبر ی (۲) ان کے والد کیسان۔ (۳) اورابوسلمہ، یہ تینوں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

تخریج درجِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(ا) أخرج النسائى بسنده عن سعيد المقبرى عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: خمس من الفطرة: الختان، وحلق العانة ، ونتف الإبط، وتقليم الأظفار، وتقصير الشارب . (رقم: ٥٠٤٣،٢/ ٢٧٤).

(۲) **أخرج الإمام مالک موقوفاً عن سعيد بن أبي سعيد المقبری عن أبيه عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: خمس من الفطرة...الخ.** (المؤطا للامام مالك ،ص۷۱۲، كتاب الجامع ، ماجاء فی السنة فی الفطرة).

(۳) أبوسلمة بن عبدالرحمن عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ .

الأدب المفرد میں موجود ہے۔ملاحظہ ہو:

محمد بن إسحاق عن محمد بن إبراهيم عن أبي سلمة بن عبد الرحمن عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خمس من الفطرة:قص الشارب ...الخ. (رواه البخاری فی الادب المفرد، رقم: ۱۲۵۷).

وكذا أخرجه البزارفی مسنده (رقم:۷۶۷۷) **بسنده عن الزهری عن سعيد وأبي سلمة ، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: خمس من الفطرة...الخ .**

خلاصہ یہ ہے سعید بن المسیب کے علاوہ بھی ۳ حضرات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے دیگر صحابہ کرام بھی موجود ہیں۔مثلاً: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ،حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ،حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ،حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ،حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ، یہ تمام صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے "**قص الشارب**" کی روایت بیان کرتے ہیں۔تخریج درجِ ذیل ہے:

(۱) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت بخاری شریف میں ہے۔(۲/۸۷۵)اورنسائی میں "**أخذ الشارب**" کےلفظ سے ہے۔(نسائی:۱/۷)۔

(۲) حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسلم شریف میں ہے۔(۱/۱۲۹)۔

(۳) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث،ابوداود(۱/۸)اورابن ماجہ(۱/۲۵) میں ہے۔

(۴) ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث مسند بزار،وابی یعلی وطبرانی میں ہے۔

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث، مسلم شریف ،(۱/۱۲۹)،وترمذی شریف (۲/۹۹) ،وابن ماجہ(۲۶) میں ہے۔ **و فيه : وقت لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في قص الشارب...الخ .**

خلاصہ یہ ہے کہ نسائی شریف کی روایت،محمد بن عبداللہ بن یزید المکی کے طریق سے ہے،جس میں "حلق

الشارب“ آیا ہے، یہ شاذ ہے، محمد بن عبد اللہ بن یزید کے علاوہ تمام ”قص الشارب“ بیان کرتے ہیں۔ اور دوسرے حضرات حفظ واتقان میں بھی محمد بن عبد اللہ بن یزید سے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں۔

مزید براں سنن النسائی المجتبیٰ کے نسخہ میں ”أخذ الشارب“ ہے صرف سنن النسائی الکبریٰ کے نسخہ میں ”حلق الشارب“ آیا ہے۔اور سب نسخون کی سند ایک ہے، محمد بن عبد اللہ بن یزید راوی ہے، جو امام نسائیؒ کے شیخ ہیں۔

نسائی شریف کے حاشیہ میں علامہ سندیؒ نے فرمایا: وقد اختار كثير القص،وحملوا الحلق عليه.
نیز سنن النسائی الکبری کی تعلیق میں مرقوم ہے:

قال محمد بن عبد الله بن يزيد عن سفيان في هذا الحديث”حلق الشارب“ والمحفوظ عن سفيان ”قص الشارب“ كذا رواه جمهور أصحابه عنه، وكذلك أخرجه البخاري عن ابن المديني، ومسلم عن أبي بكربن أبي شيبة وعمرو الناقد و زهيربن حرب، كلهم عن ابن عيينة بذكر القص بدلاً من الحلق، وكذا رواه إبراهيم بن سعد عند البخاري (٢٥٩١،٢٦٩٧) **ويونس عند مسلم** (٢٥٧/٥). (تعليقات سنن النسائي الكبرى :٢/ ١٤/ ٩، دار التأصيل ، مركز البحوث وتغنية المعلومات). علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ”العرف الشذی“ میں فرمایا کہ لفظ ”الحلق“ غیر ثابت ہے۔(العرف الشذی:۲/۱۰۴،فیصل،دیوبند).

مذکورہ بالا حدیث کی تحقیق نقشہ ذیل میں ملاحظہ کیجئے:

حافظ عراقیؒ نے سنداً کلام فرمانے کے بعد متناً کلام فرمایا ہے جس کا خلاصہ حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

قائلینِ حلق یوں کہتے ہیں کہ قص کی روایات کو حلق پر محمول کریں کیونکہ گاہے گاہے حلق قینچی سے ہوتا ہے جیسے بکری کے بال،اس لیے کہ احادیث میں احفاء، جز کا حکم ہوا ہے، چنانچہ متفق علیہ کی روایت میں ”أحفوا الشوارب“،اور بخاری کی روایت میں ”أنهكوا الشوارب“،اور مسلم کی روایت میں ”جزوا الشوارب“ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

الجواب: (۱) علامہ عراقیؒ فرماتے ہیں کہ قص کا اطلاق حلق پر خلافِ ظاہر ہے کیونکہ بعض روایات میں تقصیر کا لفظ وارد ہوا ہے، جس سے قص کی مزید وضاحت ہوتی ہے اور تقصیر وحلق کے مابین فرق واضح ہے۔ تقصیر

(طبر
(ابو داود،ابن ماجة)
(مسلم،ترمذي، ابن ماجة)
(مسلم)
(بخاري)
أبو سلمة بن عبد الرحمن
(قص الشارب)
(الأدب المفرد للبخاري)
سعيد بن المسيب رحمۃ اللہ علیہ
مسلم بن شهاب الزهري
أبو سعيد المقبري
(قص الشارب)
(مؤطا مالك)
زمعة بن صالح
(قص الشارب) نسخة المدينة (د) (مطبوعة في تركيا)
(ترمذي،نسائي)
معمر بن راشد
(قص الشارب)
(ترمذي،نسائي)
سفيان بن عيينة رحمۃ اللہ علیہ
إبراهيم بن سعد
(قص الشارب)
(بخاري)
نس بن يزيد
ص الشارب)
سلم،نسائي)
سريح بن يونس
(قص الشارب)
(صحيح ابن حبا
إسحاق بن إبراهيم
(قص الشارب)
(صحيح ابن حبان)
حميدي
(قص الشارب)
(مسند الحميدي)
زكريا بن يحيى
(قص الشارب)
(أبو عوانة،بيهقي)
مسدد بن مسرهد
(قص الشارب)
(أبو داود)
زهير بن حرب
(قص الشارب)
(مسلم)
عمرو بن محمد الناقد
(قص الشارب)
(مسلم،أبو يعلى)
أبو بكر بن أبي شيبة
(قص الشارب)
(مسلم ، ابن ماجة)
علي بن المديني
(قص الشارب)
(بخاري)

سنن النسائي الكبرىٰ
عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه
سنن النسائي المجتبىٰ
بتحقيق شعيب
الأرنؤوط
حلق الشارب
(٩/٧٧/١)
دكتور عبد الغفار
سليمان البنداري و سيد
كسوري حسن
حلق الشارب (٩/٦٥/١)
حلق
و فيه ق
بن يزيد
الحدي
و المحف
الشارب
النظامية
حلق الشارب
المكتبة السلفية
بلاهور
أخذ الشارب
مكتبة تحقيق
التراث الإسلامي
أخذ الشارب
نسائي بتحقيق
الشيخ عبد الوارث
محمد علي
أخذ الشارب
نسائي بتحقيق الشيخ
عبد الفتاح أبو غدة
ط: حلب
أخذ الشارب (١٥/١)
نسائي بتعليق الألباني
أخذ الشارب
قال السندي :في حاشيته على النسائي
و قد اختار كثير القص
و حملوا الحلق و غيره عليه.
و لفظ حلق الشارب شاذ
قاله الحافظ العراقي في رسالة "مسألة في قص الشارب"
و العلامة أنور شاه الكشميري في (العرف الشذي(١٠٤/٢)
و الامام مالك رحمه الله

کے معنی ہیں کم کرنا یعنی بعض کو باقی رکھنا اور حلق کے معنی ہیں جڑ سے صاف کر دینا، اور عرف میں بھی دونوں علیحدہ معنی میں سمجھے جاتے ہیں۔

ایک حدیث شریف میں آتا ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کے بالوں کا حلق کرنے والوں کو تین مرتبہ دعا دی اور قصر کرنے والوں کو ایک مرتبہ۔

(۲) نیز ابن عمر رضی اللہ عنہ وابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں أحفوا کا لفظ آیا ہے، وہ تمام روایات میں نہیں، بلکہ مسند احمد کی روایت میں بجائے أحفوا الشوارب کے قصوا الشوارب وارد ہوا ہے۔(مسند احمد:۲/۲۲۹/۶۱۳۲).

(۳) دونوں کے درمیان تطبیق: أحفوا ، جزوا ، أنهكوا ، یہ الفاظ محمول ہیں کنارۂ لب پر اور قص، تقصیر منابتِ شعر پر، اس طرح تطبیق حاصل ہو جاتی ہے۔اس کی تائید درجِ ذیل روایت سے ہوتی ہے:

أخرج الإمام أحمد في مسنده ، وأبو داود في سننه ، والترمذی، فی الشمائل ، والنسائي في سننه ، من رواية مغيرة بن عبد الله عن المغيرة بن شعبة ، قال: كان شاربي وفى فقصه لي رسول الله صلى الله عليه وسلم على سواک ، أو قال: أقصه لک على سواک، واللفظ لأحمد (رقم:۱۸۲۱۲). **وإسناده صحيح ، ورجالهم محتج بهم في الصحيح .**

اگر حلق اور بالکل جڑ سے صاف کرنا مقصود ہوتا تو مسواک رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟

(۴) جن روایات میں الأخذ من الشارب کا لفظ آیا ہے وہاں من تبعیضیہ ہے اور تقصیر مراد ہے استیصال مراد نہیں ہے۔

حافظ عراقیؒ نے اس کے بعد صحابہ اور تابعین کے آثار نقل فرمائے ہیں۔چند ملاحظہ ہوں:

(۱) روى الإمام الأوزاعي عن عمر بن عبد العزيزؒ أنه قال: السنة في قص الشارب حتى يبدو الإطار . (اخرجه ابوعبيد القاسم بن سلام فی غريب الحديث:۵/۴۶۰).

الإِطار: بكسر الهمزة، هو حرف الشفة الأعلى الذی يحول بين منابت الشعر والشفة ذكره ابن الأثير فی النهاية (ص۴۰). **وينظر:** (المصنف لابن ابی شيبة ،رقم: ۲۶۰۱۱).

اور کسی صحابی یا تابعی کا یہ کہنا من السنة كذا مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔ **قال ابن الحنبلي فی قفو الأثر: وأما قول الصحابي:من السنة كذا، ذاكراً قولاً أوفعلاً ، فله حكم الرفع عند الأكثر، وهومذهب عامة المتقدمين من أصحابنا، ومختار صاحب البدائع من متأخريهم، قال**

ابن عبد البر من المالكية : وإذا قالها غير الصحابى فكذلك . (قفوالاثر،ص ۹٤،ط:حلب).

(۲) روى الإمام البيهقي في سننه الكبرى بإسناد جيد ، من رواية شرحبيل بن مسلم الخولاني قال: رأيت خمسة من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يقصون شواربهم ويعفون لحاهم . (السنن الكبرى:۱/۱۵۱).

(۳) وذكر الإحفاء في الشوارب عند مالك فقال: ينبغي أن يضرب من صنع ذلك، فليس حديث النبي صلى الله عليه وسلم في الإحفاء ولكن يبيح حرف الشفتين والفم. (السنن الكبرى للبيهقي : ۱/۱۵۱).

قال يحيى وسمعت مالكاً يقول: يؤخذ من الشارب حتى يبدو طرف الشفة وهو الإطار ولايجزه فيمثل بنفسه. (المؤطا للامام مالك، رقم: ١٦٤٢).

مصنف ابن ابی شیبہ میں چند آثار مذکور ہیں:

حدثنا معن بن عيسى، عن محمد بن هلال، قال: رأيت سعيد بن المسيب وعمربن عبدالعزيز وسالماً وعروة بن الزبير وجعفر بن الزبير وعبيد الله بن عبد الله بن عتبة وأبابكر بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام: لا يحفون شواربهم جداً، يأخذون منها أخذاً حسناً .

حدثنا شبابة قال: حدثنا سليمان بن المغيرة قال: رأيت حميدبن هلال والحسن وابن سيرين وعطاء وبكر بن عبد الله : لايحفون شواربهم . (مصنف ابن ابی شيبة : ۱۳/۱۱۱، باب من كان لا يحفى شاربه، ط: المجلس العلمی).

قص الشارب کی تحقیق فقہاء کے کلام کی روشنی میں:

مذہب احناف:

فقہائے احناف کے ہاں مختلف اقوال موجود ہیں: (۱) قص الشارب۔ (۲) حلق الشارب۔ (۳) حلق بدعت اور مکروہ ہے اور قصر سنت ہے۔

پھر فقہائے کرام کا اصول یہ ہے کہ جو فقہی روایت احادیث وآثار کے موافق ہو اسی کو لینا چاہئے ،اس اعتبار سے بھی قصر راجح ہوگا اور حلق مرجوح ہوگا۔ البتہ جائز دونوں ہیں۔

قال ابن عابدين الشاميؒ: قال في شرح المنية: ولاينبغى أن يعدل عن الدراية إذا

وافقتها رواية على ما تقدم عن فتاوى قاضيخان. (فتاوى الشامي: ٤٦٤/١ ،سعيد،وشرح المنية، ص٢٩٥ ،ط: سهيل). (وكذا في شرح معاني الآثار:٣٦٧/٢، باب حلق الشارب من كتاب الكراهية ،ط: سعيد).

فقہاء کی عبارات ملاحظہ کیجئے:

قال في رد المحتار: واختلف في المسنون في الشارب هل هو القص أو الحلق؟ والمذهب عند بعض المتأخرين من مشايخنا أنه القص، وقال في البدائع: وهو الصحيح، وقال الطحاويؒ: القص حسن، والحلق أحسن وهو قول علمائنا الثلاثة. (فتاوى الشامي: ٥٥٠/٢ ،سعيد).

وفيه أيضاً: إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة ،كان ترك السنة راجحاً على فعل البدعة. (فتاوى الشامي: ٦٤٢/١ ،سعيد).

وفي الدر المختار: حلق الشارب بدعة، وقيل: سنة. وفي رد المحتار: قوله: وقيل: سنة، مشى عليه في الملتقى وعبارة المجتبى بعد ما رمز للطحاويؒ حلقه سنة، ونسبه إلى أبي حنيفةؒ وصاحبيه: والقص منه حتى يوازى الحرف الأعلى من الشفة العليا سنة بالإجماع. (الدرالمختارمع رد المحتار: ٤٠٧/٦، سعيد).

ملاعلی قاریؒ شرح النقایہ میں فرماتے ہیں:

ويسن قص الشارب...قال الطحاويؒ في شرح الآثار: وقص الشارب حسن، وهوأن يأخذ منه حتى ينتقص عن الطرف الأعلى من الشفة العليا. وأجاز بعضهم حلقه لقوله عليه الصلاة والسلام:" أحفوا الشارب وأعفوا اللحى" وفسر الإحفاء بالاستيصال، ودفع بأنه: "قصوا الشارب وأعفوا اللحى" كما رواه أحمد عن أبي هريرةؓ وهوتفسير للإحفاء؛ ولأنه عليه الصلاة والسلام لم يحفظ عنه أنه حلق شاربه، بل قد ورد: " قصوا الشوارب مع الشفاه"، رواه الطبراني عن الحكم بن عمرو. (شرح النقاية: ٥٧/٤، امورالفطرة، بيروت).

وفي المحيط البرهاني: وينبغي للرجل أن يأخذ من شاربه حتى يصير مثل الحاجب ...وبه نأخذ، وعليه الفتوىٰ. (المحيط البرهاني: ١٢٠/٦، كتاب الكراهية ،ط: مكتبه رشيديه، كوئته).

وفي الفتاوى السراجية: ينبغي أن يأخذ الرجل من شاربه حتى يصير مثل الحاجب

وحلق الشارب بدعة . (الفتاوى السراجية،ص٣٣٧،ط: زمزم).

قال في البزازية : وينبغي للرجل أن ...يأخذ من شاربه حتى يصير كالحاجب . (فتاوى البزازية بهامش الفتاوى الهندية: ٦/٣٧٧).

قال في نفع المفتي والسائل: الاستفسار: هل يجوز حلق الشارب ؟

الاستبشار: الحلق ، قيل: سنة ، ونسبه الطحاوى إلى أبي حنيفةؒ ، ومحمدؒ ، كذا في خزانة الروايات عن الحميدى في كتاب الحج . وعن السغناقي: ومن الناس من قال: إن الحلق بدعة ، والقصر سنة ، وبه أخذ بعض المتأخرين من أصحابنا. (فتاوى اللكنوى ،ص٤٩١، مايتعلق بالنوم والقيام والقعود والكلام والختان).

وللاستزادة انظر: (البحر الرائق: ٨/٢٣٣، دارالمعرفة ،والفقه على المذاهب الاربعة،وعمدة القارى: ١٥/٨٦،دارالحديث ،ملتان،وبذل المجهود : ١/١٢٩،واوجزالمسالك : ١٦/ ٢٥٦، والفتاوى الهندية: ٥/٣٥٨).

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ شرح سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں:

وازکلام مصنف چناں معلوم شد کہ مذہبِ حنیفہؒ حلق است، واز طحاویؒ کہ قدوۂ علماء متقدمین است ایں مذہب نیز ظاہر شود چنانچہ گفت: طحاویؒ می گوید: چوں استحباب بقص مجمع علیہ است، حلق افضل بود قیاساً علی الرأس، ومصنف فی گوید: امادریں قیاس نظرست، چہ دراحفائے شارب قبح ظاہرست، ونوعےست از مثلہ واللہ اعلم۔ ونیز افضلیتِ حلق رأس غیر مسلم است مطلقاً چنانکہ معلوم شد تا افضلیتِ حلق شارب رابرآں قیاس کنند۔ ہذا ولیکن بودنِ مذہبِ حنفی افضلیت حلق شارب محل نظر است، بآنکہ ظاہراز کتبِ ایشاں آنست کہ سنت قص شارب، ساختن اومثل حاجب، وگفتہ اندکہ ’’ وبه نأخذ ، وعليه الفتوىٰ‘‘ ایں درغیر غازی ست، امادرحق غازی مندوب تطویل شارب ست، تادرچشم دشمناں مہیب نماید، کذافی مطالب المؤمنین نقلاً عن الذخيرة، ونیز از سراجیہ نقل کردہ کہ سنت قص شارب است تا ظاہر گردد، گرد برگرد لب، حلق شارب بدعت است۔ (شرح سفر السعادۃ: ۴۹۴)۔

خلاصہ یہ ہے کہ سفر السعادۃ کے مصنف علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب شیرازی، فیروز آبادی متوفی ۸۲۶ھ فرماتے ہیں: امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ مونچھ کے قصر کے استحباب پر اجماع ہے، اس لیے سر پر قیاس کرتے ہوئے مونچھ میں بھی حلق افضل ہے، پھر مصنفؒ لکھتے ہیں کہ سر پر مونچھ کو قیاس کرنا محل نظر ہے کیونکہ

مونچھوں کو بالکل صاف کرنا بہت برا معلوم ہوتا ہے اور مثلہ کی شکل بن جاتی ہے۔

اس پر حضرت شیخ عبدالحق محدثِ دہلویؒ فرماتے ہیں: سر کے حلق کا مطلقاً افضل ہونا مسلم نہیں ہے، کہ اس پر حلق شارب کے افضل ہونے کو قیاس کیا جائے؟ نیز حلق شارب کے افضل ہونے کو مذہبِ حنفی قرار دینا بھی مشکوک اور محل کلام ہے، کیونکہ کتبِ احناف سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ مونچھوں کو مثل حاجب کاٹنا سنت ہے۔ اور اسی کو فقہاء نے مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔

شیخ عبدالحق محدثِ دہلویؒ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں: وروایت کردہ شدہ است از امام ابوحنیفہؒ کہ شارب بمقدار ابرو باید۔ (اشعۃ اللمعات: ۱/۲۲۸، باب السواک، المکتبۃ الرشیدیہ)۔

کفایت المفتی میں ہے:

بہتر یہ ہے کہ مونچھوں کو قینچی سے کتروائے۔ (کفایت المفتی: ۹/۱۷۸، دارالاشاعت)۔

بہشتی زیور میں ہے:

لبون کا کتروانا، اس قدر کہ لب کے برابر ہو جائے سنت ہے، اور منڈانے میں اختلاف ہے، بعضے بدعت کہتے ہیں، بعضے اجازت دیتے ہیں، لہذا نہ منڈانے میں ہی احتیاط ہے۔ (بہشتی گوہر ص ۱۱۵)۔

امداد الاحکام میں ہے:

وفی هداية النور فی أحكام الشعور للمفتی سعد الله: حلق شعور بہروت بدعت است بر قولِ اصح، ابوالمکارم، وشرح مختصر زاہدی می آرد: حلق الشارب بدعة، وقيل: سنة، وفی النيل: وذهب كثير منهم إلى منع الحلق والاستيصال وإليه ذهب مالك، وكان يرى تأديب من حلقه، وروى عنه ابن القاسم أنه قال: إحفاء الشارب بدعة، قال النووی: والمختار أنه يقص حتى يبدو طرف الشفة ولا يحفيه من أصله، قال فی النهاية: إحفاء الشوارب أن يبالغ في قصها۔ پس مونچھوں کا مونڈنا اگرچہ ایک قول پر جائز ہے مگر راجح یہ ہے کہ بدعت ہے، اور سنت یہ ہے کہ قینچی سے کتروادے، اور کترنے میں مبالغہ کرے کہ بال کھال سے مل جائیں۔ (امداد الاحکام: ۴/۳۴۴، و۴/۳۴۲)۔

مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ فرماتے ہیں:

شوارب کا قطع کرنا اولیٰ ہے اور حلق کرنا مکروہ ہے۔ (معارفِ ترمذی: ۲/۴۰۵)۔

قاموس الفقہ میں ہے:

شوافع کے نزدیک قولِ مختار یہ ہے کہ اس طرح تراشے جائیں کہ ہونٹ کے کنارے صاف ہو جائیں، یہی رائے مالکیہ کی بھی ہے، اور یہی رائے نصوص اور انسانی عادت سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔ (قاموس الفقہ: ۱۷۹/۴)۔

حلال وحرام میں ہے:

اس سلسلہ میں اہل علم کی آراء مختلف ہیں اور ان کے پاس اپنی رائے کے لیے مناسب بنیادیں بھی موجود ہیں لیکن حدیث کے مجموعی الفاظ سے اسی کی تائید ہوتی ہے کہ معمولی طور پر مونچھیں تراشی جائیں۔ (حلال وحرام، ص:۸۵)۔

مجموعی بحث کا حاصل یہ ہے کہ فقہاء کی اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں۔ (۱) قصر یعنی تراشنا اور کم کرنا۔ (۲) حلق یعنی بالکل جڑ سے صاف کرنا۔ اور دونوں ہی جائز اور درست ہے۔ البتہ ہمارے نزدیک قصر والی روایت احادیثِ صریحہ صحیحہ کے موافق ہونے کی وجہ سے راجح اور اقویٰ ہے۔

مذہبِ مالکیہ:

امام مالکؒ کے نزدیک قصر افضل اور سنت ہے اور حلق جائز نہیں ہے، مثلہ کے حکم میں ہے، جو حلق کرتا اس کی پٹائی کا حکم فرماتے تھے، جیسا کہ موطا کے حوالہ سے گزرا۔ مزید ملاحظہ ہو:

قال ابن عبد البر: وقداختلف العلماء في حلق الشارب، فكان مالك يقول: السنة قص الشارب وهو أخذ الشعر من الإطاروهو طرف الشفة العليا. والحجة لمالك فيما ذهب إليه من ذلك قوله صلى الله عليه وسلم خمس من الفطرة فذكر منها قص الشارب ... و من الحجة له أيضاً حديث زيدبن أرقم قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من لم يأخذ من شاربه شيئاً فليس منا. وحديث عبد الله بن بسر قال: كان شارب رسول الله صلى الله عليه وسلم بحيال شفته وحديث المغيرة بن شعبة قال: ضفت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم...وأخذ من شاربي على سواك، وهذا كله لا يكون معه حلق ولا استيصال. (الاستذكار: ۵۷۶۸/۱)۔

مذہبِ شافعیہ:

علامہ نوویؒ نے فرمایا ہے کہ قص سنت ہے اور حلق مکروہ ہے۔

قال في شرح المهذب: وأما قص الشارب فمتفق على أنه سنة ودليله الحديثان السابقان...ولا يخفيه من أصله هذا مذهبنا...وهذه الروايات (أي: أحفوا، وجزوا، وأنهكوا) محمولة عندنا على الحف من طرف الشفة لا من أصل الشعر. (شرح المهذب: ١/ ٢٨٧، ط دار الفكر).

قال في أسنى المطالب شرح روض الطالب: ويكره الإحفاء . (٣٦٧/٣، دارالكتب العلمية).

مذہبِ حنابلہ:

قال في الشرح الكبير: ويستحب قص الشارب لأنه من الفطرة ويفحش إذا طال .

(الشرح الكبير: ١/٥ ١٠، دارالكتب العلمية).

وفي الفقه على المذاهب الأربعة: وتسن المبالغة في قص الشارب . (الفقه على المذاهب الاربعة: ٢/ ٣٨، كتاب الحظر والاباحة).

وفي الفقه الإسلامي وأدلته: ويخير عند الحنابلة بين القص والإحفاء، والحف أولىٰ نصاً . (الفقه الاسلامى وادلته: ١/ ٣٠٨، ط: دارالفكر).

فتاویٰ اسلامیہ میں ہے:

وأما حلق الشارب فلم يثبت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا عن أحد من أصحابه فيما نعلم، إنما ثبت منهم الحث على قصه وإحفائه، وقد صدر من اللجنة الدائمة للبحوث العلمي والإفتاء الفتوىٰ في ذلك . (فتاوى اسلامية: ٤/ ٥٦٥، للشيخ عبد العزيز بن عبدالله بن باز و الشيخ محمد بن صالح بن عثيمين و الشيخ عبد الله بن عبد الرحمن الجبرين).

وفي فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء: السنة قص الشارب لا حلقه لقول النبي صلى الله عليه وسلم: قصوا الشوارب وأعفوا اللحى خالفوا المشركين.

(٥/ ١٣٢، مكتبة المعارف، بالرياض). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سبالتین کے کاٹنے کا حکم:

سوال: کیا وہ پھیلا ہوا حصہ جو مونچھ کے دونوں کونے پر ہوتا ہے (سبالتین) جس سے ڈاڑھی مل جاتی ہے

وہ مونچھ کا حصہ ہے یا ڈاڑھی کا؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: سبالتین مونچھ کا حصہ ہے، ڈاڑھی میں شامل نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے: **و یشرع قص السبالتين مع الشارب لأنهما منه كما استظهره في فتح الباري.**

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ٥٢٦، باب الجمعة، قديمي).

وينظر: (فتاوى الشامي: ٢/٥٥٠، سعيد).

العرف الشذی میں ہے:

ولعل عمل السلف أنهم كانوا يقصرون السبالتين أيضاً، فإن في تذكرة الفاروق الأعظم ذكر أنه كان يترك السبالتين، واهتمام ذكر تركه السبالتين يدل على أن غيره لايتركهما، والله أعلم. (٣/٤١٤، مؤسسة ضحى للنشر والتوضيح).

أخرج الإمام أحمد في مسنده (٣٦/٦١٣/٢٢٢٨٣) **عن القاسم قال سمعت أبا أمامة** رضي الله عنه **يقول: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم على مشيخة من الأنصار بيض لحاهم ...إلى قوله: قال: فقال النبي صلى الله عليه وسلم: قصوا سبالكم ووفروا عثانينكم وخالفوا أهل الكتاب. وقال الشيخ شعيب الأرنؤوط في تعليقاته: إسناده صحيح.**

وأيضاً أخرجه الطبراني في الكبير (٨/٢٣٦/٧٩٢٤).

فتاویٰ محمودیہ میں مرقوم ہے:

ہونٹ کے قریب کے بال دونوں کناروں سے منڈوانا تاکہ کھاتے پیتے وقت منہ میں نہ جائیں درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/۴۱۵، جامعہ فاروقیہ)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عورت کی ڈاڑھی مونچھ صاف کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی عورت کی ڈاڑھی مونچھ نکل آئے تو صاف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: عورت کے لیے ڈاڑھی مونچھ صاف کرنا مستحب ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وفي تبيين المحارم: إزالة الشعر من الوجه حرام إلا إذا نبت للمرأة لحية أو شوارب فلا تحرم إزالته بل تستحب. (فتاوى الشامي: ٦/٣٧٣، سعيد).

قال في الديباج على مسلم: إذا نبت للمرأة لحية أو شوارب فلا يحرم إزالتها بل يستحب والنهي خاص بالحواجب وما في أطراف الوجه. (الديباج :٥/١٦٢،للعلامة السيوطى).

(وكذا في التيسيربشرح الجامع الصغيرللعلامة المناوى:٢/٥٧١،وشرح النووى على مسلم:١/١٢٩،باب خصال الفطرة،وفتح البارى : ١٠/٣٧٨،ومرقاة المفاتيح:١٣/١٦٢،باب الترجل).

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی:۸/۷۵،وفتاویٰ رحیمیہ:۵/۷۴،وکتاب الفتاویٰ:۱۴۸،وآپ کے مسائل اوران کاحل: ۳۲۲/۸)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فصل دوم
بالوں سے متعلق احکام کا بیان

حاجبین کے بال ٹھیک کرنے کا حکم:

سوال: اگر حاجبین کے بال لمبے ہوں تو ان کا کاٹنا اور ٹھیک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز حدیث شریف میں" لعن اللّٰہ المتنمصات "آیا ہے اس کی کیا توجیہ ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ حاجبین کے بال اگر حد سے زیادہ لمبے ہوں اور گھنے ہوجائیں کہ قابل نفرت معلوم ہوں تو ان کا کاٹنا اور ٹھیک کرنا جائز اور درست ہے، یہ ازالہ عیب کے قبیل سے ہے، ہاں بلاضرورت کاٹنا اور باریک کرنا جیسا کہ اس زمانہ میں اکثر بازاری عورتوں کا طریقہ ہے یہ جائز اور درست نہیں حدیث شریف میں اسی کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی الشامی میں ہے:

وفي التاتارخانية عن المضمرات : ولا بأس بأخذ الحاجبين وشعر وجهه ما لم يشبه المخنث ، ومثله في المجتبى . (فتاوى الشامي: ٣٧٣/٦،ط:سعيد، ٤١٨/٢،سعيد).

(وكذا في الفتاوى الهندية: ٣٥٨/٥، والموسوعة الفقهية الكويتية: ٢٧٣/١١).

آپ کے مسائل میں ہے:

بھوؤں کے بال بڑھ جائیں تو ان کو کٹوانا جائز ہے مگر نوچنے سے اکھیڑنا درست نہیں۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۴۷/۸،طبع جدید)۔

حدیث شریف کی توجیہ ملاحظہ کیجئے:

موجودہ دور کے فیشن کے اتباع میں بھوؤں کو باریک کرنا یہ ناجائز ہے جیسا کہ اکثر عورتیں کرتی ہیں۔

قال الإمام أبو داود: وتفسير الواصلة :...والنامصة : التي تنقش الحاجب حتى ترقه .

امام ابوداودؒ فرماتے ہیں کہ " نامصه "اس عورت کو کہتے ہیں جو بھوؤں کو باریک کرتی ہے۔(سنن ابی داود:۲/ ۲۱۸).

قال في البحر الرائق: والنامصة : هي التي تنقص الحاجب لتزينه ، والمتنمصة: هي التي يفعل بها ذلك . (البحر الرائق: ٦/ ٨٨، باب البيع الفاسد،دارالمعرفة ، وكذا فتح القدير: ٦/ ٤٢٦، بيروت).

قال ابن عابدين الشاميؒ: قوله والنامصة : ذكره في الاختيار أيضاً وفي المغرب: النمص نتف الشعر ومنه المنماص المنقاش، ولعله محمول على ما إذا فعلته لتتزين للأجانب وإلا فلو كان في وجهها شعر ينفر زوجها عنها بسببه ففي تحريم إزالته بعد لأن الزينة للنساء مطلوبة للتحسين إلا أن يحمل على ما لا ضرورة إليه لما في نتفه بالمنماص من الإيذاء .

(فتاوى الشامي: ٦/ ٣٧٣، سعيد).

شیخ ربیع بن حبیب الازدی البصریؒ فرماتے ہیں کہ نامصہ اس عورت کو کہتے ہیں جو حاجبین کے بال کاٹ لے تاکہ باریک سیدھی لکیر بن جائے۔**قال الربيع: النامصة التي تأخذ من شعر حاجبها ليكون رقيقاً معتدلاً .** (مسند الربيع ، ص ٢٥٠ ،ط: بيروت).

فتاویٰ بینات میں ہے:

عورتوں کے لیے بھویں بنانا دھاگہ یا کسی اور چیز سے جائز نہیں ہے۔حدیث شریف میں ایسی عورتوں پر لعنت آئی ہے اور ایسا کرنا تغییر لخلق اللہ کے زمرہ میں آتا ہے،جیسا کہ حدیث میں ہے: "**لعن الله الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة**" ۔البتہ قینچی کی مدد سے کم کرسکتی ہے،جبکہ مخنث کی مشابہت نہ ہو۔

(فتاویٰ بینات:۴/ ۴۰۶،مکتبہ بینات)۔ مزید ملاحظہ ہو: (جدید فقہی مسائل:۱/ ۳۱۰،نعیمیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بطورِ فیشن ابرویں باریک کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کی نئی نئی شادی ہوئی ہے اس کی بیوی ابرویں کاٹتی ہے اور اس کا باریک خط بناتی ہے تو یہ شخص پوچھنا چاہتا ہے کہ اس کی بیوی کا یہ فعل درست اور جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شریعتِ مطہرہ میں ابرویں باریک لکیر کی طرح بنانے کی ممانعت حدیث شریف میں

صراحت کے ساتھ وارد ہوئی ہے لہذا اس شخص کو چاہئے کہ اپنی بیوی کو حکمت کے ساتھ اس فعل سے باز آنے کی ترغیب دے اور روکے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عبد الله قال: لعن الله الواشمات والموتشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله فبلغ ذلک امرأة من بني أسد يقال لها أم يعقوب فجاء ت فقالت: إنه بلغني عنک أنک لعنت كيت وكيت فقال: وما لي لاألعن من لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم ومن هو في كتاب الله فقالت: لقد قرأت مابين اللوحين فما وجدت فيه ما تقول، فقال: لئن كنت قرأتيه لقد وجدتيه أما قرأت ﴿وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا﴾... الخ. (صحيح البخارى:٢/٧٢٥/٤٨٨٦، كتاب التفسير، فيصل).

عن ابن عباس رضي الله عنه قال: لعنت الواصلة والمستوصلة والنامصة والمتنمصة والواشمة والمستوشمة من غير داء. قال أبوداود: وتفسير الواصلة التي تصل الشعر بشعر النساء ... والنامصة: التي تنقش الحاجب حتى ترقه والمتنمصة المعمول بها. (رواه ابوداود: ٢/٢١٨)

ابوداود شریف کی شرح میں ہے:

الإسلام دين الوسطية والاعتدال في كل شيء، ومن ذلک الاعتدال في الملبس والترجل والتنعم والتطيب، فلا يكون الإنسان مبالغاً أومفرطاً، وإنما يلزم الوسط في جميع أموره وأحواله، وقد حرم الإسلام تغيير خلق الله، فلعن الواصلة والمستوصلة والنامصة والمتنمصة والواشمة والمستوشمة. (شرح سنن ابى داو دلعبدالمحسن العباد:٢٣/٢٦٩).

قال الإمام النوويؒ: والنامصة التي تأخذ من شعر حاجب غيرها، وترققه ليصير حسناً والمتنمصة: التى تأمر من يفعل بها ذلک. (رياض الصالحين:٢/٢٣٨، باب تحريم وصل الشعر والوشم).

مزید ملاحظہ ہو: (فتح الباری:۱۰/۳۷۷، وعمدۃ القاری:۱۳/۲۸۸، وفتاویٰ بینات:۴/۴۰۶)۔

آپ کے مسائل میں ہے:

بھویں بنانے والی عورتوں پر لعنت آئی ہے، پھر یہ گناہ کیوں نہ ہوگا؟ (آپ کے مسائل اوران کا حل:۸/۳۲۲، طبع جدید)۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

اس زمانے کے فیشن میں ایک یہ بھی ہے کہ خواتین مصنوعی طور پر اپنی بھوؤں کو باریک ظاہر کرنے کی غرض سے کناروں سے اس کے بال مونڈتی یا اکھاڑتی ہیں اور اسے بہ تکلف آراستہ کرنے کی سعی کرتی ہیں، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ درست نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے چہرہ کے بال نوچنے والی اور اس کام میں مدد لینے والی عورت پر لعنت منقول ہے۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/۳۱۰)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مصنوعی پلکیں لگوانے کا حکم:

سوال: ایک عورت کی آنکھوں کی پلکیں کسی وجہ سے گرگئی ہیں تو اب اس کے لیے اپنی آنکھوں پر مصنوعی پلکیں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شریعتِ مطہرہ نے جسمانی وضع قطع اور زینت اختیار کرنے میں اعتدال کو محبوب اور پسند کیا ہے اور مبالغہ فی الزینت اور ہر قسم کے فیشن کے پیچھے بھاگنے کو ناپسند نگاہ سے دیکھا ہے، بایں وجہ جسمانی اعتبار سے کوئی عیب ونقص کے ازالہ کی تو اجازت دی ہے، لیکن حدِ اعتدال سے تجاوز کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے، چنانچہ اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے صورتِ مسئولہ میں ازالہ عیب کی وجہ سے پلکیں بنوانا تو جائز اور درست ہے جبکہ انسانی بالوں سے نہ بنائی جائیں، البتہ محض بطورِ فیشن پلکوں کو لمبی ظاہر کرنے کے لیے بنوانا جائز اور درست نہیں ہے۔

انسانی بالوں کو جوڑنا ناجائز ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف کی روایت میں ہے:

عن أسماء بنت أبي بكر رضي الله عنها قالت: لعن النبي صلى الله عليه وسلم الواصلة والمستوصلة. (رواه البخاري، رقم: ٥٩٣٦).

الدر المختار میں ہے:

ووصل الشعر بشعر الآدمي حرام سواء كان شعرها أو شعرغيرها لقوله صلى الله عليه وسلم ...وفي الشامية: قوله سواء كان شعرها أوشعرغيرها، لما فيه من التزوير ... وفي شعر غيرها انتفاع بجزء الآدمي أيضاً، لكن في التاتارخانية: وإذا وصلت المرأة شعر غيرها بشعرها فهومكروه، وإنما الرخصة في غير شعر بني آدم تتخذه المرأة لتزيد في قرونها، وهو مروي عن أبي يوسف رحمه الله، وفي الخانية ولا بأس للمرأة أن تجعل في قرونها

وذوائبها شيئاً من الوبر. (فتاوى الشامي: ۶/۳۷۳، سعيد).

آپ کے مسائل میں ہے:

پلکیں بنانے کا فعل جائز نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی ہے، بنانے والی پر بھی اور بنوانے والی پر بھی۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸/۳۲۳، طبع جدید)۔

مزید ملاحظہ ہو: (قاموس الفقہ: ۴/۱۹۷)۔

ہاں بوقتِ ضرورت ازالہ عیب کی خاطر انسانی بال کے علاوہ سے بنانے کی اجازت ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو سونے کی ناک بنانے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن عبد الرحمن بن طرفة عن عرفجة بن أسعد رضي الله عنه قال: أصيب أنفي يوم الكلاب في الجاهلية فاتخذت أنفاً من ورق فأنتن على فأمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن اتخذ أنفاً من ذهب . (رواه الترمذي: ۲/۳۳۶، باب ماجاء في شدالاسنان بالذهب).

حضرت عرفجہ بن اسعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یوم الکلاب میں میری ناک کٹ گئی اور میں نے چاندی کی ناک بنوائی تو وہ بد بودار ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی ناک بنوانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

فتاوی قاضیخان میں ہے:

وإن سقطت ثنية الرجل قال أبوحنيفة: يكره أن يعيدها ويشدها ولكن يأخذ من شاة ذكية ويشدها مكانها، وذكر محمد في الجامع الصغير: إذا تحرك سن الرجل فشدها بذهب قال محمد: لا بأس به... وكذا إذا سقطت سنه لا بأس بأن يتخذ سناً من فضة. (فتاوى قاضيخان بهامش الفتاوى الهندية: ۳/۴۱۳). (وكذا في البدائع: ۵/۱۳۲).

البتہ بطورِ فیشن مصنوعی پلکیں لگانے میں متعدد خرابیاں پائی جاتی ہیں ان کی وجہ سے اجتناب کرنا چاہئے۔

چند خرابیاں حسبِ ذیل درج ہیں:

(۱) یہ غیروں کا طریقہ کار ہے، اس میں تشبہ بالکافرات والفاسقات ہے بنابریں مسلمان خواتین کو اس سے بچنا ضروری ہے۔

(۲) اطباء کی رائے کے پیش نظر مصنوعی پلکیں لگانا آنکھوں کے لیے ضرر رساں ہے۔

(۳) مصنوعی پلکیں لگانے میں تزویر اور ایک قسم کا دھوکا ہے۔ حدیث شریف میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔

احسن الفتاویٰ میں بیوٹی پارلر جا کر میک اپ کرانے کے بارے میں جو فسادات بیان کیے ہیں ان میں یہ بھی ہے: ''صورتِ اصلیہ چھپانے کا فریب''۔ (احسن الفتاویٰ: ۸/۷۱)۔

خواتین کے فقہی مسائل میں ہے:

...یہ بات جان لیں کہ بیوٹی پارلر میں جا کر نت نئے ایجاد کردہ فیشن اختیار کرنے سے خواتین کے چہرے، جسم اور بالوں کا فطری اور قدرتی حسن ختم ہوجاتا ہے، اس سے بہت نقصانات ہوتے ہیں، ایک تو طبی نقصان، دوسرا طبعی نقصان۔ (خواتین کے فقہی مسائل، ص ۲۲۵)۔

نیز یہ فیشن زیادہ تر عرب ممالک میں رائج ہے لہذا عرب علماء کے فتاویٰ ملاحظہ کیجئے:

فتاوی اللجنة الدائمة میں مرقوم ہے:

لا يجوز استخدام الأظافر الصناعية والرموش المستعارة والعدسات الملونة لما فيها من الضرر على محالها من الجسم ولما فيها أيضاً من الغش والخداع وتغيير خلق الله.

(فتاوى اللجنة الدائمة: ١٧/١٣٣).

فتاویٰ علماء البلد الحرام میں ہے:

...بل على المرأة أن ترضى بما قدر الله، ولا تفعل ما فيه تدليس أو جمال مستعار، فالمستشبع بما لم يعط كلابس ثوبي زور. (فتاوى علماء البلدالحرام، ص ١٩١٥). **واللہ ﷻ اعلم۔**

جسم کی مختلف جگہوں کے بال صاف کرنے کا حکم:

سوال: سرین کے بالوں کو صاف کرنے کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح سینہ، پیٹ، پنڈلی اور رانوں کے بال صاف کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: جسم کے زائد بال مثلاً زیرناف اور بغل وغیرہ کا دور کرنا ہفتہ میں ایک مرتبہ مستحب ہے، اور چالیس دن تک ترک کرنا مکروہ ہے، اس کے علاوہ مثلاً: سینہ، پیٹ، پیٹھ اور رانوں کے بال صاف کرنے کو فقہاء نے خلافِ ادب لکھا ہے یعنی ضرورت ہو تو صاف کرسکتے ہیں ورنہ بلاضرورت اچھا نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أنس رضي الله عنه قال: وقت لنا في قص الشارب وتقليم الأظفار ونتف الإبط وحلق العانة أن لا نترك أكثر من أربعين ليلة . (رواه مسلم، رقم: ۲۵۸).

قال النووي: معناه لا نترك تركاً نتجاوز به أربعين لا أنه وقت لهم الترک أربعين .

(شرح مسلم: ۱/۱۲۸).

عن أم سلمة رضى الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا أطلى بدأ بعورته فطلاها بالنورة ، وسائرجسده أهله . (رواه ابن ماجه،رقم: ۳۷۵۱) وفي الزوائد: هذا حديث رجاله ثقات، وهو منقطع ، وحبيب بن أبي ثابت لم يسمع من أم سلمة رض قاله أبوزرعة .

قال فی فيض القدير: وتوقف المؤلف في كونها سنة قال: لاحتياجه إلى ثبوت الأمر بها كحلق العانة ونتف الإبط وفعله وإن كان دليلاً على السنة فقد يقال: هذا من الأمور العادية التي لايدل فعله لها على سنة وقد يقال: فعله بياناً للجواز ككل مباح ...الخ. (فيض القدير: ۵/۱۳۴،ط:بيروت).

البحر الرائق میں ہے:

بخلاف شعر الصدر والساق لأنه لا يتعلق به الجمال . (۳۷۷/۸، دارالمعرفة).

وفي الفتاوى الهندية: ولايحلق شعر حلقه وعن أبي يوسف لا بأس بذلک ولابأس بأخذ الحاجبين وشعر وجهه مالم يتشبه بالمخنث كذا فى الينابيع ...وفی حلق شعر الصدر والظهر ترک الأدب كذا فى القنية . (الفتاوى اللهندية: ۵/۳۵۸).

(و كذا فی فتاوی الشامی: ۶/۴۰۷،سعيد).

فتاویٰ رشدیہ میں ہے:

..اور پنڈلی اور ران کے بال کا دور کرنا درست ہے کہ آپ علیہ السلام تمام بدن پر سوائے چہرہ کے نورہ کرتے تھے، واللہ اعلم۔ (فتاویٰ رشدیہ،ص ۶۳۰،اردو بازار، لاہور)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے:

سینہ اور شکم کے بال منڈانا درست ہے اور رخسار کے بال دفع کرنا ترکِ اولیٰ ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ،ص ۶۳۲)

بہشتی زیور میں ہے:

اس کے علاوہ (یعنی سر، چہرہ، ناک، موئے زیرناف اور بغل) اور تمام بدن کے بالوں کا مونڈنا، رکھنا دونوں درست ہیں۔ (بہشتی زیور، حصہ ۱۱، ص ۹۶۸)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے:

سینہ اور پشت کے بال بنانا جائز ہے مگر خلافِ ادب اور غیر اولیٰ ہے۔ (بہشتی زیور، حصہ ۱۱، ص ۹۶۷)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: کیا مرد اور عورتیں اپنی ٹانگوں کے بال ٹخنوں تک منڈوا سکتے ہیں؟

الجواب: ایسا کرنا بہتر نہیں، مگر حرام بھی نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/۴۴۴، جامعہ فاروقیہ)۔

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے:

فخذ اور ساق وغیرہ کے بال کا حلق جائز ہے بعض کے متعلق تو فقہاء نے صراحۃً لکھا ہے مثلاً عالمگیری، شامی وغیرہ کے کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے: **لا بأس بأخذ الحاجبين وشعر الوجه مالم يتشبه بالمخنث كذا في الينابيع** ...اور ساق کے بالوں کے متعلق حضرت گنگوہیؒ کے فتاویٰ میں تصریح جواز بحوالہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام بدن پر سوائے چہرہ کے نورہ کرتے تھے۔ (امداد المفتین: ۲/۸۱۷، دار الاشاعت)۔

مزید ملاحظہ کیجئے: (فتاویٰ بینات، جلدِ چہارم، ص ۴۰۷، ط: مکتبہ بینات، وامداد الفتاویٰ: ۴/۲۲۴، وکتاب الفتاویٰ: ۶/۱۴۲، ۱۴۳، وجدید فقہی مسائل: ۱/۳۱۲)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

گردن کے بال صاف کرنے کا حکم:

سوال: عام طور پر لوگ سر کے بال کٹاتے وقت گردن کے بال بھی صاف کرتے ہیں، کیا گردن کے بال منڈانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: گردن کے بال منڈانا جائز اور درست ہے۔

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے:

گردن کے بال جو کہ کانوں کے لو کے نیچے ہوتے ہیں تراشنا یا منڈانا ان کا جائز ہے۔ **كذا يشير إليه بعض ألفاظ الشامي من الحظر والإباحة وكذا صرح به حضرة الشيخ الگنگوهيؒ في فتاواه: ۲/۸۳.**

(امداد المفتین، جلد دوم، ص ۸۱۸، دار الاشاعت)۔

امداد الاحکام میں ہے:

خلاصہ یہ ہے کہ گردن اور رخسار کے بال مونڈ نا جائز اور حلق میں اختلاف ہے۔(امداد الاحکام:۴/۳۳۴)۔

فتاویٰ رشدیہ میں ہے:

گردن جدا عضو ہے اور سر جدا ہے لہذا گردن کے بال منڈانا درست ہے سر کا جوڑ علیحدہ کان کی لو کے پیچھے معلوم ہوتا ہے اس سے نیچے گردن ہے۔(فتاویٰ رشیدیہ ص ۶۳۰، اردو بازار، لاہور)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

زائد بالوں کو استرے سے صاف کرنے کا حکم:

سوال: کیا عورت اپنے زائد بالوں کو استرے یا بلیڈ سے صفائی کر سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ایسا کرے تو مکروہ ہے یا مباح یا خلافِ اولیٰ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ عورتیں اپنے جسم کے زائد بالوں کو استرے یا بلیڈ سے صاف کر سکتی ہیں، البتہ زیر ناف کے بال اکھاڑنا ان کے حق میں زیادہ بہتر ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه، رواية : الفطرة خمس أو خمس من الفطرة : الختان والاستحداد ونتف الإبط وتقليم الأظفار وقص الشارب . (رواه البخاري :۲/ ۸۷٤، باب قص الشارب، فيصل).

بعض روایات میں حلق العانة کا لفظ وارد ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن ابن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من الفطرة حلق العانة وتقليم الأظفار وقص الشارب . (رواه البخاري:۲/۸۷۵، رقم: ۵۸۹۰، فيصل).

والاستحداد أى حلق العانة وهو استفعال من الحديد وهو استعمال الحديد من نحو الموسى في حلق العانة ذى الشعر الذى حوالى ذكر الرجل وفرج المرأة . (مرقاة المفاتيح: ۲۸۹/۸، ط: امداديه، ملتان).

قال الإمام النووي رحمه الله: وأما الاستحداد فهو حلق العانة سمى استحداداً لاستعمال الحديدة و هى الموسى و هو سنة و المراد به نظافة ذلك الموضع والأفضل فيه الحلق ... والمراد بالعانة الشعر الذي فوق ذكر الرجل وحواليه و كذلك الشعر الذى حوالى فرج

المرأة . (شرح مسلم : ۱/۱۲۸، باب خصال الفطرة).

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

والاستحداد استعمال الحديد في شعر العانة وهي إزالته بالموسى هذا في حق الرجال وأما النساء فلايستعملن إلا النورة أو غيرها مما يزيل الشعر . (عمدة القارى: ۱۳/ ۲۱۹،ط:ملتان).

قال العلامة الكشميرىؒ في فيض البارى: اعلم أن اللفظ في حق النساء وإن كان الاستحداد لكن الفقهاء صرحوا بأن الأولى فيهن استعمال النورة وكأن المراد منه مايقوم مقام الاستحداد في حقهن . (فيض البارى: ٤/ ٣٠٧و٣٠٨، باب لايطرق اهله ليلاً).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وفي الأشباه : والسنة في عانة المرأة التنف . (فتاوى الشامى: ٦/ ٤٠٦، سعيد). وكذا فى الاشباه : ٣/ ٧٣، احكام الانثى).

علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں:

والسنة في حلق العانة أن يكون بالموسى لأنه يقوى وأصل السنة يتأدى بكل مزيل لحصول المقصود وهو النظافة وإنما جاء الحديث بلفظ الحلق لأنه الأغلب وسواء فى ذلك الرجل و المرأة و قال النوويؒ : الأوليٰ في حقه الحلق و فى حقها النتف . (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص ٥٢٧، باب الجمعة، تكميل ، ط: قديمى كتب خانه).

بہشتی زیور میں ہے:

موئے زیر ناف میں مرد کے لیے استرے سے دور کرنا بہتر ہے...اور عورت کے لیے موافق سنت کے یہ ہے کہ چٹکی یا چمٹی سے دور کرے استرہ نہ لگے۔(بہشتی زیور،حصہ ۱۱،ص ۹۶۸،المکتبۃ المدنیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

زائد بالوں کو کریم (cream) کے ذریعہ صاف کرنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی عورت یا مرد اپنے جسم کے زائد بال مثلاً سینہ، ہاتھ اور پیر کے بالوں کو کریم (cream) وغیرہ کے ذریعہ صاف کرلیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ کریم، پاؤڈر وغیرہ سے بالوں کی صفائی جائز اور درست ہے، حدیث شریف میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نورہ استعمال فرمایا تھا۔ نیز فقہاء نے بھی اس کی اجازت دی ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا أطلى بدأ بعورته فطلاها بالنورة ، وسائرجسده أهله . (رواه ابن ماجه،رقم: ٣٧٥١) **وفي الزوائد: هذا حديث رجاله ثقات، وهو منقطع ، وحبيب بن أبي ثابت لم يسمع من أم سلمةؓ قاله أبوزرعة .**

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: **وأما النساء فلا يستعملن إلا النورة أو غيرها مما يزيل الشعر.** (عمدة القاری: ٢٢٢/٢٠ ،داراحیاء التراث العربی،بیروت).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: **و لو عالج بالنورة في العانة يجوز كذا في الغرائب .** (الفتاوى الهندية : ٣٥٨/٥). (و كذافي فتاوى الشامي: ٤٠٦/٦ ، سعيد).

حاشية الطحطاوى میں ہے:

وأصل السنة يتأدى بكل مزيل لحصول المقصود وهو النظافة وإنما جاء بالحديث بلفظ الحلق لأنه الأغلب. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ، ص ٥٢٧، باب الجمعة ، ط: قديمى).

البحر الرائق میں ہے:

والإزالة لا تختص بالموسى بل بأى آلة كانت أو بالنورة. (البحرالرائق: ٣٧٢/٢، دارالمعرفة).

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

إن إزالته قد تكون بالنورة وقد ثبت أنه عليه الصلاة والسلام استعمل النورة على ما ذكره السيوطيؒ في رسالته . (مرقاة المفاتيح: ٣٠٢/٢، باب السواك).

بہشتی زیور میں ہے:

ہڑتال وغیرہ کوئی اور دوا لگا کر زائل کرنا بھی جائز ہے۔ (بہشتی گوہر، حصہ ۱۱، ص ۹۶۸، المکتبۃ المدنیہ)۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

آج کل بعض کریم اور صابن خاص اس مقصد کے لیے بنائے جاتے ہیں کہ ان کے ذریعہ جسم کے فاضل اور غیر ضروری بال صاف کردئے جائیں، زیر ناف وغیرہ کے بالوں کے لیے ان کے استعمال میں کچھ مضائقہ

نہیں۔(جدید فقہی مسائل:۱/۳۱۲)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

مردوں کے لیے استرہ وغیرہ سے صاف کرنا اور عورتوں کے لیے اکھاڑنا مستحب ہے پاؤڈر اور کریم کا استعمال بھی جائز ہے۔(احسن الفتاویٰ:۸/۷۸)۔

فتاویٰ بینات میں ہے:

البتہ ان زائد بالوں کو نوچ کر نکالنا مناسب نہیں، کیونکہ اس میں بلاوجہ اپنے جسم کو اذیت دینا ہے، کسی پاؤڈر وغیرہ کے ذریعہ صاف کرلیا جائے تو زیادہ بہتر ہے، بحوالہ شامی۔(فتاویٰ بینات، جلدِ چہارم، ص۴۰۷)۔

واللہ ﷻ اعلم۔

مقعد کے اردگرد کے بالوں کی صفائی کا حکم:

سوال: مقعد کے اردگرد کے بال حلق العانۃ میں داخل ہیں یا نہیں؟ ان کا حلق ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مشہور قول کے موافق حوالی مقعد کے بال حلق العانۃ کے حکم میں داخل نہیں اور ان کا حلق ضروری نہیں البتہ فقہاء نے نجاست کے معلق ہونے کی وجہ سے ان کی صفائی کو اولیٰ اور بہتر فرمایا ہے اور علامہ شامیؒ نے زیادہ مؤکد قرار دیا ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

والعانة الشعر القريب من فرج الرجل والمرأة ومثلها شعر الدبربل هوأولىٰ بالإزالة لئلا يتعلق به شيء من الخارج عند الاستنجاء بالحجر. (فتاوى الشامي: ٢/ ٤٨١،سعيد).

حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

ثم العانة :هى الشعر الذى فوق الذكر وحواليه وحوالى فرجها ويستحب إزالة شعر الدبر خوفاً من أن يتعلق به شيء من النجاسة الخارجة فلا يتمكن من إزالته بالاستجمار.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص٥٢٧، قديمى).

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں:

الشعر الذى حوالى ذكر الرجل وفرج المرأة زاد ابن شريح وحلقة الدبرفجعل العانة منبت الشعرمطلقاً والمشهورالاول . (مرقاة المفاتيح: ٨/ ٢٨٩،باب الترجل، امداديه ملتان).

قال الإمام النوویؒ: ونقل عن أبی العباس بن سریج أنه الشعر النابت حول حلقة الدبر فیحصل من مجموع هذا استحباب حلق جمیع ما علی القبل والدبر وحولهما. (شرح مسلم: ۱/۱۲۸، باب خصال الفطرة).

حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ نے احسن الفتاویٰ میں ان بالوں کی صفائی کو واجب قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

...اور دبر کے بال صاف کرنا واجب ہے، دبر کے بالوں کی صفائی کو طحطاویؒ نے مستحب لکھا ہے مگر علامہ ابن عابدینؒ نے اس کا حکم بھی عانہ کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ مؤکد قرار دیا ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۸/۷۸)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

موئے بغل مونڈنے کا حکم:

سوال: بغل کے بالوں میں اکھاڑنا بہتر ہے یا مونڈنا؟

الجواب: احادیث اور فقہاء کی عبارات کی روشنی میں اکھاڑنا بہتر معلوم ہوتا ہے تاہم اگر کسی کو اکھاڑنے میں اذیت محسوس ہوتی ہو تو مونڈنا بھی جائز ہے، کیونکہ مقصود محل کی صفائی ہے جو مونڈنے میں حاصل ہو جاتی ہے۔

ملاحظہ ہو مجمع الانہر میں ہے: **والسنة نتف الإبط.** (مجمع الانهر شرح ملتقی الابحر: ٤/٢٢٤، ط: بیروت).

وفی الفتاوی الهندیة: وفی الإبط یجوز الحلق والنتف أولیٰ. (الفتاوی الهندیة: ٥/٣٥٨).

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

ہفتم برکندن موئے بغل ست وحلق کردن ونورہ زدن نیز جائز ست۔ (اشعۃ اللمعات: ۱/۲۲۹، المکتبۃ الرشیدیۃ).

شرح مسلم میں امام نوویؒ فرماتے ہیں:

أما نتف الإبط فسنة بالاتفاق والأفضل فیه النتف لمن قوی علیه ویحصل أیضاً بالحلق وبالنورة وحکی عن یونس بن عبد الأعلی قال: دخلت علی الشافعیؒ وعنده المزین یحلق إبطه فقال الشافعی: علمت أن السنة النتف ولکن لا أقوی علی الوجع، ویستحب أن یبدأ بالإبط الأیمن. (شرح مسلم: ١/١٢٨، باب خصال الفطرة).

بہشتی زیور میں ہے: موئے بغل میں اولیٰ تو یہ ہے کہ موچنے وغیرہ سے دور کیے جائیں اور استرے سے منڈوانا بھی جائز ہے۔ (بہشتی زیور، حصہ ۱۱، ص ۹۶۸)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورت کے چہرہ کے بال صاف کرنے کا حکم:

سوال: عورت کے چہرہ پر غیر ضروری بال مثلاً ڈاڑھی، مونچھ وغیرہ کے بال ظاہر ہو جائیں تو صاف کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر صاف کرے گی تو حدیث شریف میں نامصہ ومتنمصہ کی ممانعت میں داخل ہوگی یا نہیں ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عورت کے لیے اپنے چہرہ کے غیر ضروری بال صاف کرنا درست اور جائز ہے۔ حدیث شریف میں ممانعت بھوؤں کو باریک کرنے اور خط بنانے کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ عینیؒ عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

إذا نبتت للمرأة لحية أو شوارب فلا يحرم بل يستحب عندنا والنهى إنما هو فى الحواجب وما في أطراف الوجه. (عمدة القارى: ١٣/٣٨٨، باب وماآتاكم الرسول فخذوه، كتاب التفسير، ط: دار الحديث ملتان).

فتاوی الشامی میں ہے:

وفي تبيين المحارم: إزالة الشعر من الوجه حرام إلا إذا نبت للمرأة لحية أو شوارب فلا تحرم إزالته بل تستحب، وفى التاتارخانية عن المضمرات: ولا بأس بأخذ الحاجبين وشعر وجهه ما لم يشبه المخنث ومثله فى المجتبى، تأمل. (فتاوى الشامى: ٦/٣٧٣، سعيد).

(و كذا فى مرقاة المفاتيح: ٨/٢٨٩، باب الترجل، ط: امداديه ملتان، والبحر الرائق: ٨/٢٣٣، دار المعرفة، والفتاوى الهندية: ٥/٣٥٨، وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص٥٢٧، ط: قديمى).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

عورت کے لیے چہرے کے بال صاف کرنا جائز ہے، اور اگر ڈاڑھی یا مونچھ کے بال نکل آئیں تو ان کا ازالہ مستحب ہے۔ نامصہ اور متنمصہ پر لعنت کا مورد یہ ہے کہ ابرو کے اطراف سے بال اکھاڑ کر باریک دھاری بنائی جائے، **كما يدل عليه التعليل بتغيير خلق الله** ۔ ابرو بہت زیادہ پھیلے ہوئے ہوں تو ان کو درست کر کے عام حالت کے مطابق کرنا جائز ہے۔ غرضیکہ تزیین مستحب اور ازالہ عیب کا استحباب نسبۃً زیادہ مؤکد ہے اور تلبیس اور تغییر خلق ناجائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۸/۷۵)۔

فتاویٰ بینات میں ہے:

خواتین کو اپنے چہرے کے غیر معتاد بال مثلاً ڈاڑھی، مونچھ، پیشانی وغیرہ کے بال یا کلائیوں اور پنڈلیوں کے بال صاف کرنا جائز ہے۔ البتہ ان زائد بالوں کو نوچ کر نکالنا مناسب نہیں، کیونکہ اس میں بلاوجہ اپنے جسم کو اذیت دینا ہے، کسی پاؤڈر وغیرہ کے ذریعہ صاف کرلیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ (فتاویٰ بینات، جلدِ چہارم، ص ۴۰۷)۔

حدیث شریف کی مزید وضاحت ماقبل میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سفید بال چننے کا حکم:

سوال: اگر جوان آدمی کے سر میں چند سفید بال آجائیں تو ان کا چننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ نوجوان آدمی کے سر میں چند بال سفید آجائیں کسی بیماری یا دوائیوں کی وجہ سے تو ان کا چننا بطورِ ازالہ عیب جائز ہے۔ ہاں بطورِ زینت ایسا کرنا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وفي الخلاصة عن المنتقى كان أبوحنيفةؒ لا يكره نتف الشيب إلا على وجه التزين، وينبغي حمله على القليل أما الكثير فيكره لخبر أبي داود: لا تنتفوا الشيب فإنه نور المسلم يوم القيامة . (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ، ص٥٢٦، باب الجمعة،قديمى، و كذا فى حاشية الطحطاوى على الدر:٤/٢٠٣).

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں: **قال بعض العلماء: لايكره نتف الشيب إلا على وجه التزين .**

(مرقاة المفاتيح : ٨/٣٠٦، باب الترجل ، ط: امداديه ، ملتان).

قال في الدرالمختار: ولا بأس بنتف الشيب. وفي رد المحتار: قيده في البزازية بأن لايكون على وجه التزين . (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٦/٤٠٧، سعيد).

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

ازالہ عیب کے لیے سفید بال چننا جائز ہے اور قبل از وقت بالوں کا سفید ہونا عیب ہے لہذا جائز ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ۱۸۳/۸، طبع قدیم)۔

اور ابوداود شریف کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سفید بال نہیں نکالنا چاہئے تو علامہ طحطاویؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ سفید بال زیادہ ہوجائیں تو حدیث کی بنا پر ممنوع ہے۔ ورنہ ازالہ عیب درست ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گنجے کے سر پر بال لگانے کا حکم:

سوال: ایک آدمی کے سر پر سے بال نکل چکے ہیں کسی بیماری کی وجہ سے، اور گنجا ہو چکا ہے تو اس کے سر پر مصنوعی بال لگانے کی اجازت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ گنجے کو ازالہ عیب کی خاطر اس کے اپنے بال لگانا یا پلاسٹک کے بال لگانا جائز اور درست ہے البتہ کسی دوسرے انسان کے بال لگانا ناجائز ہے پھر وضو اور غسل میں اگر ان کی جڑوں میں پانی پہنچ جاتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اگر نکالنا ممکن ہو تو نکال کر پانی پہنچانا ضروری ہوگا اور اگر نکالنا مشکل ہو تو اس پر سے پانی بہا دینا یا اس پر مسح کر لینا کافی ہو جائیگا۔

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد (ایم، بی بی، ایس) لکھتے ہیں:

بالوں کی پیوند کاری (Hair Transplantation) اس کے عقلاً دو طریقے ممکن ہیں:

(۱) کسی دوسری جگہ سے بال کو جڑ سمیت نکال کر سر کی کھال میں گاڑ دیا جائے یعنی (Implant) کر دیا جائے اگر اپنے ہی جسم کے بال ہوں تو یہ جائز ہے۔ اور اگر کسی دوسرے شخص سے بال حاصل کیے جائیں تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ ایک شخص کے بال دوسرے شخص کو لگانا جائز نہیں ہے، اور اگر دوسرے سے بال عوض میں خریدے ہوں تو یہ دوسری خرابی ہوئی۔

(۲) کسی دوسری جگہ سے بال سمیت کھال اتار کر سر کی کھال کو کھرچ کر اس کے ساتھ لگا دی جائے، اگر اپنے ہی جسم کی کھال ہو تو جائز ہے اور اگر دوسرے کے جسم کی کھال ہو تو جائز نہیں ہے۔

☆ Hair by Hair process

اس طریقہ میں ایک مصنوعی جھلی یا جلد میں انسانی بال قدرتی انداز سے پیوستہ کر دیئے جاتے ہیں، اس وجہ سے بالوں کا کوئی بھی اسٹائل بنایا جا سکتا ہے، اس مصنوعی جھلی یا جلد میں مسام (pores) بھی ہوتے ہیں جن کے راستہ سے پسینہ اور پانی کا اخراج ہوتا ہے، سر پر اگر کچھ قدرتی اصلی بال لگے ہوں تو ان کو ایک خاص مطلوبہ حد تک کتر دیا جاتا ہے پھر اس جھلی کو ایک خاص محلول (liquid) کے ذریعہ سر کے اصل بالوں کے ساتھ ان کی جڑوں تک جوڑ دیا جاتا ہے، یہ (liquid) واٹر پروف ہوتا ہے یعنی یہ پانی کو جذب نہیں کرتا اور اصل بالوں تک پانی کو پہنچنے سے روکتا ہے، جھلی لگانے کے بعد دو مہینے آسانی سے نکل جاتے ہیں جب تک کہ نیچے قدرتی بال بڑھ

نہ جائیں، جب بال نیچے سے بڑھ جاتے ہیں تو جھلی اتار کر سر پر موجود اصل بالوں کو مطلوبہ حد تک کتر کر جھلی کو دوبارہ چپکا دیتے ہیں۔ (مریض اور معالج کے اسلامی احکام ص ۳۸۶)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بوقتِ عذر سر کے کچھ بالوں کا حلق کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے حجامت کی وجہ سے سر کے کچھ بال صاف کیے، تو یہ شخص حلق بعض الرأس کے گناہ میں مبتلا ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ عذر کی وجہ سے کچھ بال صاف کرنے سے گناہ نہیں ہوگا، ہاں اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ تمام سر کا حلق کرالے تاکہ بدنما صورت بنانے سے بچ جائے۔

حدیث شریف میں بعض کے حلق کی ممانعت وارد ہوئی ہے جب کہ بطورِ فیشن ہو۔ ملاحظہ ہو:

روى البخاري بسنده عن ابن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن القزع. (۲/۸۷۷، رقم: ۵۹۲۱، باب القزع، كتاب اللباس).

وفي رواية لمسلم عنه قال: قلت لنافع: وما القزع قال يحلق بعض رأس الصبى ويترك بعض. (رواه مسلم، رقم: ۲۱۲۰، باب كراهة القزع).

عمدۃ القاری میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

وقال النوويؒ في شرح مسلم: أجمع العلماء على كراهة القزع إذا كان في مواضع متفرقة إلا أن يكون لمداواة ونحوها وهي كراهة تنزيه. (عمدة القارى: ۱۰۷/۱۵، باب القزع).

(وكذا فى شرح مسلم، وفتح البارى: ۳۶۵/۱۰، ومرقاة المفاتيح: باب الترجل).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

يكره القزع وهو أن يحلق البعض ويترك البعض قطعاً مقدار ثلاثة أصابع كذا فى الغرائب وعن أبي حنيفةؒ يكره أن يحلق قفاه إلا عند الحجامة كذا فى الينابيع. (الفتاوى الهندية: ۳۵۷/۵).

حجامہ میں مقصود حلق نہیں ہے بلکہ تابع ہے اور بطورِ فیشن حلق مقصود ہے۔ ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ولو حلق موضع المحاجم فعليه دم في قول أبي حنيفةؒ وقال أبويوسف ومحمد فيه

صدقة ، وجه قولهما أن موضع الحجامة غير مقصود بالحلق بل هو تابع فلا يتعلق بحلقه دم ... لأنه إذا لم يكن مقصوداً بالحلق لا تتكامل الجناية بحلقه. (بدائع الصنائع: ۲/۱۹۳، سعید).

البتہ آج کل غیر مسلم قوموں کی تقلید میں مسلمان نوجوان اور بچے اس فیشن میں مبتلا ہیں، اور اس فعل میں اوباش قسم کے لوگوں کے ساتھ مشابہت بھی پائی جاتی ہے، بنا بریں یہ طریقہ مکروہِ تحریمی ہے۔اس سے بچنا چاہئے۔

چنانچہ حضرت گنگوہیؒ فتاویٰ رشیدیہ میں فرماتے ہیں:

بعض سر کے بال لینے اور بعض چھوڑنے مکروہ ہیں: تحريماً لقوله عليه السلام نهى عن القزعة . الحديث ۔(فتاویٰ رشیدیہ،ص ۶۳۰)۔واللہ ﷻ اعلم۔

سر کے بالوں کا حلق کرنے کا حکم:

سوال: عام حالات میں سر کے بالوں کا رکھنا بہتر ہے یا حلق کرنا، اکابرین کا طریقہ حلق کا رہا ہے، حدیث وفقہ میں اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر بالوں کا رکھنا ہو تو کیسے رکھنا چاہئے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اہل باطل کا شعار حلق بتلایا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: کتبِ احادیث کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول سر کے موئے مبارک رکھنے کا تھا، ہاں مونڈنا بھی ثابت ہے لیکن فقط حج ،عمرہ کے وقت اس کے علاوہ ثابت نہیں ہے، پھر بال رکھنے سے متعلق تین قسم کی کیفیات دستیاب ہوتی ہیں: (۱) وفرہ:۔نصف کانوں تک۔(۲) لمہ:۔وہ بال ہیں جو کان کی لو سے نیچے ہوں۔(۳) جمہ:۔وہ ہے جو دونوں مونڈھوں تک ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف چار مرتبہ اپنے سر مبارک کا حلق کرانا ثابت ہے: (۱) حدیبیہ میں۔(۲) عمرۃ القضاء میں۔(۳) عمرۂ جعرانہ میں۔(۴) حجۃ الوداع میں۔ان مواقع کے علاوہ ثابت نہیں ہے۔(شمائلِ کبریٰ،جلدِ دوم،ص ۳۲۶)۔

یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ بال رکھنے سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک طریقہ اور سنت، سنن عادیہ کے قبیل سے ہے یعنی مسلمان کو اپنی زندگی میں اپنانا چاہئے، لیکن اگر کوئی شخص اس پر عمل نہ کرے تو خلافِ سنت کرنے والا یا مکروہ کا ارتکاب کرنے والا نہیں کہلائیگا۔ہاں اس پر سنت کی نیت سے عمل پیرا ہونے پر اجروثواب کا مستحق ہوگا۔دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

روی البخاری بسنده عن أبي قتادة رضي الله عنه قال: سألت أنس بن مالك رضي الله عنه عن شعر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: كان شعر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم رجلاً ليس بالسبط ولا الجعد بين أذنيه وعاتقه . (رقم: ٥٩٠٥).

وفي رواية له عنه كان يضرب شعر النبى صلى اللّٰه عليه وسلم منكبيه . (٥٩٠٤).

وروى مسلم بسنده عن أنس رضي الله عنه كان شعر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إلى أنصاف أذنيه . (رقم: ٢٣٣٨، باب صفة شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم).

وفي رواية لأبي داود عنه قال: كان شعر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إلى شحمة أذنيه . (٤١٨٧).

وعن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قالت: كان شعر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فوق الوفرة ودون الجمة . (رواه ابوداود: ٤١٨٩).

وفي رواية لأحمد عنه ، قال: كان شعر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لا يجاوز أذنيه . (اخرجه احمد، رقم:١٢٦٠١).

الجمة : الشعر النازل على المنكبين .

الوفرة : شعر الرأس إذا بلغ شحمة الأذن .

واللمة : يجاوز شحمة الأذن ، فإذا بلغ المنكبين فهو جمة. (عمدة القارى: ٩٩/١٥، دارالحديث ، ملتان، و اكمال المعلم:٣٠٤/٧).

حلق کرانا فی نفسہٖ جائز ہے اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

وقد ثبت في سنن أبي داود بإسناد على شرط البخارى ومسلم أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم رأى صبياً قد حلق بعض رأسه فقال: احلقوه كله أو اتركوه كله وهذا صريح في إباحة حلق الرأس لا يحتمل تأويلاً ، قال أصحابنا: حلق الرأس جائز بكل حال لكن إن شق عليه تعهده بالدهن والتسريح استحب حلقه وإن لم يشق استحب تركه . (شرح السيوطى لسنن النسائى:١٢١/٧، مكتب المطبوعات الاسلامية، حلب).

(و كذا قاله الامام النووى فى شرح صحيح مسلم : ١٦٧/٧،ط:داراحياء التراث).

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مداومت کے ساتھ حلق کرانا ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن زاذان عن علي رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من ترك موضع شعرة من جنابة لم يغسلها فعل بها كذا وكذا من النار، قال علي رضي الله عنه: فمن ثم عاديت رأسي، فمن ثم عاديت رأسي، فمن ثم عاديت رأسي، وكان يجز شعره. (رواه ابوداود، رقم: ۲۴۹).

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: إسناده ضعيف مرفوعاً؛ عطاء بن السائب اختلط بأخرة و حماد بن سلمة سمع منه قبل الاختلاط و بعده، و الذى يغلب على الظن أنه مما سمعه منه بعد الاختلاط، ويؤيده أن شعبة صرح بأنه سمع من عطاء حديثين بأخرة، وذكر هذا الحديث منهما... وقد روى هذا الحديث عن عطاء حماد بن زيد وقد سمع منه قبل الاختلاط فوقفه على علي رضي الله عنه، ذكر ذلک الدارقطني فى العلل. انظر: (تعليقات الشيخ شعيب على سنن ابى داود: ۱/۱۸۱/۲۴۹).

عون المعبود میں ہے:

واستدل بحديث علي رضي الله عنه هذا جواز حلق الرأس ولو دواماً ويدل على جوازحلق الرأس حديث ابن عمر رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى صبياً ...الخ. (عون المعبود: ۱/۲۹۱، باب الوضوء بعدالغسل).

قال الملا على القارى فى المرقاة: قال الطيبى: وفيه: أن المداومة على حلق الرأس سنة لأنه قرره ولأن علياً رضى الله تعالىٰ عنه من الخلفاء الراشدين الذين أمرنا بمتابعة سنتهم.(انتهى كلامه). ولا يخفى أن فعله كرم الله وجهه إذا كان مخالفاً لسنته عليه الصلاة والسلام وبقية الخلفاء من عدم الحلق إلا بعد فراغ النسک يكون رخصة لا سنة. والله تعالىٰ أعلم، ثم رأيت ابن حجرؒ نظر في كلام الطيبيؒ وذكر نظير كلامي وأطال الكلام فيه.

(مرقاة المفاتيح:۲/۳۸،باب الغسل، امداديه ،ملتان). (وكذا فى بذل المجهود: ۲/۲۷۵، دارالبشائر الاسلامية).

فقہاء کی عبارات ملاحظہ ہوں:

قال فى الفتاوى الهندية: ويستحب حلق الرأس في كل جمعة ،كذا فى الغرائب.

(الفتاوى الهندية:۵/۳۵۷).

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وأما حلق الرأس ففی التاتارخانية عن الطحاويؒ : أنه سن عند ائمتنا الثلاثة ، وفی روضة الزندويستی: السنة فی شعر الرأس إما الفرق، وإما الحلق ، يعنی حلق الکل ، إن أراد التنظيف، أو ترک الکل ليدهنه ويرجله ويفرقه لما في أبي داود والنسائی عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم رأی صبياً حلق بعض رأسه وترک بعضه...وفی الغرائب: يستحب حلق الشعر في کل جمعة . (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص٥٢٥، قديمی) .

قال فی المغنی لابن قدامة : واختلفت الرواية عن أحمد في حلق الرأس فعنه أنه مکروه لما روی عن النبي صلی اللّٰه عليه وسلم أنه قال فی الخوارج سيماهم التحليق، فجعله علامة لهم وقال عمر لصبيغ لو وجدتک محلوقاً لضربت الذی فيه عيناک بالسيف وروي عن النبي صلی اللّٰه عليه وسلم أنه قال: لا توضع النواصی إلا في حج أوعمرة ، رواه الدار قطني فی الافراد وروی أبوموسی عن النبی صلی الله عليه وسلم : ليس منا من حلق رواه أحمد وقال ابن عباس رضی اللہ عنہ: الذی يحلق رأسه فی المصر شيطان قال أحمد کانوا يکرهون ذلک وروی عنه لا يکره ذلک لکن ترکه أولیٰ وأفضل...قال ابن عبدالبر: وقد أجمع العلماء علی إباحة الحلق وکفی بهذا حجة . (المغنی :١/٧٣، فصل:حکم حلق الشعر، بيروت).

الموسوعة الفقهية الکويتية میں ہے:

اختلف الفقهاء في حلق الرأس :فذهب الحنفية إلی أن السنة في شعر الرأس بالنسبة للرجل إما الفرق أوالحلق ، وذکر الطحاويؒ أن الحلق سنة . وذهب المالکية کما جاء فی الفواکه الدوانی إلی أن حلق شعر الرأس بدعة غير محرمة...ويری الشافعية أنه لا بأس بحلق جميع الرأس لمن أراد التنظيف. واختلفت الرواية عن أحمد في حلق الراس : فعنه أنه مکروه...وروی عنه أنه لايکره ذلک ، لکن ترکه أولیٰ . (الموسوعة الفقهية :١٨/٩٥، احکام الحلق).

حافظ ابن تیمیہؒ نے حلق کے بارے میں بہترین تفصیل بیان فرمائی ہے۔ملاحظہ کیجئے:

حلق الرأس على أربعة أنواع: أحدها: حلقه في الحج والعمرة فهذا مما أمر الله به ورسوله وهو مشروع ثابت بالكتاب والسنة وإجماع الأمة ...

والنوع الثاني: حلق الرأس للحاجة مثل أن يحلقه للتداوي فهذا أيضاً جائز بالكتاب والسنة والإجماع ...

النوع الثالث: حلقه على وجه التعبد والتدين والزهد، من غير حج ولا عمرة مثل ما يأمر بعض الناس التائب إذا تاب بحلق رأسه... فهذا بدعة لم يأمر الله بها ولا رسوله؛ وليست واجبة ولا مستحبة عند أحد من أئمة الدين ...

والنوع الرابع: أن يحلق رأسه في غير النسك لغير حاجة ولا على وجه التقرب والتدين، فهذا فيه قولان للعلماء هما روايتان عن أحمد، أحدهما: أنه مكروه وهومذهب مالك وغيره، والثاني: أنه مباح، وهو المعروف عند أصحاب أبي حنيفةؒ والشافعي ...**الخ**. (مجموع الفتاویٰ: ۲۱/۱۱۶-۱۱۹، دار الوفاء).

مذکورہ بالا عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ سر کے حلق کی چار صورتیں ہیں:

(۱) حج، عمرہ میں جو قرآن حدیث سے ثابت ہے۔

(۲) کسی مرض کی وجہ سے علاجاً، یہ بھی جائز ہے۔

(۳) حج عمرہ کے علاوہ کسی اور مقام پر مثلاً گناہ سے توبہ کے وقت عبادت سمجھ کر حلق کرنا یہ بدعت ہے۔ جیسا کہ بعض فرقے عبادت سمجھتے ہیں۔

(۴) عام حالات میں حلق کرنا، نہ قربت کی نیت ہو اور نہ ضرورت ہو تو علماء کے دو قول ہیں:

(الف) مکروہ اور یہ امام مالک کا مذہب ہے۔

(ب) جائز اور مباح اور یہ اصحابِ ابی حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔

اکابر کے فتاویٰ ملاحظہ کیجئے:

امداد الفتاویٰ میں ہے:

بال رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بطورِ عادت کے ہے، نہ بطورِ عبادت کے، اس لیے اولیٰ ہونے میں تو شبہ نہیں، مگر اس کے خلاف کو خلافِ سنت نہ کہیں گے، اگر چہ حضرت علیؓ کی حدیث بھی نہ ہوتی چہ جائیکہ وہ حدیث

بھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہ فرمانا یقینی دلیل ہے بال نہ رکھنے کی، جواز بلا کراہت کے اور خلافِ سنت نہ ہونے کے، پس جس حالت میں بالکل منڈا دینا جائز ہے تو قصر کرانے میں کیا حرج ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۴/۲۲۴)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸/۳۳۲۔۳۴۳، وفتاویٰ محمودیہ: ۱۹/۴۳۱۔۴۳۳، مع التعلیقات، جامعہ فاروقیہ)۔

چنانچہ مذکورہ بالا عبارات کی روشنی میں اکابر کا عمل حلق کرانا درجِ ذیل وجوہات کی بنا پر رہا ہے:

(۱) حلق کرانا خلافِ سنت نہیں۔ (۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ (۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر سے مزید تائید ہوتی ہے۔ (۴) دینی امور میں مشغولیت کی بنا پر بال کی صفائی، ستھرائی کا موقع نہ ہونے کی وجہ سے حلق کرانے میں آسانی ہے۔

البتہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں بال رکھنا افضل اور اولیٰ ہے اور بال رکھنے کے مذکورہ بالا تین طریقے مستحب ہیں: وفرہ، لمہ، اور جمہ۔

اہل باطل کی علامت کے بارے میں محدثین نے مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔ چند حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

☆ اہل باطل حلق کو عبادت اور دین کی علامت سمجھ کر کرتے ہیں۔

☆ حلق کو واجب سمجھتے ہیں۔

☆ امام نوویؒ نے فرمایا کہ حلق کو ان کی علامت قرار دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حلق حرام ہو۔ (شرح صحیح مسلم)۔

☆ ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ وہ حلق میں مبالغہ کرتے ہیں یہ ان کی علامت ہے۔ (مرقات: ۷/۱۱۳)۔

☆ علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ انہوں نے دنیا کی زینت کو چھوڑ دیا اس پر لوگ ان کی علامت حلق بنا دینگے۔ (شرح السیوطی علی النسائی)۔

☆ عبد المحسن عباد نے ابوداود شریف کی شرح میں لکھا ہے کہ ان کی مشابہت کرتے ہوئے حلق کرایا جائے تو مذموم ہے ورنہ نہیں۔ (شرح ابی داود: ۲۳/۲۶۴).

☆ بعض حضرات کہتے ہیں کہ خوارج کا نشان حلق اللحیہ اور مؤخر الرأس تھا۔ امام سیوطیؒ نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے: **نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن حلق القفا إلا عند الحجامة۔**

تعلیق میں ہے: للطبرانی الکبیر عن عمر حدیث ضعیف، الجامع الصغیر، رقم: ۶۹۷، ایک روایت میں خوارج کی نشانی کے بارے میں یحلقون أقفیتھم ، آیا ہے یعنی گدی کے بالوں کو منڈواتے ہیں اس کی تفصیل شیخ غماری نے الاختراعات میں لکھی ہے۔ نیز دیکھئے: (مجمع الزوائد: ۶/۲۱۲، دار الفکر). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بالوں میں تقصیر کرانے کا حکم:

سوال: کیا بالوں کو ایک خاص مقدار میں کٹوا سکتے ہیں یعنی بالکل حلق مراد نہیں بلکہ تقصیر یعنی کم کرنا اس طور پر کہ تمام سر کے بال بالکل برابر ہو جائیں کہیں بڑے چھوٹے نہ رہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ کا معمول بالوں سے متعلق رکھنے کا تھا، حلق کرنا فقط حج عمرہ کے موقع پر ثابت ہے، بنا بریں بال رکھنا مستحب اور اولیٰ ہے، ہاں پورے سر کا حلق کرانا بھی جائز ہے جیسا کہ بعض صحابہ کرام کا معمول تھا، اور دونوں کے درمیان مثلاً کم کروانا جب کہ پورے سر کے بال بالکل برابر ہوں چھوٹے بڑے نہ ہوں تو یہ بھی جائز اور مباح ہے، البتہ چھوٹے بڑے رکھنا جیسا کہ آج کل فیشن ہے یہ ناجائز ہے۔

ملاحظہ ہو حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

...پس جس حالت میں بالکل منڈا دینا جائز ہے تو قصر کرانے میں کیا حرج ہے، للإجماع علی تساوی حکم القصر والحلق لشعر الرأس في مثل ھذا الحکم وإلی التساوی أشیر بقولہ تعالی: ﴿محلقین رؤوسکم ومقصرین﴾ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امداد الفتاویٰ: ۴/۲۲۴)۔

حضرتؒ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

جواز تقصیر کا حج کے ساتھ مخصوص ہونا محتاجِ دلیل ہے، اور شاید کسی کو شبہ ہو کہ اس کی نسبت یأخذ من کل شعرۃ قدر الأنملۃ لکھا ہے، تو سمجھنا چاہیئے کہ یہ مقدار ادنیٰ کی ہے، مقصود نفی زائد کی نہیں ہے، چنانچہ رد المحتار میں بدائع سے نقل کیا ہے: قالوا: یجب أن یزید فی التقصیر علی قدر الأنملۃ. الخ ، اور اسی طرح ربع کی تخصیص بیانِ ادنیٰ کے لیے ہے، چنانچہ درمختار میں تصریح ہے: وتقصیر الکل مندوب پس وہ شبہ رفع ہو گیا، اور فارق منتفی ہے لہذا جواز عام ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۴/۲۲۵، ط: مکتبہ دار العلوم کراچی)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کو مروہ کے پاس قینچی سے تراشا ہے۔ (مسلم، ص ۴۰۸، طبرانی)۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ قینچی کا استعمال اور اس سے بال تراشنا کم کرنا خلافِ سنت نہیں ہے، مگر خیال رہے کہ کسی جگہ کم اور کسی جگہ زیادہ کاٹنا، جیسا کہ انگریزی بالوں میں ہوتا ہے یہ ناجائز ہے، ہر طرف کے بال یکساں کٹنے چاہئے۔ (شمائل کبریٰ، جلدِ دوم، ص ۳۲۸، ط: زمزم)۔

بالوں کے بارے میں شرعی حدود:

☆ بال رکھنا افضل اور مستحب ہے، اتباعِ سنت کی نیت سے باعثِ ثواب ہے۔

پھر اس کے تین طریقے ہیں:

(۱) کانوں کی لو تک اس کو وفرہ کہتے ہیں۔

(۲) کانوں کی لو اور کندھوں کے درمیان تک اس کو لمہ کہتے ہیں۔

(۳) کندھوں تک اس کو جمہ کہتے ہیں۔ان میں سب سے افضل پہلی صورت ہے پھر دوسری پھر تیسری، اور یہ تینوں احادیث سے ثابت ہیں۔ تفصیل ماقبل میں مذکور ہوئی۔

☆ پورے سر کا حلق جائز ہے، علامہ طیبیؒ نے سنت کہا ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دائمی عمل کی وجہ سے، اور امام طحاویؒ بھی اسی طرف گئے ہیں، لیکن کچھ منڈانا اور کچھ ترک کرنا ناجائز ہے۔

☆ بالوں کی وضع میں کافروں اور فاسقوں کی نقالی اور مشابہت اختیار کرنا ناجائز ہے۔

☆ مردوں کو عورتوں کی اور عورتوں کو مردوں کی وضع قطع اور مشابہت اختیار کرنا ناجائز ہے۔

☆ بال رکھنے کی صورت میں ان کی صفائی، ستھرائی، تیل کی مالش، کنگھا، وغیرہ کا اہتمام کرنا چاہئے۔

☆ بالوں کے سنوارنے میں حد سے زیادہ تکلف و تصنع ممنوع ہے۔

☆ پورے سر کے بالوں کو برابر کاٹنا جائز اور درست ہے، کسی جگہ بڑے چھوٹے کرنا ناجائز ہے۔

☆ بال رکھنے کی صورت میں جوڑا بنانا درست نہیں ہے، خصوصاً نماز میں کراہت شدید ہے۔

☆ مردوں کو کندھوں سے نیچے بال رکھنا ممنوع ہے، حدیث شریف میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مرد کا اپنے بالوں کی چوٹی بنانے کا حکم:

سوال: کیا کسی مرد کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ صلاۃ یا خارجِ صلاۃ میں اپنے بالوں کو چوٹی کی شکل میں بنالے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ مرد کا اپنے بالوں کو چوٹی کی شکل میں بنانا نماز اور خارجِ نماز دونوں حالتوں میں مکروہ ہے۔ ملاحظہ ہو الابواب والتراجم میں ہے:

والأوجه عندي أن النهي عن كف الشعر عند الإمام مطلق سواء فعله قبل الصلاة أو فيها لكونه معقد الشيطان والنهى عن كف الثوب عنده مقيد بالصلاة فكأنه مال فى ذلك خاصة إلى ما جنح إليه الداودى، فقد قال العينىؒ فى باب السجود على سبعة أعظم تحت قوله صلى الله عليه وسلم: لا يكف شعراً ولا ثوباً فيه كراهة كف الثوب والشعر وظاهر الحديث النهى عنه في حال الصلاة وإليه مال الداودى خلاف ما عليه الجمهور فإنهم كرهوا ذلك للمصلى سواء فعله فى الصلاة أو قبل أن يدخل فيها واتفقوا على أنه لايفسد الصلاة ، من هامش اللامع . (الابواب والتراجم للشيخ محمدزكرياؒ: ٩٦/١،باب باب عقدالثياب وشدها، سعيد).

شمائل کبریٰ میں ہے:

حضرت ام ہانیؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ کے بال مبارک کے چار حصے چوٹیوں کی شکل پر تھے۔

فائدہ: کبھی بال اتنے لمبے ہوجاتے کہ ان کی چوٹیاں (مینڈھیاں) بھی بن جاتیں، خیال رہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی حالت نہ تھی، حافظ ابن حجرؒ نے بیان کیا کہ سفر کی حالت میں ایسا ہوگیا تھا۔ (فتح الباری: ۳۶۰/۱۰)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں کے بڑھنے پر نکیر فرمائی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح رکھتے۔ چوٹیاں بھی ایسی نہ تھیں جیسی عورتوں کی ہوتی ہیں کہ مردوں کو عورتوں کی طرح چوٹیاں ممنوع ہیں۔ (شمائل کبریٰ، جلدِ دوم، ص ۳۲۵، ط: زمزم)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے: مرد کے لیے بالوں کا جوڑا باندھنا جائز نہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۸۷/۸)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورتوں کا اپنے بالوں میں گرہ لگانے کا حکم:

سوال: عورتوں کا نماز میں یا خارجِ نماز میں اپنے سر کے بالوں کا پیچھے کی جانب گچھا بنانا درست

ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ بوقتِ ضرورت جائز ہے اور بلاضرورت مکروہ ہے۔ اور ضرورت میں سے ایک یہ بھی ہے عورتیں اکثر غسل کے وقت بالوں کو دھونے کے بعد اوپر کی جانب گچھا بنالیتی ہیں تاکہ بدن اور کپڑے پانی کے قطروں سے محفوظ رہیں تو یہ درست ہے، جیسا ازواجِ مطہرات کے بارے میں حدیث میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو مسلم شریف کی روایت میں ہے:

عن أبي سلمة بن عبدالرحمن قال: دخلت على عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أنا وأخوها من الرضاعة فسألها عن غسل النبى صلى الله عليه وسلم من الجنابة فدعت بإناء قدر الصاع فاغتسلت وبيننا وبينها ستر وأفرغت على رأسها ثلاثاً قال: وكان أزواج النبى صلى الله عليه وسلم يأخذن من رؤوسهن حتى تكون كالوفرة . (رواه مسلم: ١/١٤٨، ديوبند).

شراح نے حدیثِ بالا کے بہت سارے مطالب بیان کیے ہیں لیکن آسان اور بے غبار مطلب وہ ہے جس کو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم میں بیان فرمایا ہے:

قلت: وعندى المراد بالحديث أن نساء النبي صلى الله عليه وسلم كن يقصصن شعورهن المسترسلة ، يعقدنها على القفا، أو على الرأس من غير أن يتخذنها قروناً وضفائر، حتى تكون كالوفرة في عدم مجاوزتها من الأذنين ،كما يفعله كثيرمن العجائز والأيامى فى عصرنا، بل عامة النساء فى حالة الاغتسال بعد غسل الرأس، فإن الشعور الطويلة لو استرسلت على حالها فإيصال الماء إلى البدن المستور تحت الشعور المسترسلة لايخلو عن كلفة ومشقة . (فتح الملهم: ٣/١٥٦، باب قدرالمستحب من الماء، مكتبة دارالعلوم كراچى).

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لیے بالوں کا گچھا بنا کر گدی پر رکھنا جائز ہے، ہاں مرد کے لیے ایسا کرنا بالکل مکروہ ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وكره عقص شعره أى ضفره وفتله...لقوله صلى الله عليه وسلم أمرت أن أسجد على سبعة وأن لا أكف شعراً ولا ثوباً والظاهر أن الكراهة للتحريم ولا صارف ولا فرق بين أن يتعمده للصلاة أولا بحر، قوله ولوبجمعه أوبلف ذوائبه حول رأسه كما تفعله النساء أو بجمعه من قبل القفا ومسكه بخيط أو خرقه غاية وأما ضفره مع إرساله فلا يكره ، أبو

السعود عن ابن العز. (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار:١/٢٧١،ط: كوئته). (وكذا فى الفتاوى الهندية: ١٠٦/١، والبحرالرائق: ٢٣/٢، كوئته،وتبيين الحقائق : ١٦٤/١،وفتاوى الشامى: ٦٤٢/١،سعيد).

مسلم شریف کی روایت میں ہے:

عن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صنفان من أهل النار لم أرهما قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات رؤوسهن كأسنمة البخت المائلة لايدخلن الجنة ولايجدن ريحها وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا . (رواه مسلم ،رقم: ٢١٢٨،باب النساء الكاسيات عاريات).

علامہ نوویؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

واختار القاضى أن المائلات تمشطن المشطة الميلاء قال: وهي ضفر الغدائر وشدها إلى فوق وجمعها في وسط الرأس فتصير كأسنمة البخت قال: وهذا يدل على أن المراد بالتشبيه بأسنمة البخت إنما هو لارتفاع الغدائر فوق رؤوسهن وجمع عقائصها هناك .

(شرح صحيح مسلم:١٩١/١٧، داراحياء التراث العربى).

عورتوں کا گدی پر نیچے کی جانب جوڑا بنانا جائز اور درست ہے جبکہ مرد کے لیے مطلقاً مکروہ ہے۔ملاحظہ ہو احسن الفتاویٰ میں ہے:

گدی پر جوڑا باندھنا جائز ہے، بلکہ حالتِ نماز میں افضل ہے اس لیے کہ اس سے بالوں کے پردے میں سہولت ہوتی ہے۔(احسن الفتاویٰ:۷۵/۸)۔

امدادالاحکام میں ہے:

عورت کے لیے بالوں کا جوڑا باندھنا مکروہ نہیں۔ **قال فى ردالمحتار روى الطبرانى** (رقم:٩٩٠، واخرجه احمد، رقم:٢٣٨٥٦، وغيره) **أنه عليه الصلاة والسلام نهى أن يصلى الرجل ورأسه معقوص** اس میں ممانعت مردوں کو ہے۔ **قال العزيزى وإسناده صحيح. وفى حاشية الخفى خرج المرأة والخنثى فيطلب عقص شعرهما لطلب المبالغة فى سترهما ، قلت: وقواعدنا لا تأباه ۔** واللہ اعلم۔(امدادالاحکام:۳۳۷/۴)۔ مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ تاتارخانیہ:۵۶۱/۱،وشرح النقایہ:۳۰۷/۱)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

چھوٹی بچیوں کے بال کاٹنے کا حکم:

سوال: چھوٹی بچیوں کے بال کٹوانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہو تو کس عمر تک کٹوا سکتے ہیں؟

الجواب: حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ فرماتے تھے کہ چھوٹی بچیوں کے بال کاٹنے کا مقصد بالوں کا بڑھانا ہوتا ہے، اگر اس مقصد سے کاٹے جائیں تو جائز اور درست ہے، البتہ غیر اقوام کے ساتھ مشابہت میں کاٹے جائیں تو ناجائز ہے، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے نو سال تک بچیوں کے بال کاٹنے کی اجازت دی ہے۔

لیکن آج کل عام طور پر لوگ مغربی تہذیب کی تقلید میں اپنی بچیوں کے بال کٹواتے ہیں یہ ناجائز ہے اس سے باز آنا چاہئے، اور اس کی علامت یہ ہے کہ بال سب طرف سے برابر نہیں ہوتے بلکہ چھوٹے بڑے ہوتے ہیں، اور حدیث شریف کی روشنی میں یہ مکروہِ تحریمی ہے۔

حدیث شریف میں سر کے بعض حصہ کے حلق کی ممانعت وارد ہوئی ہے جب کہ بطورِ فیشن ہو۔ ملاحظہ ہو:

روى البخاري بسنده عن ابن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن القزع. (رقم: ۵۹۲۱، باب القزع).

فتاویٰ بینات میں ہے:

بالغ اور قریب البلوغ لڑکیوں کے بال کٹوانا جائز نہیں، البتہ ایسی بچیاں جو چھوٹی ہوں، قریب البلوغ نہ ہوں تو خوبصورتی یا کسی جائز مقصد کے لیے ان کے بال کٹوانا جائز ہے تاہم ارادی طور پر کافروں یا فاسقوں کی مشابہت سے بچنا چاہئے۔ (فتاویٰ بینات: ۴/۴۰۶)۔

امدادالاحکام میں ہے:

قال الطحطاوي في حاشيته على مراقي الفلاح قال في السراج: الصغير جداً لا تكون له عورة ولا بأس بالنظر إليها ومسها، (ص۱۳۹). **وفي الدر: لا عورة للصغير جداً ثم مادام لم يشته فقبل ودبر ثم تغلظ إلى عشر سنين ثم كبالغ. قال الشاميؒ: قوله الصغير جداً قال: وفسره شيخنا بابن أربع فما دونها ولم أدر لمن عزاه، وحد الاشتهاء يعتبر بحال كل صبي وصبية فإذا بلغ حد الشهوة و قدره بعضهم بسبع وبعضهم بتسع وسيأتي في باب الإمامة**

تصحيح عدم اعتباره بالسن بل المعتبر أن تصلح للجماع بأن تكون عبلة ضخيمة فله حكم البالغين فيجب على الولي أن يأمره بستر العورة هذا ماعلمته من كلام الشامي. (١/٤٢٣).

ان جزئیات سے معلوم ہوا کہ نابالغ لڑکی سترِ عورت کے بارہ میں نو/ دس سال میں اور جوا ٹھان کی زیادہ ہو اور اس کی طرف خواہش ہونے لگی ہو تو اس سے پہلے ہی مثل بالغ کے شمار ہوتی ہے اور عورت بالغہ کو بلا عذر قوی کے سر منڈانا جائز نہیں تو جو لڑکی بالغ ہے اس کا بھی یہی حکم ہوگا اور مناسب یہ ہے کہ جب لڑکی نو برس کی ہو جائے گو قابل شہوت نہ ہوئی ہو اس کا سر نہ مونڈا جائے کیونکہ یہ اٹل مدت اس کے بلوغ کی ہے ...الخ۔(امدادالاحکام: ۳۴۱/۴، لڑکی کا سر منڈانا کس عمر تک جائز ہے)۔

مجموعہ فتاویٰ برائے خواتین میں ہے:

چھوٹی بچیوں کے بال بھی بطورِ فیشن کاٹنا ممنوع ہے۔(مفتی عبدالرحیم لاجپوری)۔(مجموعہ فتاویٰ: ۵۳۱/۲، مرتب مولانا مفتی ثناء اللہ محمود صاحب، ط: دارالاشاعت)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مصنوعی بال ملانے کا حکم:

سوال: ایک عورت کے بال کثرت سے گرتے ہیں اور سر میں دھبے پڑ جاتے ہیں تو کیا ان دھبوں کو چھپانے کے لیے بقیہ بالوں کے ساتھ نقلی بال ملا سکتے ہیں؟ حنفی اور شافعی مذہب کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔اسی طرح بعض عورتیں اپنے سر پر مصنوعی بال یا اون استعمال کرتی ہیں، یہ انسانی بال نہیں ہوتے پھر اس کی دو صورتیں ہیں:۔(۱) ایک یہ ہے کہ عورتیں اپنی چوٹیوں کے آخری سرے میں رنگین اون اپنے بالوں کے ساتھ بنتی ہیں، پہلے زمانہ میں اس کا رواج تھا، اب یہ رواج ختم ہو چکا ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے سر کے بالوں کے ساتھ مصنوعی بالوں کو زیادہ کرتی ہیں۔دونوں صورتوں کا حکم معلوم کرنا ہے۔بعض علماء مصنوعی بالوں کو اپنے سر پر تدلیس اور دھوکا دہی کی وجہ سے ممنوع بتلاتے ہیں۔شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ بينوا بالتفصيل توجروا بالأجر الجزيل .

الجواب: مذہبِ احناف میں عورتوں کا انسانی بالوں کو اپنے بالوں کے ساتھ جوڑنا ممنوع اور ناجائز ہے، البتہ مذکورہ عذر کی وجہ سے پلاسٹک یا جانوروں کے بال خنزیر کے علاوہ جوڑنا اور ملانا جائز اور درست ہے۔انسانی بالوں کو ملانے کی ممانعت صحیح احادیث میں وارد ہوئی ہے۔حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لعن الله الواصلة و المستوصلة والواشمة و المستوشمة . (رواه البخاری،رقم: ۵۹۳۲).

ابوداود شریف کی روایت سے دھاگوں اور پلاسٹک کے بال جوڑنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ملاحظہ ہو:

عن سعيد بن جبير قال: لا بأس بالقرامل. قال أبو داود: كأنه يذهب إلى أن المنهي عنه شعور النساء. قال أبو داود: كان أحمد يقول القرامل ليس به بأس. (ابوداود، رقم: ۴۱۷۳).

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط في تعليقاته على سنن أبي داود (رقم:۴۱۷۱) فيه: شريک بن عبد الله النخعي وهو سيء الحفظ ، ومع ذلک فقد صحح اسناده الحافظ في الفتح (۳۷۵/۱۰). وقال في تحرير التقريب : صدوق حسن الحديث عند المتابعة...الخ. (۱۱۴/۲).

قال الإمام البغوي في شرح السنة: قال: أبو عبيد: وقد رخصت الفقهاء في القرامل وكل شيء وصل به الشعر مالم يكن الوصل شعراً ، فلا بأس به. (شرح السنة:۱۰۴/۱۲،المكتب الاسلامی).

وفي النهاية في غريب الأثر: أنه رخص في القرامل، وهي ضفائر من شعر أو صوف أو إبريسم تصل به المرأة شعرها . (النهاية:۵۱/۴، المكتبة العلمية، بيروت).

وفي شرح سنن أبي داود: والقرامل: جمع قرمل، والمراد به خيوط من حرير أو صوف تصل النساء به شعورها . (۴۶۸/۱۲). قرامل وہ ڈوری جس سے بالوں کو بنا جائے۔

موطا الامام محمد میں ہے:

أخبرنا مالک أخبرنا ابن شهاب عن حميد بن عبد الرحمن أنه سمع معاوية بن أبي سفيان عام حج وهو على المنبر يقول: يا أهل المدينة أين علماؤكم وتناول قصة من شعر كانت في يد حرسي سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهى عن مثل هذا ويقول: إنما هلكت بنو إسرائيل حين اتخذ هذه نساؤهم قال محمد: وبهذا نأخذ ، يكره للمرأة أن تصل شعراً إلى شعرها أو تتخذ قصة شعر ولا بأس بالوصل في الرأس إذا كان صوفاً...وهو قول أبي حنيفة رحمه الله والعامة من فقهائنا .(المؤطا:۹۰۶/۳۲۱/۱، باب المرأة تصل شعرها بشعر غيرها، المكتبة العلمية).

كتاب الآثار میں ہے:

محمد قال: أخبرنا أبوحنيفةؒ عن حماد عن إبراهيم قال: لعنت الواصلة والمستوصلة ...قال محمد: أما الواصلة فالتي تصل شعراً إلى شعرها، فهذا مكروه عندنا، ولا بأس به إذا كان صوفاً. (كتاب الآثارلابی حنيفةؒ ،ص ۳۷۸،رقم: ۸۹۵).

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا وكيع، عن أبي حنيفةؒ، عن الهيثم، عن أبی ثور، عن ابن عباسؓ قال: لا بأس بالوصال إذا كان صوفاً. (مصنف ابن ابی شيبة: ۲۵۷۴۳/۳۰۳/۸).

وكذا رواه الإمام أبويوسف عن أبي حنيفة. (كتاب الآثار،ص ۲۳۷،رقم: ۱۰۴۹،فی الخضاب والاخذ من اللحية، دار الكتب العلمية).

تحفة الأخيار میں ہے:

قال أبوجعفر: ثم وجدنا أهل العلم جميعاً بعد أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يبيحون صلة الشعر بغيرالشعر من الصوف ومما أشبهه ويروون فی ذلک عن من قدمهم، ماحدثنا محمد بن خزيمة قال: حدثنايوسف بن عدى الكوفي قال: حدثنا شريک بن عبد الله النخعی عن جابر وهوالجعفی عن شعبة مولی ابن عباس عن ابن عباسؓ قال: لا بأس أن تصل المرأة شعرها بالصوف. (تحفة الاخيار: ۲۳۷/۶).

الدرالمختار میں ہے:

ووصل الشعر بشعر الآدمي حرام سواء كان شعرها أو شعرغيرها لقوله صلى الله عليه وسلم...وفی الشامية: قوله سواء كان شعرها أوشعرغيرها، لما فيه من التزوير ... وفي شعر غيرها انتفاع بجزء الآدمی أيضاً، لكن فی التاتارخانية: وإذا وصلت المرأة شعر غيرها بشعرها فهومكروه، وإنما الرخصة في غير شعر بني آدم تتخذه المرأة لتزيد في قرونها، وهو مروي عن أبي يوسفؒ، وفی الخانية ولا بأس للمرأة أن تجعل في قرونها وذوائبها شيئاً من الوبر. (فتاوی الشامی: ۳۷۳/۶، سعيد).

بدائع الصنائع میں ہے:

ولا بأس بذلک من شعر البهيمة وصوفها لأنه انتفاع بطريق التزين بما يحتمل

ذلک ولهذا احتمل الاستعمال في سائر وجوه الانتفاع فكذا فی التزين. (بدائع الصنائع: ۱۲۵/۵، سعید).

وفي فتاوى قاضيخان: ولا بأس للمرأة أن تجعل في قرونها وذوائبها شيئاً من الوبر.

(فتاوی قاضیخان بهامش الفتاوى الهندية: ۴۱۴/۳).

وللاستزادة انظر: (الهداية:۵۵/۳، باب البيع الفاسد، وفتح القدير: ۶۳/۶، والبحرالرائق:۸۸/۶، دارالمعرفة، والفتاوى الهندية:۳۵۸/۵، وتبيين الحقائق:۵۱/۴، ومجمع الانهر:۸۶/۳، دارالكتب العلمية، والعناية شرح الهداية:۱۳۶/۹، واوجزالمسالك:۲۳/۱۷،وتكملة فتح الملهم : ۱۹۱/۴،والفقه الحنفى فى ثوبه الجديد:۳۸۷/۵، واحسن الفتاوىٰ:۷۵/۸،و كتاب الفتاوىٰ:۱۵۰/۶). **واللہ ﷻ اعلم۔**

مذہبِ شافعیہ میں مصنوعی بالوں کا حکم:

شافعیہ کے نزدیک انسان کے بال، حرام جانور اور مردار کے بال جوڑنا بلا اختلاف ممنوع اور ناجائز ہے۔ البتہ پاک بال اور اون وغیرہ کے ساتھ بالوں کو جوڑنے کے بارے میں ان کے یہاں تین اقوال ہیں: (۱) ناجائز امام نوویؒ نے اس کو قوی بتلایا ہے۔(۲) صرف شوہر دیدہ کے لیے جائز ہے شوہر کی اجازت کے ساتھ اور دوشیزہ کے لیے ناجائز ہے۔امام غزالیؒ نے اس کو راجح قرار دیا ہے۔(۳) بال کے علاوہ اون وغیرہ کے ساتھ جوڑنا جائز ہے جب کہ تلبیس اور خداع نہ ہو۔حافظ ابن حجرؒ نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔
ملاحظہ ہو امام نوویؒ المجموع شرح المہذب میں فرماتے ہیں:

قال الشافعيؒ فی المختصر: ولاتصل المرأة بشعرها شعر إنسان ولا شعر مالايؤكل لحمه بحال قال أصحابنا: إذا وصلت شعرها بشعر آدمى فهو حرام بلاخلاف سواء كان شعر رجل أو امرأة وسواء شعر المحرم و الزوج و غيرهما بلا خلاف لعموم الأحاديث الصحيحة في لعن الواصلة والمستوصلة ...وإن وصلته بشعر غيرآدمى فإن كان شعراً نجساً وهوشعر الميتة وشعر ما لايؤكل إذا انفصل فى حياته فهوحرام أيضاً بلا خلاف للحديث... وسواء في هذين النوعين المرأة المزوجة وغيرها من النساء والرجال، وأما الشعر الطاهر من غير الآدمى فإن لم يكن لها زوج ولا سيد فهوحرام أيضاً على المذهب

الصحیح وبه قطع الدارمی والقاضی أبو الطیب والبغوی والجمهور وفیه وجه أنه مکروه ... وإن کان لها زوج أو سید فثلاثة أوجه حکاها الدارمی وآخرون أصحها عند الخراسانیین وبه قطع جماعة منهم إن وصلت بإذنه جاز وإلا حرم...وقول من قال بالتحریم مطلقاً أقوی لظاهر إطلاق الأحادیث الصحیحة...الخ. (شرح المهذب: ۳/۱۳۹، دارالفکر).

وفی الحاوی فی فقه الشافعی: فأما التي تصل شعرها بشعر طاهر فعلی ضربین ... والضرب الثاني: أن تکون ذات زوج تفعل ذلک للزینة عند زوجها...فهذا غیر حرام لأن المرأة مأمورة بأخذ الزینة لزوجها من الکحل، والخضاب...الخ. (الحاوی الکبیر للماوردی: ۲/۲۵۶، دارالکتب العلمیة).

فتح الباری میں ہے: **وأما إذا وصلت شعرها بغیر الشعر من خرقة وغیرها فلا یدخل فی النهی وأخرج أبو داود بسند صحیح عن سعید بن جبیر قال: لا بأس بالقرامل وبه قال أحمد والقرامل جمع قرمل...نبات طویل الفروع لین والمراد به هنا خیوط من حریر أو صوف یعمل ضفائر تصل المرأة شعرها وفصل بعضهم بین ما إذا کان ما وصل به الشعر من غیر الشعر مستوراً بعد عقده مع الشعر بحیث یظن أنه من الشعر وبین ما إذا کان ظاهراً، فمنع الأول قوم فقط لما فیه من التدلیس وهو قوي...الخ.** (فتح الباری: ۱۰/۳۷۵، دارامعرفة، بیروت).

للمزید انظر: (الوسیط فی المذهب للامام الغزالی: ۲/۱۶۹، وحاشیة اعانة الطالبین: ۲/۷٤٤). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مصنوعی بال جوڑنے میں تلبیس کا حکم:

سوال: بعض حضرات فرماتے ہیں مصنوعی بال لگانے میں التباس اور دھوکا دہی ہوتی ہے اس کا کیا جواب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اصل انسانی بال لگانے میں تزویر اور تلبیس کا اندیشہ ہے، پلاسٹک یا ڈورے وغیرہ میں یہ اندیشہ کم ہے، اسی وجہ سے فقہاء نے جہاں اون وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے وہاں تزویر کو بیان نہیں فرمایا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ڈورے اور اون وغیرہ میں چونکہ بعینہٖ بال نہیں ہیں لہٰذا دھوکا دہی کا امکان کم ہے، ہاں اگر دھوکا دینے ہی کے لیے کوئی استعمال کرے تو ممنوع اور ناجائز ہوگا۔ عام طور پر مصنوعی بال لگانا زینت یا ازالہ عیب کے لیے

ہوتا ہے۔ہاں ارادی طور پر کافرات اور فاسقات کی مشابہت سے بچنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قوله سواء كان شعرها أو شعر غيرها ، لما فيه من التزوير ... وإنما الرخصة في غير شعر بني آدم تتخذه المرأة لتزيد في قرونها، وهو مروي عن أبي يوسفؒ، وفي الخانية: ولا بأس للمرأة أن تجعل في قرونها و ذوائبها شيئاً من الوبر. (فتاوى الشامي : ٣٧٣/٦، سعيد).

مزید عبارات ماقبل میں مذکور ہوئیں، تکرار سبب طوالت ہے۔نیز علمائے شافعیہ میں سے امام غزالیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ملاحظہ ہو: (الوسیط فی المذہب:۲/۱۶۹،وفتح الباری:۱۰/۳۷۵)۔واللہ ﷻ اعلم۔

مصنوعی بال کی ٹوپی استعمال کرنے کا حکم:

سوال: وِگ جو اصلی یا مصنوعی بالوں کی ایک ٹوپی ہوتی ہے، اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مصنوعی بال کی ٹوپی کا استعمال بوقتِ ضرورت درست معلوم ہوتا ہے لیکن فی زماننا تشبہ بالغیر اور مبالغہ فی الزینت اور اسراف کی وجہ سے محض تزیین و تحسین کے طور پر استعمال کرنے سے احتراز کیا جائے۔

البتہ حدیث شریف "لعن الله الواصلة والمستوصلة" کے پیش نظر وگ کے استعمال پر عدمِ جواز کا حکم لگانا درست نہیں ہے، کیونکہ فقہاء کی عبارات سے اس حدیث کا محمل فقط انسانی بال ہیں۔

قال محمد: أخبرنا أبو حنيفةؒ قال: حدثنا الهيثم عن أم ثور عن ابن عباس رضي الله عنه قال: لا بأس بالوصل في الرأس إذا كان صوفاً قال محمد: وبه نأخذ وهو قول أبي حنيفة. (كتاب الآثار، ص ٣٧٨).

فتح القدیر میں ہے:

وهذا اللعن للانتفاع بما لايحل الانتفاع به ألا ترى أنه رخص في اتخاذ القراميل وهو ما يتخذ من الوبر ليزيد في قرون النساء للتكثير فظهر أن اللعن ليس للتكثير مع عدم الكثرة وإلا لمنع القراميل ولا شك أن الزينة حلال قال الله تعالىٰ: قل من حرم زينة الله التي أخرج لعباده ، فلولا لزوم الإهانة بالاستعمال لحل وصلها بشعور النساء أيضاً. (فتح القدير: ٤٢٦/٦، دار الفکر).

مصنوعی بالوں کی ٹوپی سے متعلق کچھ وضاحت حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

فیروز اللغات میں ہے: وِگ (wig) مصنوعی بالوں کی ٹوپی۔(ص ۱۴۱۵)۔

وِگ انگریزی لفظ ہے، اور پیریوگ (periwig) سے مشتق ہے اور پیریوگ پروک سے مشتق ہے جو در اصل فرانسیسی لفظ ہے۔ آج کل ٹوپی اور وِگ مستعمل ہیں، اور دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ وِگ پورے سر کو محیط ہوتی ہے اور ٹوپی فقط گنجے پن کو چھپاتی ہے۔

عام طور پر وگ اصلی بالوں کی طرح معلوم ہوتی ہے دیکھنے والا گمان بھی نہیں کرسکتا کہ یہ وگ ہے، پھر وگ مختلف قسم کے رنگوں میں آتی ہے، اقسام مختلف ہوتے ہیں، نیز انسانی بالوں، اور مصنوعی بالوں مثلاً: پلاسٹک، نائلون اور جانوروں کے بالوں سے بنائی جاتی ہے، البتہ انسانی بالوں کی وگ کافی مہنگی ہوتی ہے، بہ نسبت دیگر مصنوعی بالوں کے۔(المورد القریب، ص۴۵۲ و cassells french dictionary : 536,)۔

وگ کی ایجاد:

تاریخی اعتبار سے وگ مصری لوگوں کی ایجاد کردہ ہے، ابتدا میں اس کا استعمال حاجت کے لیے ہوتا تھا بایں طور کہ مصری اپنے سروں کو گنجا رکھتے تھے اور آفتاب کی گرمی سے سر کو بچانے کے لیے وگ کا استعمال شروع کیا تھا، بعد میں تکلفات شروع ہوگئے، قدیم زمانہ میں مصریوں کے علاوہ دیگر اقوام مثلاً: یونانی (Greeks) فینقی (Phoenicias)، اشوری، (Assyrians) اور رومانی لوگوں میں بھی اس کا رواج تھا۔

بعد ازاں ۱۶۰۰ء کے قریب اس کا استعمال ختم ہو چکا تھا پھر ۱۶۲۴ء میں لویس تیرہواں (Louis xlll) نے اپنے گنجے پن کو چھپانے کے لیے وگ کو استعمال کیا، اس کے بعد وگ کا رواج عام ہوتا گیا، یہاں تک کہ اس کا اچھا خاصا کاروبار شروع ہوگیا اور فرانس و پورے یورپ میں اس کے استعمال نے عروج پکڑا۔

آج کل لوگ عذر کی وجہ سے بھی استعمال کرتے ہیں مثلاً کینسر کی بیماری میں جب سر مکمل گنجا ہوجاتا ہے تو اپنے گنجے پن کو چھپانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اکثر فساق وفجار مرد وعورتیں اس میں ملوث ہیں خصوصاً فلموں کے اداکار اس میں بہت ہی زیادہ ملوث ہیں۔

ملخص از (انسائیکلو پیڈیا بریطانیکا: ۱۰/ ۲۶۸، وآکسفورڈ ڈکشنری: ۴۸/ ۱۸۸۵، وولڈ بک انسائیکلو پیڈیا: ۲۱/ ۲۵۱، ۴/ ۵۴۹)۔

خلاصہ یہ ہے کہ بلا ضرورت اس قسم کی اشیاء سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے خصوصاً اس زمانہ میں فلمی اداکار فاسق فاجر لوگوں کا شیوہ ہے، مسلمان کو مسلمان ہونے کے ناتے سے اسلامی حدود کی پابندی اور صالحین والا

طریقہ اختیار کرنا بے حد ضروری ہے، آخر تقویٰ بھی تو بہترین لباس ہے، مغربی تہذیب کے قدم بہ قدم چلنا کوئی عقلمندی نہیں۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

موئے گوش تراشنے کا حکم:

سوال: کیا کانوں کے بال کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کے کانوں پر بال ہوتے ہیں اور نظر آتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ کانوں کے بال کاٹنا جائز اور درست ہے، جیسا کہ سر کے بالوں کا منڈانا اور رکھنا دونوں جائز ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: الأذنان من الرأس. (رواہ الترمذی: ۱/۱۶).

یہ حدیث شریف مسح کے بارے میں ہے یعنی سر پر مسح کیا جاتا ہے تو کان سر کے حکم میں ہے تو کان پر بھی مسح کیا جائیگا، لہٰذا اس کی مناسبت سے یہ کہا جائے کہ سر کے بال کاٹنا جائز ہے تو کان کے بال کاٹنا بھی جائز ہے خلافِ صواب نہ ہوگا۔ ملاحظہ ہو: (مردوں کے لباس اور بالوں کے شرعی احکام، ص ۲۷)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

موئے بینی تراشنے کا حکم:

سوال: ناک کے بالوں کو صاف کرنے میں اکھیڑنا بہتر ہے یا قینچی سے کاٹنا افضل ہے؟

الجواب: فقہاء کی عبارات کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ ناک کے اندرونی بال کو قینچی سے کاٹنا افضل ہے، اکھیڑنا مناسب نہیں ہے اس سے بیماری کا اندیشہ ہے، نیز جب بھی بال بڑھتے ہوئے نظر آئیں ان کی صفائی کر لی جائے تا کہ باہر نظر نہ آئیں۔ ملاحظہ ہو فتاوی الشامی میں ہے: **ولا ینتف أنفہ لأن ذلک یورث الأکلة .** (فتاوی الشامی: ۶/۴۰۷، سعید). (و کذا فی الفتاوی الهندیة: ۵/۳۵۸). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

شوہر کی اجازت سے انسانی بال جوڑنے کا حکم:

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**لعن اللّٰہ الواصلة والمستوصلة**" میری نظر ایک مسئلہ پر گزری جو ادارۂ اشاعتِ دینیات میں چھپا تھا کہ شادی شدہ عورت اپنے شوہر کی اجازت سے نقلی بال اپنے

اصلی بالوں کے ساتھ ملا سکتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ یہ کہاں تک صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ دوشیزہ یا شوہر دیدہ دونوں کے لیے انسانی بالوں کو ملانا چاہے شوہر کی اجازت سے ہو یا بغیر اجازت کے ناجائز ہے۔ البتہ انسانی بالوں کے علاوہ جانور یا مصنوعی بالوں کا ملانا جائز ہے جب کہ دھوکا دہی نہ ہو اور کافرات، فاسقات کے ساتھ ارادی طور پر مشابہت بھی نہ ہو۔

ملاحظہ ہو تکملہ فتح الملہم میں ہے:

وقد دل الحديث على أن وصل المرأة شعرها كبيرة تستحق اللعن، وقد اختلف العلماء في تفصيل هذا الحكم على أقوال: (٢) الوصل بشعر الآدمی حرام وكذلك الوصل بشعر نجس من غير الآدمي وأما الشعر الطاهر من غير الآدمی فيجوز الوصل به بإذن الزوج أو السيد وهو قول لبعض الشافعية كما حكى عنهم النووی. (تکملة فتح الملهم: ١٩١/٤).

الدر المختار میں ہے:

ووصل الشعر بشعر الآدمي حرام سواء كان شعرها أو شعر غيرها لقوله صلى الله عليه وسلم...وفي الشامية: قوله سواء كان شعرها أو شعر غيرها، لما فيه من التزوير ... وفي شعر غيرها انتفاع بجزء الآدمي أيضاً، لكن في التاتارخانية: وإذا وصلت المرأة شعر غيرها بشعرها فهو مكروه، وإنما الرخصة في غير شعر بني آدم تتخذه المرأة لتزيد في قرونها، وهو مروي عن أبي يوسفؒ، وفي الخانية ولا بأس للمرأة أن تجعل في قرونها وذوائبها شيئاً من الوبر. (فتاوى الشامی: ٣٧٣/٦، سعيد).

الفتاویٰ الہندیہ میں ہے:

وصل الشعر بشعر الآدمي حرام سواء كان شعرها أو شعر غيرها كذا في الاختيار شرح المختار. (الفتاوى الهندية: ٣٥٨/٥). **واللہ ﷻ اعلم۔**

عورتوں کا اپنے بالوں کو کاٹنے کا حکم:

سوال: شریعتِ مطہرہ کیا کہتی ہے عورتوں کے بال کاٹنے کے بارے میں، ایک عورت کاٹتی ہے اور یہ

کہتی ہے کہ جب تک مردوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو تو حرام نہیں ہے؟ کیا یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: عورتوں کے لیے بالوں کا کاٹنا جائز نہیں ہے۔اس مسئلہ پر بہت کچھ لکھا گیا تاہم مختصر دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) روی الطبراني في الصغير (۱/۱۳۳، دارالفکر) **بسنده عن عبد الله بن عمرو، قال: نهى رسول الله صلى الله عليه عن الجمة للحرة و العقيصة للأمة ، لم يروه عن الزهري، إلا ابن جريج ، تفرد به معتمر ، ولا روى عن معتمر ، إلا بقية .**

قال الهيثمي في المجمع (۵/۱۶۹، باب شعر الحرة والامة من كتاب اللباس، دارالفكر) : **رواه الطبراني في الكبير** (رقم: ۱۴۰۳) **والصغير** (۱/۱۳۳، دارالفكر) **ورجال الصغير ثقات .**

وأورده الإمام السيوطيؒ في الجامع الصغير (۹۳۸۲) **و رمز له بالضعف .**

وقال العلامة المناويؒ في فيض القدير(۶/۴۰۵): **وعجب من المصنف كيف أغفل الطريق الصحيحة و آثر المرجوحة .**

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد عورت کو کندھوں تک بال رکھنے اور آگے کے بالوں کے کاٹنے سے منع فرمایا۔اس روایت سے معلوم ہوا کہ مردوں کے بالوں کی تین قسمیں ہیں: وفرہ لمہ اور جمہ،لہذا جمہ یعنی کندھوں تک، یہ مردوں کے بال کی آخری حد ہے اس کے آگے سے عورتوں کے بالوں کی ابتدا ہے۔

(۲) عن عكرمة عن ابن عباس ﷺ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء و المتشبهات من النساء بالرجال. (رواه البخاری،رقم: ۵۸۸۵).

وفي رواية لأحمد عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال حجاج: لعن الله ...الخ. (مسند أحمد، رقم:۳۱۵۱).

بال کاٹنے میں مردوں کے ساتھ اور فاسقات و کافرات کے ساتھ مشابہت واضح ہے،لہذا اس حدیث شریف کی وجہ سے بھی ممنوع اور ناجائز ہے۔

(۳) عن علي ﷺ قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تحلق المرأة رأسها .

(رواه الترمذی ، رقم: ۹۱۴، باب ماجاء فی كراهية الحلق للنساء).

وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى أن تحلق المرأة رأسها. (رواه الترمذى، رقم: ٩١٥).

وعن عثمان رضي الله عنه يقول: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تحلق المرأة رأسها.

(رواه البزار فى مسنده، رقم: ٤٤٧).

وعن ابن عباس رضي الله عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تحلق المرأة رأسها وقال: الحلق مثلة. (ابن جرير)، (جامع الاحاديث للامام السيوطى: ٢٣٣/٣٦).

قلت: والحلق عام للقص أيضاً كما ذكر فشمله الحديث، والله أعلم۔(امدادالفتاویٰ:۴/۲۲۹)۔

(۴) فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بال کاٹنا باعثِ لعنت ہے۔ چنانچہ صاحبِ درمختار علامہ علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں:

وفيه (أى المجتبى) قطعت شعر رأسها أثمت ولعنت، زاد فى البزازية: وإن بإذن الزوج لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته والمعنى المؤثر التشبه بالرجال. وفى فتاوى الشامي: قوله: والمعنى المؤثر أى العلة المؤثرة في إثمها التشبه بالرجال فإنه لا يجوز كالتشبه بالنساء حتى قال فى المجتبى رامزً: يكره غزل الرجل على هيئة غزل النساء. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ٤٠٧/٦، سعيد).

(وكذا فى تنقيح الفتاوى الحامدية: ٢٣٧/٤، كتاب الشهادة).

وفى الأشباه والنظائر: ولا يجوز للمرأة قطع شعرها ولو بإذن الزوج. (الاشباه النظائر: ١٤/٢، الفن الثانى فى الفوائد، كتاب النكاح).

قال في نصاب الاحتساب: ذكر فى النوازل فى كتاب النكاح: سئل أبوبكر عن امرأة قطعت شعرها قال: عليها أن تستغفر الله تعالىٰ وتتوب ولا تعود إلى مثله قيل: فإن فعلت ذلك بإذن زوجها قال: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق قيل له: لم لايجوز ذلك لها قال: لأنها شبهت نفسها بالرجال وقال النبى صلى الله عليه وسلم: لعن الله تعالىٰ المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال ولأن الشعر للمرأة بمنزلة اللحية للرجل فكما لا يحل للرجل أن يقطع لحيته لا يحل للمرأة أن تقطع شعرها. (نصاب

الاحتساب لعمر بن محمد بن عوض السنامی، ص۱۴۲، الباب الثامن فی الاحتساب علی النساء).

قال الإمام الناطفي في جمل الأحكام : المرأة إذا قطعت شعرها أثمت ودخلت تحت اللعنة ، وعليها أن تستغفر الله تعالىٰ وتتوب . (جمل الاحکام:۱/۱۶۵، ط؛ الریاض).

وفى الخلاصة : لو قطعت شعر رأسها عليها أن تستغفر . (خلاصة الفتاوی: ۲/۵۲).

وفى الملتقط للشيخ أبى القاسم السمرقندى: لا يحل للمرأة قطع شعرها كما لايحل للرجل قطع لحيته وكذلك لو أذن الزوج فى القطع لا يجوز لها . (الملتقط ،ص۱۰۲، مطلب فی جواز ضرب الرجل امرأته ، کتاب النکاح ، بیروت).

قال العلامة ابن مفلح الحنبلى فى الآداب الشرعية (۲/۴۲۴) **: ويكره للمرأة حلق رأسها زاد غير واحد وقصه من غير عذر رواية واحدة وقيل : يحرمان عليها .**

وقال فى الإنصاف : قال فى الرعاية الكبرى : يكره الحلق والقص لهن بلا عذر وقيل يحرمان عليها . (الانصاف :۱/۱۲۳).

اشکال اور جواب:

اشکال: حدیث میں آتا ہے کہ ازواجِ مطہرات اپنے بالوں کو کاٹتی تھیں، لہذا بالوں کا کاٹنا جائز ہونا چاہئے؟

ملاحظہ ہو مسلم شریف کی روایت میں ہے:

عن أبي سلمة بن عبدالرحمن قال: دخلت على عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أنا وأخوها من الرضاعة فسألها عن غسل النبى صلى الله عليه وسلم من الجنابة فدعت بإناء قدر الصاع فاغتسلت وبيننا وبينها ستر وأفرغت على رأسها ثلاثاً قال: وكان أزواج النبى صلى الله عليه وسلم يأخذن من رؤوسهن حتى تكون كالوفرة . (رواہ مسلم : ۱/۱۴۸).

اس حدیث کا کیا جواب ہے؟

الجواب: حدیث شریف کا بے غبار مطلب یہ ہے کہ اس میں قطع کا لفظ نہیں ہے بلکہ اخذ کا ذکر ہے اور اخذ لینے اور پکڑنے کے معنی میں آتا ہے۔ قرآن کریم سے چند شواہد ملاحظہ کیجئے:

﴿ **وأخذ برأس أخيه يجره إليه** ﴾، ﴿**لا تأخذ بلحيتي ولا برأسي**﴾ دونوں میں اخذ پکڑنے کے معنی

میں مستعمل ہوا ہے۔اور خذ من أموالهم صدقة ، اور فخذ أحدنا مكانه ، لا تأخذه سنة ولا نوم ، کے معنی بھی یہی ہے۔

نیز حدیث شریف میں بھی آیا ہے: إذا بال أحدكم فلا يأخذن ذكره بيمينه ، وغيره۔

ہاں گاہے گاہے قرائن کی وجہ سے قطع کے معنی بھی لیئے جاتے ہیں۔مثلاً: حدیث شریف میں ہے: من أراد منكم أن يضحى فلا يأخذن من أظفاره وشعره شيئاً حتى يضحى، أخرجه الجماعة إلا البخارى ۔کیونکہ قربانی کے ساتھ بال نہ کاٹنے کا تعلق ہے۔نیز اظفار بھی اس کا قرینہ ہے۔

اور یہاں مسلم شریف کی حدیث میں پکڑنے کے معنی لینے کے قرائن موجود ہیں:

پہلا قرینہ: حدیث میں غسل کا ذکر ہے اور غسل کے ساتھ بالوں کے کاٹنے کا جوڑ نہیں، بلکہ صاف مطلب یہ ہے کہ پانی کے قطرات سے بچنے کے لیے غسل کے بالوں کا گچھا بنالیتی تھیں اور وفرہ کی طرح کانوں کے پاس رکھتی تھیں،جیسا کہ آج کل بھی عورتوں کا معمول ہے۔

اسی کو شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم میں بیان فرمایا ہے:

قلت: وعندى المراد بالحديث أن نساء النبي صلى الله عليه وسلم كن يعقصن شعورهن المسترسلة ، يعقدنها على القفا، أو على الرأس من غير أن يتخذنها قروناً وضفائر، حتى تكون كالوفرة في عدم مجاوزتها من الأذنين ،كما يفعله كثيرمن العجائز والأيامى فى عصرنا، بل عامة النساء فى حالة الاغتسال بعد غسل الرأس، فإن الشعور الطويلة لو استرسلت على حالها فإيصال الماء إلى البدن المستور تحت الشعور المسترسلة لايخلو عن كلفة ومشقة . (فتح الملهم : ١٥٦/٣ ، باب قدرالمستحب من الماء، مكتبة دارالعلوم كراچى).

اس معنی کی تائید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے۔ملاحظہ ہو طبرانی اوسط میں ہے:

حدثنا محمد بن عبد الله بن بكر السراج السكرى، قال: حدثنا إسماعيل بن إبراهيم الرحماني، قال: حدثنا عمر بن هارون، عن جعفر بن محمد ، عن أبيه ، عن سالم خادم رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ”كن أزواج النبي صلى الله عليه وسلم يجعلن رؤوسهن أربع قرون(أى أربع ضفائر)فإذا اغتسلن جمعنهن وسط رؤوسهن ولم ينقضنهن“.

(رواه الطبرانى فى الاوسط : ٣٩/٨ / ٧٠٧٨،ط: مكتبة المعارف ،الرياض).

قال الهيثمي في المجمع (۱/۲۷۳، في باب الغسل من الجنابة ، دارالفكر) : **رواه الطبراني في الأوسط والكبير وفيه : عمر بن هارون وقد ضعفه أكثر الناس ووثقه قتيبة وغيره .**

امداد الاحکام میں ہے: عورتوں کے بالوں کا جوڑا باندھنا مکروہ نہیں۔(امداد الاحکام:۴/۳۴۷)۔

دوسرا قرینہ: حدیث میں ہے ''**حتى تكون كالوفرة**'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بالوں کا گچھا وفرہ کی طرح معلوم ہوتا تھا اگر کٹے ہوئے بال کان کی لو تک ہوتے تو اس کے لیے یہ الفاظ ''**حتى تكون وفرة**'' یا ''**حتى تكون لمة**'' یا ''**حتى تكون جمة**'' ہوتے۔ نیز بالوں کا گچھا عموماً عمر رسیدہ خواتین بناتی ہیں لڑکیاں نہیں بناتیں، ازواجِ مطہرات آخر میں عمر رسیدہ تھیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اس حدیث سے بال کاٹنا ہی مراد ہے تو یہ استدلال درجِ ذیل دو وجوہات کی وجہ سے کمزور اور ضعیف ہے۔

(۱) راوی نے ازواجِ مطہرات کے بالوں کے کاٹنے کی رؤیت بیان نہیں کی بلکہ حضرت عائشہؓ کے بالوں کی کمی دیکھی اور دوسری ازواجِ مطہرات تو ان کی غیر محرم تھیں بنا بریں یا تو قیاس سے کام لیا یا ازواجِ مطہرات سے مراد صرف حضرت عائشہؓ ہیں اور صیغہ جمع تعظیماً ہے۔ **کما قال الله سبحانه وتعالىٰ : قال لأهله امكثوا۔**

اور حضرت عائشہؓ کے بالوں کی کمی بیماری کی وجہ سے تھی، چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: **فقدمنا المدينة فنزلنا في بني الحارث بن الخزرج فوعكت فتمرق شعري فوفى جميمة ...الخ** . (صحيح البخاري: ۱/۵۵۱).

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب ہم مدینہ طیبہ آئے اور بنوالحارث میں اترے تو بخار نے مجھے گھیر لیا اور میرے بال گر گئے اس کے بعد چھوٹا سا جمہ پورا ہوا۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے بالوں کو جمہ نہیں فرمایا، جمیمہ فرمایا، یعنی جمہ سے اوپر اور یہ ہی کالوفرۃ ہے۔ معلوم ہوا کہ ان کے بالوں کی کمی سابقہ بیماری کا نتیجہ تھا، اس میں کاٹنے کا کوئی دخل نہیں، مزید براں وہ کثرت سے عمرے بھی فرماتی تھیں جس کی وجہ سے بالوں کا کم ہونا بدیہی امر ہے۔

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ اگر بالفرض والتقدیر بال کاٹتی تھیں تو وہ بیوہ ہونے کے بعد، پھر شوہر والیوں اور لڑکیوں کے لیے بال کاٹنے کا ثبوت کہاں سے آ گیا؟

پھر یہ کاٹنا بقولِ علامہ نووی ترکِ زینت کے لیے تھا کیونکہ اُس زمانہ میں لمبے بال زینت تھی، لیکن موجودہ دور میں یورپ سے آندھی چلی کہ چھوٹے بالوں کو زینت سمجھا جانے لگا۔ اگر ازواجِ مطہرات کی اقتدا کرنی ہی ہے تو بیواؤں کے لیے بال کاٹنے کی رخصت ڈھونڈنی چاہئے؟

ملاحظہ ہو شمائل کبریٰ میں ہے:

یہ کاٹنا زینت اور خوشنمائی کے طور پر نہ تھا، چنانچہ علامہ نوویؒ کاٹنے کا سبب لکھتے ہیں: یہ ترک زینت اور خوشنمانہ لگنے اور بالوں کے طول کی ضرورت نہ سمجھنے کی بنیاد پر تھا، چونکہ آپ کی وفات ہو چکی تھی، زینت کی ضرورت باقی نہ تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورت بوڑھی ضعیفہ بیوہ ہو تو زینت اور خوشنمائی کم کرنے کی وجہ سے کچھ بال تراش لے تو اس کی اجازت ہو سکتی ہے (لیکن آج کل تو مغربی فیشن سے متأثر ہو کر اکثر عورتیں ایسا کرتی ہیں جس کی قطعاً اجازت نہیں) جیسا کہ قاضی عیاض مالکیؒ امام نوویؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اجازت دی ہے۔ مگر شادی شدہ عورتوں کو فیشن یا زینت کے طور پر جیسا کہ مغربی طرز کے بالوں میں کاٹا جاتا ہے، بالکل اجازت نہیں ہو سکتی، کہ ممنوع اور حرام کا ارتکاب ہوگا۔ (شمائل کبریٰ: ۲/۳۳۶، ط: زمزم)۔

پھر یہ کلام بطورِ فرض کے ہو اور نہ اس حدیث کا مطلب پہلے بیان ہو چکا۔

مزید ملاحظہ ہو: (امداد الفتاویٰ: ۴/۲۲۷، فتاویٰ بینات، جلدِ چہارم، ص ۴۰۵، و آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/۳۲۶-۳۲۸ طبع جدید)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورتوں کے لیے لیئرنگ کٹ کا حکم:

سوال: عورت کے بالوں کو لیئرنگ (layering of women's hair) کرنا جائز ہے یا نہیں؟ میں ہمیشہ اپنے بالوں کو لیئر کرتی تھی، کسی نے مجھے بتایا کہ لیئر کرنا ٹھیک نہیں ہے، تو اب میں شریعت کا حکم معلوم کرنا چاہتی ہوں، کیونکہ میرے بال بہت باریک ہیں لیئر نہ کرنے کی وجہ سے گرتے ہیں۔ برائے کرم حکمِ شرعی سے مطلع فرما کر اجرِ عظیم کے مستحق ہوں۔

الجواب: فی زماننا اکثر عورتیں مغربی تہذیب سے متأثر ہو کر اپنے بالوں کو لیئر کرواتی ہیں، اور لیئرنگ کٹ میں عام طور پر ''V'' یا ''U'' کی شکل کا لحاظ رکھتے ہوئے بالوں کو ایک خاص مقدار میں کاٹا جاتا ہے۔ اس

طرح کی کٹ میں درجِ ذیل دوخرابیوں کے پائے جانے کی وجہ سے یہ ممنوع اورناجائز ہے۔

(۱) کافرات اور فاسقات کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے۔اور شریعتِ مطہرہ نے غیرقوم کی تشبہ سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے۔

(۲) بالوں کو کافی مقدار میں کاٹنے کی وجہ سے بہت چھوٹے ہوجاتے ہیں، نیز بالوں کا صحیح توازن بھی فوت ہوجاتا ہے اور بعض چھوٹے اور بعض بڑے رہ جاتے ہیں، احادیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

روی البخاري بسنده عن ابن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن القزع. (رقم: ۵۹۲۱،باب القزع).

فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله: والمعنى المؤثر أى العلة المؤثرة في إثمها التشبه بالرجال فإنه لا يجوز كالتشبه بالنساء حتى قال فى المجتبى رامزاً : يكره غزل الرجل على هيئة غزل النساء .

(الدرالمختار مع ردالمحتار: ٦/٤٠٧، سعيد). (وكذا فى تنقيح الفتاوى الحامدية: ٤/٢٣٧، كتاب الشهادة).

وفي الأشباه والنظائر: ولا يجوز للمرأة قطع شعرها ولو بإذن الزوج . (الاشباه النظائر: ٢/١٤، الفن الثانى فى الفوائد،كتاب النكاح).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولو حلقت المرأة رأسها فإن فعلت لوجع أصابها لا بأس به وإن فعلت ذلك تشبهاً بالرجل فهو مكروه كذا فى الكبرى . (الفتاوى الهندية : ٥/٣٥٨).

الاشباہ والنظائر میں ہے:

وتمنع عن حلق رأسها . قال العلامة السيد الحموى: أى حلق شعر رأسها... والمراد بحلق شعر رأسها إزالته سواء كان بحلق أو قص، أونتف أو نورة ، فليحرر، والمراد بعدم الجواز كراهية التحريم ،كما في مفتاح السعادة ، ولو حلقت ذلك تشبها بالرجال فهو مكروه لأنها ملعونة . (الاشباه والنظائر مع غمزعيون البصائر: ٣/٧٣، احكام الانثى).

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

اگر شوہر عورت کو فیشن کے طرز پر بال کاٹنے کے لیے کہے یا عورت از خود فیشن کے انداز پر بال کاٹے تو یہ سخت گناہ کا کام ہے اور حرام ہے اور گناہ کے کام میں شوہر کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۵/۴۵۴)۔

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

آج کل فیشن کے طور پر عورتوں میں بال کٹوانا عام ہے جب کہ عورتوں کو مردوں کی مشابہت کرنا حرام ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے، جو چیز ناجائز ہو، وہ شوہر کی اجازت کے ساتھ بھی ناجائز ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/۳۲۷ طبع جدید)۔

بہشتی زیور میں ہے مرقوم ہے:

مسئلہ: عورت کو سر منڈانا بال کتروانا حرام ہے حدیث میں لعنت آئی ہے۔ (حصہ ۱۱ تتمہ حصہ پنجم)۔

مزید دلائل ماقبل میں تفصیل سے بیان ہو چکے ہیں وہاں مراجعت کر لی جائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورت کا اپنے بالوں میں چمٹی لگانے کا حکم:

سوال: فی زمانا بعض عورتیں اپنے بالوں کو بڑا دکھانے کے لیے بالوں میں بڑا کلپ (clip) لگاتی ہیں، نیز یہ ایک قسم کا فیشن بھی ہے جو عرب علاقوں میں کثرت سے چل رہا ہے، پھر اس کے اوپر دوپٹہ بھی نہیں پہنتیں، کیا یہ حدیث شریف ''کأسنمة البخت'' کے تحت شامل ہو کر ممنوع اور ناجائز ہوگا یا ایسا کرنا درست ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر کلپ بڑا ہو اور سر کے اوپر کی جانب میں ہو اور اونٹ کے کوہان کی طرح معلوم ہوتا ہو تو یہ حدیث کی ممانعت میں داخل ہو کر ممنوع ہوگا، لیکن اگر کلپ چھوٹا سا ہو اور گدی پر بالوں کا گچھا بنا کر لگا دے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ تاہم ارادی طور پر فاسقات، کافرات کی مشابہت سے اجتناب کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

ومعنى رؤوسهن كأسنمة البخت أن يكبرنها ويعظمنها بلف عمامة أوعصابة أو نحوها. (شرح صحيح مسلم: ١٤/ ١١٠، داراحياء التراث العربى).

وفيه: قال وهي ضفر غدائر و شدها إلى فوق وجمعها فى وسط الرأس فتصير كأسنمة البخت قال: وهذا يدل على أن المراد بالتشبيه بأسنمة البخت إنما هو لارتفاع

الغدائر فوق رؤوسهن وجمع عقائصها هناك ...الخ. (شرح مسلم: ١٧/ ١٩١،ط: بیروت).

تکملة فتح الملهم میں ہے:

قلت: قد ظهرت في عصرنا نساء يعقدن شعورهن المسترسلة على أقفيتهن أو في أوساط رؤوسهن بما يشابه سنام البعير سواء بسواء، كأن النبي صلى الله عليه وسلم شبه رؤوسهن بأسنمة البخت. (تكملة فتح الملهم: ٤/ ٢٠١).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

کلپ بالوں میں لگانا عورتوں کے لیے جائز ہے، بشرطیکہ وہ ناپاک نہ ہو اور کفار یا فساق کا شعار نہ ہو کہ اصل جواز ہے، ممانعت وجوہ مذکورہ پر ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/ ۴۴۱، جامعہ فاروقیہ)۔

احسن الفتاویٰ میں مرقوم ہے:

عورتوں کا بالوں کو جمع کر کے سر کے اوپر جوڑا باندھنا جائز نہیں حدیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے کہ ایسی عورتوں کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی، اس کے سوا دوسرے طریقے جائز ہیں بشرطیکہ کسی نامحرم کی نظر نہ پڑے اور کفار کے ساتھ مشابہت نہ ہو، بالوں کا سخت پردہ ہے...گدی پر جوڑا باندھنا جائز ہے بلکہ حالتِ نماز میں افضل ہے، اس لیے کہ اس سے بالوں کے پردے میں سہولت رہتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۸/ ۷۵)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورتوں کے سر کے بالوں میں پھول لگانے کا حکم:

سوال: آج کل عورتیں قسم قسم کی اشیاء، مثلاً پھول وغیرہ اپنے بالوں میں زینت اور خوبصورتی کے لیے لگاتی ہیں، جب سر پر لگتا ہے تو نگاہوں کے کھینچنے کا ایک ذریعہ ہو جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ روایت میں آتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ عورتوں کے سر اونٹ کے کوہان کی طرح ہوں گے۔ کیا یہ روایت صحیح ہے یا نہیں؟ نیز ایسی زینت کی چیزیں لگانا اس میں داخل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اسلام نے زیب وزینت کے بارے میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنے کی تعلیم و ترغیب دی ہے، ایک طرف بالکل مغربی تہذیب کے دوش بدوش چلنے سے منع کیا ہے تو دوسری جانب حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے زینت اور خوبصورتی کی اجازت دی ہے، چنانچہ بالوں میں خوبصورتی اور زینت کے لیے پھول تانبے، پیتل کے نگینے وغیرہ لگانے کی اجازت ہوگی جیسا کہ عام طور پر دیہاتی عورتیں لگاتی ہیں۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولا بأس للنساء بتعليق الخرز في شعورهن من صفر أو نحاس أو شبه أو حديد ونحوها للزينة ...الخ. (الفتاوى الهندية: ٣٥٩/٥، الباب العشرون فى الزينة).

مولانا خالد سیف اللہ صاحب فرماتے ہیں:

اسی طرح بالوں میں خوبصورتی کے لیے چاندی، سونے یا کسی دھات کے کانٹے، پھول وغیرہ بھی لگانے کی اجازت ہے۔ (جدید فقہی مسائل: ۳۱۳/۱)۔

البتہ سر کے اوپر کی جانب یا وسط راس میں لگانے سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ اس کی وجہ سے سر اونٹ کے کوہان کی طرح معلوم ہوتا ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورتوں کے لیے وعید بیان فرمائی ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صنفان من أهل النار لم أرهما قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات رؤوسهن كأسنمة البخت المائلة لايدخلن الجنة ولايجدن ريحها وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا. (رواه مسلم، رقم: ٢١٢٨، باب النساء الكاسيات عاريات).

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قال وهي ضفر غدائر وشدها إلى فوق وجمعها في وسط الرأس فتصير كاسنمة البخت قال: وهذا يدل على أن المراد بالتشبيه بأسنمة البخت إنما هو لارتفاع الغدائر فوق رؤوسهن وجمع عقائصها هناك ...الخ. (شرح مسلم: ١٩١/١٧، ط: بيروت).

تکملہ فتح الملہم میں ہے:

قلت: ظهرت في عصرنا نساء يعقدن شعورهن المسترسلة على أقفيتهن أو في أوساط رؤوسهن بما يشابه سنام البعير. (تكملة فتح الملهم: ٢٠١/٤). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بال اور ناخن دفن کرنے اور جلانے کا حکم:

سوال: بال اور ناخن کو دفن کرنا ضروری ہے یا جلانا بھی جائز ہے؟ کیا کسی حدیث میں صراحۃً اس کی

ممانعت آئی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: احادیث اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ بال اور ناخن کو دفن کرنا مستحب ہے، اور اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ ساحرین ان کو کھلونا نہ بنائیں، نیز انسان بجمیع اجزا مکرم ومحترم ہے اس وجہ سے گندگی وغیرہ میں پھینکنا اور جلانا درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

ذكر الحكيم الترمذى في" نوادر الأصول في أحاديث الرسول صلى الله عليه وسلم" (۱/۱۸۵،الاصل التاسع والعشرون فى النظافة، ط: دارالجيل) : **عن عبد اللّٰه بن بشر المازنى رضى اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: قصوا أظافيركم وادفنوا قلاماتكم ونقوا براجمكم ونظفوا لثاتكم من الطعام وتسننوا ولا تدخلوا علي قخراً بخراً .**

وأما قص الأظفار فلأنها تخدش وتضر وهو مجمع الوسخ...وأما دفن القلامة فإن جسد المؤمن ذوحرمة فما سقط منه فحظه من الحرمة قائم وقد أمر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بدفن دمه حيث احتجم كيلا يبحث عنه الكلاب .

وأورده الإمام السيوطى فى الجامع الصغير (٦١٢٩) **و رمز له بالضعف .**

قال العلامة الملا على القارى: إذا قلم أظافيره أو جز شعره ينبغي أن يدفن قلامته فإن رمى به فلا بأس وإن ألقاه فى الكنيف أو المغتسل يكره . (مرقاة المفاتيح: ٨/٢٦٠، باب الترجل).

وفى البحر الرائق: ولو قلم أظافيره أو جز شعره يجب أن يدفن وإن رماه فلا بأس به وإن رماه فى الكنيف أو المغتسل فهو مكروه وفى الفتاوى العتابية : يدفن أربعة: الظفر والشعر وخرقة الحيض والدم . (البحرالرائق: ٨/٢٣٢، دارالمعرفة).

(وكذا في فتاوى الشامى:٦/٤٠٥، سعيد، ومجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر:٤/٢٢٦، دارالكتب العلمية، والفتاوى الهندية: ٥/٣٥٨، وفتاوى قاضيخان بهامش الهندية :٣/٤١١، وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص ٥٢٧، ط: قديمى).

قال الإمام النوويؒ يحرم الانتفاع بشعر الآدمي وسائر أجزائه لكرامته، بل يدفن شعره وظفره وسائر أجزائه . (شرح صحيح مسلم: ١٤/١٠٣،بيروت، وكذا فى عمدة القارى شرح صحيح البخارى:

١٣ / ٣٩٠، ط:دار الحدیث ،ملتان، والموسوعة الفقهية :٤٢/٢ ٣٤٦).

عن أم سعد امرأة زيد بن ثابت قالت: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمر بدفن الدم إذا احتجم . (رواه الطبرانی فی الاوسط: ١/ ٨٨٢/٢٧٠، ط: القاهرة).

قال الهيثمي : فيه هياج بن بسطام وهو ضعيف. (باب دفن الدم).

مزید چند آثار ملاحظہ کیجئے مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا وكيع ، عن عبد الجبار بن عباس، عن رجل من بني هاشم، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر بدفن الشعر والظفر والدم .

حدثنا الفضل بن دكين ، عن حسن بن صالح ، عن إبراهيم بن مهاجر، عن مجاهد ، أنه كان إذا قلم أظفاره دفنها ، أو أمر بها فدفنت .

عن القاسم ، أنه كان يدفن شعره بمنى . (مصنف ابن ابی شیبة : ٨/ ٤١٧).

فتح الباری میں ہے:

كان ابن عمر رضي الله عنه يدفنه و روى أن النبي صلى الله عليه وسلم أمر بدفن الشعر والأظفار وقال: لايتلعب به سحرة بني آدم قلت: وهذا الحديث أخرجه البيهقي من حديث وائل بن حجر نحوه وقد استحب أصحابنا دفنها لكونها أجزاء من الآدمي والله أعلم. (فتح الباری : ١٠/ ٣٤٦،باب قص الشارب).

وللمزيد راجع : (شعب الايمان:٥/ ٢٣٢، فصل فی دفن مایزیله عن نفسه من الشعر والظفر والدم ،ط: دار الکتب العلمية ، والآداب للامام البیهقی:٢/ ٢٥٧، باب الفطرة).

وفي فيض القدير: كان يأمر بدفن الشعر والأظفار...لئلا تتفرق أجزائه وقد يقع فى النار أو غيرها من الأقذار...وكان يأمر بدفن سبعة أشياء من الإنسان الشعر والظفر والدم والحيضة والسن والعلقة والمشيمة... (فيض القدير: ٥/ ٢٥٢).

وفيه: أيضاً: وادفنوا قلاماتكم ، أى غيبوا ما قطعتموه منها فى الأرض فإن جسد المؤمن ذو حرمة فما سقط منه فحرمته قائمة فدفنه كدفنه لئلايقع فى النار أو في شيء من الأقذار. (فيض القدير: ٤/ ٦٧٧).

علامہ عبد الرؤوف المناویؒ کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ ناخن اور بالوں کو جلانا درست نہیں ہے۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

جلانا جائز نہیں، ایسی عورتیں کسی کپڑے یا کاغذ میں لپیٹ کر کہیں ڈال دیں۔ **وفی الخانية: ينبغي أن يدفن قلامة ظفره ومحلوق شعره ... الخ.** (فتاویٰ محمودیہ: ۴۵۲/۱۹، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

عورت کا بیوٹی پارلر میں بال نکلوانے کا حکم:

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ بیوٹی پارلر میں جا کر دوسری عورت سے اپنے بدن کے بال نکلوائے؟ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ بیوٹی پارلر میں عورت کو برہنہ ہونا پڑتا ہے صرف ستر غلیظ پر کپڑا ڈالتی ہے، اور ایک خاص آلہ کے ذریعہ بال نکلواتی ہے جس کو وہ خود استعمال نہیں کرسکتی اور یہ شوہر کے سامنے خوبصورتی میں اضافہ کے لیے کرتی ہے۔ آیا یہ طریقہ بنگاہِ شریعت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ ایک عورت کے لیے دوسری عورت کے سامنے ناف سے لیکر گھٹنوں تک ستر ہے بلاضرورتِ شدیدہ اس کا دکھانا ناجائز ہے، بنابریں اس طرح برہنہ ہوکر جسم کے بال کی صفائی کروانا شریعت کی نگاہ میں جائز اور درست نہیں۔ ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں مذکور ہے:

وما يحرم للمرأة من المرأة فكل ما يحل للرجل أن ينظر إليه من الرجل يحل للمرأة أن تنظر إليه من المرأة وكل ما لا يحل له لا يحل لها... ولا يجوز لها أن تنظر ما بين سرتها إلى الركبة إلا عند الضرورة بأن كانت قابلة فلا بأس لها أن تنظر إلى الفرج عند الولادة .

(بدائع الصنائع: ۱۲٤/٥، كتاب الاستحسان، سعيد).

وللاستزادة راجع: (البحر الرائق: ۱۹۳/۸، ط: كوئته، وتكمله فتح القدير: ۳۰/۱۰، دار الفكر).

حتی کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ نیک صالحہ عورت فاسقات کے سامنے اپنے سر کے بال بھی نہ کھولے۔

چنانچہ علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

ليس للمؤمنة أن تتجرد بين يدى مشركة أو كتابية ، ونقله فى العناية وغيرها عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ، فهو تفسير مأثور وفي شرح الأستاذ عبد الغنى النابلسي على هدية ابن العماد عن شرح والده الشيخ إسماعيل على الدرر والغرر: لا يحل للمسلمة أن تنكشف بين يدى

يهودية أو نصرانية أو مشركة إلا أن تكون أمة لها كما فى السراج ، ونصاب الاحتساب ولا تنبغي للمرأة الصالحة أن تنظر إليها المرأة الفاجرة لأنها تصفها عند الرجال ، فلا يضع جلبابها ولا خمارها كما فى السراج. (فتاوى الشامي: ٣٧١/٦،سعيد). (وكذا في الموسوعة الفقهية : ١٥٨/١٨).

خلاصہ یہ ہے کہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے زیب وزینت کی گنجائش ہے لیکن حدودِ شریعت کو پھلانک کر فاسقات اور فاجرات کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہوئے زیب وزینت کرنا جائز اور درست نہیں ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصل سوم

ناخن تراشنے سے متعلق احکام کا بیان

ناخن کاٹنے کا طریقہ:

سوال: بعض لوگ ہاتھ پیر کے ناخنوں کو ایک خاص طریقہ پر کاٹتے ہیں وہ طریقہ کیا ہے؟ اور کیا وہ طریقہ احادیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ ناخن کاٹنے کا صحیح طریقہ بتادیجئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ناخن کاٹنے سے متعلق کوئی کیفیت منقول نہیں ہے، بنابریں کسی خاص کیفیت کو مسنون کہنا یا سنت سمجھ کر اس کے مطابق کاٹنا درست نہیں ہے۔ البتہ علماء نے چند طریقے بیان کیے ہیں۔ چنانچہ حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) پہلا طریقہ:

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں یہ طریقہ ذکر فرمایا ہے:

دائیں ہاتھ کی انگشتِ شہادت سے شروع کر کے بائیں ہاتھ کے ابہام تک کاٹ دے پھر آخر میں دائیں ہاتھ کے ابہام کے ناخن کاٹے۔ اس ترتیب کی حکمت یہ ہے کہ اس میں ابتدا بھی یمین سے ہوئی اور اختتام بھی یمین پر ہوا، حدیث شریف ''الأيمن فالأيمن'' پر عمل ہوا۔

قال الإمام الغزاليؒ في إحياء علوم الدين: إنه لا بد من قلم أظفار اليد والرجل واليد أشرف من الرجل فيبدأ بها ثم اليمنى أشرف من اليسرى فيبدأ بها ثم على اليمنى خمسة أصابع والمسبحة أشرفها إذ هي المشيرة في كلمتي الشهادة من جملة الأصابع ثم بعدها ينبغي أن يبتدئ بما على يمينها إذ الشرع يستحب إدارة الطهور وغيره على اليمين...ثم

إذا وضعت الكف على الكف صارت الأصابع في حكم حلقة دائرة فيقتضي ترتيب الدور الذهاب عن يمين المسبحة إلى أن يعود إلى المسبحة فتقع البداء ة بخنصر اليسرى و الختم بإبهامها ويبقى إبهام اليمنى فيختم به التقليم . (احياء علوم الدين : ۱/۱۳۵).

(و كذا فى ردالمحتار:۶/۴۰۶، سعيد، و الفتاوى الهندية:۵/۳۵۸، وبهشتي زيور،ص۹۶۸، وبذل المجهود:۱/۳۳).

(۲) دوسرا طریقہ:

امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم میں بیان فرمایا ہے:

دائیں ہاتھ کی انگشتِ شہادت، پھر بیچ والی پھر اس کے بعد والی پھر سب سے چھوٹی اور آخر میں انگوٹھا، اور بائیں ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی سے شروع کر کے انگوٹھے پر ختم کرے۔ ملاحظہ ہو شرح مسلم میں ہے:

و يستحب أن يبدأ باليدين قبل الرجلين فيبدأ بمسبحة يده اليمنى ثم الوسطى ثم البنصر ثم الخنصر ثم الإبهام ثم يعود إلى اليسرى فيبدأ بخنصرها ثم ببنصرها إلى آخرها ثم يعود إلى الرجل اليمنى فيبدأ بخنصرها ويختم بخنصر اليسرى . (شرح صحيح مسلم: ۱/۱۲۹).

(۳) تیسرا طریقہ:

صاحب الاقلید فرماتے ہیں کہ داہنے ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی سے شروع کر کے ابہام تک کاٹے اور بائیں ہاتھ کے ابہام سے شروع کر کے سب سے چھوٹی انگلی تک پہنچا دے۔

چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں رقمطراز ہے:

وقد قال صاحب الاقليد قضية الأخذ في ذلك بالتيامن أن يبدأ بخنصر اليمنى إلى أن ينتهي إلى خنصر اليسرى فى اليدين و الرجلين معاً . (فتح الباری:۱۰/ ۳۴۵).

(۴) چوتھا طریقہ:

علامہ دمیاطی امام احمد اور ابو عبداللہ بن بطہ نے درج ذیل ذکر کیا ہے:

دائیں ہاتھ کی خنصر پھر وسطیٰ پھر ابہام، پھر بنصر، پھر مسبحہ، پھر بائیں ہاتھ کا ابہام، پھر وسطیٰ پھر خنصر پھر مسبحہ پھر بنصر۔ اور اس ترتیب کو آشوبِ چشم کے لیے مفید بتلایا ہے۔

ملاحظہ ہو فتح الباری میں ہے:

وذكر الدمياطي أنه تلقى عن بعض المشايخ أن من قص أظفاره مخالفاً لم يصبه رمد

و أنه جرب ذلک مدة طويلة و قد نص أحمد على استحباب قصها مخالفاً و بين ذلک أبوعبد اللّٰه بن بطة من أصحابهم فقال: يبدأ بخنصره اليمنى ثم الوسطى، ثم الإبهام ، ثم البنصر، ثم السبابة ويبدأ بإبهام اليسرى على العكس من اليمنى. (فتح الباري : ۱۰/ ۳٤٥، دار المعرفة) .

شمائل کبریٰ میں ہے:

حافظؒ نے فتح الباری میں علامہ زبیدی شارحِ احیاء نے اتحاف السادۃ میں اور علامہ شامیؒ نے ردالمحتار میں ناخن کاٹنے کی ایک ترتیب لکھی ہے۔ جو آشوبِ چشم کے لیے مجرب ہے وہ یہ ہے: اولاً دائیں ہاتھ کی انگشتِ شہادت کے ناخن کاٹے پھر چھوٹی انگلی کے بغل والی پھر انگوٹھا پھر بیچ کی انگلی پھر چھوٹی انگلی ، اس کے بعد بائیں ہاتھ کی اس طرح ، پہلے انگشتِ شہادت پھر چھوٹی انگلی کے بغل والی پھر انگوٹھا پھر بیچ کی انگلی آخر میں سب سے چھوٹی انگلی ...علامہ شامیؒ نے بھی مجرب لکھا ہے ، امام احمدؒ نے اس طریقہ کو مستحب قرار دیا ہے۔ (شمائل کبریٰ: ۳٦۸/۲)۔

اور پیروں کے ناخن کا طریقہ ایک ہی ہے کہ دائیں پیر کی خنصر سے شروع کرے اور بائیں پیر کی خنصر پر ختم کرے۔ قال الإمام الغزاليؒ: وأما أصابع الرجل فالأولى عندى إن لم يثبت فيها نقل أن يبدأ بخنصر اليمنى ويختم بخنصر اليسرى كما فى التخليل فإن المعانى التي ذكرها فى اليد لاتتجه ههنا إذ لا مسبحة فى الرجل وهذه الأصابع في صف واحد ثابت على الأرض فيبدأ من جانب اليمنى ...الخ. (احیاء علوم الدین: ۱/۱۳۵).

لیکن ان میں سے کوئی ترتیب بھی حدیث سے ثابت نہیں ہے ، چنانچہ علماء نے ثبوت کا انکار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

ولم يثبت في ترتيب الأصابع عند القص شيء من الأحاديث لكن جزم النوويؒ بأنه يستحب... ولم يذكر للاستحباب مستنداً...وقد أنكر ابن دقيق العيد الهيئة التى ذكرها الغزالي ومن تبعه وقال: كل ذلک لا أصل له وإحداث استحباب لا دليل عليه وهو قبيح عندي بالعالم ...الخ. (فتح الباری: ۱۰/۳٤٥).

قال العلامة بدر الدين العينيؒ في عمدة القارى: ولم يثبت في ترتيب الأصابع عند

القص شيء من الأحاديث ولكن ذكر النووي في شرح مسلم أنه يستحب البداء ة...ولم يذكر للاستحباب مستنداً . (عمدة القاری:۱۵/ ۸۹، باب تقلیم الاظفار،ط:دارالحدیث متان).

قال الملاعلی القاریؒ: ولم يثبت في كيفيته ولا في تعيين يوم له شيء ...الخ. (مرقاة المفاتیح: ۸/ ۲۹۰، باب الترجل، ط: امدادیه ملتان).

قال العلامة السخاوی: لم يثبت في تعيين لقص الأظفار عن النبي صلى الله عليه وسلم شيء . (اتحاف السادة :۲/۳)۔ (و کذا فی الدرالمختار: ٦/٤٠٦،سعید).

خلاصہ یہ ہے کہ ناخن تراشنے کے بارے میں کوئی ترتیب حدیث سے ثابت نہیں ہے،اور مذکورہ بالا تمام کیفیات میں آسان اور ابتدا بالیمین کے موافق وہ طریقہ ہے جس کو حافظ ابن حجرؒ نے صاحبِ اقلید سے نقل کیا ہے،اور اس کا یادرکھنا بھی آسان ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پہلے زمانہ میں لوگ دوسروں سے ناخن کٹواتے تھے،آج کل خود کاٹتے ہیں، بنابریں ناخن تراش اگر دستِ راست میں ہوتو اس اعتبار سے داہنے کو کاٹنے کی فضیلت حاصل ہوئی اور ابتدا بائیں ہاتھ سے ہوئی ،اگر ناخن تراش دستِ چپ میں ہوتو دائیں ہاتھ کے ناخن سے ابتدا کی فضیلت حاصل ہوئی یعنی ابتداء بالیمین ہوئی۔البتہ جتنے طریقے مذکور ہوئے سب درست ہیں۔واللہ ﷻ اعلم۔

مصنوعی ناخن لگانے کا حکم:

سوال: بعض لوگ مصنوعی بڑے لمبے ناخن محض زینت اور خوبصورتی کے لیے لگاتے ہیں۔کیا ایسے ناخن لگانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ناخن کا بڑا اور لمبا ہونا شریعتِ مطہرہ کی نگاہ میں قبیح اور ناپسند ہے اسی وجہ سے اس کے کاٹنے کو امورِ فطرت میں بیان کیا ہے،اور ہر جمعہ کو کاٹنا مستحب قرار دیا ہے،اور چالیس دن سے اوپر تک چھوڑے رکھنے پر وعید بیان کی ہے، بنابریں بطورِ فیشن ایسے لمبے ناخن لگانا اسلامی تہذیب کے خلاف ہوگا،جس کی اجازت نہیں۔ ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

عن رجل من بني غفار أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من لم يحلق عانته ويقلم أظفاره ويجز شاربه فليس منا . (مسندالامام احمد، رقم: ۲۳٤۸۰).

قال الشيخ شعيب: حسن لغيره وهذا إسناد ضعيف من أجل عبد الله بن لهيعة .

وفی الدر المختار: وكره تركه وراء الأربعين وفی الشامية : قوله وكره تركه أی تحريماً لقول المجتبى ولا عذر فيما وراء الأربعين و يستحق الوعيد وفی أبی السعود عن شرح المشارق لابن ملک روی مسلم عن أنس بن مالکؓ وقت لنا فی تقليم الأظفار ... أن لانترک أكثر من أربعين ليلة وهو من المقدرات التي ليس للرأی فيها مدخل فيكون كالمرفوع . (الدرالمختارمع ردالمحتار:٦/٤٠٧،سعيد).

وفی الهندية: ولا عذر فيما وراء الأربعين ويستحق الوعيد كذا فی القنية . (الفتاوی الهندية: ٥/٣٥٨). (وكذا فی فتاوی الشامی: ٢/١٨١،سعيد،والموسوعة الفقهية:٢٥/٣٢٠).

شمائل کبریٰ میں ہے:

ایک غفاری صحابی سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو زیر ناف بال نہ لے ناخن نہ کٹائے، لب نہ تراشے ہم میں سے نہیں۔ (کنز ۶/۳۷۱)

حضرت جابرؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ناخن تراشو، کہ ناخن اور گوشت کے درمیان شیطان دوڑتا ہے۔ (خطیب فی الجامع ،اتحاف:۲/۴۱۱)

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ بڑھے ہوئے ناخن پر شیطان بیٹھتا ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ ناخن نہ تراشنا چھوڑے رکھنا درست نہیں۔ بعض لوگ ہاتھ کی کسی ایک انگلی مثلاً سب سے چھوٹی انگلی کے ناخن کو چھوڑے رکھتے ہیں، یہ مکروہ ہے درست نہیں، نہایت ہی مذموم اور قبیح عادت ہے، یہ انسانی خصلت نہیں، درندوں کی صفت ہے، ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ ناخن نہ کاٹنا بڑھے ہوئے رکھنا تنگی رزق کا باعث ہے۔ (مرقات)۔ (شمائل کبریٰ:۲/۳۶۶)۔

عرب علماء نے بھی حرام اور ناجائز فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو فقہ النوازل میں ہے:

تركيبة الأظافر الصناعية : وهي نوع من الأظافر البلاستيكية تشبه الأظافر الخلقية تأخذها المرأة وتصبغها متنوعة ثم بعد ذلک تضعها على ظفرها أو تلزقها على ظفرها بمادة لاصقة . وهذا محرم لايجوز لأنها تمنع من وصول الماء إلى الظفر، ولأن الشارع أمر بقص الأظافر كم في حديث أبي هريرةؓ فی الصحيحين أن النبي صلى الله عليه وسلم قال:

خمس من الفطرة ، وذكرمنها: وتقليم الأظفار...وإذا طالت وتفاحشت فإن هذا محرم ولايجوز...يعنى ترك أظافره حتى طالت وتفاحشت...فإن هذا محرم ولايجوز لأمرين: (١) لما في ذلك من التشبه بالسباع والبهائم . (٢) لما في ذلك من التشبه بأهل الكفر والشرك . (فقه النوازل،ص١٢).

فتاوى الجنة الدائمة میں ہے:

لا يجوز استخدام الأظافر الصناعية والرموش المستعارة. (١٣٣/١٧). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ناخن کودفن کرنے کا ثبوت:

سوال: کیا ناخن کودفن کرنا کسی حدیث میں وارد ہوا ہے یا نہیں؟ اور ناخن دفن کرنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ناخن کودفن کرنا مستحب ہے،متعدد روایات سے ثابت ہے اگر چہ روایات میں کچھ ضعف ہے۔نیز فقہاء نے بھی ناخن دفن کرنے کو مستحب قرار دیا ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

أخرج الطبراني في الكبير، بسنده عن عبد الجبار بن وائل عن أبيه:أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يأمر بدفن الشعر والأظفار. (رقم:٧٣).

وأيضاً أخرجه البيهقي في شعب الإيمان (رقم: ٦٠٦٩) وقال: هذا إسناد ضعيف وروى من أوجه كلها ضعيفة .

وأورده الإمام السيوطي فى الجامع الصغير(٦٩٥٢) وعزاه إلى الطبرانى و رمزله بالضعف.

قلت: فيه انقطاع ؛ فإن عبد الجبار بن وائل لم يسمع من أبيه . قيس بن الربيع ضعيف لسوء حفظه .

وذكر الحكيم الترمذى في" نوادر الأصول في أحاديث الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم" (١/١٨٥،الاصل التاسع والعشرون فى النظافة، ط: دارالجيل) : عن عبد اللّٰه بن بشر المازنى رضى اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: قصوا أظافيركم وادفنوا قلاماتكم

ونقوا براجمكم ونظفوا لثاتكم من الطعام وتسننوا ولا تدخلوا علي قخراً بخراً .

وأورده الإمام السيوطى فى الجامع الصغير (٦١٢٩) و رمز له بالضعف .

وروى البيهقى فى الكبرى (١/٢٣/٧٥) بسنده عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ادفنوا الأظفار والشعر والدم فإنها ميتة ، قال أبو أحمد بن عدى الحافظ: عبد الله بن عبد العزيز حدث عن أبيه عن نافع بأحاديث لم يتابعه أحد عليه . قال الشيخ رحمہ اللہ: هذا إسناد ضعيف قد روى في دفن الظفر والشعر أحاديث ضعاف .

خلاصہ یہ ہے کہ تمام روایات ضعیف ہیں۔

ناخن دفن کرنے کو فقہاء نے بھی مستحب لکھا ہے۔ملاحظہ ہو:

قال العلامة الملا على القارى: إذا قلم أظافيره أو جز شعره ينبغي أن يدفن قلامته فإن رمى به فلا بأس وإن ألقاه فى الكنيف أو المغتسل يكره . (مرقاة المفاتيح: ٨/٢٩٠، باب الترجل).

وفى البحر الرائق: ولو قلم أظافيره أو جز شعره يجب أن يدفن وإن رماه فلا بأس به وإن رماه فى الكنيف أو المغتسل فهو مكروه وفى الفتاوى العتابية : يدفن أربعة: الظفر والشعر وخرقة الحيض والدم . (البحر الرائق: ٨/٢٣٢، دار المعرفة). (وكذا في فتاوى الشامى:٦/٤٠٥، سعيد، ومجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر:٤/٢٢٦، دارالكتب العمية، والفتاوى الهندية : ٥/٣٥٨، وفتاوى قاضيخان بهامش الهندية :٣/٤١١، وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص ٥٢٧، ط: قديمى، ودررالحكام شرح غررالاحكام:١/٣٢٢، كتاب الكراهية والاستحسان).

علامہ ابن نجیم مصری رحمہ اللہ کی عبارت سے وجوب مستفاد ہوتا ہے لیکن مابعد والے جملہ " وإن رماه فلا بأس بـه" سے وجوب کی نفی ہوجاتی ہے۔نیز بالوں کے احکام میں یہ مسئلہ مذکور ہوا کہ دفن کرنا انسانی شرافت وکرامت کی بنا پر ہے،اسی طرح ساحرین کے شر سے بھی بچنے کے لیے ہے ورنہ اگر دفن کرنے کی جگہ میسر نہ ہوتو کسی پنی میں بند کر کے ڈالدیا جائے تو یہ بھی درست ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ناخن اور بال کو بیت الخلا میں ڈالنے کا حکم:

سوال: ناخن اور کٹے ہوئے بال بیت الخلا میں یا وضوخانہ وغیرہ میں ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ناخن، بال وغیرہ کی صفائی کے بعد بیت الخلا، وضوخانہ، غسل خانہ وغیرہ میں ڈالنا مکروہ ہے، فقہاء نے اس کو مرض کا سبب قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وفي الخانية: ينبغي أن يدفن قلامة ظفره ومحلوق شعره وإن رماه فلا بأس وكره إلقائه في كنيف أومغتسل لأن ذلك يورث داءً وروي أن النبي صلى الله عليه وسلم أمر بدفن الشعر والظفر وقال: لايتعلب به سحرة بنى آدم، ولأنها من أجزاء الآدمي فتحترم وروى الترمذي عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها كان النبي صلى الله عليه وسلم يأمر بدفن سبعة أشياء من الإنسان: الشعر والظفر والحيضة والسن والقلفة والمسحة. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص٥٢٧، قديمى). (وكذا فى الفتاوى الهندية: ٣٥٨/٥، وفتاوى الشامى: ٤٠٥/٦، سعيد، وفتاوى قاضيخان بهامش الفتاوى الهندية: ٤١١/٣). **والله سبحانه وتعالى اعلم۔**

حالتِ جنابت میں ناخن کاٹنے کا حکم:

سوال: جنابت کی حالت میں ناخن اور بال کی صفائی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بحالتِ جنابت وناپاکی ناخن اور بال کی صفائی مکروہ ہے غسل کرنے اور طہارت حاصل کرنے کے بعد صفائی کرنی چاہئے۔ ملاحظہ فتاوی ہندیہ میں ہے:

حلق الشعر حالة الجنابة مكروه وكذا قص الأظافير. (الفتاوى الهندية: ٣٥٨/٥).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

مطلق کراہت کا قول ملتا ہے جس سے بالعموم کراہت تحریمیہ مراد ہوتی ہے مگر قرائن سے کراہتِ تنزیہیہ معلوم ہوتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۳۸/۲)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا، جلد اول ص ۶۲۷، جدید ایڈیشن)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہمارے علاقے ضلع صوابی پاکستان کے ایک مولانا صاحب کو ختنہ کی دعوت کے سلسلہ میں مواد درکار تھا، بندۂ عاجز نے عرض کیا کہ ہمارے پاس فتاویٰ دارالعلوم زکریا کے لیے اس مسئلہ پر جو مواد موجود ہے وہ ان شاء اللہ تعالیٰ میں آپ کو دیدوں گا۔

ہم نے فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد ہفتم کے لیے جو جواب اور مفصل مضمون مرتب کیا تھا وہ ٹائپ شدہ مضمون میں نے ان کی خدمت میں پیش کیا، کچھ مدت کے بعد ایک مفتی صاحب نے ''دعوتِ ختنہ کی شرعی حیثیت'' کے نام سے ایک رسالہ مرتب کیا اور ہمارا پورا مضمون اس رسالہ میں لے لیا، اور اس رسالہ پر مختلف مفتی حضرات ''جن میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن خیرآبادی بھی شامل ہیں'' سے تقریظات لکھوا کر شامل کرلیں، امانت کا تقاضا یہ تھا کہ ہمارے مضمون کو ہمارا نام لیکر چھاپتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

ناظرین کی اس سمع خراشی کا مقصد یہ ہے کہ کوئی ہمارے اس مضمون یا سوال وجواب کو علمی سرقہ نہ سمجھے، یہ مسئلہ پہلے فتاویٰ دارالعلوم زکریا میں مختصر طور پر آیا تھا لیکن اس پر بعض حضرات کے اشکالات کی وجہ سے تفصیل درکار تھی جو تحریر کی گئی، اس میں ہم سے یہ غلطی ہوئی کہ جلد ہفتم کی طباعت سے پہلے، طباعت کے لیے تیار مفصل مضمون دوسرے حضرات کے حوالہ کردیا۔ فإلی اللہ المشتکیٰ۔

کتبہ: (حضرت مفتی) رضاء الحق عفا اللہ عنہ

فصل چہارم

ختنہ سے متعلق احکام کا بیان

﴿ختنہ کی دعوت کا حکم احادیث، آثار اور سلفِ صالحین کے اقوال و مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں﴾

سوال: آپ نے ذکر کے رسالہ ’’ذکر اجتماعی وجہری شریعت کے آئینہ میں‘‘ ص ۲۴۲ پر لکھا ہے کہ بچے کے ختنہ کی دعوت ہے جب کہ ہمارے بعض اکابر نے اس کو منع کیا ہے، حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحبؒ راہِ سنت میں فرماتے ہیں: حضرت عثمان بن ابی العاص المتوفی ۵۵ھ کو کسی ختنہ میں دعوت دی گئی تو انہوں نے جانے سے صاف انکار کر دیا، جب ان سے انکار کی وجہ دریافت کی گئی تو صاف الفاظ میں یہ جواب ارشاد فرمایا کہ: **إنا كنا لا نأتي الختان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم** . (مسند احمد:۴/۲۱۷) . بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل ۔

الجواب: ختنہ میں دعوت دینا اور اس کو قبول کرنا جائز ہے بلکہ بہتر ہے لیکن مؤکد نہیں اور نہ کرنے والے کو ملامت نہ کریں، اور مبالغہ اور فخر ومباہات نہ ہو، بغیر تکلف کے کچھ احباب وخواتین جمع ہو جائیں تو ٹھیک ہے۔

احادیث اور آثار کی روشنی میں ختنہ کی دعوت کا حکم:

(۱) بوب الإمام البخاريؒ في ’’الأدب المفرد‘‘ (رقم:۱۲۴۶) **بقوله : باب الدعوة في الختان ، وذكر فيه حديثاً عن عمربن حمزة** (مختلف فيه) **قال : أخبرني سالم قال: ختنني ابن عمر رضي الله عنه أنا و نعيماً ، فذبح علينا كبشاً ، فلقد رأيتنا وأنا لنجذل به على الصبيان أن ذبح عنا**

كبشاً .

وأخرجه أيضاً ابن أبي شيبة في مصنفه (۱۷٤٥٥/٣٤١/٩).

ترجمہ: حضرت سالمؒ نے بیان کیا کہ (میرے والد) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے میرا اور نعیم کا ختنہ کرایا اور ہمارے لیے ایک مینڈھا ذبح کرایا، ہمیں یاد ہے کہ ہم بچوں کے مقابلہ میں فخر کیا کرتے تھے کہ ہماری طرف سے ایک مینڈھا ذبح کیا گیا۔

قلت: إسناده حسن على الأقل . فيه : عمر بن حمزة وهو مختلف فيه ؛ ضعفه النسائي ويحى بن معين وابن حجر .

وقال ابن عدى: وهو ممن يكتب حديثه .

وقال الحاكم : أحاديثه كلها مستقيمة .

وقد خرج له مسلم ، واستشهد به البخارى فى الصحيح .

وينظر للمزيد : (تهذيب الكمال : ٣١٢/٢١ ،والضعفاء لابن الجوزى :٢٠٧/٢ ،والجامع فى الجرح والتعديل : ٢٥٥/٢ ،والمغنى فى الضعفاء للذهبى : ٤٦٥/٢ ،وتقريب التهذيب ،ص٤٧٩ ،والكاشف : ٥٨/٢).

عمر بن حمزہ کے بارے میں مزید ملاحظہ ہو:

قال الدكتور بشار عواد في تعليقاته على التقريب(٤٨٨٤/٧٠/٣)**: بل ضعيف يعتبربه فى المتابعات والشواهد ، وهو ماقرره المصنف نفسه فى الفتح** (٤٩٧/٢ و ٨٣/١٠) **وقال: ابن عدى: وهو ممن يكتب حديثه، وكذلک تشير أقوال من ضعفوه.**

قال ابن حجر فى الفتح (٤٩٧/٢)**: عمر مختلف فى الاحتجاج به. وقال أيضاً فى مقام آخر** (٨٣/١٠)**: عمر بن حمزة فهو مختلف في توثيقه ومثله يخرج له مسلم فى المتابعات .**

خلاصہ یہ ہے کہ عمر بن حمزہ مختلف فیہ راوی ہے، اکثر حضرات نے تضعیف کی ہے لہذا یہ روایت ضعیف یا حسن ہے البتہ فضائل میں ضعیف روایت سے استدلال محدثین کے نزدیک جائز اور درست ہے۔ خود امام بخاری نے اپنی "الجامع الصحیح" میں فضائل میں ضعیف راوی کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

حدثنا عبد العزيز بن عبد اللّٰه الأويسى قال حدثنى إبراهيم بن سعد عن ابن شهاب أن

عطاء بن يزيد أخبره أن حمران مولى عثمان أخبره أنه رأى عثمان بن عفان دعا بإناء فأفرغ على كفيه ثلاث مرار فغسلهما ثم أدخل يمينه في الإناء ...الخ. (رواه البخاري: ۱/۲۷، باب الوضوء ثلاثاً ثلاثاً).

اس روایت کی سند میں حمران مولی عثمان ضعیف راوی ہے محدثین نے اس پر بہت کلام کیا ہے۔اگرچہ بعض حضرات نے ثقہ بھی کہا ہے۔امام بخاریؒ نے ان سے وضو کی فضیلت میں حدیث لی ہے۔

قال الدكتور بشار عواد : ومعلوم أن الإمام البخاري يترخص في الرواية عمن في حديثه ضعف في غير الأحكام كالمغازي والشمائل والتفسير والرقاق كما بينه الذهبي في الموقظة . (تحرير تقريب التهذيب: ۱/۱۰٤).

اورحمران بن ابان کے بارے میں لکھا ہے: **وقال ابن سعد لم أرهم يحتجون بحديثه وأورده البخاري في الضعفاء ، قلت: ويظهر من جماع ترجمته أن الرجل لم يكن أميناً الأمانة التي تودى إلى توثيقه توثيقاً مطلقاً.** (تحرير تقريب التهذيب: ۱/۳۲۱،وكذا في حاشية تهذيب الكمال : ۷/۳۰٤).

حدیث **"كن في الدنيا كأنك غريب"** امام بخاریؒ نے اس کو کتاب الرقاق (رقم:۶۴۱۶) میں ذکر فرمایا اس کی سند میں محمد بن عبدالرحمٰن الطفاوی موجود ہیں،ان کو ابوزرعہ نے منکر الحدیث کہا ہے،(تهذيب الكمال: ۲۵/٦٥٤) حافظ ابن حجرؒ نے مقدمہ فتح الباری ص ۶۱۵ پر تحریر فرمایا ہے: **وهذا انفرد به الطفاوي وهو من غرائب الصحيح وكان البخاري لم يشدد فيه لكونه من أحاديث الترغيب والترهيب .**

صحیح بخاری کتاب الجہاد میں امام بخاریؒ نے یہ حدیث ذکر فرمائی ہے: **كان للنبي صلى الله عليه وسلم في حائطنا فرس يقال له اللحيف"** (رقم: ۲۸۵۵) اس کی سند میں ابی بن عباس بن سہل ہیں، جن کو امام احمد،نسائی ،یحیٰ بن معین اور خود امام بخاری نے ضعیف کہا ہے پھر بھی ان سے روایت لی اس لیے کہ یہ حدیث احادیثِ احکام میں سے نہیں۔ملاحظہ کیجئے۔(تہذیب التہذیب:۱/۱۶۸)۔

اسی طرح امام بخاری یہ حدیث **" عن مصعب بن سعد قال: رأى سعد أن له فضلاً على من دونه فقال النبي صلى الله عليه وسلم: هل تنصرون وترزقون إلا بضعفاء كم ، الخ ".** (رقم: ۲۸۹٦) اس کی سند میں محمد بن طلحہ عن طلحہ موجود ہے ان کو امام نسائی، یحیی بن معین وغیرہ نے ضعیف کہا ہے، لیکن

چونکہ اس حدیث کا تعلق فضائل اعمال سے ہے اس لیے قابل تسامح ہے۔(مقدمہ،۶۱۳).

اسی طرح امام بخاریؒ نے باب الاستسقاء (۱/۱۳۷) میں عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار سے روایت بیان کی ہے جب کہ عبدالرحمٰن پر بھی کلام ہے۔

قال عباس الدوری عن يحى بن معين في حديثه عندي ضعف. وقال أبوحاتم: فيه لين يكتب حديثه ولايحتج به. وقال: أبو أحمد بن عدي: وبعض ما يرويه منكرلايتابع عليه وهو في جملة من يكتب حديثه من الضعفاء. (تهذيب الكمال:۱۷/۲۰۹).

اگر چہ شراحِ حدیث نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ عبدالرحمٰن کا متابع عمر بن حمزہ بعد میں موجود ہے اس وجہ سے یہ روایت صحیح کی قسم میں شامل ہوجاتی ہے۔لیکن علامہ عینیؒ نے اس کو محل نظر قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

فإن قلت: عمر بن حمزة هذا متكلم فيه وكذلک عبد الرحمن بن عبد اللّٰه بن دينار مختلف في الاحتجاج به...فكيف أوردهما البخاري في صحيحه؟ قلت: أجيب بأن إحدى الطريقين اعتضدت بالأخرى وهو من أمثلة أحد قسمي الصحيح كما تقرر في موضعه وفيه نظر لا يخفى. (عمدة القاري:۵/۲۵٤،ط:دارالحديث ملتان،و فتح الباري: ۲/٤۹۷،دارالمعرفة).

مولانا عبداللہ معروفی استاذ شعبہ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند نے بھی اصولِ حدیث پر تحریر شدہ اپنی کتاب ''حدیث اور فہمِ حدیث'' میں یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ امام بخاریؒ نے فضائل اعمال میں بعض متکلم فیہ راویوں سے بعض احادیث لی ہیں۔ملاحظہ ہو: (حدیث اور فہم حدیث،ص ۴۳۵ تا ۴۳۷،مکتبہ عثمانیہ)۔

فضائل میں ضعیف حدیث سے استدلال کے متعلق محدثین کے اقوال ملاحظہ فرمایئے:

روى الخطيب البغدادي في "الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع" (رقم:۱۲۸۰):

قال: أنا محمد بن أحمد بن يعقوب أنا محمد بن نعيم، قال: سمعت يحيى بن محمد العنبري، يقول: نا محمد بن إسحاق بن راهويه، قال: كان أبي يحكي عن عبد الرحمن بن مهدي، أنه كان يقول: إذا روينا في الثواب والعقاب وفضائل الأعمال، تساهلنا في الأسانيد والرجال، وإذا روينا في الحلال والحرام والأحكام تشددنا في الرجال".

قال الشيخ تقي الدين ابن الصلاح : نقاد أهل الحديث يتسامحون فى أسانيد الرغائب و الفضائل . (البدر المنير لابن الملقن:۲/ ۲۸۰،ط: الرياض).

وقال الخطيب فی" الكفاية فی علم الرواية " (ص ۱۳۳،باب التشديدفی احاديث الاحكام والتجوز فی فضائل الاعمال) **قد ورد عن غير واحد من السلف أنه لا يجوز حمل الأحاديث المتعلقة بالتحليل و التحريم إلا عمن كان بريئاً من التهمة بعيداً من الظنة ، وأما أحاديث الترغيب و المواعظ ونحو ذلك فإنه يجوز كتبها عن سائر المشايخ ثم أسند هذه الآثار التالية :**

۱ / عن سفيان الثورى قال: لا تأخذوا هذا العلم فی الحلال و الحرام إلا من الرؤساء المشهورين بالعلم الذين يعرفون الزيادة و النقصان ، ولا بأس بما سوى ذلك من المشايخ.

۲ / عن سفيان بن عيينة قال: لا تسمعوا من بقية ما كان في سنة ، و اسمعوا منه ما كان في ثواب وغيره .

۳ / عن أحمد بن حنبل قال : إذا روينا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فی الحلال و الحرام و السنن و الأحكام تشددنا فی الأسانيد ، وإذا روينا عن النبی صلى الله عليه وسلم في فضائل الأعمال وما لا يضع حكماً ولا يرفعه تساهلنا فی الأسانيد .

۴ / عن أبي زكريا العنبرى قال: الخبر إذا ورد لم يحرم حلالاً ولم يحل حراماً ، ولم يوجب حكماً ، وكان في ترغيب أو ترهيب أو تشديد أو ترخيص : وجب الإغماض عنه والتساهل في رواته . انتهى النقل عن الخطيب .

ابن قدامہؒ المغنی میں فرماتے ہیں:

النوافل والفضائل لاتشترط صحة الحديث فيها . (المغنی :۱/ ۷٦۹،فصل فی صلاة التسبيح، دارالكتب العلمية).

امام نوویؒ الاذکار میں فرماتے ہیں:

قال العلماء من المحدثين و الفقهاء وغيرهم : يجوز ويستحب العمل فی الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعاً وأما الأحكام كالحلال

والحرام والبيع والنكاح والطلاق وغير ذلك فلا يعمل فيها إلا بالحديث الصحيح أو الحسن إلا أن يكون في احتياط في شيء من ذلك، كما إذا ورد حديث ضعيف بكراهة بعض البيوع أو الأنكحة فإن المستحب أن يتنزه عنه ولكن لا يجب. (كتاب الاذكار، ص۲۵،ط: مكتبة دار البيان).

محقق ابن ہمامؒ فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

والاستحباب يثبت بالضعيف غير الموضوع. (فتح القدير: ۲/۱۳۳، فی اواخرمن باب الصلاة على الميت ،دار الفكر).

ابن بدران الحنبلی المدخل إلى مذهب الإمام أحمد بن حنبل میں فرماتے ہیں:

تتمة: ذهب الإمام أحمد وتبعه موفق الدين المقدسی والأكثر إلى أنه يعمل بالحديث الضعيف فی الفضائل. (المدخل الى مذهب الامام احمد بن حنبل: ۱/۱۰۴، الاصل الثانی: السنة ، ط: دار الكتب العلمية بيروت).

اضواء البیان میں ہے:

ولو فرض وقدر جدلاً أنه فی السند مقالاً، فإن أئمة الحديث لايمنعون إذا لم يكن فی الحديث حلال أوحرام أو عقيدة، بل كان باب فضائل الأعمال لايمنعون العمل به، لأن باب الفضائل لايشدد فيه هذا التشدد ونقل السيوطی مثل ذلك عن أحمد وابن المبارك. (اضواء البيان :۸/۵۷۲).

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجئے: (الجزء اللطيف فی الاستدلال بالحديث الضعيف).

(۲) **أخرج ابن أبي شيبة في مصنفه** (۹/۳۴۱/۱۷۴۵۱،باب من كان يقول: يطعم فی العرس والختان) **بسنده عن نافع قال: كان ابن عمر** رضی اللہ عنہ **يطعم على ختان الصبيان.**

ترجمہ: حضرت نافعؒ بیان کرتے ہیں کہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بچوں کے ختنہ پر دعوتِ طعام کیا کرتے تھے۔

(۳) **أخرج ابن أبي شيبة في مصنفه** (۹/۳۴۱/۱۷۴۵۱،باب من كان يقول: يطعم فی العرس والختان) **عن الزهری، عن سالم: أن حمزة بن عبد الله بن عمر نحر جزوراً.**

ترجمہ: حضرت سالمؒ کہتے ہیں کہ حمزہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے (ختنہ کے موقع پر) اونٹ ذبح کیا۔

قال الشيخ محمد الياس الباره بنكوى في تعليقات الأدب المفرد (ص٨٦٢): **وهذا إسناد صحيح مقطوع مختصر جداً كما ترى .**

اگر چہ مذکورہ روایت میں ختنہ کا کوئی ذکر نہیں ہے لیکن ابن ابی شیبہ نے اس روایت کو ولیمہ اور ختنہ کی دعوت کے تحت ذکر کیا ہے، لہٰذا اس روایت کا تعلق غالباً ختنہ سے ہے۔ کیونکہ اس کے بعد حضرت سالمؒ ہی کی روایت ختنہ کے بارے میں مذکور ہے۔

(۴) ذكر الإمام الذهبي في ميزان الاعتدال في ترجمة سلام بن سليمان المدائنى (٢/٣٦٩/٣٣٤٦)، **فقال : سلمان بن توبة ، حدثنا سلام بن سليمان المدائني ، حدثنا سلام الطويل ، حدثنا إبراهيم الصائغ ، عن نافع ، عن ابن عمر رضي الله عنه ،قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : الوليمة في العرس والخرس والعذار . قال : الخرس : الولادة . والعذار : الختان .** (وكذا في الفردوس بماثور الخطاب :٤/٤٣٤/٧٢٦١).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ولیمہ؛ شادی ،ولادت، اور ختنہ کے موقع پر ہوتا ہے۔

وفيه سلام بن سليمان ، وهو مختلف فيه . فحديثه حسن على الأقل .

قال أبوحاتم : ليس بالقوي . وقال ابن عدى : منكرالحديث وقال أيضاً: وعامة ما يرويه حسان إلا أنه لا يتابع عليه . وقال النسائى : ثقة ، مدائنى.

راجع : (ميزان الاعتدال : ٢/٣٦٨،ولسان الميزان : ٢/٩٩/٣٥٣٠،وضعفاء العقيلي : ٢/١٦٢،وتهذيب الكمال: ١٢/٢٨٦،٢٨٧،وتهذيب التهذيب: ٤/٢٨٣).

(۵) أخرج الطبراني في الأوسط (٣٩٤٨) **بسنده عن مجاهد عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: الوليمة حق وسنة فمن دعى فلم يجب فقد عصى الله ورسوله والخرس والإعذار والتوكير أنت فيه بالخيارقال: قلت: إني والله لا أدري ما الخرس والإعذار والتوكيرقال: الخرس: الولادة ، و الإعذار : الختان ، والتوكير : الرجل يبنى الدار وينزل فى القوم فيجعل الطعام فيدعوهم فهم بالخيار إن شاء وا جاؤوا وإن شاء وا قعدوا. لم يرو هذا الحديث عن**

إسماعيل بن أمية إلا يحيى بن عثمان التيمي تفرد به الصلت بن مسعود .

قال الهيثمي : يحيى بن عثمان التيمي وثقه أبوحاتم الرازي وابن حبان وضعفه البخاري وغيره وبقية رجاله رجال الصحيح . (مجمع الزوائد: ٤/٢ ٥،دار الفكر).

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ولیمہ حق اورسنت ہے جس شخص کو ولیمہ کی دعوت پیش کی جائے اور پھر وہ نہ جائے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی ، البتہ ولادت ،ختنہ اور نئے گھر کی دعوت میں آپ کو اختیار رہے۔

(٦) عن أبي حَسين بفتح الحاء أن وصياً أنفق على ختان صبي مائة دينار ، فلما كبر خاصمه إلى شريح ، قال: فقضى شريح فقال: جزوراً وما يصلحها و يضمن سائر المال .

(فص الخواتم فيما قيل في الولائم ، ص:٧، وليمة العذير).

ترجمہ: ابوحسینؒ کہتے ہیں کہ ایک وصی نے بچے کے ختنہ کی دعوت پر سو دینار خرچ کیے، جب وہ بچہ بڑا ہوا گیا تو قاضی شریحؒ کے پاس مقدمہ لے کر گیا،تو قاضی شریحؒ نے فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا:ایک اونٹ اور اس کے پکانے کھلانے کے انتظام میں جو خرچ ہوتا ہے وہ نکال کر بقیہ کا تاوان واجب ہے۔

(٧) وعن بشر بن الحارث قال: أتي سفيان فقيل له : يا أبا عبد اللّٰه غلام يتيم نريد نختنه قال: انحر عنه جزوراً . (فص الخواتم فيما قيل في الولائم،ص:٧، وليمة العذير).

ترجمہ: بشر بن حارثؒ کہتے ہیں کہ حضرت سفیانؒ تشریف لائے تو ان سے کہا گیا اے ابوعبداللہ!ایک یتیم بچہ ہے ہم اس کا ختنہ کرانا چاہتے ہیں،حضرت سفیانؒ نے فرمایا:اس بچہ کی طرف سے اونٹ ذبح کیجئے۔

(٨) وعن أشعث بن عبد الرحمن بن زبيد قال: شهدت جدي زبيداً في ختاني ضحى بنعاج كثيرة فانتهبه الغلمان فقال: لا تنتهبوا ، و أعطاهم بيده وقال: هذا خير . (فص الخواتم فيما قيل في الولائم،ص:٧، وليمة العذير).

ترجمہ: اشعث بن عبدالرحمٰن بن زبید نے کہا: میں نے اپنے ختنہ میں اپنے دادا کو دیکھا انھوں نے بہت ساری دنبیاں ذبح کیں ،تو کچھ بچوں نے چھینا جھپٹی شروع کی ،میرے دادا نے کہا: چھینا جھپٹی مت کرو، اوران کو اپنے ہاتھ سے دیا اور کہا: یہ طریقہ بہتر ہے۔

(٩) و عن هشام بن عروة قال: ما صنعت أمي يوم ختنت إلا عصيدة . (فص الخواتم فيما

قیل فی الولائم ، ص ۷، ولیمة العذیر).

ترجمہ: ہشام بن عروہؒ کہتے ہیں کہ جس دن میرا ختنہ کیا گیا میری ماں نے اس دن صرف حریرہ بنایا تھا۔ (حریرہ آٹے اور گھی کا حلوا)۔

آخر الذکر چار آثار مؤرخ اور فقیہ شمس الدین محمد بن علی بن خمارویہ بن طولون الدمشقی الصالحی الحنفی (۸۸۰۔۹۵۳ھ۔ ۱۴۷۵۔۱۵۴۶ء) نے اپنی مشہور کتاب '' فص الخواتم فیما قیل فی الولائم '' میں ذکر کیے ہیں۔

(۱۰) عن نافع قال: سمعت ابن عمر رضی اللہ عنہ يقول : أجيبوا هذه الدعوة إذا دعيتم لها ، قال : وكان عبد الله يأتي الدعوة في العرس وغير العرس وهو صائم . (رواہ البخاری : ۲/۷۷۸، باب اجابة الداعی فی العرس وغیرہ، ط: فیصل).

قال العلامة بدر الدين العينيؒ : قوله وغيره أي وغير العرس أي وإجابة الداعي في غير العرس نحو طعام الختان ... (عمدة القاری:۱۴/۱۳۶).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں اس دعوت کو قبول کرو جب تمہیں دعوت دی جائے۔حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ دعوت میں تشریف لے جایا کرتے تھے چاہے ولیمہ کی دعوت ہوتی یا اس کے علاوہ کی، خواہ وہ روزہ سے ہوتے۔

علامہ عینیؒ غیر ولیمہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ختنہ کی دعوت ہے۔یعنی جس طرح ولیمہ کی دعوت میں تشریف لے جاتے اسی طرح ختنہ وغیرہ کی دعوت میں بھی تشریف لے جاتے تھے۔

(۱۱) روى مسلم (رقم:۱۴۲۹) **من حديث الزبيدي عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من دعي إلى عرس أو نحوه فليجب .**

قال الملا علي القاريؒ في المرقات (۶/۲۵۳) **: قوله عرس أو نحوه ؛ أي كالعقيقة والختان .**

قال الإمام الشافعيؒ : الإجابة في الوليمة واجبة ، ولا أرخص في ترك الإجابة في غيرها كالختان ...الخ . (شرح الابی علی صحیح مسلم : ۵/۹۵).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو ولیمہ یا غیر ولیمہ کی دعوت دی جائے تو اس کو چاہئے کہ دعوت قبول کرلے۔ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ غیر ولیمہ کی

دعوت سے مراد عقیقہ اور ختنہ کی دعوت ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ولیمہ کی دعوت قبول کرنا واجب ہے، اور ولیمہ کے علاوہ ختنہ وغیرہ کی دعوت کو بھی ترک کرنے کی میں اجازت نہیں دیتا ہوں۔

(۱۲) روی إبراهيم بن إسحاق الحربي في غريب الحديث (۱/۲۶٦،ط: ام القری) **قال:**
حدثنا الحكم بن موسى حدثنا عيسى بن يونس عن خارجة عن شيخ عن ابن مسعود ﷺ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الوليمة فى الإعذار حق".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ختنہ کے موقع پر دعوتِ طعام صحیح اور جائز ہے۔

مذکورہ بالا احادیث، آثار اور سلفِ صالحین کے طریقہ کار سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ ختنہ کی دعوت درست اور جائز ہے، اس کو بدعت کہنے کی کوئی وجہ بظاہر نظر نہیں آتی، خصوصاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ تو سنت پر عمل کرنے کے عاشق تھے، وہ کیسے بدعت کو گوارا کر سکتے تھے۔

ختنہ کی دعوت مذاہبِ اربعہ کے اقوال کی روشنی میں:

فقہائے احناف کے اقوال وعبارات:

فقہائے احناف کے ہاں تین اقوال دستیاب ہوتے ہیں۔ (الف) ختنہ کی دعوت سنت ہے۔ علامہ ابوبکر الکاسانی صاحبِ بدائع الصنائع (م۵۸۷ھ) اور شیخ الاسلام ابوالحسن علی بن حسین السغدیؒ (م۴۶۱ھ) وغیرہ نے اس قول کو بیان کیا ہے۔ (ب) مستحب ہے۔ (ج) نہ سنت نہ مستحب فقط جائز اور مباح ہے۔

(الف) سنت والے قول کے دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ ہوں:

(۱) بدائع الصنائع میں ہے:

وإن كانت سنة كوليمة العرس والختان فإنه يجيبها لأنه إجابة السنة ولا تهمة فيه.

(بدائع الصنائع: ۷/۱۰، فصل فی آداب القضاء، سعید).

(۲) النتف فی الفتاویٰ میں ہے:

السنة فى الطعام؛ وأما السنة فعلى ثلاثة أوجه: أحدها طعام الوليمة والثاني: طعام الختان والثالث: طعام القدوم من السفر وفي ذلك جاء ت الآثار. (النتف فی الفتاویٰ لشیخ

الاسلام ابی الحسن السغدی،ص۱۵۷، کتاب الاطعمة ، دارالکتب العلمیة بیروت).

(۳) فی الفتاوی الھندیة : (۳/ ۳۳۱) **إن کانت سنة کولیمة العرس والختان ...نقلاً عن البدائع .**

(۴) وفي فیض الباری : والختان یدعی لھا بتمام النعمة فی إقامة سنن إبراھیم علیه السلام .

(فیض الباری : ٤/۲۹۹).

(ب) مستحب والے قول کے دلائل ملاحظہ فرمائیے:

(۵) الموسوعة الفقہیة میں ہے:

قال : حکم الدعوة للختان و سائر الدعوات غیر الولیمة أنھا مستحبة . (الموسوعة الفقھیة الکویتیة: ۲۰/ ۳۳۷، و ۵/ ۱۲۰).

(۶) علامہ ظفر احمد عثمانی اعلاء السنن میں فرماتے ہیں:

فحکم الدعوة للختان وسائر الدعوات غیر الولیمة أنھا مستحبة ، لما فیھا من إطعام الطعام والإجابة إلیھا مستحبة غیر واجبة ، وھذا قول مالکؒ والشافعیؒ وأبي حنیفةؒ وأصحابه...قلت: وکل ذلک موافق لمذھبنا معشر الحنفیة ، وما کان خلافاً نبھت علیه کما تری، والله أعلم. (اعلاء السنن: ۱۱/ ۱۷،تفصیل احکام الولیمة واقسامھا،ادارة القرآن).

یعنی ولیمہ کے علاوہ بقیہ تمام دعوتیں خواہ ختنہ کی ہو یا کوئی اور، سب کا حکم یہ ہے کہ مستحب ہیں اور ان کا قبول کرنا بھی مستحب ہے، یہی امام مالک وامام شافعی وامام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔...یہ سب ہم احناف کے مذہب کے موافق ہے۔جہاں کوئی بات مذہب کے خلاف تھی وہاں میں نے تنبیہ کردی ہے۔یاد رہے کہ اعلاء السنن حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نگرانی میں تحریر کی گئی ہے۔چنانچہ حضرت تھانویؒ نے خود تحریر فرمایا:

وسرحت النظر فیھا کالأولی حرفاً حرفاً فوجدتھا ـ الحمد للّٰہ ـ أحسن من الأولی روایة ودرایة وکفایة فی موضوعھا. (اعلاء السنن: ۱/ ۳۳).

حضرت تھانویؒ کی یہ عبارت اگرچہ جلدِ دوم سے متعلق ہے لیکن سترہویں جلد پر بھی یہ عبارت مرقوم ہے: **علی ضوء ما أفاده حکیم الأمة**۔اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ حضرت تھانویؒ کی نظر سے گزرا ہوگا۔

(۷) التعلیق الصبیح میں حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ فرماتے ہیں:

الولیمة والعقیقة والدعوة علی الختان وعند القدوم من الغیبة کلها سنن مستحبة شکراً للّٰه تعالیٰ علی ما أحدث من النعمة . (التعلیق الصبیح: ٤/٤٧، المکتبة العثمانیة).

(۸) شیخ عبدالحق محدثِ دہلویؒ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

ولیمہ برائے عرس وخرس برائے ولادت واعذار برائے ختان ووکیرہ برائے بناوایں ہمہ اقسام مستحب است۔ (اشعۃ اللمعات: ۳/۱۳۹، ط: کتب خانہ مجیدیہ، ومظاہر حق جدید: ۳/۳۵۵، ط: دارالاشاعت)۔

(۹) مسائل اربعین میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدثِ دہلویؒ فرماتے ہیں:

درشادی وختانِ طفلاں نمودن وتقسیم کردن طعام جائز بلکہ مستحب است۔ (مسائل اربعین)۔

(ج) جائز والے قول کے دلائل ملاحظہ کیجئے:

(۱۰) **قال الإمام الطحاويؒ: وكانت الوليمة صنفاً من الأطعمة؛ لأن فی الأطعمة أصنافاً سواها نحن ذاكروها فی هذا الباب إن شاء اللّٰه . وهو ما سمعت أحمد بن أبي عمران يقول: كانت العرب تسمی الطعام الذي يطعمه الرجل إذا ولد له مولود: طعام الخرس، وتسمی طعام الختان طعام الإعذار، يقولون: قد أعذر علی ولده، وإذا بنی الرجل داراً أو اشتراها فأطعم قيل: طعام الوكيرة، أی من الوكر، وإذا قدم من سفر فأطعم قيل: طعام النقيعة ...**

(مشکل الآثار: ۷/۳۷/۲۵۵۸).

(۱۱) تحفۃ الملوک میں فقیہ ابوبکر الرازی اوراس کی شرح میں محمد بن عبداللطیف بن عبدالعزیز ابن ملک فرماتے ہیں:

و طعام الولادة ، و العقيقة و هی الطعام الذی يتخذ عن المولود يوم أسبوعه عند حلق عقيقه يعنی شعره و ربما سميت الشاة التی تذبح عن المولود فی ذلک اليوم عقيقة ، وطعام الختان ، وقدوم المسافر، والموت : ليس بسنة ، وطعام العرس : سنة . كذا قاله محمد بن مقاتلؒ . (شرح تحفة الملوك: ٢/٦٠٢، رقم المسألة: ٤٧٦).

(۱۲) البنایۃ فی شرح الہدایہ میں ہے: **قال القدوریؒ وأبوعلی النسفیؒ: دعوة العامة عرس وختان، وما سوی ذلک خاصة.** (البیانة فی شرح الهداية: ٨/٢٦، ط: مکتبة رشیدیة).

(وکذا فی الجوهرة النيرة: ۳۴۳/۲، مکتبة امدادية، وفتاوى الشامى:۳۷۴/۵، سعيد، والعناية فى شرح الهداية ۲۳۴/۱۰، ومجمع الانهر شرح ملتقى الابحر: ۲۲۱/۳، والمحيط البرهانى:۴۵۲/۸، كتاب القضاء، الفصل التاسع فى رزق القاضى، وتحفة الفقهاء:۳۷۴/۳، كتاب ادب القاضى،ط:بيروت، ولسان الحكام ،ص۳۷۲، فصل الهبة، دار الفكر).

(۱۳) **الفقه على المذاهب الأربعة** میں ہے:

الحنفية قالوا: السنة هي وليمة العرس... أما الدعوة إلى طعام غير العرس كالدعوة إلى طعام الختان ونحوه مما ذكر، فإنها جائزة متى كانت خالية من محظور ديني. (الفقه على المذاهب الاربعة:۲۹/۲، كتاب الحظر والاباحة).

(۱۴) **قال الكرماني: قالوا: والضيافة ثمانية أنواع: ـ الوليمة للعرس والخرس للولادة والعذار للختان والوكيرة للبناء...** (حاشية البخارى باختصار:۷۷۶/۲). (وكذا فى شرح شرعة الإسلام، ص۴۴۲، فصل فى سنن النكاح، وفضائله، وحقوقه، نقلاً عن شرح المشارق).

(۱۵) **الفتاوى البزازيه** میں ہے:

ولا يتخلف عن دعوة العامة كدعوة الختان والعروس، فإذا جاء قعد فإن شاء أكل والأفضل الأكل إن لم يعلم بالحرمة. (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية: ۳۶۴/۶، الخامس فى الاكل من كتاب الكراهية).

ختنہ کی دعوت فقہائے مالکیہ کے اقوال کی روشنی میں:

مالکیہ کے ہاں ختنہ کی دعوت فقط جائز اور مباح ہے۔ ملاحظہ ہو:

(۱) **الفقه على المذاهب الأربعة** میں ہے:

المالكية: قالوا: إن المندوب هو وليمة العرس فقط كما تقدم وأما غيره كطعام الختان فإنه جائز ليس بواجب ولا مستحب. (الفقه على المذاهب الاربعة :۲۹/۲،كتاب الحظر والاباحة حكم الوليمة، ط: مكتبة الثقافة الدينية).

(۲) **حاشية الصاوي على الشرح الصغير** میں ہے:

واعلم أن طعام الختان يقال له إعذار ...والذي لابن رشد في المقدمات : أن حضور الكل مباح إلا وليمة العرس فواجب ، وإلا العقيقة فمندوب . (حاشية الصاوى : ۵/۲۰۸).

(۳) ابن حاجب مالکی جامع الأمهات میں فرماتے ہیں:

ويستحب له إتيان ما يصنع من ذلك من إخوانه وجيرانه ويجيب إلى طعام الولادة و هو الخرس والعقيقة والإعذار وهو طعام الختان. (جامع الامهات ،ص ۵٦١، كتاب الجامع لمعاني المفردة عن الشريعة).

(۴) شہاب الدین القرافی المالکی الذخیرۃ میں فرماتے ہیں:

وأما ختن الرجل فكانوا يدعون إليه وأمر عليه السلام بالدعاء إليه فقال : لا وليمة إلا في خرس أو عرس أو إعذار ... والإعذار الختان ... وكان ابن عمر يدعو إليه . (الذخيرة : ٤/١٦٧ ،فصل فى الختان ،كتاب العقيقة،ط:بيروت).

(۵) مواہب الجلیل میں ہے:

الدعوة في الختان ليست بواجبة عند أحد من أهل العلم ولا مستحبة وإنما هي من قبيل الجائز الذي لا يكره تركه ولا يستحب فعله . (مواهب الجليل :٥/٢٤٢ ،فصل فى الوليمة،ط: دار الكتب العلمية بيروت).

ختنہ کی دعوت فقہائے شافعیہ کے اقوال کی روشنی میں:

شافعیہ کے ہاں ختنہ کی دعوت مستحب ہے۔ملاحظہ فرمایئے:

(۱) حاشیۃ القلیوبی میں ہے:

قال القليوبي : (لما ذكر عن الولائم) و للختان إعذار ، وتستحب في الذكر ولا بأس بها للأنثى للنساء فيما بينهن . (حاشية القليوبى : ٣/٢٩٣).

(۲) مغنی المحتاج میں ہے:

قال الشربيني : قال الأذرعي : والظاهر أن استحباب وليمة الختان محله في ختان الذكور دون الإناث فإنه يخفى ويستحيىٰ من إظهاره ، ويحتمل استحبابه للنساء فيما بينهن

خاصة أی وهذا أوجه . (مغنی المحتاج : ٤٠٣/٤، فصل فی الولیمة).

(۳) امام نوویؒ شرح المہذب میں فرماتے ہیں:

الطعام الذي يدعى إليه الناس ستة : الوليمة للعرس ، والخرس للولادة ، والإعذار للختان...ويستحب ما سوى الوليمة لما فيها من إظهار نعم الله والشكر عليها ، واكتساب الأجر والمحبة ، ولا تجب ، لأن الإيجاب بالشرع ولم يرد الشرع بإيجابه . (شرح المهذب : ٣٩٢/١٦،باب الولیمة).

(۴) **أسنى المطالب** میں ہے:

وليمة ختان أو غيره ...و للختان إعذار...والكل مستحب . (اسنی المطالب :٢٢٣/٣،ط: بیروت).

(۵) **حواشی الشروانی** میں ہے:

إن محل ندب وليمة الختان في حق الذكور دون الإناث . (حواشی الشروانی : ٤٢٤/٧).

وللمزيد راجع : (حاشية اعانة الطالبين : ١٩٩/٤،وروضة الطالبين: ٣٣٢/٧،ط: المكتب الاسلامی،ونهاية المحتاج : ٣٦٩/٦،دارالفكر،وبهجة الوردية: ٢٠٣/١٥).

ختنہ کی دعوت فقہائے حنابلہ کے اقوال کی روشنی میں:

حنابلہ کے ہاں ختنہ کی دعوت مستحب ہے۔

ملاحظہ فرمائیے (۱) المغنی میں ہے:

فحكم الدعوة للختان وسائر الدعوات غير الوليمة أنها مستحبة لما فيها من إطعام الطعام ، والإجابة إليها مستحبة غير واجبة وهذا قول مالكؒ والشافعيؒ وأبي حنيفةؒ وأصحابه...وقد دعي أحمدؒ إلى ختان فأجاب وأكل. (المغنی : ١١٧/٨،وكذا فی الشرح الكبير: ١٠٧/٨،دارالكتب العلمية، بيروت).

(۲) **كشاف القناع** میں ہے:

والثالث : عذيرة وإعذار لطعام ختان ...وجميعها أی الدعوات جائزة أی مباحة ،

لأنها الأصل فی الأشياء ، غير مأثم فيكره . (کشاف القناع: ۱۶۶/۵، ط: باب الولیمۃ وآداب الاکل، دارالفکر)۔

(۳) المبدع شرح المقنع میں ہے:

والأطعمة التي يدعى إليها الناس عشرة ؛ الأولى : وليمة العرس والثانية : عذرة وإعذار للختان ...و هی مستحبة . (المبدع شرح المقنع: ۱۶۶/۷،ط: دارعالم الکتب ،الریاض)۔

(۴) شیخ محمد بن صالح العثیمین الشرح الممتع میں فرماتے ہیں:

و وليمة مباحة ، وهي سائر الولائم التي تفعل عند حدوث ما يسر ، فهي من قسم المباح وليس من قسم البدعة ، كما ظنه بعض الناس، كالوليمة للختان ، فهذه مباحة ، لأن الأصل في جميع الأعمال غير العبادة الإباحة ، حتى يقوم الدليل على المنع. (الشرح الممتع علی زادالمستقنع: ۳۲۰/۱۲،ط: دارابن الجوزی)۔

(۵) الفقه علی المذاهب الأربعة میں ہے:

الحنابلة : قالوا: إن المسنون هو الدعوة إلى طعام العرس خاصة ، أما غيرها من الأنواع التي ذكرت فإن الدعوة إليها جائزة . (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ: ۲۹/۲،حکم الولیمۃ، ط: مکتبۃ الثقافۃ)۔

(۶) تحفة المودود بأحكام المولود میں علامہ ابن قیم فرماتے ہیں:

فإن الأطعمة المعتادة التي تجري مجرى الشكر ان كلها سبيلها الطبخ ولها أسماء متعددة ... ۷ : والغديرة طعام الختان ... فكان الإطعام عند هذه الأشياء أحسن من تفريق اللحم . (ص۷۶،ط: دمشق)۔

ختنہ کی دعوت اکابرؒ کے فتاویٰ کی روشنی میں:

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

ختنے کی تقریب میں دعوت دینا اور بستی کے لوگوں کو کھانا کھلانا لازم نہیں ہے اگر کسی کو وسعت ہو اور وہ اپنی خوشی سے دعوت دیدے تو اسے اختیار ہے لیکن لوگوں کو اس سے زبردستی دعوت لینے کا کوئی حق نہیں ہے، ...الخ۔

(کفایت المفتی :۲/۳۴۴،دارالاشاعت)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

ختنہ کی تقریب میں شریک ہونا اور کھانے میں شریک ہونا فی حد ذاتہ جائز ہے،بشرطیکہ ریا وشہرت کے لیے یہ کام نہ ہو اور قرض ادھار لے کر یہ کام نہ کیا جائے اور کوئی ناجائز کام مثلاً گانا بجانا نہ ہو۔(۲/۳۴۷)۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

ولیمة الختان لم یکن یدعی لھا کا مفہوم اسی قدر ہے کہ یہ معمول نہ تھا ولیمہ کا لفظ اس کو شامل ہے اس لیے فی حد ذاتہ اباحت ہے، ہاں آج کل کے مصالح اسلامیہ اس کے مقتضی ہیں کہ ایسی دعوتیں جس قدر کم ہوں بہتر ہے۔(کفایت المفتی :۲/۳۴۸)۔

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ حیاتِ مسلم میں تحریر فرماتے ہیں:

جب بچہ میں برداشت کی قوت دیکھیں ختنہ کرنے والے کو بلا کر ختنہ کرادیں ، جب اچھا ہو غسل کرادیں،اگر گنجائش ہوتو کچھ عزیز واقارب یا دوست احباب یا کچھ غریبوں کو جو کچھ میسر آئے کھلادیں۔(حیاتِ مسلم،ص ۲۹)۔

حضرت گنگوہیؒ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

جس کے یہاں شادی وختنہ میں رسوم وبدعات موجود ہوں اس کے یہاں شریک نہ ہو اس کے مکان میں نہ دوسرے مکان میں اگر مکان پر کھانا بھیج دیں تو خوف فتنہ کا اگر نہ ہوتو نہ لیوے اور اگر نہ لینے کے اندر فساد ہوتو دفع فساد کے سبب لے لینا چاہئے۔(فتاویٰ رشیدیہ،ص ۱۴۴)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت گنگوہیؒ کے ہاں بھی اگر بدعات ورسومات سے خالی ہوتو جائز ہے۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ نے بھی جواز تحریر فرمایا ہے۔ملاحظہ ہو:

ختنہ کے وقت لوگوں کو جمع کرنا تو غلط ہے،لیکن ختنہ سے فراغت کے بعد اگر بطورِ شکر یہ ادائے سنت دعوت کردے،خواہ عقیقہ کے ساتھ یا بغیر عقیقہ کے درست ہے،ضروری تصور کرنا غلط ہے۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۴۶۴،جامعہ فاروقیہ)۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

خیر القرون میں ختنہ کے موقع پر دعوت کا کوئی رواج نہیں تھا،حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی

ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ ختنہ میں ہمیں دعوت دی جاتی تھی، نہ ہی ہم جایا کرتے تھے، اس لیے یہ دعوت محض مباح ہے، امام احمدؒ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کو اس سلسلہ میں دعوت دی گئی تو قبول کیا اور تناول فرمایا، چونکہ یہ محض ایک مباح دعوت ہے، اس لیے مسلمانوں کی عام دعوت کی طرح اس کا قبول کرنا (البتہ یہ اُس وقت ہے جب کہ دعوت میں کوئی خلافِ شرع بات نہ ہو اور اسے لازمی رواج کا درجہ نہ دے دیا جائے) مستحب ہے، حنابلہ، مالکیہ اور شوافع کے علاوہ حنفیہ کی رائے بھی یہی ہے۔ (قاموس الفقہ: ۳۳۲/۳، دعوتِ ختنہ)۔

خلاصہ یہ ہے کہ احادیث، آثار اور مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں ختنہ کی دعوت مستحب یا کم از کم جائز اور مباح ہے، اس دعوت کو بدعت کہنا درست نہیں جیسا کہ شیخ محمد بن صالح العثیمین نے فرمایا کہ یہ بدعت نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا گمان ہے۔ ہاں منکرات وغیرہ ہوں یا معاشرہ میں ایک رواج کی حیثیت سے کی جاتی ہو یا غیر مسلموں کے ساتھ تشبہ اور ان کے طریقہ پر کی جاتی ہو تو اس سے بچنا چاہئے۔ کیونکہ شریعت اتباع کا نام ہے اپنی طرف سے ایجاد کردہ خرافات اور رسم ورواج کا نام نہیں ہے۔ آج کل مسلم معاشرے میں شادی بیاہ، موت میت وغیرہ میں بہت ساری رسم ورواج نے گھر کرلیا ہے، ان سے بچنا اور اپنے معاشرے کو پاک صاف رکھنا اور صحیح اسلامی معاشرہ بنانا بے حد ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو صحیح راہ کی طرف رہنمائی فرمائے اور ہر قسم کے راہزنوں سے حفاظت فرما کر صراطِ مستقیم کی طرف چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

یاد رہے ہمارے ہاں پختونوں میں ختنہ کی دعوت کا عام رواج نہیں بلکہ دو قسم کا ختنہ ہوتا ہے:

(۱) دعوت والا ختنہ، (۲) بغیر دعوت کا ختنہ، بغیر دعوت والے ختنہ کو عام لوگ دروازہ کے پیچھے ختنہ کرانا کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ختنہ کی دعوت کو خواص تو کجا عوام بھی ضروری یا سنت نہیں سمجھتے ہیں، اور آج کل تو دعوت والا ختنہ بہت ہی کم بلکہ کالعدم ہو گیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

چند اشکالات اور ان کے جوابات

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی روایت کا جواب:

روایت ملاحظہ فرمائیے:

أخرج الإمام أحمد في مسنده (۱۷۹۰۸) **من طريق محمد بن إسحاق عن عبيد الله أو عبد الله بن طلحة بن كريز عن الحسن قال: دعي عثمان بن أبي العاص رضي الله عنه إلى ختان فأبى**

أن يجيب فقيل له فقال: إنا كنا لا نأتي الختان على عهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ولا ندعى له .

وأيضاً أخرجه الطبراني في الكبير (رقم: ٨٣٨١)، والبوصيري في الزوائد (٣٢٩٥)، والطحاوي في مشكل الآثار (٣٠٩/٤)، و ابن عدى في الكامل (٣٠٢/٢)، وابن حجر في المطالب العالية (١٦٥٥) كلهم من طريق محمد بن إسحاق عن عبد اللّٰه بن طلحة عن الحسن البصرى عن عثمان بن أبى العاص رضي الله عنه .

جواب: (۱): یہ روایت ضعیف ہے، جو مذکورہ بالا احادیث اورآ ثار کے مقابلہ میں قابل اعتماد نہیں۔ کلام حسبِ ذیل ملاحظہ ہو:

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: إسناده ضعيف؛ محمد بن إسحاق مدلس، وقد عنعن، وسماع الحسن البصرى من عثمان مختلف فيه . (سيأتي تحقيقه). (تعليقات الشيخ شعيب على مسند احمد: ٢٠٧/٢٦ /١٧٩٠٨).

جواب (۲): دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے لڑکیوں کے ختنہ کے بارے میں انکار فرمایا کیونکہ لڑکیوں کے ختنہ میں اخفا افضل ہے۔اس کی دلیل طبرانی وغیرہ کی روایت میں ملاحظہ فرمایئے:

أخرج الإمام الطبراني في الكبير (رقم ٨٣٨٢) من طريق أبي حمزة العطار وهو إسحاق بن الربيع العطار، عن الحسن البصرى، قال: دعي عثمان بن أبى العاص رضي الله عنه إلى طعام، فقيل: هل تدري ماهذا ؟ هذا ختان جارية فقال: هذا شيء ما كنا نراه على عهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، فأبى أن يأكل .

قلت: فيه: أبوحمزة العطار، وهو مختلف فيه، قال عمروبن علي: ضعيف الحديث . قال أبوحاتم: يكتب حديثه، وكان حسن الحديث . قال ابن حجر: صدوق . قال البزار: لا بأس به . وسيأتي الكلام على مراسيل الحسن البصريؒ .

راجع: (تهذيب الكمال: ٤٢٣/٢، والجامع فى الجرح والتعديل: ٦٢/١، وميزان الاعتدال: ١٩١/١).

وكذا في الزوائد للبوصيرى (٣٢٩٦)، والمطالب العالية (١٦٥٦) عن جبارة بن

المغلس، عن علی بن غراب، عن أشعث عن الحسن به .

وإسناده ضعيف ، لضعف جبارة بن المغلس . قال النسائي : ضعيف . قال البخاري: حديثه مضطرب . قال الدار قطني: متروک. قال ابن حجر: ضيعف. (تهذيب الكمال : ٤/٤٩١، وتقريب التهذيب، ص١٦٩،والجامع في الجرح والتعديل: ١/١٢٣).

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے لڑکیوں کے ختنہ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔اسی کو حافظ ابن حجرؒ نے بیان کیا ہے۔ملاحظہ ہو فتح الباری میں ہے:

قد ذكرت في أبواب الوليمة من كتاب النكاح مشروعية الدعوة في الختان وما أخرجه أحمد من طريق الحسن عن عثمان بن أبي العاص رضي الله عنه أنه دعي إلى ختان فقال: ما كنا نأتي الختان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا ندعى له وأخرجه أبو الشيخ من رواية فبين أنه كان ختان جارية وقد نقل الشيخ أبوعبد الله بن الحاج في المدخل (٣/٢٩٦،باب الختان): **أن السنة إظهار ختان الذكر وإخفاء ختان الأنثى .** (فتح الباري : ١٠/٣٤٣).

نیز فقیہ شمس الدین ابن طولون الحنفی نے بھی یہی بیان کیا ہے کہ وہ بچی کے ختنہ کی دعوت تھی اس وجہ سے کھانا نہیں کھانا اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی بچی کے ختنہ کی دعوت میں کھانا نہیں کھایا تھا۔ملاحظہ ہو:

وعن الحسن أن عثمان بن أبي العاص دعي إلى وليمة فأجاب ، فلما أتي بالطعام قيل: هذا في ختان جارية فأخذ ثوبه ونهض وقال: هذا طعام ما أكلته على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم. وأخرجه أحمد في مسنده . وفعل ذلک لكونه صنع لختن جارية ، ولهذا قال ابن الحاج المالكي في المدخل (٣/٢٩٦،باب الختان): **أن السُنة في الختان للذكور إظهاره وفي ختان النساء إخفاؤه.** (فص الخواتم ،ص٧).

جواب (۳): امام طحاویؒ نے ایک جواب یہ دیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ولیمہ میں جانا مامور اور مؤکد تھا اس کے علاوہ دیگر دعوتوں میں جانا اتنا مؤکد اور مامور نہیں تھا بلکہ اختیار تھا۔اسی کو حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔ملاحظہ ہو شرح مشکل الآثار میں ہے:

قال فدل ذلک أن الذي كانوا يدعون إليه من الأطعمة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فما كانوا يأتونه على وجوب إتيانه عليهم إنما هو خاص من الأطعمة لا على كل الأطعمة ولما كان طعام الوليمة مأموراً به كان من دعي إليه مأموراً بإتيانه ولما كان سواه من الأطعمة غير مأمور به كان غير مأمور بإتيانه . (شرح مشکل الآثار:۸/۳۱،ط:بیروت).

امام طحاویؒ کے جواب کی تائید حضرت ابو ہریرہؓ کی درجِ ذیل روایت سے ہوتی ہے، انہوں نے فرمایا ختنہ کی دعوت میں جانا لازمی نہیں ہے بلکہ اختیاری ہے۔ ملاحظہ ہو طبرانی میں ہے:

عن مجاهد عن أبي هريرة ؓ قال: الوليمة حق وسنة فمن دعى فلم يجب فقد عصى الله ورسوله والخرس والإعذار والتوكير أنت فيه بالخيارقال: قلت: إني والله لا أدري ما الخرس والإعذار والتوكيرقال: الخرس: الولادة ، و الإعذار: الختان ، والتوكير : الرجل يبنى الدار وينزل فى القوم فيجعل الطعام فيدعوهم فهم بالخيار إن شاءوا جاؤوا وإن شاءوا قعدوا. لم يرو هذا الحديث عن إسماعيل بن أمية إلا يحيى بن عثمان التيمى تفرد به الصلت بن مسعود .

قال الهيثمي : يحيى بن عثمان التيمى وثقه أبوحاتم الرازى وابن حبان وضعفه البخارى وغيره وبقية رجاله رجال الصحيح . (مجمع الزوائد:۴/۵۲،دارالفکر).

اشکال (۲): بعض حضرات نے لکھا ہے کہ دعوتِ ختان کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، اس لیے یہ دعوت جائز نہیں ہے؟

الجواب: یہ قول کہ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، درجِ ذیل مرفوع اور موقوف روایات کی وجہ سے محل نظر ہے:

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مرفوع روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دعوتِ طعام شادی، ولادت اور ختنہ کے موقع پر ہوا کرتی ہے۔ (میزان الاعتدال، والفردوس بماثور الخطاب، واسنادہ حسن)۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ختنہ کے موقع پر دعوتِ طعام صحیح اور جائز ہے۔ (غریب الحدیث:۱/۲۶۶،ط: جامعہ ام القریٰ)۔

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: ختنہ کی دعوت میں جانا لازم اور ضروری نہیں بلکہ آپ کو اختیار ہے۔

(طبرانی)۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سالم اور نعیم کے ختنہ کے موقع پر مینڈھا ذبح فرمایا۔ (الادب المفرد)۔

(۵) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا وہ لڑکوں کے ختنہ کے موقع پر کھانا کھلایا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)۔

مذکورہ بالا روایات کے باوجود یہ کہنا کہ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، سمجھ میں نہیں آتا۔ ہاں یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ صحابہ کرام میں اس کا عام رواج نہیں تھا۔

اشکال (۳): بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل تعامل صحابہ کے خلاف ہے، اس لیے حجت نہیں ہے؟

جواب: ختنہ کی دعوت فقط حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل نہیں، بلکہ چند صحابہ کرام سے قولاً مروی ہے، مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ، پھر قاضی شریح جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں کوفہ کے قاضی تھے انہوں نے بھی ختنہ کی دعوت سے متعلق ایک اونٹ اور اس کے انتظامات کی رقم منہا کر کے باقی کے تاوان کا فیصلہ کیا تھا، اگر ختنہ کی دعوت کا شریعت میں کوئی ثبوت نہ ہوتا تو کل رقم سو دینار کا ضامن بناتے۔ نیز حضرت سفیانؒ نے بھی ختنہ کی دعوت کا حکم فرمایا۔

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ خیر القرون میں اس دعوت کا رواج نہیں تھا، اور عام صحابہ کرام کا معمول بھی نہیں تھا۔

نیز صحابی کا قول اور عمل تو ائمہ کے ہاں حجت ہے۔ جب کہ کسی نص سے متعارض اور اجماعِ صحابہ کے خلاف نہ ہو۔ ملاحظہ ہو دراسات فی اصول الحدیث میں ہے:

قال الإمام أبوحنيفةؒ : فإن لم أجد في كتاب الله ولا في سنة رسوله أخذت بقول أصحابه . (ظفر الأماني، ص ٣٣٠).

قال الإمام الحجة عبد الله بن المبارك : سمعت أباحنيفةؒ يقول: ما جاء من رسول الله صلى الله عليه وسلم من الأحاديث فبالرأس والعين، وما جاء من الصحابة من الآثار فمختار بلاشک وريب، ولكن إذا جاء من التابعين فنحن وهم سواء ، نزاحمهم في البحث وكنا للحق طالبين . (فتح الرحمن فی اثبات مذهب النعمان: ١/ ٢٤).

وللمزيد انظر: (دراسات فی اصول الحديث على منهج الحنفية لعبد المجيد التركمانی، ص٤٤٦).

خلاصہ یہ ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل اس باب میں حجت ہے جب کہ سنت اور ضروری نہ سمجھے نیز خرافات، بدعات اور رسومات سے بھی پرہیز کرے۔

اشکال (۴): بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ ائمہ احناف سے کوئی ثبوت نہیں ملتا؟

جواب: ائمہ احناف سے مراد اگر ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ ہیں، تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ شروح، فتاویٰ وغیرہ کتب کا ہر مسئلہ ان ائمہ سے ثابت اور مروی نہیں ہے۔ بلکہ بعد والے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کی تخریجات ہیں لیکن چونکہ ائمہ ثلاثہ کے اصول کے موافق ہیں، اس لیے ان کو بھی مذہبِ احناف کہا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ لکھنویؒ النافع الکبیر میں فرماتے ہیں:

فائدة : لعلک تتفطن من البحث أنه ليس كل ما فى الفتاوى المعتبرة المختلطة ؛ كالخلاصة والظهيرية ، وفتاوى قاضيخان ، وغيرها من الفتاوى التي لم يميز أصحابها بين المذهب والتخريج وغيره قول أبي حنيفة وصاحبيه ، بل منها ما هو منقول عنهم ، ومنها ما هومستنبط الفقهاء ، ومنها ما هو مخرج الفقهاء ....

پھر اشارہ بالسبابہ پر بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فظهر منه أن قول النهي المذكور فى الفتاوى إنما هو من مخرجات المشايخ لا من مذهب صاحب المذهب وقس عليه أمثاله ، وهي كثيرة لا تخفى على المحقق ...وجعلوا ذلک ذريعة إلى طعن الائمة الثلاثة ، ظناً منهم أنها مسائلهم ومذاهبهم وليس كذلک بل هي من تفريعات المشايخ استنبطوها من الأصول المنقولة عن الائمة . (النافع الكبير، ص ۲۰، ۲۱، ط: ادارة القرآن).

اور اگر ائمہ احناف سے مشائخ اور فقہائے احناف مراد ہوں تو مذکورہ بالا حوالہ جات سے پتہ چلتا ہے کہ کتبِ احناف میں ختنہ کی دعوت کا ذکر موجود ہے بلکہ تین اقوال (سنت، مستحب اور نفس جواز) ملتے ہیں جن کی تفصیل مذکور ہوئی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

اشکال (۵) اور اس کا جواب:

اشکال: حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اصلاح الرسوم اور بہشتی زیور میں اور مفتی محمد شفیع نے امداد المفتین میں اور مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے احسن الفتاویٰ میں اور مولانا سرفراز خان صفدر صاحبؒ نے راہِ سنت

میں ختنہ کی ممانعت لکھی ہے؟

الجواب: ہمارے اکابرؒ علم کے پہاڑ تھے لیکن چونکہ کسی زمانہ میں ختنہ کی دعوت میں بہت اسراف ہوتا تھا اور عوام میں پہلے سے اس کی تیاری ہوتی تھی اور نہ کرنے کو بہت معیوب سمجھا جاتا تھا اس لیے بعض اکابرؒ نے اس کو منع فرمایا۔ نیز ان سب حضرات نے حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے استدلال فرمایا جبکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس کا تعلق ختان البنات سے ہے، اور یہ تاویل کہ غسل صحت کے وقت دعوت کی جائے اور یہ دعوت حسبِ استطاعت ہو اس تاویل کی ضرورت بھی تب پڑتی ہے جب حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث کو لڑکے کے ختنہ کو شامل سمجھا جائے تو پھر روایات کے تعارض کو دفع کرنے کے لیے نفی کو وقتِ ختان پر اور اثبات کو وقتِ صحت پر محمول کرنے کی ضرورت ہوگی۔ علاوہ ازیں عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی روایات میں ابن اسحاق مدلس کا عنعنہ ہے جو غیر مقبول ہے اور حسن بصریؒ اور عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے، ویسے بھی حسن بصریؒ مدلس ہیں، صحابہ کرام سے ان کا عنعنہ بھی متکلم فیہ ہے اس روایت میں حسنؒ نے **"دعي عثمان بن العاص"** فرمایا، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: **" كان يروي عن جماعة لم يسمع منهم فيتجوز ويقول: حدثنا وخطبنا يعني قومه الذين حدثوا. الخ"**. (تقریب التہذیب، ص ۲۷۰).

اس کی تعلیق میں دکتور بشار عواد اور شیخ شعیب ارنؤوط لکھتے ہیں: **ينبغي التنبه أن تدليس الحسنؒ قادح إذا كان عن صحابي أما إذا كان عن تابعي فلا، ولا بد من هذا القيد.** (تحریر التقریب: ۱/۲۷۰).

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اشاعت التوحید کے سربراہ حضرت مولانا عنایت اللہ شاہ کے دست گرفتہ اور مولانا غلام اللہ خان اور مولانا محمد حسین نیلوی، قاضی شمس الدین صاحب، مولانا عبدالسلام صاحب رستمی ان سب کے تلمیذ مولانا ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف کی کتاب **" المجموعة في الأحاديث الضعيفة والموضوعة "** سے ایک اقتباس قارئین کی خدمت میں بطورِ ہدیہ پیش کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۷ پر مذکورہ بالا علمی نسب نامہ بیان فرمایا ہے۔ ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ "ختنے کی رسموں کا بیان" کا عنوان لگا کر لکھتے ہیں: اس میں بھی خرافات رسمیں لوگوں نے نکال لی ہیں جو بالکل خلافِ عقل اور لغو ہیں۔ لوگوں کو آدمی اور خط بھیج کر بلانا اور جمع کرنا، یہ سنت کے بالکل خلاف ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کو کسی نے ختنہ میں بلایا۔ آپ نے تشریف لے جانے سے انکار کر دیا۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ

میں ہم لوگ نہ تو کبھی ختنہ میں جاتے تھے اور نہ اس کے لیے بلائے جاتے تھے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس چیز کا مشہور کرنا ضروری نہ ہواس کے لیے لوگوں کو جمع کرنا اور بلانا سنت کے خلاف ہے۔(بہشتی زیور مکمل مدلل ۶:۱۴) حاشیہ میں مسند احمد کی روایت لکھی گئی ہے،جس پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر مسند احمد ۴:۲۱۷ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ (وفات: ۵۵ھ) کو کسی ختنہ میں دعوت دی گئی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا، جب ان سے اس انکار کی وجہ دریافت کی گئی تو صاف الفاظ میں یہ ارشاد فرمایا:

"إنا كنا لا نأتي الختان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا ندعى له"۔(راہِ سنت:۱۴۲،طباعت:ستمبر ۱۹۸۱)

مجھے کئی ایسے لوگوں سے واسطہ پڑا ہے جو مولانا کی اس عبارت کے بل بوتے پر ختنہ کی مجالس میں شرکت کرنے کو بدعتِ سیئہ اور وہاں کھانا تناول کرنے کو حرام کہتے ہیں، حالانکہ اس روایت سے یہ استدلال قطعاً غلط ہے،آپ اس کی سند پر نظر ڈالیے، جو اس طرح ہے:

حدثنا عبد الله، حدثني أبي حدثنا محمد بن سلمة الحراني عن ابن إسحاق، يعني محمداً، عن عبيد الله أو عبد الله بن طلحة بن كريز عن الحسن، قال: دعي عثمان بن أبي العاص رضي الله عنه إلى ختان فأبى أن يجيب فقيل له فقال: ...الخ. (أخرجه الإمام أحمد في مسنده: ۱۷۹۰۸، قال الشيخ شعيب إسناده ضعيف، وأخرجه الطبراني في الكبير: ۸۳۸۱، والطحاوي في مشكل الآثار: ۲۵۷۲، والبوصيري في الزوائد: ۳۲۹۵، وابن عدي في الكامل: ۲/۳۰۲).

اس روایت میں دو اسنادی کمزوریاں ہیں:

(۱) محمد بن اسحاق بن یسار سچا ہونے کے باوجود مدلس تھے۔(تقریب التہذیب:۴۹۸،ترجمہ:۵۷۲۵).

جب کہ اس کی سند معنعن ہے اور مدلس کی صحیحین سے باہر معنعن روایت مردود ہوتی ہے۔

نیز مولانا صفدر صاحب نے اپنی دوسری کتاب ''احسن الکلام'' میں محمد بن اسحاق پر جس قسم کی جرح کی ہے اس کے تناظر میں تو یہ روایت قطعاً نا قابل استدلال ہے، اس لیے کہ مولانا انھیں دجال من الدجاجلۃ کہتے ہیں۔

(۲) حسن بن ابی الحسن یسار البصری رحمہ اللہ اگرچہ سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت کرتے ہیں لیکن

انھوں نے سیدنا عثمان بن ابی العاصؓ سے احادیث نہیں سنیں۔ (تہذیب التہذیب:۲/۲۴۳)

اور آپ تدلیس بھی کیا کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب:۲/۲۴۸)

(فائدہ: یہ حافظ بن حجرؒ کی رائے ہے ورنہ امام بخاریؒ نے ’’التاریخ الکبیر‘‘ میں ایک روایت نقل کی ہے جو سماع کو ثابت کرتی ہے۔ ملاحظہ ہو: **قال الإمام البخاري: قال ابن أبي الأسود حدثنا أبو داود قال: حدثنا أبو عامر عن الحسن قال: كنا ندخل على عثمان بن أبي العاص رضي الله عنه وقد أخلى بيتاً للحديث**. (التاريخ الكبير:٦/٢١٢،ترجمة:٢١٩٥). (وكذا في تهذيب الكمال: ٦/١٢٣).

نیز امام مزیؒ نے ایک اور روایت نقل کی ہے۔ ملاحظہ ہو: **قال أيوب، عن الحسن: دخلت على عثمان بن أبي العاص رضي الله عنه**. (تهذيب الكمال:٦/١٢٣).

شیخ شعیب ارنؤوط لکھتے ہیں:

وسماع الحسن البصريؒ من عثمان رضي الله عنه مختلف فيه، فقال المزي: قيل: لم يسمع منه هكذا أورده بصيغة التمريض، جزم الحافظ في التهذيب بعدم سماعه منه، ولكن يعكر عليه ما أورده البخاري في التاريخ الكبير عن الحسن قوله: كنا ندخل على عثمان بن أبي العاص رضي الله عنه وهذا يثبت سماعه منه. (تعليقات الشيخ شعيب على مسندالامام احمد: ٢٦/٢٠٧).

نیز حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ۵۱ھ میں ہوئی اور حسن بصریؒ کی ولادت تقریباً ۲۱ھ میں ہوئی اور حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام بخاریؒ نے لکھا ہے: ’’سكن البصرة‘‘ بصرہ میں قیام پذیر تھے۔

ان تمام حقائق سے یہی واضح ہوتا ہے کہ حسن بصریؒ نے حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے ضرور حدیثیں سنی ہوں گی۔

بلکہ امام بزارؒ نے سماع کی تصریح فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ زیلعی تحریر فرماتے ہیں:

ذكر كلام البزار في سماع الحسن البصريؒ من الصحابة، قال البزار في مسنده في آخر ترجمة سعيد بن المسيبؒ، عن أبي هريرة رضي الله عنه: سمع الحسن البصريؒ من جماعة من الصحابة ... إلى قوله... وروى عن عثمان بن أبي العاص رضي الله عنه، وسمع منه. (نصب الراية لاحاديث الهداية: ١/٩٠، كتاب الطهارة، مؤسسة الريان).

ہاں ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سماع ثابت نہیں ہے لیکن مختار یہ ہے کہ سماع ثابت ہے۔)

نیز جو حضرات ختنے کی دعوت کی مخالفت پر عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں، اس میں دو علتیں ہیں: ا۔ محمد بن اسحاق کا عنعنہ اور ۲۔ حسن بصریؒ کا ''**قال عثمان بن أبی العاص** رضی اللہ عنہ'' کہنا جو عنعنہ کے حکم میں ہے، ان حضرات کو یہ بات ضرور تسلیم کرنی چاہئے کہ یہ جاریہ کی ختنہ کی دعوت تھی کیونکہ اس میں محمد بن اسحاق اور اس کا عنعنہ موجود نہیں ہے صرف حسن بصریؒ کے درج ذیل الفاظ ہیں'' **قال عثمان بن أبی العاص** رضی اللہ عنہ'' ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مراسیل الحسن البصریؒ کا حکم:

اکثر محدثین حضرات کے نزدیک مراسیل الحسن ضعیف اور کمزور ہیں لیکن بعض حضرات نے مستحسن قرار دیا ہے۔

وحكى إمام الحرمين عن الشافعيؒ أن مراسيل الحسن البصريؒ عنده مستحسنة حكاه عنه ابن الرفعة فى المطلب فى الكلام على قبض المبيع قال: ولهذا احتج به فى الأم، وقال ابن حزم: ادعى بعضهم أن الحسن البصريؒ كان إذا حدثه بالحديث أربعة من الصحابة أرسله قال فهو أقوى من المسند . (النكت على مقدمة ابن الصلاح: ۴۸۶/۱، النوع التاسع المرسل).

قال في تدريب الراوى: ومراسيله أثنى عليها أبوزرعة وابن المديني. (تدريب الراوى: ۲۸۷/۱).

قال يحيى بن سعيد القطان: ما قال الحسن في حديثه: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، إلا وجدنا له أصلاً، إلا حديثاً أو حديثين. (قواعد فى علوم الحديث، ص۱۵۳).

بعض حضرات نے ضعف تو تسلیم کیا ہے لیکن یہ بھی ساتھ کہا کہ قابل برداشت ضعف ہے ضعف شدید نہیں ہے۔

المشهور عند المحدثين أو أكثر المحدثين على أن مراسيل الحسن البصريؒ ليست قوية، من قبيل ضعيفة ولكن ليس ضعفها شديداً، بمعنى أنها يعني إذا اعتضدت إما بمرسل آخر أو بمسند، أو اعتضدت بشيء قد ترتقي عن الضعف، ومنهم من يقول: إنها قوية يعني هي بعض العلماء يقويها، ولكن الذي يظهر لي، والله أعلم، أن جمهور العلماء على ضعف مراسيل الحسن، ولكن ليس من الضعف الشديد ليس يعنى مما يقبل الاعتضاد نعم . (شرح اختصار علوم الحديث ۱۴۱).

محاضرات فی علوم الحدیث میں ہے:

و من المراسيل الجيدة: مراسيل عروة بن الزبير؛ لشدة تحريه، وكذلك مراسيل الحسن البصريؒ عند بعضهم. (ص:٢٥).

ہاں اگر حسن بصریؒ کی مرسل روایت کسی قاعدہ شرعیہ یا صحیح احادیث کے خلاف ہوتو پھر اس کو ضعیف تسلیم کیا جائیگا۔

(۳) نیز حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: **وقد ذكرت في أبواب الوليمة من كتاب النكاح مشروعية الدعوة في الختان، وما أخرجه أحمد من طريق الحسن عن عثمان بن أبي العاصؓ أنه دعي إلى ختان فقال: إنا كنا لا نأتي الختان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا ندعى له، وأخرجه أبو الشيخ من روايته، فتبين أنه كان ختان جارية، وقد نقل الشيخ أبوعبد الله بن الحاج في المدخل** (٣:٢٩٦) **أن السنة: إظهار ختان الذكر وإخفاء ختان الأنثى.** (فتح الباري: ١٠/٣٤٣، كتاب اللباس (٧٧) باب قص الشارب (٣٦) تحت حديث: ٥٨٨٩).

ہم نے کتاب النکاح، ابواب الولیمہ میں ختنہ کی دعوت کا مشروع ہونا ذکر کیا ہے، البتہ زیر بحث حدیث سے اس کی مشروعیت پر اعتراض ہوسکتا ہے، لیکن یاد رہے کہ صحابی نے جس دعوتِ ختنہ میں شمولیت سے انکار کیا تھا وہ لڑکی کی دعوتِ ختنہ تھی جس میں شمولیت بلاشبہ غیر مشروع ہے، جیسا کہ امام ابن الحاج نے المدخل (۲۹۶/۳) میں لکھا ہے کہ سنت یہ ہے کہ لڑکے کے ختنے کا اظہار کیا جائے اور لڑکی کے ختنے کو خفیہ طور پر انجام دیا جائے۔ (المجموعہ فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ، از ص۹۱ تا ص۹۳، مقدمہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ختنہ میں تعیینِ وقت کا حکم:

سوال: فقہ کی ابتدائی کتابوں میں لکھا ہے کہ ختنہ کا مستحب وقت سات سال کی عمر سے شروع ہوتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ یا کوئی اور قول موجود ہے؟ آج کل کے حالات کے اعتبار سے دوسرا کوئی قول ہوتو نشاندہی فرمائیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ختنہ کے وقت کی تعیین میں امام ابوحنیفہؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے کوئی روایت منقول نہیں ہے، البتہ مشائخ احناف نے سات سال کی تعیین ذکر فرمائی ہے، نیز اس کے ساتھ ساتھ اشبہ بالفقہ یہ قول مذکور

ہے کہ جب بچہ میں قوتِ برداشت پیدا ہوجائے تو ختنہ کرانا درست ہے، چونکہ آج کل اَلم وتکلیف کوکم کرنے کے لیے انجکشن دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے تکلیف محسوس نہیں ہوتی لہٰذا جلد ختنہ کرانا درست ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

قال: ووقته سبع سنين أى وقت الختان سبع سنين وقيل: لا يختن حتى يبلغ لأن الختان للطهارة ولا طهارة عليه قبله فكان إيلاماً قبله من غير حاجة وقيل: أقصاه اثنا عشر سنة وقيل: تسع سنين وقيل: وقته عشر سنين لأنه يؤمر بالصلاة إذا بلغ عشراً اعتياداً أو تخلقاً فيحتاج إلى الختان لأنه شرع للطهارة وقيل: إن كان قوياً يطيق ألم الختان يختن وإلا فلا وهو أشبه بالفقه . وقال أبوحنيفة : لا علم لي بوقته ولم يرو عن أبي يوسفؒ ومحمدؒ فيه شيء وأن المشايخ اختلفوا فيه . (البحر الرائق: ۸/۵۵٤، دارالمعرفة). (وكذا فى الدر المختار مع فتاوى الشامى: ٦/٧٥١، مسائل شتىٰ ، سعيد).

وفي المحيط البرهاني :... وبعضهم يعتبر الطاقة إن كان قوياً بحيث يطيق ألم الختان يختتن قبل سنة أو أكثر . (المحيط البرهانى: ۳/۱۳۹، ط: داراحياء التراث العربى).

وفي مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: وقيل : إن كان قوياً يطيق ألم الختان ختن وإلا فلا وهو أشبه بالفقه . (مجمع الانهرفى شرح ملتقى الابحر: ٤/٤٩١،دارالكتب العلمية).

وقال في تبيين الحقائق: وقال بعضهم : اليوم السابع من ولادته أو بعد السابع بعد أن يكون الصبي محتملاً ولا يهلك لما روي أن الحسن، والحسين رضى الله تعالىٰ عنهما ختنا فى اليوم السابع أو بعد السابع لكنه شاذ . (تبيين الحقائق: ٤/٢٢٦،دارالكتب الاسلامى).

(وكذا فى العناية شرح الهداية: ١٠/٤٦٢،شهادة الاقلف، وكذا فى المحيط البرهانى: ٩/١٨٢).

الفتاوى الهندية میں ہے: وقال بعضهم : يجوز بعد سبعة أيام من وقت الولادة كذا فى جواهر الفتاوىٰ. (الفتاوى الهندية:٥/٣٥٧).

شیخ محمد بن صالح العثیمین نے ریاض الصالحین کی شرح میں اچھی بات لکھی ہے:

ومتى يكون الختان ؟ يكون الختان من اليوم السابع فما بعده، وكلما كان فى الصغر فهو أفضل لأن ختان الصغير لا يكون فيه إلا الألَم الجسمى دون الألَم القلبى ، أما الكبير،

لو ختن من له عشر سنوات مثلاً ، فإنه يكون فيه ألَم قلبى وجسمى ، ثم أن نمو اللحم ونبات اللحم وسرعة البرء فى الصغار أكثر، لهذا قال العلماء: إن الختان في زمن الصغر أفضل، وهو كذلك . (شرح رياض الصالحين : ۲/ ۱۳۷۵، ط: دار السلام).

الموسوعة الفقهية الكويتيه میں ہے:

ويستحب ختانه فى الصغر إلى سن التمييز لأنه أرفق به. ولأنه أسرع برءاً فينشأ على أكمل الأحوال . (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۱۹/ ۲۹).

قال ابن القيم في تحفة المودود: وسئل وهب بن منبه عن ذلک فقال: إنما يستحب ذلک فى اليوم السابع لخفته على الصبيان فإن المولود يولد وهو خدر الجسد كله لا يجد ألَم ما أصابه سبعاً . (تحفة المودود باحكام المولود،ص۱۱۳). واللہ ﷻ اعلم۔

حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما کے ختنہ والی حدیث کی تحقیق:

حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما کے بارے میں روایت میں آتا ہے کہ ساتویں دن ان کا ختنہ ہوا تھا جیسا کہ فقہاء کی عبارات میں گزرا، اس حدیث کی تحقیق درجِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

عن جابر رضي الله عنه قال: عق رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الحسن والحسين وختنهما لسبعة أيام . (رواه البيهقى فى الكبرى: ۸/ ۳۲٤/ ۱۸۰۱۸، باب: السلطان يكره على الاختتان،وفى شعب الايمان، رقم: ۸۲٦۹). (وكذا رواه الطبراني فى الأوسط ، رقم:٦۷۰۸، وفى الصغير، رقم: ۸۹۱، وابن عساكر في " تبيين الامتنان بالأمر بالاختتان ، رقم: ۲۵).

قال الحافظ العراقي في تخريج الإحياء (۱۰٤۲) إسناده ضعيف واختلف في إسناده فقيل عبد الملك بن ابراهيم بن زهير عن أبيه عن جده ، الطبرانى من حديث عبد الملك بن أبى زهير عن أبيه معاذ وصحح إسناده والبيهقى من حديث عائشة رضي الله تعالىٰ عنها.

قال الهيثمي فى المجمع: رواه الطبرانى فى الصغير والكبير باختصار الختان ، وفيه محمد بن أبى اليسرى وثقه ابن حبان وغيره وفيه لين .

وعن ابن عباس رضي الله عنه قال: سبعة من السنة فى الصبى يوم السابع يسمى ويختن ويماط

عنه الأذى وتثقب أذنه ويعق عنه ويحلق رأسه...ويتصدق بوزن شعره في رأسه ذهباً أوفضة. رواه الطبراني فى الأوسط (۵۵۸) **ورجاله ثقات.** (مجمع الزوائد: ۴/۹۴،۹۵،دارالفکر).

قال العلامة بدرالدين العينيؒ: وفي سنده ضعف . (باب تسمية المولود، دارالحديث ملتان).

و قال الحافظ فى الفتح (۹/۵۸۹). **وفى التلخيص الحبير** (۱۹۸۴) **: فيه رواد بن الجراح وهو ضعيف .**

وقال الشوكانى فى نيل الأوطار (۵/۱۹۸) **: فى إسناده رواد بن الجراح وهو ضعيف وبقية رجاله ثقاة . واللہ تعالیٰ اعلم۔**

نومسلم کے ختنہ کا حکم:

سوال: ایک غیر مسلم شخص کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت سے نوازا، اسلام لانے کے بعد اس کے لیے ختنہ کا عمل ضروری ہے یا نہیں؟ یعنی ستر عورت کا لحاظ رکھا جائیگا یا ختنہ کی سنت پر عمل کیا جائیگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ختنہ شعائر اسلام میں سے ہے، اور اسلام کی مخصوص علامت اور پہچان ہے، اس وجہ سے ختنہ کی سنت پر عمل کیا جائیگا اور نومسلم شخص کو ختنہ کرانا ضروری ہوگا شریعتِ مطہرہ نے حسبِ ضرورت ستر کھولنے کی اجازت دی ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

والأصل أن الختان سنة كما جاء فى الخبر وهو من شعائر الإسلام وخصائصه فلو اجتمع أهل بلدة على تركه حاربهم الإمام. (الدرالمختار:۶/۷۵۱،سعيد، وكذا فى البحرالرائق: ۸/۵۵۴).

اس عبارت سے واضح طور پر ختنہ کی اہمیت سامنے آجاتی ہے کہ یہ شعائر اسلام میں سے ہے۔

نیز قاضیخانؒ فرماتے ہیں:

وإذا اجتمع أهل مصر على ترك الختان قاتلهم الإمام كما يقاتلهم في ترك سائر السنن . (فتاویٰ قاضیخان بهامش الفتاوی الهندية:۳/۴۰۹).

اسی طرح علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

فلو اجتمع أهل بلدة على تركه حاربهم . (فتاوی الشامی : ۱/۷۵۱، سعيد).

ملا علی قاریؒ نے ختنہ کو اذان کی طرح فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

وإن تركه أهل قوتلوا عليه ؛ لأنه من شعائر الإسلام فصار كالأذان . (شرح النقاية: ٤/ ٥٧، امور الفطرة، بيروت).

نیز احادیث میں بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نومسلم کے ختنہ سے متعلق ہدایات دی ہیں:

چنانچہ السنن الکبری میں ہے:

عن عثيم بن كليب عن أبيه عن جده أنه جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: قد أسلمت، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: ألق عنك شعر الكفر. يقول احلق . قال وأخبرني آخر أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لآخر معه: ألق عنك شعرالكفر واختتن .

(السنن الكبرى للامام البيهقي ،باب الكافر يسلم فيغتسل :١/ ١٧٢. واخرجه احمد في مسنده رقم: ١٥٤٣٢، قال الشيخ شعيب : اسناده ضعيف فيه راو مجهول لم يسم هوشيخ ابن جريج).

دوسری روایت میں ہے:

عن علي بن الحسين بن علي عن أبيه عن أبيه علي رضي الله عنه قال: وجدنا في قائم سيف رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصحيفة : إن الأقلف لا يترك في الإسلام حتى يختتن ولو بلغ ثمانين سنة .قال الإمام البيهقي : هذا إسناد ينفرد به أهل البيت بهذا الإسناد . (السنن الكبرى للبيهقي ،باب السلطان يكره على الختان :٨/ ٣٢٤).

ایک اور روایت میں ہے:

عن الزهري قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أسلم فليختتن و لو كان كبيراً . رواه حرب بن إسماعيل . (التلخيص الحبير:٤/ ٢٢٣/ ١٨٠٦).

ایک اور روایت میں ہے:

عن قتادة بن الفضل بن قتادة الرهاوي عن أبيه حدثني عم أبي هاشم بن قتادة الرهاوي عن أبيه قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فأسلمت فقال لي: يا قتادة اغتسل بماء و سدر واحلق عنك شعر الكفر وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمر من أسلم أن يختتن وكان ابن ثمانين سنة . (المعجم الكبير:١٩/ ١٤/ ١٥٣٦٣).

قال الهيثمي في المجمع : رواه الطبراني في الكبير و رجاله ثقات. (باب غسل الكافر اذا اسلم).

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں بھی نومسلم کے ختنہ کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے۔

نومسلم کے ختنہ کے بارے میں فقہاء کی تحریرات ملاحظہ ہوں:

قال ابن عابدين الشاميؒ: كشيخ أسلم وقال أهل النظر لايطيق الختان فلا يترك إلا لعذر. (فتاوى الشامي: ٦/٧٥١، سعيد).

اسی طرح البحر الرائق: ۸/۴۸۵، والفتاوی الہندیۃ: ۵/۳۵۷، وملتقی الابحر، وغیرہ میں مرقوم ہے۔

قال في الفتاوى الهندية: و يجوز النظر إلى الفرج للخاتن... ويغض بصره ما استطاع كذا في السراجية. (الفتاوى الهندية: ٥/٣٣٠). (و كذا في فتاوى الشامي: ٦/٣٧٠، سعيد).

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

ختنہ کے متعلق فقہاء نے تصریح کی ہے کہ بالغ کا ختنہ کرنا اور بقدرِ ضرورت بدن کا دیکھنا چھونا جائز ہے البتہ ضرورت سے زائد بے پردگی جائز نہیں، اس واسطے ختان کے سوا کوئی نہ دیکھے اور باقی بدن کو ختان سے بھی چھپائے رہے اور ختنہ صرف سنت ہی نہیں بلکہ شعائر اسلام سے بھی ہے۔ (امداد الاحکام: ۴/۴۲۸)۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ فرماتے ہیں:

ختنہ اسلام کا شعار ہے، اور آپریشن کے لیے ستر کھولنا جائز ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/۳۵۰، طبع جدید)۔ مزید ملاحظہ ہو: (امداد الفتاویٰ: ۴/۲۳۸-۲۴۰)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غیر متحمل شخص کے لیے ختنہ کا حکم:

سوال: ایک بوڑھا شخص مسلمان ہوگیا لیکن اپنے بوڑھاپے کی وجہ سے ختنہ کا تحمل نہیں کرسکتا ہے اور جبر کرنے سے اسلام سے پھر جانے کا قوی اندیشہ ہے تو کیا اس حالت میں ختنہ ترک کرنے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ختنہ کرانا سنت ہے اور شعائر اسلام میں سے ہے لہذا نومسلم کو ختنہ کا حکم کیا جائے گا اور ترغیب سے کام لیا جائیگا، جبر واکراہ کرکے شریعت سے متنفر نہیں کیا جائیگا، ہاں اگر ایسا بوڑھا شخص ہے جو تحمل اور برداشت کی طاقت نہیں رکھتا ہے تو اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائیگا، فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر بوڑھا شخص قوتِ برداشت نہ رکھتا ہو تو ترک کردیا جائے، ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قال فی الهندية: الشيخ الضعيف إذا أسلم ولا يطيق الختان إن قال أهل البصر لايطيق يترك لأن ترك الواجب بالعذر جائز فترك السنة أولىٰ ، كذا فی الخلاصة . (الفتاوی الهندية: ٥/٣٥٧).

وفی المحيط البرهانی: قال : لا يشد عليه ويترك لأن الواجبات يترك بالأعذار فالسنن أولى. (٦/١١٩، الفصل العشرون فی الختان، مكتبه رشيديه).

وفي مجمع الأنهر:قال : جاز ترک ختان شيخ أسلم وقال أهل النظر: لايطيق الختان للعذر الظاهر. (مجمع الانهر:٤/٤٩٠).

حضرت تھانویؒ نے بھی تصریح فرمائی ہے۔ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ میں ہے:

سوال: ما قولكم دام فضلكم أيها العلماء العظام والأفاضل الكرام في رجل كان عيسوياً ثم تشرف بقبول الإسلام بصميم قلبه وهو يقول إني رجل كبير السن أخاف من ضرر الختان فسامحوني عنه وأن تسامحوني عنه أبنائي أيضاً اللذان هما كبيران يتشرفان بقبول الإسلام وإلا فهما لن يقبلا الإسلام ويبقيان على الكفرفهل يسامح عن الختان في هذه الصورة أم يكره و يجبر عليه و يجعل هو مرتداً و يبقى أبنائه على الكفر ، بينوا بالتفصيل توجروا بالأجر الجزيل ؟

الجواب : يسامح عنه لوجهين : الأول: عدم تحمل نفسه له ومن لايطيق يترک ختانه بتصريح الفقهاء ، كما فی الدر المختار، والكنز، والخلاصة ، والخانية ، والسراجية ، والهندية ، وجامع أحكام الصغار وغيرها بألفاظ متقاربة ، شيخ أسلم وقال أهل النظر لايطيق الختان ترک ، انتهی ، وهذا داخل في من لايطيق لأن الطاقة هي ما بالجسم وبالنفس فلما لم تطق نفسه دخل فيمن لايطيق ، وقول الفقهاء : يختن بالاتفاق،كما فی الذخيرة ، والكافر إذا أسلم يختن بالاتفاق لأنه من خصائص دين الإسلام وهو بالغ مشروط بالطاقة بدليل الروايات الأخرى والثاني: تألفه وتألف أولاده على الإسلام كما شرط بنوثقيف أن لايجاهدوا وأجازه رسول الله صلى الله عليه وسلم وصرح العلماء في شرح حديث أبي هريرة رضی اللہ عنہ بتحمل أدنى الضررين لدرء أشدهما . (امداد الفتاویٰ:۴/۲۳۹)۔

قال في شرح النقاية : ويترك لو ولد شبيهاً بالمختون، أو أسلم كبيراً وخيف عليه منه. (شرح النقاية للملاعلی القاری:٤/٥٧، امور الفطرة، ط: بيروت، وآپ کے مسائل اوران کا حل:٨/٣٤٩، ط: طبع جديد). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بچی کے ختنہ کا حکم:

سوال: کیا بچی کا ختنہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ احیاء العلوم میں امام غزالیؒ نے ایک صحابیہ کے ختنہ کا تذکرہ کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بچی کا ختنہ کرنا چاہئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بچی کا ختنہ احناف کے نزدیک جائز ہے، سنت نہیں ہے، عرب کے معاشرہ میں عزت واکرام سمجھا جاتا تھا، اوراب احناف اوراکثر شوافع کے ہاں اس کا رواج ختم ہو چکا ہے۔

قال في البحر الرائق: وختان المرأة ليس بسنة وإنما هو مكرمة للرجال في لذة الجماع ، وقيل: سنة . (البحرالرائق: ٨/٤٨٥، كوئٹه).

وفي مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: وختان المرأة ليس بسنة . (مجمع الانهر: ٤/٤٩١).

وفي شرح النقاية : وعُدَّ مكرمة للنساء لحصول الكرامة لهن به عند أزواجهن . (شرح النقاية : ٤/٥٧، امور الفطرة ،بيروت).

قال ابن عابدينؒ: قوله وختان المرأة ، الصواب خفاض لأنه لا يقال في حق المرأة ختان وإنما يقال خفاض، حموی ، قوله بل مكرمة للرجال لأنه ألذ فی الجماع ، زيلعي. قوله وقيل: سنة جزم به البزازي معللاً بأنه نص على أن الخنثى تختن ولو كان ختانها مكرمة لم تختن الخنثى لاحتمال أن تكون امرأة ولكن لا كالسنة في حق الرجال، أقول: ختان الخنثى لاحتمال كونه رجلاً وختان الرجل لايترك فلذا كان سنة احتياطاً ولايفيد ذلک سنيته للمرأة تأمل ، وقال بعضهم سنة للرجال مستحب للنساء لقوله عليه الصلاة والسلام : ختان الرجال سنة وختان النساء مكرمة . (فتاوی الشامی: ٦/٧٥١، مسائل شتیٰ، سعيد).

(وكذا فی الفتاوی الهندية: ٦/٤٤٥،و ٥/٣٥٧،والدر المختار:٦/٧٥١، وتكملة ردالمحتار:٧/٣٤٢، سعيد، وحاشية الطحطاوی علی الدر المختار:٤/٣٦١، واحسن الفتاویٰ:٩/٢٢). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فصل پنجم

خضاب سے متعلق احکام کا بیان

عورتوں کے لیے سیاہ خضاب استعمال کرنے کا حکم:

سوال: کیا عورتوں کے لیے اپنے بالوں میں کالا رنگ لگانا یا کالی مہندی لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: احادیث میں سیاہ خضاب استعمال کرنے کی ممانعت صراحۃً وارد ہوئی ہے اس میں مرد وعورت دونوں کے لیے ایک ہی حکم ہے کسی کی تخصیص نہیں، بنابریں عورتوں کو سیاہ خضاب لگانا یا سیاہ مہندی استعمال کرنا درست نہیں۔ہاں اگر خضاب یا مہندی مکمل سیاہ نہ ہو بلکہ سیاہی مائل ہو تو اس کا استعمال جائز اور درست ہے۔بعض مشائخ اور مفتی حضرات اجازت دیتے ہیں جن کا ذکر آخر میں آرہا ہے۔اور اگر تلبیس اور دھوکا دہی کے لیے ہو تو بالکل ناجائز ہے۔

سیاہ خضاب کی ممانعت میں چند احادیث ملاحظہ کیجئے۔صحیح مسلم شریف میں ہے:

(۱) عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: أتي بأبي قحافة يوم فتح مكة ورأسه ولحيته كالثغامة بياضاً، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "غيروا هذا بشيء، واجتنبوا السواد". (رواه مسلم: ۲/۱۹۹، قدیمی کتب خانہ). (وأيضاً أخرجه الإمام أحمد في مسنده، ۱٤٤۰۲، والطبراني في الكبير، ۸۳۲٤، وابن ماجه، ۳٦۲٤، وابن أبي شيبة في مصنفه، ۲٥٥۰۲، وعبد الرزاق في مصنفه، ۲۰۱۷۹، ابن بشران في أماليه، ۹٤۷).

(۲) وعن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يكون قوم يخضبون في آخر الزمان بالسواد كحواصل الحمام لايريحون رائحة الجنة. (رواه ابوداود فی سننه، ٤۲۱٤، والنسائی فی الکبری، ۹۳٤٦، والبیهقی، ۱٤٦۰۱، وابویعلی فی مسنده، ۲٦۰۳، واحمد فی مسنده،

(۲۴۷۰).

(۳) عن أبي الدرداء ﷺ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:" من سود بالخضاب سود اللّٰه وجهه يوم القيامة ". (رواه الطبراني في مسندالشاميين، رقم ۶۵۲).

قال الحافظ في الفتح(۱۰/ ۳۵۵) : أخرجه الطبراني، وابن أبي عاصم من حديث أبي الدرداء ﷺ رفعه وسنده لين. ورمزله الإمام السيوطي بالضعف في الجامع الصغير (۸۶۵۸)، قال الهيثمي في المجمع : وفيه الوضين بن عطاء وثقه أحمد وابن معين وابن حبان وضعفه من هو دونهم في المنزلة وبقية رجاله ثقات.(مجمع الزوائد:۵/ ۱۶۳، باب ماجاء في الشيب والخضاب).

(۴) وعن ابن عمر ﷺ مرفوعاً الصفرة خضاب المؤمن والحمرة خضاب المسلم والسواد خضاب الكافر. أخرجه الطبراني والحاكم (۶۲۳۹).قال الذهبي في التلخيص:حديث منكر، وقال الهيثمي في المجمع (۵/ ۱۶۳،ط:دارالفکر) : فيه من لم أعرفه .

(۵) وعن عمروبن شعيب عن أبيه عن جده رفعه: " من غير البياض بالسواد لم ينظر اللّٰه إليه". ذكره الحافظ في لسان الميزان (۳/ ۵۰۰/ ۷۴۰۳،ط:مکتب المطبوعات الاسلامية) وقال: فيه محمد بن مسلم العنبري وهوضعيف.

(۶) وعن أنس بن مالك ﷺ قال: كنا يوماً عند النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فدخلت عليه اليهود فرآهم بيض اللحى فقال: مالكم لا تغيرون ؟ فقيل: إنهم يكرهون، فقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: لكنكم غيروا وإياى والسواد . أخرجه الطبراني في الأوسط (۱۴۲)، قال الهيثمي: فيه ابن لهيعة وبقية رجاله ثقات وهوحديث حسن .(مجمع الزوائد:۵/ ۱۶۰).

امام نوویؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے:

ومذهبنا استحباب خضاب الشيب للرجل والمرأة بصفرة أوحمرة ويحرم خضابه بالسواد على الأصح وقيل: يكره كراهة تنزيه والمختار التحريم لقوله صلى اللّٰه عليه وسلم: اجتنبوا السواد ...والأصح الأوفق للسنة ما قدمناه عن مذهبنا. (شرح النووي على مسلم: ۲/ ۱۹۹، ط: قديمی). ونقله عنه الإمام الملا على القارى في مرقاة المفاتيح . (۸/ ۲۹۱، و۳۰۴).

مزید ملاحظہ ہو: (عمدة القاری:۱۵/ ۹۷،وبذل المجهود : ۱۷/ ۹۹ ، واوجزالمسالك : ۱۷/ ۴۲، والتعليق

الممجد :۷/۳۹۲).

نیز فقہاء نے بھی مطلقاً مکروہ قرار دیا ہے۔ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وفصل في المحيط بين الخضاب بالسواد قال عامة المشايخ: إنه مكروه...ومذهبنا أن الصبغ بالحناء والوسمة حسن كما في الخانية . قال النوويؒ: ...وتحريم خضابه بالسواد على الأصح .(فتاوى الشامي: ٦/٧٥٦،سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاوى الهندية:٥/٣٥٩، والمحيط البرهاني : ٦/١٢٢، الفصل الحادي والعشرون، والموسوعة الفقهية الكويتية: ١١/٣٥٠،وفتاوىٰ محموديه : ١٩/ ٤٥٤،جامعه فاروقيه،وامدادالفتاوىٰ : ٤/٢١٣، واحسن الفتاوىٰ: ٨/٣٥٥).

آپ کے مسائل اوران کا حل میں علامہ محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

بالوں کو کالا کرنا، ناجائز ہے، مرد کے لیے بھی اورعورت کے لیے بھی، خواہ کسی دوائی سے کرے۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۸/۳۸۰،طبع جدید)۔

مزید ملاحظہ ہو: (امدادالفتاویٰ:۴/۲۱۸۔۲۲۰،وفتاویٰ محمودیہ:۱۹/ ۴۵۵،جامعہ فاروقیہ،وفتاویٰ رحیمیہ:۵/ ۴۸۷،وکفایت المفتی:۹/۱۸۰)۔

بعض حضرات نے عورتوں کے لیے کالے خضاب کی اجازت دی ہے۔ملاحظہ ہو تکملہ فتح الملہم میں ہے:

أما خضاب المرأة شعرها لتتزين لزوجها ، فقد أجازه قتادة ،كما أخرج عنه عبد الرزاق في مصنفه(١١/١١٥) **وكذلك أجازه إسحاق فيما حكى عنه ابن قدامة في المغني** (٧٦/١) **ولم أره بهذا التصريح عند غيرهما، والله أعلم.** (تكملة فتح الملهم : ٤/١٥٠).

حضرت گنگوہیؒ نے بھی مرد کی قید لگائی ہے،معلوم ہوا کہ عورتوں کے لیے درست ہے۔چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

سیاہ خضاب مرد کو درست نہیں ہے کسی وجہ سے بھی۔(فتاویٰ رشیدیہ،ص۵۸۴)۔

مفتی تقی صاحب نے بھی جائز فرمایا ہے۔چنانچہ عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل میں مرقوم ہے:

عورت کے لیے کالے خضاب کا استعمال درست ہے۔(عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل اوران کا حل:۲/۳۹۸)۔

لیکن احادیث اورشراح اوراکثر فقہاء کرام کے اقوال کی روشنی میں ناجائز معلوم ہوتا ہے اور یہ ہی مختار اور صحیح قول ہے، کیونکہ علامہ شامیؒ نے ایک اصول ذکر فرمایا ہے کہ فقہاء کے مختلف اقوال میں سے اوفق بالحدیث قول

لیا جائے گا۔ ملاحظہ ہو فتاوی الشامی میں ہے:

ولا ينبغي أن يعدل عن الدراية إذا وافقتها رواية على ما تقدم عن فتاوى قاضي خان. (فتاوى الشامی: ۱/۴٦٤، سعید). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مرد کے لیے سیاہ خضاب استعمال کرنے کا حکم:

سوال: مردوں کے لیے بالوں کو اور ڈاڑھی کو سیاہ مہندی سے خضاب کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ایک شخص اپنے بالوں کو سیاہ خضاب کرتا ہے، اور اپنی بیوی کے جوان ہونے کا اور اپنے بالوں کے قبل از وقت سفید ہونے کا عذر کرتا ہے، اور دلیل میں کہتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سیاہ خضاب استعمال فرماتے تھے، لہٰذا برائے مہربانی حکمِ شرعی سے مطلع فرما کر اجرِ عظیم کے مستحق ہوں؟

الجواب: ہمارے نزدیک مردوں کے لیے سیاہ خضاب استعمال کرنا مکروہِ تحریمی ہے، روایاتِ کثیرہ میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کا حکم فرمایا اور سیاہ خضاب سے اجتناب کرنے کا حکم دیا، البتہ درجِ ذیل بعض آثار جواز کی طرف مشیر ہیں۔ ملاحظہ ہو:

واستدل المجوزون بآثار كثير من الصحابة والتابعين، قال ابن القيم رحمه الله في زاد المعاد (۳/۱۸٤): **فقد صح عن الحسن والحسين رضى الله تعالىٰ عنهما أنهما كانا يخضبان بالسواد، ذكر ذلک ابن جرير رحمه الله عنهما في كتاب تهذيب الآثار، وذكره عن عثمان بن عفان وعبد الله بن جعفر، وسعد بن أبي وقاص، وعقبة بن عامر، والمغيرة بن شعبة، وجرير بن عبد الله، وعمرو بن العاص رضى الله تعالىٰ عنهم أجمعين، وحكاه عن جماعة من التابعين ...الخ.** (تكملة فتح الملهم: ٤/١٥٠).

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں خالص سیاہ خضاب مراد نہیں ہے بلکہ مخلوط مراد ہے جس کی اجازت ہے، یا صحیح مرفوع روایات میں سیاہ خضاب کی ممانعت وارد ہوئی ہے ان کے مقابلہ میں ان موقوف آثار کا اعتبار نہیں ہوگا۔ علامہ حمویؒ نے یہ فرمایا کہ صحابہ کرام مجاہد تھے اور مجاہد کے لیے درست ہے۔

قال الحموي رحمه الله: وهذا في حق غير الغزاة ولا يحرم في حقهم للإرهاب ولعله محمل من

فعل ذلک من الصحابة . (فتاوی الشامی: ٦/٧٥٦،سعید).

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے اثر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ملاحظہ ہو:

إنه كان يأمر بالخضاب بالسواد ويقول: هو تسكين للزوجة وأهيب للعدو . (عمدة القاری: ١٥/٩٧، باب الخضاب، ط:ملتان) سیاہ خضاب استعمال کرو کہ یہ دشمن کو خوف زدہ کرنے میں مؤثر ہے۔

نیز بالوں کے سفید ہونے کے بعد سیاہ خضاب اچھا بھی نہیں لگتا اس کے ساتھ آدمی عجیب سا لگتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر ثمرین فرید لکھتی ہیں:

سفید ہوتے ہوئے بالوں کو رنگنے کے لیے اچھے اور مناسب معیار کے ہیئر کلر استعمال کریں، بڑھتی عمر کے ساتھ جلد پتلی ہو جاتی ہے اور اس پر کالے رنگ کی ڈائی مناسب نہیں لگتی۔ (خواتین کی صحت ،ص ٣٦٦،دار الشعور، لاہور)۔

سیاہ خضاب کا طبی نقصان:

امریکہ نیشنل انسٹی ٹیوٹ کے سائنس دانوں کی تازہ ترین تحقیق کے مطابق بالوں کو سیاہ کرنے کے لیے استعمال کیے جانے والے خضاب (ہیئر ڈائی) میں ایک جز شامل ہوتا ہے جس کی وجہ سے کینسر کا مرض لاحق ہو سکتا ہے۔آج سے چند برس پہلے کیلی فورنیا یونیورسٹی کے ایک سائنس داں نے ایسے خضاب کے بارے میں جس خدشہ کا اظہار کیا تھا،آج امریکی انسٹی ٹیوٹ کی تحقیق نے اس کی توثیق کر دی ہے۔

نیز بالوں کے کیمیائی رنگ اور خضاب سے چھاتی اور بیضہ دانی کے سرطان کا خطرہ بڑھ جاتا ہے،لہٰذا خواتین کو ایسے کیمیائی خضاب کے استعمال سے گریز کرنا چاہیے، ان کی جگہ مہندی وغیرہ استعمال کر لیں۔ (اسلام صحت اور جدید سائنسی تحقیقات:١٢٨،ادارۂ اشاعت اسلام)۔

فائدہ: أول من صبغ لحيته بالسواد ففرعون موسى عليه السلام . (مصنف ابن ابی شیبة: ١٢/٥٥٦، وعمدة القاری: ١٥/٩٧، باب الخضاب، دارالحدیث ملتان،المرقاة: ٨/٢٣٥، باب الترجل، رشیدیه).

یعنی ڈاڑھی پر سیاہ خضاب سب سے پہلے فرعون نے استعمال کیا تھا۔

مزید دلائل ماقبل میں ذکر کیے جا چکے وہاں ملاحظہ کیے جائیں۔

البتہ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے کہ جس کی بیوی نو جوان ہو اس کے لیے سیاہ خضاب استعمال کرنے کی اجازت ہے لیکن اس پر فتویٰ نہیں دیا گیا ہے۔ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

وروی عن أبي یوسف رحمه الله أنه قال: كما يعجبني أن تتزين لي يعجبها أن أتزين لها كذا في الذخيرة . (فتاوى الشامي: ٦/٤٢٢، سعيد).

(وكذا في الفتاوى الهندية: ٥/٣٥٩، والمبسوط للامام السرخسي رحمه الله: ١٠/١٩٩، ط: دارالفكر، والمحيط البرهاني: ٦/، الفصل الحادي والعشرون). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مرد وعورت کے لیے بالوں پر مختلف رنگ لگانے کا حکم:

سوال: کیا مرد وعورت دونوں کے لیے اپنے بالوں کو مختلف رنگوں سے رنگنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ابتدائے اسلام میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے، پھر مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کی مخالفت کا حکم دیا، اور یہود عام طور پر ڈاڑھی بالکل سفید رکھتے تھے، خضاب نہیں کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود ونصاریٰ خضاب نہیں کرتے تم خضاب کرو۔

چنانچہ فقہاء فرماتے ہیں کہ سیاہ خضاب کے علاوہ مہندی وغیرہ کا خضاب مستحب ہے، لیکن خضاب لازم اور ضروری نہیں ہے، کیونکہ بالوں کو بلا خضاب رکھنے کی بھی بہت ساری روایات موجود ہیں، البتہ فی زماننا نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اپنے بالوں پر زینت کے لیے مختلف رنگ لگاتے ہیں درجِ ذیل چند وجوہات کی بنا پر یہ درست نہیں۔

(۱) احادیث میں سفید بالوں کے لیے خضاب مذکور ہوا ہے کالے بالوں کو رنگنا تو ثابت نہیں ہے۔

(۲) اکثر نوجوان مغربی تہذیب کی تقلید میں اپنے بالوں کو رنگتے ہیں۔

(۳) اس میں ضیاعِ مال اور زیب وزینت اور فیشن میں غلو ہے۔

(۴) فی زماننا اس میں تشبہ بالکفار والفساق ہے۔

بنابریں نوجوانوں کو اس فیشن اور مغربی تہذیب کی تقلید سے اجتناب کرنا چاہئے۔

ہاں سفید بالوں کو مختلف رنگوں سے رنگنا شرعاً ممنوع نہیں ہے، اس کی اجازت ہے فقہاء نے مستحب قرار دیا ہے، بشرطیکہ مذکورہ بالا مفاسد سے خالی ہوں۔

قال عنبسة بن سعيد: إنما شعرك بمنزلة ثوبك فاصبغه بأي لون شئت . (عمدة

القاری:۱۵/ ۹۷، باب الخضاب ، دارالحدیث).

عنبسہ بن سعید فرماتے ہیں: آپ کے بال آپ کے کپڑوں کی طرح ہیں، جس رنگ سے رنگنا چاہو رنگو۔ یعنی ممنوع رنگ (خالص سیاہ) کے علاوہ۔

فی زمانناہ بالوں کو مختلف کیمیکل والے رنگوں سے رنگنے کے نقصانات:

اکثر نوجوانوں کو یہ شوق ہوتا ہے کہ ان کے بال بھورے یا سنہری ہو جائیں، اس سلسلہ میں وہ مختلف ٹیوبیں استعمال کرتے ہیں، خضاب، وسمہ، مہندی کے ساتھ ہائیڈروجن بھی لگائی جاتی ہے جس کی وجہ سے بال وقتی طور پر سنہری اور خوبصورت ہو جاتے ہیں لیکن ان سب رنگوں کا بالآخر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بال گرنے شروع ہو جاتے ہیں، یہ عمل بالوں کی جڑوں کو کمزور کر دیتا ہے کیونکہ ان رنگوں میں تیز کیمیائی اجزا شامل ہوتے ہیں، نیز قبل از وقت سفید ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور بعض کیمیائی اجزا کے سر میں جذب ہونے کی وجہ سے جسم میں رعشہ اور اعصابی درد شروع ہو جاتا ہے۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (اسلام صحت اور جدید سائنس، ص ۱۲۸، ادارۂ اشاعت اسلام)۔

بعض احادیث میں بلا خضاب سفید بال چھوڑنے کی فضیلت آئی ہے۔ ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن كعب بن مرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من شاب شيبة في الإسلام كانت له نوراً يوم القيامة. (رواه الترمذي: ۱/ ۲۹۲). **وإسناده قوي.**

یعنی اسلام کی حالت میں جس کے بال سفید ہو گئے قیامت کے دن اس کے لیے نور ہوگا۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا تنتفوا الشيب فإنه نور المسلم، من شاب شيبة في الإسلام كتب الله له بها حسنة، وكفر عنه بها خطيئة ورفعه بها درجة. (اخرجه الامام احمد في مسنده، رقم: ۶۹۶۲).

قال الشيخ شعيب : صحيح لغيره ، وهذا إسناد حسن .

روایت میں آتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بال سفید ہوئے تو آپ نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم یہ وقار ہے، ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اے رب وقار کو زیادہ فرما۔

عن يحيى بن سعيد أنه سمع سعيد بن المسيب يقول: كان إبراهيم عليه السلام أول الناس أضاف الضيف وأول الناس اختتن وأول الناس قص شاربه وأول الناس رأى الشيب

فقال: یارب ما هذا فقال الله تبارک وتعالیٰ وقاراً یا إبراهیم، قال: رب زدني وقاراً . (اخرجه البیهقی فی شعب الایمان ،ص ۵۹۷۵ ،وابن ابی شیبة فی مصنفه ، ۲۶۹۹۷).

البتہ چند احادیث میں خضاب استعمال کرنے کا حکم وارد ہوا ہے۔ملاحظہ کیجئے:

(۱) عن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:" إن الیهود والنصاری لایصبغون فخالفوهم" . (رواه البخاری : ۲/۸۷۵).

(۲) عن أبي أمامة الباهلي يقول: خرج رسول الله صلی الله علیه وسلم علی مشیخة من الإنصار بیض لحاهم فقال: یا معشر الأنصار حمروا وصفروا وخالفوا أهل الكتاب ...الخ. (اخرجه الامام احمد فی مسنده،رقم: ۲۲۲۸۳). **قال الشیخ شعیب : إسناده صحیح .**

(۳) صحیح مسلم شریف میں ہے:

عن جابر بن عبد الله ﷺ قال: أتي بأبي قحافة يوم فتح مكة ورأسه ولحيته كالثغامة بیاضاً ، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم:" غيروا هذا بشيء ، واجتنبوا السواد ". (رواه مسلم :۲/۱۹۹).

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرصدیق ﷺ کے والد کو فتح مکہ کے موقع پر خضاب لگانے کا حکم فرمایا،اورساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ سیاہ استعمال نہ کیا جائے۔

احادیث کے مابین تطبیق:

علمائے کرام نے دونوں احادیث میں درجِ ذیل تطبیق دی ہے:

(۱) جس کی ڈاڑھی بہت زیادہ سفید ہو حضرت ابوقحافہ کی ڈاڑھی کی طرح تو اسے خضاب استعمال کرنا چاہئے ،مگر کسی کے بال اتنے زیادہ سفید نہ ہوں خضاب کے بغیر بھی اچھے معلوم ہوتے ہوں تو اس کے لیے خضاب استعمال نہ کرنا بھی درست ہے۔

(۲) جس علاقہ اور ماحول میں لوگ عام طور پر خضاب استعمال کرتے ہوں وہاں استعمال کیا جائے۔اور جہاں رواج نہ ہو اور لگانے کی وجہ سے مرکزِ توجہات بننے کا اندیشہ ہو تو وہاں استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں:

قال القاضي: وقال غيره " أى غير الطبرانی" هوعلی حالين : فمن كان فی موضع

عادة أهله الصبغ أو تركه فخروجه عن العادة شهرة و مكروه والثاني : أن يختلف باختلاف نظافة الشيب فمن كانت شيبته تكون نقية أحسن منها مصبوغة فالترك أولى ومن كانت شيبته تستبشع فالصبغ أولى.(شرح النووی علی مسلم:۲/۱۹۹،ط: قدیمی).(وکذا فی فتح الباری:۱۰/ ۳۵۵، واوجزالمسالك :۷/۴۸، وشرح الزرقانی:۴/۳۳۹، والديباج على مسلم للامام السيوطى :۵/۱۴۳). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل:

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اس بارے میں مختلف ہے، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ، وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خضاب استعمال فرماتے تھے۔

اس کے برخلاف حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ، سائب بن یزید رضی اللہ عنہ، مجاہدؒ، طاؤسؒ، وغیرہ حضرات سفید چھوڑتے تھے، خضاب استعمال نہیں کرتے تھے۔

وفي الصحيح لمسلم عن أنس رضی اللہ عنہ **: وقد خضب أبوبكر** رضی اللہ عنہ **وعمر** رضی اللہ عنہ **بالحناء والكتم.** (۲/۲۵۸).

آثار کی تفصیل کے لیے دیکھئے: (المصنف لابن ابی شیبة : ۱۲/ ۵۵۷۔ ۵۶۲، ط: المجلس العلمی).

الغرض دونوں طرح جائز اور درست ہے، البتہ احادیث کی وجہ سے خضاب استعمال کرنا مستحب ہے۔

قال الإمام محمدؒ **في المؤطا : لانرى بالخضاب بالوسمة والحناء والصفرة بأساً ، وإن تركه أبيض فلا بأس بذلك ، كل ذلك حسن .** (المؤطا للامام محمد: ۳۹۲).

وقال الإمام النوويؒ**: ومذهبنا استحباب خضاب الشيب للرجل والمرأة بصفرة أو حمرة...والأصح الأوفق للسنة ما قدمناه .** (شرح النووی علی صحیح مسلم : ۲/۱۹۹).

وقال الحافظ ابن حجرؒ**: ولكن الخضاب مطلقاً أولى، لأن فيه امتثال الأمر في مخالفة أهل الكتاب، وفيه صيانة للشعر عن تعلق الغبار وغيره به، إلا أن كان من عادة أهل البلد ترك الصبغ ، وأن الذي ينفرد بدونهم بذلك يصير في مقام الشهرة ، فالترك في حقه أولى .** (فتح الباری : ۱۰/ ۳۵۵).

وفي الدر المختار: يستحب للرجل خضاب شعره ولحيته ولو في غير حرب في الأصح ... ويكره بالسواد. (الدر المختار: ٦/٤٢٢، سعيد).

وفي رد المحتار: قوله خضاب شعره ولحيته، لا يديه ورجليه فإنه مكروه للتشبه بالنساء. (فتاوى الشامي:٦/٤٢٢،سعيد).

وفي الفتاوى الهندية: اتفق المشايخ أن الخضاب في حق الرجال بالحمرة سنة، وأنه من سيماء المسلمين...وعن الإمام أن الخضاب حسن لكن بالحناء والكتم والوسمة.

(الفتاوى الهندية: ٥/ ٣٥٩).

خضاب کا رنگ:

کالے رنگ کا خضاب ناجائز ہے اس کے علاوہ کی اجازت ہے تاہم حدیث شریف میں چار قسم کے خضاب کا تذکرہ ملتا ہے:

(۱) مہندی کا خضاب۔

(۲) کتم کا خضاب۔کتم ایک پودہ ہے جس کا رنگ سیاہ سرخی مائل ہوتا ہے۔

بعض صحابہ کرام دونوں کو ملا کر خضاب کیا کرتے تھے تاکہ بال کالے اور سرخ کے درمیان ہو جائیں۔ان دونوں خضاب کا مستحب ہونا احادیث سے ثابت ہے۔ملاحظہ کیجئے:

عن أبي ذر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أحسن ما غيرتم به الشيب الحناء والكتم. (رواه ابن ماجه ،ص ٢٥٨، والنسائي :٢/٢٧٧، ٢٧٨).

(۳) زرد رنگ کا خضاب۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول زرد رنگ کے خضاب کے استعمال کا تھا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی زرد رنگ استعمال فرماتے تھے۔اور آپ کو یہ رنگ تمام رنگوں میں زیادہ پسندیدہ تھا۔چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے:

عن زيد بن أسلم قال: رأيت ابن عمر رضی اللہ عنہ يصفر لحيته بالخلوق فقلت: يا أبا عبد الرحمن إنك تصفر لحيتك بالخلوق قال: إني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصفر بها لحيته ولم يكن شيء من الصبغ أحب إليه منها ولقد كان يصبغ بها ثيابه كلها حتى عمامته. (سنن النسائي :٢/٢٧٨،وسنن ابی داود:٢/٥٦٢).

وفي الصحيح للإمام البخاري: وأما الصفرة فإني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصبغ بها، فأنا أحب أن أصبغ بها. (صحيح البخاري: ١/ ٢٨).

چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں مروی ہے کہ وہ بھی زرد رنگ کا خضاب استعمال فرماتے تھے۔ چند کے اسماء درج ذیل ملاحظہ کیجئے:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن وہب رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (المصنف لابن ابی شیبة: ۱۲/۵۵۷۔۵٦٠، ط: المجلس العلمی).

(۴) زعفرانی رنگ کا خضاب۔

وفي شرح صحيح مسلم للإمام النوويؒ: وخضب بعضهم بالزعفران. (۲/۱۹۹).

وفي سنن أبي داود: عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يلبس النعال السبتية ويصفر لحيته بالورس والزعفران. (سنن ابی داود: ۲/ ۵۹۰).

لیکن یہ بات بھی یاد رہے کہ احناف کے نزدیک مرد کے لیے زعفرانی رنگ کا خضاب استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ صحیح احادیث میں مرد کے لیے زعفرانی رنگ کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يتزعفر الرجل. متفق عليه. (صحيح البخاری: ۲/ ۸۷۹، والصحيح لمسلم: ۲/۱۹۸).

قال العلامة العيني: وكره أبوحنيفةؒ والشافعيؒ وأصحابهما أن يصبغ الرجل ثيابه أو لحيته بالزعفران. (عمدة القاری: ١٤/ ١١١).

وقال الملا علي القاري: أن يتزعفر أي يستعمل الزعفران في ثوبه وبدنه؛ لأنه عادة النساء. (مرقاة المفاتيح: ٨/٢٩٧).

ہاں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زعفران استعمال کرنا مروی ہے، وہ قبل النہی تھا۔ یا ان کو نسخ کا علم نہیں ہوا تھا۔ یا زعفران کا رنگ تھا مگر خوشبو زائل ہوگئی تھی اور مرد کے لیے رنگ و بو دونوں کا جمع کرنا منع ہے صرف زرد رنگ باقی ہو تو یہ منع نہیں۔ راجع: (عمدۃ القاری للعلامہ بدرالدین العینیؒ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورت کے لیے مہندی لگانے کا حکم اور حدیثِ حنا کی تحقیق:

سوال: عورتوں کو اپنے ہاتھ پیر پر مہندی لگانے کا کیا حکم ہے؟ جائز ہے یا مستحب یا مسنون؟

الجواب: عورتوں کے لیے اپنے ہاتھوں اور پیروں پر مہندی لگانا مستحب ہے، ایک عورت نے جب بیعت کی درخواست کی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے ہاتھ پر مہندی لگانے کا حکم دیا تھا۔ اگر چہ یہ روایت ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

عن عائشةؓ قالت: أومت امرأة من وراء ستر بيدها كتاب إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقبض رسول الله صلى الله عليه وسلم يده فقال: ما أدري أيد رجل أم يد امرأة؟ قالت: بل يد امرأة، قال: لوكنت امرأة لغيرت أظفارك يعني بالحناء. (سنن ابی داود: ۲/ ۵۷۴). **إسناده ضعيف؛ فيه: مطيع بن ميمون العنبری وهو ضعيف، كما قال الذهبی فی الكاشف، وقال ابن عدی: له حديثان غيرمحفوظين.**

و صفية بنت عصمة لا تعرف، جهلها الحافظان الذهبی و ابن حجر. راجع: (تحرير التقريب: ۳/ ۳۸۷، وتهذيب الكمال: ۲۸/ ۹٤، و ۳۵/ ۲۱٦).

وأخرج أبو داود أيضاً: عن عائشةؓ أن هند بنت عتبة قالت: يا نبی الله بايعني! قال: لا أبايعك حتى تغيري كفيك كأنهما كفا سبع. (سنن ابی داود: ۲/ ۵۷٤، وسنن الكبرى للبيهقی: ۷/ ۸٦).

هذا سند مسلسل بالمجهولات. فيه: غبطة وعمتها وجدة أم الحسن لايعرف حالهن بعد الفحص عنه، قال ابن القطان في كتابه" أحكام النظر": هذا حديث فی غاية الضعف؛ فيه ثلاث نسوة لايعرفن كلهن. راجع: (التلخيص الحبير: ۲/ ۵۱٦/ ۹۹۷، والبدر المنير: ٦/ ۱۳۹).

وفي سنن الكبرى للبيهقي: عن عائشةؓ أن النبی صلى الله عليه وسلم كان يكره أن يرى المرأة ليس فی يديها أثر حناء أو خضاب. (السنن الكبرى: ۷/ ۳۱۱).

إسناده ضعيف: فيه؛ يحيى بن المتوكل أبوعقيل، قال الذهبي: ضعفوه. و بهية: جهلها الحافظان الذهبی و ابن حجر. انظر: (الميزان: ٦/ ۲۷۹).

و عن ابن ضمرة بن سعيد عن جدته عن امرأة من نسائه قال: وقد كانت صلت

القبلتين مع رسول الله صلى الله عليه وسلم قالت: دخل على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لي اختضبي تترك إحداكن الخضاب حتى تكون يدها كيد الرجل قالت: فما تركت الخضاب حتى لقيت الله عز وجل وإن كانت لتختضب وإنها لابنة ثمانين .

قال الشيخ شعيب : إسناده ضعيف ، لعنعنة ابن إسحاق... وضمرة بن سعيد من رجال التهذيب لكن جدته لم نعرفها، وأورده الهيثمي في مجمع الزوائد وقال: رواه أحمد وفيه : من لم أعرفهم وابن اسحاق وهو مدلس . (مسند احمد : ۲۷/ ۲۱۰).

البتہ اگرشوہر کومہندی کی بو پسند نہ ہوتو مہندی نہ لگانا درست ہے،ہاں کسی اور چیز سے خضاب کرے سیاہ خضاب کے علاوہ جو بھی شوہر کو پسند ہو۔

أخرج الإمام أبوداود في سننه عن كريمة بنت همام أن امرأة أتت عائشةؓ فسألتها عن خضاب الحناء فقالت: لا بأس به ولكني أكرهه كان حبيبي رسول الله صلى الله عليه وسلم يكره ريحه . (ابوداود : ۲/ ۵۷٤).

قال في المرقاة: ففي شرعة الإسلام : الحناء سنة للنساء . (مرقاة المفاتيح: ۸/ ۲۹٤، باب الترجل). **واللہ ﷻ اعلم۔**

عورت کے لیے مہندی لگانا واجب نہیں:

سوال: بعض روایات میں آتا ہے کہ ایک عورت نے بیعت کی درخواست کی اور ہاتھ بڑھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمادیا،اور فرمایا کہ اگرتو عورت ہوتی تو اپنے ہاتھ کو مہندی سے خضاب کرتی ،معلوم ہوا کہ مہندی نہ لگانا عیب کی بات ہے، کیا یہ حدیث صحیح ہے اور عورت کے لیے مہندی نہ لگانا عیب ہے یا مہندی لگانا واجب اور لازم ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: عورت کے لیے مہندی سے ہاتھ کا خضاب کرنا مستحب ہے واجب اور لازم نہیں ہے،اور نہ لگانا کوئی عیب کی بات بھی نہیں ہے،اور مذکورہ بالا روایت ضعیف ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سے بعید ہے کہ خضاب نہ لگانے پر بیعت سے انکار فرمادے بلکہ خضاب لگانا مطلوب ہوتا تو اسی پر بیعت فرماتے ، پھر حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے ساتھ قولی بیعت فرمائی ہاتھ ملانا ثابت نہیں ہے۔

احادیث کی تحقیق ماقبل میں گزر چکی ہے۔

بعض محدثین نے فرمایا کہ حنا کے بارے میں کوئی روایت صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

قال فی الجامع الصغیر: وقال فی المعارضة: أحادیث الحناء کلها ضعیفة أو مجهولة. (الجامع الصغیر، رقم:٧٤٨٥). (و کذا فی الآثار المرفوعة ،ص١٠٢ ،و الاسرار المرفوعة ،ص٤٨٦، و المنار المنیف، ص ١٣١). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

پیروں پر مہندی لگانے کا حکم:

سوال: کیا پیروں پر مہندی لگانا ہندوانہ رسم ہے؟ کیا فقہ کی کتاب میں کوئی جزئیہ ایسا ہے جو اس کو منع کرتا ہو؟ براہِ کرام جواب دیکر ممنون و مشکور فرمائیں۔

الجواب: عورتوں کے لیے پیروں پر مہندی لگانا جائز اور درست ہے، یہ کوئی ہندوانہ رسم نہیں ہے اور نہ ہندوؤں کے ساتھ خاص ہے بلکہ زیب و زینت کے قبیل سے ہے اور عورتوں کو اس کی اجازت ہے۔

ملا علی قاریؒ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

وأما خضب الیدین والرجلین فیستحب في حق النساء ویحرم في حق الرجال إلا للتداوی. (مرقاة المفاتیح: ٨/٣٠٤،مکتبة امدادیه).

و فی الجوهرة النیرة: و یکره للإنسان أن یخضب یدیه ورجلیه بالحناء و کذلک الصبی ولا بأس به للنساء. (الجوهرة النیرة ،ص٣٨٣،مکتبه امدادیه).

(و کذا فی فتاوی الشامی: ٣٦٢/٦،فصل فی اللبس، سعید).

کتاب الفتاویٰ میں ہے:

شریعت نے عورتوں کو اجازت دی ہے کہ وہ زیبائش و آرائش کی جگہ جیسے ہاتھ، پیر، گلا، سینہ وغیرہ میں زینت اختیار کریں، لہذا پاؤں میں مہندی لگانا درست ہے...اور اسے نہ تو سنت کہیں گے اور نہ بدعت بلکہ مباح، یعنی یہ امور ان میں سے ہیں جنہیں اختیار کرنا جائز ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ٦/٨٧)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عورتوں کے لیے سیاہ مہندی لگانے کا حکم:

سوال: کیا عورتوں کے لیے ہاتھ، پیر اور ناخن پر سیاہ رنگ کی مہندی لگانے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب: عورتوں کے لیے مہندی لگانا بہتر اور مستحب ہے، لیکن سرخ یا سرخی مائل ہونی چاہئے، سیاہ مہندی کی صراحت کسی کتاب میں نہیں ملی اس لیے اس سے بچنا چاہئے، نیز ہاتھوں اور پیروں میں کالا رنگ طبیعتِ سلیمہ کے نزدیک پسندیدہ بھی نہیں ہے، کہیں یہ مثلہ اور عیب نہ بن جائے، ہاں اگر کسی علاقہ میں یہ زینت سمجھی جاتی ہو تو گنجائش ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

وفی البحر الزاخر: ویکرہ للإنسان أن یخضب یدیه و رجلیه و کذا الصبی إلا لحاجة، بنایة، ولا بأس به للنساء . (فتاوی الشامی: ٣٦٢/٦،سعید). (و کذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار: ١٨٢/٤، ط: کوئٹه،و الجوھرة النیرة:٣٨٣/٢،امدادیه ، ملتان).

وفی الفتاوی الھندیة: ولا ینبغي أن یخضب یدی الصبی الذکر ورجله إلا عند الحاجة ویجوز ذلک للنساء کذا فی الینابیع . (الفتاوی الھندیة: ٣٥٩/٥).

وفی البحر الرائق: ولا بأس للنساء بخضاب الید و الرجل ما لم یکن خضاب فیه تماثیل. (البحرالرائق: ٢٠٨/٨،بیروت). (و کذا فی تحفة الملوک ،ص٢٢٧ ،رقم المسئلة : ٣٨٨).

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

ہاتھوں میں مہندی لگانا عورتوں کے لیے درست ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۷۹/۸، طبع جدید)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بوقتِ نکاح سیاہ خضاب استعمال کرنے کا حکم:

سوال: ایک لڑکی کا ایک معمر شخص کے ساتھ نکاح ہونے والا ہے، لڑکی کا مطالبہ ہے کہ کالا خضاب لگا دو کیا نکاح کی وجہ سے سیاہ خضاب استعمال کرنے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مذہبِ احناف میں ظاہر الروایہ کے مطابق سیاہ خضاب لگانا مطلقاً مکروہِ تحریمی ہے، البتہ مجاہد کے لیے اجازت ہے اور امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت کے مطابق مرد کے لیے بیوی کی خاطر سیاہ خضاب لگانے کی اجازت ہے، لیکن مذہب احناف میں اس روایت پر کسی نے فتویٰ دیا ہو ہمارے علم میں نہیں اور احادیث میں بھی علی الاطلاق ممانعت موجود ہے، لہذا سیاہ خضاب استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

احادیث کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔فقہاء کی عبارات ملاحظہ کیجئے:

وأما الخضاب بالسواد فمن فعل ذلک من الغزاة ليكون أهيب في عين العدو فهو محمود منه اتفق عليه المشايخ ومن فعل ذلک ليزين نفسه للنساء وليحبب نفسه إليهن فذلك مكروه وعليه عامة المشايخ وبعضهم جوز ذلک من غير كراهة وروى عن أبي يوسفؒ أنه قال: كما يعجبني أن تتزين لي يعجبها أن أتزين لها كذا فى الذخيرة . (الفتاوی الهندية: ٥/٣٥٩).

اگر خضاب خالص سیاہ نہ ہو بلکہ مخلوط ہو تو اس کے استعمال کی گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف کی روایت میں ہے۔

عن أبي ذر رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن أحسن ما غير به الشيب الحناء والكتم . قال أبوعيسىٰ: هذا حديث حسن صحيح . (رواه الترمذی، رقم: ١٧٥٣).

قال فى العرف الشذي : وفى الحديث النهي الشديد عن الخضاب الأسود الذي لايميز به بين الشيخ والشاب ، وأما اختلاط الحناء والكتم فجائز ، وزعم الناس أن الكتم والوسمة المتخذة من النيل ، و هكذا قال المحشى ، والحق أن الكتم تجلب من اليمن وتشدد الاحمرية ، لا السواد والوسمة إذا لم تكن أسوداً أشد السواد ويتميز بين الشيخ والشاب فجائزة كما فى مؤطا محمد . (٣/٢٥٨، باب ماجاء فى الخضاب).

قال الحافظ بن القيم فى زاد المعاد: ان النهى عن التسويد البحت فأما إذا أضيف إلى الحناء شيء آخر كالكتم ونحوه فلا بأس به فإن الكتم والحناء يجعل الشعر بين الأحمر والأسود بخلاف الوسمة فإنها تجعله أسود فاحماً . (زاد المعاد: ٤/٣٦٧، مؤسسة الرسالة).

وقال فى حاشية فقه السنة : نبات يخرج الصبغة أسود مائلا إلى الحمرة . (ص: ٤٠).

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

بالوں کو خضاب کرنا کسی چیز سے سوائے سیاہ کے سب قسم درست ہے۔(فتاویٰ رشیدیہ، ص ٦٢٨)۔

امداد الاحکام میں ہے:

...اور فتویٰ اس پر ہے کہ سیاہ خضاب جائز نہیں مگر یہ کہ جہاد میں دشمن کو مرعوب کرنے کے لیے لگانا جائز

ہے،...اور امام ابو یوسفؒ سے جو رخصت مروی ہے جیسا کہ عالمگیری اور شامی میں مذکور ہے وہ روایت ضعیف ہے یا مؤول ہے اس خاص صورت کے ساتھ جب کہ کسی کے بال بوجہ مرض قبل از وقت سفید ہو جائے۔(امداد الاحکام: ۴/۳۴۷،۳۴۸)۔

مزید ملاحظہ ہو: (امداد الفتاویٰ: ۴/۲۱۷،وفتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳/۱۱۸،وفتاویٰ رحیمیہ: ۵/۴۸۷،واحسن الفتاویٰ: ۳/۲۹۴،وکتاب الفتاویٰ: ۶/۸۷)۔واللہ ﷻ اعلم۔

جسم پر رنگین پھول وغیرہ بنانے کا حکم:

سوال: یہ تو ظاہر ہے کہ وشم لگانا ناجائز ہے جس میں جسم کو سوئیوں یا دوسرے آلات سے گودا جاتا ہے، لیکن آج کل بعض آلات سے جسم پر پھول یا دوسرے نقش ونگار اوپر سے بناتے ہیں، اس میں جسم کو چھیلا نہیں جاتا، اور کچھ دنوں بعد وہ خود بخود مٹ بھی جاتا ہے، جسم پر ایسے پھول وغیرہ بنانے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر جسم میں سوئیاں نہیں ڈالی جاتیں، اور نہ پلاسٹر کی طرح تہہ لگتی ہو جس سے وضو اور غسل نہیں ہوتا، بلکہ وہ صرف رنگ ہو اور اس میں غیر اقوام کی مشابہت بھی قصداً اختیار نہ کی گئی ہو تو ان شرائط کے پیش نظر اس کی گنجائش ہے۔ باقی وشم یعنی جسم کو گودنے کی اجازت نہیں، کیونکہ احادیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔

ملاحظہ ہو صحیح بخاری شریف میں ہے: **عن علقمة عن عبد اللّٰه قال: لعن اللّٰه الواشمات والمستوشمات... الخ.** (رواه البخاری، رقم: ٤٨٨٦).

قال العلامة العينيؒ: قوله الوشم وهو غرز إبرة أو مِسلة ونحوهما في ظهر الكف أو المعصم أو الشفة وغير ذلك من بدن المرأة حتى يسيل منه الدم ثم يحشى ذلك الموضع بكحل أو نورة أو نيلة... وهو حرام على الفاعل والمفعول بها... و قال النوويؒ: قال أصحابنا الموضع الذى وشم يصير نجساً فإن أمكن إزالته بالعلاج وجبت إزالته ...الخ. (عمدة القارى: باب ماآتاكم الرسول فخذوه . وكذا فى شرح النووى على صحيح مسلم: ٢/٢٠٥، و مرقاة المفاتيح: ٨/).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: **والواشمة : التى تشم فى الوجه والذراع ، وهو أن تغرز الجلد بإبرة ثم يحشى بكحل أو نيل فيزرق.** (فتاوى الشامى: ٦/٣٧٣،سعيد).

قاموس الفقہ میں ہے:

عورتوں میں ایک قدیم فیشن جسم کو گودنے کا رہا ہے یعنی سوئی کے ذریعہ جسم کے کسی حصہ میں باریک سوراخ کیا جاتا پھر اس پر سرمہ یا کوئی رنگین چیز لگادی جاتی، اس طرح سیاہ یا کسی اور رنگ کے نقطے ابھر آتے، اس کو حسن میں اضافہ کا باعث سمجھا جاتا تھا، اب بھی بعض قبائل اور اقوام میں اس کا رواج ہے، اسی کو عربی میں ''وشم'' کہتے ہیں۔ (قاموس الفقہ: ۵/۲۶۸)۔

ڈاکٹر عبدالحی عارفی لکھتے ہیں:

اسی طرح گودنے اور گودانے کا سلسلہ بھی زمانہ قدیم سے چل رہا ہے اس کو عربی میں وشم کہتے ہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی سوئی وغیرہ سے کھال میں گہرے گہرے نشان ڈال کر اس میں سرمہ یا نیل بھر دیا جاتا ہے، اس طرح جسم پر جانوروں اور دیگر چیزوں کی تصویریں بنائی جاتی ہیں، ہندوستان کے ہندوؤں میں تو یہ رواج بہت ہے اور خدا کے سچے رسول مدنی آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمایا، اور ایسا کرنے والی عورت پر لعنت فرمائی۔ (خواتین کے لیے شرعی احکام، ص ۴۶۳)۔ مزید ملاحظہ ہو: (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/۳۴۶)۔

تاج العروس میں ہے: والوشم كالوعد غرز الإبرة في البدن . (تاج العروس: ۹/۹٤).

القاموس الوحید میں ہے: الوشم: سوئی سے گدائی اور اس میں نیلا یا ہرا رنگ بھرنے کا نشان، گدائی، چوٹ وغیرہ سے کھال کے رنگ کی تبدیلی۔ (القاموس الوحید: ۲/۱۸۵۵)۔

مذکورہ بالا احادیث کی شروحات، فقہی عبارات اور اہل لغت کی عبارات سے مترشح ہوتا ہے کہ جسم میں گدائی کر کے رنگ بھرا جائے تو یہ وشم ہے، اور ممنوع ہے، لیکن بغیر گدائی کے فقط نقش و نگار بنائے تو یہ ممنوع وشم میں داخل نہیں ہے۔ بلکہ یہ حنا کے ذریعہ ہاتھ پیر سرخ کرنے کے مشابہ ہے اس کی اجازت ہے۔ ہاں قصداً غیر اقوام کی تقلید سے بچنا ضروری ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

بھووں پر سرمہ لگانے کا حکم:

سوال: بھووں کو باریک کیے بغیر ان پر سرمہ لگانا یعنی صرف بالوں پر سرمہ لگانے کی اجازت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مسئلہ مذکورہ بالا کی مختلف صورتیں عورتوں میں رائج ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب کی

وضاحت کردی جائے۔ چنانچہ حسبِ ذیل چند صورتیں مع احکام ملاحظہ کیجئے:

(۱) بالوں کو مکمل صاف کردیا جائے اور کوئی رنگ بھر دیا جائے، یہ ناجائز ہے۔

(۲) بالوں کو باریک کردیا جائے اور سرمہ یا کوئی اور رنگ بھر دیا جائے، یہ بھی ناجائز ہے۔

(۳) بالوں پر فقط زینت کے لیے سرمہ یا کوئی اور رنگ لگادیا جائے تو بطورِ زینت اس کی اجازت ہے۔ ہاں بلاضرورت کراہت سے خالی نہیں۔

(۴) بھووں کے بال خلافِ عادت بہت لمبے ہوجائیں اور آنکھوں پر آنے لگیں تو بطورِ ازالہ عیب کاٹ کرٹھیک کرنا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے: **عن عبد اللّٰه قال: لعن اللّٰه الواشمات والمستوشمات والنامصات والمتنمصات ...الخ** . (رواہ مسلم: ۲/ ۲۰۵).

عمدۃ القاری میں ہے:

متنمصة: وهو إزالة الشعر من الوجه مأخوذ من النماص...قال النووی: هوحرام إلا إذا نبتت للمرأة لحية أو شوارب فلا يحرم بل يستحب عندنا والنهي إنما هو فی الحواجب وما فی أطراف الوجه . (عمدة القاری: ۱۵/، ملتان).

قال فی الشامية: النمص نتف الشعر ومنه النماص المنقاش، ولعله محمول على ما إذا فعلته لتتزين للأجانب وإلا فلو كان في وجهها شعر ينفر زوجها عنها بسببه ففي تحريم إزالته بعد، لأن الزينة للنساء مطلوبة للتحسين إلا أن يحمل على ما لا ضرورة إليه لما فی نتفه بالمنماص من الإيذاء ...وفی التاترخانية عن المضمرات: ولا بأس بأخذ الحاجبين وشعر وجهه مالم يشبه المخنث، ومثله فی المجتبى . (فتاوی الشامی: ۶/ ۳۷۳،سعید).

(وكذا فی الفتاوی الهندية: ۵/ ۳۵۸،والبحرالرائق:۸/ ۲۳۳،بیروت،وحاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص۵۲۶،باب الجمعة، قدیمی).

علامہ محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

بھووں کے بال بڑھ جائیں اور بے زیب ہوجائیں تو ان کو کٹوانا تو جائز ہے، مگر موچنے سے اُکھیڑنا درست نہیں۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸/ ۳۴۷،وص۳۲۱-۳۲۲،طبع جدید)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿یا أیها الذین آمنوا لاتدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتی تستآنسوا وتسلموا علی أهلها ذلکم خیر لکم لعلکم تذکرون﴾ (النور:۲۷).

﴿وإذا حییتم بتحیة فحیوا بأحسن منها أو ردوها﴾ (النساء:۸۶).

﴿إذ دخلوا علیه فقالوا سلماً، قال: سلم قوم منکرون﴾ (الذاریات:۲۵).

باب......﴿۶﴾

ما یتعلق بأحکام السلام والتقبیل والمصافحة والمعانقة

"قال النبي صلی اللّٰه علیه وسلم: لا تدخلوا الجنة حتی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتی تحابوا، أولا أدلکم علی شيء إذا فعلتموه تحاببتم، أفشوا السلام بینکم". (اخرجه الترمذی).

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:

"إن أولی الناس باللّٰه من بدأهم بالسلام". (رواه ابوداود).

سلام،تقبیل،مصافحہ اور معانقہ کے احکام

سلام کے فضائل اور اس کی ابتدا:

سوال: سلام کے بارے میں وارد ہونے والے فضائل کیا ہیں؟ اور اس کی ابتدا کب سے ہوئی ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قرآن وحدیث میں بے شمار فضائل وارد ہوئے ہیں۔چند آیات اور احادیث درجِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا لاتدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتی تستأنسوا وتسلموا علی أهلها ذلکم خیر لکم لعلکم تذکرون﴾(النور:۲۷).

ترجمہ: اے ایمان والوتم اپنے خاص رہنے کے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک اجازت حاصل نہ کرلو،اوران کے رہنے والوں کوسلام نہ کرلو یہی تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم خیال رکھو۔

وقال تعالیٰ: ﴿وإذا حییتم بتحیة فحیوا بأحسن منها أو ردوها﴾ (النساء:۸۶).

ترجمہ: اور جب تم کوکوئی سلام کرے تو تم اس سلام سے اچھے الفاظ میں سلام کرو یا ویسے ہی الفاظ کہدو۔

وقال تعالیٰ: ﴿هل أتاک حدیث ضیف إبراهیم المکرمین، إذ دخلوا علیه فقالوا سلٰماً ، قال : سلٰم قوم منکرون﴾ (الذاریات:۲۴-۲۵).

ترجمہ: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کی حکایت آپ تک پہنچی ہے جب کہ وہ مہمان ان کے پاس آئے تو ان کوسلام کیا،ابراہیم علیہ السلام نے بھی جواب میں سلام کہا اور کہنے لگے کہ انجان لوگ معلوم ہوتے ہیں۔

اسلامی سلام کی ابتدا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی، تو آپ نے فرمایا کہ جاؤ فرشتوں کی جماعت وہ بیٹھی ہوئی ہے ان کو سلام کرو اور غور سے سنو کہ وہ جواب میں کیا کہتے ہیں جو ان کا جواب ہوگا وہی تمہارے اور تمہاری اولاد کے لیے سلام کا جواب ہوگا، چنانچہ آدم علیہ السلام ان کے پاس گئے اور ''السلام علیکم'' کہا، فرشتوں نے جواب دیا ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' فرشتوں نے ورحمۃ اللہ کا اضافہ کیا۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لما خلق الله آدم على صورته طوله ستون ذراعاً، فلما خلقه قال: اذهب فسلم على أولئك نفر من الملائكة جلوس فاستمع ما يحيونك فإنها تحيتك وتحية ذريتك، فقال: السلام عليكم، فقالوا: السلام عليك و رحمة الله، فزادوه: و رحمة الله''. متفق عليه. (رواه البخاري:۲/۹۱۹، رقم: ۳۳۲۶، ومسلم، رقم: ۲۸٤۱).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے باہم سلام کو رواج دینے کی بڑی تاکید فرمائی، اور اس کو افضل الاعمال قرار دیا، اور اس کے فضائل و برکات اور اجر و ثواب بیان فرمائے، صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک مومن نہ ہو، اور تمہارا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو، میں تم کو ایسی چیز بتاتا ہوں کہ اگر تم اس پر عمل کرلو تو تمہارے آپس میں محبت قائم ہو جائیگی، وہ یہ کہ آپس میں سلام کو عام کرو، یعنی ہر مسلمان کے لیے خواہ اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:'' لا تدخلون الجنة حتى تؤمنوا، ولا تؤمنوا حتى تحابوا أولا أدلكم على شيء إذا فعلتموه تحاببتم؟ أفشوا السلام بينكم''. (رواه مسلم، رقم:٥٤).

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اے لوگو! سلام کو عام کرو، اور کھانا کھلاؤ، اور صلہ رحمی کرو، اور نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہو، سلامتی کے ساتھ

جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

عن عبد اللّٰہ بن سلام رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: ” یا أیها الناس أفشوا السلام، وأطعموا الطعام، وصلوا الأرحام، وصلوا والناس نیام، تدخلوا الجنة بسلام “. (رواه الترمذی، رقم: ٢٤٨٧، وقال: حديث صحيح).

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی تحیہ یعنی سلام ایک عالمگیر جامعیت رکھتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کا بھی ذکر ہے، تذکیر بھی، اپنے مسلمان بھائی سے اظہارِ تعلق ومحبت بھی، اور اس کے لیے بہترین دعا بھی، اور اس سے یہ معاہدہ بھی کہ میرے ہاتھ اور زبان سے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہونچے گی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مطالعہ وتکرار میں مشغول کو سلام کرنے کا حکم:

سوال: جب ساتھی مطالعہ یا تکرار یا علمی کام میں مشغول ہوں تو ان کو سلام کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مطالعہ یا تکرار یا علمی کام کاج میں مشغول حضرات کو سلام نہیں کرنا چاہئے، اور اگر ان پر سلام کیا جائے تو جواب دینا بھی واجب نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو الدر المختار میں ہے:

سلامک مکروه علی من ستسمع ☆ ومن بعد أبدی یسن ویشرع

مصل وتال ذاکر ومحدث ☆ خطیب ومن یصغي إلیهم ویسمع

مکرر فقه جالس لقضائه ☆ ومن بحثوا فی الفقه دعهم لینفعوا

قوله مکرر فقه أی لیحفظه أو یفهمه ...قوله ومن بحثوا فی الفقه، عبارة النهر فی العلم و فی الضیاء: مذاکرة العلم فیعلم کل علم شرعي. (الدر المختار مع رد المحتار: ١/٦١٦، سعید).

جب خطیب کے سامع کو سلام نہیں کیونکہ وہ سن رہا ہے تو کتاب کے پڑھنے والے پر بھی سلام نہیں کیونکہ وہ غور کر رہا ہے۔

وفیه أیضاً: أنه یأثم بالسلام علی المشغولین بالخطبة أو الصلاة أو قراءة القرآن أو مذاکرة العلم أو الأذان أو الإقامة وأنه لا یجب الرد فی الأولین... ویردون فی الباقی لإمکان الجمع بین فضیلتی الرد ...

صرح الفقهاء بعدم وجوب الرد في بعض المواضع...والأستاذ الفقیه إذا سلم علیه

تلميذه أو غيره أوان الدرس . (ردالمحتار: ١/٦١٨،سعيد).

تقریرات الرافعی میں ہے:

قوله ويردون في الباقي، أي على سبيل التخيير لا الوجوب ولا يزاد في الرد على وعليكم ففي البزازية أول القضاء وهل يسلم اختلفوا ولو سلم عليه أو على المدرس أو المذكر أو القارئ خير في الرد فإن رد يقول: وعليكم . (تقريرات الرافعي:١/٨٢،سعيد).

حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار میں مرقوم ہے:

قوله ومن بحثوا في العلم، كالذين يطالعون مع بعضهم أو يسألون استفهاماً...واعلم أنه يكره السلام على المصلي والقاري والجالس للقضاء أو البحث في الفقه أوالتخلي ولو سلم عليهم لايجب عليهم الرد لأنه في غير محله . (حاشية الطحطاوى :١/٢٦٢).

فتاوی ہندیہ میں مذکور ہے:

ولا يسلم على قوم هم في مذاكرة العلم أو أحدهم وهم يستمعون وإن سلم فهو آثم كذا في التاتارخانية . (الفتاوى الهندية:٥/٣٢٦).

وفي الفتاوى البزازية: مر على من يقرأ القرآن...لا يسلم ...وكذا في الدرس.
(الفتاوى البزازية بهامش الهندية:٦/٣٥٤، نوع في السلام). **واللہ ﷻ اعلم۔**

ریڈیو پر سلام کا جواب دینے کا حکم:

سوال: ریڈیو پر سلام کیا گیا تو سامع پر جواب دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: ریڈیو پر کیے گئے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے،البتہ احتیاطاً جواب دینا بہتر ہے کیونکہ یہ کلمہ دعائیہ ہے اور دعا غائبانہ بھی ہوتی ہے۔

ملاحظہ ہو شرح ریاض الصالحین میں ہے:

والسلام بمعنى: الدعاء بالسلامة من كل آفة ، فإذا قلت لشخص: السلام عليك، فهذا يعني إنك تدعو له بأن الله يسلمه من كل آفة : يسلمه من المرض ، من الجنون، يسلمه من الناس، يسلمه من المعاصي ، وأمراض القلوب ، يسلمه من النار، فهو لفظ عام ،

معناه : الدعاء للمسلَّم عليه بالسلامة من كل آفة . (شرح رياض الصالحين: ۲/ ۱۱۳۷).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام میں تحریر فرماتے ہیں:

رہا یہ مسئلہ کہ کسی نے السلام علیکم ریڈیو پر کہہ دیا تو سننے والوں پر جواب دینا واجب ہے یا نہیں، تو مقتضی قواعد کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس واجب کی ادائیگی اس طرح کہ سلام کرنے والے کو اس کا جواب معلوم ہو جائے، سننے والوں کی قدرت میں نہیں، اس لیے وجوبِ جواب تو ساقط ہو جانا چاہئے، البتہ احتیاطاً جوابِ سلام دیدیں تو بہتر ہے، کیونکہ یہ ایک کلمہ دعا کا ہے، اور دعا غائبانہ بھی ہو سکتی ہے۔ (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام ص ۱۶۷)۔

قال في الهندية : لا يسقط فرض جواب السلام إلا بالإسماع كما لا يجب إلا بالإسماع كذا في الغياثية . (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۲٦).

حضرت تھانویؒ امداد الفتاویٰ میں فرماتے ہیں:

اعلام ضروری ہے، اگر قریب ہو تو اسماع سے اور اگر بعید یا اصم ہو تو اشارہ سے مع تلفظ بلسان کے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کا جواب نہایت آہستہ سے دیا یہ فعل عارض سے تھا، فلا یقاس علیہ غیرہ۔ (امداد الفتاویٰ: ۴/ ۲۷٦)۔

البتہ مفتی رشید احمد لدھیانویؒ فرماتے ہیں کہ قدرت ہو تو اسماعِ جواب واجب ہے اگر قدرت نہ ہو تو اسماع واجب نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ: ۸/ ۱۳۹، وج ۹/ ۱۹، مسائل شتیٰ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کافر کے سلام کے جواب کا حکم:

سوال: اگر مسلمانوں کے ریڈیو اسٹیشن پر کوئی غیر مسلم ملازم ہے تو اس کے لیے السلام علیکم کہنا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر کہے تو اس کا جواب دیا جائے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: سلام دعا ہے اور اگر کوئی کافر مسلمان کے لیے دعا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں، نیز جس کافر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع نہیں کیا تھا، کہ تم نے کیوں سلام کیا بلکہ اس کے جواب میں وعلیک فرمایا تھا، کیونکہ کافر نے بجائے السلام علیک کے السام علیک کہا تھا۔

نیز فقہاء نے کافر کے سلام کے جواب میں وعلیک یا ہداک اللہ کہنا فرمایا ہے اس کو سلام سے منع نہیں کیا، ہاں اگر کسی جگہ اشتباہ اور التباس کی وجہ سے مصلحۃً ان کو منع کریں تو دوسری بات ہے، بلکہ یہودی کے سلام کرنے

سے پتہ چلتا ہے کہ غیر مسلم سلام کیا کرتے تھے، جیسے ان کو حج سے منع کیا گیا، سلام سے منع نہیں کیا گیا۔

ہاں اگر یہ اشکال ہو کہ کافر کی دعا تو قبول نہیں ہوتی، اس کا جواب یہ ہے کہ آخرت کے بارے میں ان کی دعا قبول نہیں ہوتی، ﴿وما دعاء الكافرين إلا في ضلال﴾ لیکن دنیاوی معاملات میں ان کی دعا قبول ہوسکتی ہے شیطان نے قیامت تک کی مہلت کی دعا مانگی اور قبول ہوئی۔ ﴿قال: أنظرني إلى يوم يبعثون، قال: إنك من المنظرين﴾.

علامہ ابوبکر الکاسانی بدائع الصنائع میں فرماتے ہیں:

ويكره الابتداء بالتسليم على اليهودي والنصراني لأن السلام اسم لكل بر وخير ولا يجوز مثل هذا الدعاء للكافر إلا أنه إذا سلم لا بأس بالرد عليه مجازاة له ولكن لا يزيد على قوله وعليك لما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: إن اليهود إذا سلم عليكم أحدهم فإنما يقول: السام عليكم، فقولوا: وعليك. (بدائع الصنائع:۵/۱۲۸، سعيد).

وفي فتاوى الشامي: فلا يسلم ابتداء على كافر لحديث...وإذا سلم أهل الذمة ينبغي أن يرد عليهم الجواب وبه نأخذ ولكن لا يزيد على قوله وعليك لأنه قد يقول: السام عليكم أي الموت كما قال بعض اليهود للنبي صلى الله عليه وسلم فرد دعائه عليه. (فتاوى الشامي: ۶/۴۱۲-۴۱۳، سعيد).

البتہ غیر مسلم کو ابتداءً سلام نہیں کرنا چاہئے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا تبدء وا اليهود ولا النصارى بالسلام. (رواه مسلم، رقم:۲۱۶۷). فقہاء نے بھی مکروہ لکھا ہے۔ کما مر۔

احسن الفتاویٰ میں ہے: کافر کے سلام کا جواب دینا جائز ہے مگر جواب میں صرف وعلیک کہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۸/۱۴۴)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دوسرے کا سلام پہنچانے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے دوسرے شخص کے ذریعہ سلام پہنچایا تو کیا سلام پہنچانے والے پر اس کا پہنچانا لازم ہے یا نہیں؟ نیز پہنچانے کی صورت میں جواب دینا لازم ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ سلام پہنچانا لازم ہے ہاں بعض فقہاء کے ہاں اگر پہونچانے کی ذمہ داری اٹھائی ہے تو پہونچانا ضروری ہے جیسے امانت کا پہنچانا ضروری ہے لیکن اگر ذمہ داری نہیں اٹھائی تو ضروری نہیں، اکثر فقہاء نے پہلا قول ذکر کیا ہے پھر جواب دینے والے پر سلام کا جواب دینا بھی لازم ہے اور اس کے جواب میں یہ الفاظ کہے: **وعليک وعليهم السلام ۔**

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن إسماعيل بن علية ، عن غالب ، قال : انا لجلوس بباب الحسن إذ جاء ه رجل ، فقال: حدثني أبي ، عن جدي ، قال: بعثني أبي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: ائته فأقرئه السلام ، فأتيته فقلت : إن أبي يقرئک السلام فقال: وعليک وعلى أبيک السلام .

وعن محمد بن أبي المجالد ، عن ابن أبي أوفى، قال: قلت له: إن بني أخيک يقرئونک السلام ، ثم أهل المسجد ، قال: وعليک وعليهم . (مصنف ابن ابی شیبة: ۸/ ۴۲۴، باب فی الرجل يبلغ الرجل السلام مايقول له).

سلام پہنچانے کا ثبوت:

أخرج البزار في مسنده (۱۹۹۲) **بسنده عن القاسم بن عبد الرحمن عن أبيه عن عبد الله بن مسعود** رضی اللہ عنہ **عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " لما كان ليلة أسرى بي لقيت إبراهيم في السماء السابعة فقال: يا محمد اقرأ على أمتک السلام وأخبرهم أن الجنة عذب ماؤها طيب شرابها وأن فيها قيعان وأن غرس شجرها: سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر" .**

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شبِ معراج میں جب میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ساتویں آسمان پر ہوئی تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے محمد! میری طرف سے اپنی امت کو سلام پہنچا دینا اور یہ خبر دینا کہ بے شک جنت کا پانی میٹھا ہے، پینے کے لیے خوشگوار ہے، اور جنت میں چٹیل میدان ہے اور اس کے درخت: سبحان اللہ، والحمد للہ، ولا الہ الا اللہ، واللہ اکبر، پڑھنا ہے۔

ملاحظہ ہو الدر المختار میں ہے:

ولو قال الراد لآخر: اقرأ فلاناً السلام يجب عليه ذلك ، وقال في الشامية: لأنه من إيصال الأمانة لمستحقها والظاهر أن هذا إذا رضي بتحملها تأمل، ثم رأيت في شرح المناوي عن ابن حجر التحقيق أن الرسول إن التزمه أشبه الأمانة وإلا فوديعة ، أي فلا يجب عليه الذهاب لتبليغه كما في الوديعة ، قال الشرنبلالي وهكذا عليه تبليغ السلام إلى حضرة النبي عن الذي أمره به وقال أيضاً: ويستحب أن يرد على المبلغ أيضاً فيقول: وعليه السلام.

(الدر المختار مع رد المحتار: ٦/٤١٥،سعيد).

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وإذا أمر رجلاً أن يقرأ سلامه على فلان يجب عليه ذلك كذا في الغياثية، ذكر محمدؒ في باب الجعائل من السير حديثاً يدل على أن من بلغ إنساناً سلاماً من غائب كان عليه أن يرد الجواب على المبلِّغ أولاً ثم على ذلك الغائب كذا في الذخيرة . (الفتاوى الهندية:٥/٣٢٦). (وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار:٤/٢٠٧).

شرح رياض الصالحين میں ہے:

هل يجب عليك أن تنقل الوصية إذا قال: سلم لي على فلان ، أم لا يجب؟ فصل العلماء فقالوا: إن التزمت له بذلك وجب عليك ، لأن الله يقول: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمٰنٰت إلى أهلها﴾ وأنت الآن تحملت هذا، أما إذا قال: سلم لي على فلان ، وسكت أو قلت له مثلاً : إذا ذكرت أو ما أشبه ذلك ، فهذا لايلزم إلا إذا ذكرت، وقد التزمت له أن تسلم عليه إذا ذكرت ، لكن الأحسن ألا يكلف الإنسان أحداً بهذا ، لأنه ربما يشق عليه ، ولكن يقول: سلم لي على من سأل عني ، هذا طيب. (شرح رياض الصالحين للشيخ العثيمين:٢/١١٤٦).

آداب المعاشرت میں حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

وعدہ سے سلام پہنچانا واجب ہے، فرمایا: اگر کسی سے وعدہ کرے کہ سلام پہنچاؤں گا تو سلام پہنچانا واجب ہو جاتا ہے ورنہ نہیں۔ (آداب المعاشرت مبوب، ص۴۳، بحوالہ کلمۃ الحق، ص۱۱۵)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورتوں کو سلام مصافحہ کا حکم:

سوال: (الف) عورتوں کو سلام اور مصافحہ کرنے کا کیا حکم ہے؟ (باء) فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر لڑکی سلام کی ابتدا کرے یا جواب دے تو حرام اور اگر مرد سلام کی ابتدا کرے یا جواب دے تو مکروہ ہے، کیا یہ مسئلہ درست ہے یا اس میں یہ قید ہے کہ فتنہ کا اندیشہ ہو تو ممنوع ہے؟ بینوا بالتفصیل تو جروا بالا جرالجزیل۔

الجواب: (الف) محرم عورتوں کو سلام اور مصافحہ کرنا بشرط عدمِ خوفِ فتنہ جائز اور درست ہے، ہاں نا محرم عورتوں کو سلام کرنا بہتر نہیں، البتہ عورتوں کی جماعت ہو یا خوفِ فتنہ نہ ہو تو سلام کرنے یا جواب دینے میں کوئی حرج نہیں، اور فقہاء کی عبارات جو منع پر دال ہیں وہ خوفِ فتنہ، خلوت اور شہوت پر محمول ہیں۔ اور مصافحہ تو قطعاً جائز نہیں، چاہے خوفِ فتنہ اور خلوت ہو یا نہ ہو۔

(باء) یہ بات فقہاء نے لکھی ہے اور روح المعانی میں علامہ آلوسیؒ نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ لڑکی سلام کی ابتدا کرے یا جواب دے تو لڑکے کی زیادہ دلچسپی کا باعث ہوگا، برخلاف لڑکے کی ابتدا کے کہ لڑکے دلچسپی والے ہی ہوتے ہیں۔

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو سلام فرماتے تھے۔ ملاحظہ ہو سنن دارمی میں روایت مذکور ہے:

عن أسماء بنت يزيد بن السكن إحدى نساء بني عبد الأشهل أنها: بينا هي في نسوة فمر عليهن النبي صلى الله عليه وسلم فسلم عليهن . (رواه الدارمی فی سننه، رقم: ٢٦٣٧، باب فی التسليم على النساء، قال حسين سليم اسد: اسناده حسن. وابوداود، رقم: ٥٢٠٤).

مصنف ابن أبي شيبه میں ہے:

عن مجاهد، أن عمر رضي الله عنه مر على نسوة فسلم عليهن. (مصنف ابن ابی شيبة: ٨/٤٤٧).

قال في التفسير المظهري تحت قوله تعالىٰ: وإذا حييتم بتحية...الخ: مسئلة: و يسلم على الغلمان والنساء لحديث أنس رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على غلمان فسلم عليهم، متفق عليه، وحديث جرير رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على نسوة فسلم عليهن رواه أحمد وفي فتاوى الغرائب: أن السلام يكره على المرأة

الشابة والأمرد وإن سلما لا يجب الجواب، قلت: وهذا عند خوف الفتنة . (التفسير المظهرى:۳/۱۸۵).

روح المعانی میں ہے:

ويدخل فى المسنون سلام امرأة على امرأة أو نحو محرم أو سيد أو زوج ، وكذا على أجنبي وهي عجوز لاتشتهي، ويلزمها فى هذه الصورة رد سلام الرجل، أما مشتهاة ليس معها امرأة أخرى فيحرم عليها رد سلام أجنبى، ومثله ابتداء ه ، ويكره له رد سلامها و مثله ابتداء ه أيضاً ، والفرق إن ردها وابتدائها يطمعه فيها أكثر بخلاف ابتداء ه ورده،... ولو سلم على جمع نسوة وجب رد إحداهن إذ لايخشى فتنة حينئذٍ ، ومن ثم حلت الخلوة بامرتين ، والظاهر أن الأمرد هنا كالرجل ابتداء ورداً . (روح المعانى : ۵/۹۹).

بخاری شریف کی روایت میں ہے:

وعن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: لا واللّٰه ما مست يد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يد امرأة قط غير أنه بايعهن بالكلام . (رواه البخارى، رقم:۵۲۸۸،ومسلم ،۱۸۶۶).

وعن أميمة بنت رقية تقول: جئت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في نسوة نبايعه فقال لنا: فيما استطعتن وأطقتن ، إني لا أصافح النساء . (رواه ابن ماجه ، رقم: ۲۸۷۴،وابن حبان ،۴۵۵۳، واحمد، رقم:۲۷۰۰۶).

و في نصب الراية: وروي أن أبابكر رضی اللہ عنہ كان يصافح العجائز . قلت: غريب أيضاً. (نصب الراية:۴/۲۴۰).

وفى البدائع: إن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يصافح العجائز. (بدائع الصنائع: ۵/۱۲۳،سعيد).

وفي رد المحتار: قال فى الذخيرة : وإن كانت عجوزاً لاتشتهي فلا بأس بمصافحتها أو مس يدها وكذلك إذا كان شيخاً يأمن على نفسه وعليهافلا بأس أن يصافحها وإن كان لا يأمن على نفسه أوعليها فليجتنب ، ثم إن محمداً أباح المس للرجل إذا كانت المرأة عجوزاً ولم يشترط كون الرجل بحال لا يجامع مثله وفيما إذا كان الماس هي المرأة فإن

كانا كبيرين لا يجامع مثله ولا يجامع مثلها فلا بأس بالمصافحة فليتأمل عند الفتوى. (فتاوى الشامي: ٦/ ٣٦٨،سعيد).

(وكذا في الفتاوى الهندية: ٥/ ٣٢٩،والبحرالرائق: ٨/ ٢١٩،بيروت،والهداية:٤/ ٤٥١). **واللہ ﷻ اعلم۔**

مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنے کا حکم:

سوال: جب لوگ نماز سے پہلے مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو بعض لوگ سلام کرتے ہیں اور بعض لوگ نہیں کرتے، کیا سلام کرنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر مسجد میں مصلی حضرات ذکر وتلاوت میں مشغول ہوں تو سلام نہ کرے اور اگر نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوں تو پھر بھی سلام نہ کرنا بہتر ہے، ہاں اگر نماز ہو چکی ہو یا لوگ بات چیت میں مشغول ہوں تو سلام کرنا چاہئے۔ باقی منتظر مصلی کے حکم میں ہے یہ صرف ثواب میں ہے تمام احکام میں نہیں۔

ملاحظہ فرمائیں، عالمگیری میں ہے:

السلام تحية الزائرين والذين جلسوا في المسجد للقراءة والتسبيح أو لانتظار الصلاة ما جلسوا فيه لدخول الزائرين عليهم، فليس هذا أوان السلام، فلا يسلم عليهم.

(الفتاوى الهندية :٥/ ٣٢٥، الباب السابع في السلام، وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ٤/ ٢٠٦).

وفي الشامية: قال: وإذا جلس القاضي ناحية من المسجد للحكم لا يسلم على الخصوم، ولايسلمون عليه، لأنه جلس للحكم والسلام تحية الزائرين. (فتاوى الشامي:٦/ ٤١٥،كتاب الحظروالاباحة، سعيد).

فتاوی سراجیہ میں ہے:

إذا دخل المسجد بعضهم في غير الصلاة يسلم قال السيد الإمام أبوالقاسم رحمه الله ولترك السلام لايكون تاركاً للسنة أشار إليه في أدب القاضي. (الفتاوى السراجية:ص٢٨٣، وكذا في فتاوى الشامي: ٦/ ٤١٣، كتاب الحظروالاباحة، سعيد).

علامہ شامیؒ " **المواضع التي لا يجب فيها رد السلام** " کے تحت فرماتے ہیں:

صرح الفقهاء بعدم وجوب الرد في بعض المواضع :...والجالسين في المسجد

لتسبيح أو قراءة أو ذكر حال التذكير. (فتاوى الشامي: ١/٦١٨،باب مايفسدالصلاة ،سعيد).

کتاب الفتاوی میں ہے:

مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا یا مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا آنے والوں کوسلام کرنا درست ہے، البتہ اتنی آواز سے نہ کیا جائے کہ اگر کوئی شخص نماز میں ہوتو اسے خلل ہوجائے۔(کتاب الفتاوی:۴/۲۵۴، وفتاوی رحیمیہ:۵/۱۹۹،ط:دیوبند).

لہذا سلام کرنے والے اور نہ کرنے والے دونوں میں سے کسی پر بھی ملامت نہیں کرنا چاہئے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سلام کرتے وقت جھکنے کا حکم:

سوال: ایک شخص وکیل ہے جب وہ اپنی ملازمت پر جاتا ہے تو پہلے جج کے سامنے جھک کرسلام کرنا پڑتا ہے کیا اس طرح جھک کرسلام کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ نیز ایک شخص ورزش کے لیے جاتا ہے، ورزش کے بعد استاذ کے سامنے جھکنا لازم ہوتا ہے، تو کیا اس شخص کے لیے استاذ کو جھک کرسلام کرنے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ جھک کرسلام کرنا مکروہ ہے اگرصرف سر جھکائے تو کراہت کم ہوگی اور اگر رکوع کی طرح کرتا ہوتو یہ ناجائز ہے۔ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال رجل يا رسول الله! الرجل منا يلقى أخاه أو صديقه أينحني له؟ قال: لا، قال: أفيلتزمه ويقبله؟ قال: لا، قال: أفيأخذ بيده ويصافحه؟ قال: نعم قال أبوعيسىٰ هذا حديث حسن. (رواه الترمذي، رقم: ٢٧٢٨).

ملاعلی قاریؒ مرقات میں فرماتے ہیں:

قوله: أينحني له، من الانحناء وهو إمالة الرأس والظهر تواضعاً وخدمة قال: لا، أى فإنه في معنى الركوع وهو كالسجود من عبادة الله سبحانه. (مرقاة المفاتيح: ٩/٧٦،باب المصافحة، امداديه، ملتان).

دلیل الفالحین میں ابن علان شافعی فرماتے ہیں:

ومن البدع المحرمة الانحناء عند اللقاء بهيئة الركوع، قال ابن الصلاح: يحرم

السجود بين يدى المخلوق على وجه التعظيم وإن قصد بسجوده الله تعالىٰ . (دليل الفالحين: ۳/۳۱۸، باب استحباب المصافحة، ط:دارالحديث القاهرة).

فتاوی الشامی میں ہے:

وفى المحيط: أنه يكره الانحناء للسلطان وغيره . (فتاوى الشامى: ٦/٣٨٣،سعيد).

وفى الطحطاوي على الدرالمختار: عن انس رضی اللہ عنہ أنه قال: قلنا لرسول الله صلى الله عليه وسلم أينحني بعضنا لبعض قال: لا...قال العلامة السيد أحمد الطحطاويؒ: وأخذ من الحديث كراهة الانحناء عند السلام . (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار:٤/١٩٠).

فتاوی ہندیہ میں ہے:

الانحناء للسلطان أولغيره مكروه لأنه يشبه فعل المجوس كذا في جواهر الأخلاطي ويكره الانحناء عند التحية وبه ورد النهي كذا فى التمرتاشى. (الفتاوى الهندية: ٥/٣٦٩).

(وكذا فى المحيط البرهانى : ٥/٢٧٨، داراحياء التراث، ومجمع الانهر فى شرح ملتقى الابحر:٤/٢٠٦، دارالكتب العلمية ، والموسوعة الفقهية الكويتية:٦/٣٢٣، وزارة الاوقاف ، الكويت، و نصاب الاحتساب، ص٣١٧، الباب الثامن والاربعون فى الاحتساب على المفرط فى التواضع للناس، وحاشية الشرنبلالية على الدرر:١/٣١٨).

امدادالاحکام میں ہے کہ رکوع کی طرح جھک کرسلام کرنا بدعت اور گناہ ہے،سلام میں جھکنا نہیں چاہئے۔ (امدادالاحکام:۴/۴۶۷)۔

آپ کے مسائل اوران کا حل میں مرقوم ہے:

آپ کی ٹریننگ کا یہ اصول کہ سینٹر میں داخل ہوتے وقت یا باہر سے آنے والے اساتذہ وغیرہ کے سامنے رکوع کی طرح جھکنا پڑتا ہے،شرعی نقطہ نظر سے صحیح نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کرتے وقت جھکنے کی ممانعت فرمائی ہے، چہ جائیکہ مستقل طور پر اساتذہ کی تعظیم کے لیے ان کے سامنے جھکنا اور رکوع کرنا جائز ہو، حدیث شریف میں ہے،جس کا مفہوم ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو اس کے سامنے جھکنا جائز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:نہیں۔(مشکوۃ شریف:۴۰۱،بروایت ترمذی)۔

مجوسیوں کے یہاں یہی طریقہ تھا کہ وہ بادشاہوں،امیروں اورافسروں کے سامنے جھکتے تھے،اسلام میں اس

فعل کو ناجائز قرار دیا گیا۔ٹریننگ کا مذکورہ اصول اسلامی احکام کے منافی ہے،لہذا ذمہ دار حضرات کو چاہئے کہ فوراً اس قانون کو ختم کریں،اگر وہ اسے ختم نہیں کرتے تو طلبا کے لیے لازمی ہے کہ وہ اس سے انکار کریں،اس لیے کہ خدا کی ناراضگی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۵۶/۸،طبع جدید)۔واللہ ﷻ اعلم۔

جھنڈے کو سلام کرنے کا حکم:

سوال: آج کل اکثر ملکوں میں جھنڈے کو سلامی دینے کا رواج ہے اور اسے جھنڈے کا احترام سمجھا جاتا ہے شرعی نقطہ نظر سے کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ بینواتو جروا۔

الجواب: یہ بات ملحوظ رہے کہ جھنڈے کو شرعی سلام نہیں کیا جاتا یعنی السلام علیکم وغیرہ نہیں کہا جاتا بلکہ اکثر سلوٹ کہا جاتا ہے یہ قیامِ تعظیمی کی طرح ہے جو ایک عرفی اکرام اور وطن سے محبت اور وفاداری کی علامت ہے لہذا اس میں بوقتِ ضرورت زیادہ قباحت نہیں غالباً ہندوستان میں اس کے سامنے جھکتے ہیں اگر ایسا ہو تو یہ ناجائز ہے مسلمانوں کو اس سے بچنا لازم ہے اگر حکومت کا دباؤ ہو تو بادلِ ناخواستہ کرنے میں امید ہے کہ کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ملاحظہ ہو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

جھنڈے کی سلامی مسلم لیگ بھی کرتی ہے اور اسلامی حکومتوں میں بھی ہوتی ہے وہ ایک قومی عمل ہے اس میں اصلاح ہوسکتی ہے مگر مطلقاً اس کو مشرکانہ فعل قرار دینا صحیح نہیں۔(کفایت المفتی:۳۷۸/۹،دارالاشاعت)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

یہ محض سیاسی چیز ہے اور حکومتوں کا طریقہ ہے اسلامی حکومتوں میں بھی ہوتا ہے بچنا اچھا ہے اگر فتنہ کا ڈر ہو تو بادلِ ناخواستہ کرنے میں مواخذہ نہیں ہوگا،ان شاءاللہ۔(فتاویٰ رحیمیہ:۲۸۸/۶)۔

آپ کے مسائل اوران کا حل میں ہے:

پرچم کو سلام کرنا غیر شرعی رسم ہے، اس کو تبدیل کرنا چاہئے ،وطن سے محبت تو ایمان کی علامت ہے، مگر اظہارِ محبت کا یہ طریقہ کفار کی ایجاد ہے،مسلمانوں کو کفار کی تقلید روا نہیں۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۵۹/۸،طبع جدید)۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

آج کل ہندوستان اور بعض دیگر ممالک میں ازراہِ احترام وتقدیس قومی جھنڈے کو جھک کر سلامی دی جاتی

ہے، شرعاً یہ عمل ناجائز ہے اور مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے اور اگر کہیں ان کو اس پر مجبور کیا جائے تو ممکن حد تک قانون وآئین کے دائرہ میں رہتے ہوئے اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ ان کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے، تاہم جہاں ایسا ممکن نہ ہو، اور اس سلامی کو شرائط ملازمت میں داخل کردیا گیا ہو، نیز اس ملازمت سے محرومی کی صورت میں مشقت کا اندیشہ ہو تو اس کے لیے کراہتِ خاطر کے ساتھ سلامی جائز ہوگی کہ یہ ایک حاجت ہے، اور حاجت ضرورت کے درجہ میں آکر ناجائز چیزوں کے لیے وقتی اور عارضی طور پر وجہ جواز بن جاتی ہے۔" الحاجة تنزل منزلة الضرورة " اور" الضرورات تبيح المحظورات"۔(جدید فقہی مسائل:۱/۴۶۷،ط:نعیمیہ دیوبند)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وعظ کے بعد واعظ سے مصافحہ کا حکم:

سوال: جب کوئی وعظ سے فارغ ہوتا ہے تو عام لوگ لائن بنا کر یا بغیر لائن کے جاتے ہوئے واعظ سے مصافحہ کرتے ہیں، کیا یہ بدعت ہے یا سنت یا مباح؟ اور اس کی عادت بنانا اچھا ہے یا قابل ترک ہے؟ اور اس میں مہمان معزز اور غیر مہمان کا فرق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: علماء کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ اول ملاقات کے وقت مصافحہ مسنون ہے، البتہ خاص طور پر وعظ کے بعد واعظ سے مصافحہ کی کوئی دلیل دستیاب نہیں ہوئی، تاہم اگر پہلے سے مصافحہ نہیں ہوا تھا تو کوئی حرج نہیں ہاں اس کو سنت یا لازم نہ سمجھا جائے، لیکن اگر پہلے سے مصافحہ ہو چکا ہے تو پھر وعظ کے بعد دوبارہ مصافحہ کے لیے آگے بڑھنا درست نہیں یہ قابل ترک عمل ہے۔اور قطار آسانی کی وجہ سے بنائی جاتی ہے تاکہ واعظ پر ایک دم سے لوگوں کا ہجوم نہ ہو جائے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف کی روایت میں ہے:

حدثنا عمرو بن عاصم حدثنا همام عن قتادة قال: قلت لأنس: أكانت المصافحة في أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم قال: نعم . (رواه البخاري،رقم: ٦٢٦٣).

وعن أنس رضي الله عنه قال: لما جاء أهل اليمن قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" قد جاء كم أهل اليمن" وهم أول من جاء بالمصافحة. رواه أبو داود بإسناد صحيح، رقم: ٥٢١٣.

وعن البراء رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" ما من مسلمين يلتقيان

فيتصافحان إلا غفر لهما قبل أن يفترقا ". (رواه ابوداود،رقم: ٢٥١٢).

عن حذيفة بن اليمان رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن المؤمن إذا لقي المؤمن فسلم عليه وأخذ بيده فصافحه تناثرت خطاياهما كما تناثرت ورق الشجر. رواه الطبراني في الأوسط ، رقم: ٢٤٥ ، ويعقوب بن محمد بن الطحلاء روى عنه غير واحد ولم يضعفه أحد وبقية رجاله ثقات. (مجمع الزوائد:٨/٧٥،باب المصافحة).

فهل يسن للرجل إذا لقي أخاه أن يصافحه؟ نعم يسن له ذلك لأن هذا من آداب الصحابة رضي الله عنهم كما سأل قتادة أنس بن مالك رضي الله عنه، وهذا يدل على فضيلة المصافحة إذا لاقاه، وهذا إذا كان لاقاه لتحدث معه أو ما أشبه ذلك، أما مجرد الملاقاة في السوق، فيكفي أن يسلم عليه ، وإذا كنت تقف إليه دائماً وتتحدث إليه بشيء فصافحه. (شرح رياض الصالحين للشيخ العثيمين:٢/١١٦٤).

قال الإمام النووي رحمه الله: المصافحة سنة مجمع عليها عند التلاقي. (عمدة القارى:١٥/٣٧٧، باب المصافحة).

شرح سنن ابن ماجہ میں ہے: **اعلم أن المصافحة سنة عند كل لقاء ومحلها أول الملاقاة .**

(شرح سنن ابن ماجه،ص٢٦٣).

قال في المرقاة: فإن محل المصافحة أول الملاقاة. (مرقاة المفاتيح : ٩/٧٤،باب المصافحة).

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

واعظ سے بعد وعظ کے مصافحہ کرنا درست ہے مگر اس کا التزام کرنا اور ضروری سمجھنا جائز نہیں۔(فتاویٰ رشیدیہ،ص۶۰۵،مکتبہ رحمانیہ)۔

تسہیل المواعظ میں حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ بعد وعظ کہنے کے وعظ کہنے والے سے ضرور مصافحہ کرتے ہیں،سو اول تو یہ بدعت ہے اور پھر تکلیف بھی ہے جس بات میں تکلیف ہو وہ نہ کرنا چاہئے۔(تسہیل المواعظ،جلد اول،ص۵۸۵،ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ،ملتان)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مصافحہ کا مسنون طریقہ:

سوال: مصافحہ کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ ایک ہاتھ سے یا دونوں ہاتھوں سے، ہندوستان و پاکستان کے علماء تو دونوں ہاتھوں سے کرتے ہیں لیکن عرب حضرات ایک ہاتھ سے کرتے ہیں اور اس کو مسنون کہتے ہیں، مسنون طریقہ کی وضاحت کیجئے؟

الجواب: احادیث کی روشنی میں مصافحہ دونوں ہاتھوں سے مسنون ہے۔ ملاحظہ کیجئے امام بخاریؒ نے ”باب الأخذ باليدين“ کے تحت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر نقل فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال: حدثنا سيف بن سليمان قال: سمعت مجاهداً يقول: حدثني عبد الله بن سخبرة أبو معمر قال: سمعت ابن مسعود رضي الله عنه يقول: علمني النبي صلى الله عليه وسلم وكفي بين كفيه التشهد كما يعلمني السورة... (رواه البخاري: ۲/۹۲۶).

امام بخاریؒ کے ترجمۃ الباب اور حدیث سے پتہ چلا کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے مسنون ہے۔

جو لوگ ایک ہاتھ سے مصافحہ مسنون بتاتے ہیں وہ بھی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ صحابی نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا، لیکن یہ استدلال درست نہیں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس حدیث میں دو ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کا مذکور ہے اور صحابی کا مقصود یہ بتانا نہیں ہے کہ میں نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا یہ تو صحابی کی شان سے بعید ہے کہ حضور دو ہاتھ سے مصافحہ کریں اور صحابی ایک ہاتھ سے بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ میرا ہاتھ حضور کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔

امام بخاریؒ نے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنے پر حماد بن زید کا عمل بھی پیش کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

وصافح حماد بن زيد ابن المبارك بيديه. (بخاري شريف: ۲/۹۲۶).

قال في فتح الباري: وصله غنجار في تاريخ بخارى من طريق إسحاق بن أحمد بن خلف قال: سمعت محمد بن إسماعيل البخاري يقول: سمع أبي من مالك ورأى حماد بن زيد يصافح ابن المبارك بكلتا يديه وذكر البخاري في التاريخ في ترجمة أبيه نحوه وقال في ترجمة عبد الله بن سلمة المرادي حدثني أصحابنا يحيى وغيره عن أبي إسماعيل بن إبراهيم قال: رأيت حماد بن زيد وجاءه ابن المبارك بمكة فصافحه بكلتا يديه ويحيى المذكور هو ابن جعفر البيكندي. (فتح الباري: ۱۱/۵٦).

الادب المفرد میں امام بخاریؒ نے روایت بیان فرمائی ہے:

عن عبد الرحمن بن رزين قال: مررنا بالربذة فقيل لنا: هاهنا سلمة بن الأكوع ﷺ فأتيته فسلمنا عليه فأخرج يديه فقال: بايعت بهاتين نبي الله صلى الله عليه وسلم فأخرج كفاً له ضخمة كأنها كف بعيرفقمنا إليها فقبلناها. (الأدب المفرد، رقم:٩٧٣، وإسناده حسن).

یادرہے کہ بیعت میں مصافحہ بھی ہوتا ہے۔

طبرانی شریف کی روایت میں ہے:

عن أبي أمامة ﷺ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا تصافح المسلمان لم تفرق أكفهما حتى يغفرلهما . (المعجم الكبيرللطبرانى: ٨/٣٣٧/٨٠٠٢). **قال الهيثمي في المجمع** (٨/٣٧،باب المصافحة والسلام،ط: القاهرة): **وفيه؛ مهلب بن العلاء، ولم أعرفه، وبقية رجاله ثقات.**

مسندالامام احمد میں حضرت انس ﷺ سے مروی ہے:

عن أنس بن مالک ﷺ، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما من مسلمين التقيا، فأخذ أحدهما بيد صاحبه، إلا كان حقاً على الله أن يحضردعاء هما، ولا يفرق بين أيديهما حتى يغفر لهما . قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن من أجل ميمون المرئي، وهو ابن موسى، و ميمون بن سياه، فهما صدوقان، محمد بن بكر: هو البرساني. (مسندالامام احمد:١٩/٤٣٦/١٢٤٥١).

علامہ عبدالحی لکھنویؒ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

جمہورفقہاء کے نزدیک دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہئے، مجالس الابرار میں ہے:" **والسنة أن تكون بكلتا يديه**" اورسنت یہ ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے ہوایسا ہی درمختاراور جامع الرموزوغیرہ میں ہے اورمعجم طبرانی میں بروایت ابوامامہ ﷺ جو یہ حدیث مذکور ہے: **قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا تصافح ... الخ.** یعنی حضور سرورِدو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب دومسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے ہاتھ جدانہیں ہوتے مگراس وقت کہ ان کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں، اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کرنا چاہئے، کیونکہ اگرایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت ہوتا تو" **أكفهما** " کی جگہ پر جو کف کی جمع ہے " **كفاهما** "تثنیہ کا لفظ لایا جاتا۔(مجموعۃ الفتاویٰ، جلدِاول ،ص۱۳۳، ط: آرام باغ کراچی)۔

لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ نحو میں قاعدہ ہے کہ اگر مضاف مضاف الیہ کا جزء ہو تو مضاف کو بجائے تثنیہ جمع لایا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔(روح المعانی:۱۵۲/۲۸)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں علامہ لکھنویؒ فرماتے ہیں:

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس سے وہ مصافحہ جو ملاقات کے وقت کیا جاتا ہے مراد نہیں ہے بلکہ یہ ہاتھ میں ہاتھ لینا ویسا ہے جیسا کہ بزرگ چھوٹوں کو کوئی چیز تعلیم کرنے کے وقت ہاتھ میں ہاتھ لیتے ہیں اور اگر مان بھی لیا جائے کہ اس سے وہی مصافحہ مسنونہ مراد ہے تو بھی اس حدیث سے یہ بات صاف طور سے ظاہر ہے کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک ہاتھ کا ذکر اس بات کا قطعی ثبوت نہیں ہے کہ دوسرا ہاتھ شامل نہ تھا کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کف بمعنی جنس مستعمل ہوا ہے اور کف سے دونوں ہاتھ مراد لیے گئے ہیں، استعمال عرب اور آیاتِ قرآن اور احادیثِ نبوی میں یہ بات بکثرت پائی گئی ہے کہ ید کا استعمال جنس ید پر آتا ہے جو ایک ہاتھ اور دو ہاتھ دونوں کو شامل ہے اور اکثر مقامات پر دو ید کی جگہ ایک ید کا استعمال ہوا ہے اسی بنا پر جن حدیثوں میں اخذ بالید وارد ہوا ہے ان سے ثابت نہیں ہوسکتا کہ ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرنا قطعی ثابت ہے بلکہ وہ حدیثیں دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے پر محتمل ہیں پس جب کوئی ایسی حدیث پائی جائے جس سے صراحۃً ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرنا ثابت ہو تب فقہاء کے اقوال کو ترک کرنا ضروری ہے اور جب تک اس کی تصریح صریح نہ پائی جائے اس وقت تک فقہاء کے اقوال پر عمل چاہئے۔ واللہ اعلم۔(مجموعۃ الفتاویٰ، جلدِ اول، ص۱۳۳، آرام باغ کراچی)۔

فیض الباری میں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

واعلم أن كمال السنة فيها أن تكون باليدين، ويتأدى أصل السنة من يد واحدة أيضاً وقد بوب البخاري بعيدة: باب الأخذ باليدين، ثم الذين يدعون العمل بالحديث، ينكرون التصافح باليدين، ولما لم يكن في ذلک عند المصنف حديث على شرطه، أخرج حديث ابن مسعود رضي الله عنه في التشهد، فاكتفى عن الاستشهاد على الجنس، فإن التصافح في حديثه كان عند التعليم دون التسليم، وهذا غير ذلک، نعم أخرج لها أثرين، ثم للتصافح باليدين حديث مرفوع أيضاً، كما في الأدب المفرد، وأراد المدرسون أن يستدلوا عليه من حديث ابن مسعود رضي الله عنه هذا، فقالوا: أما كون التصافح باليدين من جهة النبي صلى الله عليه وسلم

فالحديث نص فيه ، وأما كونه كذلك من جهة ابن مسعود ﷺ، فالراوى وإن اكتفى بذكر يده الواحدة، إلا أن المرجو منه أنه لم يكن ليصافحه بيده الواحدة ، والنبي صلى الله عليه وسلم قد صافحه بيديه الكريمتين، فإنه يستبعد من مثله أن لايبسط يديه للنبي صلى الله عليه وسلم وقد يكون النبي صلى الله عليه وسلم بسط له يديه ، غير أن الراوي لم يذكره، لعدم كونه غرضه متعلقاً بذلك . (فيض البارى : ٦/ ٢٠٤،باب المصافحة).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: " والسنة فى المصافحة بكلتا يديه ". (فتاوى الشامى: ٦/ ٣٨١،سعيد).

قال فى الفتاوى الهندية: وتجوز المصافحة والسنة فيها أن يضع يديه على يديه من غير حائل من ثوب أو غيره كذا فى خزانة المفتين ، والله أعلم . (الفتاوى الهندية: ٥/ ٣٦٩).

قال فى مجمع الأنهر: ولا بأس بالمصافحة لأنها سنة قديمة متوارثة فى السنة والسنة فى المصافحة بكلتا يديه . (مجمع الانهر: ٤/ ٢٠٤).

حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں:

ولا يذهب عليك أن السنة فى المصافحة أن تكون باليدين كما هو المعروف عن الصحابة والتابعين والمتوارث عن المشايخ. (اوجزالمسالك :٢/ ١٩٢).

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ابن مسعود ﷺ کی روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

امام بخاریؒ نے یہ حدیث " باب المصافحة " کے تحت ذکر فرمائی، اور اس کے متصل " باب الأخذ باليدين " کا عنوان قائم کر کے اس حدیث کو مکرر ذکر فرمایا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنتِ نبوی ہے، علاوہ ازیں مصافحہ کی روح، جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدثِ دہلویؒ نے تحریر فرمایا ہے:

اپنے مسلمان بھائی سے بشاشت سے پیش آنا، باہمی الفت ومحبت کا اظہار ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ:۲/ ۱۹۸، آداب الصحبہ)

اور فطرتِ سلیمہ سے رجوع کیا جائے تو صاف محسوس ہوگا کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنے میں اپنے مسلمان بھائی کے سامنے تواضع ، انکسار، الفت ومحبت اور بشاشت کی جو کیفیت پائی جاتی ہے، وہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے میں نہیں پائی جاتی ۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل:۸/ ۱۵۲، طبع جدید)۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

مصافحہ دونوں ہاتھوں سے سنت ہے بلا مجبوری صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا خلافِ سنت اور تکبر کی

علامت ہے۔ (آداب المعاشرت)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ: ۸/ ۳۹۷-۴۰۳، وقاموس الفقہ: ۵/ ۱۰۵)۔

مذکورہ بالا تمام دلائل کی روشنی میں واضح ہوجاتا ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے مسنون ہے اور ایک ہاتھ سے خلافِ سنت ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بوقتِ مصافحہ ہاتھوں کو جھٹکا دینے کا حکم:

سوال: بعض لوگ مصافحہ کرتے وقت ہاتھوں کو جھٹکا دیتے ہیں، شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: تتبع کثیر کے باوجود احادیث میں اس کی صراحت نہیں ملی، اس لیے یہ مسنون نہیں البتہ عادۃً یا عرفاً لوگ اس طرح کرتے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں، ہاں اگر سنت یا ثواب سمجھتے ہوں تو یہ بدعت اور قابل ترک ہے، بعض حضرات نے ایک روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ درجِ ذیل ہیں:

" من صافح أخاه المسلم وحرک یده تناثرت عنه ذنوبه ". الدرایہ اور نصب الرایہ میں اس کی نسبت المعجم الاوسط للطبرانی کی طرف کی گئی ہے لیکن اس میں یہ روایت اس طرح مذکور ہے:

عن حذيفة بن اليمان رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن المؤمن إذا لقي المؤمن فسلم عليه وأخذ بيده فصافحه تناثرت خطاياهما كما تناثرت ورق الشجر.

(رواه الطبراني في الأوسط، رقم: ٢٤٥).

اس میں حرک یدہ کے الفاظ موجود نہیں ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے اس کو غیر معروف قرار دیا ہے۔

ملاحظہ ہو ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

وأما قول صاحب الهداية: عنه عليه الصلاة والسلام: " من صافح أخاه المسلم وحرک یده .... فقوله " حرک یده " غیر معروف. (فتح باب العناية: ٤/ ٤٠، كتاب الكراهية، بيروت).

خلاصہ یہ ہے کہ " **حرک یده** " کے الفاظ غیر معروف ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مصافحہ کرتے وقت انگوٹھا دبانے کا حکم:

سوال: مصافحہ میں انگوٹھا پکڑ کر دبانے کی کیا حیثیت ہے مستحب یا سنت؟ بعض لوگ اس کو سنت یا مستحب قرار دیتے ہیں۔ بینوا تو جروا۔

الجواب: بوقتِ مصافحہ انگوٹھا پکڑ کر دبانا نہ سنت ہے اور نہ مستحب اور نہ اس بارے میں کوئی روایت کتبِ حدیث میں منقول ہے، بنابریں یہ خرافاتِ عوام میں سے ہے اور قابل ترک ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

انگوٹھوں کا پکڑنا مصافحہ کے مفہوم میں داخل نہیں اس کے معنی ہاتھ ملانے کے ہے نہ ایک انگوٹھا پکڑنا مسنون ہے اور نہ دونوں۔ (کفایت المفتی:۹/۱۰۸)۔

اشرف الاحکام میں ہے:

مصافحہ کی ترکیب میں مشہور ہے کہ انگوٹھوں کو دبادے یہ بے اصل ہے اور یہ حدیث موضوع ہے کہ انگوٹھوں میں رگِ محبت ہے۔ (اشرف الاحکام ص۱۹۳، بحوالہ حسن العزیز:۴/۲۳۶)۔

قال ابن عابدينؒ: المصافحة هي إلصاق صفحة الكف بالكف وإقبال الوجه بالوجه فأخذ الأصابع ليس بمصافحة خلافاً للروافض والسنة أن تكون بكلتا يديه وبغير حائل من ثوب أو غيره وعند اللقاء بعد السلام وأن يأخذ الإبهام فإن فيه عرقاً ينبت المحبة كذا جاء في الحديث، ذكره القهستاني وغيره. (فتاوى الشامي: ٦/٣٨٢، سعيد). (وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح نقلاً عن القهستاني، ص٢١٥، ط: بولاق، وجامع الرموز للقهستاني: ٣/٣١٦).

علامہ شامیؒ اور علامہ طحطاویؒ نے یہ حدیث قہستانی سے نقل کی ہے اور قہستانی نے کوئی حوالہ نہیں دیا نیز خود قہستانی پر علامہ شامیؒ وغیرہ حضرات نے جرح کی ہے لہذا اس حدیث کا اعتبار نہیں۔

قال الإمام اللكنوي في "غيث الغمام" (ص: ٣٠) **عن جامع الرموز: وهو من الكتب غير المعتبرة لعدم الاعتماد على مؤلفه قال علي القاري المكي: قال عصام الدين في حق القهستاني: إنه لم يكن من تلامذة شيخ الإسلام الهروي، لا من أعاليهم، ولا من أدانيهم، وإنما كان دلال الكتب في زمانه، ولا كان يعرف الفقه، ولا غيره بين أقرانه، ويؤيده أنه**

يجمع في شرحه هذا بين الغث والسمين ، والصحيح والضعيف من غيرتصحيح ، ولا تدقيق ، فهو كحاطب الليل ، جامع بين الرطب واليابس في الليل [ت: نحو ۹۵۳ھ] **انظر : دفع الغواية ، ص ۳۷، وتذكرة الراشد، ص ۵۶ .** (تعليقات فتاوى اللكنوى، ص ۳۳).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

علامہ ابن عابدین نے حدیث کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا بلکہ قہستانی کا حوالہ ہے، قہستانی کو دیکھا گیا تو اس میں بھی حدیث کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں ملا، پھر کتبِ حدیث میں تلاش کیا گیا مگر اس کا کچھ پتا نہ چل سکا، اگر اس کا کوئی ثبوت ہوتا تو مصافحہ کثیر الوقوع عمل سے متعلق ہونے کی وجہ سے روایاتِ کثیرہ میں اس کا ذکر ہونا چاہئے تھا جب کہ متداول اور معروف کتبِ حدیث اس کے ذکر سے خالی ہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۹/ ۸۸)۔

واللہ ﷻ اعلم۔

خطوط کے آخر میں لفظ ''والسلام'' لکھنے کا حکم:

سوال: رسائل اور خطوط کے آخر میں لفظ ''والسلام'' لکھا جاتا ہے شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ لکھنا چاہئے یا نہیں؟ اور لکھنے کی صورت میں مرسل الیہ کو اس سلام کا جواب دینا واجب ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: احادیث اور آثار سے پتہ چلتا ہے کہ خطوط اور رسائل کے آخر میں والسلام لکھنا جائز اور درست ہے، اور یہ سلامِ مسنون کے قائم مقام ہے، نیز مرسل الیہ پر اس کا جواب دینا بھی واجب ہے۔

ملاحظہ ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کی طرف خط تحریر فرمایا اور اس کے آخر میں والسلام لکھا:

عن عبادة بن الأشيم قال : وفدت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم و أسلمت ، و كتب لي رسول الله صلى الله عليه وسلم كتاباً ،" إني أمرتك على قومك ، فحاسبهم بما جرى عليه عملك ما أقاموا الصلاة ، وأعطوا الزكاة ، فمن سمع بكتابي هذا ممن جرى عليه عملك فلم يطع ، فليس له من الله عزوجل معين، والسلام. (معجم الصحابة لابن قانع : ٤/ ٢٦٩/ ١٠٦٢).

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن الولید کو خط لکھا۔ ملاحظہ ہو:

بسم الله الرحمٰن الرحيم من محمد النبي رسول الله إلى خالد بن الوليد سلام عليك فإني أحمد إليك الله الذي لا إله إلا هو أما بعد... والسلام عليك ورحمة الله

وبرکاته. (السيرة النبوية لابن هشام :۲۹۲/۵ ،ط:دارالجيل،والروض الانف:۳۷۰/۴).

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خط میں والسلام علیک لکھا ملاحظہ کیجئے ترمذی شریف میں روایت مذکور ہے:

عن عبد الله بن المبارک عن عبد الوهاب ابن الورد عن رجل من أهل المدينة قال: كتب معاوية ﷺ إلى عائشة أم المؤمنين رضى الله تعالىٰ عنها أن اكتبي إلي كتاباً توصيني فيه ولا تكثري علي فكتبت عائشة رضى الله تعالىٰ عنها إلى معاوية ﷺ سلام عليک أما بعد فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من التمس رضاء الله بسخط الناس كفاه الله مؤنة الناس ومن التمس رضاء الناس بسخط الله وكله الله إلى الناس والسلام عليک. (رواه الترمذی ،رقم: ۲٤١٤).

حضرت ابوموسیٰ الاشعری ﷺ نے اپنے خط میں والسلام علیک لکھا۔ملاحظہ ہو:

عن محمد بن سيرين : أن أباموسىٰ كتب إلى عامر بن عبد الله: من عبد الله بن قيس إلى عامر بن عبد الله الذي يقال له: ابن عبد قيس أما بعد: لئن كنت تغيرت فعد ، وإن كنت لم تتغير فدم ، والسلام عليک. هذا إسناد رواته ثقات. (اخرجه البوصيری فی الزوائد،رقم: ٥٢٦٩).

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح ﷺ اور حضرت معاذ بن جبل ﷺ نے اپنے خط میں والسلام علیک لکھا۔ملاحظہ ہو:

عن محمد بن سوقة قال: أتيت نعيم بن أبي هند فأخرج إلي صحيفة فإذا فيها من أبي عبيده بن الجراح ومعاذ بن جبل إلى عمر بن الخطاب ﷺ سلا م عليک أما بعد فإنا عهدناک... وإنا نعوذ بالله أن ينزل كتابنا سوى الذى نزل من قلوبنا فإنا إنما كتبنا به نصيحة لک والسلام عليک. (المعجم الكبيرللطبرانی، رقم: ٤٥).

حضرت عمر بن الخطاب ﷺ نے بھی جواب میں خط لکھا اور اس کے آخر میں لکھا: **والسلام عليكما.** (المعجم الکبیر،رقم:۴۵).

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے عامل کو خط لکھا اس کے آخر میں سلام لکھا۔ملاحظہ ہو موطا مالک میں ہے:

أن عمربن عبد العزيز كتب إلى عامل من عماله أنه بلغنا: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا بعث سرية يقول لهم : اغزوا باسم الله فى سبيل الله تقاتلون من كفر بالله لاتغلوا ولاتغدروا ولاتمثلوا ولاتقتلوا وليداً وقل ذلک لجيوشک وسراياک إن شاء الله

والسلام عليک. (موطا الامام مالك، رقم: ٩٦٦).

وعن سعيد بن أبي بردة قال: كتب عمر رضي الله عنه إلى أبي موسى رضي الله عنه: أما بعد فإن أسعد الرعاة من سعدت رعيته، و إن أشقى الرعاة من شقيت رعيته، و إياک أن ترتع فترتع عمالک فيكون مثلک عند ذلک مثل بهيمة نظرت إلى خضرة من الأرض فرتعت فيها تبغي بذلک السمن، وإنما حتفها في سمنها، والسلام عليک. (رواه ابن ابى شيبة، رقم: ٣٤٤٤٨).

اس کے علاوہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزید خطوط اپنے عمال کو لکھے ہوئے حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں ان کے آخر میں والسلام تحریر شدہ ہے۔

فقہاء کی عبارات ملاحظہ کیجئے:

قال في الدر المختار: ويجب رد جواب كتاب التحية كرد السلام، وقال في رد المحتار: لأن الكتاب من الغائب بمنزلة الخطاب من الحاضر مجتبىٰ، والناس عنه غافلون. أقول: المتبادر من هذا أن المراد رد سلام الكتاب لا رد الكتاب لكن فى الجامع الصغير للسيوطيؒ رد جواب الكتاب حق كرد السلام قال شارحه المناويؒ: أى إذا كتب لک رجل بالسلام في كتاب ووصل إليک وجب عليک الرد باللفظ أو بالمراسلة وبه صرح جمع الشافعية وهو مذهب ابن عباس رضي الله عنه. (الدر المختار مع رد المحتار: ٦/٤١٥، سعيد).

آداب المعاشرت میں حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

خطوط میں جو سلام لکھا ہوا ہوتا ہے اس کا جواب واجب ہے خواہ خط میں لکھے یا زبانی دے دے۔ (آداب المعاشرت، ص۴۰، ط: قدیمی کتب خانہ)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

زبانی یا بذریعہ خط جواب دینا واجب ہے، بہتر ہے کہ فوراً زبان سے جواب دے دیا جائے، کیونکہ ممکن ہے کہ خط کے جواب کا موقع نہ ملے تو واجب فوت ہونے کا گناہ ہوگا، خط کا جواب دینے کا ارادہ نہ ہو یا خط قابل جواب نہ ہو تو فوراً زبان سے جواب دینا واجب ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۸/۱۳۷)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مجلس سے اٹھتے وقت مصافحہ کا حکم:

سوال: مجلس سے اٹھتے وقت سب سے مصافحہ کرنا چاہئے یا صرف سلام کہہ کر چلا جائے؟

الجواب: مجلس سے اٹھتے وقت صرف سلام کہہ دینا کافی ہے تمام حاضرین مجلس سے مصافحہ کرنا دشوار ہے اس میں حرج بھی ہے لہذا فقط سلام کافی ہے۔

مجلس سے اٹھتے وقت سلام کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے ملاحظہ کیجئے:

عن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا انتهى أحدكم إلى المجلس فليسلم إذا أراد أن يقوم فليسلم فليست الأولى بأحق من الآخرة . (رواه ابوداود، رقم: ٥٢١٠).

صحیح ابن حبان میں روایت ہے:

عن أبي هريرة ﷺ أن رجلاً مر على رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو في مجلس فقال: سلام عليكم فقال: عشر حسنات، ثم مر رجل آخر فقال: سلام عليكم و رحمة الله فقال: عشرون حسنة، فمر رجل آخر فقال: سلام عليكم ورحمة الله وبركاته فقال: ثلاثون حسنة، فقام رجل من المجلس ولم يسلم فقال النبي صلى الله عليه وسلم: ما أوشك ما نسي صاحبكم! إذا جاء أحدكم إلى المجلس فليسلم فإن بدا له أن يجلس فليجلس فإن قام فليسلم فليست الأولىٰ بأحق من الآخرة . (صحيح ابن حبان، رقم: ٤٩٣، قال الشيخ شعيب: اسناده صحيح).

مسند احمد کی روایت میں ہے:

عن أبي هريرة ﷺ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا انتهى أحدكم إلى المجلس فليسلم فإن بدا له ان يجلس فليجلس ثم إن قام و القوم جلوس فليسلم فليست الأولىٰ بأحق من الآخرة . (مسند أحمد، رقم: ٩٦٦٤).

ان روایات سے معلوم ہوا کہ مجلس سے اٹھتے وقت سلام کافی ہے، مصافحہ کا ذکر موجود نہیں ہے اور اس میں حرج بھی ہے۔ اگرچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ مصافحہ اتمامِ سلام ہے لہذا زیادہ لوگ نہ ہوا اور حرج نہ ہو تو

مصافحہ کرنا بھی درست ہے۔ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

أخرج ابن أبی الدنیا فی" الاخوان " (۱/۱۷۵/۱۱۷) **بسنده عن أبي أمامة رضي الله عنه قال: من تمام تحياتكم المصافحة .**

دوسری روایت میں مذکور ہے:

عن أبي أمامة رضي الله عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: عائد المريض يخوض فى الرحمة و وضع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يديه على ركبتيه ثم قال: فإذا جلس عنده غمرته الرحمة ومن تمام عيادة المريض أن يضع أحدكم يده على وجهه أوعلى يده فيسأله كيف هو وتمام محبتكم بينكم المصافحة . (رواه الطبراني في الكبير:۸/۲۱۲/۷۸۵۴، والترمذي، رقم:۲۷۳۱). **ولفظ الترمذي : وتمام تحياتكم بينكم المصافحة.** (باب ماجاء في المصافحة).

آداب المعاشرت میں لکھا ہے ایک صاحب حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ سے مصافحہ کے بعد تمام مجلس سے مصافحہ شروع کر دیا، حضرت والا نے فرمایا یہ طریقہ کس نے سکھایا ہے؟ اگر مجلس میں پچاس آدمی ہوں تو اچھا خاصہ مشغلہ ہو جائے گا، اب وہ اپنے اپنے کام چھوڑ کر تمہاری طرف متوجہ ہوں، ایک شخص سے مصافحہ کر لینا سب کی طرف سے ہو جاتا ہے آخر سلام سب کو الگ الگ کیوں؟ معاشرت تو لوگوں کی برباد ہوگئی۔ (آداب المعاشرت، ص۵۰، بحوالہ الافاضات الیومیہ، حصہ سوم ص۲۳، وتسہیل المواعظ:۱/۵۸۵)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مہمان کو رخصت کرتے وقت مصافحہ و معانقہ کا حکم:

سوال: مہمان کو رخصت کرتے وقت مصافحہ اور معانقہ ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مہمان کو رخصت کرتے وقت مصافحہ اور معانقہ احادیث سے ثابت ہے۔ ملاحظہ کیجئے ترمذی شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضي الله عنه قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا ودع رجلاً أخذ بيده فلا يدعها حتى يكون الرجل هو يدع يد النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ويقول: أستودع اللّٰه دينك وأمانتك وآخر عملك . (رواه الترمذي، رقم: ۳۴۴۲، باب مايقول اذا ودع انساناً).

وفي رواية عنه قال: وأخذ بيدي فصافحني ثم قال: ....الخ. (مشكل الآثار: ۵۱۹۳).

قال في المرقاة : وقيل الحرام (التقبيل و المعانقة) ما كان على وجه التملق و التعظيم وأما المأذون فيه فعند التوديع و القدوم من السفر وطول العهد بالصاحب وشدة الحب في الله مع أمن النفس...والمعانقة وتقبيل الوجه لغير القادم من سفر ونحوه مكروهان صرح به البغوي وغيره للحديث الصحيح في النهي عنهما كراهة تنزيه. (مرقاة المفاتيح: ٩/٧٦، امداديه).

بذل المجہود کے حاشیہ میں دکتور تقی الدین الندوی لکھتے ہیں:

وقال الأبهري كرهها (المصافحة) مالك إذا كان على وجه التكبر و بسط روايات المصافحة في الفتح و المشهور على الألسنة أن المصافحة عند الوداع لا تثبت و ليس بصحيح لروايات ذكرتها على هامش جمع الفوائد(٢/١٤١) . (حاشية بذل المجهول:١٣/٥٩٦، ط: دار البشائر الاسلامية).

امداد الفتاویٰ میں ہے: سوال: رخصت کے وقت مصافحہ جائز ہے یا نہ؟

الجواب: اختلاف ہے،مجوزین کی دلیل یہ حدیث فعلی ہے:عن ابن عمر رضی اللہ عنہ كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا ودع رجلاً أخذ بيده...قلت: والأخذ باليد هو حقيقة المصافحة لا سيما إذا كان من الجانبين كما يشعر به لفظ الحديث يدع يد النبي صلى الله عليه وسلم.

اور یہ حدیث قولی ہے: عن أبي أمامة رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: وتمام تحياتكم بينكم المصافحة . رواه أحمد والترمذي وضعفه، مشكوٰة باب المصافحه .قلت: وظاهر أن التحية يعني السلام عليكم مشروع وقت الوداع فكذا المصافحة والضعف لايضر في الفضائل. والله أعلم۔(امداد الفتاویٰ:۴/۴۹۱،وتسہیل المواعظ،جلداول،ص۵۸۳)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے: (احسن الفتاویٰ:۸/۴۰۳۔۴۰۶)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

معانقہ کا سنت طریقہ:

سوال: معانقہ میں دائیں جانب کے ساتھ ملانا چاہئے یا بائیں جانب،جس طرف قلب واقع ہے، ملانا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: معانقہ کے معنی ہیں ’’گردن سے گردن ملانا‘‘عرب میں متوارث بھی یہی ہے کہ پورا جسم

الگ رکھ کر صرف گردن سے گردن ملاتے ہیں اور لغت ''منجد'' میں گردن کے ساتھ سینہ ملانے کی بھی تصریح ہے۔

قال ابن منظور الأفريقي: عانقه: معانقة وعناقاً: التزمه فأدنى عنقه من عنقه .(لسان العرب: ١٠/٢٧٢، ط: بيروت).

وقال في المنجد في اللغة: عانقه، معانقة وعناقاً : جعل يديه على عنقه وضمه إلى صدره . (المنجد في اللغة، ص٥٣٤).

المعجم الوسیط میں مرقوم ہے:

عانقه ، معانقة، وعناقاً: أدنى عنقه من عنقه وضمه إلى صدره . (المعجم الوسيط، ص٦٣٢).

خلاصہ یہ ہے کہ معانقہ کا طریقہ یہ ہے کہ گردن کو گردن کے ساتھ ملایا جائے اس میں کسی قدر سینہ کا حصہ بھی مل جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے خاص خاص مواقع میں معانقہ فرمانا ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قدم زيد بن حارثة رضي الله عنه المدينة ورسول الله صلى الله عليه وسلم في بيتي، فأتاه فقرع الباب ، فقام إليه النبي صلى الله عليه وسلم يجر ثوبه ، فاعتنقه وقبله . (رواه الترمذي، رقم: ٢٧٣٢، وقال : حديث حسن).

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: خرج النبي صلى الله عليه وسلم في طائفة النهار...فجلس بفناء فاطمة رضي الله تعالىٰ عنها فقال: أثَم لكع أثَم لكع ... فجاء يشتد حتى عانقه وقبله وقال: اللهم أحببه وأحب من يحبه. (رواه البخاري، رقم: ٢١٢٢).

وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: لما قدم جعفر وأصحابه ، تلقاه رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فاعتنقه ، وقبل بين عينيه . (معجم ابي يعلى الموصلي، رقم:١٦٣).

وعن أبي الهيثم بن التيهان رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم لقيه فاعتنقه وقبله والتزمه...(معجم الصحابة لابي نعيم:٥/٢٤٥٠).

لیکن معانقہ کی کیفیت کے بارے میں کوئی روایت یا کوئی فقہی جزئیہ ہمیں نہیں ملا، بظاہر دائیں، بائیں دونوں جانب جائز معلوم ہوتا ہے، دائیں جانب اس لیے کہ دائیں کو فضیلت حاصل ہے، اور بائیں جانب اس لیے کہ اس طرف دل ہوتا ہے اور دل کو دوسرے اعضا پر فضیلت حاصل ہے، بلکہ بعض مشائخ قلب کو قلب کے

ساتھ ملا کر دل میں ذکراللہ کی حرارت پیدا کرتے ہیں، بہرحال نفس معانقہ میں سینہ کو ملانا مقصود ہے دائیں یا بائیں جانب کی تخصیص نہیں ہے۔

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ: ۸/ ۴۰۶-۴۱۳)۔

خلاصہ یہ ہے کہ معانقہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ گردن سے گردن ملائی جائے اور سینہ کا لگانا بھی بعض روایات سے ثابت ہے، لہٰذا یہ درست ہے اس کے علاوہ پیٹ ملانا، ایک دوسرے کو خوب کھینچنا یہ خلافِ سنت طریقہ ہے اکثر و بیشتر ایذا رسانی کا ذریعہ بن جاتا ہے بنابریں مسنون طریقہ کے مطابق معانقہ کرنا چاہئے اور خلافِ شرع طریقہ سے بچنا چاہئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

معانقہ میں تکرار کا حکم:

سوال: معانقہ میں تکرار کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگ تین مرتبہ ملتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: معانقہ میں تکرار ثابت نہیں ہے، اس لیے ایک بار مسنون ہے، پھر اگر تین مرتبہ کو سنت یا باعثِ ثواب سمجھا جائے تو بدعت ہوگا۔

نفس معانقہ احادیث اور فقہی عبارات سے ثابت ہے۔ احادیث ماقبل میں مذکور ہوئیں۔

فقہی عبارات ملاحظہ کیجئے:

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: **ولا بأس بالمعانقة إذا أمن على نفسه أو كان شيخاً كبيراً هكذا في السراج الوهاج.** (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۰۰).

الموسوعة الفقهية الكويتية میں ہے:

ذهب الحنفية في الصحيح إلى أنه يجوز معانقة الرجل للرجل إذا كان على كل واحد منهما قميص أو جبة، ثم اختلفوا في المعانقة في إزار واحد، والمذهب كراهة المعانقة في إزار واحد، وقال أبويوسف رحمہ اللہ: لا بأس بالمعانقة في إزار واحد. قال الخادمي: وقد وردت أحاديث في النهي عن المعانقة، وأحاديث في تجويزها، ووفق أبومنصور الماتريدي بينهما فقال: المكروه منها ما كان على وجه الشهوة، وأما على وجه البر والكرامة، فجائز. (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۳۸/ ۱۸۴، وزارة الاوقاف).

قال في تبيين الحقائق: وفی الجامع الصغير: ويكره أن يقبل الرجل فم الرجل أو يده أو شيئاً منه أو يعانقه ، وذكر الطحاوي أن هذا قول أبي حنيفةؒ ومحمدؒ ، وقال أبويوسفؒ: لا بأس بالتقبيل والمعانقة ، لما روي أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عانق جعفراً حين قدم من الحبشة ، وقبل بين عينيه ،وذلک عند فتح خيبر ، وقال: لا أدري بماذا أسر بفتح خيبر أم بقدوم جعفر ، وعانق زيدبن حارثة رضی اللہ عنہ وكان أصحاب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يفعلون ذلک ، وفي الكافي: كان الأعراب يقبلون أطراف النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، وعن عطاءؒ سئل ابن عباس رضی اللہ عنہ عن المعانقة فقال: أول من عانق إبراهيم خليل الرحمن عليه السلام كان بمكة فأقبل إليها ذو القرنين فلما كان بالأبطح قيل له في هذه البلدة إبراهيم خليل الرحمن فقال ذوالقرنين: ما ينبغي لي أن أركب ببلدة فيها إبراهيم خليل الرحمن فنزل ذوالقرنين ، ومشى إلى إبراهيم عليه السلام فسلم عليه إبراهيم واعتنقه فكان هو أول من عانق ...الخ.

(تبيين الحقائق: ٦/ ٢٥، امداديه ملتان).

(كذافي البحر الرائق: ٨/ ٢٢٦، بيروت، والهداية: ٤/ ٩٠، المكتبة الاسلامية، وبدائع الصنائع: ٥/ ١٢٤، سعيد، وتحفة الملوك ، ص٢٣٤، ط: بيروت، وفتاوى الشامى: ٦/ ٣٨٠، سعيد، وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ، ص٢١٦، ط: بولاق، والنتف فى الفتاوى، ص٢/ ٨١١، ط: بيروت، لبنان، ومجمع الانهر: ٤/ ٢٠٤، بيروت، والعناية شرح الهداية: ١٠/ ٥١، بهامش فتح القدير، ط: دارالفكر، وبذل المجهود: ١٣/ ٥٩٩، باب المعانقة، ط: دارالبشائرالاسلامية).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: معانقہ کا سنت طریقہ کیا ہے، بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ تین مرتبہ کاندھے سے ملتے ہیں اور بعض لوگ صرف ایک طرف ملتے ہیں، صحیح طریقہ کیا ہے؟

الجواب: صرف ایک طرف کافی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ١٩/ ١١٨، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سفر سے واپسی پر معانقہ کا حکم:

سوال: جب سفر سے واپس آئے تو معانقہ مسنون ہے یا نہیں؟ اگر مسنون ہے تو مصافحہ مقدم ہے یا معانقہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ سفر سے واپسی پر معانقہ مسنون ہے پھر ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ معانقہ مقدم ہے اگر چہ تصریح موجود نہیں ہے۔ملاحظہ کیجئے:

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: كان أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم: إذا تلاقوا تصافحوا وإذا قدموا من سفر تعانقوا . أخرجه الطبراني في الأوسط ، رقم: ۹۷،قال الهيثمي : ورجاله رجال الصحيح. (مجمع الزوائد:۸/۷۵،باب المصافحة).

سنن کبریٰ میں ہے:

عن غالب التمار قال: كان محمد بن سيرين يكره المصافحة فذكرت ذلك للشعبي فقال: كان أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم إذا التقوا صافحوا فإذا قدموا من سفر عانق بعضهم بعضاً . (السنن الكبرى للبيهقي:۷/۱۰۰).

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ:۸/۴۰۶-۴۱۳)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مصافحہ ومعانقہ کے وقت بوسہ دینے کا حکم:

سوال: کیا مصافحہ ومعانقہ کے وقت بوسہ دینے کی اجازت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مصافحہ ومعانقہ کے وقت رخسار یا پیشانی پر بوسہ دینے کی اجازت ہے جب کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو ورنہ بوقتِ فتنہ ترک کرنا چاہئے۔اسی طرح اپنی اولاد کو بوسہ دینا بھی جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو ابوداود شریف کی روایت میں ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن الأقرع بن حابس أبصر النبي صلى الله عليه وسلم يقبل حسيناً فقال: إن لي عشرة من الولد ما فعلت هذا بواحد منهم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم "من لايرحم لايرحم". (رواه ابوداود،رقم: ۵۲۲۰،والترمذي وقال: هذا حديث حسن صحيح).

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا بوسہ لے رہے ہیں تو انہوں نے تعجب سے کہا کہ یارسول اللہ! میرے تو دس بچے ہیں میں نے کسی بچہ کو کبھی اس طرح بوسہ نہیں دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

عن إياس بن دغفل قال: رأيت أبانضرة قبل خد الحسن رضي الله عنه. (القبلة والمعانقة والمصافحة، ص١٩).

وعن البراء قال: دخلت مع أبي بكر رضي الله عنه أول ما قدم المدينة، فإذا عائشة رضي الله تعالىٰ عنها ابنته مضطجعة قد أصابها حمى، فأتاها أبوبكر رضي الله عنه فقال: كيف أنت يا بنية؟ وقبل خدها. (القبلة والمعانقة والمصافحة، ص٢٠).

وعن عكرمة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا قدم من مغازيه قبل فاطمة رضى الله تعالىٰ عنها. (القبلة والمعانقة والمصافحة،ص٢٣).

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں:

قال النووي: تقبيل الرجل خد ولده الصغير واجب وكذا غير خده من أطرافه ونحوها على وجه الشفقة والرحمة واللطف ومحبة القرابة سنة سواء كان الولد ذكراً أو أنثى وكذا قبلة ولد صديقه وغيره من صغار الأطفال على هذا الوجه وأما التقبيل بالشهوة فحرام بالاتفاق وسواء في ذلك الوالد وغيره. وكون تقبيل الرجل خد ولده الصغير واجباً يحتاج إلى حديث صريح أوقياس صحيح. (مرقاة المفاتيح:٩/٧٥، باب المصافحة، ط: امداديه، ملتان).

درمختار میں مرقوم ہے:

وكره تحريماً تقبيل الرجل الرجل أو يده أو شيئاً منه وكذا تقبيل المرأة المرأة عند لقاء أو وداع قنية، وهذا لو عن شهوة و أما على وجه البر فجائز عند الكل، خانية، وفي الاختيار عن بعضهم لابأس به إذا قصد البر وأمن الشهوة كتقبيل وجه فقيه ونحوه وكذا معانقته في إزار واحد وقال أبويوسف: لا بأس بالتقبيل والمعانقة في إزار واحد ولوكان عليه قميص أو جبة جاز بلا كراهة بالإجماع وصححه فى الهداية وعليه المتون وفى الحقائق: لو قبله على وجه المبرة دون الشهوة جاز بالإجماع.

وفي رد المحتار: قوله وأما على وجه البر فجائز عن الكل، قال الإمام العيني بعدكلام فعلم إباحة تقبيل اليد والرجل والرأس والكشح كما علم من الأحاديث المتقدمة إباحتها على الجبهة وبين العينين وعلى الشفتين على وجه المبرة والإكرام. (فتاوى الشامي: ٦/٣٨٠،سعيد). (وكذا فى تبيين الحقائق: ٦/٢٥،والبحرالرائق:٨/٢٢٥،وتحفة الملوك ،ص٢٣٤،والموسوعة

الفقهية :١٣/ ١٣٠، و١٥/١٠٥، و٤٢/٣٧٢، ط: وزارة الاوقاف).

وقد ثبت أن النبي صلى الله عليه وسلم عانق جعفراً حين قدم من الحبشة وقبل بين عينيه ،كما مر.

ذكر بعض الفقهاء أن التقبيل على خمسة أوجه: قبلة المودة للولد على الخد، وقبلة الرحمة لوالديه على الرأس، وقبلة الشفقة لأخيه على الجبهة ، وقبلة الشهوة لامرأته أو أمته على الفم، وقبلة التحية للمؤمن على اليد، وزاد بعضهم قبلة الديانة للحجر الأسود. (الموسوعة الفقهية : ١٣/١٢٩). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

صبیح الوجہ لڑکے کو بوسہ دینے کا حکم:

سوال: کسی خوبصورت لڑکے کو بوسہ دینے کا کیا حکم ہے؟ **بہ قصدِ شہوت یا بلاقصدِ شہوت بلکہ ازراہِ** شفقت حکم میں کوئی فرق ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ شہوت اور خوفِ فتنہ کے وقت صبیح الوجہ لڑکے کو بوسہ دینا ناجائز ہے البتہ بلا قصدِ شہوت فقط ازراہِ شفقت بوسہ دینا جائز اور درست ہے، تاہم مقامِ تہمت ہونے کی وجہ سے احتیاط ترک کرنے میں ہے۔ملاحظہ ہوالموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

الأمرد إذا لم يكن صبيح الوجه فحكمه حكم الرجال في جواز تقبيله للوداع والشفقة دون الشهوة ، أما إذا كان صبيح الوجه يشتهى فيأخذ حكم النساء وإن اتحد الجنس، فتحرم مصافحته وتقبيله ومعانقته بقصد التلذذ عند عامة الفقهاء. (الموسوعة الفقهية : ١٣/١٣٠، وزارة الاوقاف).

ملاعلی قاریؒ مرقات میں لکھتے ہیں:

قال النوويؒ: وينبغي أن يحترز عن مصافحة الأمرد الحسن الوجه فإن النظر إليه حرام وقال أصحابنا: كل من حرم النظر إليه حرم مسه بل مسه أشد . (مرقاة المفاتيح:٩/٧٤،باب المصافحة، ط: امداديه ،ملتان).

وقال أيضاً: وأما التقبيل بالشهوة فحرام بالاتفاق وسواء في ذلك الوالد وغيره.

(مرقاة المفاتيح: ٩/ ٧٥).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

جو تقبیل اور معانقہ چھوٹوں پر شفقت یا بزرگوں کی تعظیم واکرام کے لیے ہو وہ باتفاق جائز اور سنت سے ثابت ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ کوئی امر منکر یعنی ناجائز کام شامل نہ ہو جائے۔(جواہر الفقہ، جلد اول، ص ۲۰۱، ط: مکتبہ دارالعلوم کراچی)۔ مزید ملاحظہ ہو: (فتاوی الشامی: ١/ ٤٠٧، سعید، و ٦/ ٣٦٥، سعید)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

قابل احترام شخصیت کی قدم بوسی کا حکم:

سوال: کسی قابل احترام شخصیت کے پاؤں کو بوسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ بظاہر اس میں سجدہ کی کیفیت بنتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: بعض فقہاء نے مفاسد ومنکرات کی وجہ سے بطورِ سد الباب منع کیا ہے، اگر چہ فی نفسہٖ جائز اور مباح ہے تاہم اگر کسی بزرگ کی تعظیم وتکریم کی غرض سے حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے قدم بوسی یا دست بوسی کی جائے تو ٹھیک ہے جب کہ تکبر پیدا نہ ہو اور سجدہ کی شکل نہ بنتی ہو۔

بعض احادیث سے قدم بوسی ودست بوسی جائز معلوم ہوتی ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

عن صفوان بن عسال رضي الله عنه قال: قال يهودى لصاحبه: اذهب بنا إلى هذا النبي، فقال صاحبه: لا تقل نبي إنه لو سمعك كان له أربعة أعين فأتيا رسول الله صلى الله عليه وسلم وسألاه عن تسع آيات بينات فقال لهم: لاتشركوا بالله شيئاً ولا تسرفوا ولا تزنوا ولاتقتلوا النفس التي حرم الله إلا بالحق ولا تمشوا ببرئ إلى ذى سلطان ليقتله ولاتسحروا ... فقال: فقبلوا يده و رجله فقالا: نشهد إنك نبي ... (رواه الترمذى، رقم ٢٧٣٣، وقال: هذا حديث حسن صحيح).

في رواية للنسائى عنه قال: فقبلوا يديه ورجليه. (رقم: ٤٠٧٨).

وعن بريدة قال: جاء أعرابي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله قد أسلمت فأرني شيئاً ازدد به يقيناً، فقال: فما الذى تريده؟ قال: ادع تلك الشجرة فلتأتك...فقال الأعرابي: يارسول الله! ائذن لي أن أقبل رأسك ورجلك، فأذن له، ثم

قال: يارسول الله ! ائذن لي أن أسجد لک ، فقال: لايسجد أحد لأحد...الخ. (ذكره ابن الملقن في البدر المنير:۹/٤٦،ط:الرياض).

محمد بن ابراہیم المقری نے اپنے رسالہ "الرخصة في تقبيل اليد" میں چند احادیث ذکر کی ہیں ملاحظہ کیجئے:

عن عبد الرحمن بن كعب بن مالک، عن أبيه قال: لما نزلت توبتي أتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقبلت يده وركبتيه .

عن أسامة بن شريک قال: قمنا إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقبلنا يده .

عن ابن عمر رضي الله عنه أنه قبل يد النبي صلى الله عليه وسلم .

عن هود القصرى العبدي، عن جده قال: بينمارسول الله صلى الله عليه وسلم يحدث أصحابه إذ قال لهم :إنه سيطلع عليكم من هذا الوجه ركب هم من خير أهل المشرق...حتى أتوا النبي صلى الله عليه وسلم وأخذوا بيده فقبلوها وقعدوا إليه ، وبقي الأشج ، وهو أصغر القوم ، فأناخ الإبل وعقلها وجمع متاع القوم ، ثم أقبل يمشي على تؤدة حتى أتى النبي صلى الله عليه وسلم فأخذ بيده فقبلها...الخ .

نا أبوعبد الملک القارى قال: سمعت يحيى بن الحارث يقول: قال لنا واثلة بن الأسقع : ترون كفي هذه ، بايعت بها رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: وقلت : ناولني يدک فناولنيها، فأخذتها فقبلتها .

عن جابر رضي الله عنه أن عمر رضي الله عنه قام إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقبل يده .

عن ذكوان أن رجلاً قال، أراه يقال له صهيب ، قال: رأيت علياً رضي الله عنه يقبل يدى العباس أو رجله ويقول:أى عم ، ارض عني .

عن أبي فضالة بن عبد الله قال: حدثني أبي عبد الله بن ابى بكر وكان عبد الله قد رأى النبي صلى الله عليه وسلم، أن عامربن الطفيل انتهى إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم يا عامر، أسلم تسلم...حتى أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقبل قدميه، قال: أشهد أن لا إله إلا الله ، وأنک رسول الله آمنت بک وبما أنزل عليک...الخ .

عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها قالت: لما قدم جعفر علی أصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم تلقاہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فاعتنقه وقبل بین عینیه .

عن عائشة رضي اللّٰہ تعالیٰ عنهاقالت: استأذن زید بن حارثة ﷛ علی النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم، فاعتنقه وقبله .

وعن أبي بزة قال: دخلت مع مولاي عبد اللّٰہ بن السائب علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ، فقمت إلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فقبلت رأسه ویده ورجله .

عن مجاهد عن ابن عباس ﷛ قال: صنع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم إلي معروفاً ، فقبلت ید رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم خمس مرات .

عن أم المؤمنین عائشة رضي اللّٰہ تعالیٰ عنها أنها قالت: ما رأیت أحداً من خلق اللّٰہ کان أشبه حدیثاً وکلاماً برسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم من فاطمة رضي اللّٰہ تعالیٰ عنها وکانت إذا دخلت علیه رحب بها وقام إلیها ، فأخذ بیدها وقبلها وأجلسها في مجلسه ، وکان إذا دخل علیها قامت إلیه فرحبت به قبلته ...الخ .

عن أبی الهیثم التیهان، أن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم لقیه فاعتنقه والتزمه وقبله .

(الرخصة فی تقبیل الیدلمحمد بن ابراهیم المقرئ،ص۳۔۳۰).

وعن الزهری قال: أخبرني أنس بن مالک ﷛ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم خرج فقام عبد اللّٰہ بن حذافة فقال: من أبي فقال: أبوک حذافة ثم أکثر أن یقول: سلوني فبرک عمر ﷛ علی رکبتیه فقال: رضینا باللّٰہ رباً وبالإسلام دیناً وبمحمد صلی اللّٰہ علیه وسلم نبیاً فسکت. (رواہ البخاری، رقم: ۹۳).

للاستزادة انظر: (القبلة والمعانقة والمصافحة لابن الاعرابی).

فقہاء کی عبارات ملاحظہ کیجئے:

طلب من عالم أو زاهد أن یدفع إلیه قدمه ویمکنه من قدمه لیقبله أجابه وقیل لا یرخص فیه ، وفي رد المحتار: قوله یدفع إلیه قدمه، یغنی عنه ما فی المتن قوله أجابه لما أخرجه الحاکم أن رجلاً أتی النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال: یا رسول اللّٰہ...ثم أذن له

فقبل رأسه ورجليه...وقال صحيح الإسناد ، من رسالة الشرنبلالي. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٦/ ٣٨٣،سعيد).

قال في مجمع الأنهر: وقال شرف الأئمة : لوطلب من عالم أو زاهد أن يدفع إليه قدمه ليقبله لم يجبه وقيل أجابه لأن الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم يقبلون أطراف النبي صلى الله عليه وسلم كما فى الاختيار. (مجمع الانهر: ٤/ ٢٠٥،ط:بيروت).

تقبيل يد العالم والسلطان العادل جائز . (الفتاوى الهندية: ٥/ ٣٦٩).

قال في حاشية الطحطاوي: ثم قال الشرنبلالي: فعلم من مجموع ما ذكرنا إباحة تقبيل اليد والرجل . (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار:٤/ ١٩٢).

(وكذا فى البحرالرائق: ٨/ ٢٢١،٢٢٦،بيروت،والجوهرة النيرة ،كتاب الحظروالاباحة،والمحيط البرهانى :٥/ ٢٧٩ ، داراحياء التراث،وتبيين الحقائق: ٦/ ٢٥،وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ،ص ٢١٥،بولاق).

شرح النقایہ میں مرقوم ہے:

وفي الجامع الصغير: ويكره أن يقبل فم الرجل أو يده أو شيئاً منه...وقال أبويوسفؒ: لابأس بالتقبيل والمعانقة. .ثم لابأس بتقبيل يد العالم والسلطان العادل على سبيل التبرک، وكذا تقبيل يد الأبوين والشيخ والرجل الصالح...الخ. (شرح النقاية :٤/ ٤١، كتاب الكراهية).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

احوط وارجح عدمِ تقبیل رجلین ہے بعض صورتوں میں مشابہ سجدہ کے ہوجاتی ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱/ ۱۲۷،دارالاشاعت)۔

کفایت المفتی میں ہے:

قدم بوسی فی حد ذاتہ جائز ہے تقبیل یدوقدم میں بحیثیت نفس تقبیل کے کوئی فرق نہیں اوردست بوسی اور قدم بوسی کا جواز متعدد احادیث سے ثابت ہے ادعائے تخصیص غیر موجہ ہے مجوزین نے اسی حکم اصلی کی بناپر جواز کا فتویٰ دیا مانعین نے قدم بوسی کوسجدہ کا ذریعہ اوردواعی قرار دیکر سد اًللباب ممانعت کا حکم لگادیا ہے اوراس میں کوئی شک نہیں کہ عوام ایسے معاملات میں اکثری طور پر حد سے تجاوز کرجاتے ہیں پس واقف اورخاص آدمی کے لیے قدم بوسی میں مضائقہ نہیں اورعوام کواجازت نہ دیناہی احوط ہے۔ (کفایت المفتی :۹/ ۱۱۵،دارالاشاعت)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

تقبیل یدین میں بھی مضائقہ نہیں ہے، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حبشہ سے مدینہ طیبہ آئے تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیشانی کی تقبیل کی تھی، ہاں محل فتنہ ہو تو اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/۱۲۲، جامعہ فاروقیہ)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے:

علم اور بزرگی کے احترام کی خاطر ہاتھ پیر چومنے کی اجازت ہے، مگر ایسا نہ ہو کہ سجدہ کی صورت بن جائے اس کی اجازت نہیں، جھکنے کی بھی حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/۱۲۶، جامعہ فاروقیہ)۔

اس مسئلہ میں حضرت مولانا محمد عابد سندھیؒ نے عربی میں رسالہ "الکرامة والتقبیل" تحریر فرمایا ہے جس کا خلاصہ اردو میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنے رسالہ "**تعديل الهادي في تقبيل الأيادي**" میں تحریر فرمایا ہے اس کے چند ملخصات حسبِ ذیل ہیں:

اس مسئلہ میں ایک اختلاف ائمہ حنفیہ کا بدائع اور قاضیخان کے حوالہ سے اوپر ذکر کیا ہے، اس میں دست بوسی اور قدم بوسی کے ساتھ معانقہ بھی شامل ہے، اس اختلاف کا حاصل قاضیخان کی تحقیق کے مطابق یہ تھا کہ جس صورت میں یہ افعال ایسے طرز پر ہوں جس میں شہوت کا خطرہ اور اشتباہ ہو، اس کو ابو حنیفہؒ و محمدؒ نے مکروہ فرمایا ہے اور جہاں یہ صورت نہ ہو وہ متفق علیہ جائز ہے۔

اور درمختار، شامی اور عالمگیری وغیرہ کے حوالہ سے جو اختلاف اوپر نقل کیا گیا یہ اختلاف فقہائے متاخرین کا ہے اور اصل مسئلہ تقبیل و معانقہ میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ منشا اختلاف کا یہ ہے کہ جس شخص کی قدم بوسی دست بوسی کی جائے کیا اس کے لیے بھی یہ جائز اور درست ہے کہ اپنے ہاتھ پاؤں پھیلا کر لوگوں کو اس کا موقع دے۔

اور وجہ اختلاف کی بظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں حقیقۃً عجب و تکبر نہ بھی ہو تو صورۃً ایک متکبرانہ فعل ہے جس سے تکبر پیدا ہو جانے کا احتمال غالب ہے، اس لیے بعض فقہاء نے اس خطرہ کی بنا پر مکروہ قرار دیا، بعض نے اصل فعل کے جواز پر نظر کر کے جائز فرمایا۔

سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے سامنے یہ آخری سوال بعض لوگوں نے پیش کیا تو آپ نے اس کا جواب حسبِ ذیل تحریر فرمایا:

تاویل بلا دلیل غیر مسموع ہے اور ظاہر سے بلا صارف عدول نہیں کیا جا سکتا پس صحیح جواز تقبیل قدم فی نفسہٖ

ہے اور فقہاء کے منع کو عارض مفسدہ پر محمول کیا جائیگا۔ (امداد الفتاویٰ: ۳۴۵/۵)

...جو انحناء مقصوداً ہو وہ ناجائز ہے اور جو بضرورت تقبیل کے لازم آجائے وہ حکم میں تقبیل کے تابع ہے۔

...خلاصہ کلام: (۱) تقبیل و معانقہ اگر شہوت کے ساتھ ہو وہ باتفاق امت اپنی بیوی یا زرخرید کنیز کے علاوہ کسی کے ساتھ جائز نہیں۔

(۲) اور جو تقبیل اور معانقہ چھوٹوں پر شفقت یا بزرگوں کی تعظیم واکرام کے لیے ہو وہ باتفاق جائز اور سنت سے ثابت ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ کوئی امر منکر یعنی ناجائز کام شامل نہ ہو جائے۔

(۳) اور جہاں تقبیل و معانقہ بلکہ مصافحہ میں بھی کچھ منکرات شامل ہو جائیں وہ باتفاق مکروہ ہے۔

منکرات میں سے چند یہ ہیں:

الف۔ تکبر وعجب کا اندیشہ ہو ایسا شخص دست بوسی وقدم بوسی کا موقع نہ دے۔

باء۔ دوسرے کو ایذا و تکلیف کا اندیشہ ہو وہاں یہ امور جائز نہیں۔

ج۔ جس کی دست بوسی کی جارہی ہے یہ اس کے نفس میں تکبر وغرور پیدا کردے گا تو اس سے اجتناب ضروری ہے۔

...بس مختصر بات یہی ہے کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تعامل صحابہ میں اس کی جو حد منقول ہے اس کو اسی حد پر رکھا جائے تو بلاشبہ دست بوسی، قدم بوسی، معانقہ، مصافحہ سب جائز بلکہ سنت ومستحب ہیں اور جہاں اس میں غلو کا پہلو یا دوسروں کی ایذا شامل ہو جائے وہ گناہ ہے۔ (جواہر الفقہ، جلد اول ص ۱۹۸۔۲۰۳، ط: مکتبہ دارالعلوم کراچی)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قیام تعظیمی کا حکم:

سوال: بعض لوگ کسی بڑی شخصیت کے اکرام اور تعظیم میں کھڑے ہو جاتے ہیں، جب کہ بعض دوسرے حضرات شدت سے انکار کرتے ہیں، اب آپ سے معتدل رائے مطلوب ہے کہ احادیث کی روشنی میں کس کا عمل زیادہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قیام کے بارے میں مختلف احادیث وارد ہوئی ہیں بعض سے ممانعت معلوم ہوتی ہے اور بعض سے جواز اور استحباب مترشح ہوتا ہے، چنانچہ علماء نے دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے **قیام کی چند اقسام**

بیان کی ہیں۔ان کا خلاصہ حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) سرداراورآقا بیٹھارہےاوراس کے اردگردلوگ کھڑے رہیں، یہ متکبرین کا طریقہ ہےاور یہ ممنوع اورناجائز ہے۔

(۲) آنے والے کے لیے لوگ کھڑے ہوجائیں اورآنے والا بھی اس کو چاہتا ہوتکبراورلوگوں پر اپنی بڑائی جتلاتے ہوئے، یہ بھی باتفاقِ علماء ممنوع اورناجائز ہے۔

(۳)لوگ آنے والے کے لیے کھڑے ہوجائیں، نہ وہ چاہتا ہواور نہ بڑائی ہو لیکن آئندہ بڑائی کا اندیشہ ہوتو یہ مکروہ ہے۔

(۴)سفر سے آنے والے کے لیے لوگ کھڑے ہوکرسلام کرے خوشی کے سبب، یہ جائزاور درست ہے۔

(۵) کسی کوکوئی نعمت حاصل ہوئی ہوتو مبارک بادی کے لیے کھڑے ہوجائیں، یہ مستحب ہے۔

(۶) مصیبت زدہ کوتسلی دینے کے لیے کھڑے ہوجائیں، یہ بھی مستحب ہے۔

(۷) کسی کے شراورضرر سے بچنے کے لیے کھڑا ہونا بھی جائز ہے۔

(۸) سماعِ اذان کے وقت تعظیماً قیام مستحب ہے۔

(۹) کسی بڑی شخصیت کے اکرام میں کھڑے ہوجائیں جب کہ وہ خود نہ چاہتا ہو،اس قیامِ تعظیمی میں اختلاف ہے۔

بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے اوربعض حضرات منع کرتے ہیں امام نوویؒ نے اس کے جواز میں مستقل رسالہ لکھاہےاورابن الحاجؒ نے اس کی تردید کی ہے، حافظ ابن حجرؒ نے دونوں کے دلائل کوفتح الباری میں تفصیل سے بیان کیاہے۔

ملاحظہ ہوعلامہ بدرالدین عینیؒ عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

أن قيام المرؤوس للرئيس الفاضل والإمام العادل والمتعلم للعالم مستحب ، وإنما يكره لمن كان بغير هذه الصفات ، وعن أبي الوليد بن رشد : أن القيام على أربعة أوجه : الأول: محظور ، وهو أن يقع لمن يريد أن يقام إليه تكبراً وتعاظماً على القائمين إليه . والثاني مكروه: وهو أن يقع لمن لا يتكبر ولا يتعاظم على القائمين ، ولكن يخشى أن يدخل نفسه بسبب ذلک ما يحذر ولما فيه من التشبه بالجبابرة . والثالث : جائز ، وهو أن يقع

على سبيل البر والإكرام لمن لايريد ذلك ويؤمن معه التشبه بالجبابرة . والرابع : مندوب، وهو أن يقوم لمن قدم من سفر فرحاً بقدومه ليسلم عليه أو إلى من تجددت له نعمة فيهنيه بحصولها أو مصيبة فيعزيه بسببها...قال البيهقي : القيام على وجه البر والإكرام جائز كقيام الأنصار لسعد وطلحة لكعب ، ولاينبغي لمن يقام له أن يعتقد استحقاقه لذلك ،حتى إن ترك القيام له حنق عليه أوعاتبه أو شكاه . (عمدة القاری: ۱۵/ ۳۷۶، باب قول النبی صلی اللہ علیہ و سلم قوموا الی سیدکم، ط: دارالحدیث ، ملتان)۔

ملاعلی القاری مرقات میں فرماتے ہیں:

وقال القاضي عياض: القيام المنهى ، تمثلهم قياماً طول جلوسه ، وقال النوويؒ : القيام للقادم من أهل الفضل مستحب وقد جاء ت أحاديث ولم يصح فى النهى عنه شيء صريح وقد جمعت كل ذلك مع كلام العلماء عليه في جزء وأجبت فيه عما يوهم النهى عنه، وتعقبه ابن الحاج المالكيؒ في مدخله ورد عليه رداً بليغاً...وقال الإمام حجة الإسلام: القيام مكروه على سبيل الإعظام لا على سبيل الإكرام ولعله أراد بالإكرام القيام للتحية بمزيد المحبة كما تدل عليه المصافحة وبالإعظام التمثل له بالقيام وهوجالس على عادة الأمراء الفخام والله أعلم بكل حال ومقام. (مرقاۃ المفاتیح : ۹/ ۸۳،باب القیام ، امدادیہ ، ملتان)۔

قال فى الدرالمختار : وفى الوهبانية: يجوز بل يندب القيام تعظيماً للقادم كما يجوز القيام ولو للقارى بين يدى العالم. وفى ردالمحتار: أى إن كان ممن يستحق التعظيم قال فى القنية: قيام الجالس فى المسجد لمن دخل عليه تعظيماً وقيام قارى القرآن لمن يجيء تعظيماً لا يكره إذا كان ممن يستحق التعظيم وفى مشكل الآثار القيام لغيره ليس بمكروه لعينه إنما المكروه محبة القيام لمن يقام له فإن قام لمن لايقام له لايكره ، قال ابن وهبان : أقول: وفى عصرنا ينبغي أن يستحب ذلك أى القيام لما يورث تركه من الحقد والبغضاء والعداوة لاسيما إذاكان فى مكان اعتيد فيه القيام وماورد من التوعد عليه فى حق من يجب القيام بين يديه كما يفعله الأعاجم . قلت: يؤيده ما فى العناية وغيرها عن الشيخ الحكيم أبى القاسم كان إذا دخل عليه غني يقوم له ويعظمه ولايقوم للفقراء وطلبة العلم فقيل له فى

ذلک فقال: الغني يتوقع مني التعظيم فلو تركته لتضرر و الفقراء و الطلبة إنما يطمعون في جواب السلام و الكلام معهم في العلم وتمام ذلک في رسالة الشرنبلالي. (الدرالمختار مع ردالمحتار:٦/٣٨٤،سعيد).

قال الطحطاوی :وفی البزازية : يندب القيام عند سماع الأذان . (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص١٣٥،ط:بولاق).

تکملہ فتح الملہم میں مرقوم ہے:

وجملة القول فی هذه المسئلة أن القيام علی أقسام :

(١) أن يكون السيد جالساً ، ويتمثل له الحضرون قياماً طوال مجلسه ، وهوممنوع بنص الحديث لأنه دأب الأعاجم المتكبرين ، ولاخلاف فی عدم جوازه .

(٢) أن يقوم الناس لقادم يحب أن يقوموا له تكبراً وتعاظماً علی القائمين ، وهوممنوع أيضاً باتفاق العلماء .

(٣) أن يقوم الناس لمن ،لايتكبر ولايتعاظم علی القائمين ، ولكن يخشی أن يدخل نفسه بسبب ذلک مايحذر ، وهو مكروه .

(٤) أن يقوم الرجل لقادم من سفر فرحاً بقدومه ، ليسلم عليه، وهذا مندوب ولاخلاف فی جوازه .

(٥) أن يقوم الرجل لمن حصلت له نعمة ، فيهنئه عليها، وهومندوب أيضاً.

(٦) أن يقوم الرجل لمن أصابته مصيبة فيسليه عليها ، وهومندوب أيضاً.

(٧) أن يقوم الرجل لمن دخل عليه علی سبيل البر والإكرام لمن لايريد منه ذلک .

وهذا القسم السابع موضع خلاف بين العلماء ، فأجازه بعضهم ومنعه بعضهم .

...ومن كرهه استدل بحديثين : ١ــ عن أنس رضی اللہ عنہ قال: لم يكن شخص أحب إليهم من رسول الله صلی الله عليه وسلم وكانوا إذا رأوه لم يقوموا له مما يعلمون من كراهته لذلک . أخرجه الترمذی ، وقال حسن صحيح غريب .

٢ــ عن أبي مجلز قال: خرج معاوية رضی اللہ عنہ علی ابن الزبير وابن عامر ، فقام ابن عامر ،

وجلس ابن الزبير فقال معاوية لابن عامر: اجلس فإني سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من أحب أن يتمثل له الرجال قياماً فليتبوأ مقعده من النار.

وأجاب المجوزون عن الحديث الأول بأن مجرد ترك النبى صلى اللّٰه عليه وسلم بعض الأفعال لايدل على عدم جوازها . وعن الثانى بأن المرفوع منه محمول على الصورة الأولى من القيام وأما أمرمعاوية رضي الله عنه لابن عامر بالجلوس ، فاحتياط منه ، ليخرج عن كل شائبة من مخالفة هذا الحديث المرفوع .

واحتج المجوزون بحديث الباب ، وبأن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم كان يقوم لفاطمة .... الخ. (تكملة فتح الملهم:۳/۱۲٦،ط: دارالعلوم كراتشى).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

بڑوں کے لیے قیام کرنا درست بلکہ مستحسن ہے،مہمان کا اکرام چاہئے۔

دوسری جگہ فرمایا: اگرحضرت مہتمم صاحب اورحضرت شیخ یا کوئی بھی بزرگ تشریف لائیں تو ان کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا تقاضائے ادب اور مستحب ہے،لیکن اگر ان کو اس قیام سے اذیت ہو اور وہ منع کریں تو قیام نہیں کرنا چاہئے ،اذیت سے بچانا واجب ہے، جیسے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ کو دیکھ کر سب کھڑے ہوگئے ،اس پر قیام سے منع فرمادیا، پھر اس کے بعد تشریف لاتے ہوئے دیکھتے تو ناگواری کا لحاظ رکھتے ہوئے قیام نہیں کیا کرتے تھے۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۱۲۱،۱۲۲، جامعہ فاروقیہ)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے: (اعلاء السنن:۱۷/۴۲۲۔۴۲۴، ط: ادارۃ القرآن، وفتح البارى : ۱۱/۴۹۔۵۴ ، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم قوموا الى سيدكم ، وامدادالفتاویٰ: ٤/۲۷۳۔۲۷٤، وفتاویٰ محموديه مع التعليقات: ۱۹/۱۲۲۔۱۲٤۔جامعه فاروقيه، وبذل المجهود:۱۳/٦۰۰۔٦۰۲،ط: دارالبشائرالاسلامية، وتحفة الاحوذی:۸/۲۵۔۲۷، ط: بيروت). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ وللہ الأسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا، وذروا الذین یلحدون فی أسمائہ ﴾. (الأعراف).

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "إن أحب أسمائکم إلی اللہ: عبد اللہ وعبد الرحمن". (رواہ مسلم).

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:
"تسموا بأسماء الأنبیاء وأحب الأسماء إلی اللہ عبد اللہ وعبد الرحمن وأصدقھا حارث وھمام وأقبحھا حرب ومرۃ".

(رواہ ابوداود).

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "تدعون یوم القیامۃ بأسمائکم وأسماء أبائکم فأحسنوا أسمائکم". (رواہ احمد وابوداود).

باب ...... (۷)

ما یتعلق بأحکام الأسامی والألقاب

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: أخنی الأسماء یوم القیامۃ عند اللہ رجل یسمی ملک الأملاک". (رواہ البخاری).

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت: إن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یغیر الاسم القبیح. (رواہ الترمذی).

نام اور القاب سے متعلق احکام کا بیان

اسمائے حسنیٰ میں ''الرب المقسط'' کا حکم:

سوال: اسمائے حسنیٰ میں کسی جگہ ''المقسط الجامع الغنی'' سے پہلے ''الرب'' کا لفظ وارد ہوا ہے یا نہیں؟ بعض جگہ یہ لفظ سنا گیا ہے۔کیا یہ اضافہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اسمائے حسنیٰ کی مشہور روایت جو ترمذی وغیرہ کتبِ حدیث میں مذکور ہے اس میں ''الرب'' کا لفظ مذکور نہیں ہے البتہ ابن ماجہ اور حاکم کی روایت میں یہ لفظ مع دیگر الفاظ کے موجود ہے۔لیکن المقسط سے پہلے نہیں بلکہ دوسری جگہ مذکور ہے،اس کی ترتیب ملاحظہ کیجئے۔

سنن ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن أبي هريرة ﷺ أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: " إن للّٰه تسعة وتسعين اسماً، مائة إلا واحداً ، إنه وتر يحب الوتر، من حفظها دخل الجنة ، وهي اللّٰه الواحد الصمد الأول الآخر الظاهر الباطن الخالق البارئ المصور الملک الحق السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار المتكبر الرحمن الرحيم اللطيف الخبير السميع البصير العليم العظيم البار المتعال الجليل الجميل الحي القيوم القادر القاهر العلى الحكيم القريب المجيب الغني الوهاب الودود الشكور الماجد الواجد الوالى الراشد العفو الغفور الحليم الكريم التواب الوب المجيد الولى الشهيد المبين البرهان الرؤوف الرحيم ...الخ .

رواه ابن ماجه ، (رقم: ۳۸۶۱، باب أسماء الله عزوجل) **، وقال في الزوائد: لم يخرج أحد من الأئمة الستة عدد أسماء اللّٰه الحسنى من هذا الوجه ولا من غيره غير ابن ماجة والترمذى، مع تقديم وتأخير، وطريق الترمذي أصح شيء في الباب ، قال: وإسناد طريق ابن ماجة**

ضعيف لضعف عبد الملك بن محمد .

حاکم کی روایت مستدرک میں ہے ملاحظہ ہو:

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن لله تسعة وتسعين اسماً من أحصاها دخل الجنة : الله الرحمن الرحيم الإله الرب الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار المتكبر الخالق البارئ المصور الحليم العليم السميع البصير الحي القيوم الواسع اللطيف...الخ. (اخرجه الحاكم في المستدرك: ١/١٧، رقم: ٤٢).

قلت: في إسناده: عبد العزيز بن الحصين ؛ قال مسلم فيه: ذاهب الحديث، وقال البخاري: ليس بالقوى، وقال: متروك الحديث، وضعفه على ويحيى، وقال مرة: لايساوي حديثه شيئاً ليس بشيء، وقال ابن حبان: يروى المقلوبات عن الأثبات والموضوعات عن الثقات؛ فلا يجوز الاحتجاج به . (البدر المنير: ٩/٤٨١، ط:الرياض).

وكذا أخرجه البيهقي في الاعتقاد، (رقم: ١٦)، وأورده السيوطي في الجامع الصغير (رقم: ٢٣٦٨)، وعزاه إلى أبي الشيخ ابن حبان وابن مردويه في التفسير، وأبي نعيم في الأسماء عن أبي هريرة رضي الله عنه و رمز له بالضعف).

خلاصہ یہ ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے اور اس کی ترتیب بھی مشہور روایت کے خلاف ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

یا قاضی الحاجات کے لفظ سے پکارنے کا حکم:

سوال: اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ جو احادیث میں وارد ہیں ان ناموں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارنے میں کوئی حرج نہیں جیسے یا رحمٰن، یا رحیم، یا کریم، لیکن اگر کوئی شخص ان اسمائے حسنیٰ کے علاوہ دیگر صفاتی نام سے اللہ تعالیٰ کو پکارے مثلاً: یا قاضی الحاجات، یا دامع البلیات تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: امام رازیؒ نے شرح اسماء اللہ تعالیٰ میں لکھا ہے کہ جو صفات اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہوں لیکن وارد نہ ہوں ان کا استعمال بطورِ صفت جائز ہے بطورِ نام نہیں یعنی ان کو اسمائے حسنیٰ نہیں کہنا چاہئے اور ان میں ''یا'' کا استعمال نہ کریں مثلاً: یا میسر کل عسیر نہ کہیں بلکہ یہ کہیں: اللّٰهم سهل على العسر فإنك ميسر كل عسير، اللّٰهم اقض حاجاتنا فإنك قاضي الحاجات، یعنی بطورِ خبر استعمال کرنا صحیح ہے۔

حضرت شیخ زکریاؒ نے واللہ الطبیب کے ذیل میں ”التقریر الرفیع لمشکاۃ المصابیح“ میں لکھا ہے:

يشكل عليه أن إطلاق الطبيب عليه تعالیٰ لايصح لأن أسماء ه توقيفية وهذا ماقال خيالي حاشية شرح العقائد وأجيب بأن المراد من الممانعة هوالنداء بذلک الاسم مثل ياطبيب وأما الاتصاف فيجوز... الخ .

اس کی تعلیق میں بیہقی کی الاسماء والصفات کے حوالہ سے لکھا ہے: **فأما صفة تسمية الله جل ثناؤه فهي أن يذكر ذلک في حال الاستشفاء مثل أن يقال: اللّٰهم أنت المصح والممرض والمداوی والطبيب و نحو ذلک فأما أن يقال: يا طبيب كما يقال: يا رحيم أو يا حليم أو يا كريم فإن ذلک مفارقة لآداب الدعاء .** (الاسماء والصفات للبیهقی:۱/۲۱۷، كذا فی تعلیق التقریر الرفیع لمشكاة المصابیح:۳/۲۹۸).

لیکن علامہ آلوسیؒ کے نزدیک جن صفات سے اللہ تعالیٰ موصوف ہیں جیسے قضائے حاجات اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس کو بطورِ اسم صفتی استعمال کر سکتے ہیں لیکن اس میں خوب احتیاط کی ضرورت ہے کہ اس صفت میں نقص کا پہلو نہ ہو اور دلیل یہ بیان فرمائی ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا حکم ہے تو جس صفت میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہو اس کو بطورِ اسم استعمال کرنے کی اجازت ہوگی اور وہ صفاتی نام کی طرح ہوگا علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

واختلفوا حيث لا إذن ولا منع في جواز إطلاق ما كان سبحانه وتعالیٰ متصفاً بمعناه ولم يكن من الأسماء الأعلام الموضوعة في سائر اللغات إذ ليس جواز إطلاقها عليه تعالیٰ محل نزاع لأحد، ولم يكن إطلاقه موهماً نقصاً بل كان مشعراً بالمدح فمنعه جمهور أهل الحق مطلقاً للحظر، وجوزه المعتزلة مطلقاً، ومال إليه القاضي أبوبكر لشيوع إطلاق نحو خدا وتكری من غير نكير فكان إجماعاً ورد بأن الإجماع كاف فی الإذن الشرعي إذا ثبت... وذكر فی شرح المواقف: أن القاضی أبابكر ذهب إلى أن كل لفظ دل على معنى ثابت للّٰه تعالیٰ جاز إطلاقه عليه إذا لم يكن موهماً لما لايليق بذاته تعالیٰ ثم قال: وقد يقال: لابد مع نفی ذلک الإيهام من الإشعار بالتعظيم حتى يصح الإطلاق بلا توقف وجعل مذهب المعتزلة غير مذهبه والمشهور ما ذكرناه .

وفصل الغزالي قدس سره فجوز إطلاق الصفة وهو ما دل على معنى زائد على الذات

ومنع إطلاق الاسم وهو ما يدل على نفس الذات محتجاً بإباحة الصدق و استحبابه و الصفة لتضمنها النسبة الخبرية راجعة إليه وهي لا تتوقف إلا على تحقق معناها بخلاف الاسم فإنه لايتضمن النسبة الخبرية ...

هذا ومن الناس من قال: إن الألفاظ الدالة على الصفات ثلاثة أقسام: الأول ما يدل على صفات واجبة وهو أصناف: ...منها ما يصح مضافاً غيرمفرد نحو يا منشئ الرفات ومقيل العثرات ...

والمختار عندي عدم توقف إطلاق الأسماء المشتقة الراجعة إلى نوع من الصفات النفسية والفعلية وكذا الصفات السلبية عليه تعالىٰ على التوقيف الخاص بل يصح الإطلاق بدونه لكن بعد التحرى التام وبذل الوسع فيما هو نص فى التعظيم والتحفظ إلى الغاية عما يوهم أدنى أدنى نقص معاذ اللّٰه تعالىٰ في حقه سبحانه لأنا مأذونون بتعظيم اللّٰه تبارك وتعالىٰ بالأقوال والأفعال ولم يحد لنا حد فيه فمتى كان فى الإطلاق تعظيم له عز وجل كان مأذوناً به والتكليف منوط بالوسع ﴿لايكلف اللّٰه نفساً إلا وسعها﴾ فبعد بذل الوسع فى التعظيم يرتفع الحرج . (روح المعانی: ۹/ ۱۲۱ـ۱۲۴،ط: دار التراث ، القاهره).

قال في تفسير المنار: وفصل الغزالى فجوز إطلاق الصفة ، وهي مادل على معنى زائد على الذات ، ومنع إطلاق الاسم وهو ما دل على نفس الذات . (تفسیرالمنار: ۹/ ۳۷۱،ط:الهيئة المصرية). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اسماء میں تخفیف کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کا نام عبدالرحمٰن ہے لیکن لوگ اس کو رحمٰن سے پکارتے ہیں تو کیا ان لوگوں کو منع کرنا چاہئے یا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں تحریر فرمایا ہے کہ چونکہ پکارنے والوں کی غرض اس لفظ سے عبدالرحمٰن اور عبدالغفور ہی ہوتی ہے صرف اختصار کے لیے ایسا کرتے ہیں اس لیے گناہِ کبیرہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ،البتہ ایسا کرنے میں ایک قسم کا سوءادب ہے اس لیے نامناسب ہے اور اسی بنا پر

آج کل ایسے نام رکھنا خلافِ اولیٰ ہے اور نامناسب ہیں کیونکہ عموماً لوگ ایسا اختصار کرتے ہیں باقی لفظ شکور اس میں تو کوئی مضائقہ ہی نہیں کیونکہ یہ لفظ حق تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں، اگر خود کسی کا نام ہی فقط شکور رکھ دیا جائے تو جائز ہے، ایسے ہی رحیم اور علی اور کبیر اور رشید وغیرہ جو اسمائے الٰہیہ میں سے ہیں لیکن مخصوص بذاتِ حق تعالیٰ نہیں وہ بھی اگر کسی کا نام رکھ دیں تو جائز ہے۔

قال في العالمكيرية في الباب الثاني والعشرين من كتاب الكراهة : أحب الأسماء إلى الله تعالىٰ عبد الله وعبد الرحمن لكن التسمية بغير هذه الأسماء في هذا الزمان أولى لأن العوام يصغرون هذا الأسماء للنداء والتسمية باسم يوجد في كتاب الله كالعلي والكبير والرشيد والبديع جائز لأنه من الأسماء المشتركة . (امدادالمفتین ،جلدِ دوم ص۸۵۳،دارالاشاعت).

امام قرطبیؒ الجامع لاحکام القرآن میں فرماتے ہیں:

أكثر العلماء على أن "الرحمن" مختص بالله عز وجل، لا يجوز أن يسمى به غيره، ألا تراه قال: ﴿قل ادعوا الله أو ادعوا الرحمن﴾ [الاسراء: ۱۱۰] **فعادل الاسم الذى لايشركه فيه غيره ، وقال: ﴿واسأل من أرسلنا من قبلك من رسلنا أجعلنا من دون الرحمن الهة يعبدون﴾** [الزخرف:۴۵] **فأخبر أن "الرحمن" هو المستحق للعبادة جل وعز، وقد تجاسر مسيلمة الكذاب ـ لعنه الله ـ فتسمى برحمان اليمامة ، ولم يتسم به حتى قرع مسامعه نعت الكذاب فألزمه الله تعالىٰ نعت الكذاب لذلك، وإن كان كل كافر كاذباً ، فقد صار هذا الوصف لمسيلمة علماً يعرف به ، ألزمه الله إياه، وقد قيل في اسمه الرحمن : إنه اسم الله الأعظم ؛ ذكره ابن العربي .** (الجامع لاحکام القرآن : ۷۵/۱).

(وكذا في تفسيرابن كثير:۲۳/۱ ، والموسوعة القرآنية، ص۳۷۶۹، وتفسيرآيات الاحكام).

ملاعلی قاریؒ نے ضوء المعالی میں تحریر فرمایا ہے:

قلت: المختص المعرف بالألف واللام دون غيره). (ضوء المعالی،ص).

ملاعلی قاریؒ کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے وہ معرف بہ الف لام ہے یعنی ''الرحمٰن''، لیکن بغیر الف لام کے فقط ''رحمٰن'' یہ عام لفظ ہے۔

علامہ شامیؒ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے:

والرحمن لفظ عربي، وقيل معرب عن رخمان بالخاء المعجمة لإنكار العرب حين سمعوه ورد بأن إنكارهم له لتوهمهم أنه غيره تعالىٰ في قوله: ﴿قل ادعوا الله او ادعوا الرحمن﴾، وذهب الأعلم إلى أنه علم كالجلالة لاختصاصه به تعالىٰ وعدم إطلاقه على غيره تعالىٰ معرفاً ومنكراً ... قال السبكي: والحق أن المنع شرعي لا لغوي، وأن المخصوص به تعالىٰ المعرف. (فتاوى الشامي: ۱/۷،سعيد).

احسن الفتاویٰ میں مطلقاً کراہت کا قول مرقوم ہے۔ملاحظہ ہو:

چونکہ ایسے اسماء میں مضاف محذوف معنوی ہوتا ہے اس لیے جائز تو ہے مگر کراہت سے خالی نہیں بالخصوص ان اسماء میں جو صرف ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں جیسے غفار، رحمٰن وغیرہ ان میں حذفِ مضاف زیادہ قبیح ہے۔(احسن الفتاویٰ:۸/۱۷۶)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن میں بھی ناجائز اور گناہ لکھا ہے۔ملاحظہ ہو:(معارف القرآن:۱/۷۶)۔

لیکن امداد المفتیین چونکہ خاص فتاویٰ کی کتاب ہے اس میں تخفیف موجود ہے نیز ملا علی قاریؒ اور علامہ شامیؒ کی عبارات بھی جواز پر دال ہیں اور چونکہ عوام الناس بلا معنی و مطلب کی رعایت کے اس طرح ناموں میں تخفیف کرتے ہیں بنابریں اس بارے میں زیادہ تشدد نہیں کرنا چاہئے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عبدالمطلب نام رکھنے کا حکم:

سوال: عبدالمطلب نام رکھنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اور اس نام کا مطلب کیا ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی کا نام عبدالمطلب تھا اور آپ نے تبدیل نہیں فرمایا، اس لیے عبدالمطلب نام رکھنا درست ہے، اور اس کا آسان مطلب یہ ہے کہ مطلب یعنی چچا کا خادم تو تفاولاً اگر یہ نام رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بڑوں کا خادم بنادے تو درست ہوگا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے موقع پر یہ شعر پڑھا تھا۔

أناْ النبي لا كذب ☆ أنا ابن عبد المطلب

اس میں آپ نے دشمنوں کو چیلنج کرتے ہوئے فرمایا کہ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، نیز صحابی کا نام بھی

عبدالمطلب تھا بنابریں اس نام کے رکھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے اس نام کا رکھنا درست اور جائز ہے۔

ابن حزمؒ نے ان تمام ناموں کو ممنوع قرار دیا ہے جس سے غیر اللہ کی عبادت کا شائبہ ہو سوائے عبدالمطلب کے لیکن ابن قیم نے منع کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تحفۃ المودود فی احکام المولود میں مرقوم ہے:

وأما المكروه منها والمحرم فقال: أبومحمد بن حزمؒ اتفقوا على تحريم كل اسم معبد لغير الله كبعد العزى وعبد هبل وعبد عمرو وعبد الكعبة وما أشبه ذلک حاشا عبد المطلب انتهى، فلا تحل التسمية بـ عبد علي ولا عبد الحسين ولا عبد الكعبة وقد روى ابن أبي شيبة حديث يزيد بن المقدام بن شريح عن أبيه عن جده هانئی بن يزيد قال: وفد على النبي صلى الله عليه وسلم قوم فسمعهم يسمون عبد الحجرفقال له: ما اسمک فقال: عبد الحجر، فقال له الرسول صلى الله عليه وسلم: إنما أنت عبد الله فإن قيل: كيف يتفقون على تحريم الاسم المعبد لغير الله وقد صح عنه أنه قال: تعس عبد الدينار تعس عبد الدرهم تعس عبد الخميصة تعس عبد القطيفة وصح أنه قال: أنا النبي لا كذب...أنا ابن عبد المطلب. ودخل عليه رجل وهوجالس بين أصحابه فقال: أيكم ابن عبد المطلب النبي فقال: هذا وأشاروا إليه؟

فالجواب: أما قوله: تعس عبد الدينار فلم يرد به الاسم وإنما أراد به الوصف والدعاء على من يعبد قلبه الدينار والدرهم فرضى بعبودتها عن عبودة ربه تعالىٰ وذكر الأثمان والملابس وهما جمال الباطن والظاهر.

أما قوله: أنا ابن عبد المطلب فهذا ليس من باب إنشاء التسمية بذلک وإنما هو باب الإخبار بالاسم الذى عرف به المسمى دون غيره والأخبار بمثل ذلک على وجه تعريف المسمى لايحرم ولا وجه لتخصيص أبي محمد بن حزم ذلک بعبد المطلب خاصة فقد كان الصحابة يسمون بني عبد الشمس وبنى عبد الدار باسمائهم ولاينكر عليهم النبي صلى الله عليه وسلم فباب الإخبار أوسع من باب الإنشاء فيجوز مالا يجوز فى الإنشاء.

(تحفة المودود باحكام المولود،ص ۷۲).

عبدالمطلب بن ربیعہ صحابی کا نام تھا رشتہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھتیجہ تھے آپ نے ان کا نام تبدیل

نہیں فرمایا۔ ملاحظہ کیجئے:

قال الإمام البيهقي: وروينا عن عبد المطلب بن ربيعة بن الحارث، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: إن هذه الصدقة إنما هي أوساخ الناس، ولايحل لمحمد ولا لآل محمد. (السنن الصغرى، رقم: ۱۳۱۱، ومسلم: ۱۰۷۲).

قال الإمام المزى في تهذيب الكمال: عبد المطلب بن ربيعة بن الحارث بن عبد المطلب بن هاشم القرشي الهاشمي له صحبة وهوبن بن عم رسول الله صلى الله عليه وسلم وأمه أم الحكم بنت الزبير بن عبد المطلب وكان جده الحارث أكبرولد عبدالمطلب وبه كان يكنى سكن المدينة ثم انتقل إلى الشام في خلافة عمر بن الخطاب رضي الله عنه فسكن دمشق وكانت داره بزقاق الهاشميين الذى فيه الحمام المعروف بالحمام الجديد روى عن النبي صلى الله عليه وسلم (م ،د، س) وعن علي بن أبي طالب رضي الله عنه (عس) . (تهذيب الكمال: ۱۸/۲۷۸/۳۵۱۲).

وقال الحافظ الذهبي في سير أعلام النبلاء : قال مصعب الزبيرى : أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم أباسفيان بن الحارث أن يزوج بنته بعبد المطلب بن ربيعة ، ففعل، وقال شباب : توفى عبد المطلب فى دولة يزيد . (سیراعلام النبلاء: ۳/۱۱۳/۲۲).

اگراس نام میں کوئی خرابی ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور تبدیل فرمادیتے۔ جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام عبدالکعبہ تھا آپ نے عبداللہ سے تبدیل فرمایا۔ ہاں جن ناموں میں شرکیہ معنی ہومثلاً: عبدشمس، عبدالعزی، عبدہبل وغیرہ تو ایسے نام رکھنا جائز نہیں ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سبحان اللہ نام رکھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کے ہاں بچہ پیدا ہوا وہ اپنے بچہ کا نام سبحان اللہ رکھنا چاہتا ہے تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی حکم شرعی سے مطلع فرمائیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سبحان اللہ تو کلمہ ہے انسان نہیں ہے۔

الجواب: سبحان اللہ یہ تقدیراً جملہ فعلیہ ہے اس کی ترکیب اس طرح ہے **سَبَّحَ یا یُسَبِّحُ سبحان الله ، یسبح** فعل بافاعل اور سبحان اللہ مفعول مطلق ہے، مطلب یہ ہوگا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتا ہے

اچھی طرح، اور یہ بات تو عجیب ہے کہ سبحان اللہ کلمہ ہے انسان نہیں ہے کیونکہ آدمی بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھنے کی وجہ سے یسبح سبحان اللہ بن گیا اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی کہے بلال نام نہ رکھو کیونکہ بلال پانی کی تری ہے انسان نہیں۔ہم کہتے ہیں کہ انسان بھی بلال ہے جب تری پہنچائے اور سخاوت کرے۔

اوضح المسالک میں ابن ہشام لکھتے ہیں:

وينقسم (العلَم) إلى مرتجل وهو: ما استعمل من أول الأمر علَماً كأدد لرجل وسعاد لامرأة ومنقول و هو الغالب و هوما استعمل قبل العلمية لغيرها ونقله اما من اسم إما لحدث كزيد وفضل أو لعين كأسد وثور ...واما من جملة اما فعلية كشاب قرناها أو اسمية كزيد منطلق ...وينقسم أيضاً إلى مفرد وإلى مركب وهوثلاثة أنواع مركب إسنادى كبرق نحره، وشاب قرناها ، وهذا حكمه حكم الحكاية . (اوضح المسالك ،ص ۷۹).

المعجم المفصل فى النحو العربى میں مرقوم ہے:

العلَم المركب الإسنادى وهو الذى يتكون من جملة فعلية مثل جاد الله وجاد الحق وأطلق هذا التركيب الإسنادى علَماً لشخص وقد يكون المركب علَماً لمدينة مثل سر من رأى . (المعجم المفصل فى النحو العربى: ۶۹۲).

دوسری وجہ یہ ہے کہ باعتبارِ ترکیبِ اضافی بھی معنی صحیح اور درست ہے مثلاً: سبحان اللہ مثل احسان اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی پاکی ،اس طرح بہت سارے اسماء مستعمل ہیں، جیسے لطف اللہ، عتیق اللہ، شرف اللہ، لہٰذا اس اعتبار سے نام رکھنا جائز اور درست ہوگا۔واللہ ﷻ اعلم۔

فضل سبحان اور عبد سبحان نام رکھنے کا حکم:

سوال: فضل سبحان اور عبد سبحان نام رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ عبد اور فضل کی اضافت سبحان کی طرف درست نہیں ہے، کیونکہ سبحان، اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں شامل نہیں ہے۔بایں وجہ ایسے نام نہیں رکھنے چاہئے۔

ملاحظہ ہو علامہ عبد الحی لکھنویؒ سعایہ میں سبحان کے بارے میں لکھتے ہیں:

فمنهم من قاله: إنه مصدر سبح لازماً...ومنهم من قال: إنه علم للتسبيح دائماً

وهو علم جنس كأسامة للأسد ... ومنهم من قال: إن سبحان اسم مصدر بمعنى التسبيح وليس بعلم . (السعاية:٢/١٦٣).

تاج العروس میں علامہ سید مرتضیٰ زبیدی فرماتے ہیں:

قال شيخنا: يريد أنه علَم جنس على التسبيح كبرة علَم على البر ونحوه من أعلام الأجناس الموضوعة للمعانى . (تاج العروس:٢/١٥٢).

قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں:

سبحان مصدر كغفران ولا يكاد يستعمل إلا مضافاً منصوباً بإضمار فعله كمعاذ اللّٰه.

(تفسير البيضاوى، ص٢٥).

علامہ لکھنوی کی عبارت بطورِ قول فیصل ملاحظہ کیجئے:

والحق الحقيق بالقبول في هذا الباب ما أشار إليه القاضى البيضاوى فى تفسير سورة الإسراء وغيره من المحققين هو أن سبحان وإن كان فى الأصل مصدر سبح كغفران مصدر غفر إلا أنه صار اسماً بمعنى التسبيح كالكفران صار اسماً للتكفير وهذا عند الإضافة كما فى سبحانك اللّٰهم ونحوه وقد يستعمل علَماً له فيقطع عن الإضافة . (السعاية:٢/١٦٤).

نیز علامہ لکھنویؒ فرماتے ہیں عبد اور فضل کی نسبت اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف درست نہیں۔ملاحظہ ہو:

ومن ههنا وضح لك أن تسمية العوام أطفالهم بعبد السبحان مما لامعنى لها ويجب نهيهم عنها فإن العبودية لا تضاف إلا إلى اسم من أسماء اللّٰه تعالىٰ والسبحان ليس علَماً له تعالىٰ ولا وصفاً له بل هو مصدر فاحفظه فإنه من الفوائد النفسية . (السعاية: ٢/١٦٤).

فتاویٰ بزازیہ میں مرقوم ہے:

التسمية باسم لم يذكره اللّٰه تعالىٰ ورسوله في عباده ولايستعمله المسلمون الأولى أن لايفعل . (الفتاوى البزازية بهامش الهندية:٦/٣٧٠). (وكذا فى ردالمحتار: ٦/٤١٧، سعيد).

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے بھی بحوالہ سعایہ ممنوع لکھا ہے۔ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ:١٩/٣٨٦، جامعہ فاروقیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نصر اللہ نام رکھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنے بچہ کا نام نصر اللہ رکھا، لوگ اس پر معترض ہیں، کہ اللہ کی مدد کا کیا مطلب ہے؟ اب سوال یہ ہے کہ کیا اس نام کو بدلنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اس نام کو بدلنے کی ضرورت نہیں، اس کا مطلب ناصر لدین اللہ ہے یعنی یہ شخص اللہ تعالیٰ کے دین کا مددگار رہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ **إن تنصروا اللّٰه ينصركم ويثبت أقدامكم** ﴾ [سورة محمد].

روح المعانی میں مذکور ہے: **إن تنصروا اللّٰه أي دينه ورسوله...فنصرته سبحانه نصرة رسوله ودينه** . (روح المعاني : ٢٦/ ٤٣).

بیان القرآن میں ہے: تم اللہ کے دین کی مدد کروگے۔ (بیان القرآن:)۔

یعنی نصر مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے اور دین محذوف ہے اس کو علمِ بلاغت میں مجاز بالحذف کہتے ہیں۔ البلاغۃ العربیہ میں مرقوم ہے:

القسم الرابع: المجاز المرسل القائم على التوسع في اللغة دون ضابط معين، ومنه المجاز بالحذف أو بالزيادة ، فالحذف يكون للإيجاز ، كحذف كلمة يوجد ما يدل عليها، أو حذف جملة أو أكثر. (البلاغة العربية، ص٦٦٦).

اسی طرح نصر اللہ مفعول کے معنی میں بھی آ سکتا ہے یعنی منصور من اللہ جیسے عون المعبود یعنی معان و منصور من اللہ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس بچہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال رہے گی۔ نیک تفاؤل ہے۔

خلاصہ یہ ہے اس نام کو بدلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

محمد نام کے فضائل میں احادیث کی تحقیق:

سوال: محمد نام کے فضائل جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں، کیا یہ ثابت ہیں یا نہیں؟ یعنی احادیث پایۂ ثبوت تک پہونچتی ہیں یا نہیں؟ بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب: محمد نام کے فضائل کے بارے میں مختلف احادیث وارد ہوئی ہیں لیکن محدثین کے نزدیک اکثر احادیث پایہ صحت تک نہیں پہنچتیں، ہاں بعض میں ہلکا ضعف ہے، اور بعض موضوع ہیں۔ شیخ محدث ابن

بکیر نے ایک رسالہ بنام " فضائل التسمية بأحمد ومحمد" تالیف فرمایا ہے۔

محمد اور احمد نام کے فضائل کے بارے میں علمائے حدیث کے اقوال ملاحظہ کیجئے:

قال ابن عراق الكناني:

قال الأبي: لم يصح في فضل التسمية بمحمدحديث، بل قال الحافظ أبوالعباس تقي الدين الحراني: كل ما ورد فيه فهو موضوع ، قال شيخنا الحلبي: لكن قال بعض الحفاظ وأصحها أى أقربها إلى الصحة حديث" من ولد له مولود وسماه محمداً حباً لي وتبركاً باسمي كان هو ومولوده في الجنة " انتهى، رواه الرافعي عن أبي أمامة. (تنزيه الشريعة المرفوعة:١/١٧٤،بيروت).

قال أبوحاتم الرازي: قد ورد في هذا الباب أحاديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس فيها ما يصح. (المغنى عن الحفظ والكتاب ،ص٢٩،باب فى التسمية بمحمد او احمد،ط:بيروت).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے: (الموضوعات لابن الجوزى :١/١٥٤-١٥٨، باب التسمية بمحمد،ط: دارالفكر، وتنزيه الشريعة المرفوعة عن الاحاديث الشنيعة الموضوعة ، جلد اول ،ص ١٧٢و١٧٣و ١٧٤و١٧٥و ١٩٦و١٩٧و١٩٨و١٩٩و٢٢٦،ط:بيروت، والموضوعات الكبرى لملا على القارى، ص٣٠٩-٣١٠،ط: قديمى كتب خانه ، والمنار المنيف، ص٥٧).

ملاعلی قاری موضوعاتِ صغریٰ میں لکھتے ہیں: **ومنها الأحاديث التي تروى في التسمية بأحمد لا يثبت منها شيء .** (المصنوع فى معرفة الحديث الموضوع،ص٢٤٨) اس کی تعلیق میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ لکھتے ہیں: **ومثلها فى البطلان الأحاديث في فضل التسمية بمحمد كما قاله ابن الجوزى فى الموضوعات** (١-١٥١،١٥٨) **وابن القيم الجوزية فى المنار المنيف** (٥٧ و ٦١) **والمؤلف فى آخر الموضوعات الكبرى فى الفصل الثامن منها وقول السيوطى فى الحاوى للفتاوى** (٢-١١٥) **فى أواخر الدرة التاجية : وسنده عندي على شرط الحسن من تساهلاته المعروفة.**

(تعليق المصنوع ،ص٢٤٨).

فقہاء کی عبارات ملاحظہ کیجئے۔علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قال ابن عابدين الشاميؒ: وتفضيل التسمية بهما (عبد الله وعبد الرحمن) محمول

علی من أراد التسمي بالعبودية لأنهم كانوا يسمون عبد شمس وعبد الدار فلا ينافي أن اسم محمد وأحمد أحب إلى الله تعالىٰ من جميع الأسماء فإنه لم يختر لنبيه إلاما هو أحب إليه هذا هو الصواب ولا يجوز حمله على الإطلاق، وورد من ولد له مولود...قال السيوطي: هذا أمثل حديث ورد في هذا الباب وإسناده حسن . (فتاوی الشامی: ۶/۴۱۷،سعید).

لیکن اس کی سند میں حامد بن حماد عسکری پر کلام ہے۔میزان الاعتدال میں حافظ ذہبیؒ نے اس کواس موضوع خبر کا راوی قرار دیا ہے۔ (میزان العتدال:۱/۴۴۷).

إعانة الطالبين میں ہے:

قوله بل جاء في التسمية بمحمد فضائل عليه منها...فينبغي أن لايخلى الشخص أولاده من اسم محمد و يلاحظ في ذلك عود بركة اسمه صلى الله عليه وسلم قال الشافعيؒ لما ولد له ولد وسماه بمحمد: سميته بأحب الأسماء إلي . (اعانة الطالبين: ۲/۳۳۷، ط: بیروت). (و کذا فی حواشی الشروانی :۹/۳۷۳،ونهاية المحتاج :۸/۱۴۸،ط:دارالفکر،وتحفة المحتاج:۴۱/۱۹۰).

خلاصہ یہ ہے کہ بعض محدثین کا علی الاطلاق یہ کہنا کہ اس باب کی تمام احادیث موضوع ہیں یہ محل نظر ہے ہاں بعض احادیث موضوع ہیں بعض میں شدید ضعف ہے اور بعض میں کم۔نیز فضائل کا باب اوسع ہے اس میں ضعیف احادیث پر عمل کر سکتے ہیں لہذا بطورِ تبرک محمد نام رکھنا درست ہے لیکن صرف نام کو جنت کا سرٹیفکٹ سمجھ لینا درست نہیں ہے جزا اور سزا اعمال پر مرتب ہوتی ہے۔ملاحظہ ہو سبل السلام کے حاشیہ میں مرقوم ہے:

مجرد التسمي باسم الرسول صلى الله عليه وسلم [بأبي هو وأمي] لا يكفي في دخول الجنة ، وإنما الاقتداء به في آدابه وأخلاقه وأعماله هو السبب الصحيح لدخول الجنة ، وفي القرآن مئات الآيات المنادية بأن الجنة إنما هي لمن آمن وعمل صالحاً ...

(حاشية سبل السلام :۴/۱۹۴،ط: دارالکتاب العربی). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

انبیائے کرام کے نام پر نام رکھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنے بیٹے کا نام دانیال رکھنا چاہتا ہے تو دانیال کون تھے؟ اور اس نام کا معنی کیا ہے؟ اور کیا ایسا نام رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے نام رکھنا کیسا ہے؟ اوران کے معانی کیا

ہیں؟ مشہور اسماء، معانی کے ساتھ بتلا کر اجرِ عظیم کے مستحق ہوں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: حضرت دانیال علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے ایک مشہور نبی گزرے ہیں، بخت نصر کے زمانہ میں موجود تھے، بنابریں دانیال نام رکھنا درست ہے اسی طرح انبیاء کے نام پر نام رکھنے کو علماء نے جائز بلکہ مستحب قرار دیا ہے۔ہاں اس کے ساتھ بطورِ لاحقہ اور تمییز کوئی اور صفت ملا سکتے ہیں جیسے: محمد صالح محمد نافع وغیرہ تو عام بول چال میں صالح اور نافع بولا جائیگا اور اصل نام محمد ہوگا۔

انبیاء کے نام پر نام رکھنے کے بارے میں حدیث شریف وارد ہوئی ہے۔

امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے: **باب من سمی بأسماء الأنبياء وقال أنس رضی اللہ عنہ قبل النبي صلى الله عليه وسلم إبراهيم يعني ابنه** . اوراس باب میں بتلایا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے کا نام ابراہیم رکھا یعنی نبی کے نام پر نام رکھا، لہذا درست اور جائز بلکہ مستحب ہے۔اوراس باب کے تحت " **سموا باسمي** " والی روایات بھی نقل فرمائی ہے۔

أخرج البخاري عن جابر بن عبد الله الأنصاري رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سموا باسمي ولاتكتنوا بكنيتي فإنما أناْ قاسم أقسم بينكم . (رقم: ٦١٩٦).

وعن عدي بن ثابت قال: سمعت البراء رضی اللہ عنہ قال: لما مات إبراهيم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن له مرضعاً في الجنة . (رواه البخاری، ٦١٩٥).

عن أبي وهب الجشمي وكانت له صحبة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تسموا بأسماء الأنبياء، وأحب الأسماء إلى الله عبد الله وعبدالرحمن وأصدقها حارث وهمام وأقبحها حرب ومرة . (رواه ابوداود، رقم: ٤٩٥٢).

وأيضاً أخرجه النسائي، (رقم: ٣٥٦٥)، **وأبويعلى في مسنده وقال: حسين سليم أسد: رجاله ثقات،** (رقم: ٧١٦٩)، **وأحمد في مسنده**، (رقم:١٩٠٣٢)، **وقال شعيب الأرنؤوط: إسناده ضعيف لجهالة عقيل بن شبيب فقد تفرد بالرواية عنه ابن مهاجر وهوالأنصارى ولم يؤثر توثيقه عن غير ابن حبان** .

قال الإمام البغويؒ: قال حميد بن زنجويه: لابأس بأسماء الأنبياء، ويستحب أن يسمى بها . (شرح السنة:١٢/٣٣٥).

قال الإمام النوويؒ: (إنهم كانوا يسمون بانبيائهم و الصالحين قبلهم)استدل به جماعة على جواز التسمية بأسمائهم الأنبياء عليهم السلام وأجمع عليه العلماء إلا ما قدمناه عن عمر رضی اللہ عنہ وسبق تأويله وقد سمى النبي صلى الله عليه وسلم ابنه إبراهيم وكان في أصحابه خلائق مسمون بأسماء الأنبياء . (شرح مسلم: ١٤/١١٧).

وقال سعيد بن المسيب: أحب الأسماء إلى الله أسماء الأنبياء . (شرح صحيح البخارى لابن بطال:٩/٣٤٩).

التيسير بشرح الجامع الصغير میں ہے:

قوله :"تسموا بأسماء الأنبياء" لفظ أمر ومعناه: الإباحة لأنهم أشرف الناس وأسمائهم أشرف الأسماء ، فالتسمى بها شرف للمسمى . (التيسيرللمناوى:١/٩١٠).

فقہاء کی عبارات ملاحظہ کیجئے: **الموسوعة الفقهية** میں ہے:

وأما التسمية بأسماء الأنبياء فقد اختلف الفقهاء في حكمها، فذهب الأكثرون إلى عدم الكراهة ، وهو الصواب قال صاحب تحفة المحتاج : ولاتكره التسمية باسم نبي أو ملَک ، بل جاء فى التسمية باسم نبينا عليه الصلاة والسلام فضائل ومن ذلک مارواه العتبي أن أهل مكة يتحدثون: ما من بيت فيه اسم محمد إلا رأوا خيراً ورزقوا ، وذكر صاحب كشاف القناع من الحنابلة : أنه يحسن التسمية بالأنبياء...وقال سعيد بن المسيب: أحب الأسماء إلى الله أسماء الأنبياء وفي تاريخ ابن خيثمة : أن طلحة كان له عشرة من الولد ،كل منهم اسمه اسم نبي . (الموسوعة الفقهية: ١١/٣٣٣،وزارة الاوقاف).

وقال في مقام آخر: التسمى بأسماء الأنبياء ، لابأس بالتسمي بأسماء الأنبياء ، واستحبه بعض الفقهاء ، وقد ورد في ذلک حديث أبي وهب الجشمي... (الموسوعة الفقهية: ٥١/٤٠،ط: وزارة الاوقاف). **وللمزيد راجع** : (المجموع شرح المهذب:٨/٤٣٦،والمبدع شرح المقنع لابن مفلح الحنبلى:٣/٢٢٢، ط: دارعالم الكتب).

دانیال کا معنیٰ:

(۱) دانیال دان اور ایل سے مرکب ہے دان یعنی دنیا اور ایل اللہ تعالیٰ کے لیے آتا ہے مطلب یہ ہوگا کہ

کائنات اللہ تعالیٰ کے لیے ہے " الملک للّٰہ "۔

(۲) یادانی بمعنی قریب اور آل ایل کی طرح ایک لغت ہو، اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب۔

(۳) الحکم للّٰہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کے مطابق فیصلہ کرنے والے۔ (تاج العروس: ۷/۳۲۶)۔

نیز مزید کلام انبیائے کرام کے اسماء کی فہرست میں آرہا ہے۔ وہاں ملاحظہ کیجئے۔

انبیائے کرام کے اسماء ومعانی:

درجِ ذیل چند مشہور انبیاء علیہم السلام کے اسماء اور ان کے معانی بیان کیے جاتے ہیں۔

انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے اسماء اور ان کے معانی:

(۱) حضرت آدم علیہ السلام: اس کے معنی گندم گوں ہے نیز ادیم الارض سے ماخوذ ہے جس کے معنی روئے زمین سے پیدا ہونے والا۔ یہ مطلب اچھا ہے یعنی تواضع میں زمین کی طرح ہے۔

أول الخلق أبو البشر. بالانجليزية: [Adam] ومعناه: الأرض، وبالعبرية والعربية هو اسم عام للذكور، وهو أبوالبشر، من أديم الأرض ومعنى الأدمة: الحمرة، وقد ورد اسمه فى القرآن، ووردت قصته في سفر التكوين بالكتاب المقدس.

(۲) حضرت نوح علیہ السلام: مصالح، طویل العمر اور تسلی دینے والے، نیز نوح کے معنی رونے کے بھی آتے ہیں۔ بالإنجليزية: [Noah]

العبرية ...: ومعناه مسالم أو طويل العمر أومعزي ومسري، وهو نوح بن لامک بن متوشالخ بن إدريس بن يرد بن مهلابيل بن قينان بن آنوش بن شيث بن آدم وكان بين نوح وبين آدم ألف عام، فقد سأل رجل النبي صلى الله عليه وسلم عن الزمن الذى كان بينه وبين نوح فقال نبينا صلى الله عليه وسلم: عشرة قرون، وهو متشابه مع ناحوم ونحميا فى الأصل والمعنى. و ربما من النواح بالعربية أى كثرة البكاء، وقد ورد اسمه فى القرآن وسميت باسمه سورة كاملة، ووردت قصته في سفر التكوين بالكتاب المقدس.

(۳) حضرت ادریس علیہ السلام: بہت پڑھانے والے اور تجربہ کار۔

إدريس على وزن إفعيل من الدراسة أى كثير الدرس...مثل وزن إبليس لعنه الله، وهوجد أبي نوح أو أبو جد نوح.

بالإنجليزية : Enoch

عبرية... أخنوخ فى التوراة ومعناه (المكرس) والمدرب والمنذور والمحنك (حانوك) وهو أول من خط بالقلم وقد رفعه اللّٰه مكاناً علياً فى السماء الرابعة ، ويقال: إنه أوزيريس ، وقد ورد اسمه فى القرآن .

(۴) حضرت ہود علیہ السلام: ساتھی اور شریک اور رجوع کرنے والے۔

بالإنجليزية : [Eber] أو عابر . بالعبرية... تقسيم الاسم : هي ــ بير

ومعناه رفيق أو شريك أو الرفقة وهو هود بن شالخ بن أرفكشاد بن سام بن نوح ، وهو عند أهل الكتاب هو (عابر) وهومن الأنبياء العرب الذين قال عنهم نبينا صلى اللّٰه عليه وسلم: أربعة أنبياء من العرب: هود صالح وشعيب ونبيك يا أباذر ، وهو من العرب العاربة التي سبقت إسماعيل جد العرب المستعربة ، وقد ورد اسمه فى القرآن وسميت باسمه سورة كاملة ، و لعل اسم هود عربي فصيح معناه التائب و الراجع إلى الحق أوالتوبة و الرجوع للحق .

(۵) حضرت صالح علیہ السلام:۔

بالإنجليزية : Shelah

ومعناه من الصلاح ...اسم فاعل أو نعت صفة وهو عكس الفساد أو الطلاح ، و عكسه فاسد أو طالح ، وهو فى التوراة شالح بن ارفكشاد بن سام بن نوح ، ومعناه بالعبرية : مبعوث أو مرسل أو سلاح ، ورداسمه وقصته فى القرآن .

(٦) حضرت لوط علیہ السلام: چھپنے والے، اور اصلاح کرنے والے۔

بالانجليزية : Lot

يعنى (مستتر أو مختفى أو مغطى) وكان لوط ابن أخى إبراهيم ، وورد اسمه وقصته فى القرآن ، ووردت قصته في سفر التكوين بالكتاب المقدس .

(ے) حضرت ابراہیم علیہ السلام: عالی مرتبہ، اور رحم دل باپ۔

بالإنجليزية : Abraham تقسيم الاسم : آب ــ راهام .

ومعناه : (أب رحيم) وكان اسمه من قبل (آبرام) أى أبي عالي ومرتفع ولأنه سيد أمما عظيمة سماه الله (إبراهيم) ومعناه أبو الأمم وهو أبو الأنبياء وخليل الله ، ولأنه أواه كثير الجزع ، وهو إبراهيم بن تارح بن ناحور بن سروج بن رعو بن فالج بن عابر بن شالح بن أرفكشاد بن سام بن نوح ، ورد اسمه فى القرآن وله سورة كاملة باسمه ، وورد اسمه وقصته فى سفر التكوين بالكتاب المقدس .

(۸) حضرت اسرائیل علیہ السلام: دین کی خاطر جہاد کرنے والے اور باطل کا مقابلہ کرنے والے۔اور مفسرین نے ﴿يا بني إسرائيل اذكروا نعمتي التى أنعمت عليكم﴾ کے ذیل میں اس کے معنی عبداللہ یا صفوۃ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے چنے ہوئے ،لکھا ہے۔

هو اسم نبى الله يعقوب (Jacob) وهو النبي والبشر والوحيد الذى منح اسماً أو لقباً مضافاً لإيل مثل الملائكة ، (إسماعيل اسمه من الأصل مثل الملائكة وليس له لقب) وقد ورد اسمه الملائكي والعادي فى القرآن ، وهو ابن اسحاق بن إبراهيم ، ووردت قصته فى سفر التكوين بالكتاب المقدس .

بالإنجليزية : Israel تقسيم الاسم : إسرا ــ ئيل .

وئيل تعنى: الله وإسرا تعنى (مكافح . مجاهد . مصارع. مقاتل. محافظ) والأصوب هو مجاهد الله أى أنه الذي يجاهد لأجل الله واسمه العبرى هو (يعقوب Jacob) أو يعقوب) ومعناه يعقب أو يخلف أى يحل محل أو العاقب لأنه ولد ممسكا بعقب أخيه العيص (عيسو).

حضرت یعقوب علیہ السلام: پیچھے آنے والے، کیونکہ بشارت میں کہا گیا کہ اسحاق علیہ السلام پیدا ہونے والے ہیں اوران کی نسل چلے گی یعنی ان کے بعد یعقوب علیہ السلام پیدا ہوں گے یا اپنے بڑے بھائی عیص کے بعد پیدا ہوئے اس نام میں صالح نسل کے چلنے کی طرف اشارہ ہے۔

(۹) حضرت اسحاق علیہ السلام: ان کی بشارت کے وقت حضرت سارہ ہنسی تھی، توان کا نام اسحاق جو اضحاک اور ضحک کے معنی میں ہے رکھا گیا، اس نام میں بشارت اور خوشخبری کی طرف اشارہ ہے۔

بالإنجليزية : Isaac العبرية ايتسحاق ......Yitzchak

وهو اسم عبراني من جزء واحد وينطق بالعبرية (يتسحاق) ويعنى (يضحک) او (ضاحک) وسمى كذلک لأن سارة أمه لما بشرتها الملائكة بأنها ستلد فصكت وجهها و ضحكت لأنها استغربت الموقف ، فلما جاء ها الولد تذكرت الموقف وقالت: هو ولدى جاء تني بشارته وأناْ أضحک فاسميه ضاحک أى (إسحق) وهو الأخ غير الشقيق للنبي إسماعيل عليهما السلام ، ووالد يعقوب وابن إبراهيم أو لأنه ولد ضاحكاً ، وقد ورد اسمه فى القرآن ، ووردت قصته فى سفر التكوين بالكتاب المقدس .

(۱۰) حضرت اسماعیل علیہ السلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی اسمع ایل اے اللہ میری دعا سن لے، اور مجھے بیٹا عطا کردے ،تو لڑکے کی پیدائش کے بعد ان کا نام اسماعیل رکھا گیا۔ یا حضرت ہاجرہ نے مکہ مکرمہ کے لق ودق صحرا میں صفامروہ کے درمیان يسمع الله دعائي کہا تھا لیکن اس پر اشکال ہے کہ نام تو اس واقعہ سے پہلے رکھا گیا تھا۔

بالإنجليزية :Ishmael تقسيم الاسم : يشمع ــ ئيل .

وهو يعني (يسمع الله) وسمى بإسماعيل لأن هاجر عليها السلام لما طافت بين الصفا والمروة طلباً لماء يسد ظمأ ابنها لم تجد ماء في أول ست أشواط ، و فى الشوط السابع استجاب الله لها دعاء ها فقالت: يسمع الله دعائي فمبالغة شكرها ربها سمت ابنها (يسمع الله) لتتذكر كيف سمع الله صراخها وهي تدعوه، وقد ورد اسمه فى القرآن ، وهو ابن إبراهيم .

(۱۱) حضرت یوسف علیہ السلام: عبری زبان میں یوہ اصل میں یہوہ یعنی اللہ اور سف کے معنی یزید ہے، یعنی اللہ یزید اس کا مطلب ہوگا اللہ تعالیٰ ترقی دے، اور عربی میں وسف کے معنی چھلنا یعنی وہ بچہ جس پر محنت کرکے اس کو سنوارا اور تراشا جائے ۔اور جو سنوارا اور تراشا جائے وہ خوبصورت ہوجاتا ہے تو ظاہری اور باطنی خوبصورتی کے معنی میں ہوگا۔

بالانجليزية : Joseph

تقسيم الاسم هوه ــ سف . يعنى يهوه يزيد، ويهوه هو اسم من أسماء الله عند اليهود وبالتالى يكون معناه (الله يزيد) أى أن الله يزيد كل خير من عنده ، وهو يوسف بن إسرائيل

(یعقوب) من زوجته راحيل أو ريتشل أو راشيل وهو الذى سماه نبينا صلى اللّٰه عليه وسلم الكريم بن الكريم بن الكريم بن الكريم ، يوسف بن يعقوب بن إسحاق بن إبراهيم عليهم السلام أجمعين، ولكل مسمى من اسمه نصيب فلقد زاد اللّٰه جمال يوسف عليه السلام حتى قال نبينا صلى اللّٰه عليه وسلم: إنه أعطي شطر الجمال وقد ورد اسمه فى القرآن وسميت باسمه سورة كاملة ، مثل اسم يزيد بالعربية ، ووردت قصته فى القرآن وفى سفر التكوين بالكتاب المقدس .

(۱۲) حضرت یونس علیہ السلام: عبری زبان میں یمامہ یعنی کبوتر کے معنی میں ہے، خوبصورت اور پیارا پرندہ ہے اور پیغام رسانی کے لیے مشہور ہے پیغمبر کے ساتھ پیغام رسانی کے معنی بہت موزون ہے اور اگر انس سے ہو تو اس کے معنی انس اور محبت کے ہوگے۔

بالإنجليزية : Yomam,Jomam,Jonan,Jonas,Jonah

يوناه أو يوناس أو يومام ، ومعناه (يمامه) وهو يونان عند أهل الكتاب؛ وهو النبى الذى بعثه اللّٰه تعالىٰ لأهل نينوى بالعراق ولبث في بطن الحوت ثلاثة أيام بلياليهن، وقد ورد اسمه فى القرآن وسميت باسمه سورة كاملة ، وله سفر باسمه فى الكتاب المقدس يحوى قصته، ويسمى فى القرآن أيضاً باسم ذوالنون ، وهو يونس بن متى (أو امتاى) ويتصل نسبه لبنيامين بن يعقوب ، ويونس هوالاسم اليوناني .

(۱۳) حضرت ایوب علیہ السلام: اللہ تعالیٰ کی دائمی اطاعت کرنے والے، اور رجوع کرنے والے کے معنی میں ہے۔

بالإنجليزية :Job

تقسيم الاسم يو ـــ هوب. ومعناه (مستقيم) أى الرجل المستقيم الذى يطيع اللّٰه على الدوام أومعناه المضطهد بفتح الهاء ، وهو أيوب بن عوص بن رازح بن العيص بن إسحاق بن إبراهيم وتجلت معنى الاستقامة التي هي من اسمه في صبر أيوب على البلاء الذى ابتلاه اللّٰه به ، ورد اسمه وجانب من قصته فى القرآن، وله سفر باسمه فى الكتاب المقدس وردت به قصته .

(۱۴) حضرت شعیب علیہ السلام: درست کرنے والے اور اصلاح کرنے والے، اور خراب لوگوں سے الگ ہونے والے۔

ولعله اسمه عربي فصيح تصغير شاعب أو شعب مثلاً، لعل قومه قدسموه كذلك لأنه شاعبهم أو انشعب وأشعب عنهم، فقد يكون اسم شعيب بمعنى الذى فارق دين قومه وزايله، واعتزله، والذى انقطع وابتعد وبان وانشق وانصدع عن ملتهم ﴿لتعودن في ملتنا﴾ [الاعراف:۸۸] **والذي انصرف وعدل عن سبيلهم ﴿إن عدنا في ملتكم بعد إذ نجانا اللّٰه منها وما يكون لنا أن نعود فيها﴾** [الاعراف:۸۹] **وبالآية ﴿انطلقوا إلى ظل ذى ثلاث شعب﴾**[المرسلات: ۳۰] **أى: فرق، وربما جاز إضافة احتمال أن شعيباً شعب قومه إلى شعبتين (طائفتين) ﴿وإن كان طائفة منكم آمنوا بالذي أرسلت به وطائفة لم يومنوا فاصبروا حتى يحكم اللّٰه بيننا وهو خير الحاكمين﴾** [الاعراف:۸۷].

وعند المقارنة بين هذا الجذر الكنعاني سعف ولهجة النادرة شعف، وبين الجذر العربي شعب ولهجاته مثل سعف وشعف، نلاحظ أوجه التشابه الشديد بين الجذرين الكنعاني والعربي، حتى كأنهما جذر واحد لفظ بطرق متنوعة حسب اللهجات واللغات (شعب، شعف، سئب شئف) فقد يأتي جذر سعف الكنعانى العبرى بمعنى غصن كالجذر العربى سعف، شعب أو بمعنى قطع وقلم وشذب (شعب،سعف) أوبمعنى الانقسام والتقلب والاختلاف (شعب،شعف) أوبمعنى التفرق (شعب) أوبمعنى شق وصدع جبل (شعف، شعب). بالإنجليزية : Jethro يثرون .

ومعناه متفوق أو مشهور أو عظيم أو بارز أو مرموق وهو حمو النبي موسى الذى زوجه إحدى بناته وسمى متفوق لأنه كان بارعاً فى رعاية الغنم منذ صغره ؛ ورد اسمه وقصته مع قومه ومع موسى لكن دون تصريح موسى بالقرآن ، وورد اسمه وقصته مع موسى في سفر الخروج بالكتاب المقدس، وهو شعيب عليه السلام هو ابن ميكيل بن يشجر بن مدين بن إبراهيم الخليل ، وأم ميكيل هي بنت لوط عليه السلام .

(۱۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام: چھڑانے والے، اور پانی اور درختوں میں ملنے والے بچہ کے معنی

میں بھی ہے۔ بالإنجليزية : Moses تقسيم الاسم : موه ــ زيز.

وينطق بالعبرية (موشيه) ومعناه منقذ وبعدالتدقيق والتمحيض في أصل اللغة العبرية القديمة وجدت أن منقذ أقرب إلى مخلص، أو بمعنى الذى انتشل من الماء ، بفتح الشين ، وهو اسم عبري أومصري قديم، وهو موسى بن عمرام (أوعمران) بن قاهات بن لاوى بن يعقوب بن إسحاق بن إبراهيم، ورد اسمه وقصته بالقرآن الكريم وورد اسمه وقصته بالكتاب المقدس في أسفار الخروج والعدد والتثنية واللاوين .

قال فى لسان العرب : موسى اسم النبي صلوات الله على محمد نبينا وعليه وسلم ، عربي معرب وهو مو أى ماء وسا أى شجر كان التابوت الذى كان فيه وجد بين الماء والشجر فسمى به وقيل: هو بالعبرانية موسى ومعناه الجذب لأنه جذب من الماء قال الليث: واشتقاقه من الماء والساج فالمو ماء و سا شجر . (لسان العرب:٦/٢٢٤، دارالفكر).

(۱۶) حضرت ہارون علیہ السلام :۔ عبری میں طاقت کے پہاڑ اور عربی میں ہیرون عمدہ قسم کی کھجور ہے،تو اس کے معنی ہوں گے پیارے لذت والے اور فصیح اللسان۔

بالإنجليزية :Aaron تقسيم الاسم : هار ــ أون .

ومعناه (جبل القوة) وقال أهل اللغة العبرية: إن أصل الاسم يحتمل أن يكون هيرو غليفياً و ذلک لتأثر أم موسى وهارون عليها السلام بالبيئة المصرية التي سكنت فيها بنو إسرائيل، وهو شقيق موسى عليه السلام ، ولهما شقيقة تدعى مريم، لذلک كانت بنو إسرائيل أم المسيح كما ورد فى القرآن الكريم بكنيته ﴿ أخت هارون ﴾ ورد اسمه فى القرآن الكريم، واسمه وجانب من حياته في نفس الأسفار التي ذكربها موسى .

(۱۷) حضرت خضر علیہ السلام :۔ سرسبز اور شاداب کے معنی میں ہے۔

بالإنجليزية : Al-Khidr

نعت بمعنى الأخضر، لم يرد اسمه فى القرآن صراحةً لكنه ورد وصفه بأنه عبداً من عبادنا آتيناه رحمة من عندنا وعلمناه من لدناعلماً ، ووردت قصته مع موسى عليهما السلام في سورة الكهف ، وهو نبي جوال خفى عن العيون ، مخلد، ويوصف بأنه معلم الأنبياء وأنه

صاحب علم لدني .

من أين جاء اسم الخضر؟ ذكر القرطبى فى تفسيره " الجامع لأحكام القرآن" فى سبب تسمية الخضر بقوله وقال مجاهد: سمى الخضر لأنه كان إذا صلى أخضر ما حوله وروى الترمذى عن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: إنما سمى الخضر لأنه جلس على فروة بيضاء فإذا هي تهتز خضراء "...كما ذكر نقلاً عن البخارى أن النبي موسى عليه السلام وفتاه يوشع وجدا الخضر وهو نائم على طنفسة خضراء على وجه الماء وهو متشح بثوب أخضر وذكر ابن كثير فى البداية والنهاية وقال الخطابى : ... إنما سمى الخضر لحسنه وإشراق وجهه .

(۱۸) حضرت یوشع بن نون اویشوع بن نون علیہ السلام:۔

عبری زبان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے غموم وہموم سے نجات پانے والا اوروشع کے معنی عربی میں ملانے اور بلند ہونے ،اور پھولدار ہونے کے ہے۔

بالإنجليزية: Joshua,Joshua son of Nun

العبرية ...تقسيم الاسم : يهوه ـ يشوع.

ومعناه اللّٰه ينقذ أو يخلص أو يحرر...تحرير أوخلاص اللّٰه ، وهوابن نون من سبط أفرايم بن يوسف بن يعقوب هو ابن نون بن أليشمعة بن عميهود بن لعادان بنتخان بن باريعه بن أفرايم بن يوسف بن يعقوب بن إسحاق بن إبراهيم . وله سفر باسمه فى الكتاب المقدس وهو فتى وخادم موسى ووريثه فى النبوة وقيادة بنى إسرائيل من التيه إلى الأرض المقدسة بعد وفاة موسى عليه السلام . ولم يرد اسمه بالقرآن صراحةً ولا وردت قصته . إنما ورد في آية قال رجلان من الذين يخافون أنعم اللّٰه عليهما ادخلوا عليهم الباب فإذا دخلتموه فإنكم غالبون وعلى اللّٰه فتوكلوا إن كنتم مؤمنين ﴾

فالرجلان هما يوشع وكالب ، وفى آية ﴿ وإذ قال موسى لفتاه لا أبرح حتى أبلغ مجمع البحرين أو أمضي حقبا﴾ الفتى هو يوشع .

(۱۹) حضرت داؤد علیہ السلام: ۔داود کے معنی محبوب کے ہیں اور بعض کتابوں میں کان يداوى

امراض القلب لکھا ہے یعنی بیمار قلوب کے معالج اور اگر دئــــــدء سے ہوتو تیز دوڑنے والے کے معنی میں ہے، حضرت داؤد علیہ السلام میں یہ تمام صفات تھیں۔

بالإنجليزية : David. ومعناه مودود أو محبوب ، وهو كاتب المزمير المعروفة بمزامير داود وهي سفر من أسفار الكتاب المقدس وهي في تسبيح الله وهو نبي وملك لبني إسرائيل، وصلت مملكة إسرائيل فى عهد وعهد ابنه سليمان أوج عظمتها وعصرها الذهبى ثم بدأ انهيارها بعد ذلك، وهو محارب ... وراعى غنم وملك ونبي، وألان له اللّٰهُ الحديدَ ، وكان يصنع الدروع، ورد اسمه فى القرآن الكريم ، ويرى اليهود أن شعاره كان نجمة داود ، ووردت قصته فى سفر الملوك بالكتاب المقدس .

وهو داود بن يسى " إيشا" بن عوبيد بن بوعز "افصان" بن سلمون بن نحشون بن عميناداب بن إرام بن حصرون بن فارص بن يهوذا بن يعقوب " اسرائيل" بن إسحاق بن إبراهيم . أو هو داؤد بن إيشا بن عويد بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عميناذب بن أرم بن حصرون بن فارص بن يهوذا بن يعقوب بن إسحاق بن إبراهيم .

(۲۰) حضرت سلیمان علیہ السلام:۔

اس کے معنی محفوظ ہونا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام جنات اور انسانوں کے شر سے محفوظ تھے۔

بالإنجليزية :Solomon العبرية ... بالعربية هو تصغير سلمان ...من السلامة والسلام والأمان، ومعناه كذلك بالعبرية وينطق بالعبرية شلومو، هوابن داود ، وهو نبى وملك بنى إسرائيل ...ووهبه اللّٰه قدرات لم يهبه لنبى ولا ملك سواه مثل معرفته لغة الحيوانات وتسخيره الجان والشياطين...وقصته مع بلقيس ملكة اليمن معروفة ، ورد اسمه فى القرآن و وردت قصته في سفر الملوك بالكتاب المقدس .

(۲۱) حضرت عزیر علیہ السلام:۔ العزیر اوعزراً۔اس کا معنی ہے معین اور مددگار۔

بالإنجليزية : Ezra...ومعناه مساعد أو معين أو ناصر أو مؤازر أو مؤيد بكسر الياء في مؤيد وفتح الزاى في مؤازر...وبالعربية التعزير هوالمؤازرة والنصر...﴿ وعزروه ونصروه ﴾ وردت كذلك بالقرآن على نبينا محمد صلى اللّٰه عليه وسلم وورد اسمه فى

القرآن الکریم صراحةً فی آیة ﴿ وقالت الیهود عزیر ابن الله ﴾ فی سورة التوبة: ۳۰، ولکن ورد جانب من قصته فی سورة البقرة ﴿أو کالذین مر علی قریة وهی خاویة علی عروشها ، قال: أنی یحیی الأرض بعد موتها فأماته الله مأئة ثم بعثه قال: کم لبثت ، قال: لبثت یوماً أو بعض یوم ، قال: بل لبثت مائة عام فانظر إلی طعامک وشرابک لم یتسنه وانظر إلی حمارک ولنجعلک آیة للناس وانظر إلی العظام کیف ننشزها ثم نکسوها لحماً ، فلما تبین له قال: أعلم أن الله علی کل شيء قدیر﴾ [البقرة: ۲۵۹] وقد اختلف فی صاحب القصة فقیل: إنه ارمیاء Jeremiah او حزقیال Ezekiel والثلاثة انبیاء لبنی اسرائیل ولکل منهم سفر فی الکتاب المقدس والثلاثة لم یصرح القرآن بأسمائهم .

وهو عزیر بن شریه بن خلقیه بن عزریه بن شالوم بن صدوق بن أخطب بن أمریه بنعزریه بن یوحنان بن عزریه بن أخیمعص بن صدوق بن أخطب بن أمریه ماریوت بن زرحیه بن عازی بن بقی بن ایشوع بن فنحاس بن العزار بن نبی الله هارون بن عمران بن قاهات بن لاوی بن یعقوب بن إسحاق بن إبراهیم .

(۲۲) حضرت شمویل علیہ السلام۔ سمویل یعنی اللہ تعالیٰ ان کی بات سنتے ہیں۔

بالإنجلیزیة: Samuel....تقسیم الاسم : سمو ـ ئیل وینطق بالعبریة شمویل .
معناه: الله قد سمع أو الله یسمع مثل اسم إسماعیل .

ولم یرد اسمه فی القرآن صراحةً ولکن ورد وصفه بالنبي فی الآیات ۲۴۶ إلی ۲۵۱ من سورة البقرة ﴿ ألم تر إلی الملأ من بنی إسرائیل من بعد موسی إذ قالوا لنبی لهم ابعث لنا ملکاً نقاتل فی سبیل الله﴾ ...وله سفران متتالیان باسمه وقصته فی الکتاب المقدس .

چوتھی صدی موسوی کے آخر میں عیلی کاہن نے بنی اسرائیل پر زبردست حملہ کیا تھا اور ان کے تابوتِ سکینہ کو ان سے چھین لیا تھا، اور یہ دور ظالم وجابر حکمراں جالوت کا تھا جس نے بنی اسرائیل کو مقہور ومغلوب کر رکھا تھا۔ عیلی کاہن کے بعد حضرت شموئیل علیہ السلام کو جو تقویٰ وطہارت میں ممتاز تھے منجانب اللہ منصبِ نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ اور وہ بنی اسرائیل کی رشد وہدایت کے لیے مامور ہوئے۔ اور انہیں کی دعا اور درخواست پر اللہ تعالیٰ نے اولادِ یعقوب علیہ السلام میں سے ایک طالوت نامی شخص کو بادشاہ مقرر فرمایا، جنہوں نے جالوت کو شکست دی

اور حضرت داود علیہ السلام نے قبل از نبوت اس کو قتل کیا، پھر یہاں سے بنی اسرائیل کے عروج واقبال کا آغاز ہوا۔

(۲۳) حضرت یسع علیہ السلام۔ إليسع أو أليشع ،اس کا مطلب ہے: یاالٰہی نجات عطا کردے۔ بالإنجليزية : Elisha

تقسيم الاسم : ايلى ــ شو ع .ومعناه الٰهى خلاص و انقاذ .

ورد اسمه فقط دون قصته فى القرآن الكريم ووردت قصته فى سفر الملوك بالكتاب المقدس، وهو خليفة إلياس فى النبوة ، وهو اليسع بن عدى بن شوتم بن أفرائيم بن يوسف بن يعقوب بن إسحاق بن إبراهيم الخليل .

حضرت الیسع علیہ السلام حضرت الیاس علیہ السلام کے نائب اور خلیفہ ہیں، بچپن ہی سے آپ کی رفاقت میں رہتے تھے، تعلیم وتربیت بھی حضرت الیاس علیہ السلام سے پائی ،اور جب حضرت الیاس علیہ السلام کا انتقال ہوا تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لیے حضرت الیسع علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز کیا، آپ نے حضرت الیاس علیہ السلام ہی کے طریقہ پر بنی اسرائیل کی قیادت فرمائی اور آخرعمر تک یہی خدمت انجام دیتے رہے۔ان کی زندگی کا یہ اہم نکتہ قابل ذکر ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کی صحبت نے انھیں خلافت اور پھر نبوت سے سرفراز کیا، نیکوں کی صحبت حصولِ خیر کے لیے نہایت مؤثر ثابت ہوتی ہے،نیکوں کی صحبت کے چند لمحات بسا اوقات انقلابِ زندگی کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

(۲۴) حضرت الیاس علیہ السلام۔ الیاس ،اوایلیا، ایلیا یعنی میرا معبود اللہ تعالیٰ ہے، الیاس کے معنی شجاع اور بہادر کے ہیں۔بخاری شریف کے حاشیہ پر توشیح اور کرمانی کے حوالہ سے لکھا ہے: **إلياس : الشجاع الذى لايفر .** (بخاري شريف: ۵۴۳/۱، رقم الحاشية ۷).

بالإنجليزية: Elijah تقسيم الاسم : ايلى ــ ياهو . ومعناه الٰهى هويهوه ، وورد اسمه وجانب من قصته بالقرآن الكريم، ووردت قصته في سفر الملوك الثانى بالكتاب المقدس، وإلياس هو الاسم اليوناني أو الاغريقى لايليا ، وقد ذكر الطبرى له النسب التالى: هو إلياس بن ياسين بن فنحاص بن العيزار بن هارون ، فهو على هذا من ذرية هارون عليه السلام ، وهكذا يذهب نسبه صاعداً إلى إبراهيم عليه السلام ، نسب اليسع : جاء فى تاريخ الطبرى أنه: اليسع بن أخطوب وجاء فى تاريخ ابن خلدون أنه: اليسع بن أخطوب من سبط

أفـرايـم ، وقيـل : هـو ابـن عم إلياس. وقال ابن عساكر: اسمه أسباط بن عدى بن شوليم بن أفـرائيـم . والـلّـه أعلم ، ومن المقطوع به : أن كلا من إلياس واليسع من بني إسرائيل ، ومن ذرية إبراهيم عليه السلام .

وهـو إلياس بن العازر بن العيزار بن هارون بن عمران بن قاهث بن عازر بن لاوى بن يعقوب بن إسحاق بن إبراهيم الخليل .

حضرت الیاس علیہ السلام حضرت حزقیل علیہ السلام کے جانشین اور بنی اسرائیل میں ایلیا نبی کے نام سے مشہور ہیں، اردن کے علاقہ جلعاد میں پیدا ہوئے اس وقت ملک کا جو بادشاہ تھا بائیبل میں اس کا نام اخی آب مذکور ہے، اس کی بیوی بعل نامی بت کی پرستار تھی، حضرت الیاس علیہ السلام نے اللہ کی طرف دعوت دی اور بت کی پرستش سے منع کیا قوم مخالف ہوگئی اور ان کے قتل کے منصوبے بنائیں، حضرت الیاس علیہ السلام روپوش ہوگئے، اور پورے ملک میں قحط سالی پھیل گئی، اللہ تعالیٰ کے حکم سے باہر تشریف لائے اور قوم کو دعوت دی اور سچائی کے اثبات کے لیے سب نے قربانیاں کیں، حضرت الیاس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے نام پر قربانی کی آگ آئی اور لے گئی اور قوم اور بادشاہ نے بت کے نام پر کیں، بت کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا، تو لوگ ایمان لے آئے لیکن بادشاہ اور اس کی بیوی ایمان نہیں لائے اور پھر قتل کا منصوبہ بنایا تو آپ ہجرت کر کے چل دئے۔

(۲۵) حضرت ذوالکفل علیہ السلام: ذوالکفل او عوبدیا، ذوالکفل کا مطلب بوجھ اٹھانے والے اور ذمہ داری لینے والے۔ وههنا قصة مذكورة فيما يلي :

الراجح أنه عوبديا :Obadiah كـما نرى من إنجيل برنابا، وقيل إنه حزقيال ، وقيل إنه بشر بن أيوب عليه السلام، وهو من الأنبياء الصالحين، وكان يصلي كل يوم مائة صلاة ، قيل إنه تكفل لبنى قومه أن يقضي بينهم بالعدل، ويكفيهم أمرهم، ففعل فسمى بذى الكفل، وروى أنـه كـان فـي عهـد نبي الله اليسع عليه السلام ، وقد روى أنه لما كبر اليسع قال: لو أنى استخلفت رجلاً على الناس يعمل عليهم في حياتي حتى أنظر كيف يعمل ؟ فجمع الناس فـقـال: مـن يتـقـبـل لـي بثلاث استخلفه : يصوم النهار، ويقول الليل، ولايغضب، فقام رجل تـزدريـه العين فقال: أناْ، فقال: أنت تصوم النهار، وتقوم الليل، ولا تغضب ؟ قال: نعم ، لكن اليسـع عـلـيـه السلام رد الناس ذلك اليوم دون أن يستخلف أحداً ، وفى اليوم التالى خرج

اليسع عليه السلام على قومه وقال: مثل ما قال اليوم الأول، فسكت الناس وقام ذلک الرجل فقال: أناْ ، فاستخلف اليسع ذلک الرجل ، فجعل إبليس يقول للشياطين ، عليكم بفلان، فأعياهم ذلک ، فقال: دعونى وإياه فأتاه في صورة شيخ كبير فقير، وأتاه حين أخذ مضجعه للقائلة ، وكان لا ينام الليل والنهار، إلا تلک النومة فدق الباب ، فقال ذوالكفل: من هذا ؟ قال: شيخ كبير مظلوم ، فقام ذوالكفل ففتح الباب ، فبدأ شيخ يحدثه عن خصومة بينه وبين قومه ، وما فعلوه به، وكيف ظلموه ، وأخذ بطول فى الحديث حتى حضر موعد مجلس ذوالكفل بين الناس، وذهبت القائلة ، فقال ذوالكفل، إذا رحت للمجلس فأتني آخذ لک بحقک .

فخرج الشيخ وخرج ذوالكفل لمجلسه دون أن ينام لكن الشيخ لم يحضر للمجلس ، وانفض المجلس دون أن يحضر الشيخ وعقد المجلس فى اليوم التالى، لكن الشيخ لم يحضر أيضاً ، لما رجع ذوالكفل لمنزله عند القائلة ليضطجع أتاه الشيخ فدق الباب ، فقال: من هذا ؟ فقال الشيخ الكبير المظلوم ، ففتح له فقال: ألم أقل لک إذا قعدت فأتني ؟ فقال الشيخ : إنهم أخبث قوم إذا عرفوا إنک قاعد قالوا لي نحن نعطيک حقک ، وإذا قمت جحدوني ، فقال ذوالكفل: انطلق الآن فإذا رحت مجلسى فأتني .

ففاتته القائلة ، فراح مجلسه وانتظر الشيخ فلا يره وشق عليه النعاس، فقال لبعض أهله : لاتدعن أحداً يقرب هذا الباب حتى أنام ، فإني قد شق على النوم ، فقدم الشيخ، فمنعوه من الدخول ، فقال: قد أتيته أمس ، فذكرت لذى الكفل أمرى ، فقالوا: لا واللّٰه لقد أمرنا أن لاندع أحداً يقربه، فقام الشيخ وتسور الحائط ودخل البيت ودق الباب من الداخل فاستيقظ ذوالكفل، وقال لأهله : ألم آمركم ألا يدخل علي أحد ؟ فقالوا: لم ندع أحداً يقترب، فانظر من أين دخل ، فقام ذوالكفل إلى الباب فإذا هو مغلق كما أغلقه ؟ وإذا الرجل معه فى البيت ، فعرفه فقال: أعدو اللّٰه؟ قال: نعم ، اعييتنى فى كل شيء ففعلت كل ما ترى لأغضبک . فسماه اللّٰه ذا الكفل لأنه تكفل بأمر فوفىٰ به .

وورد اسم ذوالكفل فى القرآن الكريم ولم ترد قصته ، ولعوبديا سفر باسمه فى

الکتاب المقدس .

(۲۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام: عیسی أو یسوع ، مفسرین نے ﴿اسمه المسیح عیسی بن مریم﴾ [آل عمران:٤٥] کے ذیل میں لکھا ہے کہ مسیح اصل میں ماشیحا بمعنی مبارک اور عیسیٰ اصل میں یسوع بمعنی السید ہے، یا اس کے معنی ہیں یا اللہ خلاصی اور نجات دیدے۔

بالإنجليزية :Jesus تقسيم الاسم : يا ـ سو ع . بالعبرية ... ومعناه الرب هوالخلاص والانقاذ ... و هوصورة مختصرة من يوشع أو يشوع ، و لعل عيسى تعريب ليسوع ، و ورد اسمه وقصته في الأناجيل الأربعة بالعهد الجديد من الكتاب المقدس وفي إنجيل برنابا، ووردت قصته في القرآن الكريم .

وهوعيسى بن مريم بنت عمران بن ماثان بن العازر بن اليود بن أخنر بن صادوق بن عيازوز بن الياقيم بن ايبودبن زربيل بن شالتال بن يوحينا بن برشا بن امون بن ميشابن حزقا ايشا بن ايبا بن رحبعام بن سلمان بن داود .

أو هو المسيح عيسى بن مريم بنت عمران بن باشم بن امون بن ميشا بن حزقيا بن احريق بن موثم بن عزازيا بن امصيا بن ياوش بن احريهو بن يازم بن يهفاشاط بن ايشا بن اين بن رحبعام بن سليمان بن داود بن ايشاربن عويد بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عميناذب بن ارم بن حصرون بن فارص بن يهوذا بن يعقوب بن إسحاق بن إبراهيم الخليل .

(۲۷) حضرت یحییٰ علیہ السلام: یحییٰ أو یوحنا المعمدان . یحییٰ یعنی زندہ رہے اور اللہ تعالیٰ ان کی زندگی میں برکت عطا فرمائے۔ یوحنا یهوه حنان ، اللہ تعالیٰ ان پر مہربان ہیں۔

بالإنجليزية : John the Baptist تقسيم الاسم : يو ـ حنان، بالعبرية يوحنان ها ما تبيل، ومعنى يوحنان أو يوحنا يهوه حنان، وكريم وفضيل، لعل يحيى تعريب للاسم في القرآن الكريم أو لعله فعل مضارع من الحياة ، وورد اسمه وجانب من قصته في القرآن الكريم ، وهو ابن زكريا عليه السلام وأليصابات Elisabeth وأمه تربطها صلة قرابة بحنة Anne أم مريم Mary والتي هي أم المسيح ، وزوج حنة وأبومريم هو يواكيم اويواقيم (عمران في الاسلام Joachim) والذى معنى اسمه يهوه يقيم أويبني أو يشيد أى بمعنى

العمران أيضاً، ووردت قصته فی الأناجيل الأربعة بالعهد الجديد من الكتاب المقدس، وقد وردت قصة نذر أليصابات لجنينها للمبعد فی سورة آل عمران بالقرآن الكريم، ولكن دون تصريح باسمها قط، ولم يرد اسم حنة أيضاً فی القرآن الكريم فقط ورد اسم عمران و زكريا ويحيى وعيسى (المسيح).

(۲۸) حضرت دانیال علیہ السلام: اس کا مطلب ہے: الملک للّٰہ یا الحکم للّٰہ یا القريب من اللّٰہ .

بالإنجليزية: Daniel تقسيم الاسم : دانی ـ ئيل، معناه (قضا اللّٰہ) أی حكم ؛ وئيل كما ذكرت تعنی اللّٰہ كبيت ئيل التی تعنی بيت اللّٰہ ودان تعنی قضی وهو من القضاء أی الحكم وليس القضاء أی الحكم وليس القضاء ملازم القدر .

(۱) دانیال دان اورایل سے مرکب ہے دان یعنی دنیا اورایل اللہ تعالیٰ کے لیے آتا ہے مطلب یہ ہوگا کہ کائنات اللہ تعالیٰ کے لیے ہے" الملک للّٰہ "۔

(۲) یادانی بمعنی قریب اورآل ایل کی طرح ایک لغت ہو، اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب۔

(۳) الحکم للّٰہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کے مطابق فیصلہ کرنے والے۔ (تاج العروس:۷/۳۲۶)۔

تاج العروس میں ہے:

دانال أهمله الجوهری والصاغانی، وفی المحكم : اسم أعجمي وقد أجحف به المصنف، كابن سيده ، وقصر في بيانه لغاته ، وقال جماعة فيه: دانيال أيضاً ، وهو المعروف المشهور على الأسنة ، وهواسم نبی غير مرسل ، كان في زمن بختنصر، وكان من أعز الناس عنده وأحبهم إليه، فوشوا به، فألقاه وأصحابه فی الأخدود ، كما هو المشهور، وقيل معناه : الحكم للّٰہ. (تاج العروس:۲۸/۵۰۵).

کتاب العین میں مرقوم ہے:

ودانيت بين الشيئين: قاربت بينهما...ودانيا لغة فی دانيال اسم نبی من بنی إسرائيل. (کتاب العین:۷۵).

جمهرة اللغه میں ہے:

وقال الليث: الدنوغير ممهوز مصدر دنا يدنو فهو دانٍ وسميت الدنيا لأنها دنت وتأخرت الآخرة، وكذلك السماء الدنيا هى القربى إلينا، والنسبة إلى الدنيا دنياوى ... قال ودانيا نبي من بني إسرائيل يقاله له: دانيال...ثعلب عن ابن الاعرابى : الدنى ما قرب من خير أو شر. (جمهرة اللغة:١٤ /١٣٣).

(۲۹) حضرت زکریا علیہ السلام: يهوه يتذكر ، یعنی اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت کے ساتھ یاد کرتا رہتا ہے، یا یہ بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کریگا۔اس میں عربی میں ذال کی جگہ زاء آ گئی۔

بالإنجليزية Zachariah تقسيم الاسم : زكر ـ ياهو . ومعناه يهوه يتذكر أو اللّٰه يتذكر، وقد قال اللّٰه فى مطلع سورة مريم: ذكر رحمة ربک عبده زكريا، كأنه يفهمنا معنى الاسم وهو زوج اليصابات وقريب عيسى أو يسوع بالمصاهرة ، ووالد يحيى أو يوحنا المعمدان ، وورد اسمه وجانب من قصته في القرآن الكريم وورد اسمه وقصته فى الأناجيل الأربعة من العهد الجديد بالكتاب المقدس .

وهو زكريا بن لدن بن مسلم بن صدوق بن حشبان بن داود بن سليمان بن مسلم بن صديقة بن برخيا بن بلعاطة بن ناحور بن شلوم بن بهناشاط بن غينامن بن رحبعام بن سليمان بن داود بن ايشار بن عويد بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عميناذب بن ارم بن حصرون بن فارص بن يهوذا بن يعقوب بن إسحاق بن إبراهيم الخليل .

(۳۰) آخر الانبیاء وخاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ بہت کثرت سے تعریف کئے گئے اور احمد کے معنی سب سے زیادہ تعریف کرنے والے یا سب سے زیادہ تعریف کئے ہوئے۔

بالإنجليزية Muhammad خاتم الأنبياء والمرسلين، سيد الكونين، سيد ولد آدم، نعت على وزنِ مفعَّل ومركب . وهو من الفعل المبنى للمجهول حمِّد والتشديد اى المشكور والمثنى عليه بفتح النون ، والمحمود حمداً متكرراً وكثيراً ، وللنبى عدة اسماء من الفعل حمد، محمد ،أحمد ، محمود ،حامد، حميد .

حين ولد الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم أقام جده عبد المطلب مأدبة دعا إليها جميع أفراد قبيلة قريش الذين أكلوا من عقيقة النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وسألوا عبد المطلب:

ماذا سميته ؟ فقال: سميته محمداً ، فنظر القوم إلى بعضهم البعض بدهشة لأن الاسم غريب على آذانهم لم تعرفه العرب قبل ذلك .

وكان اللّٰه تبارک وتعالیٰ ادخر هذا الاسم وألهم عبد المطلب به ويقع أمراً مكتوباً في اللوح المحفوظ منذ خلق آدم عليه السلام وان نبی آخر الزمان اسمه محمد .

وسألته قريش لم رغبت عن اسماء أجدادک وآبائک ؟

فقال: أردت أن يحمده اللّٰه وأهل السماء في السماء ...ويحمده أهل الأرض في الأرض ...

هناک ملايين المسلمين اسمهم محمد لكن أحد منهم لم يفكر في معنى اسمه ولم يحس بمعناه ! النبی يعلق على اسمه فی حديث البخاری ويقول: أناْ محمد وأناْ أحمد وأناْ الماحی وأناْ الحاشر وأناْ العاقب. رواه البخاری ومسلم . وللنبی اسماء كثيرة جداً وردت مجموعة فی كتاب دلائل الخيرات للجزولی .

فما معنى كلمة محمد ؟ محمد من صفة الحمد فهو الذی يحمد و يحمد ويحمد فلا يحمد مرة واحدة فقط بل مرات ومرات وذلک من عظيم أفعاله فيحمد كثراً فصار محمداً .

وماذا يعنی أحمد ؟ صيغة أفعل تفضيل، أی هو أحمد الحامدين على الإطلاق فلا أحد يحمد اللّٰه مثله .

وبهذا فإن محمداً يحمده الناس كثيراً على أفعاله ، وكذلک محمد اسم مفعول، وأحمد هو أعظم من حمد اللّٰه سبحانه وتعالیٰ ، أفلا يجدر بنا أن نفتخر بأنه محمد وأحمد؟

هو محمد [صلى اللّٰه عليه وسلم] بن عبد اللّٰه بن عبد المطلب، واسم عبد المطلب: شيبة بن هاشم واسم هاشم : عمرو بن عبد مناف، واسم عبد مناف : المغيرة بن قصی واسم قصی : زيد بن كلاب بن مرة بن كعب بن لؤي بن غالب بن فهر بن مالک بن النضر بن كنانة بن خزيمة بن مدركة ، واسم مدركة : عامر بن إلياس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن (اد ، ويقال) ادد بن مقوم بن ناحور بن تيرح بن يعرب بن يشجب بن نابت بن

إسماعيل بن إبراهيم ــ خليل الرحمٰن ــ بن تارح وهو آزر بن ناحور بن ساروغ بن راعوبن فالخ بن عيبر بن شالخ بن أرفخشذ بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ ، وهو إدريس النبى فيما يزعمون والله أعلم، وكان أول بنى آدم أعطى النبوة ، وخط بالقلم ، ابن يرد بن مهليل بن قينن بن يانش بن شيث بن آدم عليه السلام .

چنداور انبیاء ہیں جن کا نام یا قصہ قرآنِ کریم میں مذکور نہیں ہے لیکن تورات میں ان ذکر آیا ہے،ان کے اسماء درجِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۳۱) حضرت ارمیاء علیہ السلام: ارمیاء: اللہ تعالیٰ کا مرتبہ بلند ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے علوشان کو بیان کرنے والا۔ Jeremiah یا ارم سے ہے جس کے معنی رہنمائی کے لیے لگایا ہوا نشان، نبی ہدایت کی نشانی ہے۔

معناه: الرب يسمو أو يتعالي أو يعلو. أومعناه (الرب يؤسس أويثبت) یعنی اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھے۔

وهو ابن حلقيا الكاهن ، وهو في العهد القديم أحد الأنبياء الكبار مثل: أشعيا وحزقيال ودانيال وقد ظهر في زمن الملک يوشيا إلى سقوط أورشليم، ولايعرف شيء عن تاريخ ومكان موته ، وينسب إليه سفر ارمياء الذى كتبه صديقه باروخ بن نيريا .

(۳۲) حضرت حزقیال علیہ السلام: Ezekiel اللہ تعالیٰ کی قوت ان کے ساتھ ہے۔عربی میں حزق کے معنی لوگوں کی جماعت یعنی جو شخص پوری جماعت کے برابر ہو،اوراس لفظ میں منع کرنے کے معنی بھی ہے۔ ومعناه قوة الله . أو معناه : الله يقوى، یعنی اللہ قوی بنادے۔

تقسيم الاسم : حزقی ــ إيل . و هو ابن بوزی من عشيرة كهنونية ، ويعتبرون أحد الأنبياء الكبار، وقد نشأ في فلسطين زمن النبى ارمياء ، ثم حمل مسبياً مع ملک يهوذا (يهوباكين) إلى أرض بابل أثناء الغزو البابلى ، ولايعرف وقت ومكان موته ، وينسب إليه سفر حزقيال .

حزقیل یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ہیں،حضرت حزقیل علیہ السلام کے والد کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا تھا، ماں کی زیر پرورش رہے،اور جس وقت نبوت سے سرفراز ہوئے ، ماں نہایت

معمر وضعیف ہو چکی تھی اسی وجہ سے ان کو تورات میں ابن العجوز (بڑھیا کا بیٹا) کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

حضرت حزقیل علیہ السلام نے عرصہ دراز تک بنی اسرائیل کی رہنمائی وقیادت کی ہے تاہم ان کا اسم مبارک قرآنِ کریم میں موجود نہیں البتہ سورۂ بقرہ میں ایک بیان کردہ واقعہ کے متعلق عام مفسرین کا خیال ہے کہ وہ واقعہ انہی سے منسوب ہے۔

واقعہ مختصر یہ ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام کو جہاد کا حکم ہوا تو قوم نے انکار کردیا اور بھاگ گئی تو اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اور سب موت کی آغوش میں چلے گئے، حضرت حزقیل علیہ السلام کا اس طرف گزر ہوا تو ان کی حالت پر نہایت افسوس ہوا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور معذرت پیش کی تو اللہ تعالیٰ نے موت کے عذاب سے نجات دی، پھر انہوں نے حضرت حزقیل علیہ السلام کی رہنمائی میں زندگی بسر کی۔ (بقرہ:۲۴۳)۔

ملاحظہ: انبیائے کرام علیہم السلام سے متعلق مذکورہ بالا تحقیقات درجِ ذیل چند کتب سے ماخوذ ہیں:

(معانی اسماء الانبیاء۔لابن الشریف، وموسوعۃ الکتاب المقدس لسحادۃ بشیر، و موسوعۃ الیہود والیہودیۃ ،لعبدالوہاب المسیری، وسیرت الانبیاء)۔ نیز لغات کی کتابوں سے استفادہ کے ساتھ ساتھ ہم نے اپنی آراء بھی شامل کی ہیں۔ واللہ ﷻ اعلم۔

حضور کی ناقہ کا نام:

سوال: جس ناقہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت سوار تھے اس کا نام کیا تھا؟

الجواب: اس بارے میں روایات مختلف ہیں بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا نام جدعاء، عضباء، یا قصواء تھا، اور ایک قول کے مطابق یہ سب ایک ہی اونٹنی کے القاب تھے۔

ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام میں امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

وكانت له الناقة التي هاجر عليها من مكة تسمى القصواء والعضباء والجدعاء وكانت شهباء، وفى حاشيته: قال ابن الأثيرفى جامع الأصول (۸/ ٦٦١): **القصواء لقب ناقة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم تكن قصواء فإن قصواء هي المشقوقة الأذن .** (تاريخ الاسلام ١/ ٥٢٠).

علامہ سیوطیؒ الشمائل الشریفہ میں تحریر فرماتے ہیں:

وكانت له ناقة تسمى القصواء...قيل وهي التي هاجر عليها... وجاء في خبر أن له

ناقة تسمى العضباء وناقة تسمى الجدعاء فيحتمل أن كل واحدة صفة ناقة مفردة ويحتمل كون الكل صفة ناقة واحدة فيسمى كل واحد منهم بما يخيل فيها. (الشمائل، ص۲۲۷).

وفي المقتفى من سيرة المصطفى: وكانت له ناقة تسمى العضباء هاجر عليها إلى المدينة. (ص۳۷).

وقال في سبل الهدى والرشاد؛ روى ابن سعد عن موسى بن محمد بن إبراهيم التيمي عن أبيه قال: كان القصواء من نعم بني الحريش ابتاعها أبوبكر بأربعمائة، وكانت عنده حتى نفقت، وهي التي هاجر عليها، وكانت حين قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة رباعية، وكان اسمها القصواء والجدعاء والعضباء. (سبل الهدى:۷/۴۰۸).

وكذا في عيون الأثر: (۲/۴۱۱). والسيرة الحلبية: (۲/۵۷). والله ﷻ اعلم۔

ملائکہ کے نام پر نام رکھنے کا حکم:

سوال: کیا اپنے بچوں کے نام ملائکہ کے نام پر رکھنا جائز اور درست ہے یا نہیں؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ایسے نام نہیں رکھنا چاہئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس قسم کے نام نہیں رکھنے چاہئے اگرچہ روایت ضعیف ہے تاہم فقہاء نے لکھا ہے کہ وہ اسماء جن کا رواج سلفِ صالحین کے زمانہ میں نہ ہوا اور وہ معروف ومشہور نہ ہوا ایسے ناموں کا نہ رکھنا بہتر ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عبد الله بن جراد قال: صحبني رجل من مؤتة فأتى النبي صلى الله عليه وسلم وأنا معه فقال: يا رسول الله ولد لي مولود فما أخير الأسماء قال: إن أخير أسمائكم الحارث وهمام ونعم الاسم عبد الله وعبد الرحمن وسموا بأسماء الأنبياء ولاتسموا بأسماء الملائكة، قال: وباسمك قال: وباسمي ولاتكتنوا بكنيتي. قال الإمام البخاري في غيرهذه الرواية: في إسناده نظر. (رواه البيهقی فی شعب الایمان، رقم: ۸۲۶۸).

قلت: إسناده ضعيف، فيه: وأورده الإمام السيوطي فى الجامع الصغير (۴۷۱۷) ورمز له بالضعف. وأخرجه الإمام البخاري في تاريخه (رقم:۶۳) عن عبد الله بن جراد وقال: في

إسناده نظر. وابن عساكر في تاريخ دمشق :(٢٤٢/٢٧) .

قال الإمام البغويؒ في شرح السنة : ويكره التسمي بأسماء الملائكة مثل جبريل وميكائيل، لأن عمر بن الخطاب رضى اللّٰه تعالىٰ عنه قدكره ذلك، ولم يأتنا عن أحد من الصحابة ولا التابعين أنه سمى ولداً له باسم أحد منهم ، هذا قول حميد بن زنجويه. (شرح السنة للامام البغویؒ: ۳۳۶/۱۲،ط: المکتب الاسلامی).

قال الإمام النوويؒ : وقد كره بعض العلماء التسمي باسماء الملائكة وهو قول الحارث بن مسكين قال: وكره مالك التسمي بجبريل وياسين . (شرح مسلم: ۱۱۷/۱۴، ط: بیروت).

وزاد العلامة العيني بقوله: وكره مالك التسمي بجبريل وإسرافيل وميكائيل ونحوها من أسماء الملائكة وعن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ أنه قال: ما قنعتم بأسماء بني آدم حتى سمعتم بأسماء الملائكة . (عمدة القاری: ۲۵۵/۲۲).

فقہائے کرام کی عبارات ملاحظہ کیجئے:

قال العلامة ابن عابدين الشاميؒ: تتمة : التسمية باسم لم يذكره اللّٰه تعالىٰ في عباده ولا ذكره رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ولا يستعمله المسلمون تكلموا فيه الأولى أن لايفعل . (فتاوی الشامی:۴۱۷/۶،سعید).

(وکذا فی الفتاوی الهندية: ۳۶۲/۵، والمحيط البرهانی :۲۵۵/۵،ط:داراحیاء التراث العربی، ونصاب الاحتساب ،ص۳۰۲، الباب الخامس والاربعون فی الاحتساب علی من يفعل فی جسده اوشعره اوفی اسمه بدعة).

الفواکه الدوانی میں ہے:

وكره مالك التسمية بجبريل، وكرهها الحارث بأسماء الملائكة . (الفواكه الدوانی :۲/ ۸۷۶).

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

مذهبنا ومذهب الجمهور جواز التسمية بأسماء الأنبياء والملائكة صلوات اللّٰه وسلامه عليهم أجمعين ولم ينقل فيه خلاف إلا عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ أنه نهى عن التسمية بأسماء الأنبياء وعن الحارث بن مسكين أنه كره التسمية باسماء الملائكة ، وعن

مالک کراهة التسمية بجبريل وياسين. (المجموع شرح المهذب :٨/٤٣٦).

(وكذا فى حاشية البجيرمي على الخطيب : ٢٥٦/١٣،ومغنى المحتاج :٤/٢٩٥،ط:دارالفكر).

دلیل الطالب میں مرعی بن یوسف الحنبلی لکھتے ہیں:

ولا بأس بأسماء الملائكة والأنبياء . (دليل الطالب لنيل المطالب:١/١١٥).

الموسوعة الفقهية میں ہے:

التسمية بأسماء الملائكة: ذهب أكثر العلماء إلى أن التسمية بأسماء الملائكة كجبريل وميكائيل لا تكره . وذهب مالک إلى كراهة التسمية بذلک ... (الموسوعة الفقهية الكويتية:١١/٣٣٥). (وكذا فى مطالب اولى النهى :٢/٤٩٥،المكتب الاسلامى). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

میکائیل نام رکھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنے بیٹے کا نام میکائیل رکھنا چاہتا ہے تو کیا ایسا نام رکھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: بعض علماء مثلاً امام مالکؒ وغیرہ مکروہ فرماتے ہیں ہاں اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے لیکن بہتر نہیں ہے ایک ضعیف حدیث سے بھی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

قال العلامة ابن عابدين الشاميؒ: تتمة : التسمية باسم لم يذكره الله تعالىٰ في عباده ولا ذكره رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا يستعمله المسلمون تكلموا فيه الأولى أن لايفعل . (فتاوى الشامى:٦/٤١٧،سعيد).(وكذا فى الفتاوى الهندية: ٥/٣٦٢، والمحيط البرهانى :٥/٢٥٥،ط:داراحياء التراث العربى، ونصاب الاحتساب ،ص٣٠٢، الباب الخامس والاربعون فى الاحتساب على من يفعل فى جسده اوشعره اوفى اسمه بدعة).

مزید تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مشہور چار فرشتوں کے نام کے معانی:

سوال: جبرئیل ،میکائیل ،اسرافیل اورعزرائیل ان ناموں کے معانی کیا ہیں ،برائے مہربانی مطلع فرما کر اجرعظیم کے مستحق ہوں؟

الجواب: سوال میں مذکورہ فرشتوں کے ناموں کے معنی امام سیوطیؒ نے ''الدرالمنثور'' (۱/۲۲۵،ط: دارالفکر) میں عبداللہ لکھے ہیں، لیکن اگران کوعربی کی طرف سے کھینچ لینے کی کوشش کریں تو جبر کے معنی ٹوٹے ہوئے کودرست کرنااور ایل اللہ کے معنی میں ہے یعنی جوٹوٹنے والوں کواللہ سے وحی لانے کے ذریعہ ملاتے ہوں، میکائیل ممکن ہے کہ اصل میں مہک اور ایل ہومہک بمعنی نرم یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نرمی اور رحمت والے کاموں پرمقرر، جیسے بادل، بارش اوراسرافیل اسراف اور ایل ہوکیونکہ جب وہ صور پھونکیں گےتو بہت اسراف اورزور کے ساتھ صور کی آواز نکلے گی جودنیا کے نظام کودرہم برہم کردے گی اورعزرائیل میں عزر کے معنی منع کرنا وہ موت کا پیغام لاکرآدمی کودنیوی حرکت اور چلت پھرت سے منع کرتا ہے۔واللہ ﷻ اعلم۔

ہرنام کے شروع میں محمد لگانے کا حکم:

سوال: میرا نام محمد یعقوب ہےاورمیرے بیٹے کا نام سلطان محمد ہے بعض عرب اس پرمعترض ہیں کہ نام ایک ہونا چاہئے یہ تو دونام ہوگئے،اس کا کیا جواب ہے؟ اوراس طرح مرکب دونام رکھنا درست ہے یانہیں؟

الجواب: عجم میں مرکب نام رکھنے کارواج ہے جس میں ایک اسم محض اور دوسراتمیز پیدا کرنے کے لیے بطورِلقب نیک فالی کے لیے ہوتا ہے،مثلاً محمد اسم محض ہوگااوریعقوب تمیز کے لیے بطورِتفاول: اللہ تعالیٰ کرے کہ ان کی صالح نسل چلے،اسی طرح سلطان محمد میں محمد نام اورسلطان بطورِتفاول لقب ہوگا کہ اللہ کرے کہ اس کوغلبہ مل جائے۔واللہ ﷻ اعلم۔

کنیت والے اسماء کا حکم:

سوال: ہمارے محلّہ میں ایک لڑکے کا نام ابوذر اور ایک کا نام ابوہریرہ ہے یہ دونوں صحابہ کرام کے نام ہیں،لیکن ان ناموں کا کیا مطلب ہوگا؟

الجواب: اس قسم کے نام نیک فالی اور برکت کے لیے رکھے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان بچوں کوصحابہ کرام کی طرح بنادیں،نیزان کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ذر کے معنی فصل بونااورزراعت کرنا ہےتوابوذر کا مطلب فصل بونے والایعنی لوگوں کوخیر پہنچانے والااورابوہریرہ کا مطلب بلی پالنے والایعنی کمزوروں کی مدد کرنے والاحتی کہ کمزورجانوروں کی خدمت کرنے والا،اسی طرح ابوبکر کا مطلب جوان اونٹ والا،یعنی جوان

اونٹ کو پالتا ہے تاکہ اس کو دین کی خدمت میں استعمال کرے اور اس سے اپنا گزارہ بھی کرے پہلے زمانہ میں اونٹوں کو گھوڑوں کیطرح جہاد اور دینی کاموں میں استعمال کرتے تھے، یاد رہے کہ اب اور ابن لگانے کا ایک مطلب صاحب ہوتا ہے، جیسے ابولہب لہب والا، ابن السبیل، صاحب السبیل راستہ والا۔

نیز اب کے معنی: مالک، صاحب، موجد، شوہر وغیرہ بھی آتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے: (القاموس الوحید: ۱/۱۰۶، ولسان العرب: ۱۴/۱۳، ط: دارالفکر، وفتح الباری: ۱/۵۹۹، وارشاد الساری: ۹/۱۱۶، والمعجم الوسیط، ص ۴، وشرح الابی: ۱۴/۲۹۴). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

رضا نام کا صحیح تلفظ:

سوال: میرا نام رضا ہے یہ راء کے زبر کے ساتھ ہے یا زیر کے ساتھ، جب کہ عام طور پر لوگ زبر کے ساتھ رضا کہتے ہیں تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: رِضا یہ عربی لفظ ہے اور عربی میں راء کے زیر کے ساتھ آتا ہے راء کا فتحہ صحیح نہیں۔ یہ اسم مصدر ہے اس کے معنی خوشنودی اور خوشی اور راضی ہونا ہے۔

ہاں عرف میں لوگ اردو میں بولتے وقت اعراب کا زیادہ لحاظ نہیں کرتے اس وجہ سے بولتے وقت رَضا زبر کے ساتھ ٹھیک ہے اس کو غلط نہیں کہیں گے، عربی کے بے شمار الفاظ ایسے ہیں جو اردو زبان میں مستعمل ہیں لیکن اعراب میں تلفظ درست نہیں ہے، اگر چہ اردو میں صحیح اور ٹھیک ہیں۔ مثلاً فلاں کا یہ موقَف ہے، فلاں کو یہ منصَب حاصل ہوا، فلان اپنے مقصَد میں کامیاب ہوا، فلاں کو بہت خزانہ حاصل ہوا، یہ الفاظ عربی میں کسرہ کے ساتھ صحیح ہیں، لیکن اردو میں زبر کے ساتھ مستعمل ہیں، اور مستقبَل اردو میں کسرہ کے ساتھ مستعمل ہے اور عربی میں فتحہ کے ساتھ بھی آتا ہے۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ناموں میں تصغیر کا حکم:

سوال: میں نے اپنے بیٹے کا نام عبید الرحمٰن رکھا کسی نے بتایا کہ عبید عبد کی تصغیر ہے اور تصغیر حقارت کے لیے ہوتی ہے لہذا عبد الرحمٰن کردو، اب سوال یہ ہے کہ کیا میں اپنے بیٹے کا نام تبدیل کردوں، یا اس کے اچھے معنی بھی ہوسکتے ہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: تصغیر کئی معانی کے لیے آتی ہے ان میں ایک معنی شفقت ومہربانی ہے، بنابریں عبید الرحمٰن کا مطلب یہ ہوگا کہ رحمٰن کا پیارا بندہ۔ اور یہ معنی بہت اچھے ہیں جیسے عبید اللہ یعنی اللہ کا پیارا بندہ، اس لیے نام تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں بہت اچھا نام ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ آلوسی قاضی بغداد فرماتے ہیں:

يا بني : تصغير إشفاق ومحبة لا تصغير تحقير. (روح المعانی:۲۱/۸۴).

حاشیۃ الجمل علی الجلالین میں مرقوم ہے:

قوله: تصغير إشفاق أي محبة . (حاشية الجمل على الجلالين:۳/۴۰۳،داراحياء التراث العربى).

(وكذا فى تفسير البيضاوى ،ص۳۴۷، وتفسير السراج المنير:۳/۱۶۴، وتفسير ابى السعود:۷/۷۱، والتفسير المظهرى:۱/۳۰۲۶).

ملاحظہ ہو شرح شافیہ ابن حاجب میں مرقوم ہے:

أقول: يعني المصغر ما زيد فيه شيء حتى يدل على تقليل، فيشمل المهمات كذيّاك واللذيا وغيرهما، والتقليل يشمل تقليل العدد كقولك : عندى دريهمات ، أى أعدادها قليلة وتقليل ذات المصغر بالتحقير حتى لايتوهم عظيماً نحو كليب ورجيل ، ومن مجاز تقليل الذات التصغير المفيد للشفقة والتلطف وكقولك يابني ويا أخي وأنت صديقي، وذلك لأن الصغار يشفق عليهم ويتلطف بهم ، فكنى بالتصغير عن عزة المصغر على من أضيف إليه، ومن ذلك التصغير المفيد للملاحة كقولك هو لطيف مليح...(شرح شافية :۱/۱۹۰).

النحو الوافی میں مرقوم ہے:

تعريفه: تغيير يطرأ على بنية الاسم وهيئته ؛ فيجعله على وزن" فعيل" أو: فعيعل ، أو فعيعيل، بالطريقة الخاصة المؤدية إلى هذا التغيير؛ فيقال في بدر: بدير ، وفي درهم دريهم، وفي قنديل قنيديل...وتسمى الأوزان الثلاثة : صيغ التصغير ، لأنها مختصة به ، وليست جارية على نظام الميزان الصرفى العام .

الغرض منه : تحقيق أحد الأمور الآتية بأوجز الرموز اللفظية :

(ا) التحقير؛ نحو: جبيل ، عويلم ، بطيحل في تصغير: جبل، وعالم ، وبطل .

(۲) تقليل جسم الشيء وذاته ؛ نحو: وليد ، طفيل ، كليب .

(۳) تقليل الكمية والعدد ، كدريهمات ، ووريقات في مثل : اشتريت كتاباً بدريهمات ، يضم وريقات نافعة .

(۴) تقريب الزمان : كقبيل وبعيد ، مثل : يستيقظ الزارع قبيل الفجر، وينام بعيد العشاء ، أي : قبل وقت الفجر وبعد وقت العشاء بزمن قريب منهما .

(۵) تقريب المكان : مثل ؛ فويق ، وتحيت ، في قول القائل: بيني وبين النهر فويق الميل ، وتحيت الفرسخ ، وقد يكون المكان معنوياً ، يراد منه المنزلة والدرجة ، نحو فضل الوالدين فويق فضل الأولاد وتحيت فضل الأجداد.

(۶) التحبب وإظهار الود: نحو: ياصديقي ، بنيتي .

(۷) الترحم ؛ أي إظهار الرحمة والشفقة ، نحو : هذا البائس مسيكين ...

(۸) التعظيم؛ كقول أعرابي : رأيت مليكاً نهاية الملوك ، وسيفاً من سيوف الله تتحطم دونه السيوف ...

(۹) الاختصار اللفظي مع إفادة الوصف ،كالذى في مثل : نهير ، بمعنى نهر صغير .

(النحو الوافی:٤/٦٨٣). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

غیر اللہ پر قیوم کے اطلاق کا حکم:

سوال: بعض لوگ مجددِ الفِ ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو قیوم الزمان کہتے ہیں، نیز عبدالقیوم کو قیوم کہتے ہیں، کیا یہ درست ہے یا نہیں، کیا ''القیوم'' اللہ تعالیٰ کے مخصوص ناموں میں شمار ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بعض صوفیہ حضرات اللہ تعالیٰ کی صفتِ قیوم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھتے اور ان صوفی بزرگوں پر اس کا اطلاق جائز سمجھتے ہیں جو بہت جاگتے ہوں اور ہر وقت اعمالِ صالحہ میں لگے رہتے ہیں، لیکن صوفیہ حضرات کے اس قول کے ساتھ فقہاء اور محدثین کا اتفاق نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء دو قسم پر ہیں:

(۱) مشترک؛ جو دوسروں کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں، مثلاً: رحیم، کریم، رشید، علی وغیرہ۔

لیکن علامہ شامیؒ نے فرمایا کہ جس کا نام عبدالرحیم عبدالکریم وغیرہ ہو تو عبد لگا کر استعمال کرنا زیادہ مناسب ہے۔

ملاحظہ ہو: **قال في الدرمختار: وجاز تسمية بعلي و رشيد من الأسماء المشتركة ويراد في حقنا غير ما يراد في حق الله تعالىٰ لكن التسمية بغير ذلك في زماننا أولىٰ لأن العوام يصغرونها عند النداء قال ابن عابدين: وهذا مشتهر في زماننا حيث ينادون من اسمه عبد الرحيم وعبد الكريم أو عبد العزيز مثلاً فيقولون: رحيم، وكريم، وعزيز.** (الدرالمختار مع ردالمحتار: ٦/٤١٧، سعيد).

(۲) اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص؛ جن کا استعمال اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے ساتھ جائز نہیں ہے۔ مثلاً: الرحمٰن، قیوم، قدوس، رزاق، غفار، جبار وغیرہ۔

اگر دوسری قسم کے اسماء کو کسی غیر اللہ کے ساتھ متصف کر کے اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہی کا ارادہ کیا جائے تو یہ کفر ہے۔ تو اس معنی کے اعتبار سے حضرت مجددِ الفِ ثانیؒ کو قیوم الزمان کہنا بالکل جائز اور درست نہیں ہوگا، کیونکہ القیوم کا معنی ہے کائنات کی ہر چیز کی نگرانی کرنا اور اس کی خبر رکھنا۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ کے غیر میں ہرگز نہیں ہوسکتی، البتہ لغوی معنی کے اعتبار سے کسی بندہ پر قیومیت کا اطلاق کرنا کہ فلاں بھی بہت زیادہ نگران ہے یعنی خوب اچھی طرح نگرانی کرتا ہے تو ٹھیک ہے لیکن مناسب نہیں ہے۔

چنانچہ شیخ محی الدین عربی لکھتے ہیں کہ ایک معتزلی العقیدہ عالم قیومیت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص سمجھتے تھے، میں نے اس کو سمجھایا کہ ''**الرجال قوامون على النساء**'' میں رجال کو قوام کہا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ قیوم ہوسکتا ہے، پھر کچھ ملاقاتوں کے بعد اس نے معتزلی عقائد سے توبہ کر لی۔

اس کے بعد شیخ اکبر لکھتے ہیں:

ولا فرق عندنا بينها (أى: القيومية) و بين سائر الأسماء الإلهية كلها فى التخلق بها.

(الفتوحات المكية: ٢/١٨٢، الباب الثامن والتسعون فى معرفة مقام السهر، ط: دارالفكر).

شیخ عبدالوہاب شعرانی تحریر فرماتے ہیں:

فهل يصح لأحد التخلق بالقيومية الذي هو السهر الدائم ليلاً ونهاراً؟ فالجواب كما قال الشيخ فى الباب الثامن والتسعين: إنه يصح التخلق به كباقى الأسماء الإلهية ... وليس ذلك من خصائص الحق. (اليواقيت: ١/٧١).

لیکن فقہاء اور محدثین اسمِ قیوم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں ملاحظہ کیجئے مجمع الانہر میں ہے:

إذا أطلق على المخلوق من الأسماء المختصة بالخالق نحو القدوس و القيوم و الرحمن يكفر. (مجمع الانهر: ١/ ٦٩٠).

یہ کفر تب ہوگا جب کہ اس شخص کے بارے میں ہر چیز پر نگرانی یا خالق ہونے یا تمام عیوب اور عوارض سے پاک ہونے کا عقیدہ رکھا جائے۔

ملاعلی قاریؒ شرح فقہ اکبر میں تحریر فرماتے ہیں:

ومن قال لمخلوق: يا قدوس ، القيوم ، أو الرحمن ، أو قال: أسماء من أسماء الخالق كفر، وهو يفيد أن من قال لمخلوق : ياعزيز ونحوه يكفر أيضاً ، إلا أن أراد بهما المعنى اللغوى لا الخصوص الاسمي ، والأحوط أن يقول: يا عبد العزيز، يا عبد الرحمن. (شرح الملاعلی القاری علی الفقه الاکبر،ص۱۹۳).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وذهب الأعلم إلى أنه (أي: الرحمن) علم كالجلالة لاختصاصه به تعالىٰ وعدم إطلاقه على غيره تعالىٰ معرفاً ومنكراً ... قال السبكي: والحق أن المنع شرعي لا لغوي ، وأن المخصوص به تعالىٰ المعرف . (فتاوی الشامی: ١/ ٧،سعید).

اس سے معلوم ہوا کہ بعض اسماء اگرچہ لغت کے اعتبار سے غیر اللہ پر بولے جاتے ہیں لیکن شرعی معنی کے اعتبار سے نہیں بولے جاتے، جیسے رحمٰن اور قیوم۔

قال في النهاية : القيوم : من أسماء اللّٰه تعالىٰ المعدودة وهو القائم بنفسه مطلقاً لا بغيره وهو مع ذلك يقوم به كل موجود ، حتى لايتصور وجود شيء ولا دوام وجوده إلا به . (النهاية في غريب الاثر:٤/ ١٣٤).

شرح اسماء الحسنیٰ میں ہے:

لا يجوز تسمية المخلوق بالقيوم لأن القيوم هو المستغني بنفسه عن غيره ، المفتقر إليه كل ماسواه ، وذلك مختص باللّٰه لايشركه فيه غيره ، قال ابن القيمؒ في النونية :

هذا ومن أوصافه القيوم وال ☆ قيوم في أوصافه أمران:

إحـداهـمـا الـقيوم قـام بـنفسـهٖ ☆ والـكـون قـام بـه همـا الأمران:

فـالأول استـغـنـائـه عـن غيـره ☆ والـفـقـر مـن كـل إليـه الـثـانـي

وكـذا لايسـمـى المخلوق (بالرحمن) لأنه بكثرة استعماله اسماً للّٰه تعالیٰ صار علماً بالغلبة علـيه مختصاً به كلفظ الجلالة فلا يجوز تسمية غيره به. (شرح اسماء الله الحسنى فى ضوء الكتاب والسنة لسعيد بن على القحطانى، ص۱۲۹، و متن القصيدة النونية، ص۲۱۱، ط: القاهرة). وللاستزادة انظر: (المحلى شرح القواعدالمثلى، ص۱٤٤، وآپ کے مسائل اوران کاحل: ۲٦۸/۸). واللہ ﷻ اعلم۔

غیر اللہ کے لیے اکبر کا لفظ استعمال کرنے کا حکم:

سوال: میرا نام اکبر ہے، میں ایک مرتبہ حج کے لیے گیا، کاؤنٹر پر جب امیگریشن والے نے میرا نام دیکھا تو غصہ میں کہا یہ کیسا نام ہے؟ اللہ اکبر، اکبر تو اللہ کی ذات ہے؟ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اکبر کا لفظ غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اکبر کا لفظ غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا جائز اور درست ہے۔ قرآنِ کریم سے چند آیات بطورِ امثلہ ملاحظہ کیجئے جن میں لفظِ اکبر غیر اللہ کے لیے استعمال ہوا ہے:

(۱) ﴿وإثمهما أكبر من نفعها﴾ [سورة البقرة:۲۱۹].

(۲) ﴿قد بدت البغضاء من أفواههم وما تخفى صدورهم أكبر﴾ [آل عمران:۱۱۸].

(۳) ﴿وما نريهم من آية إلا هي أكبر من أختها﴾ [سورة زخرف:٤۸].

(۴) ﴿ولأجر الآخرة أكبر لو كانو يعلمون﴾ [سورة النحل:٤۱].

(۵) ﴿انظر كيف فضلنا بعضهم على بعض، وللآخرة أكبر درجات وأكبر تفضيلاً﴾ [سورة الاسراء:۲۱].

(۶) ﴿وما يعزب عن ربک من مثقال ذرة في الأرض ولا في السماء ولا أصغر من ذلک ولا أكبر إلا في كتاب مبين﴾ [سورة يونس:٦۱].

(۷) ﴿وكذلک جعلنا في كل قرية أكابر مجرميها ليمكروا فيها وما يمكرون إلا بأنفسهم وما يشعرون﴾ [سورة الانعام:۱۲۳].

حدیث شریف میں بھی اکبر کا لفظ غیر اللہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ملاحظہ ہو:

(۱) أخرج ابن حبان عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال:" البركة مع أكابركم" قال أبوحاتم لم يحدث ابن المباركؒ هذا الحديث بخراسان إنماحدث به بدرب الروم فسمع منه أهل الشام وليس هذا الحديث فی كتب ابن المباركؒ مرفوعاً. قال الشيخ شعيب الأرنؤوط : إسناده صحيح. (صحيح ابن حبان ، رقم:۵۵۹).

وكذا أخرجه الطبراني فی الأوسط (۸۹۹۱)، والحاكم (۲۱۰)، وقال: هذا حديث صحيح على شرط البخاری ولم يخرجاه، والقضاعی فی مسند الشهاب (۳۶و۳۷)، والبيهقی في شعب الإيمان (۱۰۴۹۳)، والخطيب فی" الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع (۲۴۷)، وأبوبكر الشافعی فی "الغيلانيات" (۸۹۰).

قال الهيثمي: رواه البزار، والطبرانی فی الأوسط، وفي إسناد البزار نعيم بن حماد ، وثقه جماعة ، وفيه ضعف ، وبقية رجاله رجال الصحيح. (مجمع الزوائد، باب الخيروالبركة مع الاكابر:۸/۳۵).

(۲) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا سقى قال: ابدأوا بالكبراء أو قال: بالأكابر. أخرجه البوصيري في اتحاف الخيرة وقال: هذا إسناد رجاله ثقات. (رقم: ۳۶۹۱).

(وأيضاً أخرجه أبويعلى :۴/۳۱۵/۲۴۲۵، قال الحافظ : سنده قوی، والطبرانی فی الاوسط :۴/۱۲۹/۳۷۸۶، قال الهيثمي: (۵/۸۱) رواه ابويعلى والطبرانی فی الاوسط ، ورجال ابی يعلى رجال الصحيح) .

(۳) وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعاً: لايزال الناس بخير ما أخذوا العلم عن أكابرهم ، فإذا أخذوا العلم عن أصاغرهم هلكوا. أبونعيم فی الحلية. (مقاصدالحسنة، ۲۹۰،وكشف الخفاء:۱/۲۸۵).

وأخرجه الخطيب فی الفقيه والمتفقه عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ موقوفاً . (رقم:۷۷۱).

معلوم ہوا کہ لفظ اکبر اضافی ہے نیز یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے اور غیر اللہ کے لیے دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے لہٰذا ایہ نام رکھنا درست ہے۔

اسی طرح جو صفت اللہ تعالیٰ کے لیے خاص نہ ہو اس کا اطلاق بھی دوسروں پر جائز ہے، جیسے قرآنِ کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے لفظ اعلیٰ استعمال ہوا ہے، ملاحظہ ہو حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

''اعلیٰ'' صفتِ خاص نہیں کہ کسی اور کے لیے اس کا اطلاق درست نہ ہو، قرآنِ کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ارشاد ہے: ﴿قلنا لاتخف إنک أنت الأعلى﴾ [سورة طه:٦٨] نیز اہل احد کو ارشاد ہے: ﴿وأنتم الأعلون إن كنتم مؤمنين﴾ [سورئه آل عمران:١٣٩]۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۳۸۵، جامعہ فاروقیہ)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عبد الرسول اور عبد النبی نام رکھنے کا حکم:

سوال: عبد الرسول یا عبد المصطفیٰ یا عبد النبی نام رکھنا کیسا ہے؟

الجواب: عبد کے تین معنی آتے ہیں (۱) عبد بمعنی انسان۔ (۲) عبد بمعنی عاجزی انکساری کرنے والا **فلان عبد بيّن العبودية وأصل العبودية الخضوع والتذلل.** (لسان العرب:۳/۱۷۲، وتهذيب لسان العرب) اس معنی میں عبد عابد کی طرح ہو جائیگا۔ (۳) عبد بمعنی مملوک **قال تعالیٰ: والصالحين من عبادكم وإمائكم.** [النور:٣٢].

علماء نے فرمایا ہے کہ (۱) عبد کی نسبت اس غیر اللہ کی طرف جو عبادت کے لیے مشہور ہے حرام وناجائز ہے جیسے عبد العزی یا عبد اللات۔ اور (۲) عبد کی نسبت اس غیر اللہ کی طرف جو عبادت کے لیے مشہور نہیں لیکن بعض لوگ اس کو اللہ تعالیٰ کا درجہ دیتے ہیں جیسے انبیاء علیہم السلام، یہ مکروہ ہے۔

تو عبد الرسول کے نام میں یہ شبہ پیدا ہوگا کہ رسول کا بندہ ہے اور اللہ تعالیٰ جیسا خشوع وخضوع اس کے سامنے کرتا ہے، عبد کے ایک معنی اگر چہ غلام اور مملوک بھی آتے ہیں اور رسول کے مملوک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کے لیے بمنزلہ غلام ہیں، لیکن بعض لوگوں کا رسول کے ساتھ عابد جیسا معاملہ کرنے سے عبودیت اور عبادت کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے۔ (۳) اور اگر عبد اس چیز کی طرف منسوب ہو جس کی عبادت نہیں ہوتی تو یہ جائز ہے جیسے حدیث میں تعس عبد الدینار وعبد الدرہم آیا ہے، جس کے معنی دینار ودرہم کا غلام اور اس کے پیچھے چلنے والا۔ ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

أقول: ويؤخذ من قوله ولا عبد فلان منع التسمية بعبد النبي، ونقل المناوى عن الدميرى أنه قيل بالجواز بقصد التشريف بالنسبة والأكثر على المنع خشية اعتقاد حقيقة

العبودية كما لايجوز عبد الدار . (رد المحتار: ٦/ ٤١٨،سعيد).

(وكذا في فيض القدير: ١/ ٢١٩،بيروت، والفقه الاسلامي وادلته:٤/ ٢٩١، وفتاوى ابن حجر الهيتمي:٦/ ٢٠٢، ط:دارالفكر، وتحفة المودودباحكام المولود،ص٧٢،الفصل الثاني فيمايستحب من الاسماء ومايكره منها).

حضرت مولاناانورشاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

وأما الاسم بإضافة العبد إلى غير اللّٰه الذي يعبد عند أهل الإسلام فشرک ، وإضافة العبد إلى غير اللّٰه الذي لايعبد إلا أنه يلتبس أحياناً بالمعبود فمكروه مثل عبد النبى وعبد الرسول، ويذكر في كتب اللغة أن للعبد معنيين المخلوق والمملوک فلا يكون فى عبد النبي وعبد الرسول شرک . (العرف الشذى:٤/ ٢٠١،ط:بيروت).

علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں:

قلت: ومن ههنا وضح لک أن تسمية العوام أطفالهم بعبد سبحان مما لا معنى لها ويجب نهيهم عنها فإن العبودية لا تضاف إلا إلى اسم من أسماء اللّٰه تعالىٰ... (السعاية:٢/ ١٦٤،ط:سهيل).

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

وتحرم التسمية بكل اسم مُعَبَّد مضاف إلى غير اللّٰه سبحانه وتعالىٰ كعبد العزى ... قال ابن القيمؒ: فإن قيل: كيف يتفقون على تحريم الاسم المعبد لغير اللّٰه وقد صح عنه عليه السلام أنه قال: تعس عبد الدينار وعبد الدرهم...، فالجواب: أما قوله: تعس عبد الدينار فلم يرد به الاسم وإنما أراد به الوصف والدعاء على من تعبد قلبه للدينار والدرهم ، فرضي بعبوديتهما عن عبودية ربه تعالىٰ. (الموسوعة الفقهية:١١/ ٣٣٥،٣٣٦،ط: وزارة الاوقاف).

کفایت المفتی میں ہے:

سوال: عبدالنبی،عبدالرسول،عبدالمصطفیٰ نام رکھنا یہ سمجھ کر کہ ہم ان کے غلام ہیں، یامملوک ہیں،شرعاً جائز ہے یانہیں؟

الجواب: یہ نام رکھنا احتیاط اورتورع کے خلاف ہے کیونکہ عبدکی اضافت اللہ کی طرف ہونی چاہئے...کہ

غلام بمعنی خادم و مطیع تو بے شک ہیں، لیکن غلام بمعنی مملوک نہیں ہیں۔ (کفایت المفتی: ۱۲/۴۲۳، ط: جامعہ فاروقیہ)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بندر نام رکھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص چونکہ سعودی عرب کے ناموں کے عاشق ہیں، وہ اپنے بیٹے کا نام بندر رکھنا چاہتے ہیں چونکہ یہ ایک سعودی عرب شہزادہ کا نام ہے، بیوی اس کی مخالفت کرتی ہے کہ بندر تو ایک قبیح اور برا جانور ہے یہ نام نہ رکھیں، اگر یہ نام رکھا جائے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ ایسا نام نہیں رکھنا چاہئے مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ نام سنتے ہی انسان کا ذہن معروف جانور کی طرف جاتا ہے جو قباحت وشناعت میں معروف ومشہور اور ضرب المثل ہے، البتہ کوئی شخص یہ نام رکھنے پر مصر ہو تو اس کا اچھا مطلب اہم اور معزز شخص ہوگا اور قباحت کے بجائے اس میں حسن وخوبصورتی کا معنی لیا جائیگا۔

بندر کی تحقیق ملاحظہ کیجئے: البندر: بندرگاہ یا ساحلی شہر کو کہتے ہیں، بندرگاہ پر تجارتی سامان کی کثرت ہوتی ہے، جو کہ بہت قیمتی ہوتا ہے، اور قیمتی ہونا آدمی کے معزز ہونے پر دال ہے، اسی طرح ساحلی شہر عام طور پر خوبصورت بھی ہوا کرتا ہے اور ملک کی ترقی کا باعث ہوتا ہے۔

القاموس الوحید میں مذکور ہے: البندر: بندرگاہ، بڑا شہر، تجارتی شہر۔

مصباح اللغات میں ہے: البندر: بندرگاہ، سمندر کے کنارے کا شہر، شہر میں تاجروں کے قیام کی جگہ۔

المنجد میں مرقوم ہے: بندرگاہ، ساحلی شہر، تاجروں کے ٹھہرنے کی جگہ۔

المعجم الوسیط میں لکھا ہے: **البندر: موسى السفن في الميناء (فارسي) ويطلق الآن على البلد الكبير، يتبعه بعض القرى.**

المورد میں ہے: **بندر: مدينة ساحلية، مركز تجاري۔**

لہذا بندر کا مطلب خوبصورت شہر یا بندرگاہ جو ضروری چیزیں فراہم کرتی ہے، یعنی بندر شخص کا مطلب ضروریات فراہم کرنے والا ہے اور خوبصورت کے معنی بھی اس سے مترشح ہوتے ہیں۔

بندرگاہ فارسی لفظ ہے، اور یہ مرکب ہے، بند اور در سے۔ تخفیف کی وجہ سے ایک دال حذف کی گئی تو بندر ہو گیا۔ در کے معنی دروازہ اور گاہ فارسی میں جگہ کو کہتے ہیں۔

قیمتی سامان کی وجہ سے اور باہر سے شہر پر حملہ سے حفاظت کی خاطر دروازہ بند کیا جاتا ہے۔

غیاث اللغات میں ہے:

بندر فتح کے ساتھ جہاں پر کشتی کو باندھتے ہیں اور اس کا معنی یہ بھی ہے: وہ شہر جو دریا کے کنارے پر ہو اور دریا اس کو محیط ہو جیسے سورت اور بمبئی۔

فیروز اللغات میں ہے: بندرگاہ، جہازوں کے ٹھہرنے کی جگہ۔ واللہ ﷻ اعلم۔

سدیس، شریم، نوفل، زیدان، بہلول کے اچھے معانی:

سوال: ایک شخص اپنے نومولود بچے کے لیے درجِ ذیل ناموں میں سے ایک نام تجویز کرتا ہے اور اس کے معانی پوچھتا ہے: سدیس۔ شریم۔ نوفل۔ زیدان۔ بہلول۔ ان کے کیا معنی بن سکتے ہیں، اور ناموں میں تصغیر کا کیا مطلب ہوتا ہے؟

الجواب: (۱) **سدیس:** سدس کی تصغیر ہے اور سدس خاص عمر کے اونٹ کو کہتے ہیں، اونٹ میں بہت ساری خصوصیات ہیں: مثلاً اونٹ فرماں بردار ہے، اونٹ میں بہت زیادہ صبر ہوتا ہے، اونٹ قوی مضبوط اور غیرت مند ہوتا ہے اس اعتبار سے سدیس کے معنی فرماں بردار، صابر، قوی، اور غیرتمند ہو سکتے ہیں اور یہ سب اچھے معانی ہیں۔

نیز سدس چھ کے عدد کو بھی کہتے ہیں جو عرب کے ہاں اور حدیث کی روشنی میں کامل عدد سمجھا جاتا ہے کہ چھ زوج اور فرد اور زوج الزوج یعنی چار اور زوج الفرد یعنی خود چھ اور عدد ناقص اور عدد تام اور عدد منطق اور اصم پر مشتمل ہے اس لیے سدیس جو سدس کی تصغیر ہے اس میں عدد کامل کی طرح کمال کی طرف اشارہ ہوگا۔

راجع: شرح البخاری للعینی والشروح الأخری، تحت حدیث: "الإیمان بضع وستون شعبة"۔

ملاحظہ ہو النہایہ فی غریب الاثر میں ہے:

السدیس: من الإبل ما دخل فی السنة الثامنة وذلک إذا ألقی السن التی بعد الرباعیة. (النهاية: ٢:٨٩٦).

امام اخفش کی الاختیارین میں ہے:

والسديس: السن التي وراء الرباعية . يقال : قد أسدست وهي سديس ، وسدس يقول: حين بزلت. (ص۲٦). (وكذا في معجم الوسيط،ص۴۲۳).

تفسیر عزیزی میں مرقوم ہے:

باوجود اس ڈیل ڈول کے اس قدر تابعدار ہے کہ ایک بچہ بلکہ چوہا اس کی مہار پکڑے تو جہاں چاہے لے جاوے...اگر اس کے پیٹھ کو خیال کرے تو گویا ایک اونچا تخت چار ستون پر دھرا ہے باوجود اس بلندی کے کہ ہاتھ بھی آدمی کا اس تک نہیں پہونچ سکتا آدمی جب چاہے بٹھلا کر سوار ہو جائے ...اور صابر ایسا ہے کہ دس روز تک پیاسا رہتا ہے اور محنت ومشقت میں قصور نہیں کرتا، اور اونٹ سب جانوروں میں باغیرت مشہور ہے ...کسی جانور میں یہ نہیں ، اگر اس پر سامان لادے تو تمام اسباب گھر کا اٹھالے اور اگر کہیں بھیجنا منظور ہو تو تمام راستہ دوڑتا چلا جاوے اور اتنی دور جاتا ہے کہ کوئی جانور اس تک نہیں پہونچ سکتا ۔(خلاصہ تفسیر عزیزی، پارۂ عم،۴/۲۴۵ ط:سعید)۔

(۲) شریم: شرم کی تصغیر ہے جس معنی خلیج کے ہیں یعنی خلیج کی طرح مفید، جہاں کشتیاں آکر ٹھہر سکتی ہیں تو شریم کا مطلب ملجأ پناہ گاہ ہے۔

وشرم من البحر: خليج منه. (الصحاح:۴/۱۵۹۰، وتاج العروس:۸/۱۴۲، ولسان العرب:۷/۱۰۱).

والخليج : شرم من البحر وقال ابن سيده : هوما انقطع من معظم الماء ، لأنه يجبذ منه . (تاج العروس:۵/۵۳۱).

نیز ناموں میں تصغیر شفقت اور مہربانی کے لیے آتی ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أنس رضي الله عنه ان كان النبي صلى الله عليه وسلم ليخالطنا حتى يقول لأخ لي صغير: يا أبا عمير ما فعل النغير وكان له نغير يلعب به فمات . متفق عليه .

قال : وفيه إباحة تصغير الأسماء ، قلت: لأنه مبني على اللطف والشفقة . (مرقاة المفاتيح:۹/۱۷۲، ط:امداديه). تصغیر سے متعلق ضروری بحث ماقبل میں گزر چکی ہے۔

(۳) نوفل: لغت میں نوفل کے دو اچھے معانی بیان کیے گئے ہیں: (۱) بہت زیادہ عطیہ دینے والا۔ (۲) خوبصورت نوجوان۔ **النفل بالتحريك : الغنيمة ، والهبة . النوفل : العطية ، والنوفل : السيد المعطاء يشبهان بالبحر.** (لسان العرب:۱۴/۲۴۵، دارالباز).

وقال فی تاج العروس (۱٤۲/۸): **والنوفل : الشاب الجميل. وكذا في** (الصحاح:٤/۱٤۹۱،داراحياء التراث العربي).

(۴) زیدان: یہ زاد یزید کا مصدر ہے اس کے معنی ہیں زیادہ ہونا، مطلب یہ ہوگا کہ خیر و برکت، رشد وہدایت میں زیادہ ہونا۔ دیکھئے: (تاج العروس:۲/۳۲۲،والصحاح:۲/٤۱٦،داراحياء التراث).

(۵) بہلول: (۱) بہلول کے معنی شریف باحیا (۲) معزز آدمی جو بھلائیوں کا جامع ہو۔ اور غیاث اللغات میں ہے: ایک عارف کا نام اور خوش مزاج سردار۔

البهلول من الرجال الضحاک ، والبهلول العزيز الجامع لكل خير عن....والبهلول الحيي الكريم . (تاج العروس:۷/۲۳۹،والصحاح:٤/۱۳٤۸،ولسان العرب:۱۱/۷۳،دارالفكر).

قال في اللطائف في اللغة : أما البهلول : فالسيد الجامع لكل خير. (ص:۱٤٦).

قال في فقه اللغة : البهلول السيد الحسن البشر. (ص:٥٦۲). واللہ ﷻ اعلم۔

حذیفہ کے مناسب اور اچھے معنی:

سوال: ایک آدمی اپنے بیٹے کا نام حذیفہ رکھنا چاہتا ہے اور اس کا معقول معنی پوچھتا ہے، اس کے اچھے اور مناسب معنی کیا ہے؟

الجواب: حذیفہ حذف سے ہے اور اس کے معنی چھوٹی کالی بکری۔ بکری میں چونکہ عاجزی اور مسکنت ہوتی ہے اس لیے حذیفہ کا ایک معنی نرم مزاج متواضع ہے۔ اور تراشیدہ اور اصلاح شدہ، عمدہ۔

(۲) حذیفہ کا معنی کپڑے کا ٹکڑا بھی آتا ہے، یعنی خدمت گزار متواضع۔

(۳) حذف کا ایک معنی بطخ ہے اور بطخ سفید ہوتے ہیں تو اس کا مطلب ہوگا کہ جس کا ظاہر اور باطن روشن اور سفید ہو۔ اور اسماء میں تصغیر شفقت اور نرمی کے لیے آتی ہے۔ کمامر۔

المعجم الوسیط میں ہے: **الحذف غنم سود جرد صغار ليس لها آذان ولا أذناب ، وضرب من البط صغار .** (المعجم الوسيط،ص۱٦۳،ط: ديوبند).

الصحاح میں ہے: **والحذف غنم سود صغار من غنم الحجاز.** (الصحاح:۳/۱۱۰۸،ط: احياء التراث العربي).

قال في لسان العرب : الحذفة : القطعة من الثوب . (لسان العرب:۹/ ٤٠،دارالفکر).

خلاصہ یہ ہے کہ حذیفہ کے اچھے اور مناسب چند معانی ہیں: متواضع ،اصلاح شدہ اور صاف کیا ہوا،سفید روشن ۔میرے خیال میں سب سے مناسب اور اچھے معنی تراشیدہ ،اصلاح شدہ اور سنوارا ہوا ہے اس لیے کہ حذف کے ایک معنی بالوں کا تراشنا بھی ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کنعان نام رکھنے کا حکم اور اس کے معنی:

سوال: ایک صاحب اپنے بیٹے کا کنعان نام رکھنا چاہتے ہیں،اس کے معنی کیا ہیں؟مشہور ہے کہ یہ نام حضرت نوح علیہ السلام کے کافر بیٹے کا نام تھا جو غرق ہوا،یہ بات پکی ہے،اگر پکی ہے تو یہ نام رکھنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: کنعان کے معنی ہیں عاجزی کرنے والا۔

کنع الشيء کنعاً و کنوعاً ، سوکھ کر سمٹ جانا،سکڑ جانا۔(القاموس الوحید:۲/ ۱٤۲۸،ط:حسینیہ دیوبند).

قال فی لسان العرب : کنع ،کنوعاً ، وتکنع ، تقبض ، وانضم ، وتشنج یبساً . (لسان العرب:).

قال في تاج العروس : وکنع الامر : قرب...وکنع فلان کنوعاً : خضع . (تاج العروس:۲۲/ ۱۳٦،ط:دارالهدایة).

کنعان نام کے بارے میں اچھی تحقیق قرۃ العینین کے مصنف نے کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر نوح علیہ السلام کا بیٹا بالفرض کنعان ہو تو ایک اور کنعان بھی ہے جو نوح علیہ السلام کا پوتا ہے اور ان کی نسل چلی ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

قوله : وهم قوم من کنعان قال یاقوت ، فی معجم البلان: کنعان بالفتح ثم السکون ، وعین مهملة آخره نون ، وقال الزهری: کنعان بن سام بن نوح ،إلیه ینسب الکنعانیون وکانوا یتکلمون بلغة تضارع العربیة ، قال یاقوت: هذا حسن مستقیم وقال ابن الکلبی والشام ، أي: فلسطین والأردن ولبنان وسوریة الیوم ، منازل الکنعانیین، ولفظ کنعان، عجمي وله فی العربیة مخارج یجوز أن یکون من قولهم أکنع به ، أی أحلف أو من الکنوع وهو الذل أو من الکنع وهو النقصان ، وقیل: غیر ذلک .وعلی کل حال فإن الأسماء من

مثل هذا يصعب تعليلها هذا على فرض أنه في الأصل من الأسماء المنقولة لا المرتجلة فالظاهر أن كنعان الذى يقال: إنه سام ابن نوح الذى أهلكه اللّٰه تعالىٰ بالطوفان، هو غير كنعان جد الكنعانيين، لأنه لو كان اسم الغريق كنعان فمن أين جاء الكنعانيون؟ فجد الكنعانيين هو كنعان بن سام بن نوح، وليس ابن نوح الذى أغرقه اللّٰه أيّا كان اسمه . (قرة العينين على تفسير الجلالين لمحمد احمد كنعان، ص ٣١٥، دار البشائر الاسلامية).

باقی حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کا نام کنعان تھا یا نہیں؟ احادیث میں کوئی تصریح نہیں ہے البتہ کتب تفاسیر سے پتہ چلتا ہے کہ نوح علیہ السلام کے غریق بیٹے کا نام کنعان تھا نیز طبقاتِ ابن سعد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک موقوف روایت میں بھی مذکور ہوا ہے لیکن بظاہر یہ اسرائیلی روایت معلوم ہوتی ہے۔

ابن سعد کی روایت ملاحظہ ہو:

أخبرنا هشام بن محمد بن السائب الكلبي عن أبيه عن أبي صالح عن ابن عباس رضی اللہ عنہ، قال: كان لِلَمْكٍ يوم ولد نوحاً اثنتان وثمانون سنة، ولم يكن أحد في ذلك الزمان ينهى عن منكر، فبعث اللّٰه نوحاً إليهم وهو ابن أربعمائة وثمانين سنة ...وفى ولده سواد وبياض قليل، ويافث، وفيهم الشقرة والحمرة، وكنعان، وهو الذى غرق، والعرب تسميه يام... (الطبقات الكبرى: ١/ ٤٠، دار صادر).

ملاحظہ ہو موسوعۃ الاسرائیلیات میں ہے:

قلت: هذا إسناد ومتن موضوع...فإن بليته من محمد بن السائب الكلبي، وروايته عن أبي صالح عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أوهن الطريق، وقد أجمعوا على ترك حديثه وليس بثقة ولايكتب حديثه واتهمه جماعة بالوضع، قال السيوطى فى الدر المنثور (٩/ ٤٢٣) **الكلبى اتهموه بالكذب وقد مرض فقال لأصحابه في مرضه: كل شيء حدثته عن أبي صالح كذب.** (موسوعة الاسرائيليات والموضوعات فى كتب التفسير: ١/ ٤٩٥).

خلاصہ یہ ہے کہ کنعان نام کے اچھے معانی ہیں اس لیے یہ نام رکھنا درست ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اگر کسی کا نام غلام محمد ہو تو اس پر درود لکھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی کا نام محمد غلام ہے تو اس لفظ محمد پر درود نہیں لکھا جاتا اور نہ پڑھا جاتا ہے کیوں کہ یہاں مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ جس کا نام ہے وہی مراد ہے لیکن اگر کسی کا نام غلام محمد ہے تو یہاں محمد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں، تو پھر یہاں کیوں درود نہیں لکھا جاتا اسی طرح اگر درودِ ابراہیمی کہدیں تو اس کے ساتھ علیہ السلام نہیں لیکن درودِ ابراہیم کہدیں تو اس کے ساتھ علیہ السلام کیوں نہیں کہتے؟

الجواب: جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام کسی امتی کے نام کا جز ہو تو اس پر درود نہیں اگر کسی کا نام محمد کریم ہو تو اس پر درود نہیں کیونکہ اس سے مراد کوئی اور ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں، اور اگر مضاف مضاف الیہ ہوں جیسے کسی کا نام خادم الرسول یا مطیع النبی ہو تو پھر بھی درود نہیں ایک تو اس وجہ سے کہ درود لکھیں یا پڑھ لیں تو مضاف کے ساتھ اس کے تعلق کا خیال پیدا ہو سکتا ہے اور دوسرا اس وجہ سے کہ یہ نام شب وروز لیا جاتا ہے تو ہر وقت درود میں حرج ہے۔ تیسرا اس لیے کہ خیر القرون میں یہ اضافی نام استعمال کرتے تھے درود کی حاجت نہیں تھی جیسے آل النبی یا آل محمد وغیرہ۔

غیر رسول کے ساتھ درود کے تعلق کا وہم ہونے کی وجہ سے درود نہیں لکھا جاتا اس کے دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

لا يجوز الصلاة على غير النبي لأن الصلاة على غير الأنبياء قد صارت من شعار أهل الأهواء يصلون على من يعتقدون فيهم فلا يقتدى بهم في ذلك . (تفسیر ابن کثیر: ٦/٤٧٨، سورة الاحزاب: ٥٦). مزید ملاحظہ ہو: (التفسیر المظهری: ٤/ ٢٩٢، وفتاویٰ دار العلوم زکریا: ١/٣٦). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

یقین اللہ نام رکھنے کا حکم:

سوال: کیا یقین اللہ نام رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اس نام کے معنی بہ تکلف بن سکتے ہیں تکلف کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے یہ نام نہ رکھیں، ایسا نام رکھیں جس کا معنی اور مطلب بلا تکلف صحیح اور بہتر ہو ہاں اگر لفظِ اللہ کی طرف اضافت کے بغیر صرف ''یقین'' یا ''محمد یقین'' نام رکھیں تو ٹھیک ہے محمد نام بن جائیگا اور یقین کے معنی یقین کرنے والا ہوگا، اور مبالغہ پر محمول ہوگا جیسے زید عدل یعنی زید بہت زیادہ انصاف کرنے والا ہے۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

حارث نام رکھنے کا حکم:

سوال: حارث نام رکھنا کیسا ہے جب کہ ایک حدیث کے مطابق حارث شیطان کا نام ہے؟

الجواب: حارث نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے بعض روایات میں حارث نام کو اصدق کہا گیا ہے اور جس روایت میں حارث شیطان کا نام وارد ہوا ہے وہ روایت ضعیف ہے۔نیز حارث اسمائے مشترکہ میں سے ہے تو صحیح مفہوم کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس نام کے رکھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

وہ روایت ملاحظہ ہو جس میں حارث شیطان کا نام بتلایا گیا ہے۔

عن الحسن عن سمرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لما حملت حواء طاف بها إبليس وكان لايعيش لها ولد فقال: سميه عبدالحارث فسمته عبد الحارث فعاش ذلک وكان ذلک من وحي الشيطان وأمره. (اخرجه الترمذی،رقم: ۳۰۷۷و احمد فی مسنده ،رقم:۲۰۱۱۷).

یہ روایت ضعیف ہے اس میں چار علتیں ہیں:(۱) عمر بن ابراہیم راوی مختلف فیہ ہے، بعض نے توثیق کی ہے اور بعض نے ’’لایحتج‘‘ کہا ہے۔(۲) یہ روایت حضرت سمرہ پر موقوف ہے مرفوع نہیں ہے۔(۳) حضرت حسن سے یہ روایت مروی ہے لیکن انہوں نے خود آیتِ کریمہ کی دوسری تفسیر فرمائی ہے۔(۴) اس میں حضرت حسن بصریؒ کا عنعنہ ہے جو بہت سارے محدثین کے ہاں مقبول نہیں۔

مسند احمد بن حنبل کی تعلیقات میں شیخ شعیب الارنؤوط لکھتے ہیں:

إسناده ضعيف، عمر بن إبراهيم، وهو البصری أبوحفص البصری، في روايته عن قتادة ضعف، والحسن مشهور بالتدليس ولم يذكر سماعه من سمرة ...

قال الحافظ ابن كثير في هذا الحديث فی تفسير قوله تعالیٰ: فلما آتاهما صالحاً جعلا له شركاء فيما آتاهما﴾ [سورة الأعراف:الآية: ۱۹۰] **هذا الحديث معلول من ثلاثة أوجه:**

أحدها: أن عمر بن إبراهيم هذا هو البصری، وقد وثقه ابن معين ولكن قال أبوحاتم الرازی: لايحتج به، ولكن رواه ابن مردويه من حديث المعتمر عن أبيه عن الحسن عن سمرة مرفوعاً.

الثاني: أنه روی من قول سمرة نفسه، ليس مرفوعاً.

الثالث: أن الحسن نفسه فسر الآية بغيرهذا ، فلو كان هذا عنده عن سمرة مرفوعاً لما عدل عنه . ثم ذكر عن ابن جريرمن تفسيره بأسانيده عن عمرو، عن الحسن ، جعلا له شركاء فيما آتاهما، قال: كان هذا فى بعض أهل المِلَل ولم يكن بآدم. (تعليقات الشيخ شعيب على مسندالامام احمد بن حنبل:۳۰۵/۳۳).

وہ روایت ملاحظہ کیجئے جس میں حارث نام کواصدق کہا گیا ہے:

أخرج الإمام أبوداود (۴۹۵۲) **بسنده عن أبي وهب الجشمي وكانت له صحبة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تسموا بأسماء الأنبياء و أحب الأسماء إلى الله عبد الله وعبد الرحمن وأصدقها حارث وهمام ، وأقبحها مرة .**

وأيضاً أخرجه أبويعلى في مسنده (۷۱۶۹)، **وقال حسين سليم أسد : رجاله ثقات. و أحمد في مسنده** (۱۹۰۳۲)، **وقال الشيخ شعيب : إسناده ضعيف لجهالة عقيل بن شبيب فقد تفرد بالرواية عنه محمد بن مهاجر وهو الأنصارى ولم يؤثر توثيقه عن غير ابن حبان. والبخارى فى الأدب المفرد** (۳۵۶).

(۲) أخرج الطبرانى فى الكبير (۷۵۳) **عن سبرة بن أبي سبرة أن أباه أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: ما ولدك فقال: عبد العزى وسبرة والحارث، قال: لاتسم عبدالعزى وسم عبد الله فإن خير الأسماء عبد الله وعبيد الله والحارث وهمام ...الخ .**

قال الهيثمي: وفي إسناده: الحجاج بن أرطاة وفيه ضعف وبقية رجاله رجال الصحيح. (۹۸/۸، باب مایستحب من الاسماء). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

صابر نام رکھنے کا حکم:

سوال: میرا نام صابر ہے بعض لوگ میرے نام پر معترض ہیں کہ صابر کا مطلب مصیبت کو دعوت دینا ہے حالانکہ شریعت میں مصیبت کی دعا یا اس کو دعوت دینا صحیح نہیں۔حدیث شریف میں آیا ہے:

عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال:... سمع النبي صلى الله عليه وسلم رجلاً وهو يقول: اللهم إني أسألك الصبر، فقال: سألتَ الله البلاء فاسئله العافية . (اخرجه الامام الترمذی ، رقم: ۳۵۲۷،

وقال: هذا حديث حسن). وايضاً اخرجه الامام احمد فى مسنده، رقم: ٢٢٠١٧، وقال الشيخ شعيب: اسناده حسن.

مرقات میں لکھا ہے کہ مصیبت سے پہلے صبر کا سوال مذموم ہے اور اس کے بعد مندوب ہے تو ایسا نام رکھنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: ا۔ صابر نام رکھنا جائز ہے، صبر کی کئی اقسام ہیں (۱) صبر علی الطاعات۔ (۲) صبر عن المعاصی والمنکرات۔ (۳) صبر عن البدعات۔ (۴) صبر عن الشهوات۔ (۵) صبر عن الشبهات۔ (۶) صبر علی الآفات والبلیات، صبر کی پہلی پانچ قسمیں ہر وقت مطلوب ہیں ہاں چھٹی قسم مصیبت کے بعد مطلوب اور مصیبت سے پہلے مجوب ہے تو صابر میں پہلے پانچ معانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ نام رکھا جائے۔

۲۔ نیز صبر کے ایک معنی جرءت بھی ہے اور حضرت تھانویؒ کے الفاظ میں قوتِ تحمل ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۴/۴۹۷)۔ تو قوتِ تحمل کی دعا مانگنا چاہئے، یعنی یا اللہ اگر کبھی کوئی خلافِ مزاج شئ پیش آجائے تو قوتِ تحمل عطا کر دے۔ ملاحظہ ہو القاموس الوحید میں ہے:

الصابر: جفاکش، باہمت، صبر کنندہ، متحمل، محنتی۔ (القاموس الوحید: ۱/۹۰۸)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایمان نام رکھنے کا حکم:

سوال: میں نے اپنی بیٹی کا نام ''ایمان'' رکھا اور وہ دو سال کی عمر کی ہے تو یہ نام درست ہے یا نہیں؟

الجواب: بعض ایسے ناموں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بدفالی کی وجہ سے نہ رکھے جائیں مثلاً یسار، رباح، افلح وغیرہ لیکن اگر بدفالی نہ ہو اور معنی درست اور اچھے ہوں تو ایسے نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں، بنابریں ایمان نام رکھنا درست ہے۔ نیز بدفالی ابتدائے اسلام میں مروج تھی بعد میں لاطیرۃ والی روایات نے بدفالی ختم کر دی، لہذا اب ان ناموں کا رکھنا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن سمرة بن جندب قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أحب الكلام إلى الله أربع سبحان الله، والحمد لله، ولا إله إلا الله، والله أكبر، لايضرك بأيهن بدأت ولاتسمين غلامك يساراً ولا رباحاً ولا نجيحاً ولا أفلح فإنك تقول: أثَمَّ هو فلا يكون فيقول: لا. (رواه مسلم: ٢/٢٠٧، رقم: ٢١٣٧).

قال الإمام النووی: یکره التسمیة بهذه الأسماء المذکورة فی الحدیث ومافی معناها ولاتختص الکراهة بها وحدها وهي کراهة تنزیه لا تحریم والعلة فی الکراهة ما بینه صلی اللّٰه علیه وسلم في قوله فإنک تقول: أثَم هو فیقول : لا ، فکره لبشاعة الجواب وربما أوقع بعض الناس في شيء من الطیرة . (شرح مسلم:۲/۲۰۷).

امام خطابی غریب الحدیث میں فرماتے ہیں:

فأما من سلک به مذهب الفأل وقصد فیه الیمن والتبرک فأنا أرجو أن لا یکون به حرجاً إن شاء اللّٰه وقد کان لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم غلام یقول له رباح وسمی عبداللّٰه بن عمر غلامه نافعاً . (غریب الحدیث :۱/۵۳۱).

المفهم لما أشکل من تلخیص کتاب مسلم میں ہے:

هذا نهي صحیح عن تسمیة العبد بهذه الأسماء لکنه علی جهة التنزیه بدلیل قول جابر رضی اللہ عنہ فی الحدیث الآتي: أراد النبي صلی اللّٰه علیه وسلم أن ینهی أن یسمی بیعلی ، بمقبل ، وببرکة ، وبأفلح ، وبیسار، وبنافع، ونحو ذلک ، ثم سکت ، یعني: أراد أن ینهی عن ذلک نهي تحریم ... (۱۷/۱۳۱). وللمزید راجع: (مرقاة المفاتیح: ۹/۱۰۷، امدادیہ ، واکمال اکمال المعلم :۷/۲۹۸). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خدیجہ نام کے اچھے اور مناسب معنی:

سوال: ایک آدمی اپنی لڑکی کا نام خدیجہ رکھنا چاہتا ہے اور اس کا معنی پوچھتا ہے کہ اس کے اچھے معنی کیا ہے؟ برائے مہربانی مناسب اور اچھے معنی بتلا کر اجر عظیم کے مستحق ہوں۔

الجواب: خدیجہ، خدج سے مشتق ہے، اور یہ نام تواضع پر دال ہے یعنی ناقصہ کمزور اور حقیر کے معنی میں ہے یا خدیجہ بمعنی منقطعہ ہے، کیونکہ کٹی ہوئی چیز ناقص ہوتی ہے تو اس کے معنی منقطعۃ عن الرجال والشر ہے۔ اور فاطمہ کے بھی یہی معنی ہیں گویا کاٹنا اور ناقص ہونا لازم ملزوم ہے۔

لسان العرب میں مرقوم ہے:

خدج ، خدجت الناقة ، وکل ذات ظلف وحافر تخدج خداجاً وهي خدوج وخادج

وخدجت وخدّجت كلاهما ألقت ولدها قبل أوانه لغير تمام الأيام ...ويقال: أخدج فلان أمره إذا لم يحكمه ...الأصمعي، الخداج النقصان...وفى حديث الزكاة : فى كل ثلاثين بقرة خديج أى ناقص الخلق فى الأصل يريد تبيع كالخديج في صغر أعضائه ونقص قوته عن الثنى والرباعى . (لسان العرب : ۲۴۸/۲). (وكذا فى تاج العروس : ۵۰۵/۵، و الصحاح :۳۳۱/۱).

مجمع بحار الأنوار میں ہے:

خدج فيه كل صلاة ليست فيها قراءة فهى خداج أى نقصان و وصف بالمصدر مبالغة خدجت الناقة إذا ألقت ولدها قبل أوانه وإن كان تمام الخلق وأخدجته إذا ولدته ناقصة وإن كان لتمام الحمل ومنه: في كل ثلاثين بقرة...ومنه أنه أتى النبي صلى الله عليه وسلم بمخدج سقيم أي ناقص الخلق...ويسلم عليهم ولايخدج التحية لهم أى لاينقصها. (مجمع البحار:۱۸/۲). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فاطمہ نام کے مناسب معنی:

سوال: ایک شخص اپنی بیٹی کا نام فاطمہ رکھنا چاہتا ہے اور وہ اس کے معنی دریافت کر رہا ہے کہ فاطمہ کے معنی کیا ہے؟ برائے کرم آپ اس نام کے مناسب اور اچھے معنی بتا دیں؟

الجواب: فاطمہ یہ فطم سے مشتق ہے، یعنی المنقطعۃ عن الشر والرجال، فاطمہ وہ لڑکی ہے جو برائیوں اور مردوں سے بالکل جدا اور الگ ہو۔

ملاحظہ ہو تاج العروس میں ہے:

فطم؛ يفطمه فطماً قطعه كالعود ونحوه وقال أبونصر: فطمت الجبل قطعته وفطم الصبى يفطمه فطماً فصله عن الرضاع ...وفى الصحاح : فطام الصبي فصاله عن أمه يقال: فطمت الأم ولدها ... فطمت فلاناً عن عادته قطعته نقله الجوهرى وهو مجاز. (تاج العروس:۲۰۹/۳۳و۲۱۲،ط: دارالهداية). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

امام ابوحنیفہؒ کی کنیت کی وجہ تسمیہ:

سوال: امام ابوحنیفہؒ کا نام نعمان بن ثابت ہے یہ بات معلوم ہے لیکن ان کی کنیت ابوحنیفہ کی کیا وجہ ہے کیا ان کی کوئی بیٹی تھی جس کا نام حنیفہ تھا؟ یا اور کوئی وجہ تھی؟ نیز نعمان کے کیا معنی ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: امام صاحبؒ کی کنیت ابوحنیفہ تھی اس کی درجِ ذیل تین وجوہات بیان کی جاتی ہیں:

(۱) آپ ملتِ حنیفیہ پر قائم رہنے والے تھے۔

(۲) ہمیشہ اپنے ساتھ دوات رکھتے تھے جس کو اہل عراق کی لغت میں حنیفہ کہتے تھے۔

(۳) ان کی ایک بیٹی تھی جس کا نام حنیفہ تھا لیکن یہ قول مرجوح ہے اس لیے کہ ان کی اولاد میں صرف ایک بیٹے حماد کا ذکر آتا ہے۔

ملاحظہ ہو مکانۃ الامام ابی حنیفہ میں مذکور ہے:

وأما كنيته أبوحنيفة فقد قالوا: إن حنيفة مؤنث حنيف وهو الناسک المسلم الذی مال عن الدنيا إلى الحق لأن الحنيف في الأصل الميل، وقال آخرون: إن سبب تسميته بهذه الكنية أنه كان ملازماً للدواة يحملها أينما راح فقيل: أبوحنيفة والدواة هي الحنيفة بلغة أهل العراق، وقيل: إن ابنته الكبرى اسمها حنيفة ولكن اعترض الكثيرون على هذا التعليل لأنه لايعلم لأبي حنيفة ولد غير ابنه حماد. (مكانة الامام ابی حنيفة بين المحدثين،ص۳۹).

(وكذا فی الخيرات الحسان ،ص ٤٥،وارشادالاخوان الی مناقب النعمان،ص٣٢).

سیرۃ النعمان میں مرقوم ہے:

امام کی کنیت جو نام سے زیادہ مشہور ہے حقیقی کنیت نہیں ہے امام کی کسی اولاد کا نام حنیفہ نہ تھا یہ کنیت وضعی معنی کے اعتبار سے ہے یعنی أبو الملة الحنيفة قرآن مجید میں خدا نے مسلمانوں سے خطاب کر کے کہا ہے: ”فاتبعوا ملة إبراهيم حنيفاً“ امام ابوحنیفہؒ نے اس کی نسبت سے اپنی کنیت ابوحنیفہ اختیار کی۔ (سیرۃ النعمان،ص۲۱)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۲) نعمان کے معنی:

(۱) نعمان نعمت سے مشتق ہے یعنی وہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت تھے۔

(۲) نعمان کا معنی خون ہے جس پر پورا جسم قائم ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ آپ علمِ فقہ قائم کرنے کی بنیاد

تھے۔(۳) شقائق النعمان کا معنی گل لالہ ہے، اس اعتبار سے مطلب ہوگا موسمِ بہار میں ایک خوبصورت پھول جو گندم کے پکنے کے زمانہ میں کھلتا ہے، امام ابوحنیفہؒ کی محنتوں کے نتیجے میں بھی دین کو خوبصورتی نصیب ہوئی اور دین میں بہار آئی۔

ملاحظہ ہو القاموس المحیط میں ہے:

النعمة ، اليد والضيعة والمنة وما أنعم به عليك والنعم واحد الأنعام وهى المال الراعبة وأكثر ما يقع هذا الاسم على الإبل قال الفراء هو ذكر لايؤنث يقولون هذا نعم وارد ويجمع على نعمان مثل حمل وحملان والنعمان بالضم : الدم وأضيفت الشقائق إليه .

(القاموس المحيط).

النہایہ فی غریب الاثر میں مرقوم ہے:

وفي حديث أبي رافع : [إن في الجنة شجرة تحمل كسوة أهلها أشد حمرة من شقائق النعمان] هو هذا الزهر الأحمر المعروف...وقيل: النعمان اسم الدم وشقائقه : قطعة فشبهت به لحمرتها. (النهاية:٢/١١٩٥).

البلاغة العربیہ میں ہے:

والمراد به شقائق النعمان ، وهو ورد أحمر في وسطه سواد. (البلاغة العربية:١/٦٢٥).

وراجع : (لسان العرب:١٠/١٨١، وتاج العروس:٢٥/٥٢٠، ومصباح اللغات). **واللہ ﷻ اعلم۔**

زہدیٰ، یمنہ، ولیہ، وداد، زاہدہ، عاشقہ کے معانی:

سوال: درج ذیل چند ناموں کے مناسب اور اچھے معانی کیا ہیں؟ اور یہ نام رکھنا مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱) زہدیٰ، اس کے معنی دنیا سے بے رغبت۔(۲) ہدیٰ، ہدایت والی، (۳) یمنہ: خیر و برکت والی، (۴) ولیہ: خدا رسیدہ عورت، (۵) وداد: محبت کرنے والی، اخلاص والی، (۶) زاہدہ: دنیا سے بے رغبت، (۷) عاشقہ: عشق و محبت کرنے والی۔

مذکورہ بالا سب ناموں کے معانی اچھے ہیں لہذا یہ نام رکھنا درست ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

برکت نام رکھنے کا حکم:

سوال: کیا برکت نام رکھنا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ بعض روایات میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔

الجواب: ابتدائے اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدفالی کے خطرے کی وجہ سے ممانعت فرمائی تھی، لیکن اب یہ نام رکھنا درست ہے، احادیث کی توجیہ ماقبل میں گزر چکی ہے، نیز بعض صحابیہ کے نام بھی برکت تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل نہیں فرمایا۔ چند روایات ملاحظہ کیجئے:

بركة الحبشية : كانت مع أم حبيبة بنت أبي سفيان ﷺ تخدمها هناك ، ثم قدمت معها ، وهي التي شربت بول النبي صلى الله عليه وسلم...وخلطها أبوعمر بأم أيمن؛ فأخرج في ترجمتها من طريق ابن جريج : أخبرتني حكيمة بنت أميمة ، عن أمها أميمة بنت رقيقة ، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يبول في قدح من عيدان ويوضع تحت السرير، فجاء ليلة فإذا القدح ليس فيه شيء ، فقال لامرأة يقال لها بركة...البول الذى كان في هذا القدح ما فعل ؟ قالت: شربته يارسول الله. (الاصابة :۸/۴۷).

الاستيعاب میں ہے:

حدثنا سليمان بن أبي شيخ ، قال: أم أيمن اسمها بركة ، وكانت لأم رسول الله صلى الله عليه وسلم ، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أم أيمن أمي بعد أمي، قال : وسمعت مصعب بن عبد الله يقول: أم أيمن أم أسامة بن زيد. (الاستيعاب :۴/۱۷۹۴).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سودہ نام کے اچھے اور مناسب معنی:

سوال: سودہ صحابیہ اور حضرت سودہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا نام ہے، لیکن اس کا معنی کیا ہے؟ کیونکہ آدمی کا سیاہ ہونا کوئی منقبت اور تعریف کی بات نہیں؟

الجواب: سودہ، سواد (کالا پن) سے مشتق نہیں بلکہ السود، سے مشتق ہے اور اس کے معنی ہیں: کان والی زمین کا ٹکڑا یا کھجوروں والی زمین یا مبارکہ یا بلند مرتبہ والی، مالدار سخی۔

ملاحظہ ہو لسان العرب میں ہے:

السود : سفح من الجبل، مستدق في الأرض خشن أسود. والجمع : أسواد ،

والقطعة منه سودة ... وبها سميت المرأة سودة ، وقلما يكون (هذه القطعة) إلا عند جبل فيه معدن. (لسان العرب: ٦/٤٢٢).(وكذا فی تاج العروس : ٨/٢٣١).

ایک معنی سردار کے ہیں: وفي حديث عمربن الخطاب رضی اللہ عنہ : تفقهوا قبل أن تسودوا . قال أبوعبد الله: وبعد أن تسودوا . (صحيح البخاری:١/١٧،باب الاغتباط فی العلم).

قال فی فتح الباری: وقال عمر رضی اللہ عنہ: تفقهوا... أی تجعلوا سادة ،...وإنما عقبه البخاری بقوله وبعد أن تسودوا ليبين أن لامفهوم له خشية أن يفهم أحد من ذلک أن السيادة مانعة من التفقه وإنما أراد عمر رضی اللہ عنہ أنها قد تكون سبباً للمنع لأن الرئيس قد يمنعه الكبر والاحتشام أن يجلس مجلس المتعلمين . (فتح الباری:١/١٦٦).

والأسود من القوم أجلهم ، وفي حديث ابن عمر رضی اللہ عنہ: ما رأيت بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم أسود من معاوية رضی اللہ عنہ ، قيل: ولا عمر ؟ قال: كان عمر رضی اللہ عنہ خيراً منه ، وكان هو أسود من عمر رضی اللہ عنہ. قيل: أراد أسخى وأعطى للمال ، وقيل: أحلم منه. ومن المجاز : ما طعامهم إلا الأسودان ، وهما التمر والماء قاله الأصمعي والأحمر؛ وإنما الأسود : التمر دون الماء ، وهو الغالب على تمر المدينة ، فأضيف الماء إليه . (تاج العروس : ٨/٢٢٦).

ایک معنی مبارک کے ہیں:

ومن المجاز : رمى فلان بسهمه الأسود ، السهم الأسود هو المبارک ، الذی يتيمن به ، أي يتبرک . (تاج العروس:٨/٢٣٢). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ہندہ نام رکھنے کا حکم:

سوال: کیا ہندہ نام کیسا ہے کیا یہ نام رکھنا جائز ہے؟ اور اس کا معنی کیا ہے؟

الجواب: ہندہ نام رکھنا جائز اور درست ہے، اس کا مطلب ہے: برداشت کرنے والی اور صبر کرنے والی۔ یہ اچھا نام ہے اور چند صحابیات کا نام ہندہ تھا حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ میں ص ۳٦ پر تذکر کیا ہے۔

ملاحظہ ہو لسان العرب میں مرقوم ہے:

هند وهنيدة اسم للمائة من الإبل خاصة...قال أبوعبيدة وغيره: هی اسم لكل مائة

من الإبل...وهند وهنّد إذا صاح صياح البومة ، أبوعمرو : هنّد إذا شتم فاحتمله وأمسك وحمل عليه فما هنّد أى ما كذّب ...وهندته المرأة اورثته عشقاً بالملاطفة والمغازلة ... والمهنّد : السيف المطبوع من حديد الهند. (لسان العرب: ۴۳۷/۳،دارصادر).

القاموس الوحید میں ہے:

ہند،کسی کی گالی کا جواب نہ دینا سن کر برداشت کرنا۔(القاموس الوحید:۱۷۸۴/۲)۔واللہ ﷻ اعلم۔

مصباح اللہ اور مفتاح اللہ نام کا حکم:

سوال: اگر کسی کا نام نصر اللہ اور مفتاح اللہ اور مصباح اللہ ہو تو اس کا مطلب کیا ہوگا؟ یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد کا کیا مطلب ہوسکتا ہے؟

الجواب: نصر اللہ بمعنی ناصر لدین اللہ ہے اور مصباح اللہ کا معنی مصباح لدین اللہ اور مفتاح اللہ کا مطلب مفتاح لدین اللہ یا مفتاح للخیر ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی مدد یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد مراد ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنا ہے۔اس مسئلہ کے حوالہ جات ماقبل میں گزر چکے ہیں وہاں ملاحظہ کر لئے جائیں۔مفتاح للخیر سے متعلق حدیث شریف ملاحظہ کیجئے:

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن من الناس مفاتيح للخير مغاليق للشر، وإن من الناس مفاتيح للشر ومغاليق للخير، فطوبىٰ لمن جعل الله مفاتيح للخير على يديه ، وويل لمن جعل الله مفاتيح الشرعلى يديه. (رواه ابن ماجه: ۲۱/۱رقم ۲۳۷).

قال الإمام البوصيري في الزوائد: إسناده ضعيف من أجل محمد بن أبي حميد فإنه متروك.

وعن سهل بن سعد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن هذا الخير خزائن ، ولتلك الخزائن مفاتيح ، فطوبىٰ لعبد جعله الله مفتاحاً للخير مغلاقاً للشر ، وويل لعبد جعله الله مفتاحاً للشر ومغلاقاً للخير. (رواه ابن ماجه:۲۱/۱/ ۲۳۸).

وفي الزوائد: إسناده ضعيف لضعف عبدالرحمن .

مفتاح اللہ، مفتاح للخیر یعنی اللہ تعالیٰ اس کو خیر کے پھیلانے اور شر کے مٹانے کا ذریعہ بنادے، مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے دین کے لیے قبول کر لے یہ بہت بڑی خیر اور خوشی کی بات ہے۔واللہ ﷻ اعلم۔

لیلیٰ نام کے اچھے اور مناسب معنی:

سوال: لیلیٰ نام رکھنا کیسا ہے اس کے معنی سخت اندھیرے کے ہیں، بظاہر یہ نام اچھا نہیں ہے، اور کسی صحابیہ کا نام ہے یا نہیں؟

الجواب: لیلیٰ نام رکھنا ٹھیک ہے اس کے اچھے معنی خوشبو والی اور خوبصورت لڑکی کے ہیں، اور لیلیٰ چند صحابیات کا نام بھی تھا۔لسان العرب میں ہے:

و ليلى هي النشوة و هو ابتداء السكر و حرة ليلى معروفة في البادية وهي إحدى الحرار و ليلى من أسماء النساء قال الجوهري : هواسم امرأة ...قال ابن بري يقال : ليلى من أسماء الخمرة وبها سميت المرأة . (لسان العرب : ۶۰۷/۱۱،دارصادر).

وفيه: وقيل: الخمرة والخمرة الرائحة الطيبة يقال: وجدت خمرة الطيب أي ريحه وامرأة طيبة الخمرة بالطيب عن كراع . (لسان العرب: ۲۵۴/٤).

وفيه: الخمرة الورس وأشياء من الطيب تطلى به المرأة وجهها ليحسن لونها . (لسان العرب: ۲۵۴/٤).

اس معنی کے اعتبار سے لیلیٰ کا مطلب خوبصورت لڑکی، ہوگا۔چند صحابیات کا لیلیٰ نام تھا۔الاصابہ میں حافظ ابن حجرؒ نے بیان کیا ہے۔ملاحظہ ہو:

(۱) ليلىٰ بنت بلال أو بليل الأنصارية أخت أبي ليلىٰ وهي عمة عبد الرحمن بن أبي ليلىٰ قال أبوعمر: بايعت النبي صلى الله عليه وسلم وروت عنه . (الاصابة : ۳۰۲/۸).

(۲) ليلىٰ بن ثابت بن المنذر بن عمرو بن حرام أخت حسان ذكرها بن حبيب أيضاً . (الاصابة :۳۰۲/۸).

(۳) ليلىٰ بنت أبي حثمة بن حذيفة بن غانم بن عامر بن عبد الله بن عبيد بن عويج بن كعب بن لوى القرشية العدوية أخت سليمان و كان زوج عامر بن ربيعة العنبرى...أسلمت

قديماً وبايعت وكانت من المهاجرات الأول هاجرت الهجرتين إلى الحبشة ثم إلى المدينة يقال: إنها أول ظعينة دخلت المدينة فى الهجرة ويقال: أم سلمة...(الاصابة: ۸/۳۰۳).

(۴) ليلىٰ بنت الخطيم بن عدى بن عمرو بن سواد بن ظفر الأنصارية الأوسية ثم الظفرية...وكانت ليلىٰ بنت الخطيم وهبت نفسها للنبى صلى الله عليه وسلم فقبلها ...الخ. (الاصابة:۸/۳۰٤).

اور بھی چند لیلیٰ کا تذکرہ موجود ہے۔ملاحظہ ہو: (الاصابة: ۸/۳۰٤-۳۰۸). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عمارہ نام تبدیل کرنے کا حکم:

سوال: کسی کا نام عمارہ رکھا گیا لیکن بولتے وقت لوگ عام طور پر الف کے ساتھ امارہ کہتے ہیں اور قرآنِ کریم میں امارہ کی برائی بیان کی گئی ہے لہٰذا اس نام کو تبدیل کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: عمارہ نام بہت عمدہ ہے اس کے معنی قوی الایمان، بردبار، صاحبِ وقار وغیرہ ہیں، لہٰذا تبدیل کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، ہاں بولنے میں اکثر لوگ مخرج کی رعایت نہیں کرتے محمد کو بھی مھمد بولتے ہیں تو کیا ہر نام تبدیل کرنے کا مشورہ دیا جائیگا؟ اور نفس امارہ کو ہر شخص نہیں جانتا اس کی طرف ذہن کا منتقل ہونا بہت بعید ہے۔

ملاحظہ ہو تاج العروس میں ہے:

وقال ابن الأعرابي: العمار كشداد: الرجل الكثير الصلاة والصيام...والعمار: القوى الإيمان، الثابت في امره الثخين الورع، مأخوذ من العمير وهو الثوب الصفيق النسج، القوى الغزل، الصبور على العمل، والعمار: الطيب الثناء والطيب الروائح ... والعمار الحليم الوقور...والعمار الباقى فى إيمانه وطاعته القائم بالأمر بالمعروف والنهى عن المنكر إلى أن يموت. (تاج العروس من جواهر القاموس:۱۳/۱۳۸،ط:دارالهداية). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تسمیہ نام رکھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنی بیٹی کا نام تسمیہ رکھنا چاہتا ہے اور اس کا مطلب پوچھتا ہے کہ اس نام کا کیا مطلب

بن سکتا ہے؟

الجواب: تسمیہ کا مطلب ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا، اور بسم اللہ پڑھنے کا مقصد اللہ تعالیٰ سے خیر وبرکت حاصل کرنا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کام بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ ناقص رہتا ہے یعنی خیر وبرکت حاصل نہیں ہوتی، اور تسمیہ مصدر بمعنی فاعل ہے جیسے زید عدل بمعنی عادل مطلب یہ ہوگا یہ لڑکی اللہ تعالیٰ سے خیر وبرکت حاصل کرنے والی اور ہر کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے والی۔ ملاحظہ ہو امام نوویؒ الاذکار میں فرماتے ہیں:

ورويـنـا فـي سـنـن أبـي داود وابن ماجه ومسند أبي عوانة الاسفرايينى المخرج على صحيح مسلم عن أبي هريرةؓ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: كل أمر ذى بال لايبدأ فيه بالحمد فهو أقطع ...

وفـي رواية: كـل أمـر ذى بـال لايبدأ فيه ببسم الله الرحمن الرحيم فهو أقطع. روينا هـذه الألفاظ كلها في كتاب الأربعين للحافظ عبدالقادر الرهاوى، وهوحديث حسن، وقد روى مـوصـولاً كـمـا ذكـرنـا، وروى مـرسلاً، ورواية الموصول جيدة الإسناد، وإذا روى الـحـديـث مـوصـولاً ومـرسلاً فـالحكم للاتصال عند جمهور العلماء لأنها زيادة ثقة، وهى مقبولة عند الجماهير.

ومـعـنـى ذى بـال أى لـه حـال يهتم به، ومعنى أقطع: أى ناقص قليل البركة، وأجذم بـمـعـناه. (الاذكار، ص۱٤۷، رقم: ۳۳۹). **ولـلـمـزيد من البحث راجع:** (البدر المنير: ۷/ ۵۳۰، باب استحباب الخطبة فى النكاح، وكشف الخفاء: ۲/ ۱۱۹، وروح المعانى مع تعليقات الشيخ ماهر حبوش: ۱/ ۱۸۷، مؤسسة الرسالة، ومعارف السنن: ۱/ ۲، سعيد).

مصدر بمعنی اسم فاعل آتا ہے۔ ملاحظہ ہو: **ويستـعـمـل الـمـصـدر بمعنى اسم الفاعل نحو ماء غور أى غائر...** (شرح الرضى على الكافية: ۳/ ٤۱۲). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

اشرف نام رکھنے کا حکم:

سوال: مجھ سے ایک آدمی نے کہا کہ اشرف نام اچھا نہیں کیونکہ کعب کے باپ یہودی کا نام ہے اس

لیے اشرف علی نام نہ رکھوں گا، اس کو کیا جواب دینا چاہئے؟

الجواب: اشرف نام اچھا ہے اس کا مطلب ہے شرافت والا بلند مرتبہ والا وغیرہ، لہٰذا اس نام کے رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور یہ بات کہ یہودی کا نام ہے تو اُس زمانہ میں یہود ونصاریٰ عربی نام رکھتے تھے اور دونوں کے نام اکثر مسلمانوں کی طرح ہوتے تھے، خود کعب بن اشرف کا نام کعب صحابہ کا نام بھی تھا کیونکہ اس کے معنی درست ہے اسی طرح اشرف کے معنی بھی اچھے ہیں، اور ہمارے اکابر میں سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا نام ہے اور اس مناسبت سے یہ نام رکھا جاتا ہے۔

ملاحظہ ہو تاج العروس میں ہے:

الشرف: علو الحسب قاله ابن دريد... وأشرف : عالٍ ، وهو الذى فيه ارتفاع حسن.

(تاج العروس:۲۳/۴۹۳). (وكذا فى لسان العرب: ۹/۱۶۹،والقاموس الوحيد:۱/۸۵۸).

الاصابہ میں ہے:

أشرف: أحد الثمانية الذين قدموا من رهبان الحبشة . تقدم فى أبرهة.

أشرف غير منسوب ، ذكره أبو إسحاق بن ياسين فيمن قدم من الصحابة هراة ، استدركه أبوموسى. (الاصابة:۱/۲۳۹). **وينظر:** (اسدالغابة : ۱/۴۴، ط:بيروت،والجامع لمافى المصفات الجوامع من اسماء الصحابة الاعلام اولى الفضل والاحلام للحافظ ابى موسى:۱/۲۰۰، وسيراعلام النبلاء:۲۲/۲۲_۱۲۷). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

شرحبیل نام رکھنے کا حکم اور اس کے مناسب معنی:

سوال: ایک شخص اپنے بیٹے کا نام شرحبیل رکھنا چاہتا ہے اس کے اچھے اور مناسب معنی کیا ہے؟

الجواب: شرحبیل ایل عبرانی زبان میں اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور شرح کا معنی بیان کرنا واضح کرنا، تو شرحبیل کا مطلب ہوگا اللہ تعالیٰ کے دین کی شرح کرنے والا، بہت اچھا معنی ہے لہٰذا یہ نام رکھنا درست ہے۔ ملاحظہ ہو تاج العروس میں ہے:

شرحبيل: كخزعبيل، أهمله الجوهرى والصاغانى ، وهو: اسم رجل ، وقيل: أعجمية ... وقال ابن الكلبي: كل اسم كان في آخره إيل ، أو ال ، فهو مضاف إلى اللّٰه عزوجل ...

(تاج العروس :۲۹/۲۵۶). (لسان العرب: ۱۱/۳۵۳).

الاشتقاق میں مذکور ہے: **وقال قوم من أهل اللغة :كل اسم كان فيه إيل فهو منسوب إلى الله عزوجل، مثل شرحبيل ونحوه** . (الاشتقاق،ص:۳۰۱).

وشرح كمنع كشف يقال: شرح فلان أمره أى أوضحه . (تاج العروس:۲/۱۷۱). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ابرارالحق نام رکھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنے بیٹے کا نام ابرارالحق رکھا ہے یعنی اللہ کے ابرار حالانکہ ایک شخص ابرار نہیں ہوتا برّ ہوتا ہے پھر ایک آدمی کو ابرار کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: گاہے گاہے ایک شخص کے لیے جمع کا لفظ بطورِ مبالغہ یا بطورِ تفاؤل استعمال کیا جاتا ہے گویا کہ وہ شخص پوری جماعت کے برابر ہیں، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے قرآنِ کریم میں امت کا لفظ وارد ہوا ہے۔ **قال الله تعالیٰ: ﴿إن إبراهيم كان أمة قانتاً لله حنيفاً﴾**

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے امت کے معنی جامع الکمالات بتلائے ہیں۔(معارف القرآن:۵/۴۰۵)۔

امام قرطبی فرماتے ہیں: **والأمة الرجل الجامع للخير** . (تفسیرقرطبی:۱۰/۱۹۷).

تفسیر الخازن میں ہے:

سمى إبراهيم عليه السلام أمة لأنه اجتمع فيه من صفات الكمال وصفات الخير الأخلاق الحميدة ما اجتمع في أمة ، ومنه قول الشاعر:

ليس على الله بمستنكر ☆ أن يجمع العالم في واحد

(تفسیرالخازن:۴/۱۲۲،ط:دارالفکر).

مزید ملاحظہ ہو: (تفسیرالنسفی، وروح المعانی:۱۴/۲۴۹، وتفسیرالفخرالرازی:۱۰/۱۳۶، وتفسیر السمرقندی:۲/۲۵۴).

اسی طرح کعب بن ماتع الحمیری کو احبار کہا جاتا ہے، احبار حبر کی جمع ہے حبر ایک متقی عالم کو کہتے ہیں چونکہ ان کا تقویٰ بہت سے متقیوں کے برابر تھا۔

ملاحظہ ہو: (سیراعلام النبلاء : ۳/۴۸۹،وتهذيب الكمال : ۲۴/۱۸۹،و۱۹۲).

اسی طرح عبید اللہ احرار کو احرار کہتے ہیں احرار حر کی جمع ہے اس کا مطلب دنیا کی محبت سے آزاد۔

ان کا نام خواجہ نصیر الدین عبید اللہ احرار۔ ولادت ۴/ رمضان المبارک ۸۰۶ھ بمطابق ۱۴۹۰ء بمقام ازبکستان اور وفات ۲۶/ ربیع الاول بروزِ دوشنبہ۔ سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ تھے۔

اسی طرح خواجہ نظام الدین اولیاء کو اولیاء کہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: (بزم صوفیہ، ص ۲۱۸)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

طٰہٰ نام رکھنے کا حکم:

سوال: ایک صاحب کا نام طٰہٰ ہے کیا یہ نام مناسب ہے یا نہیں؟ اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں طٰہٰ آیا ہے یا نہیں؟

الجواب: راجح قول کے مطابق طٰہٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں سے نہیں ہے، ہاں بعض ضعیف روایات میں آیا ہے، لیکن محققین حضرات نے تردید کی ہے، اس لیے اگر کسی نام طٰہٰ ہو تو اس کو محمد طٰہٰ کر دیا جائے محمد نام ہوگا اور طٰہٰ دراصل طأ ھا یعنی زمین کو روندو، تہجد پڑھو، اور دین کے لیے سفر کرو۔

ملاحظہ ہو حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

وأما يذكره العوام أن يٰسٓ وطٰه من أسماء النبي فغير صحيح ليس ذلك في حديث صحيح ولا حسن ولا مرسل ولا أثر عن صاحب وإنما هذه الحروف مثل الٓمٓ وحٰمٓ والٓرٰ ونحوها. (تحفة المودود باحكام المولود، ص ۸۰).

بعض ضعیف روایات میں طٰہٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں شمار کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

دلائل النبوۃ میں ہے:

عن ابن عباس رضي الله عنه في قوله تعالىٰ: ﴿طٰه ما أنزلنا عليك القرآن لتشقى﴾ يا رجل ما أنزلنا عليك القرآن لتشقى... قال أبو زكريا: ولنبينا صلى الله عليه وسلم خمسة أسماء في القرآن: محمد وأحمد وعبد الله وطه ويس... (دلائل النبوة للامام البيهقي: ۱/ ۱۵۹).

(وكذا في الشفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ: ۱/ ۲۳۱، وسبل الهدى والرشاد: ۱/ ۴۰۵، ط: بيروت).

لیکن اس روایت کو ذخیرۃ الحفاظ میں محمد بن طاہر مقدسی نے ضعیف قرار دیا ہے:

حديث: إن لي عند ربي عزوجل عشرة أسماء، وأنا محمد، وأنا أحمد، وأنا الماحى

الذی یمحو اللّٰہ بي الکفر ، وأنا العاقب ، الذی لیس بعدی أحد ، وأنا الحاشر الذی یحشر اللّٰہ الخلائق معی علی قدمی ، وأنا رسول الرحمة ، ورسول التوبة ، ورسول الملاحم ، وأنا المقفی قفیت النبیین عامة ، وأنا قثم ، والقثم الکامل الجامع .

رواه أبوالبختری وهب بن وهب عن جعفر بن محمد ، عن أبیه ، وهشام بن عروة ، عن أبیه عن عائشة رضی اللّٰہ عنہا .

وعن محمد بن أبي ذئب ، عن المقبری ، وعن ابن شهاب وابن أخی الزهری ، عن عمه ، وعبد الملک بن عبد العزیز ،عمن یخبره ، عن علي بن أبی طالب رضی اللّٰہ عنہ .

ومحمد بن أبي حمید، عن محمد بن المنکدر ، عن جابر رضی اللّٰہ عنہ ، قالوا: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم .

قال ابن عدی: وهذه الأحادیث بواطیل .

وأبوالبختری جسور من جملة الکذابین الذین یضعون الحدیث .

وکان یجمع فی کل حدیث أسانید من جسارته .

ورواه سیف بن وهب ، وذکر في الأسماء : طه ، ویسین ، عن أبی الطفیل . وسیف ضعفه یحیی بن سعید القطان ، وأحمد بن حنبل . (ذخیرة الحفاظ:۲/ ۹٦۰/ ۱۹۹٦،ط: دارالسلف).

قال الشیخ بشارعواد: ضعیف ، فقد قال یحیی بن سعید : کان هالکاً من الهالکین ، وقال شعبة بن الحجاج: کان فسلاً ، یعنی رذلاً ، وقال أحمد بن حنبل: ضعیف الحدیث، وقال النسائی: لیس بثقة ، یروی عنه شعبة ، وذکره العقیلی ، وابن عدی ،وابن الجوزی فی الضعفاء ، وماحسن الرأی فیه سوی أبی عاصم الضحاک بن مخلد النبیل حیث قال: رأیت سیف بن وهب وکان حسن الحدیث سمع منه شعبة ، قلنا: قد تبین أن شعبة تکلم فیه.

(تحریر التقریب :۲/۲ ۱۰).

خلاصہ یہ ہے کہ طٰہٰ نام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ میں سے ہونا محقق بات نہیں ہے بلکہ حروفِ مقطعات میں سے ہے اور حروفِ مقطعات کے معانی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، لہٰذا ایسا نام رکھنا بہتر نہیں ہے۔

سمیہ، شاذیہ، نائلہ نام رکھنے کا حکم:

سوال: کیا سمیہ، شاذیہ، اور نائلہ نام رکھنا درست ہے یا نہیں؟ اور ان کے معانی کیا ہیں؟

الجواب: (۱) سمیہ: بہت پیارا نام ہے اس کا مطلب ہے بلند مرتبہ والی، اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام ہے جو ساتویں نمبر پر مشرف باسلام ہوئی تھیں، اور اسلام میں سب سے پہلی شہید ہونے والی خاتون ہیں، ابوجہل نے بڑے دردناک طریقہ سے شہید کیا تھا۔

ملاحظہ ہو لسان العرب میں ہے:

سما (السمو) الارتفاع والعلو تقول منه سموت وسميت مثل علوت وعليت . (لسان العرب: ۳۹۷/۱۴).

الإصابہ میں ہے:

سمية بنت خباط...مولاة أبي حذيفة بن المغيرة بن عبد الله بن عمرو بن مخزوم ، والدة عمار بن ياسر رضی اللہ عنہ ، كانت سابعة سبعة فى الإسلام ، عذبها أبوجهل وطعنها في قبلها ، فماتت فكانت أول شهيدة فى الإسلام، وكان ياسر حليفاً لأبي حذيفة فزوجها سمية فولدت له عماراً فأعتقه ، وكان ياسر وزوجته وولده منها ممن سبق إلى الإسلام . (الاصابة فی تمییز الصحابة: ۱۸۹/۸). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

(۲) شاذیہ: یہ نام ذال سے ہو تو اس کا مطلب خوشبو والی لڑکی ہے۔

معجم مقاییس اللغہ میں ہے: **شذى : الشين والذال ... والشذا : كسر العود ، وأحسبه سمي بذلك لحدة رائحته قال الشاعر:**

إذا ما مشت نادى بما في ثيابها ☆ رياح الشذا والمندلي المطير

(معجم مقاييس اللغة: ۲۵۸/۳).

القاموس الوحید میں ہے: تیز خوشبو کا مہکنا۔ (القاموس الوحید: ۸۵۱/۱)۔

اور اگر زاء کے ساتھ شازیہ ہو تو اس کے معنی بلند مرتبہ والی لڑکی کے ہیں۔ ملاحظہ ہو القاموس المحیط میں ہے: **شزا : ارتفع** . (القاموس المحيط، ص۱۶۷۶). (وكذا فی تاج العروس: ۳۷۳/۳۸). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

(۳) نائلہ: عطیہ اور بخشش والی، مرتبہ پانے والی، بڑی سخاوت والی، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی

اہلیہ کا نام تھا۔

تاج العروس میں ہے: النوال ، والنال ، والنائل : العطاء ، والمعروف تصیبه من إنسان ... و رجل نال: جواد وهي في الأصل نائل . (تاج العروس: ۳۱/۴۲). **واللہ ﷻ اعلم۔**

صانعہ نام رکھنے کا حکم:

سوال: میرا نام صانعہ رکھا گیا ہے کیا یہ نام صحیح ہے اور رکھنا درست یا نہیں؟ نیز اس کا معنی کیا ہے؟

الجواب: صانعہ اچھا نام ہے اور یہ نام رکھنا درست ہے اس کے چند اچھے معانی ہیں: (۱) ہر کام بہترین طریقہ پرانجام دینے والی ۔(۲) احسان کرنے والی ۔(۳) بہترین طریقہ پر بچوں کی نگہداشت اور پرورش کرنے والی۔

ملاحظہ ہو تاج العروس میں ہے:

صنع : صنع إليه معروفاً...وقال الراغب: الصنع : إجادة الفعل، وكل صنع فعل، وليس كل فعل صنعاً ، ولا ينسب إلى الحيوانات والجمادات ،كما ينسب إليه الفعل . (تاج العروس: ۲۱/۳۶۳).

قال في لسان العرب : واصطنعتک لنفسی : قال ابن الأثير: هذا تمثيل لما أعطاه اللّٰه من منزلة التقريب والتكريم والاصطناع افتعال من الصنيعة وهى العطية والكرامة والإحسان . (لسان العرب: ۸/۲۰۸).

القاموس المحیط میں ہے:

وصنعة الفرس: حسن القيام عليه صنعت فرسى صنعاً وصنعةً. (القاموس المحیط، ص ۹۵۴).

ولتصنع على عينى ۔لفظ صنعت سے اس جگہ مراد عمدہ تربیت ہے جیسے عرب میں صنعت فرسی کا محاورہ اسی معنی میں معروف ہے کہ میں نے اپنے گھوڑے کی اچھی تربیت کی۔(معارف القرآن: ۶/۸۴)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

شبیر نام رکھنے کا حکم:

سوال: شبیر نام رکھنا کیسا ہے، اور اس کے معنی کیا ہیں؟

الجواب: شبیر نام رکھنا جائز اور درست ہے اور اس کے معنی حسین ہیں۔

أخرج الإمام البيهقي في سننه الكبرى (١٢٢٧٦) عن علي قال: لما ولد الحسن سميته حرباً ، فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال : أروني ابني ماسميتموه ، فقلت: حرباً فقال: بل هو حسن ، ثم ولد الحسين فسميته حرباً فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: أروني ابني ماسميتموه فقلت: حرباً قال: بل هو حسين فلما ولد الثالث سميته حرباً فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم أراه فقال: أروني ابني ماسميتموه قلت: حرباً قال: بل هو محسن ،ثم قال: سميتهم بأسماء ولد هارون شبر وشبير ومشبر . رواه يونس بن أبى إسحاق عن أبيه وقال: فى الحديث : إني سميت بني هولاء بتسمية هارون بنيه وروى فى هذا المعنى أخبار كثيرة .

وأيضاً أخرجه ابن حبان فى صحيحه (٦٩٥٨) وقال الشيخ شعيب: إسناده حسن . وأحمد (٧٦٩،و٩٥٣) والحاكم فى المستدرك (٤٧٧٣/١٦٥/٣) وقال: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه . وقال الهيثمي: رواه أحمد والبزار...ورجال أحمد والبزار رجال الصحيح غير هانئى بن هانئى وهو ثقة. (مجمع الزوائد:٥٢/٨،باب تغییر الاسماء،دارالفکر). والبخارى فى الأدب المفرد (٨٢٣)، والطبرانى فى الكبير (٢٧٧٣).

قلت: إسناده حسن ، رجاله رجال الشيخين غيرهانئى بن هانئى فقد روى له أصحاب السنن ولم يرو عنه غير أبي إسحاق السبيعى، قال النسائى : ليس به بأس ، ذكره ابن حبان فى الثقات ، وذكره ابن سعد فى الطبقة الأولى من أهل الكوفة ، قال: وكان يتشيع، وكان منكر الحديث، وقال ابن المدينى: مجهول ، وقال حرملة عن الشافعي: لايعرف، وأهل الحديث لاينسبون حديثه لجهالة حاله وقال الحافظ: مستور، وقال بشارعواد: مجهول، وقال العجلى: كوفى تابعى ثقة . راجع : (حاشية تهذيب الكمال: ٦٥٤٨/١٤٥/٣٠، وتحرير التقريب:٣٤/٤،وتعليقات الشيخ شعيب الارنؤوط على صحيح ابن حبان : ٦٩٥٨/٤١٠/١٥،وعلى مسنداحمد:٧٦٩/١٥٩/٢).

تاج العروس میں ہے:

وقال ابن بري: ووجدت ابن خالويه قد ذكر شرح هذه الأسماء فقال: شبر وشبير ومشبر: هم أولاد هارون عليه السلام ومعناها بالعربية حسن، وحسين ومحسن قال: وبها سمي علي رضي الله تعالىٰ عنه أولاده شبر وشبيراً ومشبراً يعني حسناً وحسيناً ومحسناً رضي الله تعالىٰ عنهم... ويقال: شبر فلاناً تشبيراً فتشبر أي عظمه فتعظم وقربه فتقرب.

(تاج العروس: ۱/۲۹۸۵)۔ مزید دیکھئے: (غیاث اللغات ولغاتِ کشوری)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تفریق کے بعد بچہ کا نام تبدیل کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنے بیٹے کا نام رکھا پھر میاں بیوی دونوں میں تفریق ہوگئی تو ماں بچہ کے نام کو تبدیل کرنا چاہتی ہے تاکہ باپ کا رکھا ہوا نام نہ رہے تو کیا اس کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ باپ کا رکھا ہوا نام اس وجہ سے تبدیل کرنا کہ باپ سے نفرت ہے، یہ عمل درست نہیں، ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

والدہ کے لیے بچہ کا نام رکھنے کا حکم:

سوال: بچہ کی ماں اپنے بچہ کا نام اپنی پسند کے مطابق رکھ سکتی ہے یا نہیں؟ یا فقط والد ہی کا حق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ والد کا حق ہے کہ بچہ کا اچھا نام رکھے، لیکن دونوں کو مشورہ کر کے رکھنا بہتر ہے تاکہ والدہ کی دلجوئی ہوجائے نیز اگر والد نہ ہو یا والدہ اپنی پسند کا رکھنا چاہتی ہو اور والد راضی ہو تو والدہ نام رکھ سکتی ہیں۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن من حق الولد على الوالد أن يحسن اسمه ويحسن أدبه. (رواه البزار في مسنده، رقم: ۸۵۴۰). قال الهيثميؒ: وفيه؛ عبد الله بن سعيد المقبري وهو متروك. (مجمع الزوائد، باب الاسماء).

وعن ابن عباس رضي الله عنه أنهم قالوا: يا رسول الله! وقد علمنا ما حق الوالد على الولد فما حق الولد على الوالد قال: أن يحسن اسمه ويحسن أدبه. ومحمد بن الفضل بن عطية

ضعيف بمرة لا تفرح بما ينفرد به. (رواه البيهقى فى شعب الايمان ، رقم: ٨٢٩١).

وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: حق الولد على والده أن يحسن اسمه ويحسن من مرضعه ويحسن أدبه .فيه ضعف . (رواه البيهقى فى شعب الايمان ، رقم: ٨٣٠٠).

وعن أبى الدرداء ﷺ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : إنكم تدعون يوم القيامة باسمائكم وأسماء آبائكم فأحسنوا أسماء كم . قال أبو داود: ابن أبي زكريا لم يدرك أبا الدرداء ﷺ. (سنن ابى داود : ٤٩٥٠).

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: إسناده ضعيف لانقطاعه فإن عبد الله بن أبى زكريا لم يسمع من أبى الدرداء ﷺ . (تعليقات الشيخ شعيب على مسند الامام أحمد، رقم:٢١٦٩٣).

وفي شرح سنن أبي داود : وهذا خطاب للآباء بأن يحسنوا أسماء الأولاد ؛ لأن التسمية إنما تحصل من الآباء للأولاد ، والإنسان لا يسمى نفسه وإنما يسميه أبوه ، و يسميه أهله ، ثم ينشأ على هذا الاسم ، فالإرشاد هنا إنما هو للآباء بأن يحسنوا أسماء الابناء ، لكن الحديث فيه انقطاع . (شرح سنن ابى داود لعبد المحسن :٢٨/٢٦٨).

وقال في تحفة المودود : هذا مما لا نزاع فيه بين الناس أن الأبوين إذا تنازعا في تسمية الولد فهي للأب والأحاديث المتقدمة كلها تدل على هذا وهذا كما أنه يدعى لأبيه لا لأمه فيقال: فلان بن فلان قال تعالىٰ : ادعوهم لآبائهم هو أقسط عند الله...والولد يتبع أباه في النسب والتسمية... وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم: ولد لى الليلة مولود فسميته باسم أبي إبراهيم . (تحفة المودود باحكام المولود،ص٨٥،الفصل الخامس فى ان التسمية حق للاب لا للام).

ماں کے نام رکھنے سے متعلق حوالہ ملاحظہ کیجئے:

تفسیر محاسن التاویل میں ہے: **(وإني سميتها مريم) مشروعية التسمية للأم ، وأنها لاتختص بالأب .** (محاسن التاويل:٤/٩١).

امام ابوجصاص احکام القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

ویدل أیضاً علی أن للأم تسمیة ولدها وتکون تسمیة صحیحة وإن لم یسمیه الأب لأنها قالت: وإني سمیتها مریم، وأثبت اللّٰه تعالیٰ لولدها هذا الاسم . (احکام القرآن: ۱۱/۲،ط:سهیل اکیڈمی).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ ماں کو اپنے بچے کی تعلیم وتربیت کے لیے ایک گونہ ولایت حاصل ہے، کیونکہ اگر ماں کو بچے پر ولایت حاصل نہ ہوتی تو حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نذر نہ مانتیں، اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ ماں کو بھی حق ہے کہ اپنے بچے کا نام خود تجویز کر لے۔(معارف القرآن:۲/۵۷)۔واللہ ﷻ اعلم۔

صفر نام رکھنے کا حکم:

سوال: صفر اسلامی مہینے کا دوسرا مہینہ ہے اس کے درجِ ذیل معانی ہیں: الصفر : الجوع ، دود في البطن وداء یصفر منه الوجه . (المعجم الوسیط ،ص۵۱۶).

وقال الإفریقي : الصفر داء في البطن یصفر منه الوجه...(لسان العرب : ٤/ ٤٦٠).

ان معانی کو دیکھتے ہوئے کسی کے لیے درست ہے کہ اپنے بیٹے کا نام صفر رکھے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اس مہینہ کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ عرب محرم میں قتال نہیں کرتے تھے، اور صفر کے مہینہ میں گھر خالی چھوڑ کر قتال کے لیے نکل جاتے تھے تو ہم یہ کہیں گے کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ صفر یعنی گھر چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد اور دین کی محنت کے لیے نکلنے والا، یہ اچھے معنی ہے اس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بچہ کا نام صفر رکھنا جائز اور درست ہے۔

نیز لوگ مہینوں کے نام رکھنے کے عادی ہے مثلاً رمضان، شعبان، ربیع وغیرہ تو صفر رکھنا بھی جائز ہے۔

تاج العروس میں ہے:

الصفر: العقل...وصفر: الشهر الذی بعد المحرم قال بعضهم إنما سمی صفراً ... لإصفار مکة من أهلها إذا سافروا. وروی عن رؤبة أنه قال: سموا الشهر صفراً ؛ لأنهم کانوا یغزون فیه القبائل ، فیترکون من لقوا صفراً من المتاع ...وفی الحدیث : إن أصفر البیوت من الخیر البیت الصفر من کتاب اللّٰه ، وفی حدیث أم زرع : صفر ردائها ، وملء کسائها

وغيظ جارتها . (تاج العروس:۱۲/ ۳۳۰،۳۳۳).

تفاؤلاً ایک معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بچہ کو ذنوب ومعاصی سے خالی رکھے یعنی اس کی حفاظت کرے۔

مزید ملاحظہ ہو: (عمدۃ القاری:۷/۱۱۰، ولامع الدراری:۲/۱۹۵، وفرہنگِ آصفیہ:۳/۲۲۱)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بچہ کی نسبت تبدیل کرنے کا حکم:

سوال: میں ایک مطلقہ عورت ہوں میرے شوہر کا خاندانی نام ''ملا'' ہے جب کہ میرا خاندانی نام ''حافظی'' ہے میری بچی کی نسبت شوہر کی طرف ہے یعنی ملا ہے اور میں عمرہ کے لیے جانا چاہتی ہوں شوہر ولادت کا کارڈ دینے سے انکار کرتا ہے، نیز دیگر دفتری کاموں میں بھی بچی کی اور میری خاندانی نسبت مختلف ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کرتے تو کیا میرے لیے جائز ہے کہ بچی کی خاندانی نسبت میری طرف کردوں؟ اور کیا یہ ''من انتسب إلى غير أبيه ... الخ ''. میں داخل ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ مذکورہ مشکلات کی بناپر عرفی نسبت تبدیل کرنا درست ہے ہاں ولدیت تبدیل کرنا ناجائز ہے یعنی بچی کا باپ تو وہی کہلائیگا، احادیث میں ایسی مثالیں موجود ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

وفي الحديث الصحيح: قال النبي صلى الله عليه وسلم للأنصار: لولا الهجرة لكنت امرءاً من الأنصار . (رواه البخاري، رقم: ۳۷۷۹).

اس حدیث کی شرح میں ابن دقیق العید فرماتے ہیں:

وقوله '' لكنت امرءاً من الأنصار'' أي في الأحكام والعداد والله أعلم، ولايجوز أن يكون المراد النسب قطعاً . (إحكام الاحكام شرح عمدة الاحكام:۱/۲٦٤، ط: مؤسسة الرسالة).

فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

ونسبة الإنسان تقع على وجوه: منها؛ الولادة، والبلادية، والاعتقادية، والصناعية ولا شك أنه لم يرد الانتقال عن نسب آبائه لأنه ممتنع قطعاً ...ومعناه: لولا أن النسبة الهجرية لايسعني تركها لانتسبت إلى داركم . (فتح الباري:۸/۵۱).

وفي الحديث: قال الحسن: ولقد سمعت أبابكرة رضي الله عنه قال: بينا النبي صلى الله عليه وسلم يخطب جاء الحسن، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: إن ابني هذا سيد ولعل الله أن

يصلح به بين فئتين من المسلمين . (رواه البخاري:۲/۱۰۵۳).

مذکورہ بالا روایت میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسہ کواپنا بیٹا فرمایا،یعنی بچہ کی نسبت اپنی طرف فرمائی۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

وفيه إطلاق الابن على ابن البنت . (فتح الباري : ۱۳/۶۷).

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یابنی کے الفاظ استعمال فرمائے **يابني احفظ الله يحفظك** . الخ ، (المعجم الاوسط للامام الطبرانی،رقم:۵۴۱۷)امام بخاریؒ کے لیے جعفی کا لفظ ولاء کے اعتبار سے استعمال ہوا۔

ہاں بچہ کی ولدیت باپ سے قطع کرنا یعنی حقیقی باپ کو چھپا کر کسی اور کی طرف باپ کی نسبت کرنا ناجائز ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قیامت کے دن باپ کے نام سے پکارے جانے کا حکم:

سوال: کیا لوگوں کو قیامت کے دن باپ کے نام پکارا جائیگا یا ماں کے نام سے،ماں کے نام کے ساتھ پکارنے کی کوئی روایت ہے یانہیں؟اور کیا اس میں ولدالزنا کی حقارت تونہیں ہوگی؟

الجواب: روایاتِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن باپ کے نام سے پکارا جائیگا،اور بعض ضعیف روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ماں کی طرف نسبت کر کے پکارا جائیگا،بعض علماء نے اس میں تطبیق دی ہے کہ ماں کے نام سے پکارنے کی وجہ یہ ہے کہ ولدالزنا کی رسوائی نہ ہو۔

اوربعض نے یہ کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی رعایت کی وجہ سے ماں کی طرف نسبت سے پکارا جائیگا۔

بعض نے یہ کہا کہ بعض مرتبہ باپ کی طرف نسبت کر کے اور بعض مرتبہ ماں کی طرف نسبت کر کے پکارا جائیگا۔

بعض نے یہ کہا کہ بعض لوگوں کو ماں کے نام سے اور بعض لوگوں کو باپ کے نام سے پکارا جائیگا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اگر نسب باپ کی طرف سے مشہور ہو تو باپ سے اور ماں کی طرف سے مشہور ہو تو ماں کی طرف نسبت کر کے پکارا جائیگا اور اگر صرف نام مشہور ہو تو صرف نام سے پکارا جائیگا۔

ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

أخرج الإمام أبوداود (٤٩٥٠) بسنده عن أبى الدرداء رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إنكم تدعون يوم القيامة بأسمائكم وأسماء آبائكم فأحسنوا أسمائكم . قال أبوداود: ابن أبي زكريا لم يدرك أبا الدرداء . (إسناده منقطع).

وأيضا أخرجه الدارمى فى سننه (٢٦٩٤)، وابن حبان فى صحيحه (٥٨١٨)،وأحمد في مسنده (٢١٦٩٣)، وعبد بن حميد (٢١٣)، والبيهقى في شعب الإيمان (٨٢٦٥) .

قال الشيخ شعيب: إسناده ضعيف لانقطاعه فإن عبد اللّٰه بن أبي زكريا لم يسمع من أبى الدرداء. (تعليقاته على مسنداحمد).

وقال في تعليقاته على ابن حبان: رجاله ثقات غير داود بن عمرو و هو الأودى ... وهو صدوق إلا أن عبد اللّٰه بن أبي زكريا لم يدرك أبا الدرداء كما نص عليه الحافظان ابن حجرؒ والمنذرى وغيرهما، فهو منقطع. (١٣/١٣٥/٥٨١٨).

داود بن عمرو صدوق حسن الحديث ، وثقه يحيى بن معين ، وقال أحمد بن حنبل: حديثه مقارب، وقال أبوزرعة: لا بأس به، وقال أبوحاتم : شيخ ، وقال أبوداود: صالح ، ذكره ابن حبان في الثقات ، تناكد العجلي فقال: يكتب حديثه ليس بالقوى . (تحرير التقريب:١/٣٧٦/١٨٩٤). اس کی تائید بخاری شریف کی روایت سے ہوتی ہے۔ملاحظہ ہو:

عن ابن عمر رضي الله عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إن الغادر يرفع له لواء يوم القيامة يقال: هذه غدرة فلان بن فلان. (اخرجه البخارى ، رقم: ٦١٧٧، باب مايدعى الناس بآبائهم).

اس روایت میں فلان بن فلان یعنی باپ کی طرف نسبت مراد ہے۔

ماں کے نام سے پکارے جانے کی روایت ملاحظہ کیجئے:

قال فى المقاصد الحسنة: إن اللّٰه يدعو الناس يوم القيامة بأمهاتهم ستراً منه على عباده .

الطبرانى فى الكبير من حديث إسحاق بن بشر أبي حنيفة عن ابن جريج عن عبد اللّٰه بن أبي مليكة عن ابن عباس رضي الله عنه مرفوعاً به، وفى الباب عن أنس رضي الله عنه رفعه بلفظ يدعى الناس وذكره وعن عائشةؓ وكلها ضعاف وقد أورده ابن الجوزى فى الموضوعات.

(المقاصد الحسنة، ص ٢٠٧).

طبرانی کی روایت میں مطلق اسماء کا ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو:

أخرج الإمام الطبراني في الكبير (١١٢٤٢) **بسنده عن ابن عباس** رضی اللہ عنہ **قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه تعالىٰ يدعو الناس يوم القيامة بأسمائهم ستراً منه على عباده ...الخ . قال الهيثمي: فيه : إسحاق بن بشر أبوحذيفة وهومتروك.** (مجمع الزوائد: ١٠/٣٥٩).

وراجع للمزيد: (كشف الخفاء: ١/٢٤٧، واللآلي المصنوعة: ٢/٣٧٣، والضعفاء لابن الجوزي: ١/١٠٠/٣٠٧).

التعلیق الصبیح میں مذکور ہے:

قد جاء في بعض الروايات أنه يدعى الناس يوم القيامة بأسماء أمهاتهم، فقيل: الحكمة في ذلك ستر اولاد الزنا لئلا يفتضحوا لعدم الآباء لهم وقيل: ذلك لرعاية عيسى بن مريم عليه الصلاة والسلام إذ لا أب له وقيل: لإظهار فضل الحسن والحسين وبشرفهما بإظهار نسبتهما إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فإن ثبتت هذه الرواية حمل الآباء على التغليب كما في الأبوين و يحتمل أنهم يدعون بالآباء وأخرى بالأمهات أو يدعى البعض بالآباء والبعض بالأمهات أو في بعض المواطن بهم وفي بعضها بهن ، انتهى. (التعليق الصبيح: ٥/١٥٥). (وكذا في بذل المجهود: ١٩/١٨٥، وعون المعبود: ١٣/٢٩١). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تزکیہ والے ناموں کا حکم:

سوال: ایک آدمی کا نام طاہر ہے، کسی نے اس نام پر اعتراض کیا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نام برہ تھا جس کے معنی نیکوکار اور متقیہ کے ہیں، تو کسی نے کہا کہ یہ خود اپنی تعریف کرنے کی طرح ہے، **فقيل لها تزكي نفسها ، فسماها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم زينب** ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برہ کو تبدیل کر کے زینب نام رکھا، بظاہر طاہر، صالح، ساجد، عابد وغیرہ ناموں میں بھی یہ سبب پایا جاتا ہے، پھر ان ناموں کا رکھنا جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: طاہر، صالح، ساجد، عابد وغیرہ ناموں کا رکھنا جائز اور درست ہے اس لیے کہ اس طرح کے

اسماء تفاؤلاً رکھے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس نام کو حقیقت بنادے، تزکیہ یعنی خود اپنی تعریف مقصود نہیں ہوتی۔اور جن روایات سے بظاہر ممانعت معلوم ہوتی ہے ان کی چند توجیہات حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

☆ جن ناموں میں تعریف اور مدح کا پہلو ہے اور مقصود تفاؤل ہو تو ان ناموں کا رکھنا جائز ہے، جیسے رباح، نافع، علاء وغیرہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ناموں سے منع فرمانے کا ارادہ فرمایا تھا لیکن پھر ارادہ ترک کردیا۔

☆ جن ناموں سے لوگوں کے اذہان بدفالی کی طرف منتقل ہوتے ہیں، ایسے نام رکھنا مناسب نہیں جیسے کسی کا نام خوش قسمتی یا برکت یا سعادت ہو، اور کسی کے جواب میں کہا جائے خوش قسمتی برکت نہیں، تو ذہن بدفالی کیطرف جائیگا۔

☆ جو نام تزکیہ اور صفائی اور مدح پر دال ہیں پہلے ان کے رکھنے سے منع کا ارادہ کیا تھا لیکن پھر چھوڑ دیا یا یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

☆ یہ کراہت اس زمانہ پر محمول ہے جب بدفالی کی ممانعت نہیں آئی تھی جب بدفالی ممنوع ہوئی تو ان ناموں سے بدفالی کا پہلو ختم ہوا اور إنما الأعمال بالنيات کے تحت ان میں بجائے تعریف کے نیک فالی آگئی، اس لیے ایسے نام رکھنا جائز ہوا۔

اگر کوئی اشکال کرے کہ برہ کی تبدیلی کے تین واقعات ہیں: (۱) حضرت جویریہ بنت الحارثؓ زوجۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔(۲) زینب بنت جحشؓ زوجۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔(۳) زینب بنت ام سلمہؓ ربیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔(شرح الابی: ۷/۳۰۰)۔ ان تینوں کا نام برہ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل فرمادیا تھا۔لیکن کسی جگہ اس نام کو نیک فالی کی وجہ سے برقرار رکھا اور تبدیل نہیں فرمایا، اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ برہ کے معنی التوسع فی الخیر یعنی تمام خیر کے کام بہت ہی وسعت اور اعلیٰ پیمانے پر کرنا ہے اور یہ مبالغہ ہے۔قرآنِ کریم میں ہے:

﴿ليس البر أن تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب ولكن البر من آمن بالله واليوم الآخر والملائكة والكتاب والنبيين وآتى المال على حبه ذوى القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل والسائلين وفى الرقاب وأقام الصلاة وآتى الزكاة والموفون بعهدهم إذا عاهدوا والصابرين فى البأساء والضراء وحين البأس أولئك الذين صدقوا وأولئك هم

المتقون﴾ . (البقرۃ:۱۷۷) اس آیت میں لفظ ’’ البِرّ‘‘ میں اعتقادات، عباداتِ بدنیہ مالیہ پھر عباداتِ مالیہ کی تمام اقسام اقارب واباعد مقیم مسافر محتاج غیر محتاج سائل غیر سائل سب آئے ہیں ، پھر اجتماعی خیر یعنی ایفائے عہد شکر وصبر والصابرین پھر صبر کی تمام اقسام آئی ہیں، اگر اس کو تفاؤل پر محمول کیا جائے تو پھر بھی اس کو نباہنا مشکل ہے، اس لیے اس کو تبدیل فرمایا۔

ہاں اگر برہ کے عام معنی بمعنی متقی لیں جس کو عوام استعمال کرتے ہیں تو پھر اس نام میں کوئی حرج نہیں، اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ دعا سکھائی ہے: وتوفنا مع الأبرار. یہاں ابرار بمعنی متقین ہے، اس لیے بعض بزرگوں کا نام ابرار الحق تھا، اور صحابیات میں برہ بنت ابی تجراۃ ہے (الاصابۃ: ۸/۴۸) اور بریرہ کا مطلب بھی بر اور تقویٰ والی ہوسکتا ہے۔

اس مسئلہ کے دلائل ماقبل میں گزر چکے ہیں، وہاں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حرب اور مرہ نام رکھنے کا حکم:

سوال: حدیث کی روشنی میں حرب اور مرہ نام رکھنا ممنوع ہے لیکن صحابہ میں حرب بن جناد ب اور حرب بن الحارث المحاربی کا نام ملتا ہے، اسی طرح مرہ بھی چند صحابہ کا نام تھا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں کی تبدیلی کا حکم نہیں فرمایا۔ اس کی کیا وجہ تھی؟

الجواب: اگر کوئی نام شرک پر مشتمل ہو تو اس کی تبدیلی لازم ہے جیسے عبد العزیٰ، وعبد الھبل وغیرہ، اور اگر کسی نام میں بدفالی کا شبہ ہو لیکن اس نام میں دوسری طرف اچھے معنی بھی نکل سکتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیلی کا مشورہ دیا ہو تو اس کی تبدیلی لازم نہیں ، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مشورہ کے درجہ میں تھا واجب القبول نہیں تھا، ہاں مندوب القبول تھا، چنانچہ حرب اور مرہ بھی اسی قبیل سے ہیں کہ ان میں اچھے معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ مرہ یعنی باطل کے مقابلہ میں کڑوا اور حرب دشمن کے مقابلہ میں برسر پیکار ہیں، اس لیے تبدیلی کا حکم نہیں فرمایا اور بعض صحابہ کا نام حرب اور مرہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعید بن مسیّب کے دادا حزن کو نام کی تبدیلی کا مشورہ دیا تھا لیکن انہوں نے تبدیل نہیں کیا، سعید بن مسیّب فرماتے تھے کہ ہمارے خاندان میں سختی چلی آرہی ہے۔

مرہ اور حرب کے بارے میں روایت ملاحظہ کیجئے:

عن أبي وهب الجشمي، وكانت له صحبة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تسموا بأسماء الأنبياء ...وأقبحها حرب ومرة. (رواه ابوداود،رقم: ٢/٦٧٦،باب في تغييرالاسماء).

مرقات میں ملاعلی قاریؒ لکھتے ہیں:

وأقبحها حرب ومرة : لأن الحرب يتطير بها وتكره لما فيها من القتل والأذى، وأما مرة ، فلأن المر كريه، ولأن كنية إبليس أبومرة. (مرقاة المفاتيح : ٩/ ١٢٠،باب الاسامی).

لیکن ابتدائے اسلام میں بدفالی مروج تھی بعد میں لاطیرۃ والی روایات سے بدفالی ختم ہوئی ۔لہذا اب ایسے نام رکھنا بلا کراہت جائز اور درست ہے۔

وإنما غير من الأسماء من أراد الأخذ فيه بالأفضل دون من أراد حمله على الجائز، ولذلک أقر حزناً على ما أراد من الاستمساک باسمه ورضيه وكره تغييره ولو كان ذلک محرماً لم يقره على ذلک ولذلک أقر حرباً ومرة على أسمائهما ولم يأمرهما بتغييرهما. (المنتقى شرح الموطا:٧/٢٩٦).

ہاں شرکیہ نام رکھنا ناجائز ہے،اوراس کی تبدیلی واجب ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ناموں کی تبدیلی کا مشورہ دیا تھا،لیکن یہ واجب القبول نہیں تھا کیونکہ وہ شرک پر مشتمل نہیں تھے۔ملاحظہ ہو:

عن عبد الحميد بن جبير بن شيبة قال: جلست إلى سعيد بن المسيب ، فحدثني أن جده حزناً قدم النبي صلى الله عليه وسلم فقال: ما اسمک ؟ قال :اسمي حزن،قال: بل أنت سهل، قال: ما أنا بمغير اسماً سمانيه أبي قال ابن المسيب: فما زالت فينا الحزونة بعد. (رواه البخاری: ٢/ ٩١٤،باب تحويل الاسم الى اسم احسن منه).

ارشادالساری میں علامہ قسطلانی فرماتے ہیں:

وفي الحديث: أن التغيير ليس على وجه المنع من التسمي بالقبيح بل على وجه الاختيار فيجوز تسمية الرجل القبيح بحسن والفاسق بصالح لأنه صلى الله عليه وسلم لم يلزم حزناً لما امتنع من تحويل اسمه إلى سهل بذلک ولو كان لازماً لما أقره على قوله ما أناْ

بمغير اسماً سمانيه أبي . والله الموفق للصواب. (ارشادالساری:۹/۱۱۲).

وللاستزادة انظر: (فتح الباري: ۱۰/۵۷۷،وشرح صحيح البخاري لابن بطال: ۹/۳۴۸).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مشکل ناموں کے معانی ذکر کرنے کی وجہ اور عربی زبان کی اصلیت:

آج کل لوگ زمانہ قدیم کے اسلامی ناموں کو رکھتے ہیں وہ نام عبرانی یا سریانی یا دوسری زبانوں کے ہوتے ہیں پھر عام لوگ ان ناموں کے معانی پوچھتے ہیں اور جب ان کو بتایا جاتا ہے کہ یہ نام عبرانی یا دوسری زبانوں کے ہیں ان کے صحیح معانی معلوم نہیں تو وہ اصرار کرتے ہیں کہ ان ناموں کے کچھ اچھے معانی تلاش کیجئے ہم بعد میں فون کرلیں گے، بنابریں جو کچھ ہم سے ہوسکا ہم نے لغت کی کتابوں اور بعض تفاسیر اور کبھی اپنی ناقص رائے سے ان ناموں کے معانی لکھے تاکہ سائلین کو اطمینان ہوجائے اور نام رکھتے وقت ان کے اچھے معانی کو ملحوظ کرکے نام رکھیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ عربی زبان کی اصل عبرانی اور عبرانی زبان کی اصل سریانی ہے، اب بھی عبرانی زبان میں عربی زبان کے سینکڑوں الفاظ موجود ہیں جو دونوں میں مشترک معلوم ہوتے ہیں، آج کل عبرانی زبان اسرائیل کی سرکاری زبان ہے، یہودی سلام کو شلوم کہتے ہیں جو سلام کی بگڑی ہوئی شکل ہے، یروشلم بھی اصل میں ارض السلام ہے جس کو یروشلم بنایا گیا، تل ابیب بھی اصل میں تل ربیع ہے یا تل حبیب ہوگا، تل کے معنی ٹیلا اور ربیع اور حبیب تو ظاہر ہے، واللہ اعلم۔

لیکن ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ عربی زبان اصل ہے اور اس سے دیگر زبانیں برآمد ہوئیں، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کو آسمانوں پر پیدا کرنے کے بعد فرمایا: فرشتوں کو "السلام علیکم" کہو اور ان کا جواب سنو، حضرت آدم علیہ السلام نے سلام کیا اور فرشتوں نے ان کے جواب میں: "السلام علیک ورحمۃ اللہ" کہا، یہ عربی الفاظ ہیں۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لما خلق الله آدم على صورته طوله ستون ذراعاً، فلما خلقه قال: اذهب فسلم على أولئك نفر من الملائكة جلوس فاستمع ما يحيونك فإنها تحيتك وتحية ذريتك، فقال: السلام عليكم، فقالوا: السلام عليك و رحمة الله، فزادوه: و رحمة الله". متفق عليه. (رواه البخاري:۲/۹۱۹، رقم: ۳۳۲۶،

ومسلم، رقم: (٢٨٤١).

اس کے علاوہ جنوبی افریقہ کے مسلمان خصوصاً اور دوسری جگہوں کے عموماً مختلف ناموں کے معانی دریافت کرتے ہیں، ہم نے بعض ان ناموں کے علاوہ جو ہم سے پوچھے گئے دیگر ناموں کو بھی فتاویٰ میں شامل کیا تاکہ ان سے عوام اور طلبہ اور خود ہم فائدہ اٹھائیں، بعض بگڑے ہوئے ناموں کی تصحیح کی کوشش کی اور ان کی اصل تلاش کی، بعض ناموں کی اصل معلوم کرنے کے لیے بہت سوچ فکر اور کھوج کرید کی ضرورت پڑی اور یہ لطیفہ بھی قابل ذکر ہے کہ بعض ناموں کے معانی خواب کے ذریعہ معلوم ہوئے۔ کچھ مدت پہلے ہمارے ایک تلمیذ مولانا وسیم خان امریکی نے فرمائش کی کہ آپ میرے ساتھ عمرہ اور بیت المقدس کے سفر پر چلیں، لیکن مجھے تردد تھا کہ جانا چاہئے یا نہیں، کیونکہ میرے جنوبی افریقہ کے پاسپورٹ میں جلی حروف میں میری پاکستانی پیدائش لکھی ہے اور پاکستان کے شمالی صوبہ کے لوگوں کی شکلیں بھی افغانیوں کی طرح ہیں، میں اسی شش وپنج میں تھا کہ جاؤں یا نہ جاؤں کیونکہ اسرائیل کی دین دشمنی سب کو معلوم ہے، میں نے خواب دیکھا کہ میں اپنے محلّہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں اور غالباً وہ مسکرا کر بات چیت کررہے ہیں، ان میں سے ایک کا نام نورالامین خان یوسفزی اور دوسرے کا تمریز خان یوسفزی ہے دونوں کا تعلق شعروسخن سے ہے، جب نیند سے اٹھا تو میں مطمئن ہوا میں نے نورالامین کی تعبیر بیت المقدس کے سفر سے کی، کیونکہ نورالامین روح الامین کی طرح ہے جبرئیل امین روح الامین ہے اور نورانی بلکہ نور ہے اور وحی میں امین ہے اور جبرئیل علیہ السلام کا تعلق بیت المقدس کے ساتھ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی معیت میں مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے تھے، نورالامین میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہونے کا بھی احتمال ہے یعنی روشنی کی طرح اور امانتدار، اسی طرح تمریز اصل میں تمر ریز ہے یعنی کھجور تقسیم کرنا جو عمرہ کی طرف اشارہ تھا۔ الحمدللہ بیت المقدس اور عمرہ کا سفر خیروعافیت سے ہوگیا تھا، یاد رہے کہ خواب کی تعبیر میں ناموں کا دخل حدیث مبارک سے ثابت ہے۔ اب چند اہم اور مشکل اسماء کے معانی، حروفِ تہجی کے اعتبار سے ملاحظہ کیجئے:

لڑکوں کے اسماء اور ان کے معانی:

حرف الالف:

آصف: ایک مزیدار پودا جس کی کلیاں نمک یا سرکے کے ساتھ ملا کر کھائی جاتی ہیں۔ (القاموس الوحید: ١/١٢٦)۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر کا نام، اور لائق اور ضبط کرنے والے کے معنی میں مستعمل ہے۔ اور

عربی لفظ کے لحاظ سے مزیدار اور محبوب کے معنی میں ہے۔

ازہر: سفید رنگ والا، چاند کی طرح روشن چہرے والا۔(المعجم الوسیط،ص۴۰۴)۔

اسامہ: شیر۔اسامۃ من اسماء الاسد۔(لسان اللسان:۱/۳۰)۔

اسود: بزرگی وشرافت والا، بردبار، مالدار، برکت والا، سردار، پہاڑ کی چوٹی کا پرچم۔(تاج العروس:۸، و بخاری شریف:۱/۱۷، وفتح الباری:۱/۱۶۶)۔

اویس: پیارا، عطیہ، الاوس، عطیہ۔(القاموس الوحید:۱/۱۴۱، ولسان العرب:۶/۱۷)۔

احمس: دین پر مضبوط۔حمس۔مضبوط ہونا۔(القاموس الوحید:۱/۳۷۵)۔

اقرع: سخت اور مضبوط ڈھال۔(القاموس الوحید:۱/۱۳۰۱)۔

ایاس: عطیہ۔(لسان العرب:۶/۱۷)۔

اورنگزیب: ایک مشہور مغلیہ خاندان کے بادشاہ کا نام ہے جس نے ۵۰ سال سے زائد بڑے طمطراق سے حکومت کی۔اس کے معنی ہیں تختِ شاہی کی زینت۔

ایاز: محمود غزنوی کے غلام کا نام ہے، اصل میں ایاس ناامیدی کے معنی میں ہیں، پھر لوگوں نے سین کو زاء میں تبدیل کردیا، اور ہمزہ کثرتِ استعمال کی وجہ سے مفتوح ہوا۔

غیاث اللغات میں لکھا ہے: ایاس بالفتح نام غلام سلطان محمود غزنوی وسین مہملہ این بدل از زائے معجمہ است از برہاں۔(غیاث اللغات،ص۶۰)۔

ایاس: ناامیدی کو کہتے ہیں اور اس کا مطلب وہ شجاع اور بہادر ہے جس کے مقابلہ سے لوگ ناامید ہوتے ہوں۔

لیکن غیاث اللغات کی تشریح سے مجھے تشفی نہیں ہوئی تو ایک ترکی النسل طالبِ علم سے میں نے پوچھا کہ آپ اپنی والدہ سے فون پر دریافت کریں کہ ایاز کے ترکستانی زبان میں کیا معنی ہیں، کیونکہ ایاز ترکی النسل غلام تھا، تو اس کی والدہ نے بتایا کہ ایاز کے معنی ہلکی اور ٹھنڈی ہوا ہے۔

الیاس: میں بھی یأس کا لفظ ہے اس کے معنی بھی وہ بہادر ہیں جس کے مقابلہ سے لوگ عاجز ہوں۔

بخاری کے حاشیہ میں بحوالہ التوشیح والکرمانی لکھا ہے: **إلياس بهمزة قطع مكسورة إفعال من قولهم اليس الشجاع الذی لايفر وقيل بهمزة وصل وهو ضد الرجاء** .(حاشیہ بخاری شریف:۱/۵۴۳، رقم:۷)۔

اُمبارس: یہ لفظ دراصل ہمارس ہے، پھر لوگوں نے بگاڑ کر امبارس کرلیا۔ ہما ایک خیالی پرندہ ہے جو کسی کے سر پر سے گزرتا ہے وہ بادشاہ یا خوش قسمت بن جاتا ہے۔ یعنی ہما پرندہ تک پہنچا۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی خوش قسمت بن گیا۔

ارسلان: شیر۔(فیروز اللغات)۔

حرف الباء:

بلال: سخی۔ پانی، ہر وہ چیز جس سے حلق کو تر کیا جائے۔(القاموس الوحید:۱/۱۸۰، ولسان العرب:۱۱/۶۴)۔

بکر: جوان اونٹ، جلدی چلنے والا۔(القاموس الوحید:۱/۱۷۶)۔

براء: عیوب سے پاک۔(القاموس الوحید:۱/۱۵۶)۔

بریر: پیلو کا پھل۔ ثمر الاراک عامة. (لسان العرب:۴/۵۵، والصحاح:۲/۵۱۲)۔

بدیل: شریف، سخی۔(القاموس الوحید:۱/۱۵۴، والصحاح:۴/۱۳۳۹)۔

بصرہ: سفیدی مائل نرم پتھر۔(المعجم الوسیط ص:۵۹، ولسان العرب:۴/۶۷)۔

بردل خان: بہادر، شجاع۔(لغاتِ سعیدی ص۱۲۸)۔

بابک: ایک بادشاہ کا نام ہے اس نے ضحاک کو قتل کیا تھا، اور قانون اور آئین کے معنی میں ہیں۔

بابر: شیر ببر اور مغلیہ خاندان کے ایک مشہور بادشاہ کا نام۔

بنار: اصل میں بنارہ کے معنی میں ہے یعنی سلامت رہو۔

بنارس: سلامتی تک پہونچنے والا۔

بنیامین: اصل میں بُنَيَّ، اور بُنَيَّ اصل میں ابني ہوگا، یعنی میرا بیٹا اور امین امانت دار، یعنی امانت دار بچہ۔ یا اصل میں بُنَيَّ یعنی پیارا بچہ ہوگا اور امین کے معنی امانت دار۔ مطلب یہ کہ ہوگا: پیارا امانت دار بچہ۔

اس کا ایک اور اچھا معنی یہ ہے کہ یامین خوش قسمت کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہوگا خوش قسمت بیٹا۔

بہرام: مریخ ستارہ اور عراق کے ایک عادل بادشاہ کا نام تھا۔(غیاث اللغات)۔

پرویز: فتحمند۔(لغاتِ کشوری ص۸۴)۔

حرف التاء:

تمیم: کامل مکمل۔ پورے قد و قامت والا۔(لسان العرب:۱۲/۶۹، والصحاح:۴/۱۵۶۲)۔

تیمور: فولاد، عمدہ لوہا۔(غیاث اللغات، ص۱۳۵، ولغاتِ کشوری، ص۱۲۰)۔

حرف الثاء:

ثمامہ: لمبی شاخوں والا پودا۔(القاموس الوحید:۲/۲۲۳)۔

ثعلبہ: دشمن پر رعب ڈالنے والا۔(القاموس الوحید:۲/۲۱۵)۔

ثمیر: پھلدار۔(القاموس الوحید:۱/۲۲۲)۔

حرف الجیم:

جذلان: خوش۔(المعجم الوسیط، ص۱۱۳، والقاموس الوحید:۱/۲۴۳)۔

جعیل: نگران، عطیہ اور بخشش، جعل کی تصغیر ہے۔(تاج العروس:۲۸/۲۱۰)۔

جریر: لگام، باطل کو لگام لگانے والا، اور لوگوں کو حق کی طرف مضبوط رسی سے کھینچنے والا۔الجریر: رسی، جانور کو کھینچنے کی رسی۔(القاموس الوحید:۱/۲۴۹، والمعجم الوسیط، ص۱۱۶)۔

حرف الحاء:

حفی: شفیق، الحفی لطیف وشفیق، قرآن پاک میں ہے: **انہ کان بی حفیاً** . (القاموس اوحید:۱/۳۵۸، ولسان العرب:۱۴/۱۸۷)۔

حنان: رحم والا۔الحنان ماں کی مامتا، محبت، وشفقت، ترس، مہربانی، قرآن پاک میں ہے: **وحناناً من لدنا** . (القاموس الوحید:۱/۳۸۵، ولسان العرب:۱۳/۱۲۸)۔

حمیم: ہوشیار، **الحمیم** گہرا دوست۔(القاموس الوحید:۱/۳۸۰)۔**الحمیم القریب الذی تودہ ویودک** . (لسان العرب:۱۲/۱۳۵)۔

حشیم: باوقار، الحشمۃ، شرم، حیا، وقار۔(القاموس الوحید:۱/۳۴۳، ولسان العرب:۱۲/۱۳۵)۔

حمران: زعفران، سونا۔(القاموس الوحید:۱/۳۷۴، ولسان العرب:۴/۲۱۵)۔

حمزہ: شیر۔(المعجم الوسیط، ص:۱۹۷)۔

حفص: شیر کا بچہ۔(القاموس الوحید:۱/۳۵۵)۔

حنظلہ: ایلوا، باطل کے لیے ایلوے کی طرح کڑوا۔(القاموس الوحید:۱/۳۸۳، والمعجم الوسیط، ص۲۰۲)۔

حصین: محفوظ جگہ، الحصین، محفوظ، مستحکم۔(القاموس الوحید:۱/۳۴۸)۔

حرملہ: حرمل ایک پودا ہے جس کو کالا دانہ اور فارسی میں اسپند اور پشتو میں سپیلنی کہتے ہیں عورتیں اور عوام الناس اس کو ہوا کی بدبو کو صاف کرنے اور خوشبودار کرنے اور نظر بد سے حفاظت کے لیے انگاروں پر رکھ کر استعمال کرتے ہیں بازاروں میں ملنگ لوگ دکانوں میں اس کی دھونی دیتے ہیں اور کچھ پیسے وصول کرتے ہیں، اور تاءِ وحدت کے لیے ہو جائیگی۔

اسی طرح حرملہ چھوٹی پوشاک جسے گلے کی چاروں طرف مونڈھوں اور کمر پر ڈالتے ہیں آگے سے نکلی ہوئی ہوتی ہے۔ (القاموس الوحید:۱/۳۳۲، والمعجم الوسیط،ص۱۶۹)۔

حرف الخاء:

خصیب: سرسبز۔ (لسان العرب:۱/۳۵۵، ومصباح اللغات،ص۲۰۴)۔

خزیمہ: موتیاں پرونے والا۔ نیز خزام خوشبو والا پھول بھی ہے۔ (القاموس الوحید:۱/۴۳۶)۔

خدیج: شر سے منقطع ہونا، خراب لوگوں سے اور خراب کاموں سے علیحدہ۔

خمیم: قابل تعریف۔ (لسان العرب:۱۹/۱۲، والقاموس الوحید:۱/۴۷۷)۔

خبیب: تیز رفتار۔ (لسان العرب:۳۴۱)۔

خریت: ماہر۔ (لسان العرب:۱/۳۰، والقاموس الوحید:۱/۴۲۱)۔

حرف الدال:

دریر: روشن۔ (لسان العرب:۴/۲۸۱، ومصباح اللغات،ص۲۳۴)۔

دلہام: بہادر۔ شیر۔ (المنجد فی اللغۃ،ص۲۲۳، والقاموس الوحید:۱/۵۴۱)۔

دکین: مٹیالا۔ مہذب۔　(لسان العرب:۱۳/۱۵۷، والقاموس الوحید)۔

دلفگار: زخمی دل والا یعنی عاشق۔ فگار کے معنی مجروح، اور دلفگار معشوق کے معنی میں صحیح نہیں۔ (غیاث اللغات،ص۳۷۷، ولغاتِ کشوری،ص۳۵۱)۔

دُرویش: اگر دال کے ضمہ کے ساتھ ہو تو متقی اور صالح صوفی کے معنی میں ہیں، اس کی اصل دُرّ آویزش تھی بعد میں مخفف ہوا، موتی اور قیمتی پتھر یعنی تسبیح ہاتھوں میں لٹکانے کے معنی میں ہوگا، چونکہ صوفی حضرات کے ہاتھ میں ہر وقت تسبیح ہوتی تھی اور ان کے معتقدین ان کے لیے قیمتی پتھروں کی تسبیح فراہم کرتے تھے اس لیے یہ نام پڑ گیا۔ غیاث اللغات میں ہے:

دُرویش: بضم دال باید گفت دریں صورت مرکب باشد از دُر کہ بمعنی مروارید ست وویش کہ دراصل واش بود مزید علیہ وش کہ کلمہ تشبیہ ست۔ (غیاث اللغات، ص ۲۰۷)۔

دَرویش: اگر دال کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا مطلب دروازہ سے لٹکنے والا، یعنی نیک صالح اللہ تعالیٰ کے در کا بھکاری، اور در سے عام در مراد لیں تو بھیک مانگنے والا جو لوگوں کے دروازوں سے چمٹ کر مانگتا رہتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے: (غیاث اللغات، ص ۲۰۶، ولغاتِ کشوری)۔

حرف الذال:

ذکوان: ہوشیار اور خوشبودار۔ (لسان العرب: ۱/ ۴۴۸، والمنجد، ص ۳۵۳)۔

ذویب: بلند شان والا۔ (تاج العروس: ۲/ ۴۴۹، والمنجد، ص ۳۴۷)۔

ذابل: دبلا پتلا۔ (المنجد، ص ۳۴۹، والمعجم الوسیط، ص ۳۰۹)۔

حرف الراء:

رکانہ: قوت وسہارا دینے والا۔ (لسان اللسان: ۵۱۰، والمنجد، ص ۴۰۵)۔

رمان: انار۔ (لسان العرب: ۱/ ۵۱۵، وتاج العروس: ۳۲/ ۲۹۴)۔

ربیع: موسمِ بہار۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۵۹۳)۔

رحیل وراحیل: چلنے میں تیز۔ (لسان العرب: ۱۱/ ۲۷۸، والقاموس الوحید: ۱/ ۶۰۸)۔

رمیز: ہوشیار۔ الرمیز مکرم ومعظم، اصیل، عقلمند۔ (مصباح اللغات، ص ۳۰۴)، والرمیز: العاقل الثخین. (لسان العرب: ۵/ ۲۵۷).

رہیب: رعب والا۔ الرہیب والمرعوب، خوفناک، شیر، (مصباح اللغات، ص ۳۱۸)۔ الرهبة: الخوف والفزع. (لسان العرب: ۱/ ۴۳۶)۔

ریان: سرسبز وشاداب، سیراب کرنے والا۔ تشنگی بجھانے والا۔ (مصباح اللغات، ص ۳۲۶)۔

روید: ہلکی خوشگوار ہوا۔ الرود، ریح، نرم چلنے والی ہوا۔ الرود الريح اللينة الهبوب. (المعجم الوسیط، ص ۳۸۱)۔

رابغ: خوشحال، ربغ ربغاً القوم فی النعیم، خوشحال زندگی بسر کرنا۔ (مصباح اللغات، ص ۲۷۶)۔ وعیش رابغ رافع ای ناعم. (لسان العرب: ۸/ ۴۲۶)۔

رشیق : خوش مزاج بلند قامت۔رشق رشاقۃ الغلام خوبصورت قد والا ہونا۔(مصباح اللغات،ص۲۹۴،و لسان العرب:۱۰/ ۱۱۷)۔

ریحان: ہرایک خوشبودار پودہ۔(مصباح اللغات،ص۳۲۲)۔**الریحان جنس من النبات طیب الرائحة من الفصیلة الشفویة ، وکل نبت طیب الرائحة .** (المعجم الوسیط،ص۳۸۱)۔

رزین: باوقار،رزن رزانۃ سنجیدہ ہونا،باوقار ہونا،صفت مذکر رزین۔(مصباح اللغات،ص۲۹۱)۔

رفاعہ: بلند۔**الرَفاعة والرِفاعة والرُفاعة من الصوت** آواز کی بلندی اور شدت۔(مصباح اللغات،ص۳۴۳)۔

راجو: راج ، بادشاہت اور سلطنت کے معنی میں ہیں اور واو نسبت کے لیے آتا ہے،مطلب یہ ہوگا: بادشاہت والا۔خودمختار۔(فیروز اللغات)۔

حرف الزای:

زہیر: چمکدار۔زہر زہوراً، **السراج والقمر والوجه** ، چمکنا،روشن ہونا۔(مصباح اللغات،ص۳۴۹)۔

الزہرۃ: **نور كل نبات والجمع زهر .** (لسان العرب:۴/ ۳۳۱)۔

زبید: تحفہ،مکھن۔الزبد:عطیہ،ہدیہ،حدیث میں آتا ہے:**انا لانقبل زبد المشركين . الزُبد ،** مکھن۔ (القاموس الوحید:۱/ ۶۹۵)۔وفی المعجم الوسیط (۳۸۸): **مايستخرج من اللبن بالمخض.**

زرارہ: شگوفے پھیلانے والا۔الزر،شگوفے ، پودے کی کلی ، (القاموس الوحید:۱/ ۷۰۳،ولسان العرب: ۳/ ۱۹۳)۔

زفر: بہادر،بڑا سردار۔(القاموس الوحید:۱/ ۷۰۹)۔**یقال للرجل الشجاع : زفر.** (لسان العرب:۴/ ۳۲۵)۔

زعیم: سردار۔(القاموس الوحید:۱/ ۷۰۷،والصحاح:۴/ ۱۵۷۶)۔

زراف: تیز رفتار۔(الصحاح:۳/ ۱۱۳۰،ولسان العرب:۹/ ۱۲۶،والقاموس الوحید:۱/ ۷۰۴)۔

زید: ترقی کرنے والا۔(القاموس الوحید:۱/ ۷۳۰)۔

زریر: بہت ذہین،اورخوش مزاج۔(الصحاح:۲/ ۵۷۷،ولسان العرب:۴/ ۳۲۳،والقاموس الوحید:۱/ ۷۰۳)۔

زرولی: ولی کے بہت سارے معانی ہیں،لیکن عرف میں مشہور معنی اللہ تعالیٰ کے دوست کے ہیں،تو

زرولی کے معنی سونے والے ولی یعنی مالدار ولی، جیسے عثمان غنی، اور ہر ایک مال قابل نفرت نہیں بلکہ حلال مال جس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کئے جاتے ہوں وہ مال مبغوض نہیں بلکہ محبوب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے اہل وعیال اور مال میں برکت کی دعا فرمائی تھی، اور **نعم المال الصالح للرجل الصالح** بھی وارد ہے۔

یا یہ مطلب ہے کہ وہ ولی جو سونے کی طرح قیمتی اور محبوب ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دراصل ضرب علی ہو پھر لوگوں نے بگاڑ کر زرولی بنایا ہو چونکہ خیبر میں مرحب یہودی کو قتل کرنے کے لیے ضرب علی مشہور ہے اس مناسبت سے یہ نام رکھا گیا ہو۔

حرف السین:

سحبان: تیزی سے کھینچنے والا، یعنی لوگوں کو دین کی طرف کھینچنے والا۔ **الجراف، يجرف كل ما مر به.** (المعجم الوسیط، ص ۴۱۸)۔

سلیک: راستہ، مقصد تک پہونچانے والا۔ چکور کا بچہ جو خوبصورت پرندہ ہے، جس کی آنکھوں کی خوبصورتی مشہور ہے۔ **سلكاً، وسلوكاً، والمكان والطريق** . (المنجد، ص ۳۴۷)۔ **والسلک: فرخ القطا وقيل فرخ الحجل** . (لسان العرب: ۱۰/۴۴۲)۔

سویبط: تروتازہ۔ نبت، **قال ابوعبيد: السبط النَّصِي مادام رطباً فإذا يبس فهو الحلى** . (لسان العرب: ۷/۳۰۹)۔

ساریہ: رات کی بارش۔ (القاموس الوحید: ۱/۷۶۶، والصحاح: ۵/۱۸۹۶)۔

سحیم: ایک پودا، لوہا یعنی لوہے کی طرح مضبوط۔ (القاموس الوحید: ۱/۷۵۲، ولسان العرب: ۱۲/۲۸۲)۔

سلیط: فصیح اللسان، چالاک۔ (لسان العرب: ۷/۳۲۰، الصحاح: ۳/۹۵۰)۔

سماک: بلند مرتبہ والا لڑکا۔ (لسان العرب: ۱۰/۴۴۳، والصحاح: ۴/۱۳۰۶)۔

سندر: بہادر۔ (القاموس الوحید: ۱/۸۰۹)۔

سفیان: خیر کے کاموں میں ہوا کی طرح تیز رفتار۔ (الصحاح: ۵/۱۸۹۷، ولسان العرب: ۱۴/۳۸۹)۔

سرزمین خان: زمین کا خلاصہ، اور خان پختونوں اور بلوچوں اور ترکوں کا لقب ہے۔ (لغاتِ سعیدی، ص ۴۱۰)۔

سرفراز: معزز و سر بلند۔ (لغاتِ کشوری، ص ۲۴۵)۔

سکندر: ایک مشہور بادشاہ اور رومی زبان میں سر اور سردار کے معنی میں ہے۔ (لغاتِ کشوری)۔

سوراج: خود مختار، صاحبِ رائے۔ (فیروز اللغات)۔

حرف الشین:

شمیم: عالی شان اور خوشبودار۔ **المرتفع** . (تاج العروس: ۳۲/ ۴۷۵، دار الہدایۃ)۔ **مایشم، و المرتفع.** (المعجم الوسیط، ص ۴۹۵، کتب خانہ حسینیہ)۔

شہید: گواہ۔ **من قتل فی سبیل الله ،ومن یؤدی الشهادة ، وفی تنزیل العزیز ”ولایضار کاتب ولاشهید.** (المعجم الوسیط، ص ۴۹۷)۔

شیبان: سفید ریش، باوقار۔ **الاشیب و الشاب : المبیض الرأس** . (لسان العرب: ۷/ ۲۵۱، دار احیاء التراث، بیروت، والمنجد، ص ۴۱۰)۔

شرید: دین کی وجہ سے اپنی قوم اور بستی کو چھوڑ کر ہجرت کرنے والا۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۸۵۳)۔

شریح: شرح کرنے والا۔

شقیق: سگا بھائی۔ **الاخ من الاب و الام ،و المثیل** . (المعجم الوسیط، ص ۴۸۸)۔

شمعون: چراغ روشن کرنے والا۔ **اشمع السراج ، ای سطح نوره.** (المعجم الوسیط۔ ص ۴۰۲)۔

شبرمہ: خاص درخت جو وبائی امراض میں فائدہ دیتا ہے۔ **شجر ذوشوک یقال انه ینفع من الوباء ...وفی حدیث ام سلمة رضی اللہ عنہا انها شربت الشبرم فقال انه حار جار ، والشبرمة : السنورة.** (تاج العروس)۔

شکیل: خوبصورت۔ (الصحاح: ۴/ ۱۴۱۸، ولسان العرب: ۱۱/ ۳۵۷، والقاموس الوحید: ۱/ ۸۸۱، لغاتِ کشوری، ص ۲۷۹)

شمشیر خان: تلوار، شم کے معنی ناخن اور شیر مشہور ہے یعنی شیر کا ناخن، تلوار شیر کے ناخن کی طرح ہوتی ہے۔ (لغاتِ سعیدی، ص ۴۶۰)۔

شمروز خان: یہ اصل میں شاہ امروز ہے یعنی زمانہ حال کا بادشاہ۔ اور خان ترکوں اور بلوچوں کشمیریوں اور پختونوں اور بعض بنی اسرائیل میں سردار اور امیر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

شمر: حوض، بالائی جو دودھ پر آتی ہے۔ (لغاتِ سعیدی، ص ۴۵۹)۔

شماس خان: خادم، آتش پرستوں کا رہبر و رہنما۔ (لغاتِ سعیدی، ص۴۵۹)۔

شمشاد: ایک نہایت مضبوط اور سیدھا اور خوشنما درخت، محبوب کو اس سے تشبیہ دی جاتی ہے لہذا یہ محبوب کے معنی میں ہیں۔

شیرویہ: شیر کی طرح، شجاع۔ (غیاث اللغات، ص۳۰۳، ولغاتِ کشوری، ص۲۸۶)۔

شیراز: (۱) ایران کا ایک مشہور شہر جو علم وادب کے لیے مشہور تھا سعدی اور حافظ شیرازی دونوں کا تعلق اسی شہر سے تھا۔ (۲) وہ دہی جس کا پانی نکالا جائے یعنی عمدہ دہی۔ (۳) شیرازی کبوتر کو بھی کہتے ہیں، تو مذکر شیراز ہوگا۔

حرف الصاد:

صنان: بہادر۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۹۴۷)۔

صہیب: سرخی مائل سفید۔ (لسان العرب: ۱/ ۵۳۷، والصحاح: ۱/ ۱۴۹)۔

صبیح: خوبصورت۔ (الصحاح: ۱/ ۳۳۴، ولسان العرب: ۲/ ۵۰۷)۔

صعصعہ: جماعت کو منتشر کرنے والا۔ (الصحاح: ۳/ ۱۰۳۳، ولسان العرب: ۸/ ۲۰۰)۔

صفوان: صاف ستھرا۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۹۳۱)۔

صندل: مشہور خوشبودار لکڑی۔ (لسان العرب: ۱۱/ ۳۸۶)۔

صنوبر: چلغوزے کا درخت جس کی لکڑی بہت مضبوط ہوتی ہے۔ (کشوری، ص۲۹۵، وغیاث اللغات، ص۳۱۰)

حرف الطاء:

طہمان: خوبصورت۔ قال الاصمعی: الحسن التام کل شيء منه علی حدته فهو بارع الجمال. (لسان العرب: ۱۲/ ۳۷۲)۔

طریر: خوش شکل۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۹۹۳، ولسان العرب: ۴/ ۴۹۹، والصحاح: ۲/ ۶۲۳)۔

طارق: صبح کا روشن ستارہ۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۹۹۶، ولسان العرب: ۱۰/ ۲۱۷)۔

طرفہ: نایاب۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۹۹۵، والصحاح: ۳/ ۱۱۵۲، ولسان العرب: ۹/ ۲۱۴)۔

حرف الظاء:

ظریف: ہوشیار۔ (المنجد فی اللغۃ، ص۴۷۹، ومصباح الغات، ص۵۲۳)۔

ظبیان: ہرن یعنی خوبصورت وتندرست۔(لسان العرب:۱۵/۲۳)۔

حرف العین:

عباس: شیروں کا شیر۔(القاموس الوحید:۲/۱۰۴۰،والمعجم ص۵۸۰)۔

عثمان: محنتی۔ **یجتهدفی الامرویعمل نفسه فیه** . (لسان اللسان:۲/۱۳۷)، **وفلان یعثم ویعثن ای یجتهد فی الامر** . (لسان العرب:۹/۴۹).

عرفجہ :ایک درخت۔ایک پودا جونرم زمین میں اگتا ہے۔(القاموس الوحید:۲/۱۰۷۱)۔

عرفطہ: ایک پودا۔(القاموس الوحید:۲/۱۰۷۱)۔

عتبان: ڈانٹنے والا۔ملامت کرنے والا، نہی عن المنکر کرنے والا۔(المنجد فی اللغۃ:۱/۴۸۵).

عریب: فصیح اللسان۔(القاموس الوحید:۲/۱۰۶۲)۔

عتیک: حملہ آور۔باطل پرحملہ آور۔(القاموس الوحید:۲/۱۰۴۴،والمعجم الوسیط ص۵۸۲).

عدی: دشمن پرحملہ آور جماعت،وادی کا کنارہ۔**جماعة القوم یعدون لقتال . قبیلة** . (المنجد:۱/۴۹۲).

عقبہ: حسن کی نشانی۔کافی مدت تک حسن وجمال کی نشانیوں والا۔(القاموس الوحید:۲/۱۰۰۲).

عفان: پاک دامن۔(القاموس الوحید:۲/۱۰۹۹)۔

عکاشہ: مکڑی،یعنی سادہ زندگی گزارنے والا۔مکڑی کی طرح معمولی مکان میں رہنے والا یعنی جفاکش۔(المعجم الوسیط،ص۶۱۹)۔

عکراش: ایک نفع بخش پودا۔(القاموس الوحید:۲/۱۱۱۰)۔

عکرمہ : کبوتر۔کبوتر کی طرح خوبصورت اور پیغام رسانی کرنے والا آدمی ، دین کا پیغام پہنچانے والا ہو۔(القاموس الوحید:۲/۱۱۱۰)۔

عیینہ: بڑی بڑی آنکھوں والا پیارا۔(لسان العرب:۱۳/۳۰۲،دارالفکر)۔

عنترہ: بہادر۔(القاموس الوحید:۲/۱۱۱۳)۔

عوف: شاندار۔(القاموس الوحید:۲/۱۱۴۲)۔

عمران: آباد کرنے والا۔خوشحال۔(المعجم الوسیط،ص۶۲۷،والقاموس الوحید:۲/۱۱۲۵)۔

عریف: سردار۔(القاموس الوحید:۲/۱۰۷۱،والمعجم الوسیط،ص۵۹۵)۔

عاکف: ٹھہرنے والا، پابندِ شریعت۔(لسان العرب:۹/۳۴۱)۔

عرباض: مضبوط آدمی، بہادر، تندرست۔(لسان اللسان:۲/۱۵۴،ومنتہی الارب:۲،۳/۸۱۲)۔

عشرت: میل ملاپ رکھنے والا۔(القاموس الوحید:۲/۱۰۸۵،۲لسان العرب:۴/۵۷۴)۔

عدنان: ٹھہرنا،ایک جگہ جم کر کام کرنے والا۔(لسان العرب:۹/۸۹،والمعجم الوسیط،ص۵۸۸)۔

عیاض: بدلہ دینے والا، غیرتمند۔بخشش والا آدمی۔(لسان العرب:۷/۱۹۳،دارالفکر،والمعجم الوسیط،ص۲۳۷)۔

حرف الغین:

غسان: پرجوش جوانی۔(القاموس الوحید:۲/۱۱۶۸)۔

غطیف: خوشحال۔خوشگوار ہونا۔(القاموس الوحید:۲/۱۱۷۳)۔

غیلان: جاری پانی،صحتمند۔(لسان العرب:۱۱/۵۱۱)۔

حرف الفاء:

فیروز: کامیاب،قیمتی پتھر۔(القاموس الوحید:۲/۱۲۶۵)،کامیاب،فتحمند۔(فیروز اللغات،ص۹۴۱)۔

فروہ: مالداری،چوغہ۔(القاموس الوحید:۲/۱۲۲۸)۔

فراز: بلندوبالا۔(غیاث اللغات،ص۳۶۷،ولغاتِ کشوری،ص۳۴۴)۔

فرخ شاہ: مبارک بادشاہ۔فرخ،مبارک،ہمایوں،سزاوار۔(لغاتِ سعیدی،ص۵۶۳)۔

حرف القاف:

قثم: بخشش کرنے والا۔(القاموس الوحید:۱۲۷۸)۔

قتادہ: ایک سخت درخت۔(القاموس الوحید:۲/۱۲۷۵)۔

قصی: عیبوں سے دور،اور مرتبہ میں اونچا۔(القاموس الوحید:۱۳۲۳)۔

قیاش: اس نام کے کوئی اچھے معنی نہیں بنتے یہ اصل میں قیّاس ہوگا عقلمند اور سمجھدار یا بات سے بات نکالنے والا، پھر لوگوں نے بگاڑ کر قیاش کر دیا ہوگا۔واللہ اعلم۔

قزلباش: سرخ سر یعنی ٹوپی والا یہ مشہور شیعہ اسماعیل صفوی کے سپاہیوں کی نشانی تھی۔

حرف الکاف:

کہمس: شیر۔(القاموس الوحید:۲/۱۴۳۲)۔

حرف اللام:

لبید: گوشہ نشین، گھر میں مقیم، ایک جگہ جم کر کام کرنے والا۔(القاموس الوحید:۲/۱۴۴۷)۔

لقمان: شاہراہِ اسلام پر چلنے والا، مالدار۔ اللقم : الطريق الواضح . (المعجم الوسيط، ص ۸۳۵) ، اللقم : معظم الطريق و وسطه. (تاج العروس:۳۳/۴۲۹)۔

لیان: خوش حال۔(القاموس الوحید:۲/۱۵۱۷)۔

لاجبر: یہ اصل میں لاجورد ہے ایک قیمتی پتھر ہے اس کو پیس کر نقوش بنانے میں استعمال کرتے ہیں پھر بگاڑ کر لاجبر بنایا گیا۔ یا لاجبر لاج اور عزت والا۔

حرف المیم؛

ماعز: ہوشیار اور چالاک آدمی اور خرابی سے منع کرنے والا۔(مصباح اللغات، ص۸۲۸، وتاج العروس: ۲۵/۳۳۵)۔

مرزبان: لشکر کا سردار۔(مصباح اللغات، ص۸۱۵)۔

مرحب: کشادگی۔(تاج العروس:۲/۴۸۸، ومصباح اللغات، ص۸۱۴)۔

مسرع: تیز رفتار۔(لسان العرب:۸/۱۵۲)۔

مصعب: سردار۔(القاموس الوحید:۱/۹۲۴)۔

مسطح: خیمہ، اور پنڈال کا ستون (یعنی مضبوط آدمی)۔(القاموس الوحید:۱/۷۶۷)۔

مرثد: شریف النفس۔ الکریم۔(المعجم الوسیط، ص۳۲۸، و تاج العروس:۸/۸۶)۔

معدان: تر و تازہ پھل۔(مصباح اللغات، ص۸۲۸)۔

مُطّلب: بار بار کوشش کرنے والا۔(مصباح اللغات، ص۵۱۳)۔

مطرف: پسند کرنے والا۔(القاموس الوحید:۲/۹۹۵)۔

مقداد: جڑ سے کاٹنے والا۔ الفد هو القطع (المستاصل)(تاج العروس:۹/۱۱)۔

ملحان: خوبصورت۔(القاموس الوحید:۲/۱۵۷۷، تاج العروس:۷/۱۳۹)۔

معقل: پناہ کی جگہ۔(تاج العروس:۳۰/۳۶)۔

مہجع: تابعدار۔ (تاج العروس:۲۲/۳۸۵)۔

مہزم: پست زمین کی طرح متواضع۔ (تاج العروس:۳۴/۹۴)۔

مسطع: فصیح اللسان۔ (المعجم الوسیط،۴۲۹،والقاموس الوحید:۲/۷۶۸)۔

ملنگ: جودنیا کی چیزوں وغیرہ سے، حتی کہ اپنے لباس وغیرہ سے بھی بے خبر ہو، تارک الدنیا کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

محمد نبی: یہ اصل میں محمد نبیہ ہے، نبیہ کے معنی ہیں رفعت اور بلندی والا پھر اس کو بگاڑ کر لوگ محمد نبی کہنے اور لکھنے لگے۔

مہران: مہر محبت اور سورج کو کہتے ہیں اور الف ونون پشتو اور فارسی میں جمع کے لیے آتا ہے جیسے طالبان، عالمان تو مہران کا مطلب ہوگا کئی سورجوں یا محبتوں کا مجموعہ، نیز مہران ایک دوا کا نام بھی ہے۔ (فیروز اللغات، وغیاث اللغات)۔

حرف النون:

نعمان: خوشحال۔ (المعجم الوسیط،ص۹۳۶)۔

نواس: بہت متحرک۔ (تاج العروس:۱۶/۵۸۴)۔

نمیر: صاف پانی۔ من الماء الطیب الناجع من الری. (المعجم الوسیط،ص۹۵۴)۔

نبہان: معزز۔ (المعجم الوسیط،ص۸۹۹)۔

نبیل: شریف۔ (المعجم الوسیط،ص۸۹۹)۔

نثار: فدا۔ (فیروز اللغات، والمعجم الوسیط،۹۰۱)۔

نجیب: شریف النسب۔ الفاضل علی مثله النفیس فی نوعه. (المعجم الوسیط،ص۹۰۱)۔

نہیک: بہادر، خوش اخلاق۔ والشجاع الجری من الانسان والحیوان. الحسن الخلق من الرجال۔ (المعجم الوسیط،ص۹۰۱، وتاج العروس:۲۷/۳۸۰)۔

نوفل: بخشش کرنے والا۔ (لسان العرب:۱۱/۶۷۲، والقاموس الوحید:۲/۱۶۸۸)۔

نوروز خان: نوروز: خوشی اور عید، اہل فارس کی عید کا دن جو ۲۱، مارچ ہے اور ۲۲ ستمبر کو عید الخریف ہے اس کو مہرجان کہتے ہیں اور خان لقب ہے۔ (لغاتِ سعیدی،ص۸۴۳)۔

نوید: خوشخبری، بشارت۔(لغاتِ سعیدی،ص ۸۴۵)۔

نوشاد: جس کو نئی نئی خوشی ملی ہو۔ عریس ، متزوج حدیثاً ۔(لغاتِ سعیدی،ص ۵۷۸)۔

نوارخان: (واواصل میں مشدد ہے)بہت روشن۔

نمروزخان: اصل میں نیمروز خان تھا، نیمروز سجستان کا ایک حصہ تھا تو اس کے معنی ایک علاقہ کا امیر۔

نہار: دن کی طرح روشن۔(لسان الاعرب:۵/۲۳۹)۔

نیار: غالباً اصل میں نیارا ہو جس کے معنی منتخب ہے۔نیز علامت ونشانی کے معنی میں بھی آتا ہے۔(لسان العرب:۵/۲۴۶،والصحاح:۲/۷۱۷)۔

حرف الواو:

وابصہ: بجلی کی طرح چمکدار اور روشن چہرے والا۔(القاموس الوحید:۲/۱۸۰۴،ولسان العرب:۷/۱۰۴،والصحاح: ۳/۸۹۱)۔

واثلہ: کھجور کی رسی کی طرح مضبوط آدمی۔(القاموس الوحید:۲/۱۸۱۱،ولسان العرب:۱۱/۷۲۲)۔

وداعہ: پرسکون۔(المعجم الوسیط۔ص:۱۵۲۱،ولسان العرب:۸/۳۸۱)۔

وہاج: روشن ستارہ۔(المنجد،ص ۹۲۰،ولسان العرب:۲/۴۰۱)۔

وکیع: مضبوط،طاقتور۔(المنجد،ص ۹۱۶،ولسان العرب:۸/۴۰۹)۔

حرف الہاء:

ہشام: ثرید بنا کر سخاوت کرنے والا۔(القاموس الوحید:۲/۱۷۶۶،ولسان العرب:۱۲/۶۱۱)۔

ہالہ: چاند کا مدار۔(القاموس الوحید:۲/۱۷۸۹)۔

ہانی: خدمت گزار۔(القاموس الوحید:۲/۱۷۸۳،ولسان العرب:۱/۱۸۶،والصحاح:۱/۷۱)۔

ہرماس: سخت حملہ آور۔(القاموس الوحید:۲/۱۷۶۰،لسان اللسان:۲/۶۸۱،والمنجد،ص ۱۱۲۶)۔

ہُمام: بہادر سخی سردار۔(القاموس الوحید:۲/۱۷۸۲)۔

ہمّام: بڑا باہمت،ارادہ کا پکا۔(القاموس الوحید:۲/۱۷۸۲)۔

ہمایوں: مبارک۔(غیاث اللغات،ص ۵۵۸،ولغاتِ کشوری،ص ۵۷۲)۔

حرف الیاء:

یمان ویامین: یمن و برکت والا۔ (لسان العرب:۱۳/۴۶۴، والقاموس الوحید:۲/۱۹۱۶)۔

یعمر: زیادہ عمر پانے والا۔ (القاموس الوحید:۲/۱۱۲۵، ولسان اللسان:۲/۲۲۳)۔

لڑکیوں کے اسماء اوران کے معانی:

حرف الالف:

آسیہ: ستون کی طرح مضبوط عورت، ایمان میں مضبوط اور پختہ۔ (تاج العروس:۳۷/۷۹، والقاموس الوحید: ۱/۱۲۵، ومصباح اللغات، ص۳۵)۔

آصفہ: ایک پودا جس کی کلیاں سرکے کے ساتھ یا نمک کے ساتھ کھاتے ہیں۔ **الاصف : نبت من الفصيلة الكبرية له شوك وورق أخضر وثمره لبى تؤكل براعمه مخللة أو مملحة**۔ (المعجم الوسیط، ص۲۰، وتاج العروس:۲۳/۲۰)۔

اروی: خوبصورت۔ (المعجم الوسیط، ص۳۸۴، ومصباح اللغات، ص۳۲۶)۔

اسماء: بلند مرتبہ والی۔ **سما، یسمو، سمواً، علا وارتفع وتطاول**۔ (المعجم الوسیط، ص۴۵۲، ومصباح اللغات، ص۳۹۸)۔

امامہ، امیمہ: رہبر، رہنما، پیاری لڑکی۔ (تاج العروس:۳۱/۲۳۰، والقاموس الوحید:۱/۱۳۵)۔

امیہ: پیاری یا چھوٹی لڑکی۔ (المعجم الوسیط، ص۲۸)۔

اریبہ: ہوشیار، دوراندیش لڑکی۔ (تاج العروس:۲/۱۵)۔

اِلانہ: نرم۔ (القاموس الوحید:۲/۱۵۱۶)۔

اِلیانہ: نرم۔ (القاموس الوحید:۲/۱۵۱۶)۔

الینہ بیگم: یہ اصل میں اللینہ ہے جو عمدہ کھجور ہے اور بیگم: میں بیگ کے معنی امیر کے ہیں اور م ترکستانی زبان میں مؤنث کی علامت ہے تو بیگم کے معنی عمدہ اور امیر خاتون۔ (غیاث اللغات، ص۹۳)۔

حرف الباء:

بریرہ: پیلو کے درخت کا پھل۔ **ثمر الاراک عامة**۔ (تاج العروس:۱۰/۱۸۸)۔

بثینہ: خوبصورت نرم ونازک لڑکی۔ (المعجم الوسیط، ص۳۸، وتاج العروس:۳۴/۲۳۰)۔

برزہ: وہ لڑکی جس کی خوبیاں کھلی ہوئی ہوں۔ **امرأة برزة بارزة المحاسن ظاهرتها**. (تاج

العروس:۱۵/۲۰)۔

بریعہ: خوبصورت، دوسروں پر فوقیت رکھنے والی۔(المعجم الوسیط،ص۵۰،وتاج العروس:۲۰/۳۱۹)۔

بسرہ: طلوع ہونے والے سورج کی طرح۔(تاج العروس:۱۰/۱۷۴)۔

بہیّہ: خوبصورت وحسین آنکھوں والی۔(تاج العروس:۳۷/۲۴۱،والمعجم الوسیط،ص۷۴)۔

بارعہ: حسین وجمیل اورفضیلت والی لڑکی۔جارية بارعة اي جميلة ...برع ...تم في كل شيء فضيلة وجمال ۔(تاج العروس:۲۰/۳۱۷)۔

باصرہ: اچھی طرح نگرانی اور پرورش کرنے والی۔(المعجم الوسیط،ص۵۹)۔

بارقہ: روشن چہرے والی۔(القاموس الوحید:۱/۱۶۱)۔

بلقیس: تخمینہ اوراندازہ کرنے میں ماہر عورت۔

بکرہ: صبح کی طرح روشن چہرے والی۔(المعجم الوسیط،ص۶۷،والمنجد،ص۹۷)۔

بلیلہ: سخاوت کرنے والی۔(المعجم الوسیط،ص۷۰)۔

براعت: حسن وجمال میں یکتا۔(المنجد،ص۸۳،ولسان اللسان،ص۸۷،والمعجم الوسیط،ص۵۰)۔

بی بی خانم: بی بی کے معنی امیر زادی،اورخانم کے معنی ہے شریف زادی۔(لغاتِ کشوری،ص۸۷)۔

بانو: امیر کی زوجہ۔(لغاتِ کشوری،ص۵۹)۔

بیگم: امیر کی زوجہ۔بیگ کے معنی امیر ہے اورم ترکستانی زبان میں مؤنث کی علامت ہے۔(لغاتِ کشوری، ص۸۷وغیاث اللغات،ص۹۳)۔

حرف الباء الفارسی:

پری: خوبصورت جنیہ۔(لغاتِ کشوری،ص۸۴)۔

پروین: چندستاروں کا مجموعہ۔(لغاتِ کشوری،ص۸۴)۔

پشمینہ: اون کی طرح نرم۔(لغاتِ سعیدی،ص۱۳۲)۔

پدم: ایک پانی والا پودا جس کو نیلوفر کہتے ہیں۔

حرف التاء:

تحیہ: سلام،دعا،اور برکت۔

حرف الثاء:

ثویلہ: جماعت والی۔(المنجد ص۱۳۱، ولسان اللسان ص۱۵۷، ومصباح اللغہ ص۹۸)۔

ثبیتہ: بہادر، اور دین میں ثابت قدم۔(المعجم الوسیط ص۹۳، ومصباح اللغات ص۹۰)۔

ثریا: ستاروں کا مجموعہ۔(لسان اللسان ص۱۴۶، والمعجم الوسیط ص۹۵، والمنجد ص۱۲۳)۔

ثوبیہ: چھوٹی جماعت والی۔الجماعۃ من الناس۔(لسان اللسان ص۱۵۶، والمنجد ص۱۳۰، والمعجم الوسیط ص۱۰۲)۔

حرف الجیم:

جویریہ: پیاری لڑکی، آفتاب، کشتی، اللہ کی نعمت۔(لسان العرب:۱/۱۴۰، والقاموس الوحید:۱/۲۵۴)۔

جسرہ: بہادر، ہر کام میں سبقت کرنے والی۔(المنجد ص۱۵۲، ولسان اللسان ص۱۸۶، والمعجم الوسیط ص۱۲۲)۔

جمامہ: آرام اور راحت پہنچانے والی۔(المعجم الوسیط ص۱۳، والقاموس الوحید:۲۸۳)۔

جمانہ: موتی۔الجمان اللؤلؤ۔(المنجد ص۱۶۸، والمعجم الوسیط ص۱۳۷، ولسان اللسان ص۲۰۶)۔

جفنہ، جفینہ: سخاوت والی۔(القاموس الوحید:۱/۲۶۷)۔

حرف الحاء:

حواء: سرخی مائل سیاہی۔الحمرۃ تضرب الی السواد۔(الصحاح:۵/۱۸۵۴، والقاموس الوحید:۱/۳۹۷)۔

حفصہ: شیر کی بچی۔(تاج العروس:۱۷/۵۲۷)۔

حارثہ: آخرت کی تیاری کرنے والی۔(تاج العروس:۵/۲۱۴، والصحاح:۵/۲۱۶)۔

حشمت: حیادار و دبدبہ والی۔(الصحاح:۴/۱۵۴۳، وتاج العروس:۳۱/۴۹۰)۔

حنّہ: رحم والی۔(مصباح اللغات ص۱۷۸، وتاج العروس:۳۴/۴۶۰)۔

حوراء: گوری، خوبصورت لڑکی۔الحوراء من النساء البیضاء۔(المعجم الوسیط ص۲۰۶، وتاج العروس:۱۱/۱۰۰)۔

حِرا: لوگ لڑکی کا نام حرا رکھتے ہیں اس میں تبرک مقصود ہوتا ہے جیسے حرا پہلی وحی کی مبارک جگہ ہے یہ لڑکی بھی مبارک ہے، ممکن ہے کہ حرا لائق اور مناسب کے معنی میں ہو چونکہ اس غار تک فاصلہ مناسب تھا نہ مکہ سے زیادہ دور تھا اور نہ قریب اس لیے اس کا نام حرا رکھا گیا۔

حرف الخاء:

خدیجہ: عیوب سے اور مردوں سے منقطع ہونے والی۔

خولہ: ہرن، خوبصورت۔(المعجم الوسیط،ص۲۶۳،وتاج العروس:۲۸/ ۴۴۷)۔

خنساء: نیل گائے۔(القاموس الوحید:۱/ ۴۷۹،والصحاح:۲/ ۷۸۳،وتاج العروس:۱۶/ ۳۶)۔

خضیبہ: سرسبز وشاداب۔(الصحاح:۱/ ۱۰۹،وتاج العروس:۲/ ۳۶۹)۔

خریدہ: شرمیلی۔(الصحاح:۲/ ۴۰۹،وتاج العروس:۸/ ۵۵)۔

خمیلہ: شال، اونی چادر۔(مصباح اللغات،ص۲۲۰،وتاج العروس:۲۸/ ۴۳۷)۔

حرف الدال:

درہ: موتی۔اللؤلؤة العظیمة۔(تاج العروس:۱۱/ ۲۸۲)۔

دعامۃ: ستون۔(تاج العروس:۳۲/ ۱۵۶)۔

دیباجہ: حسین وجمیل اور ریشم کی طرح نرم ونازک۔(مصباح اللغات،ص۲۲۸،وتاج العروس:۵/ ۵۴۶)۔

حرف الذال:

ذنابہ: تابعدار۔(المعجم الوسیط،ص۳۱۶)۔

ذکیہ: ہوشیار وذہین۔(الصحاح:۱/ ۲۲۷،ولسان العرب:۱۴/ ۲۸۷)۔

حرف الراء:

رقیہ: ترقی کرنے والی۔(المعجم الوسیط،ص۳۶۹)۔

رعلہ: اگر راء مضموم ہو تو پھولوں کا گلدستہ جو تاج کی شکل میں سروں پر رکھا جاتا ہے۔اور اگر راء مفتوح ہو تو تیز رفتار گھوڑوں کا دستہ اور گلّہ۔(المعجم الوسیط،ص۳۵۵)۔

ریطہ: چادر۔(لسان العرب:۷/ ۳۰۷،ومقاییس اللغۃ:۲/ ۳۸۷)۔

روضہ: خوبصورت باغیچہ۔(لسان العرب:۷/ ۱۶۲،والمعجم الوسیط،ص۴۹۷)۔

رمیصاء: ستارہ۔(تاج العروس:۱/ ۴۴۵۹،والمعجم الوسیط،ص۴۷۷)۔

ربابہ: سردار۔(المعجم الوسیط،ص۱۶۱،والمنجد،ص۲۳۴)۔

ربانیہ: اللہ والی، مربیہ۔(روح المعانی:۳/ ۲۰۸)۔بعض لوگ اس کو بگاڑ کر ریان بولتے ہیں۔

ربیعہ: بہار۔(المعجم الوسیط،ص۳۲۵)۔

رہیفہ: نرم ونازک۔(المعجم الوسیط،ص ۳۷۸)۔

رائعہ: اپنے حسن یا شجاعت سے لوگوں کو تعجب میں ڈالنے والی۔(المنجد،ص ۴۱۹، والمعجم الوسیط)۔

ریّہ: سیراب کرنے والی۔(المنجد،ص ۴۲۳، ولسان العرب: ۴۹۴/۱۳)۔

ریشہ: قلم۔(القاموس الوحید: ۶۹۱/۱)۔

رغیبہ: مرغوبہ لڑکی۔(القاموس الوحید: ۶۴۳/۱، ولسان اللسان، ۴۸۷)۔

رشیقہ: خوش مزاج لڑکی۔(القاموس الوحید: ۶۲۸/۱، ولسان اللسان،ص ۴۸۸)۔

رصافہ: دین میں پختہ اور مضبوط۔(القاموس الوحید: ۶۳۱، ولسان العرب،ص ۱۲۱)۔

رخیمہ: نرم ونازک۔(القاموس الوحید: ۶۱۰/۱)۔

رملہ: ریت پتھر کی طرح صاف ستھری۔(القاموس الوحید: ۱)۔

رمشہ: اصلاح کرنے والی۔(القاموس الوحید: ۶۶۷/۱، ولسان اللسان،ص ۵۱۱)۔

روبینہ: جس کا چہرہ دیکھنے کے قابل ہو۔روب: چہرہ، اور بین دیکھنا۔(لغاتِ کشوری،ص ۲۱۷)۔

رخشندہ: چمکتی ہوئی روشن۔(لغاتِ کشوری،ص ۲۱۰)۔

رخسانہ: غالباً یہ لفظ رخشانہ ہوگا، جس کو عوام نے بگاڑ کر رخسانہ بنایا، اور اس کے معنی شاندار چہرہ والی لڑکی ہے، تاہم اگر رخسانہ کو سین کے ساتھ تسلیم کرلیں تو پھر اس کے معنی یہ ہوں گے: رخ یعنی چہرہ، اور سان کے معنی وہ ریتی جس سے لوہے کے زنگ کو صاف کرتے ہیں تو مطلب یہ ہوگا وہ مسکراتی ہوئی خوش مزاج بچی جس کو دیکھ کر دل کا میل کچیل صاف ہوجاتا ہے۔

حرف الزای:

زینب: ایک خوشبودار پودا۔(القاموس الوحید: ۷۱۹/۱، ولسان اللسان،ص ۵۵۵)۔

زبیدہ: دین میں خالص، اصل زبدہ مکھن کو کہتے ہیں اور مکھن دودھ دہی کا خلاصہ ہوتا ہے۔(القاموس الوحید: ۶۹۵/۱، والمعجم الوسیط،ص ۳۸۷)۔

زَہراء: سفید روشن چہرے والی حسین وجمیل۔الأزھر: الابیض المستنیر، والمرأۃ الزھراء.
(لسان اللسان،ص ۵۵۸، والقاموس الوحید: ۷۲۲/۱)۔

زُہرہ: ستارہ کے طرح روشن چہرے والی۔الزھرۃ: الکوکب الأبیض والزھرۃ الحسن

البیاض (لسان اللسان، ص ۵۵۸، والقاموس الوحید: ۱/۷۲۲)۔

زَہرہ: پھول، وخوبصورت لڑکی۔(لسان اللسان، ص ۵۵۸)۔

زاہرہ: سفید سرخی مائل خوبصورت۔ والزاھر: الحسن الابیض من الرجال، وقیل: ھو الأبیض فیه حمرة۔(لسان اللسان، ص ۵۵۸)۔ نیز پھول اور کلی والا پودا۔(القاموس الوحید: ۱/۷۲۲)۔

زعیمہ: سردار۔(الصحاح: ۴/۱۵۷۶، وتاج العروس: ۳۲/۳۱۴)۔

زکیہ: پاکیزہ۔(الصحاح: ۵/۱۸۸۸، وتاج العروس: ۳۸/۲۲۴)۔

زلیخا: حسین وجمیل عورت۔(فیروز اللغات، ص: ۷۴۷)

زہیرہ: کلی اور پھول۔(تاج العروس: ۱۱/۴۷۳، والصحاح: ۲/۵۸۰)۔

حرف السین:

سارہ: رازدار۔(مصباح اللغات، ص ۳۷۰، وتاج العروس: ۱۲/۱۹)۔

سعدیٰ: ایک خوشبودار پودا، نیک بخت لڑکی۔اسمِ تفضیل اسعد کا مؤنث ہے۔ (الصحاح: ۲/۴۲۵، وتاج العروس: ۸/۱۹۸)۔

سودہ: کھجوروں والی زمین، برکت والی، مالدار۔(مصباح اللغات، ص ۴۰۵، وتاج العروس: ۸/۲۳۱)۔

سناء: بلند مرتبہ والی۔ السنی الرفیع، السناء العلو وارتفاع۔(المعجم الوسیط، ص ۴۵۷)۔

سمیہ: بلند مرتبہ والی۔ السمو العلو والرفعة۔(المعجم الوسیط، ص ۴۵۳)۔

سفانہ: موتی۔ السفانة: اللؤلؤ۔(المعجم الوسیط، ص ۴۳۴، وتاج العروس: ۳۵/۱۹۵)۔

سہیمہ: نصیب اور حصہ پانے والی، خوش قسمت، رشتہ وقرابت کا لحاظ رکھنے والی۔(القاموس الوحید: ۱/۸۱۶، والمعجم الوسیط، ص ۴۵۹، وتاج العروس: ۳۲/۴۴۰)۔

سمراء: گندم گوں، خوبصورت۔(المعجم الوسیط، ص ۴۴۸، وتاج العروس: ۱۲/۷۱)۔

سنینہ: سنت پر چلنے والی۔سنینة سنة کی تصغیر ہے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شاہراہ ہے جس پر مسلمان چلتے ہیں تو سنینہ کا مطلب ہوگا سنت پر چلنے والی لڑکی، جس کو بطورِ مبالغہ زید عدل کی طرح سنینہ کہا گیا۔

سلمیٰ: سلامتی والی۔(المعجم الوسیط، ص ۴۴۶)۔

سنا: چاند کی طرح روشن چہرے والی۔ السنا مقصود ضوء البرق۔(الصحاح: ۵/۱۹۰۱)۔

سیما: علامت ونشانی۔ چہرہ پر نورِ ایمان کی نشانی۔ قرآنِ کریم میں ہے: **سیماهم فی وجوههم من اثر السجود**۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۸۲۸، والمعجم الوسیط، ۴۶۶)۔

سنبلہ، سنبل: خوشبودار پودا۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۸۰۷)۔

سبرہ: ٹھنڈی صبح۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۷۳۹، ولسان اللسان، ص ۵۷۱)۔

ساریہ: رات کی بارش اور بادل۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۷۶۶، ولسان اللسان، ص ۵۹۷)۔

سدرہ: بیری کا درخت۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۷۵۷، ولسان اللسان، ص ۵۸۷)۔

سونیہ: یہ اصل میں سوہنیہ ہے جس کے معنی خوبصورت لڑکی ہے اور سونی بھی اصل میں سوھنی ہے جس کے معنی خوبصورت کے ہیں۔

حرف الشین:

شمیلہ: چادر، باپردہ۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۸۸۹، ولسان اللسان، ص ۳۶۸)۔

شیمہ: اچھی عادت وخصلت والی۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۹۰۵)۔

شرفہ: شرافت والی، کنگورہ۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۸۵۸، ولسان اللسان، ص ۶۶۶، ولسان العرب: ۹/ ۱۷۱)۔

شمیم وشمیمہ: خوشبودار، بلند مرتبہ والی۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۸۸۹، ولسان العرب: ۳۲۸، والمعجم الوسیط، ص ۴۹۵)۔

شاہیہ: شاہی مزاج والی۔ رغبت والی۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۸۹۵)۔

شاہین: ایک قوی، شکاری اور خوبصورت پرندہ کا نام ہے۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۸۹۵)۔

شہامہ: مستقل مزاج، باہمت، بلند حوصلہ والی، ہوشیار، روشن ضمیر۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۸۹۵)۔

شارقہ: چمکدار روشن چہرہ والی۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۸۵۹، ولسان العرب: ۱۰/ ۱۷۸)۔

شہبہ: خوبصورت۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۸۹۲، ولسان اللسان، ص ۶۹۹، والمعجم الوسیط، ص ۴۹۷)۔

شہلہ، شہلاء: سیاہ آنکھ والی جس کی آنکھوں میں سرخی اتری ہوئی ہو۔ داناعورت۔ (القاموس الوحید: ۲/ ۸۹۵)

شیربانو: حضرت حسینؓ کی ملکیت میں یزدجر کی لڑکی آئی انہوں نے ان کو آزاد کر کے ان کے ساتھ نکاح کیا تھا اور ان کے بطن سے زین العابدین پیدا ہوئے تھے۔

شگفتہ: وہ لڑکی جس کا چہرہ مسکراتا اور کھلا ہوا ہو۔ (لغاتِ سعیدی، ص ۴۵۸)۔

شگوفہ: کلی اور پھول، غنچہ۔ (لغاتِ سعیدی، ص ۴۵۸)۔

شمائلہ: اچھی خصلتوں والی۔

حرف الصاد:

صفیہ: پسندیدہ، چنیدہ۔ الصفی من کل شيء ، ہر چیز کا منتخب و چنیدہ حصہ۔ (القاموس الوحید: ۱/۹۳۱، ولسان العرب: ۱۱/۴۶۳)۔

صفورہ: پیلے رنگ کی ، (عرب ہلکے پیلے رنگ کو پسند کرتے تھے) عیوب سے خالی ۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۹۲۸، والمنجد، ص ۵۶۸، والمعجم الوسیط، ص ۵۱۶)۔

صہباء: سرخ سفید رنگ یعنی خوبصورت ۔ (لسان العرب: ۵۳۲، والقاموس الوحید: ۱/ ۹۴۷)۔

صفوہ: پسندیدہ۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۹۳۱، ولسان العرب: ۱۴/ ۴۶۲، والمنجد، ص ۵۷۰)۔

صباحت: خوبصورت ۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۹۰۷، والصحاح: ۱/ ۳۳۴)۔

حرف الضاد:

ضمیرہ: پتلی خوبصورت، دلدار لڑکی ۔ (لسان العرب: ۴/ ۴۹۱، والقاموس الوحید: ۲/ ۹۷۶)۔

ظبیہ: ہرن کی طرح خوبصورت ۔ (الصحاح: ۵/ ۱۹۲۵، ولسان العرب: ۱۵/ ۲۳)۔

ظعینہ : کجاوہ میں بیٹھی ہوئی یعنی پردہ نشین ۔ (القاموس الوحید: ۲/ ۱۰۳۰، والصحاح: ۵/ ۱۷۳۳، ولسان العرب: ۱۳/ ۲۷۱)۔

حرف العین:

عائشہ: خوش عیش، خوشحال زندگی گزارنے والی ۔ (القاموس الوحید: ۲/ ۱۱۴۶، ولسان العرب: ۶/ ۳۲۲)۔

عفراء: سفید زمین، بہادر۔ (القاموس الوحید: ۲/ ۱۰۹۸، ولسان العرب: ۴/ ۵۸۷، والصحاح: ۲/ ۶۴۵)۔

عاتکہ: خوشبو لگانے والی ۔ (الصحاح: ۴/ ۱۳۱۱، ولسان العرب: ۱۰/ ۴۶۳، والقاموس الوحید: ۲/ ۱۰۴۴)۔

عذبہ: شیریں کلام والی۔ عذب اللسان ،وعذب الکلام ۔ (القاموس الوحید: ۲/ ۱۰۵۹، والصحاح: ۱/ ۱۵۹، ولسان العرب: ۱/ ۵۸۴)۔

عمیرہ: درازعمر والی، تاجدار۔ (الصحاح: ۲/ ۶۴۹، ولسان العرب: ۴/ ۶۰۶)۔

عمرہ: وہ مہرہ جس سے ہار کے موتیوں کو الگ کیا جائے وہ ہار کی خوبصورتی کا سبب ہے، اور اس میں عمر کی

درازی بھی ہے۔(لسان العرب:۴/۶۰۶)۔

عنقودہ: انگور کا گچھا۔(القاموس الوحید:۲/۱۱۰۴، والصحاح:۲/۴۹۶، ولسان العرب:۳/۲۹۹)۔

عذراء: بے عیب، یعنی بغیر سوراخ کے موتی، دوشیزہ۔(الصحاح:۲/۶۳۳، ولسان العرب:۴/۵۵۱)۔

عیینہ: پانی کا چھوٹا سا چشمہ۔(القاموس الوحید:۲/۱۱۴۹، والصحاح:۵/۱۷۴)۔

عاکفہ: پابندِ شرع۔ (القاموس الوحید:۲/۱۱۱۱، والصحاح:۳/۱۱۶۲، ولسان العرب:۹/۲۵۵)۔

عنبرین: عنبر کی طرح خوشبودار۔(لغاتِ سعیدی،ص ۵۳۵)۔

حرف الغین:

غمیصاء: ستارہ کی طرح بلند۔(القاموس الوحید:۲/۱۱۸۳، ولسان العرب:۷/۶۲، والصحاح:۳/۸۷۹)۔

غفیرہ: کثرت والی۔(القاموس الوحید:۲/۱۱۷۴، ولسان العرب:۵/۲۷، والصحاح:۲/۲۶۱)۔

غدیرہ: تالاب کی طرح۔(القاموس الوحید:۲/۱۱۵۶، والصحاح:۲/۶۵۷)۔

غادہ: نرم ونازک۔(الصحاح:۲/۴۵۱، ولسان العرب:۳/۳۲۸)۔

غادیہ: صبح کی بارش۔(القاموس الوحید: ۲/۱۱۵۷، ولسان العرب:۱۵/۱۱۸، والصحاح:۵/۱۹۴۵)۔

حرف الفاء:

فاطمہ: بری عادتوں سے علیحدہ، مردوں سے الگ رہنے والی۔(الصحاح:۲/۱۲۴۳)۔

فاختہ: کبوتر کی ایک قسم، وچاند کی روشنی۔(الصحاح:۱/۲۳۱، ولسان العرب:۲/۶۵، والقاموس الوحید:۲/۱۲۰۹)۔

فکیہہ: خوش مزاج۔(القاموس الوحید:۲/۱۲۵۰، والصحاح:۵/۱۷۹۵، ولسان العرب:۱۳/۵۲۴)۔

فارہہ: خوبصورت، دلکش۔(المنجد،ص ۷۴۴، والقاموس الوحید:۲/۱۲۲۸، ولسان اللسان:۲/۳۱۴)۔

فرزینہ: شطرنج کا ایک مہرہ جو وزیر کے درجہ میں ہوتا ہے۔(القاموس الوحید:۲/۱۲۱۷)۔

فردوس: جنت، باغ۔(القاموس الوحید:۲/۱۲۱۶، ولسان العرب:۲/۳۰۷)۔

فرزانہ: عقلمند، ہوشیار۔(لغاتِ سعیدی،ص ۵۶۴)۔

حرف الکاف:

کبشہ: دنبی کی طرح متواضع، سردار۔(لسان اللسان:۲/۴۴۰، والقاموس الوحید:۲/۱۳۸۲)۔

کلثوم: پر گوشت چہرہ والی، یعنی خوبصورت چہرہ والی۔(لسان اللسان،ص ۴۷۱، والقاموس الوحید:۲/۱۴۱۸)۔

کاظمہ: غصہ پینے والی، حسن اخلاق والی۔ (لسان اللسان:۲/۴۶۲، والقاموس الوحید:۲/۱۴۱۱)۔

کرشمہ: نازاورغمزہ کرنے والی، عاجزی کرنے والی۔ (لغاتِ سعیدی، ص۶۱۸)۔

حرف الگاف:

گل رعنا: خوبصورت پھول۔دورنگ کا پھول جو اندر سے سرخ اور باہر سے زرد ہو۔ (لغاتِ سعیدی، ص۶۵۰)۔

گل لالہ: ایک قسم کا سرخ پھول جس میں سیاہ نقطہ ہوتا ہے اور موسمِ بہار میں ناظرین کو اپنے حسن وجمال کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

گل کدہ: باغ۔

گلبدین: اصل میں گل بدن ہے جسے بگاڑا گیا۔

حرف اللام:

لبابہ: عقلمند، ہوشیار، برگزیدہ۔لب كل شيء ولبابه : خالصه واللباب : الخالص من كل شيء ،لبابة : عقلمند ہونا۔ (لسان اللسان:۲/۴۹۰، والقاموس الوحید:۲/۱۴۴۶)۔

لبنیٰ: زیادہ دودھ پلانے والی، فائدہ پہنچانے والی۔ (لسان اللسان:۲/۴۹۳، والقاموس الوحید:۲/۱۴۵۰)۔

لیانہ: نرم۔ (القاموس الوحید:۲/۱۵۱۷)۔

لینہ: کھجور، خوش مزاج، نرم خوئی۔ (القاموس الوحید:۲/۱۵۱۷)۔

لمیس: نرم ونازک۔ (لسان اللسان:۲/۵۱۷)۔

لؤلؤہ: موتی۔ (لسان العرب:۱/۱۵۰، والمعجم الوسیط، ص۸۱۰)۔

لباقہ: مہارت رکھنے والی۔ (المعجم الوسیط، ص۸۱۳، ولسان اللسان:۲/۴۹۳، ولسان اللسان:۱۰/۳۲۷)۔

حرف المیم:

معاذہ: پناہ دی ہوئی۔ (القاموس الوحید:۲/۱۱۴۰، ولسان اللسان:۲/۲۳۹، ولسان العرب:۳/۴۹۸)۔

میمونہ: مبارک۔ (القاموس الوحید:۲/۱۹۱۶، والصحاح:۵/۱۷۷۸، والمعجم الوسیط، ص۱۰۶۷)۔

مریم: عبادت گزار، وخدمت گزار۔ (روح المعانی:۳/۱۳۶، وتاج العروس:۳۲/۳۰۲)۔

ماریہ: خوبصورت، نیل گائے۔ (لسان العرب:۱۵/۲۷۹)۔

مجنہ: لاٹھی، کمزوروں کا سہارا۔(القاموس الوحید:۱/۱۳۱۵)۔

مسیکہ: سہارہ والی۔(القاموس الوحید:۲/۱۵۵۳)۔

ملیکہ: پیاری ملکہ۔(القاموس الوحید:۲/۱۵۸۱،والمعجم الوسیط،ص۸۸۶)۔

میمنہ: خوش قسمت۔(القاموس الوحید:۲/۱۹۱۶،والمعجم الوسیط،ص۱۰۶۶)۔

ملساء: چمکدار اور نرم۔(القاموس الوحید:۲/۱۵۷۸)۔

منیفہ: مناسب قد والی خوبصورت۔(لسان العرب:۹/۳۴۲،والقاموس الوحید:۲/۱۷۲۷)۔

مزنہ: بارش والا بادل۔(القاموس الوحید:۲/۱۵۴۸،ولسان العرب:۱۳/۴۰۶)۔

مازیہ: فضیلت والی۔(لسان العرب:۱۵/۲۷۹،والقاموس الوحید:۲/۱۵۴۸)۔

ملالہ: یہ پشتو کا لفظ ہے غمزدہ کے معنی میں ہیں جو دین اور قوم کا غم اور فکر لیے ہوئی ہو۔

ملالئے: یہ بھی پشتو کا لفظ ہے اس کا آسان ترجمہ نشیلی اور خوابیدہ آنکھوں والی لڑکی ہے۔

مرجانہ: ایک قیمتی پتھر اور ہاء آخر میں اظہارِ تانیث کے لیے ہے۔(لغاتِ سعیدی،ص۷۱۷)۔

مایرہ: خوراک اور کھانے پینے کی اشیاء فراہم کرنے والی۔(القاموس الوحید:۲/۱۵۹۵)۔

الممیرہ: خوراک والی۔(القاموس الوحید:۲/۱۵۹۵)۔

حرف النون:

نبیلہ: شریفہ۔(المعجم الوسیط،ص۸۹۹)۔

نَسیبہ: عالی نسب والی۔(القاموس الوحید:۲/۱۶۳۹،ولسان العرب:۱/۷۵۶)۔

نُسیبہ: پیاری مناسب لڑکی۔(القاموس الوحید:۲/۱۶۳۹،ولسان العرب:۱/۷۵۶)۔

نسیم،نسیمہ: نرم ہوا کی طرح پسندیدہ۔(لسان اللسان:۲/۶۱۴،والقاموس الوحید:۲/۱۶۴۴،ولسان العرب:۱۲/۵۷۴)۔

نائلہ: بخشش والی۔(المعجم الوسیط،ص۹۶۷،والقاموس الوحید:۲/۱۷۳۲)۔

ناعمہ: نرم ونازک۔(القاموس الوحید:۲/۱۶۷۴)۔

ناسکہ: عبادت گزار۔(القاموس الوحید:۲/۱۶۴۳)۔

نجیبہ: شریف النسب۔(القاموس الوحید:۲/۱۶۱۰،والمعجم الوسیط،ص۹۰۱)۔

نسرین: ایک قسم کا پھول۔(غیاث اللغات، ص۵۲۴)۔

نیلوفر: ایک پانی والا پودا، معرب ہے نیلوپل کا۔(غیاث اللغات، ص۵۳۶، ولغاتِ کشوری، ص۵۵۱)۔

ندیمہ: ہم نشین، ودوست۔(القاموس الوحید:۲/۱۶۲۸، والمعجم الوسیط، ص۹۱۱)۔

حرف الواو:

وجیہہ: عزت مند۔(القاموس الوحید:۲/۱۸۱۷، والصحاح:۵/۱۸۰۳، ولسان العرب:۱۳/۵۵۸)۔

وصیفہ: خادمہ۔وصیفہ اس لیے کہتے ہیں کہ مخدوم کی ہر چیز کی اس کے سامنے تعریف کرتی ہے۔(القاموس الوحید:۲/۱۸۵۸، والصحاح:۳/۱۱۸۹، ولسان العرب:۹/۳۵۷)۔

حرف الہاء:

ہاجرہ: برائیوں کو اور بے جا گھومنے کو چھوڑنے والی، خوبصورت۔(القاموس الوحید:۲/۱۷۴۱، ولسان العرب:۵/۲۵۲، والصحاح:۲/۱۷۶۳)۔

ہزیلہ: پتلی خوبصورت۔(القاموس الوحید:۲/۱۷۶۳، والصحاح:۴/۱۵۰۴، ولسان العرب:۱۱/۶۹۷)۔

ہانی: اگر لڑکے کا نام ہو تو خدمت گزار، اور لڑکی کا نام ہو تو بخشش اور عطیہ والی۔(القاموس الوحید:۲/۱۷۸۳، ولسان العرب:۱/۱۸۶، والصحاح:۱/۱۷)۔

ہندہ: برداشت اور صبر والی۔(القاموس الوحید:۲/۷۸۴، ولسان العرب:۳/۴۳۹)۔

ہالہ: چاند کا دائرہ۔(القاموس الوحید:۲/۱۷۸۹، والصحاح:۲/۱۵۸، ولسان العرب:۱۱/۱۷۳)۔

ہُما: خوش قسمت۔ایک پرندہ کا نام ہے جس کی بابت مشہور ہے کہ اگر اس کے سایہ کے تلے آجاوے تو وہ بڑا اقبال منداور بادشاہ ہوتا ہے۔(لغاتِ سعیدی، ص۸۸۰)۔

حرف الیاء:

یسیرہ: نرم مزاج، آسانی والی، مال والی۔(القاموس الوحید:۲/۱۹۱۴، والصحاح:۲/۷۳۰، ولسان العرب:۵/۲۹۶)۔

یافعہ: اونچے درجہ والی۔(القاموس الوحید:۲/۱۹۱۴، ولسان العرب:۸/۴۱۵)۔

یاسمین: چنبیلی کی طرح خوشبودار۔(القاموس الوحید:۲/۱۹۱۴، ولسان العرب:۱۲/۶۴۶)۔

An alphabetical list of the Names with their meanings in English

Boys' Names		
	English Meaning	Name
Abrārul Haqq	very righteous	ابرارالحق
Ibrāhīm	lofty in status / a kind hearted father	ابراہیم
Abū Bakr	one who rears a young camel / helps the weak	ابوبکر
Abū Dhar	one who plants / benefits people	ابوذر
Abū Hurayrah	one who rears a kitten / helps the weak	ابوہریرہ
Aḥmad	one who praises Allah the most	احمد
Aḥmas	firm on Deen	احمس
Id̲rīs	one who educates a lot / experienced	ادریس
Arsalān	lion	ارسلان
Armiyā'	one who glorifies Allah / a symbol of guidance	ارمیاء
Azhar	one with a fair complexion	ازہر
Usāmah	lion	اسامہ
Isḥāq	A giver of good tidings / humorous	اسحاق
Isrā'īl	one who strives for Deen and combats falsehood / Allah's chosen servant	اسرائیل
Ismā'īl	O Allah, listen to my prayers	اسماعیل
Aswad	honoured / wealthy / blessed	اسود
Ashraf	honourable	اشرف
Aqra'	a strong shield	اقرع

Akbar	great	اکبر
Ilyās	my deity is Allah / a courageous person whom others feel despondent to combat	الیاس
Ummbāras	a fortunate person	امبارس
Awrankzayb	an adornment of the royal throne	اورنگزیب
Ūways	a gift / beloved	اویس
Iyāz	a brave person whom others feel despondent to combat / a cool breeze	ایاز
Iyās	a gift	ایاس
Īmān	faith	ایمان
Ayūb	one who is steadfast in Allah's obedience	ایوب
Ā<u>d</u>am	created from the earth	آدم
Āṣif	beloved / enjoyable	آصف
Bābar	lion	بابر
Bābak	law	بابک
Ba<u>d</u>īl	noble / generous	بدیل
Barā'	free from defects	براء
Barīr	fruit of a certain tree	بریر
Baṣrah	a soft white stone	بصرہ
Bakar	a young camel / swift	بکر
Bilāl	generous	بلال
Banār	be safe	بنار
Banāras	one who reaches safety	بنارس

Bandar	a coastal city / an important person	بندر
Binyāmīn	a trustworthy son	بنیامین
Bahrām	planet Mars	بہرام
Bahlūl	noble / modest / a good natured leader	بہلول
Purdil Khān	brave	پردل خان
Parawiz	victorious	پرویز
Tamīm	complete / one with a good stature	تمیم
Taymūr	quality steel	تیمور
Tha'labah	one who instils awe into the enemy	ثعلبہ
Thumāmah	a plant with long branches	ثمامہ
Thamīr	fruitful	ثمیر
Jadhlān	happy	جذلان
Jarīr	reins / one who halts falsehood and brings people towards good	جریر
Ja'īl	supervisor / gift	جعیل
Ḥārith	lion	حارث
Ḥudhayfah	neat / trimmed / beautified / reformed	حذیفہ
Ḥarmalah	a fragrant plant / a small shawl	حرملہ
Ḥizqīl	may Allah strengthen him	حزقیل
Ḥushaym	dignified / bashful	حشیم
Ḥuṣayn	fortified / secure	حصین
Ḥafṣ	a cub	حفص

Ḥafīy	kind / compassionate	حفی
Ḥimrān	saffron / gold	حمران
Ḥamzah	lion	حمزہ
Ḥamīm	intelligent / a bosom friend	حمیم
Ḥanān	merciful / compassionate	حنان
Ḥanzalah	aloe	حنظلہ
Khabīb	swift	خبیب
Khadīj	separated from evil	خدیج
Kharīt	expert	خریت
Khuzaymah	one who threads pearls / a fragrant flower	خزیمہ
Khuṣayb	lush / fresh	خصیب
Khiḍar	fresh / lush	خضر
Khamīm	praiseworthy	خمیم
Darwaysh	one who begs at the door of Allah	دَرویش
Durwaysh	pious	دُرویش
Danyāl	close to Allah	دانیال
Dawūd	beloved / treats ailing hearts / swift	داوٗد
Darīr	bright	دریر
Dukīn	cultured / polite	دکین
Dilfakar	lover	دلفگار
Dilhām	brave / lion	دلہام

Dhābil	slim	ذابل
Dhakwān	intelligent / fragrant	ذکوان
Dhul Kifl	one who accepts responsibility	ذوالکفل
Dhūwayb	high in status	ذویب
Rābigh	living in luxury	رابغ
Rājū	a king	راجو
Rabī'	a spring	ربیع
Raḥīl/ Rāḥīl	swift	رحیل/راحیل
Razīn	dignified	رزین
Rashīq	pleasant natured / one with a good stature / handsome	رشیق
Riḍā	one who is pleased / content	رضا
Rifā'ah	lofty	رفاعہ
Rukānah	one who gives support and strength	رکانہ
Rumān	pomegranate	رمان
Ramīz	intelligent / honoured	رمیز
Rahīb	one who instils awe / lion	رہیب
Rūwayd	a pleasant breeze	روید
Riyān	fresh / lush / one who quenches	ریان
Rayḥān	a fragrant flower	ریحان
Zuhrah	brilliant	زُہرہ
Zubayd	a gift / butter	زبید

Zirārah	a blossoming bud	زرارہ
Zurāf	swift	زراف
Zarwalī	a wealthy saint / a precious saint	زرولی
Zarīr	very intelligent / pleasant natured	زریر
Za'īm	a leader	زعیم
Zufar	brave / a leader	زفر
Zakarīyah	one who remembers Allah	زکریا
Zuhayr	brilliant	زہیر
Zayd	prosperous	زید
Zaydān	one who is abundant with goodness and guidance	زیدان
Sāryah	nocturnal rain	ساریہ
Subḥānallāh	one who praises Allah excessively	سبحان اللہ
Subḥān	one who attracts people towards Deen	سحبان
Suḥaym	strong like steel	سحیم
Sudays	obedient / patient / strong	سدیس
Sarzamīn Khān	essence of the earth	سرزمین خان
Safarāz	respected	سرفراز
Sufiyān	swift like the wind in good acts	سفیان
Sikandar	a leader	سکندر
Salīṭ	eloquent / smart	سلیط
Salīk	a path / one who takes others to their goal / a beautiful bird	سلیک

Sulaymān	protected	سلیمان
Simāk	a youngster of high status	سماک
Sandar	brave	سندر
Sawrāj	independent	سوراج
Suwaybaṭ	fresh	سویبط
Shubrumah	a plant used to cure diseases	شبرمہ
Shabbīr	handsome	شبیر
Shuraḥbīl	one who explains Allah's Deen	شرحبیل
Shurayḥ	one who explains	شریح
Sharīd	one who migrates for Deen	شرید
Shuraym	a coast / beneficial	شریم
Shu'ayb	a reformer / one who stays separate from evil company	شعیب
Shaqīq	a brother	شقیق
Shakīl	handsome	شکیل
Shammās Khān	a servant	شماس خان
Shamar	a pond / cream	شمر
Shamroz Khān	the present king	شمروز خان
Shamshād	a very strong straight tree / beloved	شمشاد
Shamshīr Khān	a sword	شمشیر خان
Sham'ūn	one who illuminates	شمعون
Shamīl	one whom Allah listens to	شمویل

Shamīm	lofty / fragrant	شمیم
Shahīd	a witness / a martyr	شہید
Shaybān	white feathered / dignified	شیبان
Shayrāz	an Iranian city / quality yoghurt / dove	شیراز
Shayrwyah	brave like a lion	شیرویہ
Ṣābir	one who perseveres / diligent / patient	صابر
Ṣaliḥ	righteous	صالح
Ṣabīḥ	handsome	صبیح
Ṣa'ṣa'ah	one who disperses a group	صعصعہ
Ṣafar	one who goes out and strives in the path of Allah	صفر
Ṣafwān	clean	صفوان
Ṣinān	brave	صنان
Ṣandal	sandal wood	صندل
Ṣanawbar	a pine nut tree	صنوبر
Ṣuhayb	reddish white complexion	صہیب
Ṭāḥā	one who travels the earth	طٰہٰ
Ṭāriq	a bright morning star	طارق
Ṭāhir	pure	طاہر
Ṭarfah	uncommon	طرفہ
Ṭarīr	well statured	طریر
Ṭuhmān	handsome	طہمان

Ẓabyān	a deer / handsome / healthy	ظبیان
Ẓurayf	intelligent	ظریف
'Ākif	one who abides by the sharee'ah	عاکف
'Ābbās	leader of the lions	عباس
'Abd̲ul Muṭalib	paternal uncle's servant	عبدالمطلب
'Ubaydullāh	a beloved servant of Allah	عبیداللہ
'Utbān	one who reproaches and forbids from evil	عتبان
'Atīk	one who attacks falsehood	عتیک
'Uthmān	diligent	عثمان
'Ad̲nān	a stable person	عدنان
'Ad̲i	a group that attacks the enemy	عدی
'Urbāḍ	strong / brave / healthy	عرباض
'Urfujah	a type of tree	عرفجہ
'Urfuṭah	a type of plant	عرفطہ
'Arīb	eloquent	عریب
'Arīf	a leader	عریف
'Azīz	an assistant	عزیز
'Ishrat	one who keeps unity	عشرت
'Affān	chaste	عفان
'Uqbah	a sign of beauty	عقبہ
'Ukāshah	a spider / one who leads a simple life	عکاشہ

'Ikrāsh	a beneficial plant	عکراش
'Ikrimah	a dove / one who delivers the message of Deen	عکرمہ
'Imrān	one who enlivens / wealthy	عمران
'Antarah	brave	عنترہ
'Awf	elegant	عوف
'Iyāḍ	one who rewards	عیاض
'Īsā	O Allah, save me / a leader / blessed	عیسٰی
'Uyayynah	handsome and wide eyed	عیینہ
Ghassān	brimming with youthfulness	غسان
Ghaṭīf	pleasant and wealthy	غطیف
Ghaylān	flowing water / healthy	غیلان
Firāz	lofty	فراز
Farkh Shāh	a blessed king	فرخ شاہ
Farwah	prosperity / cloak	فروہ
Fayrawz	successful / a precious stone	فیروز
Qatādah	a strong tree	قتادہ
Quthum	one who forgives	قثم
Qaz Libāsh	one wearing a red hat	قزلباش
Quṣayy	far from defects / high in rank	قصی
Qiyāsh	intelligent / understanding	قیاش
Kin'ān	humble	کنعان

Kahmas	lion	کہمس
Lājabar	a precious stone / honoured	لاجبر
Labīd	a stable person	لبید
Luqmān	wealthy / one who practices on Islam	لقمان
Lūṭ	a reformer	لوط
Layān	wealthy / prosperous	لیان
Mā'iz	intelligent / smart / one who prevents evil	ماعز
Muhammad	one who is praised a lot	محمد
Muhammad Nabīh	lofty	محمد نبیہ
Marthad	noble	مرثد
Marḥab	vast / wide	مرحب
Mirzabān	leader of an army	مرزبان
Masri'	swift	مسرع
Misṭaḥ	a tent / a supportive pillar	مسطح
Misṭa'	eloquent	مسطع
Miṣbāḥullāh	a light for Allah's Deen	مصباح اللہ
Muṣ'ab	a leader	مصعب
Maṭlab	one who persists	مطلب
Muṭrif	a loving person	مطرف
Ma'dān	fresh fruit	معدان
Ma'qil	a sanctuary	معقل

Miftāḥullāh	a key to Allah's Deen	مفتاح اللہ
Miqḏāḏ	one who uproots	مقداد
Milḥān	handsome / attractive	ملحان
Milnag	ascetic	ملنگ
Mahja'	obedient	مہجع
Mahrān	an embodiment of love	مہران
Mahzam	humble	مہزم
Mūsā	a rescuer	موسیٰ
Nubhān	respected	نبہان
Nabīl	noble	نبیل
Nithār	one who sacrifices / a lover	نثار
Nujayb	one with a noble lineage	نجیب
Nasrullāh	An assistant of Allah's Deen / Assisted by Allah	نصر اللہ
Nu'mān	a great blessing / one living in luxury	نعمان
Nimrawz Khān	a mayor	نمروز خان
Namīr	clear water	نمیر
Nahār	bright like the day	نہار
Nahīk	one with good character / brave	نہیک
Niwār Khān	very brilliant	نوار خان
Nawās	very active	نواس
Nūḥ	a conciliator / one with a long life / one who consoles	نوح

Nawroz Khān	happiness / celebration	نوروزخان
Nawshād	newly married	نوشاد
Nawfal	one who bestows a lot / a handsome lad	نوفل
Nawīd	good tidings	نوید
Niyār	chosen / a sign	نیار
Humām	a brave and generous leader	ہُمام
Hārūn	a mountain of strength / sweet / eloquent	ہارون
Hālah	the axis of the moon	ہالہ
Hānī	one who serves	ہانی
Harmās	one who attacks firmly	ہرماس
Hishām	generous	ہشام
Hammām	one who has a firm resolve / courageous	ہمّام
Hamāyūn	blessed	ہمایوں
Hūd	a companion / one who turns towards Allah	ہود
Wābaṣah	one with a bright face	وابصہ
Wāthilah	a strong person	واثلہ
Wadā'ah	calm	وداعہ
Wakī'	strong	وکیع
Wihāj	a bright star	وہاج
Yaḥyā	one who lives for long	یحییٰ
Yasa'	O Allah, save me	یسع

Ya'qūb	A successor	یعقوب
Ya'mar	one who lives for long	یعمر
Yamān / Yāmīn	fortunate and blessed	یمان/یامین
Yūsuf	may Allah increase his favours / beautified	یوسف
Yūsha' / Yashū'	saved from grief and anxiety / lofty / blooming	یوشع/یشوع
Yūnus	dove / friendly	یونس

Girls' Names

	Engish Meaning	Name
Urwā	beautiful	اروٰی
Arībah	intelligent / farsighted	اریبہ
Asmā'	high in status	اسماء
Ilānah	soft	الانہ
al-Mīrah	one with provisions	المیرہ
Alyānah	soft	الیانہ
Alīnah Baygam	elegant rich lady	الینہ بیگم
Umāmah / Umaymah	a guide / beloved	امامہ/امیمہ
Umayah	a small beloved girl	امیہ
Āsiyah	firm in faith / a supportive pillar	آسیہ
Āṣifah	an edible plant	آصفہ

Bāri'ah	pretty / virtuous	بارعہ
Bāriqah	one with a bright face	بارقہ
Bāṣirah	one who cares and takes custody	باصرہ
Bānū	a wife of a wealthy man	بانو
Buthaynah	pretty / soft / delicate	بثینہ
Barā't	unique in beauty	براعت
Barzah	one whose good qualities are apparent	برزہ
Barkat	a blessing	برکت
Barīra	fruit of a certain tree	بریرہ
Barī'ah	superior and beautiful	بریعہ
Basrah	one that has a bright face like the rising sun	بسرہ
Bakrah	one that has a bright face like the morning	بکرہ
Bilqīs	experienced / talented	بلقیس
Balīlah	generous	بلیلہ
Bahiyyah	pretty with beautiful eyes	بہیّہ
Bī Bī Khān	a noble lady	بی بی خان
Baygam	a wife of a wealthy man	بیگم
Pidam	water lily	پدم
Parwīn	a constellation	پروین
Parī	a fairy	پری
Pashmīnah	soft like wool	پشمینہ

Taḥīyyah	greetings and blessings	تحیہ
Tasmīyyah	one who receives goodness from Allah	تسمیہ
Thabītah	brave and firm upon Deen	ثبیتہ
Tharīyyā	a constellation	ثریا
Thūwayybah	a leader of a small group	ثویبہ
Thawīlah	a leader of a group	ثویلہ
Jasrah	one who excels / brave	جسرہ
Jafnah/ Jafīnah	generous	جفنہ /جفینہ
Jumāmah	one who gives comfort	جمامہ
Jumānah	a pearl	جمانہ
Juwayryah	beloved / a blessing of Allah	جویریہ
Ḥārithah	one who prepares for the hereafter	حارثہ
Ḥarrā	blessed	حرا
Ḥashmat	one who is modest and has authority	حشمت
Ḥafṣah	a cub	حفصہ
Ḥannah	merciful	حنہ
Ḥawā'	maroon	حواء
Ḥawrā'	a fair beautiful girl	حوراء
Khaḏījah	separated from men and evil	خدیجہ
Kharīḏah	bashful	خریدہ
Khaḍībah	fresh / lush	خضیبہ

Khamīlah	a shawl	خمیلہ
Khansah	an antelope	خنسہ
Khawlah	a deer / beautiful	خولہ
Darrah	a pearl	درّہ
Da'āmah	a pillar	دعامہ
Dibājah	soft and beautiful like silk	دیباجہ
Dhakīyyah	intelligent	ذکیہ
Dhanābah	obedient	ذنابہ
Ra'lah	a fast horse	رَعلہ
Ru'lah	a bouquet of flowers	رُعلہ
Rā'i'ah	one who amazes people with her beauty and bravery	رائعہ
Rubābah	a leader	ربابہ
Rabānīyyah	a saintly lady / one who rears	ربانیہ
Rabi'ah	spring	ربیعہ
Rukhsānah	one with a beautiful face	رخسانہ
Rakhshindah	brilliant	رخشندہ
Rakhīmah	soft / delicate	رخیمہ
Rashīqah	a pleasant girl	رشیقہ
Ruṣāfah	firm in faith	رصافہ
Raghībah	a desired girl	رغیبہ
Ruqayyah	prosperous	رقیہ

Ramṣah	one who reforms	رمصہ
Ramlah	clean like pebbles	رملہ
Rumayṣā'	a star	رمیصاء
Rahīnah	soft / delicate	رہینہ
Rūbīnah	one with an attractive face	روبینہ
Rawḍah	a beautiful garden	روضہ
Rayyah	one who quenches	ریّہ
Rayshah	a pen	ریشہ
Rayṭah	a shawl	ریطہ
Zahrah	a flower / beautiful	زَہرہ
Zuhrah	one whose face is like a bright star	زُہرہ
Zāhidah	an ascetic	زاہدہ
Zāhirah	a beautiful girl with a blush	زاہرہ
Zabīdah	the essence of Deen	زبیدہ
Za'īmah	a leader	زعیمہ
Zakīyyah	pure	زکیہ
Zalīkhā	beautiful / pretty	زلیخا
Zuhdā	an ascetic	زہدیٰ
Zahrā'	beautiful / bright fair face	زہراء
Zahīrah	bud / flower	زہیرہ
Zaynab	a fragrant plant	زینب

Sārah	one who keeps secrets	سارہ
Sāriyah	nocturnal rain	ساریہ
Sabrah	cool morning	سبرہ
Sadrah	a lotus tree	سدرہ
Su'dā	a fragrant plant / pious	سعدیٰ
Saffānah	a pearl	سفانہ
Salmā	safe and sound	سلمیٰ
Sumbulah	a fragrant plant	سمبلہ
Samrā'	a beautiful girl with a tan	سمراء
Sumayyah	high in status	سمیہ
Sinā	bright faced	سنا
Sinā'	high in status	سناء
Saninah	one who adheres to the Sunnah	سنینہ
Suhaymah	fortunate / one who upholds family ties	سہیمہ
Sawdah	wealthy / generous / blessed	سودہ
Sawniyah	beautiful	سونیہ
Sīmā	a sign of faith	سیما
Shādhiyah	fragrant	شاذیہ
Shāriqah	bright faced	شارقہ
Shāziyah	high in status	شازیہ
Shāhīn	a royal white falcon	شاہین

Shāhīyyah	one with royal traits	شاہیہ
Sharifah	noble / pinnacle	شرفہ
Shigufta	one with a beaming face	شگفتہ
Shagūfah	a bud / a flower	شگوفہ
Shamā'ila	one with good traits	شمائلہ
Shamīla	veiled / a shawl	شمیلہ
Shamīm / Shamīmah	fragrant / high ranked	شمیم/شمیمہ
Shahāmah	courageous / intelligent	شہامہ
Shahbah	beautiful	شہبہ
Shuhlah / Shuhlā'	black eyed / intelligent	شہلہ/شہلاء
Shayr- Bānū	a princess	شیربانو
Shīmah	one with good traits	شیمہ
Ṣāni'ah	one who does things meticulously	صانعہ
Ṣabāḥat	beautiful	صباحت
Ṣafūrah	free of defects / bright coloured	صفورہ
Ṣafwah	choice	صفوہ
Ṣafīyah	liked / choice	صفیہ
Ṣahbā'	beautiful with a blush	صہباء
Ḍamīrah	slim / beautiful / charming	ضمیرہ
Ẓabīyyah	beautiful like a deer	ظبیہ

Ẓa'īnah	veiled	ظعینہ
'Atikah	one who applies perfumes	عاتکہ
'Āshiqah	loving	عاشقہ
'Ākifah	one who adheres to the Sharee'ah	عاکفہ
'Ā'ishah	one living a good comfortable life	عائشہ
'Adhbah	sweet tongued	عذبہ
'Adhrā'	free of defects / virgin	عذراء
'Afrā'	brave / white earth	عفراء
'Ammārah	firm in faith	عمارہ
'Amrah	one with a long life / the most beautiful bead in a necklace	عمرہ
'Umayrah	one with a long life / crowned	عمیرہ
'Ambarī	fragrant like amber	عنبریں
'Unqūdah	a cluster of grapes	عنقودہ
'Uyayynah	a small spring	عیینہ
Ghādah	soft / delicate	غادہ
Ghādiyyah	morning rain	غادیہ
Ghadīrah	a pond	غدیرہ
Ghafīrah	one with abundance	غفیرہ
Ghumayṣā'	high like a star	غمیصاء
Fākhtah	a dove / moonlight	فاختہ
Fārha	beautiful / charming	فارہہ

Fāṭimah	separated from men and evil habits	فاطمہ
Firdaws	a garden	فردوس
Farzānah	intelligent	فرزانہ
Farzīnah	a queen	فرزینہ
Fakīhah	one with a pleasant temperament	فکیہہ
Kāzimah	good character / controls one's anger	کاظمہ
Kabshah	humble / a leader	کبشہ
Karishmah	humble	کرشمہ
Kulthūm	one with a beautiful plump face	کلثوم
Gul Badīn	flowery	گل بدین
Gulê Ra'nah	a beautiful flower which is red from the inside and yellow from the outside	گل رعنہ
Gul Kadah	a garden	گل کدہ
Gulê Lālah	a beautiful red flower with black dots	گل لالہ
Lubābah	intelligent	لبابہ
Lubāqah	talented / expert	لباقہ
Lubnā	one who benefits	لبنیٰ
Lamīs	soft / delicate	لمیس
Lu'lu'ah	a pearl	لؤلؤہ
Layyānah	soft / gentle	لیانہ
Laīylā	fragrant / beautiful	لیلیٰ
Līnah	gentle / one with a pleasant temperament	لینہ

Māriyah	beautiful	ماریہ
Māziyah	virtuous	مازیہ
Mā'irah	one who feeds others	مایرہ
Miḥjanah	a support for the week	محجنہ
Marjānah	a valuable gem	مرجانہ
Maryam	worshipper / one who serves	مریم
Maznah	rain bearing clouds	مزنہ
Masīk	a support	مسیکہ
Mu'ādhah	one given refuge	معاذہ
Malālah	one who has a concern for Deen	ملالہ
Malāliyê	one with dazzling eyes	ملالئے
Milsā'	sleek	ملساء
Mulīkah	a beloved queen	ملیکہ
Manīfah	beautiful / one with a good stature	منیفہ
Maymanah	fortunate	میمنہ
Maymūnah	blessed	میمونہ
Nusaybah	beloved	نُسیبہ
Nāsikah	a worshiper	ناسکہ
Nā'imah	soft / delicate	ناعمہ
Nā'ilah	gifted / one who achieves high ranks / generous	نائلہ
Nabīlah	noble	نبیلہ

Najībah	one with a noble lineage	نجیبہ
Nadīmah	friend / companion	ندیمہ
Nasrīn	a flower	نسرین
Nusaybah	one with a high lineage	نسیبہ
Nasīm / Nasīmah	a gentle breeze	نسیم/نسیمہ
Nīlawfar	a water lily	نیلوفر
Hājrah	beautiful / one who leaves sins	ہاجرہ
Hālah	halo / nimbus	ہالہ
Hāni	gifted	ہانی
Hudā	guided	ہدیٰ
Hazīlah	slim and beautiful	ہزیلہ
Humā	fortunate	ہما
Hindah	forbearing / patient	ہندہ
Wajīhah	honoured	وجیہہ
Wuddād	loving / sincere	وداد
Waṣīfah	a servant	وصیفہ
Walīyyah	a saint	ولیہ
Yāsmīn	fragrant like jasmine	یاسمین
Yāfi'ah	high ranking	یافعہ
Yasmīrah	one with a gentle temperament / wealthy	یسمیرہ
Yumnah	blessed / fortunate	یمنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿إنما الحیوۃ الدنیا لعب و لهو، وإن تومنوا وتتقوا یؤتکم أجورکم ولا یسئلکم أموالکم﴾

وقال تعالیٰ: ﴿وما هذه الحیوۃ الدنیا إلا لهو ولعب وإن الدار الآخرۃ لهی الحیوان لو کانوا یعلمون﴾

وقال تعالیٰ: ﴿وما الحیوۃ الدنیا إلا لعب ولهو وللدار الآخرۃ خیر للذین یتقون أفلا تعقلون﴾

باب......﴿۸﴾

ما یتعلق بأحکام الألعاب واللهو واللعب

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ...کل ما یلهو به الرجل المسلم باطل إلا رمیه بقوسه وتأدیبه فرسه وملاعبته أهله فإنهن من الحق. (ترمذی شریف).

وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم:

کل شيء لیس فیه ذکر اللّٰه فهو لهو ولعب إلا أربع: ملاعبة الرجل امرأته وتادیب الرجل فرسه ومشی الرجل بین الغرضین وتعلیم الرجل السباحة.

(سنن النسائی الکبری).

فصل اول

کھیل کود کے احکام کا بیان

تیراکی کا ثبوت اور اس کا حکم:

سوال: جولوگ سمندر کے کنارے رہتے ہیں اور تیرنے کا شوق رکھتے ہیں وہ یہ پوچھتے ہیں کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی حیاتِ طیبہ میں تیرنا ثابت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: سباحت اور تیراکی کے بارے میں متعدد قولی روایات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے اور اس کو پسند فرمایا ہے، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنفس نفیس مدینہ منورہ میں ایک تالاب میں تیراکی سیکھی ہے، بنابریں تیراکی مستحب اور پسندیدہ عمل ہے اور اس میں جسم کی ورزش بھی ہے اور بوقتِ ضرورت دوسروں کی جان بچانے میں اس سے کام لیا جاسکتا ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

أخرج الإمام البيهقي في شعب الإيمان (٨٢٩٧) عن ابن عمر رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: علموا أبناء كم السباحة والرمي، والمرأة المغزل. وقال: عبيد العطار منكر الحديث.

وعن عطاء بن أبي رباح قال: رأيت جابر بن عبد الله وجابر بن عبيد الله الأنصارى يرتميان فمل أحدهما فجلس فقال له الآخر: كسلت سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: كل شيء ليس من ذكر الله عزوجل فهو لهو أو سهو إلا أربع خصال: مشي الرجل بين الغرضين وتأديبه فرسه وملاعبته أهله وتعليم السباحة. رواه الطبرانی فی

الأوسط والكبير والبزار ورجال الطبراني رجال الصحيح خلا عبد الوهاب بن بخت وهو ثقة. (مجمع الزوائد:باب ماجاء فی القسی والرماح والسيوف).

وأيضاً أخرجه النسائی الكبرى (۵/۳۰۲/۸۸۹۰)، **وقال المنذرى** (۲/۱۸۰) **بإسناد جيد.**

وفي رواية: علموا بنيكم السباحة والرمي ولنعم لهو المؤمنة مغزلها وإذا دعاک أبوک وأمک فأجب أمک. ابن مندة فی المعرفة والديلمي من حديث بكر بن عبد اللّٰه **بن الربيع الأنصاري به مرفوعاً وسنده ضعيف لكن له شواهد.** (المقاصدالحسنة، ص۲۹۵، رقم:۷۰۸).

وقال الإمام السيوطيؒ في جامع الأحاديث: أورده الذهبي فی الميزان (۳/۳۲۴،ترجمة:۳۵۴۲)، **وابن حجر فی اللسان** (۳/۱۱۲،ترجمة: ۳۶۸) **كلاهما في ترجمة سليم بن عمرو الأنصارى وقالا: روى عنه على بن عياش خبراً باطلاً، ثم ذكرا الحديث.** (جامع الاحاديث:۱۴/۲۲۹).

وعن عبد الكريم بن أبى المخارق أن زياد بن جارية أخبر عبد الملک أن عمربن الخطاب ﷺ كتب إلى أمراء الشام أن يتعلموا الغرض ويمشوا بين الغرضين حفاة وعلموا صبيانكم الكتابة والسباحة ...الخ. (مصنف عبدالرزاق:۹/۱۹/۱۶۱۹۸).

وعن أبي أمامة بن سهل قال: كتب عمر ﷺ إلى أبي عبيدة بن الجراح ﷺ أن علموا غلمانكم العوم (السباحة) ومقاتلكم الرمي ...الخ. (مسنداحمد:۱/۴۰۹/۳۲۳).

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: إسناده حسن.

وللمزيد راجع: (فيض القدير: ۴/۳۲۸،والمقاصدالحسنة،ص۲۹۵،والشذرة فی الاحاديث المشتهرة: ۱/۲۹۷، وكشف الخفاء:۲/۶۸).

مذکورہ بالا روایات سے پتا چلتا ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیراکی کی ترغیب دی، اورحضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے عمال کو خط لکھ کر خصوصی ترغیب دی تھی، لہٰذا ان روایات سے تیراکی کا استحباب ثابت ہوتا ہے، اگر چہ ان میں سے بعض روایات ضعیف ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تیراکی کا ثبوت:

قال ابن سعد في الطبقات الكبرى (۱/۱۱۶): **أخبرنا محمد بن عمر بن واقد الأسلمي ... عن ابن عباس ﷺ وغيره قالوا: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم مع أمه آمنة بنت وهب فلما بلغ ست سنين خرجت به إلى أخواله بني عدي بن النجار بالمدينة تزورهم به ... فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يذكر أموراً كانت في مقامه ذلک لما نظر إلى أطم بني عدى بن النجار عرفه ...ونظر إلى الدار فقال: ههنا نزلت بي أمي وفي هذه الدار قبر أبي عبد الله بن عبد المطلب وأحسنت العوم في بشر بني عدى بن النجار .**

(وكذا في سبل الهدى والرشاد: ۲/۱۲۰، والسيرة الحلبية: ۱/۵۰، والخصائص الكبرى: ۱/۱۳٤، وامتاع الاسماع بما للنبي من الاحوال والاموال والحفدة والمتاع: ۸/۱٤۳، ط: بيروت، والمختصر الكبير في سيرة الرسول، ص ۱۰، ونهاية الارب في فنون الادب: ۱٦/٦۲، ط: بيروت).

علامہ شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامِ مدینہ کی بہت ساری باتیں یاد رہ گئی تھیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامِ مدینہ کے زمانہ میں ایک دفعہ بنوعدی کے منازل پر گزرے تو فرمایا کہ اسی مکان میں میری والدہ ٹھہری تھیں یہی وہ تالاب ہے جس میں میں نے تیرنا سیکھا تھا۔ (سیرۃ النبی: ۱/۱۱۱)۔

اس روایت کا بنیادی راوی محمد بن عمر واقدی ہے اور واقدی پر بہت کچھ کلام ہے، مختصر اور ملخص حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ نے سیرتِ مصطفیٰ میں بیان کیا ہے، اس کا خلاصہ ملاحظہ کیجئے:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ واقدی کے بارے میں محقق یا راجح یا اقرب الی الصواب یہ ہے کہ واقدی ضعیف ہے دروغ گو اور افسانہ ساز نہیں، واقدی کی روایت کا وہی حکم ہے جو ضعیف راوی کی روایت کا حکم ہے یعنی جب تک کوئی حدیث صحیح اس ضعیف حدیث کے معارض نہ ہو اس وقت تک اس ضعیف حدیث کو نہیں چھوڑا جائیگا، خصوصاً جب کہ وہ ضعیف حدیث متعدد طرق اور مختلف اسانید سے مروی ہو، امام اعظمؒ سے بدرجہ تواتر منقول ہے کہ ضعیف حدیث میرے نزدیک رائے رجال سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔ (سیرتِ مصطفیٰ: ۱/۱۰۲)۔

خلاصہ یہ ہے کہ سیرت اور مغازی میں واقدی کی روایت کو نقل کر سکتے ہیں البتہ جہاں صحابہ کرام کی سیرت داغدار ہوتی ہو وہاں واقدی کی روایت قابل اعتبار نہ ہوگی۔

واقدی کے بارے میں مفصل کلام اسمائے رجال کی کتابوں میں ملاحظہ کیجئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فٹ بال کھیلنے کا حکم:

سوال: کیا فٹ بال کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جدید اور قدیم کھیلوں کے بارے میں چند شرائط اور ضوابط کی پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کا اختیار کرنا جائز ہوگا۔ شرائط اور ضوابط حسبِ ذیل درج ہیں:

(۱) جن کھیلوں کے بارے میں احادیث وآثار میں صریح ممانعت وارد ہوئی ہے وہ ناجائز ہیں، جیسے نردشیر، شطرنج، کبوتر بازی، اور جانوروں کو لڑانا وغیرہ۔

(۲) جو کھیل کسی حرام ومعصیت پر مشتمل ہوں وہ اس معصیت یا حرام کی وجہ سے ناجائز ہوں گے۔ جیسے کھیل میں ستر کھولنا، مردوں کا ستر ناف سے گھٹنے تک ہے یہ حصہ مستور ہونا چاہئے اگر رانیں اور گھٹنے کھلے ہوئے ہوں تو یہ ناجائز ہے۔ یا کسی کھیل میں جوا کھیلنا، یا مردوزن کا اختلاط ہونا، یا اس میں گانے بجانے کا اہتمام کرنا، یا کفار فساق کی نقالی کرنا وغیرہ وغیرہ۔

(۳) جو کھیل فرائض اور حقوقِ واجبہ سے غافل کرنے والے ہوں، وہ بھی ناجائز ہیں۔ البتہ ایسے کھیل جو مختصر وقت میں پورے کیے جاسکتے ہوں جیسے فٹبال، والی بال، وغیرہ تو یہ جائز ہیں، ہاں ایسا طویل الوقت کھیل نہ ہو جو شرعی فرائض اور اپنی متعلقہ ذمہ داریوں سے غافل کردے تو پھر ناجائز ہوگا، جیسے شطرنج اور فی زماننا کرکٹ، تاش، کیرم بورڈ وغیرہ۔

(۴) ایسے کھیل بھی ناجائز ہیں جو اپنے یا دوسروں کے لیے ایذارسانی کا باعث بنتے ہوں، یا اس کھیل میں جسم کو نقصان پہنچنے کا قوی امکان ہو، جیسے فری اسٹائل کشتی اور باکسنگ، پتنگ بازی وغیرہ۔

(۵) مردوں کے لیے زنانہ کھیل اور عورتوں کے لیے مردانہ کھیل جیسے کشتی، کبڈی وغیرہ درست نہیں۔

(۶) وہ تمام کھیل جن میں مذکورہ بالا خرابیاں نہ ہوں اور ان سے جسمانی ریاضت اور ورزش ہوتی ہو اور انسانی صحت کے لیے مفید ہوں ایسے کھیل مستحب ہیں۔

(۷) چند قسم کے کھیل احادیث سے ثابت ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب دی ہے وہ کھیل مستحب ہیں۔ مثلاً دوڑ لگانا، تیراکی، گھوڑ دوڑ، تیراندازی اور کشتی لڑنا، لیکن کشتی میں فریق مخالف کو فقط زمین پر گرانا مقصود ہو ہر قسم کی آزادانہ تکلیف پہنچانا جائز نہیں ہے جیسا کہ آج کل فری اسٹائل کشتی میں ہوتا ہے یہ درست

نہیں۔ بشرطیکہ مذکورہ بالا مفاسد سے خالی ہوں۔

مذکورہ بالا اصول کی رعایت کرتے ہوئے فٹ بال کھیلنا بھی جائز ہوگا، کیونکہ اس میں جسمانی ورزش ہے اور یہ اسبابِ جہاد میں سے ہے اور ذہنی تفریح بھی ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

ولا بأس بالمسابقة في الرمي والفرس والبغل والحمار كذا في الملتقى والمجمع وأقره المصنف هنا... لأنه من أسباب الجهاد فكان مندوباً ... (الدر المختار مع رد المحتار: ۴۰۲/۶، سعید).

وكذا في مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر (۲۱۶/۴، ط: دار الكتب العلمية) **وزاد فيه: وكل ما هو من أسباب الجهاد فتعلمه مندوب إليه سعياً في إقامة هذه الفريضة .**

تکملۃ فتح الملہم میں ہے:

فالضابط في هذا الباب عند مشايخنا الحنفية ، المستفاد من أصولهم وأقوالهم: أن اللهو المجرد الذي لا طائل تحته، وليس له غرض صحيح مفيد في المعاش ولا المعاد حرام ، أو مكروه تحريماً ، وهذا أمر مجمع عليه في الأمة ، متفق عليه بين الأئمة ، وما كان فيه غرض ومصلحة دينية أو دنيوية ، فإن ورد النهي عنه من الكتاب أو السنة (كما في النردشير) كان حراماً ، أو مكروهاً تحريمياً ، وألغيت تلك المصلحة والغرض لمعارضتها للنهي المأثور، حكماً بأن ضرره أعظم من نفعه . . .

وأما ما لم يرد فيه النهي عن الشارع ، وفيه فائدة ومصلحة للناس ، فهو بالنظر الفقهي على نوعين :

الأول: ما شهدت التجربة بأن ضرره أعظم من نفعه، ومفاسده أغلب على منافعه، وأنه من اشتغل به ألهاه عن ذكر الله وحده وعن الصلوات والمساجد، التحق ذلك بالمنهي عنه ، لاشتراك العلة ، فكان حراماً أو مكروهاً .

والثاني: ما ليس كذلك ، فهو أيضاً إن اشتغل به بنية التلهي والتلاعب فهو مكروه ، وإن اشتغل به لتحصيل تلك المنفعة ، وبنية استجلاب المصلحة فهو مباح ، بل قد يرتقي

إلى درجة الاستحباب أو أعظم منه .

وعلى هذا الأصل فالألعاب التي يقصد بها رياضة الأبدان أو الأذهان جائزة في نفسها مالم تشمل على معصية أخرى ، وما لم يؤد الانهماك فيها إلى الإخلال بواجب الإنسان في دينه و دنياه ، والله سبحانه أعلم. (تكملة فتح الملهم:٤ /٤٣٦).

امدادالاحکام میں ہے:

یہ کام نصاریٰ کے قومی شعار یا مذہبی رسوم نہیں ہیں اس لیے اگر ورزش کی مصلحت سے کھیلا جائے تو مضائقہ نہیں اگر نصاریٰ کے ساتھ تشبہ کی نیت ہوتو مکروہ ہوگا اور نماز کے فوت کرنے کا گناہ تو ہر ورزش میں ہے خواہ یہ ہو یا کوئی اور لہٰذا ایسا مشغول ہو کر کھیلنا کہ نماز کا بھی خیال نہ رہے ہر حال میں ناجائز ہے۔ (امدادالاحکام: ۳۶۷/۴)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر ورزش اور مشق جہاد اور تندرستی باقی رکھنے کے لیے کھیلے تو درست ہے، مگر ستر پوشی اور دیگر حدودِ شریعت کی رعایت لازم ہے، انہماک کی وجہ سے احکامِ شرعیہ: نماز و جماعت وغیرہ میں خلل نہ آئے۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۹/ ۵۳۳، جامعہ فاروقیہ)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

جن کھیلوں سے کچھ دینی یا دنیوی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں وہ جائز ہیں بشرطیکہ انھیں فوائد کی نیت سے ان کو کھیلا جائے، محض لہو و لعب کی نیت نہ ہو، لیکن اس کی بازی پر کوئی معاوضہ یا انعام مشروط مقرر کرنا جائز نہیں۔

مثلاً: گیند کا کھیل کہ اس سے جسمانی ورزش ہوتی ہے یا لاٹھی وغیرہ کے کھیل یا پہلوانوں کی کشتی وغیرہ جو قوتِ جہاد میں معین ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح معمہ بازی، شعر بازی، تعلیمی تاش وغیرہ ہار جیت کی بازی لگانا جائز ہے مگر اس پر کوئی رقم معاوضہ کی مقرر کرنا جائز نہیں، بلکہ قمار حرام ہے۔ (جواہر الفقہ :۲/ ۳۵۷، مفید کھیل، ط: مکتبہ دارالعلوم کراچی)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شطرنج کھیلنے کا حکم:

سوال: شطرنج کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟ بغیر قمار کے کھیلنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: احادیث اور فقہائے کرام کی عبارات کی روشنی میں شطرنج کھیلنا قمار کے ساتھ اور بلا قمار دونوں صورتوں میں ناجائز ہے۔قمار کی صورت میں تو بالکل حرام ہے۔احادیث اور آثار ملاحظہ کیجئے:

امام بیہقیؒ نے السنن الکبری میں چند آثار نقل کیے ہیں:

عن عليؓ أنه كان يقول: الشطرنج هو ميسر الأعاجم . [إسناده منقطع].

وروينا عن عليؓ أنه مر على قوم يلعبون بالشطرنج فقال: ما هذه التماثيل التي أنتم لها عاكفون ، لأن يمس أحدكم جمراً حتى يطفأ خير له من أن يمسها .

وعن عليؓ : صاحب الشطرنج أكذب الناس .

وروينا عن أبي موسىؓ أنه قال: لا يلعب بالشطرنج إلا خاطى . (السنن الكبرى:۹/۱۷۱،ط:مكتبة الرشد). (وكذا في شعب الايمان :۸/۴۶۸۔۴۷۷، باب في تحريم الملاعب والملاهى).

عمدة القارى میں ہے:

وقال ابن كثير في تفسيره : وأما الشطرنج فقد قال عبد الله بن عمرؓ أنه شر من النرد ونص على تحريمه مالك وأبوحنيفة وأحمد وكرهه الشافعي قلت: إذا كان الشطرنج شراً من النرد فانظر ما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في النرد رواه مالك في الموطا وأحمد في مسنده وأبوداود وابن ماجه في سننيهما عن أبي موسى الأشعرىؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من لعب بالنرد فقد عصى الله ورسوله وروى مسلم عن بريدة بن الحصيب الأسلمي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من لعب بالنرد شيرفكأنما صبغ يده بلحم خنزيرودمه . (عمدة القارى : ۲۷/۱۷۰).

فقہاء کی عبارات ملاحظہ کیجئے:

قال في الدرالمختار: وكره تحريماً اللعب بالنرد وكذا الشطرنج ... وفي رد المحتار: قوله والشطرنج معرب شدرنج ، وإنما كره لأن من اشتغل به ذهب عناؤه الدنيوى وجاءه العناء الأخروى فهو حرام وكبيرة عندنا، وفي إباحته إعانة الشيطان على الإسلام والمسلمين كما في الكافي ، قهستاني. (الدرالمختار مع ردالمحتار:۶/۳۹۴،سعيد).

وقال في الهندية: ويكره اللعب بالشطرنج والنرد وثلاثة عشر وأربعة عشر وكل لهو

ما سوى الشطرنج حرام بالإجماع ، وأما الشطرنج فاللعب به حرام عندنا . (الفتاوى الهندية: ٥/٣٥٢).

بعض فقہاء نے شطرنج کو جائز قرار دیا ہے جب کہ اس میں جوابازی نہ ہو اور ایسا انہماک نہ ہو جس کی وجہ سے فرائض میں خلل واقع ہونے لگے، نیز اس کھیل پر مداومت اور ہمیشگی نہ کی جائے۔ ملاحظہ کیجئے:

قال في الدر المختار: وأباحه الشافعيؒ وأبويوسفؒ في رواية ونظمها شارح الوهبانية فقال:

ولا بأس بالشطرنج وهي رواية ☆ عن الحبر قاضي الشرق والغرب تؤثر

وهذا إذا لم يقامر ولم يداوم ولم يخل بواجب وإلا فحرام بالإجماع .

لیکن فقہاء نے اس قول کو اختیار نہیں فرمایا، چنانچہ علامہ شامیؒ علامہ شرنبلالیؒ سے نقل کرتے ہیں:

قوله في رواية ، قال الشرنبلالي في شرحه: وأنت خبير بأن المذهب منع اللعب به كغيره.

(الدر المختار مع رد المحتار: ٦/٣٩٤، سعيد). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

باسکٹ بال اور والی بال کھیلنے کا حکم:

سوال: یہ بات تو معلوم ہے کہ مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ جہاد کی تیاری کرے اپنی قدرت اور وسعت کے مطابق ان طریقوں کو اختیار کرتے ہوئے جو احادیث میں وارد ہیں مثلاً: گھڑسواری، تیراندازی، تیراکی، دوڑ، وغیرہ لیکن اگر فی زماننا کوئی شخص جدید کھیل مثلاً: فٹ بال، باسکٹ بال وغیرہ کھیل کر جہاد کے لیے ورزش کی نیت کرے تو درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ مطہرہ نے ایسے کھیل کھیلنے کی اجازت دی ہے جن سے جسمانی ورزش ہوتی ہو، اور صحت پر مفید اثر پڑتا ہو، اور طبی نقطہ نظر سے مفید ہوں، جب کہ ماقبل میں ذکر کردہ اصول وضوابط کی رعایت کی جائے، مثلاً: ان کی وجہ سے فرائض اور حقوقِ واجبہ میں کوتاہی نہ ہو، ستر کی رعایت کی جائے، ہار جیت پر کوئی شرط نہ لگائی جائے، تضییع اوقات نہ ہو، قصداً کفار کی مشابہت نہ اختیار کی جائے وغیرہ تو ان شرائط کی رعایت کے ساتھ باسکٹ بال، فٹ بال، والی بال وغیرہ جائز اور درست ہیں، نیز ان میں جسمانی ورزش بھی ہے اور جہاد کے لیے تیاری کی نیت سے بمصداق حدیث: ''**إنما الأعمال بالنيات**''، اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔

نیز حدیث شریف میں آتا ہے: "المومن القوي خير وأحب إلى الله من المؤمن الضعيف، وفي كلٍ خير...". (رواه مسلم،رقم:٢٦٦٤) یعنی طاقتور مومن کمزور مومن سے افضل اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے ہاں خیر سے کوئی ایمان والامحروم نہیں ۔اس حدیث کی رو سے بھی ورزش کی نیت سے اجروثواب ملیگا۔

کفایت المفتی میں ہے:

اگرستر کھولنے اور نماز کے قضا ہونے کا اندیشہ نہ ہوتو والی بال کھیلنے کی ورزش کی نیت سے شرعاً گنجائش ہے، جسمانی ورزش جس میں کوئی بات خلافِ شریعت نہ ہو جائز ہے، ورزش کے بہت سے طریقے ہیں جن میں بعض طریقے ایسے ہیں کہ وہ کسی خاص قوم کفار کے ساتھ مخصوص ہیں: مثلاً: کرکٹ، فٹ بال، ہاکی وغیرہ کہ ان میں یورپین کفار کی مشابہت کی وجہ سے کراہت ہے...(کفایت المفتی:۹/۲۶۹،ط:دارالاشاعت)۔

پرانے زمانہ میں ان کھیلوں میں کفار کے ساتھ تشبہ کی بات تھی آج کل تو مسلمانوں میں اس قدر رائج ہیں کہ اب تشبہ باقی نہیں رہا، ہاں قصداً تشبہ اختیار کرنے میں کراہت ہوگی۔ جیسا کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے فٹ بال کے بارے میں فرمایا ہے کہ: یہ کام نصاریٰ کے قومی شعار یا مذہبی رسوم نہیں ہیں اس لیے اگر ورزش کی مصلحت سے کھیلا جائے تو مضائقہ نہیں اگر نصاریٰ کے ساتھ تشبہ کی نیت سے ہوتو مکروہ ہوگا...(امدادالاحکام:۴/ ۳۶۷، باب اللعب والغنا والتصاویر)۔

البتہ جہاد کے لیے تیاری کے جواسباب حدیث سے ثابت ہیں ان کا اختیار کرنا اولیٰ ہے۔واللہ ﷻ اعلم۔

کیرم بورڈ کھیلنے کا حکم:

سوال: عام طور پر نمازِ عشاء سے فارغ ہونے کے بعد کچھ نوجوان مل کر تھوڑی دیر کے لیے ایک جگہ جمع ہوکر کیرم بورڈ کھیلتے ہیں، اس کی وجہ سے نہ تو فرائض وحقوق ضائع ہوتے ہیں اور نہ ہی جواوغیرہ کوئی ناجائز امر شامل ہوتا ہے، ویسے ہی تفریح مقصود ہوتی ہے، تو کیا ایسا کھیل کھیلنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: کیرم بورڈ میں بذاتِ خود کوئی قباحت نہیں ہے، ہاں بعض اوقات اس میں انہماک اتنا ہوجاتا ہے کہ اس کی وجہ سے فرائض سے غفلت ہونے لگتی ہے، یہ انہماک ممنوع ہے، ورنہ اگر محض تفریح کے لیے کچھ دیر کھیل لیا جائے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو یہ جائز اور درست ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

اعلم أن الشريعة المصطفوية السمحة البيضاء لا تمنع الارتفاقات المصالح التي فطرت عليها الطبيعة البشرية و لا ترتضي الرهبانية و التبتل، بل تقتضي المدنية و المعاشرة الصالحة ، نعم: تمنع الغلو في المسليات و الانهماك فيها بحيث يلهي عن الضروريات الدينية أو المعاشية ، و من المعلوم أن من الحاجات المفطور عليها الإنسان تمرين البدن و ترويح القلب و تفريحه ساعة فساعة ، و من ههنا قال عليه الصلاة و السلام : "روحوا القلوب ساعة فساعة "، أخرجه أبو داود في مراسيله عن ابن شهاب مرسلاً ، و أبوبكر المقري في فوائده ، و القضاعي عنه عن أنس رضي الله عنه . (احكام القرآن: ۳/ ۱۹۴).

کفایت المفتی میں ہے:

اگر کیرم میں بازی (یعنی ہار جیت کی کوئی قیمت) نہ لگائی جائے محض تفریح کی غرض سے تھوڑی دیر کھیل لیا جائے اور اس کی وجہ سے کسی ضروری اور مذہبی کام میں خلل نہ آئے تو... مباح ہوگا۔ (کفایت المفتی: ۹/ ۲۰۴، دارالاشاعت)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر ہار جیت نہ ہو اور احکامِ شرعیہ میں اس کی وجہ سے خلل نہ آئے تو کبھی کبھی وحشت اور دل بہلانے کے لیے اس کھیل (کیرم) کی گنجائش ہے، تاہم اس کی عادت نہ ڈالی جائے، اور اس کو چھوڑنے کی کوشش کی جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/ ۵۳۶، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

علمائے کرام کے لیے کرکٹ کھیلنے اور کومنٹری سننے کا حکم:

سوال: علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کا کرکٹ کھیلنا اور ٹی وی پر دیکھنا اور اس کے لیے سفر کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور کومنٹری سننا چہ حکم دارد؟ بینوا توجروا۔

الجواب: علمائے کرام کے لیے کرکٹ کھیلنا اور اس کے لیے سفر کرنا بالکل مناسب نہیں اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ اور کرکٹ کا کھیل ٹی وی پر دیکھنا درست نہیں۔ نیز دیندار طبقہ کو کومنٹری جیسی لغویات میں ملوث ہو کر غافلوں کے ساتھ تشبہ اختیار کرنا درست نہیں۔ مزید براں اس میں دورِ حاضر کے نظریہ کھیل کی حوصلہ افزائی بھی

ہے جو کہ ممنوع ہے۔

عن عبد الله بن عبد الرحمن بن أبی الحسن أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: إن الله لیدخل بالسهم الواحد ثلاثة الجنة صانعه یحتسب فی صنعته الخیر والرامی والممد به قال: ارموا وارکبوا ولأن ترموا أحب إلي من أن ترکبوا ،کل ما یلهو به المسلم باطل إلا رمیه بقوس وتأدیبه فرسه وملاعبته أهله فإنهن من الحق . (رواه الترمذی:۱/۲۹۳).

(وایضاً رواه ابوداود، ص۳۴۰،وابن ماجه:۲/۲۰۲).

امداد المفتین میں ہے:

سوال: انگریزی کھیل ٹینس، فٹ بال، کرکٹ اور اسی قسم کے دوسرے کھیل کھیلنا کیسا ہے؟

الجواب: **قال فی الدر المختار من الکراهیة : وکره کل لهو لقوله علیه الصلاة والسلام: کل لهو المسلم حرام إلا ثلاثة ...الخ. قال الشامی: أی کل لعب وعبث إلی قوله والمزمار والصبخ والبوق فإنها کلها مکروهة ، لأنها زی الکفار** . (شامی :۵/۲۷۵،ط: مصری)

وفی القهستانی عن الملتقط: من لعب بالصولجان یرید الفروسة یجوز وعن الجواهر قد جاء الأثر في رخصة المصارعة لتحصیل القدرة علی المقاتلة دون التلهی فإنه مکروه ، وفی الدر المختار : والمصارعة لیست ببدعة إلا للتلهی فتکره .

وفی الشامی : أقول: قدمنا عن القهستانی في جواز اللعب بالصولجان وهوالکرة للفروسة وفي جواز المسابقة بالطیر عندنا نظر وکذا فی جواز معرفة ما فی الید واللعب بالماثم فإنه لهو مجرد، (شامی) احادیث جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں ان سے نیز عباراتِ فقہیہ مندرجہ بالا سے کھیل کے بارہ میں تفصیلات ذیل مستفاد ہوئیں۔(الف) وہ کھیل جس سے دینی یا دنیوی کوئی معتد بہ فائدہ مقصود نہ ہو وہ ناجائز ہے اور وہی حدیث کا مصداق ہے(ب) جس کھیل سے دینی یا دنیوی فائدہ معتد بہا مقصود ہو وہ جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی امر خلافِ شرع ملا ہوا نہ ہو اور منجملہ امر خلافِ شرع تشبہ بالکفار بھی ہے(ج) جس کھیل سے کوئی فائدہ دینی یا دنیوی مقصود ہو لیکن اس میں کوئی ناجائز اور خلافِ شرع امر مل جائے تو وہ بھی ناجائز ہو جاتا ہے یا کوئی کھیل کسی خاص قوم کا مخصوص سمجھا جاتا ہو وہ بھی ناجائز ہوگا، **التشبه ممنوع** ،...آج کل چونکہ عموماً یہ شرائط موجودہ کھیلوں میں موجود نہیں اس لیے ناجائز کہا جاتا ہے۔(امداد المفتین :۲/۸۳۱،دارالاشاعت)۔

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

کھیل کے جواز کے لیے تین شرطیں ہیں ۔(۱) ایک یہ کہ کھیل سے مقصود محض ورزش یا تفریح ہو، خود اس کو مستقل مقصد نہ بنایا جائے۔

(۲) دوم یہ کہ کھیل بذاتِ خود جائز بھی ہو اس کھیل میں کوئی ناجائز بات نہ ہو۔(۳) سوم یہ کہ اس سے شرعی فرائض میں کوتاہی یا غفلت پیدا نہ ہو۔

اس معیار کو سامنے رکھا جائے تو اکثر و بیشتر ناجائز اور غلط نظر آئیں گے ، ہمارے کھیل کے شوقین نو جوانوں کے لیے کھیل ایک ایسا محبوب مشغلہ بن گیا ہے کہ اس کے مقابلہ میں نہ انھیں دینی فرائض کا خیال ہے نہ تعلیم کی طرف دھیان ہے، اور کھیل کا ایسا ذوق پیدا کر دیا گیا ہے کہ ہمارے نو جوان گویا صرف کھیلنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں اس کے سوا زندگی کا گویا کوئی مقصد ہی نہیں ، ایسے کھیل کو کون جائز کہہ سکتا ہے؟ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/ ۴۰۷، طبع جدید)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

موجودہ زمانہ میں کرکٹ ایسا کھیل بن گیا ہے کہ عموماً اس میں خلافِ شرع امور پائے جاتے ہیں، نمازوں کا قضا کر دینا اس پر ہار جیت اور قمار کھیلنا فجار فساق اور غافل قسم کے لوگوں کا اسے اختیار کرنا، غفلت کی حد یہ ہو چکی ہے کہ دن تو دن اب تو راتوں میں بھی اس میں انہماک رہتا ہے کرکٹ کے میچ کے وقت نو جوان لڑکیوں اور عورتوں کا میدان میں جمع ہونا اور نہ معلوم کون کون سی اخلاقی اور شرعی خرابیاں اس میں آ چکی ہیں، اور تجربہ ہے کہ جس قدر اس کا شوق اور انہماک بڑھتا ہے غفلت میں اسی قدر اضافہ ہوتا رہتا ہے، رات دن بس اسی کی فکر سوار رہتی ہے، حتی کہ مسجد میں آنے کے بعد وضو کرتے ہوئے، وضو سے فارغ ہو کر اور بہت سے شوقین تو جماعت خانہ میں بھی اسی کے چرچہ میں مشغول رہتے ہیں، حد یہ ہے کہ اگر کسی موقع پر رمضان المبارک میں تراویح کے وقت میچ کی کومنٹری آ رہی ہو اس کے بہت سارے شوقین تو اس پر تراویح قربان کر دیتے ہیں ... ہار جیت پر پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں جس میں غیر قوم سے مشابہت کے ساتھ ساتھ اضاعت مال بھی ہے اور بسا اوقات یہ حرکت قومی فساد کا سبب بھی بن جاتی ہے اور مسلمانوں کا جانی و مالی نقصان بھی ہوتا ہے، ان تمام حالات کو دیکھتے ہوئے ایسے کھیل کو اب کس طرح جائز کہا جا سکتا ہے؟ (فتاویٰ رحیمیہ: ۷/ ۲۷۷، ط: مکتبہ رحیمیہ)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

کرکٹ، ہاکی، وغیرہ میں ایک غرضِ صحیح کے پیش نظر اجازت ہے یہ سب ممنوع محض نہیں ...(فتاویٰ محمودیہ: ۵۳۴/۱۹، جامعہ فاروقیہ)۔

خلاصہ یہ ہے کہ فی نفسہٖ کرکٹ کے کھیل میں قباحت نہیں ہے، اگر ورزش کی نیت سے کھیلا جائے، شرائط مذکورہ بالا کی پابندی کے ساتھ تو کوئی حرج نہیں مباح ہے لیکن علماء کے لیے اس قسم کے کھیل سے اجتناب کرنا چاہئے، خصوصاً فی زمانِنا اس کی وجہ سے فرائض میں کوتاہیاں ہورہی ہیں، حقوق ضائع کیے جارہے ہیں، اور کھلاڑیوں کو ہیرو بنا کر پیش کیا جارہا ہے عوام کے قلوب میں ان کی محبت سرایت کر چکی ہے، ان کی ہر ایک ادا پر فدا ہیں، ہار جیت پر بڑے جھگڑے ہورہے ہیں، نیز آج کل وَن ڈے (ایک روزہ میچوں) کا بھی رواج ہوگیا ہے جو اکثر جمعہ کے دن کھیلے جاتے ہیں اور جمعہ مبارک کا پورا دن کھیل کود اور اس کے نظارہ میں ضائع کیا جاتا ہے عین نمازِ جمعہ کے وقت کھیل جاری ہوتا ہے اور نہ صرف کھلاڑی بلکہ ہزاروں تماشائی جمعہ کی نماز چھوڑ کر دنیا وآخرت کی بربادی اپنے سر لیتے ہیں۔ لہٰذا ان خارجی وجوہات کی بنا پر اس کھیل سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے۔

تنبیہ: بعض حضرات تو اس کھیل میں ورزش بھی تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ بعض بیٹھے رہتے ہیں کھیل میں ان کا نمبر نہیں آتا اور بعض بہت زیادہ تھک جاتے ہیں کہ دینی دنیوی کسی کام کے نہیں رہتے۔

اسی طرح ٹی وی پر کرکٹ دیکھنا بھی ناجائز ہے اس میں بھی یہ ساری خرابیاں ہیں اور مزید براں برہنہ اور نیم برہنہ عورتوں کے اشتہارات سے قباحت بڑھ جاتی ہے۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

ایسا شخص جو امامت کے عظیم منصب پر فائز ہو اس کو اس قسم کے بدنام اور بے کار لغو کھیل میں مشغول ہونا اس سے دلچسپی رکھنا کومنٹری سننا قطعاً اس کے شایانِ شان نہیں غافلوں کے ساتھ تشبہ بھی لازم آتا ہے، اور لوگوں کی نظروں میں امام کا وقار بھی کم ہوجاتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۲۷۸/۷، ط: مکتبہ رحیمیہ، راندیر)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تفریحی کھیل کا حکم:

سوال: ہمارے علاقہ کے بعض بھائی جن میں مسجد کے ائمہ، ذمہ دار اور تبلیغی حضرات بھی شامل تھے، سب نے ملکر ہماری بستی کے مسلمان مردوں کے لیے ایک کھیل کے میدان میں ناشتہ کا انتظام کیا، اس کا مقصد لوگوں میں محبت پیدا کرنا تھا، سب نے ایک ٹکٹ خریدا تاکہ کھانے وغیرہ کا خرچہ نکل سکے، اس پروگرام کی اطلاع

کے لیے ایک اعلان مسجد کے بورڈ پر لگایا گیا،، بچوں نے فٹ بال، کرکٹ کا کھیل بھی کھیلا، ساتر جسم لباس پہن کر، کیا ایسا پروگرام جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ مقصد صرف محبت پیدا کرنا ہے اور مسجد کے ساتھ عوام کا تعلق بڑھانا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: مقامی علمائے کرام اور دیندار حضرات اگر اس میں کوئی خرابی نہیں دیکھتے اور اس میں مصلحت سمجھتے ہیں کہ عوام کا مسجد سے تعلق بڑھے گا، اور فائدہ ہوگا، اور شریعت کی حدود کی پابندی ہو تو شرعاً ایسا کھیل اور پروگرام جائز اور درست ہوگا۔

رہی یہ بات کہ آنے والوں کے لیے ٹکٹ خریدنا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ دعوتِ طعام ایک تبرع ہے اور اس کے لیے ٹکٹ کی شرط لگائی، اور اس ٹکٹ کے لینے میں ہر آدمی خود مختار ہے لہذا یہ معاملہ تبرع مشروط کے حکم میں داخل ہو کر جائز اور درست ہوگا۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

کرکٹ، ہاکی، وغیرہ میں ایک غرضِ صحیح کے پیش نظر اجازت ہے یہ سب ممنوع محض نہیں ...(فتاویٰ محمودیہ: ۵۳۴/۱۹، جامعہ فاروقیہ)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

جن کھیلوں سے کچھ دینی یا دنیوی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں وہ جائز ہیں بشرطیکہ انھیں فوائد کی نیت سے ان کو کھیلا جائے محض لہولعب کی نیت نہ ہو، لیکن اس کی بازی پر کوئی معاوضہ یا انعام مشروط مقرر کرنا جائز نہیں۔

مثلاً: گیند کا کھیل کہ اس سے جسمانی ورزش ہوتی ہے یا لاٹھی وغیرہ کے کھیل یا پہلوانوں کی کشتی وغیرہ جو قوتِ جہاد میں معین ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح معمہ بازی، شعر بازی، تعلیمی تاش وغیرہ ہار جیت کی بازی لگانا جائز ہے مگر اس پر کوئی رقم معاوضہ کی مقرر کرنا جائز نہیں، بلکہ حرام ہے۔ (جواہر الفقہ: ۳۵۷/۲، مفید کھیل)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر ورزش اور مشق جہاد اور تندرستی باقی رکھنے کے لیے کھیلے تو درست ہے، مگر ستر پوشی اور دیگر حدودِ شریعت کی رعایت لازم ہے، انہماک کی وجہ سے احکامِ شرعیہ: نماز و جماعت وغیرہ میں خلل نہ آئے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۳۳/۱۹، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

تبرعِ مشروط کی دلیل ملاحظہ کیجئے:

أخرج الإمام البخاريؒ بسنده عن البراء رضی اللہ عنہ قال: اشترى أبوبكر رضی اللہ عنہ من عازب رحلاً بثلاثة عشر درهماً، فقال أبوبكر رضی اللہ عنہ لعازب: مر البراء فليحمل إلي رحلي فقال عازب: لا، حتى تحدثنا كيف صنعت أنت ورسول الله صلى الله عليه وسلم حين خرجتما من مكة والمشركون يطلبونكم قال: ارتحلنا...الخ. (رواه البخاري:١/٥١٥، في مناقب المهاجرين).

وعن أنس رضی اللہ عنہ أن جاراً لرسول الله صلى الله عليه وسلم فارسياً كان طيب المرق فصنع لرسول الله صلى الله عليه وسلم ثم جاء يدعوه فقال: وهذه لعائشة، فقال: لا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا، فعاد يدعوه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: وهذه، قال: لا، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا، ثم عاد يدعوه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: وهذه قال: نعم في الثالثة فقاما يتدافعان حتى أتيا منزله. (رواه مسلم، رقم:٢٠٣٧). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کھیل کی ابتدا کے لیے قرعہ اندازی کا حکم:

سوال: اسلامی کھیل میں فریقین میں سے کون پہلے کھیلے گا اس کی تعیین کے لیے قرعہ اندازی کرنا اور اس کے لیے پانسہ استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟ یادرہے کہ اس میں کسی کا حق ضائع کرنا نہیں ہے بلکہ فقط حق کی تعیین مطلوب ہے۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ کھیل کی ابتدا میں قرعہ اندازی کر کے معلوم کرنا کہ کون پہلے کھیلے گا یہ جائز اور درست ہے، اور اس کے لیے پانسہ کا استعمال بھی درست ہے، قرعہ اندازی تعیین حق کے لیے ہو تو جائز ہے ہاں ابطالِ حق یا احقاقِ باطل کے لیے ناجائز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں جاتے وقت ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے تھے، اور جس کے نام کا قرعہ نکلتا وہ زوجہ رفیق سفر ہوتیں۔

ملاحظہ ہو صحیح بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أراد أن يخرج أقرع بين أزواجه فأيتهن خرج سهمها خرج بها رسول الله صلى الله عليه وسلم.

(صحیح البخاری:۲/۶۹۶).

دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام میں ہے:

أنه ينبغي إجراء القرعة في المهاياة زماناً لأجل البدء يعني أي أصحاب الحصص ينتفع أولاً كذلك ينبغي في المهاياة مكاناً تعيين المحل بالقرعة أيضاً...فلذلك ينبغي للقاضي أن يجري القرعة نفياً للتهمة ، أن إجراء القرعة في المهاياة هو لتطييب القلوب فقط . (دررالحکام : ۳/ ۲۰۰،دارالکتب العلمیة).

وفي المبسوط للإمام السرخسيؒ : وإنما يقرع تطييباً لقلوبهما ونفياً لتهمة الميل عن نفسه فلا يكون ذلك في معنى القمار . (المبسوط : ۱۷/ ۷۶،دارالفکر) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

کھیلوں کو ٹی وی پر دیکھنے کا حکم:

سوال: آج کل کرکٹ/ فٹ بال عالمی ہو چکا ہے،ان کھیلوں کو ٹی وی پر دیکھنا کیسا ہے اور اس میں اپنی مختار جماعت کی حمایت کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ فی زماننا مروجہ عالمی کھیلوں میں درجِ ذیل خرابیاں اور مفاسد کے پائے جانے کی وجہ سے ان کا دیکھنا دکھانا سب ناجائز ہے۔**چند مفاسد وخرابیاں** ملاحظہ کیجئے:

(۱)ان کھیلوں کو بذاتِ خود مقصود سمجھا جانے لگا ہے۔

(۲)ان کھیلوں اور کھلاڑیوں سے دلچسپی رکھنے والوں کا انہماک اس قدر بڑھ گیا ہے کہ ضروری کاموں اور فرائض اور ادائے حقوق میں خلل آنے لگا ہے۔

(۳)بالعموم ان کھیلوں میں بہت وقت ضائع ہو رہا ہے، جمعہ کا مبارک دن بھی کھیل کی نظر ہو رہا ہے۔

(۴)کھلاڑیوں کو قومی اور ملی ہیرو بنا کر پیش کیا جا رہا ہے کہ نئی نسل،حضور کی سیرت ،صحابہ،اولیاء،علماء کو اپنا نمونہ اور اسوہ بنانے کے بجائے ان فاسق فاجر کھلاڑیوں کو اپنا آئیڈیل بنا رہے ہیں۔اسلامی تہذیب مٹانے کے لیے مغربی تہذیب کا یہ کامیاب ہتھیار اور زہر آلود حلوہ ہے۔

(۵)بعض کھیلوں میں کھلاڑی کا ستر نظر آتا ہے،اور کسی کے ستر کی طرف دیکھنے کی احادیث میں وعید وارد ہوئی ہے۔

(۶) اپنی پسندیدہ جماعت کی حمایت کرنے کی وجہ سے ہار جیت پر بڑے بڑے جھگڑے جنم لیتے ہیں۔

(۷) کھیل کے ساتھ ٹی وی پر اشتہارات اور برہنہ یا نیم برہنہ عورتوں کی تصویریں دکھائی جاتی ہیں، نیز کھیل کے میدان پر مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے۔ یہ مناظر اخلاق کو تباہ کر کے جذباتِ شہوانیہ کو برانگیختہ کرتے ہیں اور قسم قسم کے جرائم اور گناہ کا پیش خیمہ بن جاتے ہیں۔

جامع الفتاویٰ میں ہے:

اسلام ایک سنجیدہ پاکیزہ مذہب ہے شریفانہ زندگی گزارنا سکھاتا ہے، کھیل تماشوں، بیہودہ مشاغل جن سے دینی دنیوی کوئی غرض صحیح اور مفید مطلب وابستہ نہیں ہوتا، صرف وقت گزاری اور وہمی وقتی، نفسانی مزہ دلچسپی ہونا، ناعاقبت اندیشی اور محض خیالی مستی اس کا حاصل ہو، ایسے کاموں کی ناپسندیدگی اور ناروا ہونا بتلاتا ہے، اس لیے ہرلہوولعب ولغوکوممنوع قرار دیتا ہے، کرکٹ کا کھیل دیکھنا اور سننا ایسا ہی لغو ولہوولعب میں سے ہے، نیز دین سے آزاد لوگوں کے مجمعوں کی طرف رجحان، قلبی میلان، ان سے اختلاط دلچسپی سے ان کا ذکر، مدح وتعریف وغیرہ بہت سے امور کے باعث ممانعت میں شدت پیدا ہو جاتی ہے، اور ٹی وی، خود آلہ لہو ہے اس کا استعمال واجب الترک ہے پھر اس میں غیر محارم کی عریاں ونیم عریاں تصاویر بھی آتی ہیں جو صاحبِ صورت کی پوری حکایت ہوتی ہے، حالانکہ اجنبیہ کے تو کپڑوں کو بھی شہوت ولذت سے دیکھنا جائز نہیں اور ناجائز سے تلذذ، اضاعت وقت آخرت سے غفلت میں اضافہ، سینما، گانا وغیرہ بہت سی چیزوں کی طرف مفضی ہونا بھی اس کے ناجائز ہونے کو مؤکد ومثبت کر دیتا ہے، اس لیے قطعاً اجازت نہیں ہوسکتی۔ (جامع الفتاویٰ: ۱/۶۲۰)۔

محمود الفتاویٰ میں ہے:

کون نہیں جانتا کہ ہندوستان و پاکستان و دیگر ممالک میں کرکٹ کے ساتھ اور مغربی یورپ میں فٹ بال کے ساتھ، بعض دیگر یورپی ممالک میں رگبی کے ساتھ اور امریکہ میں ٹینیس کے ساتھ جو تعلق ہے وہ مذکورہ بالا نوعیت سے بھی بڑھ کر ہے جس کے نتیجہ میں صرف اتنا ہی نہیں کہ اس کی مشغولیت وقت اور مال کا ضیاع ہو بلکہ یہی تعلق بہت سی مرتبہ آپسی ٹکراؤ اور فسادات کا باعث ہوتا ہے... نیز جن صورتوں میں وہ کھیل ممنوع ہوگا اس کو دیکھنا بھی ناجائز ہوگا... جب میدان پر تماشا بینی کا یہ حکم ہے تو ٹی وی پر بطریق اولیٰ ممنوع ہے... کومنٹری میں بھی ضیاعِ وقت کے ساتھ دورِ حاضر کے نظریہ کھیل کی حوصلہ افزائی کے سوا کچھ نہیں اس لیے وہ بھی ممنوع ہی ہے۔ (محمود الفتاویٰ: ۳/۱۲۸)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ویڈیو گیم کھیلنے کا حکم:

سوال: ویڈیو گیم کھیلنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ویدیو گیم جن میں جاندار کی تصاویر نہ ہوں بلکہ بے جان اشیاء کی تصاویر سے کھیل کھیلا جاوے جیسے: کار، موٹر سائیکل، ہوائی جہاز، بحری جہاز، ہیلی کاپٹر وغیرہ چلانے یا انھیں نشانہ بنانے کا کھیل ہو، یا جاندار کی تصویریں ہوں مگر وہ اس قدر چھوٹی اور غیر واضح ہوں کہ انھیں تصویر نہ کہا جا سکے، مثلاً: اس میں آنکھ، کان، ناک، اور منہ وغیرہ واضح نہ ہوں بلکہ صرف خاکہ کی شکل ہو تو ان دونوں صورتوں میں وقتی تفریح طبع یا ذہن کی تیزی اور حاضر دماغی کے لیے یہ کھیل اگر ماقبل میں ذکر کردہ شرائط کے ساتھ کھیلا جائے تو درست ہے۔

(۲) وہ بڑے ویڈیو گیم جن میں جاندار کی تصویریں واضح اور نماں ہوں تو یہ کھیل تصویروں کی وجہ سے ناجائز ہوگا۔ خصوصاً جب کہ مذکورہ بالا شرائط کا لحاظ نہ رکھا جائے تو قباحت مزید بڑھ جائیگی۔

نیز اگر ویڈیو گیمز کی وجہ سے دماغی تفریح کے بجائے مزید تکان محسوس ہوتی ہو اور تعلیم متاثر ہوتی ہو اور رات دن اسی کی لت لگی رہتی ہو تو پھر کسی قسم کا کھیل درست نہیں ہوگا۔

ملاحظہ ہو حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

وحاصل الكلام أن ترويح القلب وتفريحه وكذا تمرين البدن من الاتفاقات المباحة والمصالح البشرية لاتمنعها الشريعة السمحة برأسها، نعم! تمنع الغلو والانهماك فيها بحيث يضر بالمعاش أو المعاد، وهذا هو السر في إباحة بعض الملاهي في بعض الأحيان.

(احكام القرآن: ۱۹٦/۳، ادارة القرآن، كراتشي). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

دینی ادارہ میں ڈرامہ کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ایسے ڈرامہ یا تمثیل کے بارے میں جو ایک دینی اجتماع میں جس میں اکثریت دینی طالب علموں اور علمائے کرام کی ہوں، اس ڈرامہ میں لڑکے کو لڑکی کا لباس پہنایا جائے اور وہ ایک عورت کا کردار ادا کرے، اس میں مصنوعی مار پٹائی دکھائی جائے، کیا کسی دینی اجتماع میں اس قسم کے لہو ولعب یا مشابہت رجال بالنساء کے جواز کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟ اس کے بارے میں شرعی فتویٰ کیا ہے؟ جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور و مشکور ہوں۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ مردوں کو عورتوں کے ساتھ مشابہت اور عورتوں کو مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا ناجائز ہے، نیز دین کی تعلیم ڈرامہ پر موقوف بھی نہیں ہے، لہذا ڈرامہ سے احتراز واجتناب کرنا چاہئے، ہاں تقریری مقابلہ اور نعت وقراءت کی مجلسیں جائز اور قابل تعریف ہیں۔

ملاحظہ ہو صحیح بخاری شریف میں ہے:

عن عكرمة عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال . (صحيح البخارى: ٢/٨٧٤، باب المتشبهين بالنساء والمتشبهات بالرجال).

فتح الباری میں ہے:

قال الطبرى: المعنى لايجوز للرجال التشبه بالنساء فى اللباس والزينة التى تختص بالنساء ولا العكس قلت وكذا فى الكلام والمشي . (فتح البارى: ١٠/٣٣٢).

(وكذا فى فتح القدير: ٤٠٨/٧، ونيل الاوطار: ٦/٣٤٤).

مجمع الزوائد میں ہے:

عن رجل من هذيل قال رأيت عبد الله بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ومنزله فى الحل ومسجده فى الحرم قال: فبينا أنا عنده رأى أم سعيد ابنة أبي جهل متقلدة قوساً وهي تمشي مشية الرجال فقال عبد الله: من هذه فقلت: هذه أم سعيد بنت أبي جهل فقال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ليس منا من تشبه بالرجال من النساء ولا من تشبه بالنساء من الرجال رواه أحمد والهذلى لم أعرفه وبقية رجاله ثقات ورواه الطبراني باختصار و أسقط الهذلى المبهم فعلى هذا رجال الطبرانى كلهم ثقات .

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن امرأة مرت على رسول الله صلى الله عليه وسلم متقلدة قوساً فقال النبي صلى الله عليه وسلم: لعن الله المتشبهات من النساء بالرجال والمتشبهين من الرجال رواه الطبرانى فى الأوسط عن شيخه على بن سعيد الرازى وهو لين وبقية رجاله ثقات . (مجمع الزوائد: ٨/١٠٢).

الموسوعة الفقهية میں ہے:

لا خلاف بين الفقهاء في أنه يحرم على الرجال أن يتشبهوا بالنساء في الحركات و لين الكلام والزينة واللباس وغير ذلك من الأمور الخاصة بهن عادة أو طبعاً وأنه يحرم على النساء أيضاً أن يتشبهن بالرجال في مثل ذلك لحديث ابن عباس رضي الله عنه : لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء ،والمتشبهات من النساء بالرجال .

(الموسوعة الفقهية الكويتية: ۱۱/۲۶۸).

ماہنامہ البلاغ میں ہے:

ڈرامہ میں اگر کسی متعین شخص کی ایسی نقل اتارنا مقصود ہو جس سے اس کی تضحیک یا توہین ہوتی ہو یا جس سے اس کو ناگواری ہو تو وہ ناجائز ہے۔

اور اگر کسی معین شخص کی نقل اتارنا مقصود نہ ہو بلکہ اس سے کوئی غرض صحیح ہو مثلاً: معاشرہ میں پائی جانے والی سماجی اور معاشرتی برائیوں کی عکاسی مقصود ہو یا مظلوم مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کا منظر دکھلانا مقصود ہو تو یہ فی نفسہٖ جائز ہے، بشرطیکہ درجِ ذیل شرائط کا لحاظ رکھا جائے:

(۱) اس میں تصویر کشی نہ ہو۔

(۲) موسیقی نہ ہو۔

(۳) مرد وعورت کا اختلاط نہ ہو۔

(۴) فحاشی اور مخربِ اخلاق باتوں پر مشتمل نہ ہو۔

(۵) اس میں رقص وسرود نہ ہو، اور دیگر مفاسد نہ ہوں۔

مندرجہ بالا شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے اگر ڈرامہ پیش کیا جائے تو فی نفسہٖ اس کی گنجائش ہے، لیکن دینی مدرسہ میں ایسا پروگرام بھی اگر چہ مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ کم سے کم ہونا چاہئے اور غرض صحیح پر ہی مشتمل ہونا چاہئے۔ (ماہنامہ ''البلاغ'' ص۷۵۷، بعنوان: اسٹیج ڈرامہ کی شرعی حیثیت)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

صحابۂ کرام کی سیرت سے متعلق ڈرامہ کا حکم:

سوال: ریڈیو اسلام کا ارادہ ہے کہ وہ سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرتِ صحابہ اور تاریخ اسلام سے متعلق ایک ڈرامہ پیش کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ طریقہ ہوگا کہ قائل قال رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کہے گا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام جاری ہوگا، لیکن صحابہ کرام کی گفتگو میں صحیح طریقہ کیا ہونا چاہئے اس کے بارے میں رہنمائی فرمائیے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مجمع کو خوش کرنے کے لیے فرضی طور پر ایسی مجلس کی اجازت ہے جس میں مختلف حضرات اکابر کے الفاظ ادا کریں، لیکن ادب واحترام کا لحاظ رکھا جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار کوئی شخص ادا نہ کریں تا کہ ختمِ نبوت پر ضرب نہ پڑیں اور توہین رسالت کا گناہ بھی نہ ہو۔

ملاحظہ ہوالدر المختار میں ہے:

وحديث: حدثوا عن بني إسرائيل يفيد حل سماع الأعاجيب والغرائب من كل ما لايتيقن كذبه بقصد الفرجة لا الحجة بل وما يتيقن كذبه لكن بقصد ضرب الأمثال والمواعظ وتعليم نحو الشجاعة على السنة آدميين أوحيوانات ذكره ابن حجر .

وقال في رد المحتار: قوله بقصد الفرجة لا الحجة ، الفرجة التفصي عن الهم والحجة البرهان، قوله: لكن بقصد ضرب الأمثال، ذلک مقامات الحريري فإن الظاهر أن الحكايات التي فيها عن الحارث بن همام والسروجي لا أصل لها وإنما أتى بها على هذا السياق العجيب لما لايخفى على من يطالعها وهل يدخل في ذلک مثل قصة عنترة والملک الظاهر وغيرهما لكن هذا الذى ذكره إنما هو عن أصول الشافعية وأما عندنا فسيأتي في الفروع عن المجتبى أن القصص المكروه أن يحدث الناس بما ليس له أصل معروف من أحاديث الأولين أو يزيد أو ينقص ليزين به قصصه الخ . فهل يقال عندنا بجوازه إذا قصد به ضرب الأمثال ونحوها يحرر . (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٦/٤٠٤، ٤٠٥،سعيد).

مقامات الحريرى میں ہے:

ثم إذا كانت الأعمال بالنيات ، وبها انعقاد العقود الدينيات ، فأى حرج على من أنشأ ملحاً للتنبيه ، لا للتمويه ، ونحابه منحى التهذيب ، لا الأكاذيب ، وهل هو فى ذلک إلا بمنزلة من انتدب لتعليم ، أو هدى إلى صراط مستقيم .

على أنني راضٍ بأن أحمل الهوى ☆ وأخلص منه لا علي ولا ليا

(مقامات الحريرى ،ص١٩). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ہنی مون (شہر العسل) کا حکم:

سوال: کیا سیر وتفریح دین اسلام میں جائز ہے یا نہیں؟ اور ہنی مون (honey moon) شہر العسل، شادی کا پہلا ماہ، جو اس زمانہ میں مروج ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: شریعتِ مطہرہ نے حدود شرعی کی رعایت کرتے ہوئے سیر وتفریح کی اجازت دی ہے، مثلاً: اس میں اسراف نہ ہو، مخلوط مجمعوں میں نہ جائے، خرافات اور بے حیائی، عریانی کی جگہوں پر نہ جائے، فقط خوبصورت مناظر دیکھنے کے لیے جائے تو کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح ھنی مون اور شہر العسل کے لیے جانا شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے فی نفسہٖ مباح ہے، لیکن خرابیوں اور مفاسد کی وجہ سے اس سے بچنا بہتر ہے، خصوصاً جب کہ یہ طریقہ غیر مسلموں کے ہاں سے چلا ہے اور مسلمانوں میں سرایت کر چکا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے سفر کرنے سے صحت مند ہو جاؤ گے۔ ملاحظہ کیجئے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: سافروا تصحوا واغزوا تستغنوا. (اخرجه الامام احمد فی مسنده، رقم: ۸۹۴۵).

إسناده ضعيف، للمزيد راجع: (تعليقات الشيخ شعيب الارنؤوط:۱۴/۵۰۷/۸۹۴۵).

وعن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سافروا تصحوا وتغنموا. (رواه البيهقي فی سننه الكبرى، رقم:۱۳۹۷۲).

وإسناده ضعيف فيه محمد بن عبد الرحمن بن رداد وهو ضعيف. انظر: (الميزان).

تفسیر ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

وقوله ﴿أفلم يسيروا في الأرض﴾ أي بأبدانهم وبفكرهم أيضاً، وذلك كاف كما قال ابن أبي الدنيا في كتاب التفكر والاعتبار: حدثنا هارون بن عبد الله، حدثنا يسار، حدثنا جعفر، حدثنا مالك بن دينار، قال: أوحى الله تعالىٰ إلى موسى بن عمران عليه السلام أن يا موسى اتخذ نعلين من حديد وعصا، ثم سح في الأرض، ثم اطلب الآثار والعبر، حتى يتخرق النعلان و تنكسر العصا. وقال ابن أبي الدنيا: قال بعض الحكماء:

أحي قلبك بالمواعظ ، ونوره بالتفكر ، ومَوِّتْهُ بالزهد ، وقَوِّهِ باليقين ، وذَلِّلْهُ بالموت، وقرره بالفناء ، وبصره فَجَائِعَ الدنيا ، وحذره صولة الدهر وفحش تقلب الأيام ، وأعرض عليه أخبار الماضين ، وذكره ما أصاب من كان قبله ، وسيره في ديارهم وآثارهم ، وانظر ما فعلوا وأين حلوا وعم انقلبوا ؛ أى فانظروا ما حل بالأمم المكذبة من النقم والنكال. (تفسير ابن كثير: ۳/ ۲۵۱).

روح المعانی میں ہے:

حث لهم على السفر للنظر والاعتبار بمصارع الهلاكين هذا إن كانوا لم يسافروا ، وإن كانوا سافروا فهو حث على النظر والاعتبار . (روح المعانى: ۱۷/ ۱۶۷).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: اس آیت میں زمین کی سیر وسیاحت جب کہ بچشم عبرت ہواس کی طرف ترغیب ہے۔(معارف القرآن:۶/ ۲۷۴)۔واللہ ﷻ اعلم۔

پروگرام کا اعلان مسجد کے بورڈ پر آویزاں کرنے کا حکم:

سوال: کیا کھیل یا انتخاب کے اعلان کا پرچہ مسجد کے بورڈ پر آویزاں کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ وہ اعلان جس میں دین کی نشر واشاعت ہواس کا لگانا درست ہے، اسی طرح وہ اعلان جس میں لوگوں کا فائدہ ہواس کا لگانا بھی ٹھیک ہے لیکن ویسے ہی لہو ولعب اور خرافات کے اعلانات لگانے سے احتراز کرنا چاہئے، اگر چہ مسجد کا بورڈ مسجدِ شرعی سے باہر ہوتا ہے تاہم لغویات سے مسجد کی حدود کو بچانا ضروری ہے۔ملاحظہ ہوابن ماجہ شریف میں ہے:

عن واثلة بن الأسقع أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشراركم وبيعكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم وسل سيوفكم ، واتخذوا على أبوابها المطاهر وجمروها فى الجمع. (رواه ابن ماجه،رقم: ۷۵۰).

قال فى الزوائد: إسناده ضعيف ،فإن الحارث بن نبهان متفق على ضعفه .

ہاں دینی دنیوی اعتبار سے مفید ہوتو اس کی اجازت ہے جیسے حبشیوں نے مسجد نبوی سے باہر صحن میں کھیل کھیلا تھا۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عروة بن الزبير أن عائشة قالت: لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً على باب حجرتي والحبشة يلعبون في المسجد ورسول الله صلى الله عليه وسلم يسترني بردائه انظر إلى لعبهم. (رقم: ٤٥٤١١).

قال المهلب: المسجد موضوع لأمر جماعة المسلمين وكل ما كان من الأعمال التي تجمع منفعة الدين وأهله واللعب بالحراب من تدريب الجوارح على معاني الحروب.

(عمدة القاري: ٧/٧٥).

جدید فقہی مسائل میں ہے:

آج کل بعض ایسی تقویمیں شائع کی جاتی ہیں جن میں اوقاتِ نماز، دینی مضامین، احادیث اور آیات کے ٹکڑے درج کئے جاتے ہیں اور اس کی طباعت میں اقتصادی سہولت کے لیے تجارتی اشتہار بھی درج کر دئے جاتے ہیں، جن کی مقدار دوسرے مضامین کے مقابلہ میں بہت کم ہوتی ہے۔ ایسے کیلنڈروں کا مسجدوں میں آویزاں کرنا جائز ہے، اس لیے کہ ان کیلنڈروں کا اصل مقصود دعوت و اشاعتِ دین ہے، اشتہارات کی حیثیت ذیلی ہوتی ہے، اس لیے ان کا اعتبار نہ ہوگا۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/۱۵۴)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تحقیق وجستجو کے لیے غیر مسلم کی شکل اختیار کرنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص کسی بات کی تحقیق کے سلسلہ میں کسی غیر مسلم کی صورت وشکل اختیار کرے تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ یعنی سی آئی ڈی میں رہتے ہوئے غیر مسلموں کی شکل اختیار کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ کفار کا مذہبی شعار اختیار کرنا ناجائز ہے مذہبی شعار نہ ہو تو بضرورت اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔ نیز اپنی حکومت چلانے کے لیے اس قسم کی تحقیقی کمیٹیاں بنانا جن کے ذریعہ سے غیر ملکی جاسوس یا ملکی نقصان دہ سرگرمیاں معلوم کی جائیں اور ان تک سراغ لگایا جائے، یہ ایک مستحسن امر ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قال هشام رأيت على أبي يوسفؒ نعلين مخصوفين بمسامير فقلت: أترى بهذا الحديد بأساً قال: لا، قلت: سفيان وثور بن يزيد كرها ذلك لأن فيه تشبهاً بالرهبان، فقال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبس النعال التي لها شعر وإنها من لباس الرهبان فقد

أشار إلى أن صورة المشابهة فيما يتعلق به صلاح العباد لا يضر فإن الأرض مما لا يمكن قطع المسافة البعيدة فيها إلا بهذا النوع . (فتاوى الشامي: ١/٦٢٤،سعيد).

(وكذا في الفتاوى الهندية: ٥/٣٣٣،والمحيط البرهاني: ٥/٢٨٩،ط:داراحياء التراث ،والموسوعة الفقهية الكويتية :١٢/٧، والخلاصة في احكام اهل الذمة لعلي بن نايف الشحود،ص٢٩٦).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

يكفر بوضع قلنسوة المجوس على رأسه على الصحيح إلا لضرورة دفع الحر والبرد وبشد الزنار في وسطه إلا إذا فعل ذلك خديعة في الحرب وطليعة للمسلمين . (الفتاوى الهندية :٢/٢٧٢، والبحرالرائق:٥/١٢٣).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

بلاضرورتِ شدیدہ کفار کا مخصوص لباس استعمال کرنا ممنوع اور ناجائز ہے، **لقوله تعالىٰ:﴿ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار﴾** اور قشقہ لگانا کفار کا مذہبی شعار ہے، جیسے زنار پہننا، اس سے آدمی کافر ہوجاتا ہے... اگر محض کفار کا لباسِ قومی اختیار کیا ہے تو اس سے کفر نہیں بلکہ گناہ ہوتا ہے ...(فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۵۵۰، و۵۵۲،جامعہ فاروقیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصل دوم

غنا، موسیقی اور آلاتِ مزامیر کے احکام کا بیان

نابالغ بچیوں کا مجمع میں نعت وغیرہ پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر نابالغ بچیاں جلسہ وغیرہ میں مردوں کے سامنے نعت، نظم وغیرہ ترنم سے پڑھے تو اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ جلسہ یا مجمع میں نابالغ بچیوں کا نعت وغیرہ ترنم سے پڑھنا جائز اور درست ہے، حدیث میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی نابالغ بچیاں ترنم سے اشعار پڑھتی تھیں۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن الربيع بنت معوذ قالت: دخل على النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم غداة بني على فجلس على فراشي كمجلسک مني وجويريات يضربن بالدف يندبن من قتل من أبائهن يوم بدر حتى قالت جارية: وفينا نبي يعلم ما في غد فقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: لاتقولي هكذا وقولي ما كنت تقولين . (رواه البخاری ،رقم: ۴۰۰۱).

ملاعلی قاریؒ مرقات میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

وهذا دليل على جواز انشاد شعر ليس فيه فحش و كذب . (مرقاة المفاتيح:۶/ ۲۱۰).

ہاں بالغ لڑکیوں سے غیر محارم کا سننا بسببِ فتنہ درست نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نظم کے ساتھ دف بجانے کا حکم:

سوال: نظم یا نعت کے ساتھ صرف دف یا طبلہ بجانا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح شادی یا کسی خوشی کی تقریب میں دف بجانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: احادیث اور فقہاء کی عبارات کی روشنی میں پتا چلتا ہے کہ دف جن مواقع میں ثابت ہے ان مواقع میں دف کا استعمال جائز اور درست ہے، چنانچہ عیدین اور شادی، خوشی کے موقع پر دف بجانا ثابت ہے بنابریں نظم و نعت شادی وغیرہ کی تقریبات میں پڑھی جاتی ہو تو اس میں دف کی اجازت ہوگی ورنہ عام حالات میں اجازت نہیں، نیز دف سے وہ دف مراد ہے جس میں جلاجل یعنی گھنگرو نہ ہو۔ نیز قاعدۂ موسیقی پر نہ بجایا جائے۔

لسان العرب میں ہے:

طبل: الطبل معروف الذی یضرب به وهو ذو الوجه الواحد والوجهین. (لسان العرب: ۱۱/۳۹۸).

والدَّف والدُّف بالضم الذی یضرب به النساء وفی المحکم الذی یضرب به وفی الحدیث فصل ما بین الحرام والحلال الصوف والدف المراد به إعلان النکاح. (لسان العرب: ۹/۱۰۶).

عام حالات میں دف بجانے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں:

أخرج القاسم بن سلام عن علي ﷺ، أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن ضرب الدف والطبل وصوت الزمارة. (نیل الاوطار: ۸/۱۰۴، وو کذا فی تحریم النرد والشطرنج، رقم: ۶۳، للاجری).

عن أبي أمامة ﷺ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: تبيت طائفة من أمتي على أكل وشرب ولهو ولعب، ثم يصبحون قردة وخنازير، و تبعث على احياء من أحياهم ريح فتنسفهم كما نسف من كان قبلكم باستحلالهم الخمر وضربهم بالدفوف واتخاذهم القينات. (نیل الاوطار: ۸/۱۰۲).

وعن ابن عباس ﷺ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن الله حرم الخمر والميسر والكوبة وكل مسكر حرام. والكوبة: الطبل قاله سفيان. (نیل الاوطار: ۸/۹۹).

وعن ابن عباس ﷺ قال: الكوبة حرام، والدف حرام، والمعازف حرام، والمزامير

حرام. (المطالب العالية : ١٠/٢٣٠/٢١٩٣، باب من لاتقبل شهادته و ترد).

وعن علي بن أبي طالب ﷺ عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: يمسخ طائفة من أمتي قردة ، وطائفة خنازير، ويخسف بطائفة ويرسل على طائفة الريح العقيم بأنهم شربوا الخمر، ولبسوا الحرير، واتخذوا القيان ، وضربوا بالدفوف. (ذم الملاهی لابن ابی الدنیا ، رقم:٦).

خاص چند مواقع میں دف بجانے کی اجازت ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن عروة عن عائشة: أن أبابكر ﷺ دخل عليها وعندها جاريتان في أيام منى تدففان وتضربان والنبى صلى الله عليه وسلم متغش بثوبه فانتهرهما أبوبكر فكشف النبي صلى الله عليه وسلم عن وجهه فقال: دعهما يا أبابكر فإنها أيام عيد وتلك الأيام أيام منى . (رواه البخاری: ١/١٣٤، رقم: ٩٤٤،باب اذا فاته العيد يصلى ركعتين).

وعن خالد بن ذكوان قال: قالت الربيع بنت معوذ بن عفراء جاء النبى صلى الله عليه وسلم فدخل حين بنى على فجلس على فراشى كمجلسك منى فجعلت جويريات لنا يضربن بالدف ويندبن من قتل من آبائي يوم بدر إذ قالت إحداهن وفينا نبي يعلم ما في غد ، فقال: دعي هذه وقولي بالذى كنت تقولين . (رواه البخاری: ٢/٧٧٣، باب ضرب الدف فى النكاح والوليمة).

وعن أنس ﷺ قال: مر رسول الله صلى الله عليه وسلم على جوارى بنى النجار وهن يضربن بالدف ويقلن: نحن جوار من بنى النجار ياحبذا محمد من جار، فقال: نبى الله: اللهم بارك فيهن. (رواه ابويعلى فى مسنده ، رقم: ٣٤٠٩، قال حسين سليم اسد: اسناده ضعيف).

وعن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اعلنوا النكاح واجعلوه فى المساجد واضربوا عليه بالدفوف ، رواه الترمذى، وقال :هذا حديث غريب حسن فى هذا الباب وعيسى بن ميمون الأنصارى يضعف فى الحديث وعيسى بن ميمون الذى يروى عن ابن أبى نجيح التفسير هوثقة. (ترمذی شریف،رقم: ١٠٨٩).

قال العجلونى فى كشف الخفاء: رواه الترمذى عن عائشةؓ وضعفه ، لكن له شواهد فيكون حسناً لغيره بل صحيحاً على ماسيأتي ، ثم ذكر الشواهد .(كشف الخفاء: ١/١٤٥).

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

واعلم أن الغناء والدف في الوليمة ونحوها عادة العرب والعجم وديدنهم ، وذلک لما يقتضيه الحال من الفرح والسرور ، فليس ذلک من المسليات إنما ميزان المسليات ما كان في زمانه صلى الله عليه وسلم في الحجاز وفي القرى العامرة، لا ما كان الاشتغال به زائداً على الفرح والسرور المطلوبين كالمزامير...وقال صلى الله عليه وسلم: ليكونن من أمتي أقوام يستحلون الحر والحرير والخمر والمعازف، وقال صلى الله عليه وسلم: اعلنوا النكاح واضربوا عليه بالدف ، فالملاهي نوعان: محرم وهي الآلات المطربة كالمزامير ، ومباح وهو الدف والغناء في الوليمة ونحوها من حادث سرور. (حجة الله البالغة: ۳۳۹/۲،اللباس والزينة ،ط: قديمي كتب خانه).

فتح الباری میں ہے:

ولا يلزم من إباحة الضرب بالدف في العرس ونحوه إباحة غيره من الآلات كالعود ونحوه...والأصل التنزه عن اللعب واللهو فيقتصر على ما ورد فيه النص وقتاً وكيفية تقليلاً لمخالفة الأصل . (فتح الباری:۳۵٤/۲).

قال ابن بطال: اتفق العلماء على جواز اللهو في وليمة النكاح مثل ضرب الدف وشبهه مالم يكن محرماً، وخصت الوليمة لذلک ليظهر النكاح وينتشر فتثبت حقوقه وحرمته ، قال مالک: لا بأس بالدف والكبر في الوليمة ؛ لأني أراه خفيفاً ، ولا ينبغي ذلک في غير العرس ، وقد سئل مالک عن اللهو يكون فيه البوق ، فيقال: إن كان كبيراً مشهراً فإنه أكرهه، وإن كان خفيفاً فلا بأس بذلک.(شرح صحيح البخاری لابن بطال: ۲۷۹/۷).

وقال العيني: الكبر: بفتحتين : الطبل ذو الرأسين ، وقيل : الطبل الذي له وجه واحد والبوق : آلة ينفخ فيها ...وسئل أبويوسفؒ عن الدف أتكرهه في غير العرس مثل المرأة في منزلها والصبي قال: فلا أكرهه فإنما الذي يجيء منه اللعب الفاحش والغناء فإني أكرهه .

(عمدة القاری: ۳٦٦/۲۹، باب النسوةاللتي يهدين المرأة الى زوجها).

فتح الباری میں ابن رجب الحنبلیؒ فرماتے ہیں:

وأما دف الأعراب الخالي من الجلاجل المصوتة ونحوها فقد اختلف العلماء فيه على ثلاثة مذاهب :

أحدها : أنه يرخص فيه مطلقاً للنساء . وقد روى عن أحمد ما يشهد له ، واختاره طائفة من المتاخرين من أصحابنا ،كصاحب المغني وغيره .

والثاني: إنما يرخص فيه في الأعراس ونحوها ، وهو مروي عن عمر بن عبد العزيز والأوزاعي، وهو قول كثير من أصحابنا أو أكثرهم .

الثالث: أنه لا يرخص فيه بحال، وهو قول النخعي وأبي عبيد. وجماعة من أصحاب ابن مسعود رضی اللہ عنہ كانوا يتبعون الدفوف مع الجوارى في الأزقة فيحرقونها . (فتح البارى : ٦/٨٣، باب سنة العيدين من اهل الاسلام ،دارابن الجوزى).

فقہاء نے بھی بعض خاص مواقع میں اجازت دی ہے۔ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

أقول: وهذا يفيد أن آلة اللهو ليست محرمة لعينها بل لقصد اللهو منها إما من سامعها أو من المشتغل بها وبه تشعر الإضافة ألا ترى أن ضرب تلك الآلة بعينها حل تارة وحرم أخرى باختلاف النية بسماعها والأمور بمقاصدها...وينبغي أن يكون بوق الحمام يجوز كضرب النوبة وعن الحسن: لا بأس بالدف في العرس ليشتهر و في السراجية هذا إذا لم يكن له جلاجل ولم يضرب على هيئة التطرب . أقول: وينبغي أن يكون طبل المسحر في رمضان لإيقاظ النائمين للسحور كبوق الحمام، تأمل. (فتاوى الشامى: ٦/٣٥٠،سعيد).

البحر الرائق میں ہے:

وفي المعراج : الملاهي نوعان: محرم وهو الآلات الطربة من غير الغناء كالمزمار... والنوع الثاني: مباح وهو الدف في النكاح وفي معناه ما كان من حادث سرور و يكره في غيره ، لما روى عن عمر رضی اللہ عنہ أنه لما سمع صوت الدف بعث فنظر فإن كان فيه وليمة سكت وإن كان في غيره عمده بالدرة وهو مكروه للرجال على كل حال للتشبه بالنساء . (البحر الرائق : ٧/٨٨، دارالمعرفة). (و كذا فى فتح القدير:٧/٤١٠،دارالفكر).

خلاصہ یہ ہے احادیث اور آثار کی روشنی میں جن مواقع میں دف بجانے کی تصریح موجود ہے ان مواقع

میں اجازت ہے ان کے علاوہ اجتناب کرنا چاہئے۔ ملاحظہ ہو احکام القرآن میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

والحاصل: أن الأحاديث والآثار الواردة في إباحة شيء من الغناء أو آلاته لما كانت على خلاف مقتضى القياس، كانت مقتصرة فى المواضع التي وردت بها لا يقاس عليها غيرها من المواضع وغيرها من الآلات والحالات. (احكام القرآن: ۳/ ۲۲۴،ط: ادارة القرآن، كراتشي).

وفيه أيضاً: الثالث: أن فى الآلات تفصيلاً فما كان منها موضوعاً للهوو كان مطرباً من دون الغناء فاستعماله حرام مطلقاً، وما كان يستعمل فى الأطراب واللهو تارة وفى الإعلان والإعلام أخرى فيجوز استعماله فى النكاح وأمثاله من حادث سرور و يكره في غيره. (احكام القرآن:۳/ ۲۳۰).

فتاویٰ عزیزی میں مرقوم ہے:

سرود وغنا یعنی راگ کہ جو دف کے ساتھ ہو، روایاتِ حنفیہ اس بارے میں مختلف ہیں، ارجح واقویٰ یہ روایت ہے جو دلائل سے ثابت ہے اور احادیثِ کثیرہ کے مطابق ہے اور وہ احادیث کتبِ معتبرہ میں مشہور ہیں کہ سرود وغنا یعنی راگ جو بلا مزامیر ہو مباح ہے، اور دف مزامیر سے مستثنیٰ ہے اس واسطے کہ دف کا سننا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایاتِ صحیحہ سے ثابت ہے تو عالمِ محقق کو چاہئے کہ ان ہی روایتوں کے موافق فتویٰ دے ...الخ۔ (فتاویٰ عزیزی،ص ۲۱۱،سعید)۔

مزید ملاحظہ کیجئے: (عمدۃ القاری: ۵/ ۱۵۸، باب الحراب والدرق یوم العید، دارالحدیث، ملتان)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

رقص کرنے کا حکم:

سوال: اگر خوشی کے موقع پر عورتیں عورتوں کے سامنے رقص کریں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر کوئی عورت ورزش کی نیت سے رقص کرے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ ناچ گانا بالکل حرام اور ناجائز ہے شریعتِ مطہرہ ایسے خلافِ مروت افعال کی اجازت نہیں دیتی جو اس زمانہ میں فساق وفجار کا شعارِ خاص ہے۔ اور بہت ساری برائیوں کا مجموعہ ہے، نیز

ورزش کی نیت سے رقص کرنا بھی ناجائز ہے عورتوں کے لیے سب سے اچھی ورزش گھر کا کام کاج کرنا ہے۔

رقص کی چند خرابیاں اور مفاسد درجِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) ستر عورت نہیں ہوتا، اگر ہوتا ہے تب بھی بہت باریک لباس جو نہ ہونے کے برابر ہے۔

(۲) عموماً مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے۔

(۳) بے حیائی اور نمائش ہے جو خود بہت سی خرابیوں کا مجموعہ ہے۔

(۴) رقص اور موسیقی لازم ملزوم ہے اور موسیقی ناجائز ہے۔

(۵) نامحرموں سے گفتگو اور ہنسی مذاق چلتا ہے۔

(۶) مخنثوں کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

قال : السماع والقول والرقص الذي يفعله المتصوفة في زماننا حرام لا يجوز القصد إليه والجلوس عليه وهو الغناء والمزامير سواء وجوزه أهل التصوف واحتجوا بفعل المشايخؒ من قبلهم ...الخ. (الفتاوی الهندية:٥/٣٥٢).

وفي حاشية الطحطاوی: وأما الرقص والتصفيق والصريخ وضرب الأوتار والصنج والبوق الذي يفعله بعض من يدعی التصوف فإنه حرام بالإجماع لأنها زی الكفار كما في سكب الأنهر . (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص٣١٩، فصل فی صفة الاذكار، قديمی).

موسوعة الفقهيه میں ہے:

ذهب الحنفية والمالكية والحنابلة والقفال من الشافعية إلى كراهة الرقص معللين ذلک بأن فعله دناءة وسفه ، وأنه من مسقطات المروءة ، وأنه من اللهو...وهذا كله مالم يصحب الرقص أمر محرم كشرب الخمر، أوكشف العورة ونحوهما ، فيحرم اتفاقاً .

(الموسوعة الفقهية الكويتية:٢٣/١٠).

فتاوی شامی میں ہے:

وقد نقل فی البزازية عن القرطبي إجماع الأمة على حرمة هذا الغناء وضرب القضيب والرقص. (فتاوی الشامی: ٤/٢٥٩،سعيد).

قال الشيخ الشنقيطي: حكم الرقص للنساء . السؤال: كثر في هذا الزمان الرقص فی الأعراس الإسلامية فما حكم ذلک ؟

الجواب: أما بالنسبة للرقص فما كان منه مشابهاً للرقصات الغريبة الوافدة فهذا مجمع على تحريمه لمشابهة الكافرات ، وأما بالنسبة للرقص فأصبح أقوال العلماءؒ المنع منه ، ولذلک قال بعض العلماء في دليل تحريمه وقد استدلوا بقوله تعالیٰ : ﴿ذلكم بما كنتم تفرحون فی الأرض بغير الحق وبما كنتم تمرحون﴾ [غافر:٧٥] قالوا: إن المرح هو الرقص ، فلذلک قالوا: إن المرأة إذا رقصت هزت أكتافها ، وأبانت شيئاً من سوء اتها، فكان ذلک فتنة لمن نظر إليها ولو كانت امرأ ة مثلها ،كما أن الرجل يفتن بالرجل كذلک المرأة تفتن بالمرأة ، ثم هو ليس من كريم الخصال ، و لا من جميل الخلال ، وإنما هو على العكس من ذلک ، ولذلک نهى العلماءؒ منه ، وأفتى طائفة من أهل العلم بتحريمه . (دروس الشيخ محمدالمختار الشنقيطی:١٣/٥٥).

کفایت المفتی میں ہے:

رنڈیوں کا ناچ کرانا حرام ہے اور اس میں شریک ہونا بھی حرام اور زیادہ برا ہے۔ (کفایت المفتی :٩/١٩٦،دار الاشاعت)۔

قاموس الفقہ میں ہے:

رقص کے مروجہ طریقہ جس میں تھرکنے اور لچکنے کی کیفیت پائی جاتی ہے، بالکل حرام ہے اور ناجائز ہے اور مخنث لوگوں کا طریقہ سے مماثلت رکھتا ہے،عورتوں کے لیے تو رقص کا عمل شدید گناہ اور معصیت ہے۔ (قاموس الفقہ :٣/٤٩٠)۔

اشکال: بعض حضرات رقص کو جائز کہتے ہیں اور استدلال میں حبشیوں کے کھیل والی حدیث پیش کرتے ہیں اس میں '' تزفن'' کے الفاظ آئے ہیں تو اس کا کیا جواب ہے؟ حبشیہ سے کیا مراد ہے اور '' تزفن'' کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ حبشیہ لڑکی یا عورت رقص کر رہی تھی؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: حدیث شریف میں '' تزفن'' کے معنی کود کود کر کھیلنا ہے اور ''الحبشية'' کے معنی ''الجماعة الحبشية'' ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ حبشیوں کی جماعت نیزہ بازی کرتی رہی اور کھیلتی رہی،اور یہ معنی

دوسری روایات کے موافق ہے۔ملاحظہ ہو مسلم شریف کی شرح میں شیخ ابی لکھتے ہیں:

قوله : يزفنون ، حمله العلماء على الوثب بسلاحهم ، ولعبهم بحرابهم، ليوافق ما في غير هذا من لفظ يلعبون بحرابهم . (اكمال اكمال المعلم : ۲۷۳/۳،ط:بیروت).

قال الإمام النووي: (حبش يزفنون) ومعناه يرقصون وحمله العلماء على التثوب بسلاحهم ولعبهم بحرابهم على قريب من هيئة الراقص لأن معظم الروايات إنما فيها لعبهم بحرابهم فيتأول هذه اللفظة على موافقة سائر الروايات . (شرح صحيح مسلم: ۲۹۲/۱).

(وكذا في فتح الملهم: ٥٦٤/٥).

العرف الشذى میں ہے:

قوله فإذا حبشية تزفن الخ. ثم ظني أنه وهم فإن اللاعبين كانوا الحبشة لا نسوانهم كما في الصحيحين . (العرف الشذى:٤٥٦/٤،بيروت).

حضرت شاہ صاحب کی تشریح کے مطابق کھیلنے والے لڑکے تھے نہ کہ لڑکیاں۔

رقص کے عدمِ جواز کی مزید تفصیل کے لیے چند رسائل ملاحظہ کیجئے: (السماع والرقص لابن تيميةؒ والسماع والرقص لمحمد بن محمد المنبجي الحنبلي، والاستغناء في بيان حكم الرقص والغناء لمحمد بن احمد بن الوزير الوقشي، وتبيين المحارم ،ص۶۰۳،۶۰۵،ط؛ دارالرسالة ، القاهرة).

علامہ عزالدین بن عبدالسلامؒ اور علامہ آلوسیؒ کی عبارتوں سے عورتوں کے لیے رقص کے جائز ہونے کا شبہ ہوتا ہے لیکن ان عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ عورتوں کی عادت ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ عورتوں اور لڑکیوں کو یہ بیہودہ حرکات کرنا چاہئے ،یعنی اس فعل کی تحسین نہیں فرمائی۔عبارات ملاحظہ فرمائیں:

وسئل العزبن عبدالسلام عن استماع الانشاد في المحبة والرقص ، فقال: الرقص بدعة لا يتعاطاه إلا ناقص العقل فلا يصلح إلا للنساء . (روح المعانى:۷۱/۲۱).

دوسری جگہ مرقوم ہے:

وإن أباح بعض أقسام السماع حط على من يرقص ويصفق عنده فقال: أما الرقص والتصفيق فخفة ورعونة مشبهة برعونة الإناث لا يفعلها إلا أرعن أو متصنع كذاب ، كيف يتأتى الرقص المتزن بأوزان الغناء ممن طاش لبه وذهب قلبه...ومن هاب الإلٰه وأدرك

شيئاً من تعظيمه لم يتصور منه رقص ولا تصفيق ولا يصدران إلا من جاهل... ومنه يعلم ما في نقل الاسنوي عنه أنه كان يرقص في السماع . (روح المعانی:۲۱/۷۳). **واللہ ﷻ اعلم۔**

موسیقی اوراس کے آلات کا حکم:

سوال: موسیقی سننا جائز ہے یانہیں؟ اوراس کے آلات کا کیا حکم ہے؟ قرآن حدیث میں اس کے بارے میں ممانعت وارد ہوئی ہے یانہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس بارے میں قرآن حدیث میں کوئی ممانعت مذکورنہیں ہے۔لہذا اس میں تشددنہیں کرنا چاہئے،کیا یہ نظریہ صحیح ہے یانہیں؟ مفصل مدلل بیان کیجئے۔

الجواب: موسیقی اورموسیقی کے آلات کی ممانعت قرآن اوراحادیث میں موجود ہےاورموسیقی کا سننا اورآلات کا استعمال کرنا سب ناجائز اورممنوع ہے۔قرآن حدیث سے دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

قرآنِ کریم سے دلائل:

(۱) قال اللّٰه تعالیٰ : ﴿ ومن الناس من يشترى لهو الحديث ﴾ الآية [لقمان:الآية:٦].

على ما صح في تفسيره عن عبد الله بن مسعود ﷛ حيث قال: هو والله الغناء، أخرجه ابن أبي شيبة بإسناد صحيح، وأخرجه الحاكم والبيهقي وصححاه، وأخرجه البيهقي أيضاً عن ابن عباس ﷛ بلفظ : هو الغناء وأشباهه...وعن عكرمة : عن لهو الحديث قال: هو الغناء ... وعن مجاهد قال: هو الغناء وكل لعب ولهو. وعن إبراهيم قال: هو الغناء . وعن عطاء الخراساني قال: الغناء والباطل ...وعن الحسن قال: نزلت هذه الآية في الغناء والمزامير... (الدرالمنثور: ٦/٥٠٥،ط:دارالفكر).

قال ابن كثير: حدثنا عمروبن علي...عن أبي الصهباء: أنه سأل ابن مسعود ﷛ عن قول اللّٰه ﴿ومن الناس ...﴾قال: الغناء وكذا قال ابن عباس ﷛، وجابر ﷛، وعكرمة، وسعيد بن جبير، ومجاهد، ومكحول، وعمرو بن شعيب، وعلي بن بذيمة . (تفسيرابن كثير:٦/٣٣١،ط:دارطيبة).

(۲) قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿ واستفزز من استطعت منهم بصوتك ﴾ [سورة الاسراء:٦٤] ...

عن ابن عباس ﷛ قال: صوته كل داع دعا إلى معصية اللّٰه...وعن مجاهد قال: استنزل من

استطعت منهم بالغناء والمزامير واللهو والباطل ...(الدرالمنثور: ۳۱۲/۵،ط: دارالفکر، وكذا في تفسير ابن ابي حاتم، رقم: ۱۳۷۰۷،وتفسيرابن كثير:۹۳/۵).

(۳) قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿أفمن هذا الحديث تعجبون وتضحكون ولاتبكون وأنتم سامدون﴾ [سورة النجم:۵۹،۶۰،۶۱] **وعن ابن عباس رضي الله عنه أن نافع بن الأرزق ساله عن قوله "سامدون" قال: السمود: اللهو والباطل ...وقال عكرمة عنه: هو الغناء وكانوا إذاسمعوا القرآن سمدوا ولعبوا، وهي لغة أهل اليمن يقولون: اسمد لنا أي تغن.**

راجع: (ابن كثير، والدر المنثور:۶۶۷/۷،ط: دارالفكر).

وفي تفسير البيضاوي: وأنتم سامدون، لاهون أومستكبرون من سمد البعير في مسيره إذا رفع راسه أو مغنون لتشغلوا الناس عن استماعه من السمود وهو الغناء.

(تفسيرالبيضاوي:۲۶۲/۱).

(۴) قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿و الذين لا يشهدون الزور﴾ [سورة الفرقان: الآية:۷۲] **أخرج الفريابي وعبد بن حميد بن الحنفية قال: الغناء واللهو وأخرج عبد بن حميد عن أبي الجحاف قال: الغناء وأخرج ابن أبي حاتم عن الحسن قال: الغناء والنياحة...وعن مجاهد قال: مجالس الغناء.** (الدرالمنثور:۲۸۳/۶،ط: دارالفكر).

وينظر: (تفسيرابن ابي حاتم:۲۷۳۷/۸،وتفسيرابن كثير:۱۳۰/۶،وتفسيرالعزبن عبدالسلام:۷۷۸/۱، وتفسير النسفي:۱۴۵/۳،ط: بيروت،وزادالمسير:۱۰۹/۶).

فهذه آيات الكتاب على التفاسير المذكورة تدل بظاهرها على تحريم الغناء والمزامير مطلقاً كما لايخفى.

احادیث سے دلائل ملاحظہ کیجئے:

(۱) أخرج البخاري عن عبد الرحمن بن غنم الأشعري قال: حدثني أبوعامر أو أبومالك الأشعري رضي الله عنه، واللّٰه ما كذبني سمع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يقول:" ليكونن من أمتي أقوام يستحلون الحر والحرير والخمر والمعازف ولينزلن أقوام إلى جنب علم يروح عليهم بسارحة لهم يأتيهم يعني الفقير لحاجة فيقولون ارجع إلينا غداً فيبيتهم اللّٰه

ویضع العلم ویمسخ آخرین قردة وخنازیر إلی یوم القیامة ". (رواه البخاري،رقم: ۵۵۹۰،باب ماجاء فیمن یستحل الخمرو یسمیه بغیراسمه).

وأخرج ابن ماجه (رقم:۴۰۲۰،باب العقوبات) **عن أبی مالک الأشعری قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:" لیشربن ناس من أمتی الخمر یسمونها بغیر اسمها ، یعزف علی رؤوسهم بالمعازف والمغنیات یخسف اللّٰه بهم الأرض، ویجعل منهم القردة والخنازیر".**

وأخرجه أبوداود وابن حبان وأحمد والبیهقي والبخاری فی التاریخ الکبیر وله شواهد . والمعازف : هی آلات الطرب . والقینات ؛ الجواری المغنیات .

(۲) أخرج الإمام أحمد في مسنده (۴۵۳۵) **عن نافع مولی ابن عمر أن ابن عمر** رضی اللہ عنہ **سمع صوت زمارة راع فوضع أصبعیه في أذنیه وعدل راحلته عن الطریق وهو یقول: یا نافع أتسمع فأقول نعم، فیمضي حتی قلت: لا فوضع یدیه وأعاد راحلته إلی الطریق وقال: رأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وسمع صوت زمارة راع فصنع مثل هذا .**

قال الشیخ شعیب الأرنؤوط: إسناده حسن .

(۳) أخرج الإمام أحمد في مسنده (رقم:۲۶۲۵) **بسنده عن ابن عباس** رضی اللہ عنہ **عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: إن اللّٰه حرم علیکم الخمر والمیسر والکوبة وقال: کل مسکر حرام . قال سفیان : فسألت علی بن بذیمة عن الکوبة قال: الطبل .**

قال الشیخ شعیب الأرنؤوط: إسناده صحیح .

(۴) أخرج الإمام أبوداود في سننه (۳۶۸۷) **عن عبد اللّٰه بن عمرو أن نبی اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم نهی عن الخمر والمیسر والکوبة والغبیراء وقال: کل مسکر حرام . قال أبوداود قال ابن سلام أبوعبید: الغبیراء ؛ السکرکة تعمل من الذرة شراب یعمله الحبشة .**

(۵) أخرج الإمام الترمذي في سننه (۲۲۱۲) **بسنده عن عمران بن حصین** رضی اللہ عنہ **أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: في هذه الأمة خسف ومسخ وقذف فقال رجل من المسلمین: یا رسول اللّٰه ومتی ذاک ؟ قال: إذا ظهرت القینات والمعازف وشربت الخمور. وقال: هذا حدیث غریب .**

(٦) أخرج الإمام الترمذي في سننه(٢٢١١) بسنده عن أبي هريرة رضي الله عنه في حديث طويل وفيه: وظهرت القينات والمعازف وشربت الخمور...الخ. وقال: هذا حديث غريب.

(٧) عن ابن مسعود رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سمع رجلاً يتغنى من الليل ، فقال: لا صلاة له حتى مثلها ثلاث مرات . قال ابن الجوزى : هذا حديث لم يصح ؛ قال يحيى بن معين : سعيد ليس بثقة أحاديثه بواطيل وقال النسائى : متروك الحديث .

(الموضوعات لابن الجوزى: ٣/١١٥،باب ذم الغناء).

(٨) أخرج ابن عساكر في " ذم الملاهي " (ص٢٨) بسنده عن ابن عباس رضي الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم: والذي نفس محمد بيده ليبيتن أناس من أمتي على أشر وبطر ولعب ولهو ، فيصبحون قردة وخنازير باستحلالهم المحارم ، واتخاذهم القينات ، وشربهم الخمر ، وبأكلهم الربا، ولبسهم الحرير، تفرد به فرقد، وإسناده ضعيف.

(٩) أخرج الإمام أحمد في مسنده (٢٢٣٠٧) بسنده عن أبي أمامة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله بعثني رحمة للعالمين وهدى للعالمين وأمرني ربي عزوجل بمحق المعازف والمزامير والأوثان والصلب وأمر الجاهلية ...الخ .

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: إسناده ضعيف جداً ، فرج بن فضالة ضعيف ، على بن يزيد ضعيف . وأيضاً أخرجه الطيالسى (١٢٣٠) ، والطبراني فى الكبير (٨/١٩٦/٧٨٠٣).

(١٠) أخرج أبوبكرالشافعي فى الغيلانيات (رقم:٧٧) بسنده عن علي رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: بعثت بكسرالمزامير...الخ. وسنده ضعيف .

(١١) عن أبي هريرة رضي الله عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: يمسخ قوم في آخر الزمان قردة و خنازير قالوا : يا رسول الله ! أمسلمون هم ؟ قال: نعم ، ويشهدون أن لا إله إلا الله ، وأني رسول الله ، ويصومون ويصلون، قيل: فما بالهم يا رسول الله ؟ قال: اتخذوا المعازف والقينات والدفوف وشربوا هذه الأشربة فباتوا على شرابهم ولهوهم فأصبحوا و قد مسخوا . رواه مسدد . (اتحاف الخيرة المهرة : ٨/٩٢/٧٥٤٨، و ابو نعيم فى الحلية : ٣/١١٩) .

(١٢) عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الغناء

ینبت النفاق فی القلب ، کما ینبت الماء البقل . (ابن ابی الدنیافی ذم الملاھی ، ص۲۸۳،وابوداودفی سننه ،رقم: ٤٩٢٩،والبیھقی فی سننه الکبری،رقم: ٢١٥٣٥،وفی شعب الایمان ،رقم:٤٧٤٦).

قال العراقی: والمرفوع غير صحيح لأن في إسناده من لم يسم، رواه أبوداود وهو في رواية ابن العبد ليس في رواية اللؤلؤی ورواه البيهقی مرفوعاً وموقوفاً . (تخريج الاحياء:٢٦٨/٣).

وللمزيد راجع : (البدرالمنير:٦٣٣/٩،والتلخيص الحبير:٢١١٣/٤٨٢/٤،والعلل المتناهية: ١٣١٠/٧٨٥/٢).

(١٣) عن علي رضی اللہ عنہ قال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن المغنيات والنواحات ، وعن شرائهن وبيعهن، وتجارة فيهن، وقال: كسبهن حرام . (رواه ابويعلى فی مسنده :٥٢٧/٤٠٢/١، واسناده ضعيف جداً ، فيه : الحارث بن نبهان الجرمی البصری ، وهومتروك ، والحارث الاعور، كذبه الشعبی وفی حديثه ضعف).

(١٤) عن أبي أمامة رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: ... والذي نفس محمد بيده ما رفع رجل عقيرة صوته بغناء إلا ارتدفه شيطانان يضربان بأرجلهما صدره حتى سكت . (رواه الرويانی فی مسنده :١١٩٦/٢٧٧/٢).

(١٥) أخرج أبويعقوب محمد بن إسحاق النيسابوري من حديث أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال:" استماع الملاهي معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر". (نيل الأوطار شرح منتقى الأخبار من أحاديث سيد الأخيار:١٠٤/٨، باب ماجاء فی الة اللهو).

علامہ شوکانیؒ نے یہ حدیث ابویعقوب محمد بن اسحاق نیساپوری کی طرف منسوب کی ہے۔ نیز دیگر کتب میں بھی یہ حدیث بحوالہ نیل الاوطار مذکور ہے، البتہ محمد بن اسحاق نیساپوری کی کتاب دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے اس کی سند کا حال معلوم نہیں۔لیکن درجِ ذیل شیخ عبدالرزاق مہدی کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث ابوالشیخ کے تفردات میں سے ہے اور ابوالشیخ کے تفردات محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔

وذكره العراقي في "تخريج أحاديث الأحياء" (٢٦٩/٢،كتاب آداب السماع) **وقال: رواه أبوالشيخ من حديث مكحول مرسلاً** .

وقال الشيخ عبد الرزاق المهدى في" تخريج أحاديث تكملة شرح فتح القدير" (١٧/١٠) بعد نقل كلام العراقي: قلت: ولم أقف على إسناده، لكن الضعف عليه بين، فهو مرسل، وهناك شيء آخر وهو تفرد أبى الشيخ به، وغالب ما تفرد به ضعيف ومنكر، و شيء ثالث غرابة المتن.

وللاستزادة انظر: (ذم الملاهي لابن ابى الدنيا،وذم الملاهي لابن عساكر ،والسماع والرقص لابن تيمية والسماع والرقص لمحمد بن محمد المنبجي والحنبلي،ونزهة الاسماع في مسألة السماع لابن رجب الحنبلي، واحكام القرآن ،كشف العناء عن وصف الغناء، واسلام اورموسيقى).

فقہائے احناف کی عبارات ملاحظہ کیجئے:

ودلت المسألة على أن الملاهي كلها حرام حتى التغنى بضرب القصب قال عليه الصلاة و السلام : ليكونن من أمتي أقوام يستحلون الحر و الحرير و الخمر و المعازف أخرجه البخارى . (البحرالرائق: ٨/ ٢١٤،دارالمعرفة، بيروت).

وقال في الدرالمختار: ودلت المسألة أن الملاهي كلها حرام ويدخل عليهم بلا إذنهم لإنكار المنكر قال ابن مسعود رضي الله عنه: صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات ، قلت: في البزازية استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام لقوله عليه الصلاة والسلام: استماع الملاهي معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر(قد مر تحقيقه) أي بالنعمة لا شكر فالواجب كل الواجب أن يجتنب كي لا يسمع لما روى أنه عليه الصلاة والسلام أدخل أصبعه في أذنه عند سماعه . (الدرالمختار: ٦/ ٣٤٨،سعيد).

وللمزيد انظر: (فتاوى الشامي: ٦/ ٣٤٨_ ٣٥٠،سعيد،والهداية ،وتبيين الحقائق: ٦/ ١٣،ط: امداديه ، ملتان،وتحفة الملوك ،والعناية شرح الهداية :١٤/ ٢١٦،وفتح القدير: ،والفتاوى البزازية بهامش الهندية : ٦/ ٣٥٩،وشرح تحفة الملوك لابن ملك :٢/ ١٩٠٩). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

اناشید کے ساتھ موسیقی سننے کا حکم:

سوال: علمائے دین کیا فرماتے ہیں ان نظم اور اناشید کے بارے میں جن میں موسیقی ،مزامیر اور آلاتِ

موسیقی بھی شامل ہوں، کیا ایسی اناشید کا سننا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ایسی نظم اوراناشید کا سننا جن کے ساتھ موسیقی اورآلاتِ مزامیر شامل ہوں، ممنوع اورناجائز ہے۔مذکورہ بالا مفصل فتوے سے موسیقی اورآلاتِ موسیقی کی حرمت واضح ہوچکی ہے۔ بنابریں دلائل کے اعادہ کی ضرورت نہیں وہیں ملاحظہ کرلیے جائیں۔ایک نیا حوالہ ملاحظہ کیجئے:

شیخ عبدالملک بن عبدالرحمٰن السعدی مسائل فقہیہ معاصرہ میں فرماتے ہیں:

الجواب: الأصوات الحديثية تنقسم إلى قسمين:

قسم يشبه صوت الدف فهو حلال؛ لأن صوت الدف مأذون فيه.

وقسم يشبه صوت المعازف والمزامير فهو محرم؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن الاستماع لصوتهما. (مسائل فقهية معاصرة، ص٢٧٤، ط: دارالنور،عمان). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بغیر آلات کے موسیقی کی آواز نکالنے کا حکم:

سوال: مسلم نوجوان نسل کوموسیقی سے دورکرنے اوراس کا متبادل دینے کے لیے اس ملک میں مسلمانوں کا گانے والا ایک گروپ ہے، جن کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ دوتین افراد گاتے ہیں اوردوسرے حضرات گانے والوں کے پیچھے کھڑے ہوکرمنہ پر ہاتھ رکھ کرمختلف قسم کی آوازیں نکالتے ہیں جوموسیقی کی طرح معلوم ہوتی ہے لیکن بغیر آلات کے ہوتی ہے،موسیقی کے آلات بالکل استعمال نہیں کرتے ہیں تو کیا اس طریقہ پر گانا جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ مذکورہ طریقہ پر گانا ممنوع اورناجائز ہے،وجہ یہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ میں موسیقی کے آلات بذاتِ خود مقصود نہیں بلکہ آواز مقصود ہے جب اس کی آواز موسیقی کی طرح ہے تو اس کا استعمال درست نہیں، اس سے اجتناب کرنا چاہئے ،نیز بعض علماء اس کوتشبہ بالفساق کی وجہ سے ناجائز کہتے ہیں،اور حدیث: **من تشبه بقوم فهو منهم**، کی وعید کے تحت اس کوداخل فرماتے ہیں۔

چنانچہ مرقات میں ملاعلی قاریؒ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

من تشبه بقوم، أي من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار،" فهو منهم " في الإثم والخير، قال الطيبيؒ: هذا عام في

الخَلق و الخُلق و الشعار . (مرقاة المفاتيح:٨/ ٢٥٥، كتاب اللباس، ط: امداديه، ملتان). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

شادی کی تقریب میں بلا مزامیر گانا گانے کا حکم:

سوال: ایک خاندان میں مسلم وغیر مسلم دونوں مخلوط ہیں، اس خاندان کے مسلمانوں کے لیے غیر مسلموں کے ساتھ مل کر شادی کی تقریب میں گانا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ موسیقی اور آلاتِ مزامیر وغیرہ کچھ بھی شامل نہیں ہے، اور یہ گانا محض خوشی کی وجہ سے ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شادی اور خوشی کے موقع پر اچھے اشعار خوش آوازی سے بلا مزامیر کے پڑھنا درجِ ذیل چند شرائط کی رعایت کرتے ہوئے جائز ہوگا ورنہ نہیں۔ شرائط ملاحظہ کیجئے:

(۱) مرد و عورت کا اختلاط نہ ہو۔

(۲) گانے والی عورتیں نہ ہوں۔

(۳) گانا خلافِ شرع نہ ہو مثلاً کفر و شرک وغیرہ کے الفاظ نہ ہو۔

(۴) گانا شہواتی ہیجان پیدا کرنے والا اور مخربِ اخلاق نہ ہو۔

(۵) گانے کی محفل میں شراب وغیرہ نہ ہو۔

(۶) اس قسم کی محفل میں اتنا انہماک نہ ہو کہ فرائض، واجبات وغیرہ سے کوتاہی ہونے لگے۔

(۷) گانے بجانے کے آلات نہ ہوں۔

اگر ان مذکورہ بالا شرائط کی پابندی ہو سکے تب ہی اجازت ہے ورنہ اجازت نہیں اور عام طور پر لوگ ان شرائط کا لحاظ نہیں رکھتے ہیں بنابریں اجتناب کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف کی روایت میں ہے:

عن الربيع بنت معوذ قالت: دخل على النبي صلى الله عليه وسلم غداة بني على فجلس على فراشي كمجلسک مني وجويريات يضربن بالدف يندبن من قتل من آبائهن يوم بدر حتى قالت: جارية وفينا نبي يعلم ما في غد ، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: لاتقولي هكذا وقولي ما كنت تقولين. (رواه البخاري، رقم: ٤٠٠١).

قال ابن بطال: قال المهلب: السنة إعلان النكاح بالدف والغناء المباح ، ليكون

ذلک فرقاً بينه وبين السفاح الذي يستسر به، وفيه إقبال العالم والإمام إلى العرس وإن كان فيه لعب ولهو ما لم يخرج اللهو عن المباحات فيه . (شرح صحيح ابن بطال: ۲٦٣/٧).

وفي مسند الإمام أحمد و سنن ابن ماجه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال لعائشةؓ: أهديتم الجارية إلى بيتها قالت: نعم قال: فهلا بعثتم معها من يغنيهم يقول: أتيناكم أتيناكم، فحيونا نحييكم . فإن الأنصار قوم فيهم غزل . وعلى مثل ذلک أيضاً حمل طوائف من العلماء قول من رخص فى الغناء من الفقهاء من أصحابنا وغيرهم وقالوا: إنما أرادوا الأشعار التي لا تتضمن ما يهيج الطبائع إلى الهوى وقريب من ذلک الحداء وليس في شيء من ذلک ما يحرک النفوس إلى شهواتها المحرمة . (نزهة الاسماع لابن رجب الحنبلی، ص۲۸، دار طيبة ، الرياض).

المعجم الوسيط میں ہے: الغِنَاء : التطريب والترنم بالكلام الموزون وغيره . (المعجم الوسيط،ص ٦٦٥).

فتاوی الشامی میں ہے:

وكذا اختلفوا فى الغناء فى العرس والوليمة فمنهم من قال : بعدم كراهته كضرب الدف . (فتاوى الشامى : ۹/۳،و ۴۸۲/۵، سعيد).

وللمزيدراجع : (البحرالرائق : ۸۸/۷،دارالمعرفة ،بيروت،وفتح القدير:۴۸۱/٦،دارالفكر ،والمحيط البرهانى: ۱۷۳/۹، داراحياء التراث).

وفى الذخيرة و غيرها : لا بأس بضرب الدف فى العرس و الوليمة و الأعياد وكذا لابأس بالغناء فى العرس والوليمة والأعياد حيث لا فسق . (البحرالرائق: ۲۱۵/۸،دارالمعرفة ، بيروت) .

وفي جامع الرموز للقهستاني : وكره وحرم الغناء... ترديد الصوت بالألحان فى الشعر مع انضمام التصفيق المناسب لها فلم يتحقق الغناء بفقدان قيد من الثلاثة كون الألحان فى الشعر وانضمام التصفيق بالألحان ومناسبة التصفيق لها فهو من أنواع اللعب و كبيرة في جميع الأديان...وفى المضمرات:من أباح الغناء يكون فاسقاً .(جامع الرموز: ۳/ ۳۲۰

کتاب الکراھیة،مکتبة الاسلامیة ،ایران).

ونقله عنه العلامة الشاميؒ وقال: في الدر المنتقى: وقد تعقب بأن تعريفه هكذا لم يعرف في كتبنا فتدبر . أقول: وفي شهادات فتح القدير بعد كلام عرفنا من هذا أن التغني المحرم ما كان في اللفظ مالا يحل كصفة الذكور والمرأة المعينة الحية ووصف الخمر المهيج إليها والحانات والهجاء لمسلم أو ذمي إذا أراد المتكلم هجاء ه لا إذا أراد انشاده به للاستشهاد به أو ليعلم فصاحته وبلاغته ، وكان فيه وصف امرأة ليست كذلك أو الزهريات المتضمنة وصف الرياحين والأزهار والمياه فلا وجه لمنعه على هذا ، نعم إذا قيل ذلك على الملاهي امتنع وإن كان مواعظ وحكماً للآلات نفسها لا لذلك التغني . ملخصاً ، وتمامه فيه فراجعه . (فتاوى الشامي: ٦/٣٤٩، سعيد). (وكذا في البحر الرائق: ٨٨/٧،دار المعرفة،وفتاوى الشامي: ٦/٣٥٠،سعيد،وفتح القدير: ٧/٤١٠،الموسوعة الفقهية:٣٥/٢١٧).

قاموس الفقہ میں ہے:

غنا کے معنی گانے یعنی ترنم اور خوش آوازی کے ساتھ اشعار پڑھنے کے ہیں،اگر صالح اشعار ہوں اور ان کے ساتھ ڈھول باجا نہ ہو تو ایسے اشعار کا گانا جائز ہے،نیز خصوصیت سے مسرت اور خوشی کے موقع پر ان کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں،یہی اکثر فقہاء کی رائے ہے...بعض فقہاء مطلق گانا سننے کو مکروہ قرار دیتے ہیں...تاہم روایات کو سامنے رکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ اگر گانے کے ساتھ مزامیر نہ ہوں،اشعار فحش گوئی اور ہجو سے خالی ہوں اور اس میں ایسا غلو نہ ہو کہ آدمی اپنے فرائض سے غافل ہو جائے جس کو لہو کہتے ہیں تو جائز ہے،جو گانے اس معیار پر پورے نہ اُترتے ہوں وہ ان احادیث کا مصداق ہیں جن میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔(قاموس الفقہ:۴/۴۴۲)۔

حلال وحرام میں مرقوم ہے:

اگر اشعار غلط جذبات کو ہوا دینے والے ہوں اور ہیجان انگیز ہوں،ان کا سننا اور سنانا تو بہر حال کراہت سے خالی نہ ہوگا،اسی طرح اگر عورتیں غیر محرم اور اجنبی مردوں کے درمیان آکر گائیں تو یہ بھی ناجائز ہی ہوگا...اسی طرح گانے کے ساتھ مزامیر اور دوسرے آلات ہوں تو اس طرح گانا بجانا بھی جائز نہیں...حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں امت کے ایک طبقہ پر عذاب کا اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے جو شراب پیتے

ہوں ریشم پہنتے ہوں ...،البتہ اگران مفاسد سے بچ کر ترنم سے اشعار پڑھے اور سنے جائیں تو مضائقہ نہیں ۔
(حلال وحرام ،ص:۲۳۹)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۔

نظم کو گیت کے انداز میں پڑھنے کا حکم:

سوال: کیا کسی نظم ،نعت یا ترانہ کو غزل یا گیت کے انداز میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ اس میں کفار وفساق کی مشابہت پائی جاتی ہے۔بینوا توجروا۔

الجواب: کفار وفساق کے ساتھ تشبہ ان امور میں جو ان کی مذہبی خصوصیات اور امتیازی نشانات ہیں جائز نہیں ،مثلاً: گلے میں صلیب لٹکانا، ہندوؤں کا زنار پہننا، پیشانی پر قشقہ لگانا ایسے امور ناجائز ہیں جن میں تشبہ بھی پایا جاتا ہو اور ان کی قباحت میں احادیث وارد ہوئی ہو، جیسے پتلون ٹخنوں سے نیچے لٹکانا، یا مردوں کو عورتوں کا لباس پہننا۔

لیکن بعض امور ایسے ہوتے ہیں جن میں ایک جانب تشبہ یعنی مشابہت ہوتی ہے اور دوسری جانب کچھ دوسری مصلحت ہوتی ہے اس لیے ان کو ناجائز نہیں کہا جائیگا ،اگر کوئی عاشورہ یعنی دسویں محرم کا ایک روزہ رکھیں تو وہ ناجائز نہیں، کیونکہ روزہ رکھنے والے کا مقصد یہود کے ساتھ مشابہت نہیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے،محرم اور ربیع الاول میں وعظ ونصیحت کی مجالس قائم کرنا اہل بدعت کے ساتھ مشابہت ہے لیکن چونکہ مقصد خرافات کی تردید اور صحیح مضامین کا بیان کرنا ہے لہذا علما نے اس کو جائز فرمایا ہے، بشرطیکہ خرافات اور قیودات سے خالی ہوں۔

نیز فقہاء نے منطق ،فلسفہ کے پڑھنے کو حرام لکھا ہے کمافی الدرالمختار، لیکن اس مصلحت سے اس کو طلبہ پڑھتے ہیں تاکہ اس کی اصطلاحات سے اتنی واقفیت ہو جائے کہ کتابوں کو سمجھ سکیں اور نیز غلط مضامین کی تردید کرسکیں۔

احادیث میں ایک پیاسہ کتے کو پانی پلانے پر اجر کا ذکر ہے، کیونکہ یہاں مقصود کتا پالنا نہیں بلکہ ایک جاندار کی تکلیف کو دور کرنا ہے اس لیے اگر کسی گیت کے وزن پر کوئی نظم اس نیت سے پڑھی جائے کہ اس ہر دلعزیز وزن کی وجہ سے لوگ خرافات سے ہٹ کر صحیح مضامین کو بغیر مزامیر کے سن لیں گے تو اس پر ناجائز وحرام کا فتویٰ نہیں لگانا چاہیئے۔

کتبِ احادیث میں یہ حدیث مروی ہے کہ جب کفار نے ایک جہاد میں یہ شعر پڑھا:
إن لنا العزى و لا عزى لكم، یعنی ہمارا عزیٰ بت ہے تمہارا نہیں تو بالکل اس طریقہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللّٰه مولانا و لا مولى لكم ، کیونکہ یہاں مقصود ان کی تردید تھی، نیز کفار کے قول: "اعل هبل اعل هبل" کے جواب میں " اللّٰه أعلىٰ و أجل " کہا گیا۔ میرا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ گانے اور مزامیر سنے جائیں، بلکہ ان کا سننا بالکل ناجائز ہے، لیکن اگر کسی کو اتفاقاً کان میں پڑنے کی وجہ سے یا وزن مشہور ہونے کی وجہ سے وہ دھن معلوم ہو تو اس وزن اور طریقہ پر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے ، بلکہ بعض مرتبہ گیت کا وزن اتنا مشہور اور عام ہوتا ہے کہ وہ کسی گانے کا وزن نہیں سمجھا جاتا تو اس کے عام ہونے کی وجہ سے بھی گنجائش ہوگی۔

ہمارے اکابر نے میز کرسی پر کھانے اور سائیکل کی سواری کی گنجائش اس کے عام ہونے کی وجہ سے نکالی، اور اس کو تشبہ سے یعنی مشابہت سے خارج کیا۔

ان نظموں کو موسیقی کے وزن پر پڑھنے کے سلسلہ میں فقیہ النفس قطب زمانہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا ایک فتویٰ ملاحظہ کیجئے:

سوال: سماع اور غنا اور راگ یہ تینوں ایک ہی چیز ہیں یا غیر اور یہ تینوں بلا مزامیر کے سننا جائز ہیں یا نہیں؟

جواب: ہرسہ الفاظ ایک معنی رکھتے ہیں ، بلا مزامیر راگ کا سننا جائز ہے ، اگر گانے والا محل فساد نہ ہو اور مضمون راگ کا خلافِ شرع نہ ہو اور موافقِ موسیقی ہونا کچھ حرج نہیں ۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۶۰۷، مکتبہ رحمانیہ)۔

مشابہت کے بارے میں درمختار مع الشامی میں مرقوم ہے:

فإن التشبه بهم لايكره في كل شيء بل في المذموم وفيما يقصد به التشبه كما في البحر وفي الشامي: عن شرح الجامع الصغير لقاضيخان ما في الذخيرة قبيل كتاب التحرى قال هشام : رأيت على أبي يوسفؒ نعلين مخصوفين بمسامير فقلت : أترى بهذا الحديد بأساً قال: لا ، قلت: سفيان وثور بن يزيد كرها ذلك لأن فيه تشبهاً بالرهبان فقال كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يلبس النعال التي لها شعر وإنها من لباس الرهبان فقد أشار إلى أن صورة المشابهة فيما تعلق به صلاح العباد لا يضر . (الدرالمختار مع فتاوى الشامي: ۱/ ٦٢٤، سعيد).

یعنی ہر چیز میں مشابہت ممنوع نہیں بلکہ مذموم چیزوں میں مشابہت نہیں ہونی چاہئے نیز جہاں مشابہت کا قصد ہو وہاں بھی ممنوع ہے، ہشام کہتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ نے وہ جوتا پہنا تھا جس پر دوسرا چمڑا لگا تھا اور لوہے

کی کیلیں لگی تھیں میں نے کہا سفیان اور ثور اس کو مکروہ فرماتے ہیں کیونکہ اس میں راہبوں کے ساتھ مشابہت ہے انہوں نے کہا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں والا جوتا پہنا ہے حالانکہ یہ راہبوں کا جوتا تھا، تو معلوم ہوا کہ ظاہری مشابہت ممنوع نہیں ہے جس میں کوئی خاص فائدہ ہو، ہاں جس مشابہت کی ممانعت صراحۃً احادیث میں آئی ہے اس میں کسی فائدہ کو تلاش کرنا بے وقوفی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فوائد کو لغو قرار دیا ہے لہذا وہ فوائد کالعدم یا فرضی ہیں یا ان کا ضرر ان کے فوائد پر غالب ہوگا، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ليس منا من تشبه بالرجال من النساء و لا من تشبه بالنساء من الرجال**. (أخرجه احمد فی مسنده، رقم: ٦٨٧٥). یعنی جو مرد عورتوں کیطرح بن جائے یا عورت مردوں کی طرح بن جائے وہ ہم میں سے نہیں، ایک اور حدیث میں آیا ہے: لعن اللّٰه الرجل يلبس لبسة المرأة و المرأة لبسة الرجل، نیز گیت سے مشابہت ختم ہونے کے لیے میوزک کا نہ ہونا بھی کافی ہے، جیسے عاشورا کے روزہ میں ایک روزے کے بڑھانے سے مشابہت ختم ہوگئی، اسی طرح ایک چیز کم کرنے سے بھی مشابہت ختم ہوگئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ خاص دھنوں پر نظم پڑھنے میں فقیر کے نزدیک کوئی حرج نہیں، اگر کسی کے خیال میں درست نہ ہو تو وہ نہ سنیں لیکن دوسروں پر اپنی رائے مسلط نہ کریں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

موبائل میں گھنٹی کی جگہ کلماتِ مقدسہ رکھنے کا حکم:

سوال: موبائل میں گھنٹی کی جگہ اذان یا قرآنی آیات وغیرہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ خلافِ ادب ہے درمیان سے کاٹنے کی وجہ سے درست نہیں ہے۔ اس کا کیا جواب ہے؟ بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ موبائل میں قرآنی آیات اذان نیز ذکر واذکار اور پند ونصائح کے کلمات وغیرہ گھنٹی کی جگہ رکھنا اور استعمال کرنا جائز اور درست ہے۔ البتہ اس بات کا خیال رہے کہ آیتِ کریمہ پوری ہوجائے پھر فون کا جواب دیا جائے، اگر یہ اہتمام نہیں ہوسکتا ہو تو پھر قرآنی آیات استعمال نہ کرے، نیز بیت الخلاء داخل ہونے سے پہلے فون کو ساکت (silent) کردے تاکہ مقاماتِ نجاست میں کلماتِ طیبہ کی بے ادبی نہ ہو اس کے اہتمام کی بہت ضرورت ہے۔

اس مسئلہ کے جواز کے چند دلائل، وشواہد حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) جس کام کی ابتدا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہو وہ کام مبارک اور بابرکت ہوتا ہے، بنابریں موبائل میں بات چیت کی ابتدا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہوگی جیسے خط کی ابتدا خط میں اللہ تعالیٰ کے نام سے ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" كل أمر ذی بال لا يبدأ فيه بذكر الله فهو أقطع ". أخرجه الدارقطني في سننه (١/٢٢٩/٢، كتاب الصلاة).

امام نوویؒ نے بحمد للہ والی روایت کو حسن اور جید فرمایا ہے ملاحظہ ہو:

قال الإمام النوويؒ : هذا الحديث حسن رواه أبوداود وابن ماجه في سننهما ، ورواه النسائي في كتاب عمل اليوم والليلة ، وروى موصولاً ومرسلاً ، ورواية الموصول إسنادها جيد . (شرح مسلم شريف : ١/٢).

وينظر: (الاذكار،ص:١٤٧، كتاب حمدالله تعالىٰ، بتحقيق بشيرمحمدعيون،وسنن ابى داود،ص٦٦٥، وسنن ابن ماجه ،ص١٣٦،وعمل اليوم والليلة ،ص١٥٧،دارالفكر).

☆ نیز نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہانِ عالم کے نام خطوط تحریر فرمائے تھے ان کے شروع میں بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر فرمایا تھا اگر چہ اللہ تعالیٰ کے نام کی بے حرمتی کا بھی اندیشہ تھا۔لیکن تبرکاً اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرنے کو ترجیح دی اور دوسری جانب خیال نہیں فرمایا۔حوالہ کے لیے سیرت کی کتابیں ملاحظہ کیجئے۔

(۲) لیلۃ التعریس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوئے ہوئے حضرات کو جگانے کے لیے تین بار ''اللّٰہ أکبر'' کہا تھا۔ بخاری شریف میں روایت ہے، ملاحظہ کیجئے:

فلما استيقظ عمر رضي الله عنه ورأى ما أصاب الناس، وكان رجلاً جليداً فكبر ورفع صوته بالتكبير، فما زال يكبر و يرفع صوته بالتكبير حتى استيقظ لصوته النبي صلى الله عليه وسلم . (رواه البخارى فى حديث طويل :١/٤٩/٣٤٤،فى باب الصعيدالطيب وضوء المسلم يكفيه من الماء).

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں کو بیدار کرنے کے لیے ''اللّٰہ أکبر'' استعمال فرمایا، اور کسی نے انکار نہیں کیا، خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انکار نہیں فرمایا، خلاصہ یہ ہے کہ تکبیر کو تنبیہ اور جگانے کا ذریعہ بنایا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ساتھ ساتھ ہوا۔

(۳) قصۂ افک میں حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہؓ کو اطلاع دینے کے لیے '' إنا للّٰہ

وإنا إليه راجعون ''پڑھا، اس کلمہ کی وجہ سے حضرت عائشہؓ بیدار ہوئیں، اور فوراً پردہ فرمایا۔
ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

فبينا أنا جالسة في منزلي غلبتني عيني فنمت وكان صفوان بن المعطل السلمى ثم الذكواني من وراء الجيش فأصبح عند منزلي فرأى سواد إنسان نائم فعرفني حين رأني وكان رأني قبل الحجاب فاستيقظت باسترجاعه، حين عرفني فخمرت وجهي بجلبابي .

(اخرجه البخاري في حديث طويل: ٢/٥٩٤/٤١٤١، في باب حديث الافك).

حدیث بالا میں بلند آواز سے ''انا للہ...'' کہنے کا مقصد اظہارِ مصیبت کے ساتھ ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو متنبہ بھی کرنا تھا۔ اور موبائل میں بھی تنبیہ اور اخبار ہوتا ہے۔

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صلاۃ الکسوف پڑھ رہی تھیں، حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آکر دریافت کیا کہ کیا ہوا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ''سبحان اللہ'' فرمایا، اور آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن اسماء بنت أبي بكرؓ أنها قالت : أتيت عائشة زوج النبى صلى الله عليه وسلم حين خسفت الشمس فإذا الناس قيام يصلون وإذا هي قائمة تصلى فقلت: ما للناس فأشارت بيدها نحو السماء وقالت: سبحان الله ...الخ. (اخرجه الامام البخاري: ١/٣٠/١٨٤ في باب من لم يتوضأ الا من الغشى المثقل).

مذکورہ بالا روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تسبیح کے ساتھ ساتھ واقعہ کا اظہار بھی فرمادیا۔

(۵) حدیث شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواجِ مطہرات کو طلاق دینے کی خبر سنائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر فرمایا۔ روایت ملاحظہ کیجئے:

عن عمر رضی اللہ عنہ قال: كنت أنا وجار لي من الأنصار في بني أمية بن زيد وهي من عوالى المدينة وكنا نتناوب النزول على رسول الله صلى الله عليه وسلم ينزل يوماً وأنزل يوماً فإذا نزلت جئته بخبر ذلك اليوم من الوحي وغيره وإذا نزل فعل مثل ذلك فنزل صاحبي الأنصاري يوم نوبته فضرب ببابه ضرباً شديداً ، فقال: أثم هو؟ ففزعت فخرجت إليه فقال:

قد حدث أمر عظيم قال: فدخلت على حفصة فإذا هي تبكي فقلت: طلقكن رسول الله صلى الله عليه وسلم قالت: لا أدري ثم دخلت على النبي صلى الله عليه وسلم فقلت: وأنا قائم أطلقتَ نساءَك ؟ قال: لا فقلت : الله أكبر ! . (اخرجه الامام البخاری: ۱/۱۹/۸۹، باب التناوب فی العلم).

حدیثِ بالا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طلاق نہ ہونے پر خوشی کا اظہار یا طلاق کی غلط شہرت پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے اللہ اکبر فرمایا، اور خوشی یا تعجب کے اظہار میں اور موبائل کے اعلام میں کوئی خاص فرق نہیں۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے ختم ہونے کو ہم تکبیر کے ذریعہ محسوس کرتے تھے۔ مسلم شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: كنا نعرف انقضاء صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم بالتكبير . (رواه مسلم: ۱/۲۱۷/۵۸۳،باب الذکر بعدالصلاۃ،والبخاری: ۱/۱۱٦/۸٤۲،باب الذکر بعدالصلاۃ).

اس حدیث میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے ختم ہونے کی خبر تکبیر کے ذریعہ دی گئی، یاد رہے کہ بعض شارحین اس حدیث کو منیٰ میں نماز کے بعد تکبیراتِ تشریق پر محمول کرتے ہیں۔

(۷) خود اذان لوگوں کو اوقاتِ نماز کے داخل ہونے کی اطلاع ہے اور شعارِ اسلام میں سے ہونے کے ساتھ ساتھ ذکر بھی ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

والأذان في اللغة الإعلام ، قال الله تعالىٰ: ﴿وأذان من الله ورسوله﴾ (التوبة)... **وفي الشريعة: الأذان إعلام مخصوص بألفاظ مخصوصة في أوقات مخصوصة** . (عمدۃ القاری: ۱٤۳/٤، ومثلہ فی الدرالمختار: ۱/ ۳۸۳).

نیز اذان عقائد پر مشتمل ایسا ذکر ہے جسے سن کر شیطان بھی بھاگ جاتا ہے، وفی الحدیث الشریف:

إذا نودي للصلاة أدبر الشيطان وله ضراط حتى لايسمع التأذين ...(رواہ البخاری: ۱/۸۵).

(۸) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تہجد کی اذان کا مقصد حدیث شریف میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جاگے ہوئے کو واپس کرنا اور سوئے ہوئے کو جگانا۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

لايمنعن أحدكم، أو واحداً منكم ، أذان بلال من سحوره ، فإنه يؤذن، أو ينادى بالليل ليرجع قائمكم ولينبه نائمكم . (رواہ البخاری: ۱/۸۷).

معلوم ہوا کہ متنبہ کرنے کے لیے کلماتِ طیبہ کا استعمال جائز اور درست ہے ذکر بھی ہے اور تنبیہ بھی ہے البتہ ان کلمات کی آواز کو تعویذ کی طرح نجاست کے مقام سے بچانا ضروری ہے۔

(۹) ایک غزوہ میں مسلمانوں نے قرآن کریم کی آیت ”حٰمٓ“ بطورِ علامت استعمال کی۔ ملاحظہ ہو ترمذی شریف کی روایت میں ہے:

عن المهلب بن أبي صفرة عن من سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن بيتكم العدو فقولوا حم، لاينصرون. (رواه الترمذی: ۲۹۷/۱، باب ماجاء فی الشعار).

وفي رواية أبي داود قال: إن بيتم فليكن شعاركم حم لاينصرون. (رواه ابوداود، ص۳۴۹). **وأيضاً رواه البيهقي في سننه الكبرى** (۳۶۱/۶).

قال المحدث أحمد على السهارنفورى: الشعار فى الأصل: العلامة التي تنصب ليعرف الرجل بها رفقته. (حاشية الترمذی: ۲۹۷/۱، رقم الحاشية:۹).

ومثله فى فيض القدير (۲۱۲/۴، ط: بیروت، ومرقات المفاتیح:۳۵۸/۷).

(۱۰) کسی چیز کے اختتام کے لیے حمد اور درود استعمال کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اب اس کے بعد مزید کچھ نہیں ہے، مثلاً دعا کے آخر میں، تصنیفات وتالیفات کے آخر میں، وعظ ونصیحت کے آخر میں، وغیرہ۔

فقط ایک مثال ملاحظہ کیجئے امام نسائیؒ نے اپنی کتاب کے آخر میں تحریر فرمایا:

والحمد لله رب العلمين، وصلى الله على سيدنا محمد خاتم الأنبياء، وعلى آله الطيبين الطاهرين، ورضى الله عن كل الصحابة أجمعين ۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ کتاب مکمل ہو چکی ہے، اب اس کو کیسے مکروہ قرار دیا جائے؟

(۱۱) نماز کے اختتام کی علامت بھی شریعتِ مطہرہ نے سلام کو رکھا ہے۔ یہ دعا بھی ہے اور نماز کے ختم ہونے کی خبر بھی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

عن علي رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: مفتاح الصلاة الطهور، وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم. (رواه الترمذی: ۶/۱، باب ماجاء مفتاح الصلاة الطهور).

(۱۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور سلفِ صالحین کی انگوٹھیوں پر مختلف نصیحت آمیز کلمات درج تھے۔ بریقہ محمودیہ میں اس کی تفصیل مرقوم ہے۔ چند حضرات کے بارے میں ملاحظہ ہو:

عن أنس ﷺ أنه كان نقش الخاتم أى خاتم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ثلاثة أسطر: محمد ، رسول ، اللّٰه ،

ونقش خاتم أبي بكر ﷺ : نعم القادر اللّٰه .

ونقش خاتم عمر ﷺ : كفى بالموت واعظاً يا عمر .

وعثمان ﷺ : لتصبرن أو لتندمن .

وعلي ﷺ : الملك للّٰه .

وأبي حنيفةؒ : قل الخير وإلا فاسكت .

وأبي يوسفؒ : من عمل برأيه قد ندم .

ومحمدؒ : من صبر ظفر. (بريقة محمودية فى شرح الطريقة المحمدية :٥/٤٢٢،من آفات اليد: التختم بغيرالفضة).

وزاد في ” الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية “:

نقش خاتم الحسن بن علي ﷺ : العزة للّٰه.

ونقش خاتم معاوية ﷺ: رب اغفر لي .

ونقش خاتم ابن أبي ليلىؒ : الدنيا غرور.

ونقش خاتم الإمام الشافعيؒ: البركة فى القناعة . (الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية:٢/٤٥٤،ط: درسعادت).

وفى الدرالمختار: وينقشه اسمه أو اسم اللّٰه تعالىٰ ، وفى الشامية : قوله أو اسم اللّٰه تعالىٰ ، فلو نقش اسمه تعالىٰ أو اسم نبيه ، استحب أن يجعل الفص في كمه إذا دخل الخلاء وان يجعله في يمينه إذا استنجى، قهستاني. (الدرالمختارمع الشامي: ٦/٣٦١،سعيد).

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ موبائل کے وال پیپر (wallpaper) پر کلماتِ ذکر واذکار رکھنے کی گنجائش ہے البتہ مقاماتِ نجاست سے بچانا ضروری ہے۔حاصل یہ ہے کہ انگوٹھی کے ذریعہ ذکر واظہارِ نصیحت اور موبائل کے ذریعہ ذکر واظہارِ نصیحت دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

(۱۳) حدیث شریف میں آتا ہے کہ اندر داخل ہونے کے لیے بطورِ اجازت: سبحان اللہ، الحمد للہ، اور اللہ

اکبر کہے، ملاحظہ ہو سنن ابن ماجہ میں ہے:

عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله عنه قال: قلنا يارسول الله ! هذا السلام فما الاستئذان ؟ قال: يتكلم الرجل تسبيحة وتكبيرة وتحميدة ، ويتنحنح ويؤذن أهل البيت. (رواه ابن ماجه، ص ٢٦٣).

حدیثِ بالا میں بیان کیا گیا کہ اپنے آنے کی اطلاع دینے کے لیے تسبیح تحمید اور تکبیر کہے، معلوم ہوا کہ مبارک کلمات اطلاع کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔

(۱۴) حدیث شریف میں آتا ہے کہ مصلی کے سامنے سے گزرنے والے کو روکنے کے لیے تسبیح استعمال کر سکتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

أخرج البخاريّ في حديث إمامة أبي بكر رضي الله عنه...فقال صلى الله عليه وسلم: مالي رأيتكم أكثرتم التصفيق، من نابه شيء في صلاته فليسبح ، فإنه إذا سبح التفت إليه ، وإنما التصفيق للنساء . (بخاری شریف: ١/٩٤، ١٦٢).

فتاویٰ شامی میں ہے:

ويدفعه بتسبيح أو جهر بقراء ة، فالمراد زيادة رفع الصوت عن أصل جهره، والظاهر شمول السرية ، لأن هذا الجهر مأذون فيه فلا يكره على أن الجهر اليسير عفو ، والمكروه قدر ما تجوز به الصلاة فى الأصح كما في سهو البحر، فإذا جهرفى السرية بكلمة أو كلمتين حصل المقصود ولم يلزم المحذور، فتدبر. (فتاوى الشامي: ١/٦٣٨،سعيد).

علامہ شامیؒ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ سری نماز میں بھی ایک دو کلمہ جہراً پڑھ کر گزرنے والے کو روکنا چاہئے۔ یعنی تسبیح اور قراءت کو تنبیہ کے لیے استعمال کرنا جائز اور درست ہے۔

(۱۵) **عبد الملك بن عبد الرحمن السعدى مسائل فقهية معاصرة** میں لکھتے ہیں:

السوال: السلام عليكم شيخي: ما حكم استخدام القرآن رنة للموبايل (رنة اتصال وانتظار)، أفتونا مأجورين ، وجزاك الله خيراً .

الجواب: لا مانع من ذلك ، ولكن الأدب يقتضي أن لايستغل صوت القرآن بمثابة الجرس المنبه ، لذا أرى ترك ذلك ، وإبداله بذكر ودعاء .

كما أني أرى عدم جعل الأذان منبهاً؛ لأن المصلي ربما إذا سمعه يظن أن وقت الصلاة قد حان فيصلي و لا تصح صلاته ، أو قد صلى و عند سماعه يظن أنه قد صلى قبل الوقت. (مسائل فقهية معاصرة ،ص: ٢٢٠ ،ط: دار النور،عمان).

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ موبائل میں رنگ ٹون کی جگہ کلماتِ متبرکہ کا استعمال جائز ہے البتہ آیاتِ قرآنیہ کا استعمال خلافِ ادب ہے۔

(١٦) وفي تفسير مقاتل بن سليمان: وكفى الله المؤمنين القتال...وسمعوا تكبير الملائكة في نواحي العسكر فرعبوا . (تفسیرمقاتل بن سلیمان :٣/٣٨).

وفي تفسير القرطبي: وكثر تكبير الملائكة في جوانب العسكر "أي في غزوة الخندق" حتى كان سيد كل خباء يقول: يابني فلان ! هلم إلي، فإذا اجتمعوا قال لهم: النجاء ، النجاء ، لما بعث الله تعالىٰ عليهم من الرعب . (تفسیرالقرطبی : ١٤/٩٥).

تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ فرشتوں نے کفار کو ڈرانے اور مرعوب کرنے کے لیے تکبیر کا استعمال کیا۔

☆ فقہاء کی بعض عبارات سے کراہت معلوم ہوتی ہے، ان عبارات کی توجیہ ملاحظہ کیجئے:

(١)فقہاء نے ذکر اللہ کو اپنی تجارت چلانے کے لیے وسیلہ بنانے کو منع لکھا ہے، یعنی دین کی شکل بنا کر دیندار بننے سے منع فرمایا۔جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ہجرت کا نام لیکر کسی لڑکی سے نکاح کرنے کے لیے جانا ہجرت غیر مقبولہ ہے۔ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

إنما الأعمال بالنيات ، وإنما لكل امرئ ما نوى، فمن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها أو إلى المرأة ينكحها فهجرته إلى ما هجر إليه . (رواه البخاری: ١/٢).

ملاعلی قاریؒ مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

قيل: إنما ذُمَّ ، لأنه طلب الدنيا في صورة الهجرة ، فأظهر العبادة للعُقبى ، ومقصوده الحقيقي ما كان إلا الدنيا ، فاستحق الذم لمشابهته أهل النفاق . (مرقاة المفاتيح:١/٤٦).

اسی طرح تاجر اپنا سامان کھولتے وقت ذکر کرتا ہے تاکہ لوگ اس کو متقی سمجھ کر اس کا سامان خریدے، تو یہ بھی دین کی شکل وصورت میں دنیا کمانا ہے جو کہ برا ہے۔چنانچہ علامہ سید احمد طحطاوی تحریر فرماتے ہیں:

وتكره عند فتح التاجر متاعه . (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح ،ص١٢ ،قديمی).

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

وحرام... عند عمل محرم، عند فتح التاجر متاعه إن قصد بذلک الإعلام بجودته، ولاخصوصية للصلاة، بل كذلک جميع الأذكار في جميع الأحوال الدالة على استعمال الذكر في غير موضعه، صرح بذلک علماؤنا. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۲۷۱، قديمی).

الاشباہ والنظائر میں ہے:

الفقاعي إذا قال عند فتح الفقاع للمشترى: صل على محمد، يكون آثماً، وكذا الحارس إذا قال في الحراسة: لا إله إلا اللّٰه، يعنى لأجل الإعلام بأنه مستيقظ...رجل جاء إلى البزاز ليشترى منه ثوباً، فلما فتح المتاع قال: سبحان اللّٰه! أو قال: اللّٰهم صل على محمد، إن أراد بذلک إعلام المشتري جودة ثيابه ومتاعه كره. (الاشباہ والنظائرمع الحموی: ۱/۱۰۴).

الفقاع، نبيذ الشعير ونحوه. (تقريرات الرافعی: ۱/۶۴، سعيد).

وينظر: (الفتاوی الهندية: ۵/۳۱۵، والدرالمختارمع ردالمحتار: ۱/۵۱۸، سعيد، والبحرالرائق: ۱/۳۴۷، دارالمعرفة، والمحيط البرهانی: ۵/۱۳۷، داراحياء التراث).

تنبیہ: ممکن ہے کہ یہ لفظ فقاعی ہوتو زیادہ مناسب ہے کیونکہ فقاع (قفعة) ٹوکرے کو کہتے ہیں یعنی ٹوکری کھولتے وقت درود پڑھے۔

عالمگیری میں ہے:

حارس يقول: لا إله إلا اللّٰه، أو يقول: صلى اللّٰه على محمد، يأثم لأنه يأخذ لذلک ثمناً، بخلاف العالم إذا قال في المجلس صلوا على النبي، أو الغازى يقول: كبروا، حيث يثاب، كذا في الكبرى. (الفتاوی الهندية: ۵/۳۱۵).

لیکن صاحبِ نصاب الاحتساب نے بہت عمدہ بات لکھی ہے فرماتے ہیں کہ میری رائے یہ ہے کہ حارس کو ''لا الہ الا اللہ'' پڑھنے پر ثواب ملے گا، وجہ اس کی یہ ہے کہ اجرت حفاظت پر ملتی ہے نہ کہ ذکر پر اس لیے کہ اگر حفاظت کے ساتھ دوسرا کوئی کلام کرتا تب بھی اجرت ملنے والی تھی، تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مثاب ہوگا

نہ کہ کمانے والا، کیونکہ اگر ہم اس کو ذکر واذ کار سے منع کر دے جب کہ اس کو جہری کلام کی ضرورت ہے بیدار رہنے کے لیے تو بہت ہی قریب ہے کہ وہ موسیقی اور گانے میں مبتلا ہو جائے جو کہ حرام ہے۔

عبارت ملاحظہ کیجئے:

قال العبد: وعندي أنه يثاب عليه لأن الأجر يأخذه على الحراسة لا على الذكر لأنه لوحرس بكلام آخر يستحق الأجر فعلم أنه فى الذكر محتسب لامستأجر ولأنا لومنعناه عن الذكر وأنه يحتاج إلى كلام يجهر به فلا يؤمن عليه أن يقع فى الغناء وأنه حرام. (نصاب الاحتساب ،ص٣٠٦، الباب السادس والاربعون فى الاحتساب فى فعل البدع من الطاعات وترك السنن ،للفقيه عمر بن محمدبن عوض السنامی).

(۲) علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ ذکر واذ کار کو کسی کام کے لیے محض تنبیہ اور اعلام کا وسیلہ بنانا مکروہ ہے۔

قال صاحب الدر: وقد كرهوا الله أعلم، ونحوه لإعلام ختم الدرس حين يقرر. وقال الشامي: فإنه استعمله آلة للإعلام ونحوه... فلم يكن المقصود الذكر. (فتاوی الشامی:٦/٤٣١).

اس کا مطلب یہ ہے کہ محض تنبیہ کا ذریعہ بنایا اجر وثواب کی کوئی نیت نہیں کی، لیکن اگر اجر وثواب کی نیت سے کہا جائے تو درست ہے جیسے خطباء اور واعظین اور مؤلفین ومصنفین اپنے کلام کے آخر میں ''**وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العلمين**'' پڑھتے ہیں، اور یہ مکروہ بھی نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ جب دنیا کمانا مقصود نہیں تو جائز اور درست ہے، جیسے بھوکا آدمی سلام کر کے کھانے کی مجلس میں شریک ہو جائے تو اس کو ثواب بھی ملے گا اور کھانا بھی ملے گا۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ودع آكلاً إلا إذا كنت جائعاً ☆ وتعلم منه أنه ليس يمنع

(الدر المختار: ١/٦١٧،سعید).

نیز کھانے کے بعد دعا پڑھتے ہیں: ''**الحمد لله الذي أطعمنا وسقانا وجعلنامسلمين**''، یہ ذکر بھی ہے اور کھانے کے اختتام کی علامت بھی ہے۔

☆ قابل غور بات یہ ہے کہ موبائل میں گھنٹی کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے ہاں بالکل ناجائز بھی نہیں ہے، چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لاتصحب الملائكة رفقة

فيها كلب ولا جرس . (رواه مسلم: ٢/٢٠٢/٢٢٢٣، باب كراهة الكلب والجرس فى السفر).

وعنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الجرس مزامير الشيطان. (رواه مسلم: ٢/٢٠٢/١٢٢٤، باب كراهة الكلب والجرس فى السفر).

لیکن دیگر احادیث، شروح اور کتب الفقہ والفتاویٰ کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ گھنٹی سے منع کرنا درجِ ذیل تین وجوہات کی بنا پر تھا، جہاں ان باتوں میں کوئی بات نہ ہو وہاں گھنٹی کا استعمال درست ہوگا:

(۱) گھنٹی کے استعمال سے مسلمانوں کو نقصان کا اندیشہ ہو وہاں اس کا استعمال ممنوع ہے۔

ملاحظہ ہو المحیط البرہانی میں مرقوم ہے:

وقال محمدؒ في السير الكبير: إنما يكره اتخاذ الجرس للغزاة في دار الحرب...لأن العدو يشعر بمكان المسلمين ...فعلى هذا قالوا: إذا كان الراكب في المفازة في دار الإسلام ويخافون من اللصوص يكره لهم تعليق الجرس على الدواب أيضاً حتى لايشعر بهم اللصوص...فأما ما كان في دار الإسلام فيه منفعة لصاحب الراحلة فلا بأس به، قال: في الجرس منافع جمة منها: إذا ضل واحد من القافلة يلتحق بها بصوت الجرس، ومنها: أن صوت الجرس يبعد هوام الليل عن القافلة كالذئب وغيره، ومنها: أن صوت الجرس يزيد في نشاط الدواب، وهو نظير الحدو، فإنه جوز، لأنه يزيد في نشاط الدواب . (المحيط البرهانى: ٨/١٢٥، فصل ٣٢، فى المتفرقات من كتاب الكراهية، ط: المجلس العلمى).

(وكذا فى الفتاوى الهندية: ٥/٣٥٤، الباب السابع عشر فى الغناء واللهو...).

وبهذه العلة علله ابن عابدينؒ أيضاً فقال: ولعل رفع الصوت يجر بلاء، والحرب خدعة . (فتاوى الشامى: ٦/٣٩٨، سعيد).

(۲) گھنٹی کا مقصد محض لہو ولعب ہو یا لذت حاصل کرنا ہو تو ممنوع ہے ورنہ نہیں۔

قال المحدث السهارنفوري في بذل المجهود في شرح ابي داود:

"لا تصحب الملائكة رفقة فيها جرس أو كلب" وهذا إذا خليا عن المنفعة، وأما ما احتيج إليه منهما فمرخص فيه . (بذل المجهود: ١٢/٥٣، المكتبة الامدادية).

قال الملا على القاري في المرقاة: وقال بعض العلماء: جرس الدواب منهى عنه إذا

اتخذ للهو، وأما إذا كان فيه منفعة فلا بأس . (مرقاة المفاتيح: ۳۲۷/۷).

وقال في تكملة فتح الملهم: والذي يظهر لهذا العبد الضعيف عفا الله عنه أن الكراهة المذكورة في الحديث إنما تنصرف إلى كلب وجرس قصد منهما اللهو والغناء، كما يعتاده بعض أهل القوافل ويدل عليه قوله عليه الصلاة والسلام في الرواية الآتية: الجرس مزامير الشيطان. (تكملة فتح الملهم: ۱۷۹/۴).

(۳)بعض لوگ اس عقیدہ کی وجہ سے گھنٹی ڈالتے تھے کہ بیماری،حسد اور نظر بد سے جانور محفوظ رہے گا، اس وجہ سے ممانعت وارد ہوئی تھی کہ موثر حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ملاحظہ ہو حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

"كانوا يقلدون الإبل أوتار القسي لئلا تصيبها العين بزعمهم، فأمروا بقطعها إعلاماً بأن الأوتار لا ترد من أمر الله شيئاً، وهذا قول مالكؒ . (فتح الباری: ۱۴۲/۶).

وفي فتاوى الأزهر: والعلة في الكراهة أما أن التعاليق على الحيوانات كانت عند العرب لمنع الحسد، أوالعلاج، أو دفع المرض كالخرز والتمائم ...، وقد جاء النهي عنها في الأحاديث لاعتقادهم أنها تؤثر بذاتها، بعيداً عن إرادة الله تعالىٰ ...(فتاوى الازهر: ۳۳۷/۱۰).

وللمزيد راجع: (فتح البارى: ۱۴۲/۶،وعمدة القارى: ۳۱۸/۱۰،وفتاوى اللجنة الدائمة،وفتاوى الكويت،وشرح النووى على صحيح مسلم: ۲۰۲/۲،ونفع المفتي والسائل، ص ۴۹۱،ط:دارابن حزم).

خلاصہ یہ ہے کہ جب شریعت نے ضرورت کی وجہ سے گھنٹی کے استعمال کی اجازت دی ہے جب کہ گھنٹی پسندیدہ چیز نہیں ہے،تو موبائل میں کلماتِ طیبہ رکھنے کی اجازت بطریق اولیٰ ہوگی۔واللہ ﷻ اعلم۔

اشکالات اور جوابات:

اشکال: (۱)بعض حضرات یہ اشکال کرتے ہیں کہ آیاتِ قرآنیہ کو موبائل میں گھنٹی کی جگہ استعمال کرنے سے یہ خرابی لازم آتی ہے کہ بات چیت جاری ہونے پر آیتِ کریمہ کو درمیان میں سے کاٹنے کی وجہ سے کلام ناقص رہ جاتا ہے اور یہ ناجائز ہے؟

الجواب: ماقبل میں ہم لکھ چکے ہیں کہ آیتِ کریمہ پوری کرنے کا اہتمام کیا جائے اور اگر یہ اہتمام نہ ہو سکے تو آیات استعمال نہ کرے۔تاہم اتفاقاً اگر آیتِ کریمہ پوری نہیں ہوئی تب بھی اس کو ناجائز نہیں کہا جائیگا

ہاں خلافِ ادب ضرور ہوگا، لیکن ناجائز کہنے کی کوئی وجہ نہیں، اس کی متعدد مثالیں قرآنِ کریم میں موجود ہیں:

(۱) ﴿إن الذين كفروا بالذكر لما جاء هم﴾. (فصلت: ٤١).

اس جملہ کی خبر مذکور نہیں، صاحبِ جلالین نے " نجازيهم " مقدر مانا ہے۔ (جلالین: ۲/۴۰۰).

(۲) " أفمن زين له سوء عمله فرآه حسناً "[الفاطر: ۸] اس کی خبر مذکور نہیں، مفسرین نے: "كمن لم يزين له " بیان کی ہے۔ (تفسیر النسفی: ٢/٣٣٤).

اشکال: (۲) بیت الخلاء میں فون آنے پر گھنٹی بجنی شروع ہو جائے گی اور یہ کلماتِ طیبہ بیت الخلاء میں سنے جائیں گے جو کہ بے ادبی ہے، اور یہ ناجائز ہے، اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: صرف اس شبہ کی وجہ سے ناجائز کہنا محلِ نظر ہے، ہاں احتیاط کی تلقین کی جائے کہ حتی الامکان بند کرنے کے بعد داخل ہو، لیکن اس کے باوجود کوئی بند کرنا بھول جائے تو اور بیت الخلاء میں بجنا شروع ہو جائے تو بعد میں استغفار کرلے۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی پر "محمد رسول اللہ" کے الفاظ کندہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء تشریف لے جانے سے قبل اتار دیتے تھے، اگرچہ عام لوگوں کے لیے بھولنے کی وجہ سے بیت الخلاء میں لے جانے کا اندیشہ تو موجود ہے۔

عن أنس بن مالك رضي الله عنه... فاتخذ النبي صلى الله عليه وسلم خاتماً من فضة ، كأني أنظر إلى وبيصه ، ونقشه محمد رسول الله . (رواه البخاري: ٢/١٠٦١).

وعنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا دخل الخلاء وضع خاتمه . (سنن ابن ماجه: ٢٦).

نیز صحابہ اور دیگر سلفِ صالحین کی انگوٹھیوں پر بھی کچھ متبرک کلمات مرقوم تھے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا، جبکہ اس میں بھی بھول جانے کا قوی اندیشہ تھا۔ اس اندیشہ کی وجہ سے ناجائز نہیں کہا گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ کلماتِ مقدسہ کو موبائل فون میں رنگ ٹون کی جگہ استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ہاں بے حرمتی اور بے ادبی کی جگہوں سے بچایا جائے اور حتی الامکان آیاتِ قرآنیہ سے بھی بچنا چاہئے کیونکہ اس میں درمیان میں سے کٹنے کی وجہ سے بے ادبی پائی جاتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصل سوم

ریڈیو کے احکام کا بیان

ریڈیو اسلام کے قیام سے متعلق اشکالات کے جوابات:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ شرعِ متین ذیل میں مذکورہ امور کے بارے میں:۔

... یہاں کے مسلمان اپنا ذاتی ریڈیو اسٹیشن قائم کرنا چاہتے ہیں جس کا پورا انتظام علماء کے ہاتھ میں ہوگا، اور اس پر کوئی بھی غیر شرعی پروگرام شائع نہیں ہوگا، اس سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہوگیا ہے، اکثر حضرات ریڈیو اسٹیشن قائم کرنے کے موافق ہیں، مگر بعض حضرات اس کے شدید مخالف ہیں؛ اور درجِ ذیل اشکالات فرماتے ہیں:

(۱) اس نئے نہج پر دعوت پہونچانے کی ضرورت نہیں، محراب ومنبر اور مواعظ وکتب کے ذریعہ نیز دعوت وتبلیغ کی عالمی زبردست محنت کے ذریعہ ہر جگہ دعوت پہنچ چکی ہے۔

(۲) اس کے اختیار کرنے میں ٹی وی، وی سی آر تک ہر طرح کے جائز ناجائز وسائل تک ترقی ہوگی؟

(۳) ریڈیو کا پروگرام طباعت کے برابر مفید نہیں ہوسکتا؟

(۴) اس پروگرام میں زندگیوں میں کوئی تبدیلی آتی ہوئی نظر نہیں آتی؟

(۵) اس پر چھوٹے پروگرام، قصہ کہانیاں وغیرہ کے طرز پر اسلامی تعلیمات پیش کی جائیگی تو لوگوں کا اعتماد ختم ہوجائیگا؟

(۶) ریڈیو وغیرہ کے ہمارے پروگرام سے دشمنانِ اسلام ہماری راز کی باتیں معلوم کریں گے؟

(۷) اتنی بڑی رقم کہاں سے آئیگی؟

(۸) جب ہم ہمارے خاص مسائل طلاق وغیرہ کے بیان کریں گے تو غیر مسلم اس کو مذاق سمجھیں گے؟

(۹) بریلوی وغیرہ کے پروگرام بھی شائع کرنے پر حکومت مجبور کریگی اور قوالی بدعات وخرافات کی بھی نشرواشاعت ہوگی؟ پھر ان کے جوابات ہوں گے اور مناظرہ کی شکل بن جائیگی؟

(۱۰) ہماری اتفاق واتحاد والی جمعیت میں اختلاف پیدا ہوگا اور کہیں دوسری جمعیت وجود میں نہ آجائے؟

(۱۱) ریڈیو پر قرآن کی تلاوت، بیانات وغیرہ کا کوئی ادب ولحاظ نہیں ہوگا ایک تماشہ بن کر رہ جائیگا؟ اور علمائے کرام ایک خاص لہجہ میں تلفظ کے لیے غیر سے زبان سیکھیں گے اور حدیث کے الفاظ: **إن من أبغضكم إلي و أبعدكم مني مجلساً يوم القيامة الثرثارون و المتشدقون ...الخ.** کا مصداق بنیں گے؟

ان اشکالات کے جوابات کے ساتھ ساتھ دریافت طلب امور یہ ہیں:

(۱) کیا ریڈیو سے دینی پروگرام شائع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مسلمانوں کے مفاد کی خاطر اور اسلام کی اشاعت کی خاطر مسلمانوں کو اپنا ذاتی ریڈیو اسٹیشن قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) ممالکِ اسلامیہ میں ریڈیو پر قرآن کی تلاوت، تفسیر، احادیث، ملفوظاتِ مشائخ اور تقاریر شائع کی جاتی ہیں ان کا یہ عمل شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ یا حرام یا مکروہ یا مندوب یا مباح یا مستحسن ہے۔ وضاحت مطلوب ہے؟

(۴) اپنی ذاتی رائے بھی بیان فرمائیں تاکہ فیصلہ کرنے میں ہمیں آسانی ہو۔

امید ہے کہ ہماری رہنمائی فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں گے، اجیبوا توجروا۔

اشکال (۱) کا جواب:

ہمارے خیال میں ریڈیو اسٹیشن کا قیام اور اس سے اسلامی پروگرام پیش کرنا جائز اور مفید ہے ہمارے اکابر حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس کو مفید سمجھ کر ہی تقاریر اور تفسیر نشر فرمائی۔ شاید مخالفین کی نظر سے حضرت قاری صاحبؒ کی ریڈیو کی تقریریں گزری ہوں گی، اس سے معلوم ہوا کہ جیسے ہمارے اکابر میں سے حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے دعوت کا خاص نظم قوم کے سامنے پیش کیا اسی طرح ہمارے اکابرؒ نے ریڈیائی تقریریں نشر فرمائیں، اور ریڈیو اسٹیشن کو اپنے ملفوظات کی اشاعت کا ذریعہ بنایا، اور ان کی مخالفت میں کسی بزرگ کا قول ہمیں معلوم نہیں۔

اشکال (۲) کا جواب: یہ فرمانا کہ ریڈیو سے ٹیلی ویژن اور وی سی آر تک ترقی ہوسکتی ہے ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ تو ایسا ہے کہ جیسے کوئی کہے کہ نکاح کے جواز سے متعہ کے لیے راستہ ہموار ہوجائیگا، یا ریڈیو کے سننے سے گانوں کے سننے کا راستہ بن جائیگا، حالانکہ ریڈیو سب لوگ سنتے ہیں مگر ناجائز پروگرام بعض سنتے ہیں اور بعض نہیں، تو ریڈیو سننے کے بارے میں سائل کا کیا خیال ہے؟

اشکال (۳) کا جواب: ریڈیو کا پروگرام طباعت کے برابر مفید ہے نہیں؟ یہ مدعیٰ نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس میں فائدہ ہے یا نہیں حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے اس کے فائدہ سے انکار ممکن نہیں، اس ملک اور قریبی ممالک کے لاکھوں آدمی اپنے کام کاج کے ساتھ ریڈیو سنتے ہیں اگر ان کے کانوں میں اپنے اکابر کے واقعات اور دین کا مثبت پروگرام پڑ جائیگا تو فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

اشکال (۴) کا جواب: اس سے زندگی میں تبدیلی آتی ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ تو مشکل ہے، جیسے دینی مدرسہ کھولنے اور دینی علوم پڑھانے کے متعلق یہ فیصلہ مشکل ہے کہ اس سے زندگی میں تبدیلی آتی ہے یا نہیں، جبکہ مدرسہ چلانے کو مابہ الافتخار سمجھا جاتا ہے اور واقعی ایک اہم ضرورت بھی ہے۔ تاہم فائدہ ضرور ہوتا ہے مفتی شفیع صاحبؒ کی ریڈیائی تقریروں سے ذہنی تبدیلی آئی، اور مفید سمجھ کر لوگوں نے فرمائش کی اور امت کے سامنے اتنا بڑا ذخیرہ آیا، تطویل سے دامن بچاتے ہوئے سائل کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ کم سے کم معارف القرآن جلدِ اول، ص۶۴، پڑھ لیجئے۔ جس میں افریقی ممالک کے مسلمانوں کی دلچسپی کا ذکر ہے رہا یہ کہ تمام مسلم ممالک میں یہ کام ہورہا ہے وہ مفید نہیں ہے یا زندگی کی تبدیلی کا سبب نہیں ہے یہ غیب تو ہم نہیں جانتے البتہ اتنا جانتے ہیں کہ جب غیر مسلم عیسائی اس کام پر کروڑوں ڈالر خرچ کرتے ہیں تو فائدہ ہوگا اسی لیے خرچ کرتے ہیں۔

اشکال (۵) کا جواب: اگر صحیح واقعات کو ڈرامائی اور غلط رنگ میں پیش کیا جائے تو یہ غلط ہوگا، باقی کبھی کوئی فرضی کہانی پیش کرنا اگر ناجائز ہو تو مقاماتِ حریری کے پڑھنے پڑھانے اور حاشیہ وتعلیق لکھنے کے متعلق کیا خیال ہے؟

اشکال (٦) کا جواب: جن حضرات نے خدشات ظاہر فرمائے ہیں انہوں نے بہت ہی قابل قدر کام کیا تاکہ خدشات ظاہر کرکے کام کرنے والوں اور ریڈیو اسٹیشن پر آنے والوں کے لیے سرمہ بصیرت اور برائی کے سامنے رکاوٹ ہو، باقی یہ کہ ریڈیو کے پروگرام سے غیر مسلم ہماری اندرونی باتیں معلوم کرتے ہیں اور پھر اعتراض کرتے ہیں تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ اسلام پر اعتراض کرنے کا مواد پہلے سے ان کے پاس موجود

ہے، شاید عیسائیوں کی لکھی ہوئی کتابیں سائل کی نظر سے گزری ہوں گی، ریڈیو پر تو اسلام کا وہ مثبت پروگرام آئیگا جو دلوں کو اپیل کر سکے اور اسلام کی حقانیت واضح ہو سکے۔

اشکال (۷) کا جواب: ریڈیو اسٹیشن کی رقم کہاں سے آئیگی یہ ایسا سوال ہے جیسے کوئی کہدے کہ فلان جامعہ میں اتنی بڑی بلڈنگ بنائی جائیگی اس کی رقم کہاں سے آئیگی، بہرحال ریڈیو سے دلچسپی رکھنے والے حضرات غیر زکوٰۃ سے مدرسہ کی بلڈنگ کو بنوانے کیطرح اس کو بھی دیں گے، ہاں جو حضرات دلچسپی نہیں رکھتے وہ نہ دیں کسی پر جبر نہیں کرنا چاہئے۔

اشکال (۸) کا جواب: ہم جب اپنے مسائل بیان کریں گے تو غیر مسلم مذاق کریں گے، اس کے متعلق عرض ہے کہ آخر انہی مسائل میں انگلش میں کتابیں بھی چھپی ہوئی ہیں، جو تعجب یہاں نہیں ہوتا وہ ریڈیو پر بھی نہیں ہوگا، آخر حج کی کتابیں جو انگلش میں موجود ہیں، ان کے متعلق غیر مسلم کیا کہتے ہیں؟ جبکہ حج کے اکثر افعال خلافِ قیاس اور عوام کی سمجھ میں نہ آنے والے ہیں، ہمارا فرض ہوگا کہ عوام کی سمجھ میں آنے والے پروگرام پیش کیا کریں، ہاں بضرورت دوسرے پروگرام جو سمجھ میں نہیں آتے بہتر انداز میں پیش کرلیں، آخر ہم ہوٹلوں میں گراجوں میں وضو کرتے ہیں کیا یہ غیر مسلموں کی سمجھ میں آتا ہے؟

اشکال (۹) کا جواب: بریلویوں کو ریڈیو اسٹیشن قائم کرنے کا شوق ہو تو وہ اپنا اسٹیشن قائم کریں جب اسٹیشن کسی خاص جماعت کا ہو تو مخالف لوگوں کو اپنا مذہبی پروگرام پیش کرنے کا حق نہیں ہونا چاہئے، تاہم اگر حکومت کی طرف سے جبر اور زبردستی ہو تو فریق مخالف کے سنجیدہ لوگوں کے مثبت اور غیر اختلافی پروگرام رکھنے کے بارے میں ریڈیو کے اربابِ حل عقد غور کر سکتے ہیں۔

اشکال (۱۰) کا جواب: جمعیت کے بالمقابل جمعیت کا وجود میں آنا سمجھ میں نہیں آتا، اگر جمعیت کوئی ایسا کام کرتی ہے جس کے عدمِ جواز پر اتفاق ہوتا تو جمعیت کے مقابل متوازی جمعیت کی گنجائش تھی، لیکن جواز کے حدود میں رہتے ہوئے جمعیت کوئی اقدام کرے اور صرف رائے کے اختلاف کو جمعیت سبوتاژ کرنے کا ذریعہ بنادیا جائے تو یہ بات معقول نہیں ہوسکتی ہاں جذبات کی علامت ہوسکتی ہے۔

اشکال (۱۱) کا جواب: ادب سے تلاوت وغیرہ کے سننے کا جو معاملہ کیسٹوں کے ساتھ ہوتا ہے وہی معاملہ اسٹیشن کے پروگرام کے ساتھ ہوگا، اور ادب کی جو تلقین کیسٹوں میں ہوتی ہے وہ یہاں بھی ہوگی، باقی ''الثرثارون المتشدقون'' والی حدیث تو قاریوں اور دوسرے حضرات کے لیے برابر ہے، سب کو اس حدیث

کا مصداق بننے سے اجتناب کرنا چاہئے، رہی ان کی طرح زبان بولنے کی بات تو فصیح و بلیغ زبان بولنا چاہئے اس میں کسی کے ساتھ مشابہت کی رعایت نہ کی جائے، اسلامی ممالک پر امریکہ کے قبضہ کی بات تو صحیح ہے، لیکن ریڈیو کا نصب العین ہی امریکہ وغیرہ کے پروپیگنڈہ کو مثبت انداز میں ناکام بنانا ہونا چاہئے، رہی یہ بات کہ ہر مجلس میں سامعین کی رعایت ہوتی ہے اوران کی استعداد کے مطابق بات ہونی چاہئے تو جیسے اس بات کی رعایت جامع مسجدوں میں رکھی جاتی ہے جبکہ وہاں بوڑھے، بچے جوان سب ہوتے ہیں اسیطرح یہاں بھی رکھی جائیگی، باقی دعوت وتبلیغ کے لیے وہی طریقہ رکھنا چاہئے جو انبیاء ورسل کا ہے لیکن اس کے ساتھ اس طریقہ کو ملانے میں کوئی حرج نہیں، آخر کھانے کے ساتھ چٹنی ملانے میں کیا حرج ہے۔

اب دریافت طلب امور کے جوابات اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہیں:

جواب: (۱) ریڈیو سے دینی پروگرام پیش کرنا اور نشر کرنا حدودِ شریعت میں رہ کر جائز ہے۔

جواب: (۲) ذاتی ریڈیو اسٹیشن قائم کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس پروگرام کو مفید بنانے کی اہلیت وفرصت ہو ورنہ اس میں پڑنا ہی نہیں چاہئے، بلکہ پھر کسی دیندار طبقہ کو آگے کر کے ان سے کچھ وقت طلب فرمائیں۔

جواب: (۳) اگر ممالکِ اسلامیہ میں شرعی حدود میں ریڈیو اسٹیشن موجو ہو تو وہ مباح اور حسن لغیرہ ہے۔ جیسے کھانا کھانا اس نیت سے کہ عبادت کے لیے طاقت حاصل کرلوں حسن لغیرہ ہے۔

جواب: (۴) فقیر کا خیال یہ ہے کہ اگر اس ریڈیو اسٹیشن کے مالہ وماعلیہا کو صحیح طور پر بجالا سکتے ہوں اور اخراجات کی طاقت ہو اور اس کے لیے رجال کار میسر ہوں تو اس کو خرید لیا جائے ورنہ خدا حافظ کہدیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ریڈیو پر خبریں نشر کرنے کے ضوابط:

سوال: ریڈیو پر جو خبریں نشر کی جاتی ہیں ان کے شرعی اصول وضوابط کیا ہیں؟

الجواب: اس سلسلہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک مقالہ ''اخبار بینی'' کے نام سے تحریر فرمایا ہے جس میں اخبار بینی کے بے لذت گناہوں کی نشاندہی کی ہے، اوراس کے ساتھ ساتھ کچھ شرعی اصول وضوابط جمع فرمائے ہیں جن کی پابندی کرتے ہوئے اخبارات سے یہ خرابیاں دور کی جاسکتی ہیں، لہذا یہی اصول وضوابط ریڈیو کے لیے بھی رہیں گے:

اس سلسلہ میں سب سے جامع اور مانع اصول یہ ہے کہ جس وقت کسی چیز کے لکھنے یا نشر کرنے کا ارادہ

کرے پہلے اپنے ذہن میں استفتاء کرے کہ اس کا لکھنا میرے لیے جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ثابت ہو تو قدم آگے بڑھائے اور اگر خود احکامِ شرعیہ میں ماہر نہ ہو تو کسی ماہر سے استفتاء کرنا ضروری ہے، یہ ایک شرعی اجمالی قانون ہے جو ہر قسم کی تحریر میں ہر مسلمان کے مطمحِ نظر ہونا چاہئے، اس کے بعد ہم اس کی تفصیل چند نمبروں میں ذکر کرتے ہیں:

(۱) جو واقعہ کسی شخص کی مذمت اور مصائب پر مشتمل ہو اس کو اس وقت تک ہرگز شائع نہ کیا جائے جب تک حجتِ شرعیہ سے اس کا کافی ثبوت نہ مل جائے کیونکہ جھوٹا الزام لگانا افتراء باندھنا کسی کافر پر بھی جائز نہیں ہے۔

(۲) یہ بات بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس معاملہ میں حجتِ شرعیہ کے لیے کسی افواہ کا عام ہونا یا کسی اخبار کا لکھ دینا ہرگز کافی نہیں بلکہ شہادتِ شرعیہ ضروری ہے کیونکہ دورِ حاضر کے موجودہ تمام اخبارات کے صدہا تجربات نے اس بات کو ناقابلِ انکار کر دیا ہے کہ بہت سے مضامین اور واقعات اخبارات میں شائع ہوتے ہیں اور جس شخص کی طرف سے شائع کئے جاتے ہیں اس غریب کو خبر تک نہیں ہوتی اور یہ صورت کبھی تو قصداً کی جاتی ہے اور کبھی سہواً خطا ہو جاتی ہے، اس لیے اگر کسی اخبار میں کسی شخص کے حوالہ سے کوئی مضمون یا واقعہ نقل کر دیا جائے تو شرعاً اس کو ثابت نہیں کہا جا سکتا، البتہ اگر یہ واقعہ کسی کی مذمت یا مضرت وعیب جوئی پر مشتمل نہ ہو تو پھر یہ ضعیف ثبوت بھی کافی ہے اور اس کو نقل کر کے شائع کر دیا جائے۔

(۳) کسی شخص کا عیب یا گناہ کا واقعہ اگر حجتِ شرعیہ سے بھی ثابت ہو جائے تب بھی اس کی اشاعت کرنا جائز نہیں بلکہ اس وقت بھی اسلامی فرض یہ ہے کہ خیر خواہی سے تنہائی میں اس کو سمجھایا جائے اگر سمجھانے سے نہ مانے اور آپ کو قدرت ہو تو بجبر اس کو روک دے ورنہ کلمہ حق پہنچا کر آپ اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں، اس کی اشاعت کرنا اور رسوا کرنا تجربہ سے ثابت ہے کہ بجائے مفید ہونے کے ہمیشہ مضر ہوتا ہے اور اس لیے رحمۃً للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں اس کی تاکید فرمائی ہے کہ اگر اپنے مسلمان بھائی کا کوئی عیب یا گناہ ثابت ہو تو اس کو رسوا نہ کرے بلکہ پردہ پوشی سے کام لے اور خفیہ اس کو سمجھائیں کیونکہ یہی طرز زیادہ مؤثر اور مفید ثابت ہوا ہے۔

(۴) البتہ اگر کسی مسلمان کا ایسا عیب یا گناہ حجتِ شرعیہ سے ثابت ہوا کہ جس کا نقصان اپنی ذات کو پہنچتا ہے اور یہ اس سے مظلوم ٹھہرتا ہے تو پھر اس کی برائی کو علانیہ شائع کر سکتا ہے، اس کے متعلق حق تعالیٰ کا

ارشاد ہے:﴿ لایحب الله الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم ﴾ کہ اللہ تعالیٰ برائی کے اعلان کو پسند نہیں فرماتے مگر جن پر ظلم کیا گیا (وہ ظالم کے ظلم کا اعلان کرسکتا ہے) (روح المعانی) لیکن اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ عام اعلان واشاعت کے بجائے صرف ان لوگوں کے سامنے بیان کرے جو اس کی دادرسی کرسکیں۔

(۵) اگرکسی اخبار میں کوئی قابل تردید غلط مضمون کسی شخص کے نام سے طبع ہوا ہو تو اس کے جواب میں صرف اس پر اکتفا کیا جائے کہ فلان اخبار نے ایسا لکھا ہے اس کا جواب یہ ہے، اس شخص کی ذات پر کوئی حملہ نہ کیا جائے کیونکہ ابھی تک کسی حجت شرعیہ سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ واقع میں یہ مضمون اسی شخص کا ہے۔

(۶) جو خبر کسی شخص کی مذمت اور ضرر پر مشتمل نہ ہو اس کی اشاعت جائز ہے مگر اس شرط سے کہ کسی مسلمان کی خاص مصلحت یا عام مصلحت کے خلاف نہ ہو اور جن میں ایسا احتمال ضعیف بھی ہو تو بجز ان لوگوں کے جو عقل اور شرع کے موافق اس معاملہ کو ہاتھ میں لیے ہوئے ہوں عام لوگوں پر اس کو ظاہر کرنا نہ چاہئے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے نقصانات کی طرف اس شخص کی نگاہ نہ پہنچی ہو، آیت ﴿و إذا جاء هم أمر من الأمن أو الخوف أذاعوا به ﴾ میں ایسے ہی اخباروں اور جلسوں کی مضرت اور مذمت کو بیان فرمایا ہے، لیکن مسلمان کے لیے مناسب ہے کہ اس کو بھی محض خبر کی حیثیت سے نقل نہ کرے بلکہ اس سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ پیدا کرے، اول تو کوئی واقعہ اور کوئی خبر دنیا میں ایسی کم ہوتی ہے جو نتیجہ خیز نہ ہو یا جن سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ متصور نہ ہو، لیکن اگر کوئی خبر ایسی بھی ہو تب بھی اس کو محض تفریح طبع کے مد میں ذکر کردینا مضائقہ نہیں بلکہ یہ بھی ایک درجہ میں شرعاً مطلوب ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض اوقات مزاح فرمانا اسی حکمت پر مبنی تھا۔

(۷) خلافِ شرع مضامین اور ملحدین کے عقائد باطلہ اول تو شائع نہ کئے جائیں اور اگر کسی ضرورت سے اشاعت کی نوبت آئے تو جن پرچہ میں (یا مجلس میں) وہ شائع ہوں اسی میں ان کی تردید اور شافی جواب بھی ضرور شائع کردئے جائیں، آئندہ پرچہ پر (یا مجلس میں) اس کو حوالہ نہ کیا جائے کیونکہ بہت سے آدمی وہ ہوتے ہیں جن کی نظر سے آئندہ پرچے نہیں گزرتے خدانہ خواستہ اگر وہ اس سے کسی شبہ میں گرفتار ہوگئے تو اس کا سبب شائع کرنے والا ہوگا۔

(۸) اگر مسلمانوں پر کافروں کے ظلم کی خبر شائع کرنا ہو تو جب تک ظلم کی نسبت کافروں کی طرف حجتِ شرعیہ سے ثابت نہ ہو اس طرح شائع کیا جائے کہ فلان مقام کے مسلمانوں پر مظالم ہورہے ہیں، مسلمان ان مظالم کا انسداد کریں اور جائز طریق پر اس کی جانی و مالی امداد کریں۔

(۹) اخبار کا ایڈیٹر ہمیشہ ایسا شخص بنے جو تمام علومِ اسلامیہ پر عبور رکھتا ہو یا کم از کم علماء سے رجوع کرنے کا پابند ہو اور مذہب سے ہمدردی رکھنے والا ہو ورنہ ظاہر ہے کہ اخبارات اشاعت بے دینی و بے قیدی کا ایک کامیاب آلہ ہے۔

(۱۰) کسی ایسی کتاب کا جو دین کو مضر ہو یا ایسی دوا کا جو شرعاً حرام ہو یا کسی ایسے معاملہ کا جو شرعاً فاسد ہو اشتہار نہ دیا جائے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

فصل چہارم

آلاتِ جدیدہ سے تصویر کشی کے احکام

ڈیجیٹل کیمرے سے تصویر کشی کا حکم:

سوال: تصویر کس کو کہتے ہیں اور تصویر کشی کا کیا حکم ہے؟ نیز ڈیجیٹل کیمرے کے ذریعہ تصویر لینے کا کیا حکم ہے؟ تفصیل اور وضاحت مطلوب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: (۱) جاندار کی تصویر جو ہاتھوں سے بنائی جائے اس کا بنانا اور استعمال کرنا بالاتفاق ناجائز ہے۔ احادیث سے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

عن عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم:" إن الذين يصنعون هذه الصور يعذبون يوم القيامة ، يقال لهم : أحيوا ما خلقتم ". (اخرجه البخاری :،رقم: ۵۹۵۱، باب عذاب المصورین یوم القیامة ومسلم:۲/ ۲۰۱).

وعن مسلم قال: كنا مع مسروق فی دار يسار بن نميرفرأى فی صفته تماثيل فقال: سمعت عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللہ عنہ قال : سمعت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذاباً عند اللّٰه يوم القيامة المصورون . (اخرجه البخاری ، رقم: ۵۹۵۰،باب عذاب المصورین یوم القیامة،ومسلم:۲/ ۲۰۱).

وعن عمارة قال : حدثنا أبوزرعة قال: دخلت مع أبي هريرة رضی اللہ عنہ داراً بالمدينة فرأى أعلاها مصوِّراً يصور قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: ومن أظلم ممن

ذهب يخلق كخلقي فليخلقوا حبة وليخلقوا ذرة . (رواه البخاری ، رقم: ۵۹۵۳، باب باب نقض الصور،ومسلم : رقم:۲۱۱۱).

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن أبي طلحة رضی اللہ عنہ قال: قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب ولا تصاوير. (رواه البخاری ، رقم: ۵۹٤۹ باب التصاویرومسلم:۲/۲۰۰،قدیمی).

وعن عبد الله بن عباس رضی اللہ عنہ قال: سمعت محمداً صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من صور صورة فى الدنيا كلف يوم القيامة أن ينفخ فيها الروح وليس بنافخ. (اخرجه البخاری ،رقم: ۵۹٦۳، باب من صور صورة ، ومسلم : ۲۱۱۰).

عن عون بن أبي جحيفة قال: رأيت أبي اشترى حجاماً فأمر بمحاجمه فكسرت فسألته عن ذلک قال: إن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نهى عن ثمن الدم وثمن الكلب وكسب الأمة ولعن الواشمة والمستوشمة وآكل الربا وموكله ولعن المصور. (اخرجه البخاری ،رقم: ۲۲۳۸ ،باب ثمن الكلب،وكذا رقم: ۵۹٦۲،فی باب من لعن المصور).

وعن عبد الرحمن بن القاسم وما بالمدينة يومئذٍ أفضل منه قال: سمعت أبي قال: سمعت عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قدم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من سفر وقد سترت بقرام لي على سهوة لي فيها تماثيل فلما رأه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم هتكه وقال: أشد الناس عذاباً يوم القيامة الذين يضاهون بخلق اللّٰه ...(اخرجه البخاری،رقم: ۵۹۵٤،باب ماوطئ من التصاوير).

وعن جابر رضی اللہ عنہ قال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن الصورة فى البيت ونهى أن يصنع ذلک . (اخرجه الترمذی ،رقم: ۱۷٤۹ ،وقال: حديث حسن صحيح).

وعن أبي وائل عن أبى الهياج الأسدي قال: قال لي علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ ألا أبعثک على ما بعثني عليه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن لاتدع تمثالاً إلا طمسته ولا قبراً مشرفاً إلا سويته . وفي رواية وقال: ولا صورة إلا طمستها. (رواهما مسلم،رقم: ۹٦۹،باب الامر بتسوية القبر). (وايضاً اخرجه النسائی ، رقم : ۲۰۳۱).

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها أن أم سلمة ذكرت لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم

كنيسة رأتها بأرض الحبشة يقال لها مارية فذكرت له مارأت فيها من الصور فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أولئك قوم إذا مات فيهم العبد الصالح أو الرجل الصالح بنوا على قبره مسجداً وصوروا تلك الصور أولئك شرار الخلق عند اللّٰه . (رواه البخاری،رقم: ٤٣٤، باب الصلاة فی البيعة ،ومسلم ،رقم: ٥٢٨).

وعن عبد اللّٰه بن نجى الحضرمى عن أبيه عن علي رضي الله عنه ،في حديث طويل عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أنه ذكر عن جبريل عليه السلام أنه قال: إنها ثلاث لن يلج ملك ما دام فيها أبداً واحد منها كلب أو جنابة أو صورة روح . (اخرجه الامام احمدفی مسنده،رقم: ٦٤٧ ،وقال الشيخ شعيب : اسناده ضعيف).

مذکورہ تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ذی روح کی تصویر بنانا رکھنا استعمال کرنا سب ممنوع اور ناجائز ہے۔علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

قال أصحابنا وغيرهم من العلماء تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم . وهو من الكبائر، لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور فى الأحاديث ، وسواء صنعه بما يمتهن أو بغيره ، فصنعته حرام بكل حال ، لأن فيه مضاهاة لخلق اللّٰه تعالىٰ... وأما اتخاذ المصور فيه صورة حيوان فإن كان معلقاً على حائط أو ثوباً ملبوساً ، أو عمامة ونحو ذلك مما لا يعد ممتهناً ، فهو حرام ، وإن كان في بساط يداس، ومخدة ووسادة ونحوها مما يمتهن ، فليس بحرام ...ولا فرق في هذا كله بين ماله ظل ومالا ظل له ، هذا تلخيص مذهبنا فى المسالة ، وبمعناه قال جماهير العلماء من الصحابة والتابعين ومن بعدهم ، وهو مذهب الثورىؒ ومالكؒ وأبي حنيفةؒ وغيرهم . (الشرح الكامل: ١٤/ ٨١،باب تحريم تصويرصورة الحيوان،ط:بيروت). (وكذا في عمدة القارى:١٥/ ١٢٤، باب عذاب المصورين، وفتح البارى: ١٠/ ٣٨٤، ومرقاة المفاتيح:٨/ ٣٢٦، باب التصاوير، والبحرالرائق: ٢/ ٤٨، ط: رشيديه، وحاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ١/ ٢٧٣، و فتاوى الشامى: ١/ ٦٤٧، سعيد).

علامہ نوویؒ اور دیگر شراح اور فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بے سایہ تصویر کا استعمال مطلقاً ممنوع نہیں ہے مقامِ تعظیم اور اکرام میں مثلاً تصویر کو احترام کے ساتھ لٹکانا، سامنے رکھنا، دیواروں پر لٹکانا، اس طرح

رکھنا کہ تعظیم کا احساس ہوتا ہو، یہ سب ممنوع اور ناجائز ہے، لیکن مقامِ اہانت میں مثلاً: فرش، تکیہ وغیرہ میں ایسی تصویریں ہوں تو مضائقہ نہیں۔

ملاحظہ ہو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها أنه كان لها ثوب فيه تصاوير ممدود إلى سهوة فكان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يصلي إليه فقال: أخِّريه عني قالت: فأخَّرتُه فجعلته وسائد. (رواه مسلم، رقم: ٢١٠٧).

وفي رواية له عنها: قالت: فقطعناه فجعلنامنه وسادة أو وسادتين. (مسلم، رقم: ٢١٠٧).

نوٹ: جو فرش محلِ اہانت میں نہ ہو مثلاً: مصلّیٰ وغیرہ تو اس میں تصویر رکھنا جائز نہیں۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (تصویر کے شرعی احکام، ص۸۴، از مفتی محمد شفیع صاحبؒ)۔

☆ اسی طرح بہت چھوٹی تصویریں رکھنا بھی جائز ہیں، (ہاں بنانا جائز نہیں) جیسے روپے اور انگوٹھی وغیرہ میں، البتہ چھوٹی اور بڑی کی تحدید میں اختلاف ہے، بعض حضرات کے نزدیک بڑی وہ ہے جو بے تکلف پہچان میں آجائے اور بعضوں کے نزدیک وہ جو پرندہ سے کم حجم کی ہو نیز سر کٹی بھی ممنوع نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے: **ولو كانت صغيرة بحيث لا تبدو للناظر إلا بتأمل، لايكره، وإن قطع الرأس فلا بأس به.** (الفتاوى الهندية: ١/١٠٧، تبيين الحقايق: ١/١٦٦).

وفي المحيط البرهاني: وصورة الحيوان إن كانت صغيرة بحيث لا تبدو للناظر من بعيد لايكره اتخاذها والصلاة إليها؛ لأن هذا مما لا يعبد، وقد صح أنه كان على خاتم أبي هريرة رضي الله عنه ذبابتان، وكان خاتم أبي موسى الأشعري كركيان، وكان خاتم دانيال عليه السلام صورة الأسد. (المحيط البرهاني: ٥/١٣٦، كتاب الاستحسان والكراهية، ط: داراحياء التراث العربي).

(وكذا في قاموس الفقه: ٢/٤٧٠، وجواہر الفتاویٰ: ٧/٢٥٨)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

جو تصویریں اس قدر چھوٹی ہوں کہ اگر وہ زمین پر رکھی ہوں اور کوئی متوسط بینائی والا آدمی کھڑا ہو کر دیکھے تو تصویر کے اعضاء کی تفصیل دکھائی نہ دے، ایسی تصویر کا گھر میں رکھنا اور استعمال کرنا جائز ہے، اگرچہ بنانا اس کا بھی ناجائز ہے، ...چھوٹی تصویر کی تعریف میں جو قول ہم نے نقل کیا ہے یہ زیادہ جامع ہے اور تعیین وتحدید اس

طرح سہل ہو جاتی ہے ورنہ اس کے علاوہ چھوٹی کی تحدید میں اور بھی اقوال ہیں۔(تصویر کے شرعی احکام،ص۸۳)۔

(۲) غیر جاندار جیسے درخت اور پھول وغیرہ کی تصویر بالاتفاق جائز ہے ہاں اس شغل میں اتنا مشغول نہیں ہونا چاہئے کہ آدمی اصل مقصد بھول جائے۔ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن سعيد بن أبي الحسن قال: كنت عند ابن عباس رضي الله عنه إذ أتاه رجل فقال: يا ابن عباس إني إنسان إنما معيشتي من صنعة يدي وإني أصنع هذه التصاوير فقال ابن عباس رضي الله عنه: لا أحدثك إلا ما سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: سمعته يقول: من صور صورة فإن الله معذبه حتى ينفخ فيها الروح وليس بنافخ فيها أبداً فربا الرجل ربوة شديدة و اصفر وجهه فقال: ويحك إن أبيت إلا أن تصنع فعليك بهذا الشجر كل شيء ليس فيه روح .

(اخرجه البخاری، رقم: ۲۲۲۵،باب بيع التصاوير التي ليس فيها روح ومايكره من ذلك).

اس حدیث کے تحت علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: **ذكر ما يستفاد منه :...وفيه إباحة تصوير ما لا روح له كالشجر ونحوه وهو قول جمهور الفقهاء وأهل الحديث فإنهم استدلوا على ذلك بقول ابن عباس رضي الله عنه .** (عمدة القاری:۸/۵۴۸، باب بيع التصاوير،دارالحديث، ملتان).

وفي الفتاوى الهندية: ولا يكره تمثال غير ذي الروح كذا في النهاية . (الفتاوى الهندية: ۱/۱۰۷).

(۳) آج کل کے جدید آلات سے جو تصویر لی جاتی ہے اور اس میں صاف کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی بلکہ بٹن دباتے ہی تصویر بن جاتی ہے جیسے سر جھکا کر شیشہ کے سامنے آجاتا ہے اور عکس آجاتا ہے اس کے تصویر ہونے یا نہ ہونے میں علماء عصر کا اختلاف ہے:

ایک جماعت کہتی ہے کہ تصویر کی تعریف یہ ہے: **"تشبيه مصنوع العباد بمخلوق رب العباد"** تو زمانہ حال کی تصویر میں **"تشبيه المصنوع بالمخلوق"** نہیں ہے بلکہ حبس ظل المخلوق ہے لہذا اس پر تصویر کی تعریف صادق نہیں آتی تو اس کا بنانے والا تصویر بنانے والے کی وعید کے زمرے میں نہیں آئیگا۔

مسلم شریف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **"ومن أظلم ممن ذهب يخلق خلقاً كخلقي فليخلقوا ذرة الخ.** (متفق عليه ، رواه البخاری ، رقم: ۵۹۵۳، باب نقض الصور، و مسلم ، رقم: ۲۱۱۱، باب تحريم تصويرصورة الحيوان) ،اس حدیث میں تشبیہ کے

الفاظ موجود ہیں۔اس سلسلہ میں چند الفاظ کی وضاحت ملاحظہ کیجئے:

(۱) صنم: وہ بت جوانسانی شکل پر بنا ہواس کو صنم کہتے ہیں۔کتاب الاصنام میں ہشام ابن الکلبی سے روایت ہے؛ **حدثنا الحسن بن عليل قال: حدثنا على بن الصباح قال: قال لنا أبو المنذر هشام بن محمد: إذا كان معمولاً من خشب أو ذهب أو من فضة صورة إنسان، فهو صنم ، وإذا كان من حجارة فهو وثن** . (كتاب الاصنام ،ص٥٣ ط: دارالكتب المصرية ، القاهرة).

(۲) تمثال: جوکسی انسان وحیوان وغیرہ کے ساتھ مشابہ ہواس کو تمثال کہتے ہیں۔

قال ابن الجوزي في غريب الحديث: تمثال : وهو اسم للشيء المصنوع مشبهاً لصور الحيوانات . (غريب الحديث:٢/ ٣٤١). (و كذا فى عمدة القارى :٩/ ٢٤٢ ،باب هل تكسرالدنان التى فيها الخمر، ط:دارالحديث ، ملتان، وشرح الزرقانى على المؤطا:٤/ ٤٦٨ ،باب ماجاء فى الصور،دارالكتب العلمية).

(۳) وثن: جو پتھر وغیرہ سے بنا ہوا بھاری ہواس کو وثن کہتے ہیں۔(کذافی کتاب الاصنام،کمامر).

(۴) صورت: جوقائم بالغیر ہواس کو صورت کہتے ہیں ہاں کبھی جسم قائم بذاتہ کو بھی کہتے ہیں، ﴿**في أي صورة ما شاء ركبك**﴾. **وينظر** :(التعاريف،ص٤٦٥ ، دارالفكر، ولسان العرب:٤/ ٤٧٣ ،والمغرب:١/ ٤٨٦).

(۵) نصب: جمع انصاب،اس نصب شدہ پتھروں کو کہتے ہیں جس کے پاس غیر اللہ کے لیے نذر شدہ جانور ذبح کرتے تھے۔ **قال فى النهاية : النصب: حجر كانوا ينصبونه فى الجاهلية ويتخذونه صنماً فيعبدونه والجمع : أنصاب وقيل: هوحجر كانوا ينصبونه ويذبحون عليه فيحمر بالدم** . (النهاية فى غريب الاثر:٥/ ١٤٠، المكتبة العلمية، بيروت).

چنانچہ علماءکرام کی یہ جماعت کہتی ہے کہ آلاتِ جدیدہ سے تصویر لینے والے دوقسم کے لوگ ہیں۔ایک وہ جوغلط مقاصد کے لیے یا فضول تصویریں لیتے ہیں ان کا یہ کام ناجائز ہے اس لیے کہ اس تصویر لینے میں دینی ضرر اور فتنہ ہے اور یہ کام مخربِ اخلاق اور بے شمار فتنوں کا دروازہ ہے اس لیے یہ ناجائز ہے۔

دوسری قسم وہ لوگ ہیں جوصحیح مقصد کے لیے یا کسی ضرورت کے لیے تصویر بنواتے ہیں۔

اگر آلاتِ جدیدہ کی تصویر کو ہم حرام تصویر کے اندر داخل کردیں تو امتِ مسلمہ حرجِ عظیم میں مبتلا ہوجائیگی جس سے اولیاءاور علماء سے لیکر ایک ادنی مسلمان تک گناہ سے نہیں بچ سکیں گے،اس کی مثال ملاحظہ فرمائیں تاکہ حرجِ عظیم سمجھ میں آجائے۔

بے شمار علماء صلحاء نفلی حج، دوست و احباب کی ملاقات وعظ ونصیحت کے لیے پاسپورٹ کے ساتھ بیرونی ممالک کا سفر کرتے ہیں پاسپورٹ، ویزا کے لیے فوٹو ضروری ہے، اس لیے فوٹو نکلواتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں مذکورہ بالا سفر مستحب ہے یا مباح اگر جدید آلات کی تصویر کو ہم حرام کہہ دیں تو کیا مباح یا مستحب کے لیے حرام کا ارتکاب جائز ہوسکتا ہے؟ بالکل نہیں اگر بیرونی مستحب سفر کے لیے ڈاڑھی کا منڈوانا ضروری قرار دیا جائے تو کیا جائز ہو جائیگا قطعاً نہیں، اس لیے علماء کی اس جماعت کے نزدیک موجود تصویر جو جدید آلات سے لی جاتی ہے اور آگے اس میں صفائی وغیرہ کا انسانی دخل نہیں ہوتا اس کے نزدیک تصویر نہیں، ہاں اگر کبھی فحاشی اور دینی ضرر پر مشتمل ہو تو پھر نا جائز ہوگی۔

ملاحظہ ہو حضرت مولانا مفتی رفیع صاحب عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

الثالث : حكم الصور الملتقطة بالكاميرا الفوتوغرافية :

وأما الصور الفوتوغرافية التي تسمى " الصور الشمسية " فاختلف في جوازها العلماء المعاصرون .

فأما القائلون بالجواز فعللوه بعلل شتى: فمنهم من علل الجواز بعدم المضاهاة لخلق الله تعالىٰ في هذا النوع من الصور، وعلى رأسهم العلامة الشيخ محمد بخيت مفتي مصر رحمه الله، ونصه ما يلي :

" إذا تقرر هذا فنقول: إن علة حرمة التصوير على ما تقدم هي مضاهاة خلق الله تعالىٰ و ذلک لأن معنى التصوير هو إيجاد الصورة بمعنى أن المصور يحدث صورة حيوان بفعله وصنعه حتى بذلک يكون مضاهياً لخلق الله ويعذب يوم القيامة ويقال: انفخ فيها الروح وليس بنافخ أو يقال لهم: أحيوا ماخلقتم، وحينئذٍ ينظرفيما يفعله بعض الناس في عصرنا من أخذ صور الحيوانات من الأناس وغيرهم بالآلة المسماة " الفوتوغرافية " إن كان فيه معنى التصوير أو ليس فيه معنى التصوير؟ وهل توجد فيه علة التحريم المذكور أو لا توجد؟ (إلى قوله) إذا تقرر هذا وعلمت أن أخذ الصور بالفوتوغرافيا ليس إلا حبس الظل الناشي بخلق الله تعالىٰ من مقابلة الأجسام... وعلمت أن أخذ الصورة على هذا الوجه ليس إيجادالصورة ومعنى التصوير لغة وشرعاً هو إيجاد الصورة وصنعها بعد أن لم تكن ، فلم يكن ذلک

الأخذ تصويراً وليس فيه معنى التصوير و المضاهاة لخلق الله ". (الجواب الشافي في اباحة التصوير الفوتوغرافي، ص۲۲).

ومنهم من قال: إن علة تحريم الصور هي العبادة و التعظيم لها، والصور الشمسية لاتعبد ، وإليه ذهب الشيخ محمد رشيد رضا، صاحب تفسير المنار ، قائلاً : إن المحرم من التصوير هو ما اتخذ للعبادة و التعظيم ، ونصه فيما يلي :

إن المحرم من التصوير هو ما اتخذ للتعظيم ، لأن في الصور المعظمة محاكاة لعبادة الأصنام و العلة تدور مع المعلول وجوداً وعدماً ، وأهل هذا الزمن لايتخذون الصور للعبادة ولا التعظيم وإنما تتخذ الصور الآن في مجالات الطب و العلوم الطبيعية و التاريخ ، وتحقيق الشخصية ". انتهى .

ومنهم من علل جواز التصوير الفوتوغرافي بعدم كونه تصويراً حقيقياً، بل هو عندهم من قبيل العكس الذي يظهر على المرآة أو على الماء أو على سطح صيقل، وإليه ذهب عدد كبير من علماء البلاد العربية ، وعلى رأسهم العلامة الشيخ أحمد الخطيب من علماء مكة المكرمة في القرن الماضي فقد أفتى بجوازه مطلقاً ، والعلامة الشيخ محمد على السايس ، كما نقله الشيخ محمد على الصابوني في كتابه " حكم الإسلام في التصوير " (ص۴۹) **وفي كتابه " آيات الأحكام "** (۲/۴۱۵)**: ونصه ما يلي :**

ولعلك تريد بعد ذلك أن تعرف حكم ما يسمى بالتصوير الشمسي أو (الفوتوغرافي) فنقول: يمكنك أن تقول: إن حكمها حكم الرقم في الثوب وقد علمت استثناء ه نصاً ، ولك أن تقول : إن هذا ليس تصويراً بل حبس للصورة وما مثله إلا كمثل الصورة في المرآة ولايمكنك أن تقول: إن ما في المرآة صورة وأن أحداً صورها ، والذي تصنعه آلة التصوير هو صورة لما في المرآة، غاية الأمر أن مرآة الفوتوغرافية تثبت الظل الذي يقع عليها والمرآة ليس كذلك ثم يقول: وما دام في الشريعة فسحة بإباحة هذه الصور كاستثناء الرقم في الثوب فلا معنى لتحريمها خصوصاً وقد ظهر أن الناس قد يكونون في أشد الحاجة إليها .

ونقل الشيخ محمد بن أحمد علي واصل فی "أحكام التصوير" عن بعض العلماء (ص۳۳٦) :

" إن التصوير الآلي بما في ذلک التصوير الفوتوغرافی شبيه تماماً بالصورة التی تظهر علی المرآة أوعلی الماء أوعلی ای سطح لامع ولايستطيع أحد أن يقول: إن ما يظهر علی المرآة ونحوها حرام ، لكونها صورة، وهكذا صورة الفوتوغرافية، إلا أن مرآة الفوتو غرافية تثبت الظل الذی يقع عليها والمرآة ليس كذلک، وليس هذا فی الحقيقة تصويراً بل أنه إظهار واستدامة لصورة موجودة وحبس لها عن الزوال . (مقالة "التصوير بالكاميرا والفيديو والرسم فی المساجد والمدارس الاسلامية للشيخ المفتی رفيع العثمانی،ص ۵۱،۵۲، ط:المو سسة الاسلامية ،تورنتو).

وينظر : (الجواب الشافی فی اباحة التصوير الفوتوغرافی، للشيخ مفتی الديارالمصرية محمد بخيت المطيعی الحنفی ،ط: المطبعه الخيرية ادارة السيد محمد عمر الخشاب، وتكملة فتح الملهم: ۴/۱٦۲)۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی فرماتے ہیں:

...سلفِ صالحین کے زمانہ سے ایک گروہ ایسی تصویر کی حرمت کا قائل رہا ہے جو سایہ دار ہو یعنی مجسمے ، بے سایہ تصویریں جیسے کاغذی تصویریں ان کے نزدیک جائز ہیں،عینیؒ کا بیان ہے: **وقال قوم: إنما كره من ذلک ما له ظل ولا ظل له فليس به بأس** ،امام نوویؒ نے بھی ایک جماعت علماء سے ایسی تصویروں کا جواز نقل کیا ہے،اوراسی بناپر قاضی عیاض نے صرف سایہ دار تصویر یعنی مجسمہ کی حرمت پر اجماع واتفاق نقل کیا ہے اور اس سے بھی گڑیا کو مستثنیٰ رکھا ہے...

ذی روح کی بڑی بے سایہ تصویروں کے سلسلہ میں فقہاء کے اندر اختلاف ہے،سلفِ صالحین کی ایک جماعت خصوصیت سے فقہائے مالکیہ کا ایک طبقہ اس کے جواز کا قائل ہے جب کہ اکثر فقہاء اس کو اصلاً ناجائز کہتے ہیں۔(حلال وحرام،ص ۲۲٦۔۲۲۹)۔ (وکذافی جدید فقہی مسائل:۱/۳۵۴۔۳۵۹،وقاموس الفقہ : جلدِ دوم،ص۴۷۰)۔

لیکن دوسرے علماءفرماتے ہیں کہ موجودہ جدید آلات کی تصویر شرعی تصویر کے حکم میں ہے بلکہ اس سے زیادہ مضر ہے۔ملاحظہ تکملہ فتح الملہم میں ہے:

ولكن كثيراً من علماء البلاد العربية ، وجلهم أوكلهم فی البلاد الهندية ، قد أفتوا بأنه لا فرق بين الصورة المرسومة والصورة الشمسية فی الحكم ، ولنحک لک أقوال بعض المعاصرين من علماء البلاد العربية :

قال الشيخ مصطفى الحمامى في كتاب" النهضة الإصلاحية " (ص٣٦٤و ٥٦٥): وإني أحب أن تجزم الجزم كله أن التصوير بآلة التصوير (الفوتوغراف) كالتصوير باليد تماماً ، فيحرم على المؤمن تسليطها للتصوير ، ويحرم عليه تمكين مسلطها لالتقاط صورته بها ، لأنه بهذا التمكين يعين على فعل محرم غليظ ، وليس من الصواب فى شيء ما ذهب إليه أحد علماء عصرنا هذا من استباحة التصوير بتلك الآلة بحجة أن التصوير ما كان باليد والتصوير بهذه الآلة لا دخل لليد فلا يكون حراماً ، وهذا عندي أشبه بمن يرسل أسداً مفترساً فيقتل من يقتل أويفتح تياراً كهربائياً يعدم كل من مر به أو يضع سماً في طعام فيهلك كل من يتناول من ذلك الطعام ، فإذا وجه إليه اتهام بالقتل قال: أناْ لم أقتل ، إنما قتل السم والكهرباء والأسد..."

قال الشيخ محمد ناصر الدين الألباني في كتابه آداب الزفاف " وقريب من هذا تفريق بعضهم بين الرسم باليد وبين التصوير الشمسي يزعم أنه ليس من عمل الإنسان ! وليس من عمله فيه إلا إمساك الظل فقط ! كذا زعموا ، أما ذلك الجهد الجبار الذى صرفه المخترع لهذه الآلة حتى استطاع أن يصور في لحظة ما لايستطيعه بدونها فى ساعات ، فليس من عمل الإنسان عند هؤلاء ! ...

و ثمرة التفريق عندهم أنه يجوز تعليق صورة رجل مثلاً فى البيت إذا كانت مصورة بالتصوير الشمسى ، ولا يجوز ذلك إذ كانت مصورة باليد ! ...أما أناْ فلم أره مثلاً إلا جمود بعض أهل الظاهر قديماً ، مثل قول أحدهم في حديث" نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن البول فى الماء الراكد" قال : فالنهي عنه هو البول فى الماء مباشرة أما لو بال في إناء ثم أراقه فى الماء فهذا ليس منهيا عنه ".

وقال الشيخ محمد على الصابوني في رسالته "حكم الإسلام فى التصوير"(ص: ١٥) وفي تفسير آيات الأحكام:" إن التصوير الشمسي لايخرج عن كونه نوعاً من أنواع التصوير فما يخرج بالآلة يسمى صورة والشخص مصوراً ، فهو وإن كان لا يشمله النص الصريح ، لأنه ليس تصويراً باليد ، وليس فيه مضاهاة لخلق الله ، إلا أنه لا يخرج عن كونه ضرباً من

ضروب التصوير، فينبغي أن يقتصر فى الإباحة على حد الضرورة".

آخر میں حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب بطورِ قولِ فیصل لکھتے ہیں:

والواقع أن التفريق بين الصور المرسومة والصور الشمسية لاينبغي على أصل قوي، ومن المقرر شرعاً أن ما كان حراماً أوغير مشروع في أصله لايتغير حكمه بتغير الآلة، فالخمر حرام، سواء خمرت باليد، أو بالماكينات الحديثة، والقتل حرام، سواء باشره المرء بسكين، أوبإطلاق الرصاص، فكذلك الصورة، قد نهى الشارع عن صنعها واقتنائها فلا فرق بينما كانت الصورة قد اتخذت بريشة المصور، أو بالآلات الفوتوغرافية. والله أعلم. (تكملة فتح الملهم:٤/١٦٢-١٦٣).

حضرت مفتی رفیع عثمانی صاحب اپنے مقالہ میں فرماتے ہیں:

ولكن كثيراً من علماء البلاد العربية ،منهم العلامة الشيخ الألباني والشيخ مصطفى الحمامي والشيخ الصابوني والشيخ محمد بن أحمد والواصل وغيرهم، وجل العلماء أو كلهم في بلاد باكستان ،والهند وبنغله ديش، قد أفتوا بأنه لافرق بين الصور المرسومة يدوياً والصور الشمسية الفوتوغرافية في عدم الجواز أى لايجوز، وبه نفتى بجامعة دارالعلوم كراتشي. (مقالة "التصوير بالكاميرا والفيديو والرسم فى المساجد والمدارس الاسلامية للشيخ المفتى رفيع العثمانى، ص:٥٢،ط:الموسسة الاسلامية ،تورنتو).

ہاں مواضعِ ضرورت میں یہ حضرات بھی اجازت دیتے ہیں۔ملاحظہ ہو تکملہ فتح الملہم میں ہے:

هذا هو حكم الصورة فى الأصل، أما اتخاذ الصورة الشمسية للضرورة أو الحاجة كحاجتها في جواز السفر، وفى التاشيرة، وفى البطاقات الشخصية، أو في مواضع يحتاج فيها إلى معرفة هوية المرء، فينبغي أن يكون مرخصاً فيه، فإن الفقهاء استثنوا مواضع الضرورة من الحرمة، قال الإمام محمدؒ فى السير الكبير: و إن تحققت الحاجة له إلى استعمال السلاح الذى فيه تمثال فلا بأس باستعماله" وأعقبه السرخسيؒ فى شرحه (٢/٢٧٨) **بقوله: لأن مواضع الضرورة مستثناة من الحرمة ...الخ.** (تكملة فتح الملهم:٤/١٦٤).

حلال وحرام میں ہے:

(۶) ضرورۃً مثلاً پاسپورٹ، شناختی کارڈ، بس وریلوے پاس، مجرموں کی شناخت کے لیے تصویروں کی حفاظت یا کسی بڑی قومی مصلحت کے تحت تصویر کشی جائز ہوگی کہ دشواریوں کی وجہ سے احکامِ شرع میں سہولت پیدا ہوجاتی ہے: **المشقة تجلب التيسير**. (حلال وحرام،ص ۲۲۹)۔

حضرت مفتی تقی صاحب تقریر ترمذی میں درجِ ذیل الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:

مواضع حاجت میں تصویر کا حکم:

البتہ اس اختلاف سے ایک بات یہ سامنے آتی ہے کہ اس کا جواز اور عدمِ جواز دو وجہ سے مجتہد فیہ معاملہ بن گیا ہے، ایک یہ کہ اس بارے میں امام مالکؒ کا اختلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ کیمرے کی تصویر کے بارے میں علامہ بخیطؒ کا فتویٰ موجود ہے۔ اگرچہ وہ فتویٰ ہمارے نزدیک درست نہیں ہے، لیکن بہر حال ایک جدید شیٔ کے بارے میں ایک متورع عالم کا قول موجود ہے، اس لیے یہ مسئلہ مجتہد فیہ بن گیا۔ اور مجتہد فیہ مسئلہ میں حاجتِ عامہ کے وقت گنجائش پیدا ہوجاتی ہے۔ لہذا جہاں کہیں حاجتِ عامہ ہوگی جیسے پاسپورٹ میں اور شناختی کارڈ میں یا کسی ایسی جگہ میں جہاں انسان کو اپنی شناخت کرانی ہو اور شناخت کے بغیر کام نہ چلتا ہو اور تصویر کے بغیر شناخت نہ ہوسکتی ہو تو ان مواقع پر اس کا استعمال جائز ہوجائیگا، اور مواضع حاجت کے بغیر اس کا استعمال کرنا جائز نہیں۔ اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ (تقریر ترمذی، جلدِ دوم،ص ۳۵۰)۔

مزید ملاحظہ ہو: (حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا رسالہ ''تصویر کے شرعی احکام، ط: ادارۃ المعارف، کراچی، واحسن الفتاویٰ: ۸۹/۹، وج: ۳۰۲/۸، وکتاب الفتاویٰ: ۱۷۰/۶)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دینی پروگرام کو ویڈیو میں محفوظ کرنے کا حکم:

سوال: بعض مقررین جب تقریریں کرتے ہیں تو بعض لوگ ان کی ویڈیو لیتے ہیں اور اس کو انٹرنیٹ پر ڈالتے ہیں تاکہ سب اس تقریر سے استفادہ کرسکیں اور مقرر کے چہرے کو بھی دیکھ سکیں۔ نیز بعض مرتبہ دینی کانفرنس کو بھی محفوظ کر کے اسی وقت یا بعد میں دکھایا جاتا ہے، کیا شریعتِ مطہرہ میں اس کی گنجائش ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ علمائے معاصرین کی آراء مختلف ہیں بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ تصاویر ممنوعہ میں داخل ہیں اگرچہ باہر کاغذ پر پرنٹ نہ کیا گیا ہو، لیکن دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ تصویر کے حکم میں

اس وقت آئیگی جب باہر نکالا جائے یعنی کاغذ پر پرنٹ کیا جائے، اس سے پہلے اس پر تصویر کا اطلاق مشکل معلوم ہوتا ہے یہ فقط حبس الظل، یا حفظ الصورۃ، یا عکس التصویر ہے۔ ہاں کاغذ پر پرنٹ کرنے کے بعد حضرت مفتی رفیع صاحب، مولانا خالد سیف اللہ صاحب اور مفتی تقی صاحب اور دیگر علماء کے نزدیک تصویر ممنوع کے حکم میں ہے۔

پہلے موقف کے دلائل کے لیے سہارنپور کا مفصل فتویٰ اور جامعہ دار العلوم یاسین القرآن کا مفصل فتویٰ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ تطویل کی وجہ سے ان کے حوالہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

البتہ دوسرے موقف کے بارے میں مختصر حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

الرابع : حکم الأشكال الحيوانية الملتقطة بالكاميرا الرقمية(Digital cameras)؛

منـذ مـدة طويلة قد جرى بحث بين العلماء المعاصرين حول المناظر والمشاهد والأشكال (Images) المحفوظة بواسطة النظام الرقمي (Digital system)، وبالكاميرا الرقمية (Digital cameras) في ذاكرة الحاسوب (Computer Memory) أو الأقراص (Floppy Disc)أو الأقراص المدمجة(Compact Disc)

أو أشرطة الفيديو (Video Ribbon/Cassette)، والتي تبدو وتظهر على شاشة هذه الآلات المذكورة بواسطة النظام الرقمي هل لها حكم التصوير المحرم أم لا ؟ لأن المسألة اجتهادية ولم تكن موجودة ولا معروفة في عهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ولا في زمن الصحابةؓ والتابعينؒ ولا في عصر الفقهاء السالفينؒ وإنما اكتشفت مؤخراً فلذا لا يوجد صراحة حكمها فى القرآن الكريم والحديث النبوى الشريف ولا في كلام الفقهاء السابقينؒ بخصوص هذا النوع، نصاً ، لعدم وجودها في زمانهم وإنما تكلم فيه العلماء المعاصرون واختلفوا في حكمها .

فمنهم من أدخلها فى التصوير المحرم إلحاقاً بعموم مسمى التصوير الذي دلت الأدلة الصحيحة على تحريمه .

ومنهم من أخرجها من أن تكون في حكم التصوير المحرم نظراً إلى حقيقتها لأنها ذرات إلكترونية شعائية غير جوهرية بشكل نقط كثيرة لاتحصى وإشارات إشعاعية

(Electronic Signals) تنتقل من الجهاز الرقمي (Digital Device) والكاميرا الرقمية إلى الشاشة والجدران والستائر وتظهر عليها بترتيب المخصوص حيث تحدث بها الأشكال المرئية على الشاشة لكن لا تستقر هذه الأشكال على الشاشة والجدران ونحوها...

وأما الراجح عندنا فهو الجواز لأن ما يبدو على الشاشة من مشاهد ومظاهر تحت النظام الرقمي فهو ليس بصورة حقيقة ولا عكساً ولا ظلاً . أما عدم كون هذا الشكل الذي يبدو على الشاشة ظلاً فهو واضح لأن الظل تابع لصاحبه وهذا الشكل ليس كذلك .

و أما عدم كونه صورة فلأن الصورة بمعناها الحقيقي إنما توجد إذا انتقشت أو ارتسمت أو تشكلت على شيء بصفة القيام والاستقرار أما هذه الأشكال التي تبدو وترى على الشاشة ونحوها ليس لها ثبات واستقرار في شيء بل هي مشتملة على الأجزاء الإشعائية ...إلى قوله...

وأما المناظر والأشكال الحيوانية بالكاميرا الرقمية فإنها ليست صوراً حقيقية فلا يحرم التقاطها ولا استخدامها قبل طبعها (Printing) في الأوراق ونحوها إذا كانت خالية من المنكرات الشرعية نحو الخلاعة والمجون وغيرهما. (مقالة الشيخ المفتي رفيع العثماني ، ۵۲، ۵۵).

مولانا خالد سیف اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

آج کل تصویر کی ایک نئی صورت الکٹرانک تصویریں کی ہے، جو اپنی مکمل صورت میں پہلے سے موجود نہیں تھی بلکہ جب بھی تحریک کی جاتی ہے اس وقت الکٹرانک ذرات حرکت میں آتے ہیں اور ایک نقش کی صورت اختیار کر لیتے ہیں ان میں ثبات اور ٹھہراؤ نہیں ہوتا ہے کیا ایسے نقوش پر تصویر کا اطلاق ہوگا؟ اس سلسلہ میں دو نقاطِ نظر پائے جاتے ہیں ایک یہ کہ یہ بھی تصویر میں شامل ہے، عام طور پر برصغیر کے علماء کا رجحان اسی طرف ہے، دوسرا نقطہ نظر اس کے خلاف ہے کہ یہ نقوش تصویر میں شامل نہیں ہے اس نقطہ نظر کے حاملین میں مولانا نظام الدین اعظمی سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد سالم قاسمی مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند، مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، بانی اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، مفتی محمد تقی عثمانی، مفتی دارالعلوم کراچی اور بہت سے علماء اور عالمِ عرب کے

بیشتر علماء اور اصحابِ نظر شامل ہیں۔

جن حضرات نے ان نقوش کو تصویر مانا ہے ان کی نظر تصویر کے مقاصد پر ہے کہ جیسے تصویروں کا مقصد صورتوں کی شناخت اور اس کی مثال کا پیش کرنا ہوتا ہے یہ مقصد ان ڈیجیٹل نقوش سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جن حضرات نے اسے تصویر نہیں مانا ہے ان کی نگاہ تصویر کی حقیقت پر ہے کہ تصویر ایسے نقوش کو کہتے ہیں جو ثابت اور پائیدار ہوں یہ نقوش چونکہ ناپائیدار ہیں اس لیے یہ عکس کے مماثل ہیں جس میں ٹھہراؤ نہیں ہوتا بہر حال دونوں نقاطِ نظر کے لیے شرعی بنیادیں موجود ہیں اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک مجتہد فیہ مسئلہ ہے۔

.... چونکہ ڈیجیٹل تصویروں کے سلسلہ میں علماء اور اربابِ افتاء کے درمیان اختلاف ہے اور ایک حد تک اس کی گنجائش نکلتی ہے اس لیے ایسے پروگراموں کی سی، ڈی تیار کی جا سکتی ہے جس میں بالغ اور قریب البلوغ لڑکیوں کی ایسی تصویریں نہ ہوں جن میں چہرا یا دوسرے اعضاء نظر آتے ہوں اور یہ بھی ضروری ہے کہ انہیں کاغذ یا کپڑے پر نقش نہ کیا جائے کیونکہ جمہور کے نزدیک تصویر کی یہ صورت ناجائز ہے۔ (مسلمانانِ کناڈا کے بعض مسائل، از مولانا خالد سیف اللہ صاحب، ص۲۷،۳۷، المؤسسۃ الاسلامیۃ، تورنتو)۔

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

تیسری قسم وہ ہے جو ویڈیو کیسٹ کے ذریعہ دکھائی جاتی ہے یعنی ایک تقریر اور اس کی تصاویر کے ذرات کو لے کر ویڈیو کیسٹ میں محفوظ کر لیا، اور پھر ان ذرات کو اسی ترتیب سے چھوڑا تو پھر وہی منظر اور تصویر نظر آنے لگی، میرے نزدیک اس کو بھی تصویر کہنا مشکل ہے اس لیے کہ جو چیز ویڈیو کیسٹ میں محفوظ ہوتی ہے وہ صورت نہیں ہوتی بلکہ وہ برقی ذرات ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر ویڈیو کیسٹ کی ریل کو خوردبین لگا کر بھی دیکھا جائے تو اس میں تصویر نظر نہیں آئے گی اس لیے میرا رجحان اس طرف ہے کہ یہ تصویر کے حکم میں نہیں آتیں، لہٰذا اگر کوئی ایسا صحیح پروگرام پیش کیا جا رہا ہو اور وہ فی نفسہ جائز ہو اور ان دو ذریعوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ پیش کیا جا رہا ہو تو اس کو دیکھنا فی نفسہ جائز ہوگا، **والله سبحانه أعلم إن كان صواباً فمن الله وإن كان خطأ فمني ومن الشيطان**، یہ باتیں اہل علم کے سمجھنے اور کہنے کی تو ہیں لیکن ان باتوں کو زیادہ تشہیر کرنے سے ٹی، وی کے استعمال کی ہمت افزائی لازم آئے گی اس لیے یہ باتیں عوام میں بیان کرنے کی نہیں ہیں، عوام کو تو یہی کہنا چاہئے کہ ٹی وی ناجائز ہے کیونکہ ایسے ٹی وی کا تصور جس میں ناجائز پروگرام نہ ہو موجودہ دور میں ناممکن ہے۔ (تقریر ترمذی، جلد دوم، ص:۳۵۲)۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب تک عریانی اور فحش کاری اور غلط چیزوں کا مظاہرہ نہ کیا جاتا ہو بلکہ حدودِ شریعت کی رعایت کرتے ہوئے محض دینی پروگرام ہوتو اس کا محفوظ کرنا اور دیکھنا جائز اور درست ہے یہ تصویر کے حکم میں نہیں ہے، لیکن فی زماننا عام طور پر ان آلات کے ذریعہ مخربِ اخلاق پروگرام اور برہنہ عورتوں کی یا نیم برہنہ عورتوں کی تصویریں شائع کی جاتی ہیں اور خاص طور پر نوجوان طبقہ اس قسم کے آلات مثلاً ڈیجیٹل کیمرے والے موبائل، انٹرنیٹ وغیرہ کے غلط استعمال میں مبتلا ہے، بنابریں ان تمام آلات سے اجتناب کرنے کی ترغیب دی جائیگی۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

آنکھیں مٹانے سے تصویر کا حکم:

سوال: کس چیز سے تصویر کا حکم لاگو ہوتا ہے؟ یعنی اگر کسی انسان یا حیوان کی آنکھیں مٹادی جائے یا سر کاٹ دیا جائے تب بھی تصویر محرم کے حکم میں ہوکر ممنوع ہوگی؟ بینواتوجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ سرکٹی ہوئی تصویر کا استعمال جائز اور درست ہے یہ تصویر ممنوع کے حکم میں نہیں ہے، ہاں فقط آنکھیں مٹانا کافی نہیں ہے وہ تصویر ممنوع کے حکم میں ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں: وہ ناقص تصویر جس میں سر نہ ہو تصویر کے حکم میں نہیں رہتی بلکہ نقوش اور بیل بوٹوں کے حکم میں ہوجاتی ہے، اور اسی بنا پر اس کے استعمال کی اجازت سب کتبِ مذہب میں عام طور سے مصرح ہے،... لیکن اگر ناقص تصویر میں چہرہ موجود ہو خواہ باقی بدن نہ ہو تو ایسی تصویر کا استعمال اکثر فقہاء کے نزدیک جائز نہیں، مگر بعض حضراتِ حنفیہ اور اکثر مالکیہ اس کے استعمال کو بھی جائز فرماتے ہیں۔ (تصویر کے شرعی احکام، ص۶۷، ۸۶)۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں وارد ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: استأذن جبريل عليه السلام على النبي صلى الله عليه وسلم فقال: ادخل فقال: كيف أدخل وفي بيتك ستر فيه تماثيل خيلاً و رجالاً فإما أن تقطع رؤوسها أو تجعل بساطاً يوطأ فإنا معشر الملائكة لا ندخل بيتاً فيه تصاوير. (رواه النسائي في الكبرى: ۹/ ۲۴۰/ ۹۷۱۲).

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أتاني جبريل، فقال: إني كنت أتيتك البارحة، فلم يمنعني أن أكون دخلت عليك البيت الذي كنت فيه إلا أنه

كان في باب البيت تمثال الرجال وكان فى البيت قرام ستر فيه تمثال وكان فى البيت كلب فمر برأس التمثال الذي بالباب فليقطع فليصير كهيئة الشجرة ...الخ. (رواه الترمذى، رقم: ۲۸۰۶، وقال: هذا حديث حسن صحيح، و احمد فى مسنده ۸۰۴۵، وابوداود، رقم: ۴۱۵۸).

وفي السنن الكبرى للبيهقي : عن ابن عباس ﷺ قال: الصورة الرأس فإذا قطع الرأس فليس بصورة . (السنن الكبرى:۷/ ۲۷۰).

وفي شرح معانى الآثار: عن أبي هريرة ﷺ قال: الصورة الرأس فكل شيء ليس له رأس فليس بصورة . (شرح معانى الآثار:۴/ ۲۸۷).

وقال فى الدر المختار : أو مقطوعة الرأس أو الوجه أو ممحوة عضو لا تعيش بدونه أو لغير ذي روح لا يكره لأنها لا تعبد . قال في فتاوى الشامى: أى سواء كان من الأصل أو كان لها رأس و محى وسواء كان القطع بخيط خيط على جميع الرأس حتى لم يبق له أثر أو يطليه بمغرة أو بنحته أو بغسله لأنها لا تعبد بدون الرأس عادة... وقيد بالرأس لأنه لا اعتبار بإزالة الحاجبين أو العينين لأنها تعبد بدونها وكذا لا اعتبار بقطع اليدين أو الرجلين . (فتاوى الشامى: ۱/ ۶۴۸، سعيد). (وكذا فى المبسوط للإمام السرخسيؒ: ۱/ ۳۸۷، والمحيط البرهانى : ۵/ ۱۳۶، الفصل الرابع من كتاب الاستحسان، وتبيين الحقائق: ۱/ ۱۶۶، وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص ۳۶۲، قديمى).

وقال فى البدائع : فإن كانت مقطوعة الرؤوس فلا بأس بالصلاة فيه لأنها بالقطع خرجت من أن تكون تماثيل والتحقت بالنقوش والدليل عليه ما روي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أهدي إليه ترس فيه تماثيل طير فأصبحوا و قد محى وجهه...الخ . (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۱۵، سعيد).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (تصویر کے شرعی احکام، از مفتی شفیع صاحبؒ، وفقہی مقالات، وحلال وحرام)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اشیائے خوردنی وغیرہ پر تصویری لیبل کا حکم:

سوال: موجودہ دور میں اکثر اشیاء پر تصویری لیبل ہوتے ہیں، مثلاً کھانے پینے کی چیزوں پر یا لباس

پوشاک وغیرہ پر، پانی کے بوٹل پر نیز دیگر اشیاء پر، ان تصاویر کے ہوتے ہوئے خرید وفروخت جائز ہوگی یانہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ان اشیاء میں تصاویر مقصود نہیں ہوتیں اور بہت سی مرتبہ تو بہت چھوٹی تصاویر ہوتی ہیں جو عام طور پر صاف نظر نہیں آتیں بنابریں تبعاً ان کی تجارت جائز اور درست ہے، نیز اسکا استعمال بھی درست ہے، البتہ وہ تصاویر جو مقصود بالذات ہوتی ہیں ان کی تجارت ناجائز ہے۔

ملاحظہ ہو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

بیع وشراء میں اگر تصاویر مقصود نہ ہوں بلکہ دوسری چیزوں کے تابع ہوکر آجائیں جیسے اکثر کپڑوں میں مورتیں لگی ہوتی ہیں یا برتنوں اور دوسری مصنوعاتِ جدیدہ میں اس کا رواج عام ہے، تو اس کی خرید وفروخت تبعاً جائز ہے، **كما يستفاد من بلوغ القصد والمرام معزياً للهيثمي** (بلوغ، ص:۱۸) **ولما هو من القواعد المسلمة من فقه الأحناف أن كثيراً من الأفعال لا يجوز قصداً و يجوز تبعاً كما صرحوا في جواز بيع الحقوق تبعاً للدار و لا اصالة و قصداً.**

لیکن جبکہ خود تصاویر ہی کی بیع وشراء مقصود ہو تو خریدنا اور فروخت کرنا دونوں ناجائز ہیں۔ (تصویر کے شرعی احکام، ص۸۸)۔

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

اگر ڈبہ پر تصویر ہو اور اصل مقصود وہ شئ ہے نہ کہ ڈبہ تو اس بیع میں مضائقہ نہیں ہے اور اگر بالفرض ڈبہ بھی مقصود ہو تو اس پر جو تصویر ہے وہ مقصود نہیں ہے، اس لیے اس کی بیع میں مضائقہ نہیں ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص۵۲۱)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دار العلوم زکریا، جلدِ پنجم، ص۸۴۔۸۶)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

چھوٹی تصاویر بنانے کا حکم:

سوال: کیا میرے لیے درجِ ذیل کپڑے اور پردے بنانا جائز ہے یانہیں؟

(۱) ایسے کپڑے جن پر جانوروں کی تصاویر بنی ہوئی ہو۔

(۲) ایسے کپڑے جن پر انسانوں کی تصویریں ہوں۔

(۳) ایسے کپڑے جن پر دنیا کے مشہور لوگوں کی تصویریں ہوں۔

(۴) ایسے کپڑے جن پر ایسے لوگوں کی تصویریں ہوتی ہیں جو موسیقی کا آلہ بجا رہے ہیں اور ناچ رہے

ہیں۔(۵) ایسے کپڑے جن پر تماثیل ہیں اور بعض تصویریں برہنہ لوگوں کی ہیں۔
میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کو بڑی مقدار میں ہول سیل میں بیچتا ہوں، کیا یہ جائز ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ آپ کے لیے ایسی تصوریں بنانا اور تصویروں والے کپڑوں کو فروخت کرنا ناجائز ہے کیونکہ ان کپڑوں میں تصاویر بالذات مقصود ہیں۔ہاں کپڑوں میں بطور لیبل جو تصاویر ہوتی ہیں تبعاً اس کی تجارت جائز ہے لیکن پھر بھی چھوٹی تصویر کا بنانا تو بالکل ناجائز ہے۔البتہ غیر ذی روح والی تصاویر بنانے اور بیچنے کی اجازت ہے۔ملاحظہ کیجئے حدیث شریف میں ہے:

عن سعيد بن أبي الحسن قال: كنت عند ابن عباس رضي الله عنه إذ أتاه رجل فقال: يا ابن عباس إني إنسان إنما معيشتي من صنعة يدي وإني أصنع هذه التصاوير فقال ابن عباس رضي الله عنه: لا أحدثك إلا ما سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: سمعته يقول: من صور صورة فإن الله معذبه حتى ينفخ فيها الروح وليس بنافخ فيها أبداً فربا الرجل ربوة شديدة واصفر وجهه فقال: ويحك إن أبيت إلا أن تصنع فعليك بهذا الشجر كل شيء ليس فيه روح .

(أخرجه البخاري، رقم: ۲۲۲۵، باب بيع التصاوير التي ليس فيها روح وما يكره من ذلك).

تصویر کشی سے متعلق مزید دلائل ماقبل میں گزر چکے ہیں وہاں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔
حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

بیع وشراء میں اگر تصاویر مقصود نہ ہوں بلکہ دوسری چیزوں کے تابع ہو کر آجائیں جیسے اکثر کپڑوں میں مورتیں لگی ہوتی ہیں یا برتنوں اور دوسری مصنوعاتِ جدیدہ میں اس کا رواج عام ہے، تو اس کی خرید وفروخت تبعاً جائز ہے، **كما يستفاد من بلوغ القصد والمرام معزياً للهيثمي** (بلوغ، ص:۱۸) **ولما هو من القواعد المسلمة من فقه الأحناف أن كثيراً من الأفعال لا يجوز قصداً ويجوز تبعاً كما صرحوا في جواز بيع الحقوق تبعاً للدار ولا اصالة وقصداً .**

لیکن جبکہ خود تصاویر ہی کی بیع وشراء مقصود ہو تو خریدنا اور فروخت کرنا دونوں ناجائز ہیں۔(تصویر کے شرعی احکام، ص۸۸)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دار العلوم زکریا، جلدِ پنجم، ص۸۴۔۸۶)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تصویر والی کتابوں کے استعمال کا حکم:

سوال: اسکولوں اور مدارس میں تصویر والی کتابوں کا کیا حکم ہے؟ جب کہ کسی چیز کا سمجھنا اس سے آسان ہو جاتا ہے۔ تو کیا اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ تصویر بنانا ناجائز ہے البتہ اس کے استعمال میں کچھ تفصیل ہے کہ محل احترام اور تعظیم میں ناجائز ہے اور محل اہانت میں جائز ہے اور کتابوں میں ہونا محل احترام ہے بنابریں بلاضرورت اس کے استعمال سے بچنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

تصویر کے گھر میں رکھنے اور استعمال کرنے میں کسی قدر تفصیل ہے،... جو تصویریں اس قدر چھوٹی ہوں کہ اگر وہ زمین پر رکھی ہوں اور کوئی متوسط بینائی والا آدمی کھڑا ہو کر دیکھے تو تصویر کے اعضاء کی تفصیل دکھائی نہ دے، ایسی تصویر کا گھر میں رکھنا اور استعمال کرنا جائز ہے، اگرچہ بنانا اس کا بھی ناجائز ہے،... جو تصاویر کسی ایسی چیز یا ایسی جگہ میں بنی ہوئی ہوں کہ عادۃً پامال اور ذلیل وحقیر سمجھی جاتی ہیں، مثلاً: پامال فرش یا بسترہ میں یا بیٹھنے کے گدے تکیے وکرسی وغیرہ میں یا جوتے کے تلے میں یا برتنوں کے نیچے تلی میں ہو تو ان کا گھر میں رکھنا اور استعمال کرنا جائز ہے، اگرچہ بنانا اس کا بھی ناجائز ہے... لیکن جو فرش محل اہانت میں نہ ہو مثلاً: مصلیٰ وغیرہ تو اس میں تصویر رکھنا جائز نہیں... اسی طرح اگر مصوّر تکیے بڑے بڑے ہوں جن پر بنی ہوئی تصویر کھڑی نظر آئے تو ان کا استعمال بھی ناجائز ہے....

مسئلہ: برتنوں میں جو تصویریں تلے کے سوا کسی جگہ ہوں وہ پامال وممتہن کے حکم میں نہیں، اس لیے اگر وہ بڑی تصویریں ہوں تو ان برتنوں کا استعمال بھی جائز نہیں، **لما في بلوغ القصد والمرام: الصور في الأواني ليست بممتهنة** . (ص ۱۷-۱۸)۔ (تصویر کے شرعی احکام، از مفتی محمد شفیع صاحبؒ، ص ۸۳-۸۵)۔

خلاصہ یہ ہے کہ کتابوں کی تصویریں مقصود ہوتی ہیں اور واضح ہوتی ہیں لہذا ایسی کتابوں کے استعمال کرنے سے حتی الامکان بچنا چاہئے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

انٹرنیٹ پر تعلیمی ویڈیو دیکھنے کا حکم:

سوال: میں ایک یونیورسٹی کا طالبِ علم ہوں کبھی درسگاہ میں کوئی موضوع سمجھ میں نہیں آتا مثلاً علمِ

طب کا موضوع تو میں وہ درس انٹرنیٹ یوٹیوب (youtube) پر ایک جگہ جہاں مختلف ویڈیو ہوتے ہیں بآسانی دستیاب ہوتے ہیں، اس پر سے میں اپنے درس سے متعلق تلاش کر کے سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں، میرا سوال یہ ہے کہ کیا میرے لیے یوٹیوب کا استعمال ان دروس کے لیے جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ویڈیو اور ٹی وی پر جو تصویریں آتی ہیں ان میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء ان کو عکس سمجھتے ہیں اس لیے بے حیائی کی تصویروں سے بچتے ہوئے اپنی ضرورت کی چیزوں کے دیکھنے کی گنجائش ہے۔

اس مسئلہ کے حوالہ جات ماقبل میں گزر چکے ہیں وہاں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فیس بک کے استعمال کا حکم:

سوال: فیس بک استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس میں مندرجہ ذیل چیزیں ہوتی ہیں:

☆ مرد و عورت کا آپس میں بات چیت کرنا۔

☆ ہر قسم کی تصویریں ہوتی ہیں۔

☆ اس میں ویڈیو اور موسیقی بھی ہوتی ہے۔

☆ بعض مقامات میں لوگ جمع ہو کر اسلام کے بارے میں بحث و مباحثہ کرتے ہیں کہ کیا اسلام قبول کرنے کے لائق ہے؟

ان تمام خرابیوں کے ساتھ ۲۰۱۰ء میں اس میں ایک صفحہ بنایا تھا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بنانے کی لوگوں کو دعوت دی گئی تھی (نعوذ باللہ) جس کی وجہ سے پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک نے اس کو ممنوع قرار دیا تھا اور اس کی وجہ سے فیس بک والوں نے اس صفحہ کو نکالدیا۔ بینوا توجروا۔

الجواب: فیس بک کے استعمال کے مختلف طریقے ہیں:

(۱) فیس بک بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت استعمال کرے مثلاً مجرموں کی شناخت اور دیگر مواقع ضرورت میں استعمال کرے تو اس کی گنجائش ہے۔ جبکہ ممنوعات سے پرہیز کرے۔ مثلاً موسیقی اور غیر محرم کی تصویریں وغیرہ کے دیکھنے سے اجتناب ضروری ہے۔

(۲) دوسرا یہ کہ ناجائز تعلقات کے لیے استعمال کیا جائے یا ناجائز تعلقات کا خطرہ ہو یا کسی غیر محرم کی تصویر سے لذت حاصل کرنے کے لیے ہو اس طرح کا استعمال ممنوع اور ناجائز ہے اور اس سے بچنا ضروری ہے

غلط تعلقات کا خدشہ ہو پھر بھی ممنوع ہے کیونکہ حدیث شریف کا مضمون ہے کہ جو سرکاری چراگاہ کے اردگرد اپنے مویشیوں کو چرائیگا تو قوی امکان ہے کہ جانور سرکاری چراگاہ میں داخل ہوجائیں اور جرمانہ لگ جائے یا مویشی ضبط ہوجائیں۔ نیز جو کام ناجائز مقصد کا وسیلہ بنتا ہو تو اس سے بچنا ضروری ہوتا ہے۔

جبکہ فیس بک موسیقی اور ہر قسم کی تصویریں اور اسلام کے بارے میں بحث ومباحثہ واعتراضات وغیرہ چیزوں پر مشتمل ہے تو اس کے استعمال سے اجتناب کرنا ضروری ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بنانے کی جسارت کرنے سے فیس بک والوں کی نیت کا پتہ بھی چل گیا کہ وہ اسلامی عقائد اور اسلامی نظریات کو ملیامٹ کرنا چاہتے ہیں۔

(۳) تیسرا یہ کہ اس کو ممنوع اور ناجائز کام کے لیے استعمال نہیں کرتا اور ممنوع کا وسیلہ بھی نہیں بنتا جیسے کوئی شخص اپنی لڑکی، بہن یا والدہ کا چہرا فیس بک میں دیکھے یا دوست آپس میں ایک دوسرے کا چہرا دیکھے اور بے ریش لڑکے نہ ہوں تو اس صورت میں اس کا استعمال ناجائز تو نہیں ہوگا۔ البتہ اس کا استعمال مناسب نہیں کیونکہ عادت پڑنے پر حدود سے تجاوز کرنے کا کافی حد تک امکان موجود ہے۔

یہ اس فیس بک کا حکم ہے جس میں موسیقی اور تصویر ہو اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو پھر اس کا استعمال درست ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ویڈیو کال موبائل کا حکم:

سوال: فیس تایم (face time) ویڈیو کال (video call) کا ایک پروگرام ہے جس کے ذریعہ سے آدمی ایک دوسرے کو بالمشافہہ دیکھ بات کرسکتا ہے، تو اس قسم کا پروگرام استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح اسکائپ (skype) وغیرہ ویڈیو کال پروگرام کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ویڈیو کال ممنوعاتِ شرعیہ سے خالی ہو مثلاً غیر محرم کو دیکھنا، سامنے والے کا بے ستری میں ہونا وغیرہ، تو فی نفسہ اس کا استعمال جائز ہے، کیونکہ اسکرین پر جو تصویر نظر آتی ہے وہ اصل صورت کا عکس ہے تصویر نہیں ہے۔ لیکن آج کل یہ پروگرام زیادہ تر فضولیات اور ممنوعات پر مشتمل ہوتا ہے اس لیے اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

تقریر ترمذی میں حضرت مفتی تقی صاحب فرماتے ہیں:

وجہ اس کی یہ ہے کہ تصویر وہ ہوتی ہے جس کو کسی چیز پر علی صفة الدوام ثابت اور مستقر کردیا جائے، لہذا

اگر وہ تصویر علی صفة الدوام کسی چیز پر ثابت اور مستقر نہیں ہے تو پھر وہ تصویر نہیں ہے، بلکہ وہ عکس ہے، لہٰذا براہِ راست دکھائی جانے والی تصویر عکس ہے، تصویر نہیں ہے، مثلاً کوئی شخص یہاں سے دو میل دور ہے اور اس کے پاس ایک شیشہ ہے اس شیشہ کے ذریعہ وہ یہاں کا منظر دیکھ رہا ہے، ظاہر ہے کہ وہ شخص دو میل دور بیٹھ کر شیشہ میں یہاں کا عکس دیکھ رہا ہے وہ تصویر نہیں دیکھ رہا ہے اس لیے کہ یہ عکس کسی جگہ پر ثابت اور مستقر علی صفة الدوام نہیں ہے، بالکل اسی طرح براہِ راست ٹیلی کاسٹ کرنے کی صورت میں برقی ذرات کے ذریعہ انسان کی صورت کے ذرات منتقل کیے جاتے ہیں پھر ان کو اسکرین کے ذریعہ دکھایا جاتا ہے، لہٰذا یہ تصویر عکس سے زیادہ قریب ہے، تصویر کے مقابلہ میں۔ (تقریر ترمذی، جلدِ دوم، ص ۳۵۱)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دندان سازی کے لیے تصویر کا حکم:

سوال: کیا دندان سازی کے لیے ڈیجیٹل امیج استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کمپوٹرڈ یجیٹل امیج (Computer digital image) یہ ہے کہ مریض کے دانتوں کی تصویر لی جاتی ہے اور ڈاکٹر مختلف طریقہ علاج سے تجربہ کرتا ہے کہ مریض کو کتنا مفید ہوگا اور مریض بھی دیکھ سکتا ہے کہ علاج کا یہ فائدہ ہے اور قبل از علاج اور بعد از علاج کیا شکل رہے گی، کیا اس کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ڈیجیٹل کیمرے کی تصویر کے بارے میں علمائے کرام کا اختلاف پہلے گزر چکا ہے اور دلائل بھی مذکور ہوئے البتہ جو حضرات عدمِ جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک بھی ضرورت اور حاجت کی وجہ سے جائز ہے۔ ملاحظہ ہو تکملہ فتح الملہم میں ہے:

هذا هو حكم الصورة في الأصل ، أما اتخاذ الصورة الشمسية للضرورة أو الحاجة كحاجتها في جواز السفر، وفي التاشيرة ، وفي البطاقات الشخصية ، أو في مواضع يحتاج فيها إلى معرفة هوية المرء ، فينبغي أن يكون مرخصاً فيه ، فإن الفقهاء استثنوا مواضع الضرورة من الحرمة ، قال الإمام محمد رحمه الله في السير الكبير : و إن تحققت الحاجة له إلى استعمال السلاح الذي فيه تمثال فلا بأس باستعماله " وأعقبه السرخسي رحمه الله في شرحه (٢٧٨/٢) بقوله : لأن مواضع الضرورة مستثناة من الحرمة ... الخ. (تكملة فتح الملهم:٤/١٦٤).

حلال وحرام میں ہے:

(۶) ضرورۃً مثلاً پاسپورٹ، شناختی کارڈ، بس وریلوے پاس، مجرموں کی شناخت کے لیے تصویروں کی حفاظت یا کسی بڑی قومی مصلحت کے تحت تصویر کشی جائز ہوگی کہ دشواریوں کی وجہ سے احکامِ شرع میں سہولت پیدا ہوجاتی ہے: **المشقة تجلب التيسير**. (حلال وحرام، ص۲۲۹)۔ (وکذا فی جدید فقہی مسائل: ۱/ ۳۵۸)۔

حضرت مفتی تقی صاحب تقریر ترمذی میں درجِ ذیل الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:

مواضع حاجت میں تصویر کا حکم:

البتہ اس اختلاف سے ایک بات یہ سامنے آتی ہے کہ اس کا جواز اور عدمِ جواز دو وجہ سے مجتہد فیہ معاملہ بن گیا ہے، ایک یہ کہ اس بارے میں امام مالکؒ کا اختلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ کیمرے کی تصویر کے بارے میں علامہ بخیتؒ کا فتویٰ موجود ہے۔ اگرچہ وہ فتویٰ ہمارے نزدیک درست نہیں ہے، لیکن بہرحال ایک جدید شئی کے بارے میں ایک متورع عالم کا قول موجود ہے، اس لیے یہ مسئلہ مجتہد فیہ بن گیا۔ اور مجتہد فیہ مسئلہ میں حاجتِ عامہ کے وقت گنجائش پیدا ہوجاتی ہے۔ لہذا جہاں کہیں حاجتِ عامہ ہوگی جیسے پاسپورٹ میں اور شناختی کارڈ میں یا کسی ایسی جگہ میں جہاں انسان کو اپنی شناخت کرانی ہو اور شناخت کے بغیر کام نہ چلتا ہو اور تصویر کے بغیر شناخت نہ ہوسکتی ہو تو ان مواقع پر اس کا استعمال جائز ہوجائیگا، اور مواضع حاجت کے بغیر اس کا استعمال کرنا جائز نہیں۔ اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ (تقریر ترمذی، جلدِ دوم، ص۳۵۰)۔

خلاصہ یہ ہے دندان سازی کے لیے تصویر لینا جائز ہے ہاں اشتہار کے لیے چہرے کی تصویر نا جائز ہے فقط دانتوں کی تصویر جائز ہے۔ بعض اطباء حضرات نے بتلایا کہ اگر تصویر نہ لی جائے تو کبھی کبھی مریض ڈاکٹر کے خلاف مقدمہ دائر کرلیتا ہے کہ اس نے میرا علاج صحیح طور پر نہیں کیا۔ نیز بعض ڈاکٹر کے اختیار کردہ طریقہ علاج کی افادیت بیان کرنے کے لیے اس تصویر کو علمِ طب کے طلبہ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، اگر ایسا ہے تو اس ضرورت کی وجہ سے فوٹو لینے کی گنجائش ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بچیوں کے مصوّر کھلونے کا حکم:

سوال: بچیاں جن کھلونوں کے ساتھ کھیلتی ہیں وہ مورتی کی شکل میں ہو تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کھلونے کی کیا حقیقت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مصور کھلونے سے کھیلنا اور گھر میں رکھنا جبکہ صورت بالکل واضح نظر آرہی ہو جائز اور درست

نہیں ہے احادیث میں تصویر گھر میں رکھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے، لیکن وہ کھلونے جو کپڑے سے بنائے جائیں ان میں چہرا صاف نظر نہیں آتا، لہذا ایسے کھلونے سے کھیلنے کی اجازت ہے۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

بچوں کی گڑیاں اور چھوٹے کھلونے اگر مصور ہوں تو ان کی خرید وفروخت اور بچوں کا کھیلنا ان سے جائز ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واقعہ مذکورہ حدیث نمبر ۲۴ سے ثابت ہو چکا ہے، اس میں فقہاء کے اختلاف کی تفصیل اوپر آ چکی ہے، حنفیہ کی روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹے بچوں کے لیے اس کی اجازت دی گئی ہے عام نہیں، اور اکثر حضرات کے نزدیک ان کا بھی عدمِ جواز ہی راجح ہے۔

في متفرقات البيوع من الدر المختار في آخر حظر المجتبى عن أبي يوسف يجوز بيع اللعبة وأن يلعب بها الصبيان انتهى، قال الشامي: ونسبته إلى أبي يوسف لا تدل على أن الإمام يخالفه لاحتمال أن لا يكون في المسئلة قول. (فتاوى الشامي:٥/٢٢٦،ط:سعيد، ومثله في مكروهات الصلاة ج: ١/ ٦٥٠،سعيد).

...امام نوویؒ نے شرح مسلم میں حضرت عائشہؓ کی حدیث کی تشریح میں لکھا ہے:

المراد هذه اللعب المسماة بالبنات التي تلعب بها الجوارى الصغار ومعناه التنبيه على صغر سنها قال القاضي: وفيه جواز اتخاذ اللعب وإباحة لعب الجواري بهن وقد جاء أنه عليه الصلاة والسلام رأى ذلك ولم ينكره، قالوا: و سببه تدريبهن لتربية الأولاد و إصلاح شأنهن و بيوتهن. (شرح صحيح مسلم:٩/٢٠٨،باب جوازتزويج الاب البكر الصغيرة، ط: بيروت).

مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے:

و يحتمل أن يكون مخصوصاً من أحاديث النهي من اتخاذ الصور لما ذكر من المصلحة و يحتمل أن يكون قضية عائشةؓ في أول الهجرة قبل تحريم الصور.

(المرقاة:٦/٢٠٦، ملتان).

ان نقول کے بعد حضرت مفتی شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ لڑکیوں کی گڑیوں کے معاملہ میں فقہاء کے چار اقوال ہیں؛ ایک یہ کہ وہ بھی عام تصاویر کی طرح حرام ہیں، اور صدیقہ عائشہؓ کی روایت تصاویر کی حرمت سے پہلے زمانہ کے متعلق ہے، جو بعد میں منسوخ

ہوگئی، زیادہ تر محدثین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

اور ایک قول اس کے مقابل قاضی عیاضؒ کا ہے کہ اسی حدیث کی رو سے بچوں کی گڑیاں حرمتِ تصویر سے مستثنیٰ کر دی گئی ہیں، وہ جائز ہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ نابالغ بچیوں کے لیے اجازت ہے، عام اجازت نہیں ہے، حنفیہ کا مسلک مذکورہ عبارتِ درمختار سے یہی معلوم ہوتا ہے، یہ حضرت صدیقہ عائشہؓ کے اس قصہ کو بلوغ سے پہلے کا قصہ قرار دیتے ہیں کیونکہ صدیقہ عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں چھ، سات سال کی عمر میں آئی ہیں، جو وقت بلوغ کا نہیں تھا اسی زمانہ میں یہ واقعہ ہوسکتا ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ صدیقہ عائشہؓ کی روایت میں جن گڑیوں کا ذکر ہے وہ مکمل تصاویر تھی ہی نہیں، اس لیے حرمتِ تصاویر کی روایات سے اس کا کوئی تعارض نہیں، لیکن پہلے اور تیسرے قول پر ابوداود کی روایت جو ابومسلم کے طریق سے منقول ہے اس میں اس واقعہ کی تاریخ غزوۂ خیبر یا غزوۂ تبوک سے واپسی بتلائی ہے جو ۷ھ یا ۹ھ میں ہیں، اس وقت تک تصاویر کی حرمت کے احکام نہ ہونا یا حضرت صدیقہ عائشہؓ کا نابالغ ہونا دونوں چیزیں نہایت بعید ہیں۔

لیکن آگے چل کر یہ ثابت کیا ہے کہ غزوۂ خیبر یا تبوک کا ذکر صحیحین اور مسند احمد وغیرہ کی روایت میں نہیں صرف ابوداود کے ایک طریق میں ہے تو بظاہر کسی راوی کو مغالطہ پیش آیا ہے۔ پھر آگے فرماتے ہیں...

ان سب قرائن قویہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ صدیقہ عائشہؓ کی گڑیوں کا واقعہ بالکل ابتداءِ ہجرت کے زمانہ میں پیش آیا جبکہ تصاویر کی حرمت کے احکام نہ تھے، نیز حضرت صدیقہؓ صغیرۃ السن لڑکی تھیں اس لیے جن حضرات نے اس حدیث کو احادیثِ حرمت سے منسوخ قرار دیا، یا جنہوں نے اس کو صرف نابالغ لڑکیوں کی خصوصیت قرار دیا، ان کے کلام کی گنجائش بلاشبہ موجود ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (تصویر کے شرعی احکام، از ص:۵۱۔تا۵۵و۸۵)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

موسیقی کو حلال سمجھنے والے پر کفر کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص موسیقی کو حلال سمجھے تو اس پر کفر کا حکم لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ماقبل میں تفصیلی دلائل سے واضح ہوا کہ موسیقی حرام اور ناجائز ہے، چنانچہ حرام کو حلال سمجھنے

والا بدترین فاسق ہے البتہ اس پر کفر کا حکم لگانا مشکل ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وفي جامع الفصولين روى الطحاوي من أصحابنا : لا يخرج الرجل من الإيمان إلا جحود ما أدخله فيه ثم ماتيقن أنه ردة يحكم بها وما يشك أنه ردة لا يحكم بها إذ الإسلام الثابت لا يزول بالشك مع أن الإسلام يعلو و ينبغي للعالم إذا رفع إليه هذا أن لا يبادر بتكفير أهل الإسلام مع أنه يقضي بصحة إسلام المكره... وفي الفتاوى الصغرى: الكفر شيء عظيم فلا أجعل المؤمن كافراً متى وجدت رواية أنه لا يكفر، وفي الخلاصة وغيرها : إذا كان في المسئلة وجوه توجب التكفير و وجه واحد يمنعه فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسيناً للظن بالمسلم . وزاد في البزازية : إلا إذا صرح بإرادة موجب الكفر فلا ينفعه التأويل. (فتاوى الشامي : ٤/ ٢٢٣،مطلب مايشك انه ردة لايحكم بها، سعيد).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

راگ باجوں، ساز وموسیقی اور مروج قسم کی قوالیوں کا سننا شریعت کی رو سے حرام ہے، ان منکرات کو جائز کہنا الحاد و بے دینی کے سوا کچھ نہیں، انھیں جائز ثابت کرنے کی نامبارک کوششیں درحقیقت الحاد ہے۔(احسن الفتاویٰ:۸/۳۹۳)۔

جواہر الفقہ میں ہے:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح کفر وارتداد کی ایک قسم تبدیل مذہب اسی طرح دوسری قسم یہ بھی ہے کہ ضروریاتِ دین اور قطعیاتِ اسلام میں سے کسی چیز کا انکار کردیا جائے یا ضروریاتِ دین میں کوئی ایسی تاویل کی جائے جس سے ان کے معروف معانی کے خلاف معنی پیدا ہوجائیں اور غرض معروف بدل جائے اور ارتداد کی اس قسمِ دوم کا نام قرآن کی اصطلاح میں الحاد ہے۔(جواہر الفقہ :۱/۲۸)۔

البتہ بعض فقہاء نے استحلال کو کفر کہا ہے۔چنانچہ شرح منظومہ ابن وہبان میں ابن وہبان کے اس شعر

ومن يستحل الرقص قالوا بكفره ☆ و سيما إذا بالدف يلهو و يزمر.

کے تحت تفصیل مرقوم ہے۔

شعر کا مطلب یہ ہے کہ گانا بجانا اور رباب بجانا اور رقص سب حرام ہیں اور اس کے مستحل کو کافر کہا۔(شرح

منظومة ابن وهبان: ۱/۲۱٤، فصل من كتاب السير، ط:الوقف المدنی ،دیوبند، و فتاوی البزازية بهامش الهندية: ٦/٣٤٩، فی المتفرقات).

البتہ علامہ شامیؒ نے بحوالہ التمہید فسق کو نقل کیا ہے۔عبارت ملاحظہ کیجئے:

قال فی فتاوی الشامی: ورأيت فتوى شيخ الإسلام سيد جلال الملة والدين الكيلاني أن مستحل هذا الرقص كافر، وتمامه في شرح الوهبانية . ونقل في نور العين عن التمهيد : أنه فاسق لا كافر . (فتاوی الشامی : ٤/٢٥٩، سعيد).

فتاویٰ عزیزی میں مرقوم ہے:

اور مضرات میں لکھا ہے: **من أباح الغناء يكون فاسقاً** . یعنی جس نے مباح کہا غنا کو یعنی راگ کو وہ فاسق ہے۔(فتاویٰ عزیزی،ص ۲۱۷،سعید)۔واللہ ﷻ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ومن یعظم شعائر اللّٰہ فإنہا من تقوی القلوب﴾ [الحج].

وقال تعالیٰ: ﴿إنہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون، لایمسہ إلا المطہرون﴾ [الواقعة].

باب......﴿۹﴾

ما یتعلق بالقرآن الکریم والذکر والتلاوة والأشیاء المقدسة

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: عرضت علي أجور أمتي حتی القذاة یخرجہا الرجل من المسجد، وعرضت علي ذنوب أمتي، فلم أر ذنباً أعظم من سورة من القرآن أو آیة أوتیتہا رجل ثم نسیہا.

(رواہ ابوداود، والترمذی).

فصل اول

قرآن کریم سے متعلق احکام کا بیان

قرآنِ کریم کو بلا وضو چھونے سے متعلق احادیث کی تحقیق:

سوال: بعض حضرات کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم کو وضو کے ساتھ مس کرنے کی روایات ضعیف ہیں، کیا یہ بات درست ہے؟ اور قرآنِ کریم کو بلا وضو چھونے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قرآنِ کریم کو بلا وضو چھونا جائز نہیں ہے، اور اس بارے میں چند صحابہ کرام سے مرفوعاً روایت مروی ہے بعض کے طرق حسن اور بعض کے ضعیف ہیں، نیز آثارِ صحابہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور قرآنِ کریم کی آیتِ کریمہ ﴿لا یمسه إلا المطهرون﴾ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ پاک لوگ قرآنِ کریم کو چھوتے ہیں، یعنی پاک لوگوں کو قرآنِ کریم چھونا چاہئے۔ روایت کی تخریج حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

حديث: " لا يمس القرآن إلا طاهر" روي عن: (١) ابن عمر رضي الله عنه (٢) حكيم بن حزام رضي الله عنه (٣) ثوبان رضي الله عنه (٤) عمرو بن حزم رضي الله عنه (٥) و عثمان بن أبي العاص رضي الله عنه

(١) أما حديث ابن عمر رضي الله عنه: أخرجه الطبراني في الكبير (١٣٢١٧) **والصغير** (١١٦٢) **عن ابن جريج عن سليمان بن موسى سمعت سالم بن عبد الله بن عمر يحدث عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " لايمس القرآن إلا طاهر" لم يروه عن سليمان بن موسى إلا ابن جريج ولا عنه إلا أبو عاصم تفرد به سعيد بن محمد.**

وقال الهيثمي في المجمع (١/٢٧٦): **رجاله موثقون. وأخرجه البيهقي في سننه الكبرى** (٤١٧). **والدارقطني** (١/١٢١، باب في نهي المحدث عن مس المصحف).

قلت: فيه سليمان بن موسى، قال البخاري: عنده مناكير، وقال النسائي: أحد الفقهاء وليس بالقوى فى الحديث . (تهذيب الكمال: ۱۲/۹۷). **وقال الدكتوربشارعواد: بل: فقيه، صدوق، حسن الحديث**. (تحريرتقريب التهذيب:۲/۷۹).

قال ابن الملقن: رواه الدارقطني في سننه عن الحسين بن إسماعيل المحاملى، ثنا سعيد بن محمد بن ثواب، نا أبوعاصم هو النبيل أنا ابن جريج، عن سليمان بن موسى قال: سمعت سالماً يحدث عن أبيه ...فذكره .

قال الجوزقاني في كتابه: هذا حديث حسن مشهور...قلت: وحديثه صححه الدارقطني في موضع كما ستعلمه، وقال ابن عبد الحق في كتابه الذي وضعه فى الرد على ابى محمد بن حزم، عقب قوله: إن الآثار التي احتج بها من لم يجز للجنب من المصحف لايصح منها شيء ؛ لأنها إما مرسلة وإما ضعيفة لا تسند، قد صح عن النبى صلى الله عليه وسلم، هذاالحديث، ثم ساقه، وقال إثره : هذا حديث صحيح، رجاله ثقات ؛ المحاملى ثقة إمام، وسعيد بن محمد بن ثواب قد خرج الدارقطنى عنه حديث عائشةؓ...ثم قال: هذا إسنادصحيح. فإن اعترض معترض بما قيل في سليمان بن موسى قيل له : ابن حزم يصحح حديثه ويحتج به، وقد احتج بحديثه فى كتاب النكاح، حديث عائشةؓ أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها وشاهدى عدل...ثم قال ابن حزم فيه: لا يصح فى هذا الباب غير هذا السند وفي هذا كفاية لصحته، وباقى السند أشهر من أن يحتاج إلى تبيين أمرهم، قال: فبطل قول ابن حزم إنه لايصح في ذلک حديث، وألان البيهقى القول فيه ؛ فقال بعد أن رواه: ليس بالقوى . (البدرالمنير:۲/۵۰۲،ط: دارالهجرة،الرياض) . **وللمزيد راجع** : (نصب الراية: ۱/۱۹۸).

(۲) وأما حديث حكيم بن حزامؓ؛ أخرجه الحاكم فى المستدرک (۳/۴۸۵/۶۰۵۱) **بسنده عن سويد بن أبي حاتم صاحب الطعام** (مختلف فيه) **ثنا مطرالوراق عن حسان بن بلال عن حكيم بن حزامؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم لما بعثه والياً إلى اليمن قال: لا تمس القرآن إلا وأنت طاهر. هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه .**

وأيضاً أخرجه: الطبراني فى الأوسط (۳۳۰۱) **والكبير**(۳۱۳۵)، **والدارقطني في سننه**

(۱/۱۲۲) . **قال الهيثمي فى المجمع** (باب فى مس القرآن) : **فيه ؛ سويد أبوحاتم ضعفه النسائى وابن معين في رواية ووثقه في رواية وقال أبوزرعة : ليس بالقوى حديثه حديث أهل الصدق. قال الدكتور بشارعواد : بل ضعيف .** (التحرير:۲/۹۴).

قال في أعلاء السنن: قلت: فسويد هذا مختلف فيه ، والاختلاف غير مضر كما مر.

(اعلاء السنن:۱/۳۷۹، ادارة القرآن كراتشى). **وينظر:** (نصب الراية : ۱/۱۹۸).

(۳) أما حديث ثوبان ﷺ ؛ فقد أورده أبوالحسن ابن القطان في بيان الوهم والإيهام (۱۲۲۷) **فقال: وذكر من منتخب على بن عبد العزيز، عن ثوبان ﷺ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لايمس القرآن إلا طاهر، والعمرة هى الحج الأصغر. ثم قال: إسناده ضعيف ، انتهى قوله .**

وهذا حديث يرويه علي بن عبد العزيز هكذا : حدثنا إسحاق بن إسماعيل، قال: حدثنا مسعدة البصرى، عن خصيب بن جحدر عن النضر ابن شفى، عن أبي أسماء الرحبي، عن ثوبان ﷺ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ...الخ. وذكر بهذا الإسناد أحاديث ، وهو إسناد في غاية الضعف. ولم أجد للنضر بن شفي ذكراً في شيء من مظان وجوده ، فهو جد مجهول، وأما الخصيب بن جحدر، فقد رماه ابن معين بالكذب ، واتقى أحمد بن حنبل حديثه. وقال ابن حاتم : له أحاديث مناكير. وأما مسعدة البصرى، فهو ابن اليسع، خرق أحمد بن حنبل حديثه وتركه، وقال أبوحاتم: إنه يكذب على جعفربن محمد.

وللمزيد راجع : الميزان (ترجمة ۳۱۸۱،الخصيب بن جحدر).

(۴) نصب الراية میں ہے: وأما حديث عمرو بن حزم ﷺ ؛ فرواه النسائى في سننه (قال محشيه: الشيخ محمد عوامة: الحديث أخرجه النسائى فى الديات...من حديث حكم بن موسى ... ولم أجد فيه: أن لايمس القرآن إلاطاهر، والله أعلم) **في كتاب الديات وأبوداود فى المراسيل من حديث محمد بن بكار بن بلال عن يحيى بن حمزة عن سليمان بن أرقم عن الزهرى عن أبي بكربن محمد بن عمرو بن حزم عن أبيه عن جده فى الكتاب الذي كتبه رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى أهل اليمن فى السنن والفرائض والديات أن لا يمس القرآن إلا**

طاهر، انتهى .

ورویاه أيضاً من حديث الحكم بن موسى عن يحيى بن حمزة ثنا سليمان بن داود الخولاني حدثنى الزهرى عن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم عن أبيه عن جده بنحوه ، قال أبوداود: وهم فيه الحكم بن موسى يعنى في قوله: سليمان بن داود وإنما هو سليمان بن أرقم وقال النسائى: الأول أشبه بالصواب ، وسليمان بن أرقم متروک ، انتهى .

وبالسند الثاني: رواه ابن حبان في صحيحه فى النوع السابع والثلاثين، من القسم الخامس، وقال: سليمان بن داود الخولاني من أهل دمشق ثقة مأمون ، انتهى. وكذلک الحاكم فى المستدرک وقال: هو من قواعد الإسلام وإسناده من شرط هذا الكتاب، انتهى، أخرجه بطوله ، ورواه الطبرانى فى معجمه والدارقطنى ثم البيقهى فى سننهما ، وأحمد في مسنده وابن راهويه .

طريق آخر: رواه الدارقطني في" غرائب مالک" من حديث أبي ثور هاشم بن ناجية عن مبشر بن إسماعيل عن مالک عن عبد الله بن أبي بكر عن أبيه عن جده ، قال: كان فيما أخذ عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم أن لايمس القرآن إلا طاهر، قال الدارقطني: تفرد به أبوثور عن مبشر عن مالک ، فأسنده عن جده ، ثم رواه من حديث إسحاق الطباع، أخبرني مالک عن عبد الله بن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم عن أبيه، قال: كان في الكتاب الذي كتبه رسول الله صلى الله عليه وسلم أن لا يمس القرآن إلا طاهر، قال: وهذا الصواب عن مالک ، ليس فيه عن جده انتهى .

قال الشيخ تقى الدين فى الإمام: وقوله فيه: عن جده يحتمل أن يراد به جده الأدنى، وهو محمد بن عمرو بن حزم ، ويحتمل أن يراد به جده الأعلى، وهو عمرو بن حزم ، وإنما يكون متصلاً إذا أريد الأعلى ، لكن قوله :كان فيما أخذ عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم يقتضي أنه عمرو بن حزم لأنه الذي كتب له الكتاب .

طريق آخر: أخرجه البيهقي فى الخلافيات من طريق عبد الرزاق عن معمر عن عبد الله بن أبي بكر بن عمروبن حزم عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب

في عهده : ولا يمس القرآن إلا طاهر، انتهى. قلت: لم أجده عند عبد الرزاق في مصنفه، وفي تفسيره إلا مرسلاً، فرواه في مصنفه في باب الحيض أخبرنا معمر عن عبد الله بن أبي بكر عن أبيه قال: كان في كتاب النبي صلى الله عليه وسلم، الحديث، ورواه في تفسيره في سورة الواقعة أخبرنا معمر عن عبد الله، و محمد ابني أبي بكر بن عمروبن حزم عن أبيهما أن النبي صلى الله عليه وسلم كتب لهم فيه : ولا يمس القرآن إلا طاهر، انتهى، ومن طريق عبد الرزاق، رواه الدارقطني ثم البيهقي في سننهما هكذا مرسلاً، قال الدارقطني : هذا مرسل، ورواته ثقات، انتهى .

طريق آخر: رواه البيهقي فى الخلافيات من حديث إسماعيل ابن أبي أويس حدثني أبي عن عبد الله، ومحمد ابني أبي بكر يخبر أنه عن أبيهما عن جدهما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه كتب هذا الكتاب لعمرو بن حزم حين بعثه إلى اليمن، وأبوأويس صدوق، أخرج له مسلم فى المتابعات وقد روى هذا الحديث من طريق أخرى مرسلة .

(نصب الراية : ١/١٩٦ـ١٩٨، المكتبة المكية).

(٥) وأما حديث عثمان بن أبى العاص رضي الله عنه، فرواه الطبرانى في" معجمه "حدثنا أحمد بن عمر و الخلال المكي، ثنا يعقوب بن حميد ثنا هشام بن سليمان عن إسماعيل بن رافع عن محمد بن سعيد عن عبد الملک عن المغيرة بن شعبة عن عثمان بن أبى العاص رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يمس القرآن إلا طاهر، انتهى. (نصب الراية: ١/١٩٨).

وأخرج أبوبكربن أبي داود في كتاب المصاحف (رقم:٦٢٤) قال: حدثنا عبد الله حدثنا أحمد بن الحباب الحميرى، حدثنا أبوصالح الحكم بن المبارک الخاشتى، حدثنا محمد بن راشد، عن إسماعيل المكي، عن القاسم بن أبي بزة، عن عثمان بن أبى العاص قال: كان فيما عهد إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تمس المصحف وأنت غير طاهر".

قال ابن الملقن : وهومنقطع ؛ لأن القاسم لم يدرک عثمان رضي الله عنه. وضعيف ؛ لأن فى إسناده : إسماعيل بن مسلم المكي، وقد ضعفوه وتركه جماعة. وللمزيد راجع: (تنقيح

تحقیق احادیث التعلیق للشیخ ابن عبدالهادی : ۱/۱۳۱/۱۷۸،مسائل الوضوء).

اس روایت کا مضمون آثارِ صحابہ سے بھی مؤید ہے۔چند آثار ملاحظہ کیجئے:

وفـي البـاب أثـران جيـدان : (۱) أحدهما: أخرجه الدارقطنى عن إسحاق الأزرق ثنا القاسم بن عثمان البصرى عن أنس بن مالک ﷺ ، قال: خرج عمر متقلداً بالسيف ، فقيل له: إن ختنک وأختک قد صبوا ، فأتاهما عمر ﷺ، وعندهما رجل من المهاجرين ، يقال له: خباب ، وكانوا يقرء ون طه ، فقال: أعطونى الذى عندكم ، فأقرأه ، وكان عمر يقرأ الكتب فقالت له أخته: إنک رجس ، ولا يمسه إلا المطهرون، فقم فاغتسل ، أو توضأ ، فقام عمر ﷺ توضا ، ثم أخذ الكتاب فقرأ طه ، انتهى . ورواه أبويعلى الموصلي في مسنده ، مطولاً ، قال الدارقطني: تفرد به القاسم بن عثمان، وليس بالقوى ، وقال البخارى: له أحاديث لا يتابع عليها .

(۲) والثاني: أخرجه الدارقطني أيضاً عن عبد الرحمن بن يزيد ، قال: كنا مع سلمان، فخرج فقضى حاجته ، ثم جاء فقلت: يا أبا عبد الله لو توضأت لعلنا نسألک عن آيات، قال: إني لست أمسه ، إنه لا يمسه إلا المطهرون ، فقرأ علينا ما شئنا ، انتهى ، وصححه الدارقطني . (نصب الراية: ۱/۱۹۹).

(۳) عن نافع ، عن ابن عمر ﷺ ، أنه كان لا يمس المصحف إلا وهو طاهر. (مصنف ابن ابى شيبة ،رقم:۷۵۰۶).

(۴) قال إسحاق صح قول النبي صلى الله عليه وسلم لا يمس القرآن إلا طاهر، وكذلک كان فعل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم . (الاوسط لابن المنذر:۲/۱۰۲).

وعن ابن جريج عن عطاء قال: لايمس المصحف مفضياً إليه غيرمتوضئ . (مصنف عبدالرزاق :۱/۳٤۲،باب مس المصحف).

قال الشيخ وهبة الزحيلي : أما مس المصحف على غير وضوء ، فالجمهور ومنهم أئمة الأربعة على المنع من مسه . (التفسيرالمنير: ۲۷/۲۸٤).

قال ابن عبد البرفى التمهيد : والدليل على صحة كتاب عمروبن حزم تلقى جمهور

العلماء له بالقبول ولم يختلف فقهاء الأمصار بالمدينة والعراق والشام أن المصحف لا يمسه إلا الطاهر على وضوء وهوقول مالک والشافعي وأبي حنيفة والثورى والأوزاعي وأحمد بن حنبل وإسحاق بن راهويه وأبي ثور وأبي عبيد وهولاء أئمة الفقه والحديث في أعصارهم وروى ذلک عن سعد بن أبي وقاص وعبد الله بن عمر وطاؤوس والحسن والشعبي والقاسم بن محمد وعطاء قال إسحاق بن راهويه: لا يقرأ أحد فى المصحف إلا وهو متوضىٔ . (التمهيد: ۳۹۷/۱۷،ط: مؤسسة القرطبة).

حافظ ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ علماء نے دو آیات۔(۱) لا يمسه إلا المطهرون. (۲) في صحف مكرمة ، مرفوعة مطهرة. سے استدلال کیا ہے کہ محدث قرآنِ کریم کو نہیں چھو سکتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

ولهذا استنبط العلماء من هاتين الآيتين : أن المحدث لا يمس المصحف...الخ.

(تفسيرابن كثير: ۲۱۸/۷،ط: دارطيبة).

عصرِ حاضر کے سلفی حضرات یہ کہتے ہیں کہ روایات ضعیف ہیں لہذا بلاوضو قرآن چھونا جائز ہے۔ جب کہ ان کے مقتدیٰ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز اپنے فتاویٰ میں بلاوضو چھونے کو ناجائز تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: لا يجوز للمسلم مس المصحف وهو على غير وضوء عند جمهور أهل العلم، وهو الذي عليه الأئمة الأربعة رضي الله عنهم ، وهوالذي كان يفتي به أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم، وقد ورد في ذلک حديث صحيح لا بأس به ، من حديث عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ ، أن النبي صلى الله عليه وسلم كتب إلى أهل اليمن:'' أن لا يمس القرآن إلا طاهر'' وهو حديث جيد له طرق يشهد بعضها بعضاً .

وبذلک يعلم أنه لا يجوز مس المصحف للمسلم إلا على طهارة من الحدث الأكبر والأصغر، وهكذا نقله من مكان إلى مكان ، إذا كان الناقل على غير طهارة .

لكن إذا كان مسه أو نقله بواسطة ،كان يأخذ في لفافة أو في جرابة ،أو بعلاقته فلا بأس، أما أن يمسه مباشرة وهو على غير طهارة فلا يجوز على الصحيح الذى عليه جمهور أهل العلم ،كما تقدم...الخ. (الفتاوى المهمة ،ص۲۳۷، كتاب الطهارة ،ط:دارالغدالجديد).

اسی طرح تحفۃ الاحوذی میں بھی اس کو راجح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

قلت: القول الراجح عندي قول أكثر الفقهاء وهو الذي يقتضيه تعظيم القرآن وإكرامه والمتبادر من لفظ " الطاهر" في هذا الحديث هو المتوضئ وهو الفرد الكامل للطاهر، والله تعالىٰ أعلم. (تحفة الاحوذی:۱/۳۸۷).

نیز عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں مذکور ہے:

وقد روي مسنداً من وجه صالح وهو كتاب مشهور عند أهل السير معروف عند أهل العلم معرفة يستغنى بها في شهرتها عن الإسناد لأنه أشبه بالمتواتر لتلقى الناس له بالقبول ولايصح عليهم تلقى ما لا يصح ، انتهى. (تحفة الاحوذی:۱/۳۸۷،ط:بیروت). **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

قرآنِ کریم کو بوسہ دینے کا حکم:

سوال: بعض لوگوں کا طریقہ ہے کہ جب قرآنِ کریم گر جاتا ہے تو اٹھا کر بوسہ دیتے ہیں اور پیشانی اس پر رکھتے ہیں، یا ویسے ہی بوسہ دیتے ہیں تو کیا یہ طریقہ صحیح اور درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قرآنِ کریم کو احتراماً وتعظیماً بوسہ دینا درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں صحابہ کرامؓ اور سلفِ صالحین سے بوسہ دینا منقول ہے، اور بلاقصد واختیار گر جائے تو اٹھا کر صحیح جگہ رکھ لے اور اگر تاسفاً وندامةً بوسہ دیدے تو یہ بھی جائز اور درست ہے۔

قال الشيخ عبد الغني المجددي في شرح سنن ابن ماجه: وفى القنية : تقبيل المصحف قيل: بدعة ، لكن روى عن عمر رضي الله عنه أنه كان يأخذ المصحف كل غداة ويقبله و يقول: عهد ربي ومنشور ربي عزوجل وكان عثمان رضي الله عنه يقبل المصحف ويمسه على وجهه.

(شرح سنن ابن ماجه،ص:۲۶۳،قدیمی). (و كذا فى فتاوى الشامى: ۶/۳۸۴،سعيد).

وروى الدارمي في سننه عن سليمان بن حرب عن حماد بن زيد عن أيوب عن ابن أبي مليكة أن عكرمة بن أبي جهل رضي الله عنه كان يضع المصحف على وجهه يقول: كلام ربي، كلام ربي . إسناده منقطع ، لأن ابن أبي مليكة لم يدرك عكرمة بن أبي جهل . (سنن الدارمی، رقم الحديث:۳۳۹۳).

وقال فى الموسوعة الفقهية : ذكر الحنفية : وهو المشهور عند الحنابلة ، جواز

تقبيل المصحف تكريماً له ، وهو المذهب عند الحنابلة ، وروى عن أحمد استحبابه ، لما روى عن عمر ﷺ أنه كان يأخذ المصحف كل غداة ويقبله...الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية:۱۳/۱۳۳). (وكذا في فتاوى اللكنوى ،ص۴۳۷ ،مايتعلق بقراءة القرآن ،ط:دارابن حزم،ومجمع الانهرشرح ملتقى الابحر: ۴/۲۲۴ ،فصل في البيع وغيره،ط:بيروت).

آج کل کے سلفی حضرات تقبیل قرآن کو شدت سے منع کرتے ہیں اور اس کو بدعت گردانتے ہیں جبکہ ان کے مقتدیٰ شیخ ابن باز نے خود اپنے فتاویٰ میں جواز لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو:

لا نعلم دليلاً على شرعية تقبيله ، ولكن لو قبله الإنسان فلا بأس لأنه يروى عن عكرمة بن أبى جهل الصحابي الجليل ﷺ، أنه كان يقبل المصحف ، ويقول: هذا كلام ربي وبكل حال التقبيل لا حرج فيه . (مجموع فتاوى ابن باز:۹/۲۸۹). **واللہ ﷻ اعلم۔**

تورات اور انجیل پر کلام اللہ کا اطلاق:

سوال: کیا ہمارے لیے جائز ہے کہ غیر قرآن مثلاً تورات وانجیل کے لیے کلام اللہ کا لفظ استعمال کریں، جبکہ بعض بزرگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ تورات انجیل کتاب اللہ ہیں اور قرآنِ کریم کلام اللہ ہے، کیا یہ بات قرآن اور حدیث کی روشنی میں صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں تورات وانجیل کو کلام اللہ کہنا صحیح اور درست ہے۔ ملاحظہ ہو قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وقد كان فريق منهم يسمعون كلام الله ثم يحرفونه من بعد ما عقلوه وهم يعلمون﴾ [البقرة:۷۵].

اس آیتِ کریمہ میں کلام اللہ کی تفسیر مفسرین نے تورات سے کی ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

(روح المعاني : ۱/۲۹۸ ،وتفسيرابن كثير:۱/۱۲۳ ،وتفسيرقرطبى : ۲/۳ ،ومعارف القرآن : ۱/۲۴۸).

قال ابن بطال في شرح صحيح البخاري: وقد روى مالکؒ في الموطأ أن أبابكر الصديق دخل على عائشة رضي الله تعالىٰ عنها وهي تشتكي و يهودية ترقيها، فقال أبوبكر: أرقيها بكتاب الله ، يعني بالتوراة والأنجيل ؛ لأن ذلک كلام الله الذى فيه الشفاء . (شرح

ابن بطال :۹/ ۲٤۸ ،ط: مکتبة الرشد،الریاض).

عبدالمحسن بن حمد شرح حدیث جبریل فی تعلیم الدین میں لکھتے ہیں:

ولا ینفد کلام اللّٰہ الذی ھو غیر مخلوق ولا محصور ، والقرآن من کلام اللّٰہ ، والتوراۃ والإنجیل من کلام اللّٰہ، وکل کتاب أنزلہ اللّٰہ فھو من کلامہ، وکلامہ غیر مخلوق.

(شرح حدیث جبریل،ص۲۹). (وکذا فی شرح سنن ابی داود لعبدالمحسن: ۲۷/ ۷۸).

نیز فقہاء نے بھی کلام اللہ میں شمار کیا ہے۔ملاحظہ ہو محیط برہانی میں مرقوم ہے:

ألا ترى أن المسلم لا یستحلف باللّٰہ الذي خلق الشمس بخلاف الیھودي والنصراني حیث یذکر في استحلافھم التوراۃ والإنجیل ؛ لأن التوراۃ والإنجیل کلام اللّٰہ تعالیٰ . (المحیط البرھانی : ۱۰/ ۷، والفصل الخامس والعشرون فی الیمین من کتاب القضاء، ط؛ رشیدیہ).

وفي تبیین الحقائق : قراء ۃ التوراۃ والإنجیل والزبور لأن الکل کلام اللّٰہ تعالیٰ إلا ما بدل منھا . (تبیین الحقائق: ۱/ ۵۷، امدادیہ ، ملتان، وکذا فی فتح القدیر: ۱/ ۱٦۸ ،دارالفکر).

وقال في فتاوی اللکنوی : أي کلام اللّٰہ تعالیٰ تفسد بقراء تہ فی الصلاۃ ؟

أقول: ھو التوراۃ والإنجیل والزبور، وغیرہ من الکتب المتقدمة ، نص علیہ فی البحر الرائق. (نفع المفتی والسائل،ص ۲۹۰).

ہاں بعض بزرگوں کے قول کا یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ قرآنِ کریم کتابی شکل میں نازل نہیں ہوا بلکہ کلام اللہ کی شکل میں نازل ہوا اس لیے اس کا کلام اللہ ہونا معروف ومشہور ہے اور دیگر کتبِ سماویہ مکمل کتابی شکل میں نازل ہوئیں لہذا ان میں کتاب اللہ ہونا معروف ومشہور ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

موبائیل میں قرآن رکھنے کا حکم:

سوال: موبائیل فون میں قرآنِ کریم محفوظ کیا جاتا ہے جبکہ فون جیب میں ہوتا ہے بیت الخلا اور دیگر نامناسب جگہوں میں جاتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ بے ادبی میں شامل ہے یا نہیں؟

الجواب: موبائیل فون میں قرآنِ کریم محفوظ کرنا جائز اور درست ہے اور جب تک موبائل کے اندر چیپ (chip) میں محفوظ ہے قرآن کے حکم میں نہیں ہے لہذا جیب میں رکھنا، بیت الخلا میں لیجانا موبائیل کو بلا

وضو چھونا سب درست ہے، البتہ جب اسکرین پر آیات کھلی ہوئی ہیں تو اب قرآنِ کریم کے حکم میں بلاوضو اسکرین کو مس کرنا اور بیت الخلا میں لیجانا سب ناجائز ہے۔ اگرچہ بعض حضرات نے اس وقت بھی اسکرین کو بلاوضو چھونے کی اجازت دی ہے لیکن قرآنِ کریم کے احترام کے پیش نظر پہلا قول زیادہ محتاط اور مناسب ہے۔

روى الإمام مالكؒ في الموطأ : عن عبد الله بن أبي بكر بن حزم ، أن في الكتاب الذي كتبه رسول الله صلى الله عليه وسلم لعمرو بن حزم : أن لا يمس القرآن إلا طاهر.

(موطاالامام مالك ،ص ١٨٥ ،ط: نورمحمد كتب خانه).

وفي مسائل فقهية معاصرة لعبد الملك بن عبد الرحمن السعدي :

إن ظهر على الشاشة وقرأه مع عدم الوضوء ،فلا مانع لأن المحدث يجوز له أن يقرأ عن ظهر قلب، وفي المصحف دون لمس له، أما إن كان جنباً فلا يحق له قراء ة القرآن مطلقاً ، وكذا الحائض، ولا مانع من حمل الهاتف المحتوى على القرآن ،لأن المخزون فيه الصوت ، والحروف والكلمات مستورة ، ولكن لو ظهر شيء من الآيات على الشاشة لايضع يده على الشاشة ؛ لأنه مس للقرآن ، والله تعالىٰ يقول: ﴿لا يمسه إلا المطهرون﴾ [الواقعة:٧٩]. (مسائل فقهية معاصرة،ص:١٩١ ،ط: اردن).

وقال في" مس الأجهزة الإلكترونية التي يخزن فيها القرآن وحملها ": إن الجوال المشتمل على المصحف لا يخلو من حالين : الأول: أن يكون المصحف مغلقاً (أى أن يكون القرآن المخزن في الجوال غير معروض على شاشة الجوال ، بل يكون في خانات ذاكرة الجوال فقط).

والثاني: أن يكون المصحف مفتوحاً. (أى أن يكون القرآن المخزن في الجوال معروضاً على الشاشة).

الدليل للحال الأول: إن ما يتم تخزينه في الأجهزة الإلكترونية ليس كتابة حقيقة ولا أصلاً ، بل هو عبارة عن شفيرات و ذبابات كهربائية (لا توجد بصفة المقروء) قابلة لأنها تتحول إلى شيء مكتوب بعد المعالجة وتكون منها الحروف بصورة عند طلبها، أما قبل

الطلب و المعالجة فلا سبيل للإنسان بحال إلى معرفة القابليا المنطوية فيها ، ولا يمكنه بحال أن يعرف شيئاً منها فلا هي حروف عربية ولا عجمية ، حتى نسميها (أى نسمى الإشارات التي تضمنت ذاكرة الجهاز) كتابة و نعطى لها حكم القرآن .

لأن الكتابة التي تظهر في شاشة الهاتف عبارة عن إشارات ضوئية تصدرها مصابيح في غاية الدقة تتجه بضوئها إلى سطح الشاشة ، بهيئة وترتيب معين ، فتتألف كتابة معينة ، فلما تزال هذه الكتابة من الشاشة بإطفاء هذه المصابيح تختفى الكتابات من الشاشة وتتلاشى وتصبح في حكم العدم ، ولم تعد هناك كتابة ولا حروف ، ومن ثم لا تكون قرآناً في هذه الحالة ، ولايعطى لها حكم الكتابات وحكم القرآن حتى يجوز للمحدث و الحائض والجنب أيضاً مس الجوال حينئذٍ .

الدليل للحال الثاني: إن ما هو الظاهر على شاشة الجوال وهوالآيات القرآنية مكتوبة بالرسم العثماني مقروئة بالسهلة مكشوفة على القارى لا مانع له من كونه آيات قرآنية مكتوبة فيعطى له حكم آيات القرآن .

ونحن نقيس ظهور الآيات القرآنية على شاشة الجوال مكتوبة بالرسم العثماني على اللوح الذى يكتب فيه القرآن ، لأنه لا يظهر القرآن كله دفعة واحدة في شاشة الجوال ، بل تظهر بعض الآيات أثر بعض ، ويزول بعضها ليحل محلها غيرها ،كلوح الكتابة يمحى منه ما كتب ليكتب مكانه غيره .

وحكم الآيات القرآنية المكتوبة فى اللوح كما فى الشامى: قوله : ومسه أى القرآن ولو في لوح أو درهم أو حائط لكن لا يمنع إلا من مس المكتوب بخلاف المصحف فلايجوز مس الجلد وموضع البياض منه . (فتاوى الشامى:۱/۲۹۳،سعيد).

وقال فى البحرالرائق: لا يجوز مس المصحف كله المكتوب وغيره بخلاف غيره فإنه لايمنع إلا مس المكتوب كذا ذكره فى السراج الوهاج . (البحرالرائق:۱/۲۱۱،بيروت).

فلا يمنع إلا من مس قدر ما ظهر من الآيات القرآنية على الشاشة بلا وضوء ، وله مس غيره .(مس الاجهزة الالكترونية التى يخزن فيها القرآن وحملها ، لمحمد جنيد بن محمد نورى الديرشوى) .

خلاصہ یہ ہے کہ اسکرین پر قرآنِ کریم کھلا ہوتو یہ اسکرین اس لوح اور تختی کے حکم میں ہوگی جس پر قرآنی آیات لکھی گئی ہو یعنی آیاتِ قرآنیہ کی جگہ بلاوضو چھونا ناجائز ہوگا باقی موبائل کو بلاوضو چھو سکتے ہیں اسی طرح بیت الخلا اور مقاماتِ نجاست میں لیجانا بھی ناجائز ہوگا اور اگر اندر محفوظ ہے تو قرآن کے حکم میں نہیں۔

مس الاجہزۃ الالکترونیہ میں آخر میں بطورِ خلاصہ مذکور ہے:

النتائج و التوصيات: هذه أهم النتائج التي توصل إليها الباحث :

(ا) الآيـات الـقرآنية المخزنة في ذاكرة الجهاز ليس لها حكم القرآن ما دامت قارة في خانات الذاكرة ؛ لأنها ليست كتابة .

(٢) ليـس من شرط الاعتداد بالكتابة كونها ثابتة لاتزول ، بل العبرة بكونها مقروء ة وإن زالت من قرب .

(٣) الـكتـابة التـي تظهر من خلال شاشات الأجهزة الإلكترونية كتابة حقيقية ، ولذا فإنها إن كانت آيات قرآنية عدت قرآناً .

(٤) إذا استـعـرضت آيات القرآن الكريم من خلال شاشة الجهاز كان للجهاز حكم الـقـرآن ، سـواء كــان جهــاز قــرآن فـقـط ، أوكــان هــاتفاً محمولاً أو نحوه من الأجهزة الإلكترونية .

(٥) الـصـواب إلـحاق هذه الأجهزة بالألواح التي يكتب فيها القرآن ، لما أن الآيات فيهـا تـظهـر و تـزول ، كـاللوح يكتب فيه بعض الآيات وتـمحى ليكتب مكانها غيرها. (مس الاجهزة الإلكترونية ،ص ٤٤ ،ط: المدينة المنورة). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

آیاتِ قرآنی والے تعویذ کے ساتھ بیت الخلا جانے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کے گلے میں تعویذ بندھا ہوا ہے جس میں آیاتِ قرآنیہ ہیں، یا سیل فون میں قرآنِ کریم بھرا ہوا ہے، اسی طرح انگوٹھی میں حروفِ مقطعات مرقوم ہیں تو ان اشیاء کے ساتھ بیت الخلا میں داخل ہونا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر تعویذ میں قرآنی آیات سی ہوئی ہے اور نظر نہیں آتیں، اسی طرح موبائل فون میں قرآنِ

کریم اسکرین پر ظاہر نہیں ہے بلکہ اندر کی طرف چھپا ہوا ہے تو ان کے ساتھ بیت الخلا میں داخل ہونا جائز اور درست ہے البتہ تعویذ اتارنا بہتر ہے لیکن اگر آیاتِ قرآنیہ نظر آتی ہوں مثلاً تعویذ کھلا ہوا ہے اور آیات نظر آتی ہیں اسی طرح آیاتِ قرآنیہ موبائل کی اسکرین پر ظاہر ہوں تو پھر بیت الخلا میں لیجانا ناجائز ہے، اور انگوٹھی کا بھی یہی حکم ہے۔ ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

ولو كانت رقية في غلاف متجاف عنه لم يكره دخول الخلاء به و الاحتراز عن مثله أفضل . (فتح القدير: ۱/۱۶۹، دارالفكر).

و كذا فی تبيين الحقائق: ۱/۵۸، امداديه، و الدر المختار: ۱/۱۷۸، سعيد، و البحر الرائق: ۱/۲۱۳، **وزاد بقوله:**

وفى الخلاصة: لو كان على خاتمه اسم الله تعالىٰ يجعل الفص إلى باطن الكف.

وقال فى الطحطاوي: و لو كان ما فيه شيء من القرآن أو من أسمائه تعالىٰ في غلاف منفصل عنه، أو في جيبه فلا بأس به، و الاحتراز عن مثله أفضل إن أمكن . (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۱/۱۰۱).

کفایت المفتی میں ہے:

تعویذ کے ساتھ جبکہ وہ غلاف میں چھپا ہوا ہو، بیت الخلا میں جانا جائز تو ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ تعویذ باہر رکھ کر جائیں۔ (کفایت المفتی: ۹/۷۷، دارالاشاعت)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قرآنِ پاک پڑھ کر بھولنے پر وعید:

سوال: اگر کوئی شخص قرآن سیکھنے اور یاد کرنے کے بعد بھول جائے تو قرآن اور حدیث میں ایسے شخص کے لیے کوئی وعید وارد ہوئی ہے یا نہیں؟ اور حفظ قرآن مستحب ہے یا فرض کفایہ ہے؟ اور دونوں میں کیا فرق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قرآن سیکھ کر بھول جانے کی مختلف وعیدیں مختلف احادیث میں وارد ہوئی ہیں، اکثر ان میں سے ضعیف ہیں۔ نیز بعض علماء نے اس کو گناہِ کبیرہ میں شامل فرمایا ہے۔ چند احادیث حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

أخرج الإمام أبوداود، قال: حدثنا عبدالوهاب بن الحكم الخزاز، أخبرنا عبد المجيد بن عبد العزيز بن أبي رواد، عن ابن جريج، عن المطلب بن عبد الله بن حنطب، عن أنس

بن مالک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: عرضت علي أجور أمتي حتى القذاة يخرجها الرجل من المسجد، وعرضت علي ذنوب أمتي، فلم أر ذنباً أعظم من سورة من القرآن أو آية أوتيتها رجل ثم نسيها . (رواه ابوداود، رقم: ٤٦١، والترمذی، رقم: ٢٩١٦).

قال الشيخ شعيب: إسناده ضعيف، ابن جريج، مدلس ورواه بالعنعنة، ولم يسمع من المطلب...الخ. وللمزيد من البحث راجع : (تعليقات الشيخ شعيب على سنن ابی داود: ١/٣٤٦/٤٦١).

قال الإمام النووي رحمہ اللہ في الأذكار (١/٨٩): **تكلم الترمذي فيه. وتعقب عبد القادر الأرنؤوط: فقال: لكن للحديث شواهد بالمعنى يرتقى بها إلى درجة الحسن** . (روضة المحدثين، رقم: ٤٦٦٢).

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کے ثواب میرے روبرو پیش کیے گئے یہاں تک کہ اس کوڑے اور خس وخاشاک کا ثواب بھی پیش ہوا جس کو آدمی مسجد سے باہر نکالتا ہے اور اسی طرح میری امت کے گناہ بھی مجھ پر پیش کیے گئے تو میں نے اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن کی کوئی سورت یا کوئی آیت یاد ہو اور وہ اس کو بھول گیا ہو۔

وأيضاً أخرج بسنده من حديث سعد بن عبادة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ما من امرئ يقرأ القرآن، ثم ينساه، إلا لقي اللّٰه عزوجل يوم القيامة أجزم.

(ابوداود، رقم: ١٤٧٤، والترمذی، رقم: ٣٣٨٣).

إسناده ضعيف؛ فيه ثلاث علل: جهالة عيسى بن فائد، وجهالة الرجل، وضعف يزيد بن أبي زياد. وللمزيد من البحث راجع : (تعليقات الشيخ شعيب على سنن ابی داود: ٢/٥٩٩، ٦٠٠/١٤٧٤).

ترجمہ: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص قرآن شریف کو پڑھے اور پھر اس کو بھول جائے قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں کوڑھی ہو کر حاضر ہوگا۔ (کوڑھ وہ بیماری ہے جس سے ہاتھ پیر وغیرہ اعضا گل سڑ جاتے ہیں اور انسانی بدن کا گوشت گل سڑ کر گر جاتا ہے)۔

أخرج الإمام أحمد في زهده (ص ٢٨١، رقم: ١٧٥٠) **قال: حدثنا زيد بن الحباب، أنبأنا**

خالد بن دينار قال: سمعت أبا العالية قال: كنا نعد من أعظم الذنوب أن يتعلم الرجل القرآن ثم ينام عنه حتى ينساه .

قال الشيخ شعيب: هذا مسند صحيح إلى أبي العالية وهو رفيع بن مهران الرياحي البصري أدرك الجاهلية وأسلم بعد وفاة النبي صلى الله عليه وسلم ودخل على أبي بكر وصلى خلف عمر رضي الله عنه وروي عن جمع من الصحابة رضي الله عنهم . (تعليقات الشيخ شعيب على سنن ابی داود: ۲/ ۶۰۰). **وقال الحافظ ابن حجرؒ : إسناده جيد .** (فتح الباری :۹/ ۸۶).

ترجمہ: ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ قرآن یاد کر کے سوجانے اور بھول جانے کو ہم بڑے گناہوں میں شمار کرتے تھے۔ یہ روایت صحیح ہے۔

وقال الحافظ : ومن طريق ابن سيرينؒ بإسناد صحيح في الذي ينسى القرآن كانوا يكرهونه ويقولون فيه قولاً شديداً . (فتح الباری : ۹/ ۸۶).

وعن ابن جريج ، قال: قال أنس بن مالك رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن من أكبر ذنب توافى أمتي يوم القيامة لسورة من كتاب الله مع أحدهم فنسيها .

ابن جریج کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: بے شک سب سے بڑا گناہ جو قیامت کے دن امت کو لاحق ہوگا وہ قرآن کی سورت بھلا دینے کا ہوگا۔ (اس بھولنے سے مراد یہ ہے کہ ناظرہ بھی نہ پڑھ سکے)۔

وعن عكرمة رضي الله عنه ومجاهدؒ قالا: إذا علم الرجل القرآن ، ثم نسيه يجيء يوم القيامة فيقول: لو حفظتني لبلغت بك المنزل ، ولكنك قصرت فقصرت بك .

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت مجاہدؒ دونوں کا قول ہے کہ جب کوئی قرآن سیکھے اور پھر اس کو بھلا دے قیامت کے دن قرآنِ پاک آئے گا اور اس کو کہے گا اگر تو مجھے یاد رکھتا تو میں تجھے اونچے درجہ پر پہنچا دیتا لیکن تو نے غفلت وکوتاہی برتی لہذا میں بھی آج تیری خدمت سے قاصر ہوں۔

وعن الضحاكؒ : ما تعلم أحد القرآن فنسيه إلا بذنب ، ثم قرأ ﴿ما أصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم و يعفو عن كثير﴾ وأي مصيبة أعظم من نسيان القرآن. (قيام الليل وقيام رمضان و كتاب الوتر،وابن كثيرفی فضائل القرآن:۱/ ۱۴۰،فتح الباری :۹/ ۸۶).

قال الحافظ ابن حجرؒ: واختلف السلف في نسيان القرآن فمنهم من جعل ذلك من الكبائر. (فتح الباری:۹/ ۸۶).

(۲) قرآن حفظاً یاد کرنا فرضِ کفایہ ہے یعنی تمام لوگوں کے ترک کرنے سے سب گنہگار رہوں گے اور بعض کرلے تو دوسرے کے لیے فقط مستحب ہے واجب اور لازم نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو ملا علی قاریؒ مرقات میں فرماتے ہیں:

إن حفظ القرآن من فروض الكفاية فيخاطب به كل الأمة في كل زمن نعم إن حفظه جمع منهم يقوم بهم الكفاية سقط الحرج عن جميعهم وإلا أثموا كلهم. (مرقاة المفاتيح: ٤/ ٣٨٠، فضائل القرآن، ط: مکتبہ امدادیہ، ملتان). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قرآنِ کریم سے فال نکالنے کا حکم:

سوال: قرآنِ کریم سے فال نکالنا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت تھانویؒ اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قرآنِ کریم سے بدفالی لینا بالاتفاق ناجائز ہے، البتہ نیک فالی کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، اکثر علماء اس کو مکروہ کہتے ہیں اور بعض جائز کہتے ہیں، اس اختلاف کی وجہ سے اگر کسی نے نیک فالی لی تو مرتکب حرام یا ناجائز نہیں کہا جائیگا۔ بہر حال اکثر علماء کے قول کے پیش نظر اس سے منع کیا جائیگا۔

ملاحظہ ہو ملا علی قاریؒ شرح نخبۃ الفکر کی شرح میں فرماتے ہیں:

والفال بالمصحف ما صدر عن السلف، واختلف فيه المتأخرون، ولا شك أن التشاؤم بما فيه مكروه، سواء بالحروف أو بالمعنى، وأما التفاول بالمعنى أو بظهور بسملة ونحوها فلا بأس به، وأما الحروف فلا دلالة لها على القبح والحسن أبداً. (شرح شرح نخبة الفكر، ص ٣٦٥، قديمي كتب خانه).

علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں:

وتعقب القول بجواز الاستخارة بالقرآن، بأنه لم ينقل فعلها عن السلف، وقد قيل: إن الإمام مالكاً كرهها. وأما في فتاوى الصوفية نقلاً عن الزندوستي من أنه لا بأس بها وأنه

قد فعلها علي كرم الله تعالىٰ وجهه ، ومعاذ رضی اللہ عنہ ، وروي عن علي كرم الله تعالىٰ وجهه أنه قال: من أراد أن يتفاء ل بكتاب الله تعالىٰ ، فليقرأ : قل هو الله أحد ، سبع مرات وليقل ثلاث مرات ؛ اللّٰهُمَّ بكتابك تفائلت وعليك توكلت اللّٰهم أرني في كتابك ما هو المكتوم من سرك المكنون في غيبك ثم يتفائل بأول الصحيفة (لعلها الصفحة). ففي النفس منه شيء . (روح المعانی : ٦/٥٩).

اور دستور العلماء میں مرفوعاً بحوالہ جامع دارقطنی روایت نقل کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال وفي جامع دارقطني قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أراد أن يتفائل بالمصحف فينبغي أن يبيت طاهراً ويصبح صائماً ويأخذ المصحف ويقرأ آية الكرسي ويقرأ وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها إلا هو ويعلم ما فى البر والبحر وما تسقط من ورقة إلا يعلمها ولا حبة في ظلمات الأرض ولا رطب ولا يابس إلا في كتاب مبين . و يصلي عشر مرات ويقول : اللّٰهم بكتابك تفائلت وبك آمنت وعليك توكلت فاظهر في كتابك المكنون ما في علمك المخزون ثم يفتح ويعد لفظ اللّٰه من جانب اليمين ثم يقلب الأوراق من جانب اليسار بعدد كلمات اللّٰه ثم يعد الأسطر من جانب اليسار ثم يتفائل فما جاء فهو بمنزلة الوحي . (دستور العلماء: ١/٢٢٤، باب التاء مع الفاء، ط: بيروت).

یہ روایت ہمیں کسی معتبر حدیث کی کتاب میں نہیں ملی ، بظاہر موضوع معلوم ہوتی ہے کیونکہ روح المعانی میں بحوالہ فتاوی الصوفیہ منقول ہے اور یہ ضعیف کتاب ہے مسائل میں بھی غیر معتبر ہے چہ جائیکہ حدیث کے بارے میں اس پر اعتماد کیا جائے۔ **قال في كشف الظنون : قال المولى بركلي : ليست من الكتب المعتبرة فلا يجوز العمل بما فيها إلا إذا علم موافقتها للأصول .** (كشف الظنون: ٢/١٢٢٥، والنافع الكبير، ص ٣٠).

مزید براں علامہ آلوسیؒ نے بھی عدم صحت کی طرف بایں الفاظ " **ففي النفس منه شيء** " اشارہ فرمادیا۔

اور دستور العلماء کی روایت بحوالہ جامع دارقطنی منقول ہے اور دارقطنی میں بھی یہ حدیث ہمیں نہیں ملی نیز اس کے الفاظ بھی اس کے موضوع ہونے پر دال ہیں۔

قال ابن تيميةؒ في فتاواه : وفي حكمه قولان للفقهاء في استفتاح الفال فى المصحف

الأول ؛ أنه حرام ، نقل عن ابن العربي المالكي ، وهو ظاهر ما نقله البهوتي عن الشيخ (ابن تيمية) وصرح به القرافي والطرطوشي من المالكية ، قال الطرطوشي : لأنه من باب الاستسقام بالأزلام ، لأن المستقسم يطلب قسمه من الغيب ، وكذلک من أخذ الفال من المصحف أو غيره إنما يعتقد هذا المقصد إن خرج جيداً اتبعه ، أو ردياً اجتنبه ، فهو عين الاستسقام بالأزلام الذي ورد القرآن بتحريمه فيحرم .

الثاني: أنه مكروه ، وهو ظاهر كلام الشافعية .

الثالث: الجواز ، ونقل فعله عن ابن بطة من الحنابلة . (الموسوعة الفقهية الكويتية:٤/ ٥٦).

مجموع الفتاوى ابن تيمية میں ہے:

واما استفتاح الفال في المصحف ؛ فلم ينقل عن السلف فيه شيء وقد تنازع فيه المتأخرون ، وذكر القاضي أبويعلى فيه نزاعاً ، ذكر عن ابن بطة أنه فعله وذكر عن غيره أنه كرهه فإن هذا ليس الفال الذى يحبه رسول الله صلى الله عليه وسلم فإنه كان يحب الفال ويكره الطيرة ، والفال الذي يحبه هو أن يفعل أمراً أو يعزم عليه متوكلاً على الله فيسمع الكلمة الحسنة التي تسره . (مجموع الفتاوى : ٢٣/٦٦).

وقال في شرح الفقه الأكبر: ولا يؤخذ الفال من المصحف فإن العلماء اختلفوا في ذلک فكرهه بعضهم وأجاز بعضهم ونص المالكية على تحريمه انتهى، ولعل من أجاز الفال أو كرهه اعتمد على المعنى ومن حرمه اعتبر حروف المبنى. (شرح الفقه الاكبر،ص١٤٩).

وقال الدكتور وهبة الزحيلي: ومثل ذلک معرفة الحظ بواسطة المسبحة أو المصحف ... فكل ذلک حرام منكر شرعاً. (التفسيرالمنير:٦/٨٣، دارالفكر).

وقال في نفع المفتي والسائل: الاستفسار: هل يجوز أخذ الفال من المصحف ؟

الاستبشار: يكره ؛ كما في جامع الرموز عن التحفة وصرح بمنعه على القارى المكى في شرح شرح النخبة . (نفع المفتي والسائل،ص٤٣٠،ط: دارابن حزم).

وللاستزادة انظر: (بريقة محمودية: ، باب الخامس والعشرون من آفات القلب التطير،ونهاية المحتاج ، فصل مايحرم بالحدث، وفتاوى الرملى ، ومعارف القرآن:٣/٣١، ومجموعة الفتاوى :٢/٣٣٥، واليواقيت الغالية فى

تحقیق و تخریج الاحادیث العالیة:۲/۷۳۵).

کفایت المفتی میں ہے:

قرآن مجید سے فال نکالنا ناجائز ہے، فال نکالنا اور اس پر عقیدہ کرنا کسی اور کتاب مثلاً دیوانِ حافظ و گلستان وغیرہ، سے بھی ناجائز ہے مگر قرآن مجید سے نکالنا تو سخت گناہ ہے کہ اس سے بسا اوقات قرآن مجید کی توہین یا اس کی جانب سے بدعقیدگی پیدا ہوجاتی ہے۔ (کفایت المفتی:۹/۲۲۲،دار الاشاعت).

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

محققین نے اس کو ناجائز لکھا ہے، خصوصاً جبکہ اس کا یقین کیا جاوے تو سب کے نزدیک ناجائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ:۴/۵۸)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

غیر مسلم کو قرآن شریف دینے کا حکم:

سوال: کیا ہم غیر مسلم کو قرآن کریم کا مترجم نسخہ دے سکتے ہیں اگر وہ ہم سے طلب کرے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ غیر مسلم کو قرآنِ کریم کا مترجم نسخہ دینا درجِ ذیل دو شرطوں کے ساتھ جائز اور درست ہے۔(۱) غیر مسلم سے بے ادبی اور بے حرمتی کا اندیشہ نہ ہو۔(۲) طہارت کا لحاظ رکھتا ہو، اگر جنابت میں ہو تو غسل کرلے اور اگر غسل کیا ہوا ہو تو وضو کے لیے کہا جائے۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

قال أبو حنيفةؒ: أُعَلِّمُ النصرانيَ الفقهَ والقرآنَ لعله يهتدي ولا يمس المصحف وإن اغتسل ثم مس لا بأس كذا في الملتقط. (الفتاوى الهندية:٥/٣٢٣).

(وكذا في الاشباه والنظائر: ١/١٦٨، والدر المختار: ١/١٧٧، سعيد، والبحر الرائق: ٨/٢٠٣).

بدائع الصنائع میں ہے:

وروي عن أبي يوسفؒ أنه لا يترك الكافر أن يمس المصحف لأن الكافر نجس فيجب تنزيه المصحف عن مسه. وقال محمد: لا بأس به إذا اغتسل لأن المانع هو الحدث وقد زال بالغسل وإنما بقي نجاسة اعتقاده وذلك في قلبه لا في يده. (بدائع الصنائع:١/٣٧، سعيد).

فتاویٰ رحیمیہ میں مرقوم ہے:

اگر غیر مسلم کے دل میں قرآن مجید کی عظمت ہو اور اس کی طرف سے اس بات کا اطمینان ہو کہ وہ اس کی بے ادبی نہیں کریگا تو اس کو قرآن مجید دینا جائز ہے، ممکن ہے کہ اس کو ہدایت نصیب ہو جائے، مگر اس کو ہدایت کردی جائے کہ یہ اللہ کا مقدس کلام ہے ناپاکی کی حالت میں اس کو چھونا اس کی عظمت کے خلاف ہے، لہذا ناپاکی کی حالت ہو تو غسل کر کے ورنہ وضو کر کے اس کا مطالعہ کیا جائے، اس کو وضو اور غسل کا طریقہ بھی بتلا دیا جائے، اس سے اس کے دل میں قرآن مجید کی عظمت پیدا ہوگی، ان شاء اللہ۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۲/۱۵۱، دیوبند)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قرآن شریف کا فقط ترجمہ شائع کرنے کا حکم:

سوال: کیا قرآن مجید کا فقط ترجمہ شائع کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: فقہائے کرام اور مفتی حضرات زمانہ قدیم سے قرآن کے ترجمہ کو قرآنی کلمات کے بغیر چھاپنے کو ناجائز فرماتے ہیں اور اس میں متعدد خرابیاں بتلاتے ہیں:

(۱) لوگ اس کو اصل قرآن سمجھیں گے جو کہ غلط ہے۔

(۲) رفتہ رفتہ آگے جا کر اس کو نمازوں میں پڑھنا شروع کر دیں گے جو ناجائز ہے۔

(۳) قرآنِ کریم کے کلمات اور الفاظ کی برکت سے محروم ہو جائیں گے۔

(۴) قرآنِ کریم کے کلمات سامنے ہوں اور ان کے ساتھ ترجمہ ہو تو علمائے کرام اور تفسیر سے شغف رکھنے والوں کو پتہ چلے گا کہ مناسب ترجمہ لیا گیا یا نامناسب ہے۔

(۵) ترجمہ پڑھنے کے ساتھ تلاوت بھی ہوگی۔

(۶) ترجمہ متن کے بغیر چھاپنا اکابر و سلف کے طریقہ کے خلاف ہے۔

(۷) ہمارے سب اکابر نے اس طرح کرنے کو ناجائز لکھا ہے۔ اس لیے قرآنِ کریم کا ترجمہ اور اس کے ساتھ عربی قرآنِ کریم چھاپنا چاہئے۔

اور اگر غیر مسلم کو قرآنِ کریم دینے کی ضرورت ہو یا غیر مسلم مانگ لے تو پھر قرآنِ کریم بمع تفسیر اس کو دیدیا جائے، اور تفسیر بھی ایسی ہو جو غیر مسلم ممالک کے غیر مسلموں کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہو، صرف قرآنِ کریم بمعہ ترجمہ یا بغیر ترجمہ غیر مسلموں کو دینے کی ضرورت ہو تو اگر وہ جنابت میں ہو تو غسل کرلے اور اگر غسل کیا ہو تو وضو کے لیے کہا جائے پھر وہ نہا دھو کر قرآنِ کریم لے سکتا ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں مرقوم ہے:

قال أبو حنيفةؒ : أُعَلِّمُ النصرانیَ الفقهَ والقرآنَ لعله یهتدی ولا یمس المصحف وإن اغتسل ثم مس لا بأس كذا فی الملتقط . (الفتاوی الهندیة:٥/٣٢٣).

(وكذا فی الاشباه والنظائر: ١/١٦٨، والدر المختار: ١/١٧٧،سعید، والبحر الرائق: ٨/٢٠٣).

حضرت عمرؓ کے اسلام کے واقعہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ ان کی بہن نے حضرت عمرؓ کو غسل کے لیے فرمایا اور پھر قرآنِ کریم کے اوراق دیدئے۔ مختصر قصہ ملاحظہ فرمائیں:

أخرج الحاكم فی المستدرك(٤/٧٠/٦٨٩٧)، **والدارقطنی فی سننه** (١/١٢٣/٧، باب فی نهی المحدث عن مس القرآن) **والضياء المقدسی فی الأحاديث المختارة** (٣/١١٢)، **والبيهقي في دلائل النبوة** (٢/٩٢/٥١٩) **والذهبي في تاريخ الإسلام** (١/١٧٤) **وابن سعد فی الطبقات الكبری**(٣/٢٦٨) **وابن عساكر فی تاريخ دمشق** (٤٤/٣٤) **واللفظ للبيهقي، عن أنس بن مالكؓ قال: خرج عمرؓ متقلداً السيف ، فلقيه رجل من بني زهرة ، فقال له : أين تعمد يا عمر؟ فقال: أريد أن أقتل محمداً قال: وكيف تأمن من بني هاشم وبني زهرة؟ ... إلی قوله : فقال عمرؓ : أعطونی الكتاب الذي هو عندكم ، فأقرأه قال: وكان عمرؓ يقرأ الكتب ، فقالت أخته : إنک رجس وإنه لا يمسه إلا المطهرون ، فقم فاغتسل أو توضأ قال: فقام عمرؓ، فتوضأ ، ثم أخذ الكتاب فقرأ طه ...الخ . وقال الدارقطنی : القاسم بن عثمان ليس بقوی . وقال البخاری : له أحاديث لا يتابع عليها. واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قرآن شریف غلط چھپا ہو تو اس کی اشاعت کا حکم:

سوال: قرآن شریف غلط چھپا ہوا ہے اس میں غلطیاں موجود ہیں تو اس کی خرید وفروخت جائز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر ایک آدھ غلطی ہے جس کی تصحیح آسان ہو تو اس کو فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ہاں اگر فحش غلطیاں ہوں اور عوام کے غلط پڑھنے کا غالب گمان ہو تو اس کی بیع سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

کیونکہ قرآنِ کریم کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔ **قال اللّٰه تعالیٰ : إنا نحن نزلنا**

الذکر وإنا له لحافظون ﴾ لہٰذا اغلاط وغیرہ سے پاک رکھنا ضروری ہے۔ معارف القرآن میں ہے:

تمام اہل سنت والجماعۃ کا اس پر اجماع ہے کہ موجودہ قرآن بعینہٖ وہی قرآن ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اور ہر قسم کی تحریف اور تغیر وتبدل اور کمی اور زیادتی سے بالکلیہ محفوظ ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک اسی طرح محفوظ رہے گا اور نہ اس میں تحریف ہو سکے گی اور نہ وہ ضائع ہو سکے گا کیونکہ حق تعالیٰ شانہٗ کا وعدہ ہے، **إنا نحن نزلنا الذکر... الخ.** (معارف القرآن:۴/۲۸۲)۔

امام فخر الدین رازیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

واعلم أنه لم يتفق لشيء من الكتب مثل هذا الحفظ، فإنه لا كتاب إلا وقد دخله التصحيف والتحريف والتغيير، إما في الكثير منه أو في القليل، وبقاء هذا الكتاب مصوناً عن جميع جهات التحريف مع أن دواعي الملحدة واليهود والنصارى متوفرة على إبطاله وإفساده من أعظم المعجزات وأيضاً أخبر الله تعالىٰ عن بقائه محفوظاً عن التغيير والتحريف. (التفسير الكبير:٥/٢٦٥).

معلوم ہوا کہ طباعت کی فحش غلطیاں بھی قابل اشاعت نہیں اس میں تلاوت کی غلطی کا امکان ہے، لہٰذا اس کو فروخت نہیں کرنا چاہئے ورنہ گناہ پر تعاون لازم آئیگا۔ **قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾** [المائدة:٢].

نیز فقہ کا قاعدہ ہے کہ جب مصلحت اور مضرت دونوں جمع ہو جائیں تو مضرت کی جانب کو ترجیح ہوگی، اس اعتبار سے بھی اشاعت کی اجازت نہیں ہوگی۔ شرح المجلہ میں ہے:

درء المفاسد أولىٰ من جلب المنافع، أي إذا تعارض مفسدة ومصلحة قدم رفع المفسدة لأن اعتناء الشارع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمأمورات و مما يتفرع من هذه القاعدة أن الرجل يمنع من التصرف في ملكه إذا كان تصرفه يضر بجاره ضرراً فاحشاً لأن درء المفاسد عن جاره أولىٰ من جلب المنافع لنفسه، انتهى. (شرح المجلة لسليم رستم باز اللبناني: ١/٣٢، المادة: ٣٠، ط: دار الكتب العلمية). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قرآنِ کریم کی کتابت میں رسمِ عثمانی کا حکم:

سوال: (۱) کیا قرآن شریف کی کتابت رسمِ عثمانی کے علاوہ دوسرے طریقہ پر صحیح ہے؟ (۲) اور رسم عثمانی کے موافق لکھنا واجب ہے یا مستحب یا مباح؟ (۳) اگر کسی نے بیِّنٰت اور ایٰت کو بینات اور آیات لکھا تو کیا حکم ہے؟ (۴) اسی طرح اگر کسی نے الحمد للّٰہ رب العلمین کے ساتھ، ال ح م د ل ل ل ہ ر ب ب ل ع ل م ی ن، لکھا اور اپنی زبان میں بھی لکھا مثلاً: Alhamdulillahi Rabbil Alameen یا کسی اور زبان میں تو اس طرح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: (۱،۲،۳) جمہور علماء کے نزدیک رسمِ عثمانی کی موافقت واجب ہے، اس کے خلاف لکھنا درست نہیں ہے، البتہ بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے، مثلاً: ابن خلدون وغیرہ، پھر چونکہ عام لوگ ہندوستان، پاکستان، بنگلا دیش اور دیگر عجمی مما لک میں رسمِ عثمانی کو جانتے نہیں اور نہ اس کے موافق پورا قرآن پڑھ سکتے ہیں تو ان کی آسانی کے لیے ابن خلدون کا قول لیا جاسکتا ہے۔

(۴) قرآنِ کریم سیکھنے کے لیے نورانی قاعدہ اور قاعدہ بغدادی پہلے پڑھ لیا جائے قرآن کو اس طرح حروفِ مقطعات اور دوسری زبانوں میں نہیں لکھنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو المقنع میں مرقوم ہے:

قال أشهب: سئل مالک فقيل له: أرأيت من استكتب مصحفاً اليوم أترى أن يكتب على ما أحدث الناس من الهجاء اليوم ؟ قال: أرى ذلک، ولكن يكتب على الكتبة الأولى، قال أبوعمرو: ولا مخالف له في ذلک من علماء الأمة. (المقنع، ص۱۹، مکتبة الكلية، ازهر).

قال أبوبكربن العربي في كتاب العواصم: اتفق الأئمة على أن القراء ات التي لاتخالف الألفاظ التي كتبت في مصحف عثمان هي متواترة وإن اختلفت في وجوه الأداء وكيفيات النطق ومعنى ذلک أن تواترها تبع لتواتر صورة كتابة المصحف، وما كان نطقه صالحاً لرسم المصحف، واختلف فيه فهو مقبول. (التحریر والتنویر لابن عاشور: ۱/۶۰، ط: تونس).

البرهان فی علوم القرآن میں ہے:

قال الإمام أحمد رحمه الله: تحرم مخالفة خط مصحف عثمان في ياء أو واو أو ألف أو غير

ذلک ، قلت: وكان هذا فى الصدر الأول والعلم حي غض وأما الآن فقد يخشى الإلباس ولهذا قال الشيخ عز الدين بن عبدالسلام لاتجوز كتابة المصحف الآن على الرسوم الأولى باصطلاح الأئمة لئلا يوقع في تغيير من الجهال ولكن لا ينبغي إجراء هذا على إطلاقه لئلا يؤدى إلى دروس العلم وشيء أحكمته القدماء لايترك مراعاته لجهل الجاهلين ولن تخلو الأرض من قائم لله بالحجة وقد قال البيهقى في شعب الإيمان : من كتب مصحفاً فينبغي أن يحافظ على حروف الهجاء التي كتبوا بها تلك المصاحف ولا يخالفهم فيها ولا يغير مما كتبوه شيئاً فإنهم أكثر علماً وأصدق قلباً وأعظم أمانة منا فلا ينبغي أن نظن بأنفسنا استدراكاً عليهم . (البرهان فى علوم القرآن للشيخ بدرالدين الزركشى م:٧٩٤هـ:١/٣٧٩،دارالمعرفة،بيروت).

وقال مناهل العرفان في علوم القرآن: وجاء في حواشى المنهج في فقه الشافعية مانصه: كلمة الربا تكتب بالواو والألف كما جاء فى الرسم العثماني ولا تكتب فى القرآن بالياء أو الألف لأن رسمه سنة متبعة .

وجاء فى المحيط البرهانى في فقه الحنفية مانصه:أنه ينبغى ألا يكتب المصحف بغير الرسم العثماني . وقال العلامة نظام الدين النيسابورى ما نصه: وقال جماعة من الأئمة إن الواجب على القراء والعلماء وأهل الكتابة أن يتبعوا هذا الرسم في خط المصحف فإنه رسم زيد بن ثابت رضي الله عنه وكان أمين رسول الله صلى الله عليه وسلم وكاتب وحيه. (مناهل العرفان،ص٣٧٢).

وللاستزادة انظر :(نهاية القول المفيد فى علم التجويد،ص٢٣٨،المكتبة العلمية،وشرح الشفاء للملاعلى القارى :٢/٥٤٧،بيروت،تحريم كتابة القرآن الكريم بحروف غيرعربية،ص٣٢،للشيخ صالح على العود،ومجموعة الفتاوى: /١٠٦، وجواهرالفقه:١/٧٤،وازالة الخفاء :١/٢٥،وامدادالاحكام:١/٢٣٥،وكتاب الفتاوىٰ:١/٤٥١).

بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے:

(مناہل العرفان فی علوم القرآن:۱/۳۷۳،ومقدمۃ ابن خلدون)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قرآنِ کریم میں مور کا پر رکھنے کا حکم:

سوال: مور کا پر قرآن شریف میں رکھنا کیسا ہے؟

الجواب: مور ایک حلال اور طیب جانور ہے اور اس کا پر بھی پاک ہے بنابریں بطورِ تزیین رکھا جائے تو چنداں حرج نہیں ہے۔ قرآن شریف کی تزیین جائز ہے ملاحظہ ہو الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

ولا بأس بتحلية المصحف ونقش المسجد والزخرفة بماء الذهب لأن المقصود بذلك التعظيم والتشريف. (الجوهرة النيرة:۲/۳۸٤، مكتبه امداديه، ملتان).

وقال في الهداية : ولا بأس بتحلية المصحف لمافيه من تعظيمه. (٤/٤٧٤،مسائل متفرقة).

امداد الفتاویٰ میں مرقوم ہے: سوال: پر طاؤس کا مصحف میں رکھنا کیسا ہے؟

الجواب: چونکہ کوئی امر مانع نہیں، لہذا جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ:۴/۵۹، مکتبہ دار العلوم کراچی)۔

مزید ملاحظہ ہو: (خیر الفتاویٰ:۱/۲۶۲، مکتبہ امدادیہ ملتان)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بوسیدہ قرآنِ کریم کو جلانے کا حکم:

سوال: قرآن کے اوراق پرانے اور بوسیدہ ہو جائیں تو ان کو جلانا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت عثمانؓ نے قرآنِ کریم کے اوراق جلا ڈالے تھے کیا یہ بے عزتی نہیں ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منسوخ قرآن یا قراءاتِ شاذہ متروکہ غیر متواترہ کو جلایا تھا، اور اس کے جلانے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ لیکن اب اگر کوئی قرآن بوسیدہ اور پرانا ہو جائے تو وہ صحیح اور متواتر قرآن ہے لہذا اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ والے قرآن پر قیاس نہیں کرنا چاہئے، اور اس کو دفن ہی کرنا چاہئے، صحابہ کرام نے صحیح اور درست متواتر بوسیدہ قرآن کو نہیں جلایا بلکہ غیر متواتر کو جلایا، بوسیدہ قرآن جو ناقابل استعمال ہو میت کے مشابہ ہے جس کو احترام کے ساتھ دفن کرنا چاہئے، کیا دنیا میں قیمتی خزانے کو زمین میں دفن نہیں کرتے تھے؟ یقیناً کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

المصحف إذا صار خلقاً لا يقرأ منه ويخاف أن يضيع يجعل في خرقة طاهرة ويدفن ودفنه أولىٰ من وضعه موضعاً يخاف أن يقع عليه النجاسة أو نحو ذلك ويلحد له لأنه لو

شق و دفن يحتاج إلى إهالة التراب عليه وفي ذلك نوع تحقير إلا إذا جعل فوقه سقف بحيث لا يصل التراب إليه فهو حسن أيضاً كذا في الغرائب ، المصحف إذا صار خلقاً وتعذرت القراء ة منه لا يحرق بالنار أشار إليه الشيباني إلى هذا في السير الكبير و به نأخذ كذا في الذخيرة . (الفتاوى الهندية: ٣٢٣/٥). (و كذا في فتاوى الشامي: ٤٢٢/٦،سعيد).

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو روایت مروی ہے علامہ عینیؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

وقال الكرمانيؒ : فإن قلت: كيف جاز إحراق القرآن ؟ قلت: المحروق هو القرآن المنسوخ أو المختلط بغيره من التفسير أو بلغة غير قريش أو القراء ات الشاذة وفائدته أن لايقع الاختلاف فيه . (عمدة القارى:٥٣٦/١٣، باب جمع القرآن، دارالحديث، ملتان).

فتح الباری میں ہے: عن سويد بن غفلة عن علي رضی اللہ عنہ قال: لا تقولوا لعثمان رضی اللہ عنہ في إحراق المصاحف إلا خيراً. (فتح البارى :٢١/٩).

قال السبكيؒ : وأما الإجماع فإجماع الصحابة رضی اللہ عنہم مع عثمان رضی اللہ عنہ على تحريق المصاحف الباطلة لما فيها من زيادة أونقص على المصحف المجمع عليه. (فتاوى السبكى: ٤٤٢/٢، ط:بيروت).

وقال الشيخ علاء الدين الطرابلسي: ومن ذلك مافعله عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لما خاف على الأمة أن يختلفوا في القرآن ويفترق الناس فيه أمر بتحريق المصاحف وجمع الأمة على مصحف واحد لما رأى لهم من المصلحة في ذلك ووافقه عليه الصحابة رضی اللہ عنہم ورأوا ذلك مصلحة للأمة . (معين الحكام ، ص١٧٢ ، تحت القضاء بالسياسة الشرعية، ط:دارالفكر).

وللاستزادة انظر: (الموسوعة الفقهية الكويتية: ١٢٣/٢ ،مايباح احراقه ومالايباح،واحسن الفتاوىٰ: ١٥/٨،١٦). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مسحور ہونے کا مطلب:

سوال: معوذتین مکی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ سحر مدنی ہے،توان سورتوں کے نزول کا اس واقعہ سے کیا تعلق ہے؟ اور کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسحور ہو سکتے ہیں؟ جبکہ کفار یہ جملہ کہتے ہیں: إن تتبعون

إلا رجلاً مسحوراً ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ معوذتین کو بعض حضرات نے مکی کہا ہے اور بعض نے مدنی کہا ہے اگر مکی ہو تو مدینہ منورہ میں نزول کے معنی اس کو مسحور کے دم کے لیے مقرر کرنا ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بشری خواص سے مستثنیٰ نہیں تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امورِ دنیا میں جسمانی کمزوری محسوس فرماتے تھے کبھی کوئی کام نہیں کیا ہوتا اور کیا ہوا سمجھتے تھے تو ان چیزوں کا تعلق امورِ دینیہ سے نہیں، امورِ دینیہ کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔

اور مشرکین مکہ کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسحور کہنے کی حسبِ ذیل چند وجوہات ہیں:

(۱) مسحور ساحر کے معنی میں آتا ہے، مطلب یہ ہوگا الا رجلاً ساحراً، کیونکہ سحر تو مدینہ منورہ میں ہوا تھا، اور مکہ مکرمہ میں معجزات کی وجہ سے ساحر کہتے تھے۔ اور مسحور ساحر کے معنی میں قرآنِ کریم میں مستعمل ہوا ہے:

ولقد آتینا موسیٰ تسع آیات فسئل بني إسرائیل إذ جاء هم فقال له فرعون: إني لأظنک یٰموسیٰ مسحوراً . (الاسراء: ۱۰۱).

نیز سورۂ بنی اسرائیل میں مفعول کے اکثر صیغے اسم فاعل کے معنی میں آئے ہیں؛ جیسے: وإذا قرئت القرآن جعلنا بینک وبین الذین لا یؤمنون بالآخرة حجاباً مستوراً . (الاسراء: ۴۵) أی ساتراً .

(۲) ضروری نہیں کہ کفار کی ہر بات غلط ہو، کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہتے ہیں تو کیا یہ غلط ہے؟ ان کا مقصد یہ تھا: محمد بشر (صغریٰ) والبشر لایکون نبیاً (کبریٰ) فمحمد لایکون نبیاً . (نتیجہ)۔

ان کا صغریٰ تو صحیح تھا لیکن کبریٰ غلط تھا اس وجہ سے نتیجہ بھی غلط نکلا۔

اسی طرح ان کا یہ مطلب کہ محمد مسحور ہے اور مسحور نبی نہیں تو محمد نبی نہیں تو یہ غلط ہے، مسحور بیمار کے معنی میں ہے اور بیماری خواصِ بشر میں سے ہے جب رسول بشر ہے تو رسول کے ساتھ خواصِ بشر کا پیش آنا رسول ہونے کے منافی نہیں ہے۔

(۳) رسول کو مسحور کہا اس کا مطلب یہ تھا کہ مختلط الحواس اور مجنون ہیں۔

مختصر دلائل ملاحظہ فرمائیں:۔ روح المعانی میں علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

سورة الفلق : مکیة في قول الحسن وعطاء و عکرمة و جابر و روایة کریب عن ابن

عباس ﷺ مدنية في قول ابن عباس ﷺ في رواية أبي صالح وقتادة وهو الصحيح لأن سبب نزولها سحر اليهود، وهم إنما سحروه عليه الصلاة والسلام بالمدينة كما جاء في الصحاح فلا يلتفت لمن صحح كونها مكية وكذا الكلام في سورة الناس . (روح المعاني: ۳۰/۲۷۹). (وكذا في زادالمسير: ۹/ ۲۷۰، والتفسير).

معارف القرآن میں مرقوم ہے:

کسی نبی اور پیغمبر پر جادو کا اثر ہو جانا ایسا ہی ممکن ہے جیسا بیماری کا اثر ہو جانا اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام بشری خواص سے الگ نہیں ہوتے جیسے ان کو زخم لگ سکتا ہے بخار اور درد ہو سکتا ہے ایسے ہی جادو کا اثر بھی ہو سکتا ہے۔(معارف القرآن:۵/۴۷۸)۔

انبیاء علیہم السلام پر سحر کے اثر کرنے کی تحقیق ملاحظہ ہو:

تحقيق تأثر الانبياء بالسحر: وأما تأثر الأنبياء عليهم السلام بالسحر، فقد روي عن عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها: أنه عليه السلام سحر حتى أنه ليخيل إليه أنه فعل الشيء وما فعله، الحديث...

الجواب عن إيراد الجصاص على حديث تأثر النبي صلى اللّٰه عليه وسلم بالسحر: وما قاله الجصاص ؒ: إن مثل هذه الأخبار من وضع الملحدين وقال: إنه لم يقل كل الرواة: أنه صلى الله عليه وسلم اختلط عليه أمره، وإنما هذا اللفظ زيد فى الحديث ولا أصل له، انتهى، فلم أجد له وجهاً وجيهاً؛ فإن الحديث قد جاء عن غير واحد من الصحابة عن غير واحد من الطرق الصحيحة بأسانيد رجالها كلهم ثقات . والذى حمل الجصاص ومن تبعه على رد الحديث أن تجويز هذا يعدم الثقة بما شرعه من الشرائع إذ يحتمل على هذا أن يخيل إليه أنه يرى جبريل وليس هو ثم، وأنه يوحى إليه بشيء ولم يوح إليه شيء، وهذا يحط منصب النبوة ويشكك فيها، وكل ما أدى إلى ذلك فهو باطل، قلنا: لا مجال لهذا الاحتمال، وإنما يتأتى ذلك لو نقل عنه في خبر من الأخبار أنه قال قولاً فكان بخلاف ما أخبر به، ولم ينقل عنه في خبر من الأخبار ما يوهم ذلك... وأما ما يتعلق ببعض أمور الدنيا التي لم يبعث لأجلها، ولا كانت الرسالة لأجلها، فهو في ذلك عرضة لما يعترض البشر

كالأمراض، فغير بعيد أن يخيل إليه في أمر من أمور الدنيا ما لا حقيقة له مع عصمته عن مثل ذلك في أمور الدين ...

إلى قوله: وبالجملة لم يقم دليل عقلي ولا سمعي على امتناع تأثر الأنبياء عليهم السلام به مطلقاً ؛ بل قد وردت الأحاديث الصحيحة بثبوته في الجملة، وهو ظاهر القرآن، نعم: لا يجوز تأثرهم به فيما يتعلق بالتشريع والتبليغ ...الخ. (احكام القرآن للعلامة التهانویؒ: ١/٤٤_٤٨،ط: ادارة القرآن).

روح المعانی میں ہے:

إن الله عصمه فيما يتعلق بالرسالة وأما ما يتعلق ببعض أمور الدنيا التي لم يبعث عليه الصلاة والسلام بسببها وهي مما يعرض للبشرفغير بعيد أن يخيل إليه من ذلك ما لا حقيقة له... وقال القاضي عياض: قد جاءت روايات حديث عائشةؓ مبينة أن السحر إنما تسلط على جسده الشريف صلى الله عليه وسلم وظواهر جوارحه لا على عقله عليه الصلاة والسلام وقلبه واعتقاده ... (روح المعانی:٣٠/٢٨٣). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

یہود کی خوش عیش زندگی اور قرآنِ کریم:

سوال: اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں یہود کے بارے میں فرمایا کہ:ان پر ذلت اور مسکنت کی مہر لگائی گئی ہے، حالانکہ کافی عرصہ سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ بڑی عزت کی زندگی گزارتے ہیں، امریکہ، یورپ ان کے اشاروں پر ناچتے ہیں، عرب ممالک میں ایک چھوٹے سے حصے پر حاکم ہونے کے باوجود ایٹمی طاقت کے مالک ہیں، تو قرآنِ کریم کی آیت کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: کتبِ تفاسیر میں مفسرین حضرات نے بہت کچھ تحریر فرمایا ہے لیکن سب کا ماحصل اور خلاصہ یہ ہے کہ یہود پر مسکینی دائمی یا کچھ مدت کے لیے لگائی گئی، اور یہ مسکینی یا واقعی ہے کہ ان کے اکثر افراد فقیر ہیں ہاں ان میں سے کچھ فیصد مالداری کے اوج ثریا پر پہونچے ہیں اور اکثر حضرات کے نزدیک دلوں کی مسکینی مراد ہے یعنی حرص وبخل میں ضرب المثل بنے ہوئے ہیں۔اور لوگ ان سے نفرت کرتے ہیں، حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کا اس مسئلہ پر ایک رسالہ ہے اس کو ملاحظہ کیا جائے۔

اوران پر ذلت اور کمزوری ڈالی گئی ہے کچھ مدت قبل تک سب ان کو ذلیل سمجھتے تھے، ہاں اگر یہ اللہ تعالیٰ کے دین کی رسی پکڑلیں یا دوسری اقوام کے دامن شفقت میں پناہ لیں تو ان کی ذلت اور کمزوری ختم ہوجائیگی یا ذلت چھپ جائیگی، اور یہود آج کل دوسری اقوام کی گود میں اسطرح بیٹھے ہوئے ہیں جیسے بچہ ماں کی گود میں بلکہ بچہ نے ماں کو کھلونا بنایا ہے اور ماں بچہ کی محبت میں انصاف اور سچائی کی حدود تجاوز کررہی ہے، فإلی اللّٰه المشتکیٰ.

امام رازیؒ کی تفسیر اور قرۃ العینین تعلیقات جلالین سے پتہ چلتا ہے کہ "ضربت علیهم الذلة و المسكنة" اور" أينما ثقفوا إلا بحبل من اللّٰه وحبل من الناس" کا مطلب یہ ہے کہ جب یہود اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتے تو ان کے ساتھ قتال کر کے ان کو ذلیل اور مسکین بنایا جائے جیسے خیبر میں ان کی زمینوں اور اموال کو چھین لیا گیا۔ الا یہ کہ عقد ذمہ کے نتیجے میں قتال اور محاربہ سے بچ جائیں، اوراس کی نظیر " أينما ثقفوا أخذوا وقتلوا تقتيلاً"، یعنی یہ شرط وجزا کی طرح ہے۔ ملاحظہ کیجئے: (قرة العينين تحت الآية: ١١٢، سورة آل عمران).

وللاستزادة انظر: (التفسير المظهري: ٢/١٢١، وجواهر القرآن للطنطاوي: ١/١٤٢، وزاد المسير في علم التفسير لابن الجوزي: ١/٤٤١، والتفسير الواضح للشيخ الصابوني، ص ١٤٣، وتفسير البيضاوي، ص ٨٥، وانوار البيان في كشف اسرار القرآن: ١/١٢١، وكتاب الاستفسار، ص: ١٠٥، وتفسير ماجدي: ١/١٤٦). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شہابِ ثاقب کا جنات کا تعاقب کرنا:

سوال: کیا قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ شہابِ ثاقب کے ذریعہ جن جنات کو فرشتے مارتے ہیں یہ وہ جنات ہیں جو ملأ اعلیٰ کی گفتگو سننے کی کوشش کرتے ہیں۔ نیز شیاطین کے مارے جانے کا سلسلہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بعد شروع ہوا یا بعثت ورسالت کے بعد؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ جب جنات ملأ اعلیٰ کی گفتگو سننے کی کوشش کرتے ہیں تو شہابِ ثاقب جنات کا تعاقب کرتے ہیں، اوراصح قول کے مطابق یہ سلسلہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد شروع ہوا، ہاں شہابِ ثاقب پہلے سے موجود تھے لیکن ان سے یہ کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد لیا گیا۔ البتہ بعض کتبِ تاریخ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے شروع ہونا مرقوم ہے لیکن یہ

قول مرجوح ہے۔ یا یہ کہ ولادت کے وقت رمی کا سلسلہ کم تھا، بعثت کے بعد بہت زیادہ ہوا، یا ولادت کے وقت موقوف ہوکر بعثت کے وقت سے تاہنوز جاری ہے۔

ملاحظہ ہو فرمائیں، علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

وثانياً وهو الحق : بأنها كانت موجودة قبل البعثة لأسباب أخر ولا تنكر ذلك إلا أنه لا ينافي أنها بعد البعثة قد توجد بسبب دفع الشياطين و زجرهم ، ... (روح المعاني: ١٤/ ٢٥، دارالتراث).

قال الإمام الرازي: المقام الثاني : وهو أقرب إلى الصواب أن هذه الشهب كانت موجودة قبل المبعث إلا أنها زيدت بعد المبعث وجعلت أكمل وأقوى، وهذا هو الذي يدل عليه لفظ القرآن ، لأنه قال: ﴿ فوجدناهاملئت﴾ [الجن:٨]. **وهذا يدل على أن الحادث هو الملء و الكثرة ... الخ.** (التفسير الكبير: ١٥/ ١٥٨، ط: دار الفكر).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (روح المعانی، سورۂ حجر، وسورۂ جن، وتفسیر کبیر، سورۂ جن، وتفسیر ابن کثیر، سورۂ جن، وتفسیر مظہری، ومعارف القرآن، وسیرتِ حلبیہ: ۱/ ۱۶۸، ومواہب لدنیہ، وکشف الباری، کتاب التفسیر از حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب)۔

جاہلیت کے بعض شعراء کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ شہابِ ثاقب بعثتِ نبوی سے پہلے بھی گرائے جاتے تھے۔ ملاحظہ ہو:

قال العلامة الآلوسي: وجاء أيضاً في شعر الجاهلية : قال بشر بن أبي حازم :

والعير يلحقها الغبار وجحشها ☆ ينقض خلفهما انقضاض الكوكب .

وقال أوس بن حجر :

وانقض كالدرى يتبعه ☆ نقع يثور تخاله طنبا . (روح المعاني: ١٤/ ٢٤، دارالتراث).

شہابِ ثاقب کیا ہے؟

اس بارے میں قدیم فلاسفہ کہتے ہیں کہ جب دھواں طبقہ ناریہ کو پہنچ کر نار بن جائے اور بھڑک اٹھے تو یہ شہاب ہے، یاد رہے کہ قدیم فلاسفہ آسمان کے نیچے طبقہ ناریہ کے قائل ہیں۔ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

إن انقضاض الكواكب مذكور في كتب قدماء الفلاسفة وذكروا فيه أن الأرض إذا سخنت بالشمس ارتفع منها بخار يابس فإذا بلغ كرة النار احترق بها فتلك الشعلة هي

الشهاب . (روح المعاني: ١٤/ ٢٤).

مزید دیکھئے: (ہدایۃ الحکمۃ شرح میبذی، ص۷۳، وفلکیاتِ جدیدہ از حضرت مولانا موسیٰ روحانی بازی، ص۲۸۲)۔

جدید فلاسفہ کہتے ہیں کہ شہب بے شمار چھوٹے اجسام ہیں جن کا حجم عموماً چنے اور اخروٹ سے بڑا نہیں ہوتا اجسام وسیع فضا میں نہایت تیز رفتاری یعنی بر فتار ۲۰ میل و ۲۵ میل فی سیکنڈ بلکہ بعض بر فتار ۴۰ میل یا اس سے بھی زیادہ میل فی ثانیہ گردش کرتے ہیں۔ سطح ارض سے تقریباً ۱۰۰ میل بالا بالا شہاب ٹوٹنے کا آغاز ہوتا ہے اور زمین سے ۵،۱۰ میل کے فاصلے پر پہنچ کر جل بھن کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ البتہ گاہے گاہے اگر شہابی پتھر کا حجم بڑا ہو تو اس کے کچھ ٹکڑے صحیح وسالم زمین تک پہنچ جاتے ہیں اور بڑی تباہی کا باعث بن جاتے ہیں۔

دنیا کے مختلف عجائب گھروں میں اس قسم کے بے شمار احجارِ شہابی محفوظ ہیں۔ دنیا میں سب سے بڑا شہابی پتھر گرین لینڈ میں ایک سیاح کو ملا، وہ اسے امریکہ لے آیا، اس کا وزن تقریباً ۳۰ ٹن ہے ۱۹۱۷ء میں سکاٹ لینڈ میں ایک شہاب گرا۔ اس کے ایک ٹکڑے کا وزن ۲۲ پونڈ ہے۔ ۱۰ نومبر ۱۴۹۲ء کو فرانس میں ایک شہابی حجر گر کر پانچ فٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ اس کا وزن سوا تین من تھا۔ اب بھی لوگ اسے دیکھنے کے لیے جاتے رہتے ہیں۔ میکسیکو میں ایک شہابی حجر محفوظ ہے جس کا وزن ۸۰۰ من ہے یہ ٹکڑا لوہے کا ہے۔ (فلکیاتِ جدیدہ، ص: ۲۷۱۔۲۸۰، از مولانا موسیٰ روحانی بازی)۔

شہاب کو نجم کہنے کی وجہ:

علامہ آلوسیؒ نے فرمایا کہ شہاب کو نجم اس کے چمکنے اور روشن ہونے میں مشابہت کی وجہ سے کہا گیا ہے، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ یہ شعلے بعض ستاروں سے ٹوٹ کر گرائے جاتے ہوں۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

والشهاب على ما قال الراغب؛ الشعلة الساطعة من النار الموقدة من العارض في الجو ويطلق على الكوكب ببريقه كشعلة النار...إلى قوله: وإطلاق الرجوم على النجوم وقولهم: رمى بالنجم يحتمل أن يكون مبنياً على الظاهر للرائي ...الخ. (روح المعاني: ١٤/ ٢٣-٢٦). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فصل دوم

تلاوت سے متعلق احکام کا بیان

سورۂ یٰس صبح شام پڑھنے کی فضیلت:

سوال: سورۂ یٰس صبح شام پڑھنے کی کیا فضیلت احادیث میں وارد ہوئی ہے؟ نیز دونوں روایتوں میں کونسی زیادہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: سورۂ یٰس پڑھنے سے متعلق تین قسم کی روایات ذخیرۂ احادیث میں دستیاب ہوتی ہیں (۱) دن اور رات میں پڑھنے سے متعلق۔(۲) صرف صبح پڑھنے کی روایات۔(۳) صرف شام میں پڑھنے کی روایات۔ان روایات میں رات کو پڑھنے والی روایات زیادہ صحیح ہیں۔اور صبح کو پڑھنے والی روایات ضعیف ہیں۔

پہلی قسم کی روایات ملاحظہ کیجئے:

أخرج الإمام الطبراني في المعجم في الكبير(١٩/٦٢/١٤٥) **والصغير**(١/٢٢٥/٤١٧) **بسنده عن الحسن عن أبي هريرة** رضی اللہ عنہ **قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" من قرأ يٰسٓ في يوم أو ليلة ابتغاء وجه الله غفرله. وقال: قد قيل: إن الحسن لم يسمع من أبي هريرة**رضی اللہ عنہ **وقال بعض أهل العلم: إنه قد سمع منه .**

إسناده ضعيف ؛ قال الهيثمي: فيه أغلب بن تميم وهو ضعيف. قال البخاري: منكر الحديث. وأيضاً أخرجه ابن السني في عمل اليوم والليلة (٦٧٣)، **وابن عدى فى الكامل** (١/٤١٦) .

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت ہے اور اس کی سند حسن کے درجہ میں ہے۔ ملاحظہ ہو:

أخرج الإمام الدارمي في سننه (٣٤٦٢، باب فضل يس) بسنده عن شهربن حوشب قال: قال بن عباس رضي الله عنه: من قرأ يٰس حين يصبح أعطي يسر يومه حتى يمسي ومن قرأها في صدر ليلة أعطي يسر ليلته حتى يصبح . قال محشيه حسين سليم أسد: إسناده حسن وهو موقوف على ابن عباس رضي الله عنه .

دوسری قسم یعنی صبح کو پڑھنے کی روایات ملاحظہ فرمائیں:

أخرج الإمام الدارمي في سننه (٣٤٦١، باب فضل يس) بسنده عن عطاء بن أبي رباحؒ قال: بلغني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من قرأ يٰس في صدرالنهار قضيت حوائجه. قال محشيه حسين سليم أسد: إسناده ضعيف مرسل .

قلت: رجاله ثقات إلا أنه مرسل ومراسيل عطاء بن أبي رباح أضعف المراسيل .
قال الإمام المزي: وقال الفضل بن زياد ، عن أحمد بن حنبلؒ: ...وليس فى المرسلات شيء أضعف من مرسلات الحسنؒ وعطاء بن أبي رباح فإنهما كانا يأخذان عن كل أحد. (تهذيب الكمال:٢٠/٨٣).

وأخرج أبونعيم الأصبهاني بسنده ، فقال: حدثنا أبومحمد بن حيان ثنا إسحاق بن إبراهيم ثنا فهر بن عبد الله أبوشامة ثنا يزيد بن الحباب عن هارون النحوي عن سعيد عن عكرمة قال: من قرأ يٰس والقرآن الحكيم لم يزل ذلك اليوم في سرور حتى يمسي . (حلية الاولياء:٣/٣٣٨). وفي إسناده نظر؛ فهر بن عبد الله أبوشامة لم أهتد إليه ، وسعيد ـ راويه عن عكرمة ـ لم يتعين لي، فإن كان هو سعيد بن المرزبان أبا سعد البقال فهو متروك الحديث

(تعليقات احاديث ومرويات فى الميزان لمحمد عمرو عبداللطيف :٢/١٢).

تیسری قسم یعنی رات کو سورۂ یٰس پڑھنے کی احادیث ملاحظہ کیجئے:

أخرج الإمام الدارمي في سننه (٣٤٦٠) قال : حدثنا الوليد بن شجاع حدثني أبي حدثني زياد بن خيثمة عن محمد بن جحادة عن الحسن عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قرأ يٰس في ليلة ابتغاء وجه الله غفر له في تلك الليلة .

إسناده ؛ رجاله ثقات إلا أن سماع الحسن من أبي هريرة رضي الله عنه مختلف فيه ؛ والذي قرره الحافظ فى" التهذيب"(٢/٢٤٥) أنه سمع منه فى الجملة .

لكن هذا لا ينفع فى المدلس وأن الحسن مشهور فى التدليس حتى يصرح بالسماع الذى لا يحتمل التأويل .

نعم صرح في حديث أبي يعلى، قال حدثنا إسحاق بن أبي إسرائيل حدثنا حجاج بن محمد عن هشام بن زياد عن الحسن قال: سمعت أباهريرة رضي الله عنه يقول: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من قرأ يٰسٓ في ليلة أصبح مغفوراً له ...الخ .

لكن في إسناده ؛هشام بن زياده وهوضعيف. والحديث أخرجه أبو داود الطيالسي في مسنده (٢٥٨٩)، والبيهقي في شعب الإيمان (٢٢٣٥)، وأبونعيم الأصبهاني في أخبار أصبهان (٩٢٧)، وفي حلية الأولياء (٢/١٥٩) والعقيلي فى الضعفاء الكبير (٣٢٨) وقال: والرواية في هذا المتن فيها لين، وتمام في فوائده (٩٠٠)، وابن مقرئ في معجمه (٧٠)، ويحيى بن الحسين فى الأمالى الشجرية (ص:٩٦)، وحنبل بن إسحاق في جزئه (٨٨). والخطيب في تاريخ بغداد (١٣٤٥)، و ابن عساكر في تاريخ دمشق (١١٥٥٦).

وأخرج ابن حبان في صحيحه (٢٥٧٤) بسنده، عن محمد بن جحادة عن الحسن عن جندب قال :قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من قرأ يٰسٓ في ليلة ابتغاء وجه اللّٰه غفرله.
قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: رجاله ثقات لكن فيه عنعنة الحسن .

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت بعض طرق کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے البتہ حسن بصری کا عنعنہ ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع مختلف فیہ ہے۔ مزید تفصیل کے لیے شعب الایمان کی تعلیقات (٤/٩٥-٩٦/٢٢٣٥و ٢٢٣٦) ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خلطِ قراءات کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص قرآنِ کریم کا کچھ حصہ ایک قراءت میں پڑھے، پھر دوسرا حصہ دوسری قراءت میں پڑھے، مثلاً پہلا جزء ایک قراءت میں اور دوسرے جزء کو دوسری قراءت میں، پھر تیسرا جزء تیسری قراءت

میں، اس طرح پورا قرآنِ کریم ختم کرے تو یہ جائز اور درست ہے یا نہیں؟ نیز قرآن ختم کرنے والا کہلائیگا یا نہیں؟ اسی طرح نماز میں پہلی رکعت میں ایک قراءت اور دوسری رکعت میں دوسری قراءت پڑھے تو نماز ہوجائیگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ایسا کرنا جائز اور درست ہے لیکن پورے قرآن کو ایک ہی قراءت میں مربوط کرنا بہتر اور اولیٰ ہے۔ ملاحظہ ہو امام نوویؒ فرماتے ہیں:

إذا ابتدأ بقراء ة أحد القراء، فينبغي أن يستمر على القراء ة بها ما دام الكلام مرتبطاً، فإذا انقضى ارتباطه فله أن يقرأ بقراء ة أحد من السبعة والأولى دوامه على الأولى في هذا المجلس. (التبيان فی آداب حملة القرآن، الباب السادس فی آداب القرآن، ص۹۸، ط: دارابن حزم). وكذا فی فتح الكريم المنان للضباع المصری، ص۳).

لیکن ایسے خلط قراءت سے اجتناب کرے جہاں کلمہ مہمل بن جاتا ہو یا جملہ غلط ہوجاتا ہو جیسے "فتلقی آدم من ربه كلمات" میں خلط قراءت سے آدم اور کلمات دونوں کو منصوب پڑھے تو یہ جملہ نحوی ترکیب کے اعتبار سے غلط ہوگا، کیونکہ فاعل اور مفعول دونوں منصوب ہوگئے وہذا لا یجوز۔

ملاحظہ ہو غیث النفع فی القراءات السبع میں مرقوم ہے:

وقال الشيخ النويري في شرح الدرة: والقراء ة بخلط الطرق وتركيبها حرام أو مكروه أو معيب. وقال المحقق ابن الجزری: والصواب عندی فی ذلک التفصيل وهو إن كانت إحدى القراء تين مترتبة على الأخرى فالمنع من ذلک منع تحريم كمن قرأ: ﴿فتلقى آدم من ربه كلمات﴾ بالرفع فيهما أو النصب آخذاً رفع آدم من قراء ة غير المكی ورفع كلمات من قراء ته وأما مالم يكن كذلک فإنا نفرق فيه بين مقام الرواية وغيرها، فإن قرأ بذلک على سبيل الرواية فإنه لايجوز أيضاً من حيث أنه كذب فی الرواية وتخليط على أهل الدراية، وإن لم يكن على سبيل النقل والرواية بل على سبيل القراء ة والتلاوة فإنه جائز وإن كنا نعيبه على أئمة القراء ات العارفين باختلاف الروايات من وجه تساوی العلماء بالعوام لا من وجه أن ذلک مكروه أو حرام، انتهى مختصراً، وجزم في موضع آخر بالكراهة من غير تفصيل، والتفصيل هو التحقيق. (غيث النفع فی القراء ات السبع، ص٤٤، دارالكتب

العلمية).

قال العلامة ابن الجزري فى النشر فى القراء ات العشر: والصواب عندنا...وإن لم يكن على سبيل النقل والرواية بل على سبيل القراء ة والتلاوة فإنه جائز صحيح مقبول لا منع منه ولا حظر ...الخ. (النشرفى القراء ات العشر:١/١٩،ط: دارالفكر).

وقال محمد شرعى أبوزيد في جمع القرآن فى مراحله التاريخية": وقد اتفق العلماء على عدم جواز الخلط بين الطرق والروايات إذا كانت إحدى القراء تين مترتبة على الأخرى، وكذلك إذا قرأ على سبيل النقل والرواية، ...واختلفوا في جواز ذلك على سبيل القراء ة والتلاوة، فأجاز أكثر العلماء إذا الكل منزل، تهويناً على أهل الملة، ولو كان واجباً عليهم تمييز الروايات عن بعضها، لانقلب التيسير مشقة وتعسيراً، انظر: النشرفى القراء ات العشر:١/١٨،١٩. (جمع القرآن،ص٢٦٩).

مزید ملاحظہ ہو: (النشر فی القراءات العشر، لابن الجزریؒ:۱/۱۸۔۲۰،ط: دار الفکر، والاتقان فی علوم القرآن:۱/۳۰۴،ط: داراحیاء العلوم، بیروت، ومجموعۃ الفتاویٰ للعلامۃ اللکنویؒ: جلد اول، ص۱۰۸،ط: آرام باغ، کراچی)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خارج الصلوٰۃ تلاوت سننے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص نماز کے باہر تلاوت کر رہا ہو تو کیا اس کا سننا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں پانچ قول مشہور ہیں: (۱) مطلقاً سننا واجب ہے۔

قال فى الشامية: قوله يجب الاستماع للقراء ة مطلقاً أى فى الصلاة وخارجها لأن الآية وإن كانت واردة فى الصلاة على ما مر فالعبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب.

(فتاوى الشامى:١/٥٤٦،سعيد).

(۲) فرضِ کفایہ ہے اگر بعض لوگ سنتے ہوں تو دوسروں کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے۔

وفي شرح المنية والأصل أن الاستماع للقرآن فرض كفاية لأنه لإقامة حقه بأن يكون ملتفتاً إليه غير مضيع وذلك يحصل بإنصات البعض كما في رد السلام حين كان لرعاية حق المسلم كفى فيه البعض عن الكل، إلا أنه يجب على القارى احترامه بأن لايقرأه

فی الأسواق ومواضع الاشتغال ...الخ. (فتاوی الشامی: ۱/۵۴٦،سعید).

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح ،ص: ،قدیمی).

(۳) پہلے سے کام میں مشغول ہواور پھر تلاوت شروع کرے تو نہ سننے کا گناہ نہ ہوگا۔

وفي فتاوى الشامي: في القنية: صبي يقرأ في البيت وأهله مشغولون بالعمل يعذرون في ترك الاستماع إن افتتحوا العمل قبل القراءة وإلا فلا . (فتاوی الشامی: ۱/۵۴٦،سعید).

وکذا فی الفتاوی الهندیة : ۵/۳۱۷).

(۴) نماز کے باہر سننا مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

قال في تفسير البيضاوي: وظاهر اللفظ يقتضي وجوبهما حيث يقرأ القرآن مطلقاً وعامة العلماء على استحبابهما خارج الصلاة . (تفسیرالبیضاوی ،ص۲۳۳). (وکذا فی تفسیرالمظهری: ۳/۴۵۱، ط: بلوچستان بك ڈپو).

بقولِ حضرت تھانویؒ عام علماء میں احناف بھی داخل ہیں۔ (بیان القرآن:۴/۶۲)۔

قال الطحطاويؒ: وفي الدرة المنيفة عن القنية : يكره للقوم أن يقرأوا القرآن جملة لتضمنها ترك الاستماع والإنصات وقيل: لا بأس به. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۳۱۸، فی صفة الاذکار، قدیمی). (وکذا فی الموسوعة الفقهية :۳۳/٦۲، نقلاً عن غنية المتملی. وکذا فی امداد الفتاویٰ: ۴/۵۹).

(۵) اگرکوئی سنانے ہی کی غرض سے تلاوت کررہا ہوتو پھر سننا ضروری ہے ورنہ نہیں، جیسا کہ جلسہ وغیرہ میں سنا نے کے لیے پڑھتے ہیں۔

معارف القرآن میں ہے:

کان لگانا اور سننا صرف ان جگہوں میں واجب ہے جہاں قرآن کوسنانے ہی کے لیے پڑھا جارہا ہو۔ (معارف القرآن:۴/۱۶۳)۔

قال الشيخ وهبة الزحيلي الشافعي: لكن الجمهور خصوا وجوب الاستماع والإنصات بقراءة الرسول صلى الله عليه وسلم في عهده ، وبقراءة الصلاة والخطبة من بعده يوم الجمعة لأن إيجاب الاستماع والإنصات في غير الصلاة والخطبة فيه حرج عظيم

إذ يقتضي ترک الأعمال. وأما ترک الاستماع والإنصات للقرآن المتلو فی المحافل، فمکروه کراهة شديدة . (التفسیر المنیر:۹/۲۲۹).

قال الشيخ أحمد مصطفی المراغی: وما يفعله جماهير الناس فی المحافل التي يقرأ فيها القرآن کالمآتم وغيرها من ترک الاستماع والاشتغال بالأحاديث المختلفة فمکروه کراهة شديدة ، ولا سيما لمن کانوا علی مقربة من التالي. (تفسیر الشیخ المراغی:۹/۱۵۶).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اجتماعی طور پر جہراً تلاوت کرنے کا حکم:

سوال: اگر کئی آدمی اکھٹے بیٹھ کر تلاوت کرتے ہوں ،اور ایسی ہلکی آواز سے تلاوت کرتے ہوں کہ دوسرے کے پڑھنے میں حرج نہ ہوتو یہ جائز ہے یا نہیں؟ قرآنِ کریم کی تلاوت کا سننا آیتِ کریمہ کی روشنی میں ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر زور سے تلاوت کرتے ہوں تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قرآنِ کریم کا سننا نماز میں لازم ہے اور نماز سے باہر مستحب ہے، یہ قول آسان اور راجح ہے نیز اگر کوئی شخص کسی کام میں پہلے سے مشغول ہے یا خود تلاوت کر رہا ہے تو ترکِ استماع کی گنجائش ہے، خصوصاً درجہ حفظ کے لیے تو اس کی گنجائش واضح ہے۔

اور اگر کوئی اشکال کرے کہ قرآنِ کریم کا یہ حکم: ﴿ **وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلکم ترحمون** ﴾ مطلق عام ہے نماز وغیر نماز دونوں کو شامل ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ استماع کا وجوب نماز کے ساتھ مخصوص ہے خارج الصلوٰۃ میں استحباب ہے اور اس کی دلیل ابن کثیر اور عالمگیری کی وہ عبارات ہیں جو درجِ ذیل ہیں، خارج الصلوٰۃ کی تلاوت سننے میں فرضِ عین اور فرضِ کفایہ کا قول بھی فقہاء نے نقل فرمایا ہے لیکن استحباب کا قول آسان ہونے کی وجہ سے اولیٰ ہے۔

کبیری نے فرضِ کفایہ اور دوسرے فقہاء نے واجب علی العین فرمایا ہے، ابن وہبان کے اس شعر: **وأثوب من ذکر القرآن استماعه ☆ وقالوا ثواب الطفل للطفل يحصر** ، کے ذیل میں علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: **استماعه لوجوبه وندب القراءة** . (فتاوی الشامی: ٦/٤٣٠،سعید).

آیتِ کریمہ سے متعلق علمائے کرام کے مختلف اقوال ہیں ملاحظہ ہوں:

(۱) جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرمائیں بوقتِ نزول تو اس کو خاموشی سے سنو۔
(۲) جمہور صحابہ کرام کا قول یہ ہے کہ یہ آیتِ کریمہ مقتدی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔
(۳) جمعہ کے دن خطبہ سننے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔
(۴) خطبہ اور مقتدی دونوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یہ قول اصح ہے۔

قال في مدارک التنزيل: ظاهره وجوب الاستماع والإنصات وقت قراء ة القرآن فی الصلاة وغيرها، وقيل: معناه إذا تلا عليكم الرسول صلی اللّٰہ عليه وسلم القرآن عند نزوله فاستمعوا له وجمهور الصحابة على أنه فی استماع المؤتم. وقيل: في استماع الخطبة. وقيل: فيهما، وهو الأصح. (تفسیرالنسفی: ۲/۸۳، دار النفائس، بیروت).

نیز احادیث وآثار کی روشنی میں خارج الصلاۃ ترکِ استماع کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

وقال ابن جرير: حدثنا حميد بن مسعدة، حدثنا بشربن المفضل، حدثنا الجريری، عن طلحة بن عبيد اللّٰہ بن كريز قال: رأيت عبيد بن عمير وعطاء بن أبي رباح يتحدثان، والقاص يقص، فقلت: ألا تستمعان إلى الذكر وتستوجبان الموعود ؟ قال: فنظرا إلي، ثم أقبلا على حديثهما. قال: فأعدت الثالثة، قال: فنظرا إلي فقالا: ذلک فی الصلاة: وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا.

وقال سفيان الثوری، عن أبي هاشم إسماعيل بن كثير، عن مجاهد في قوله تعالیٰ: وإذا قرئ القرآن...الخ. قال فی الصلاة، وكذا رواه غير واحد عن مجاهد. وقال عبد الرزاق، عن الثوري، عن ليث، عن مجاهدؒ قال: لا بأس إذا قرأ الرجل في غير الصلاة أن يتكلم. (تفسیرابن کثیر: ۲/۲۸۷).

وللمزيد راجع: (تفسیرالطبری: ۱۳/۳٤٦، ط: مؤسسة الرسالة، وفی ظلال القرآن: ۳/۳٥۲).

تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے روایات کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ خارج الصلوٰۃ کی تلاوت سننا واجب نہیں ہے اور صاحبِ خلاصۃ الفتاویٰ کی عبارت وجوب پر دال تھی اس کو رد کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (التفسیر المظہری: ۳/٤٥۱، ط: بلوچستان).

قال الإمام البخاريؒ في صحيحه (٤۲۳۲): **قال أبوبردة عن أبي موسى قال النبی صلی**

اللّٰہ علیه وسلم إني لأعرف أصوات رفقة الأشعريين بالقرآن حين يدخلون بالليل وأعرف منازلهم من أصواتهم بالقرآن بالليل وإن كنت لم أرمنازلهم حين نزلوا بالنهار. وأخرج الإمام مسلم في صحيحه (۲۴۹۹،باب من فضائل الاشعريين) .

معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

اس واقعہ میں بھی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعری حضرات کو اس سے منع نہیں فرمایا کہ بلند آواز سے کیوں قراءت کی اور نہ سونے والوں کو ہدایت فرمائی کہ جب قرآن پڑھا جارہا ہو تو تم سب اٹھ بیٹھو اور قرآن سنو، اس قسم کی روایات سے فقہاء نے خارج نماز کی تلاوت کے معاملہ میں کچھ گنجائش دی ہے لیکن اولیٰ اور بہتر سب کے نزدیک یہی ہے کہ خارج نماز بھی جب کہیں سے تلاوتِ قرآن کی آواز آئے تو اس پر کان لگائے اور خاموش رہے۔ (معارف القرآن:۴/۱۶۴)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

اگر کوئی شخص بطورِ خود تلاوت کررہا ہے یا چند آدمی کسی ایک مکان میں اپنی اپنی تلاوت کررہے ہیں تو دوسرے کی آواز پر کان لگانا اور خاموش رہنا واجب نہیں، کیونکہ احادیثِ صحیحہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز میں جہراً تلاوت فرماتے تھے اور ازواجِ مطہرات اس وقت نیند میں ہوتی تھیں، بعض اوقات حجرہ سے باہر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی جاتی تھی۔ (معارف القرآن:۴/۱۶۴)۔ (وکذا فی بیان القرآن:۴/۶۲)۔

فقہاء کے بعض جزئیات سے پتہ چلتا ہے کہ ایک ساتھ تلاوت میں ایک دوسرے کا سننا واجب نہیں ہے۔

قال في الفتاوى الهندية: قوم يجتمعون ويقرء ون الفاتحة جهراً دعاء لايمنعون عادة والأولى المخافتة فى الخجندى أمام يعتاد كل غداة مع جماعته قراء ة آية الكرسي وآخر البقرة وشهد الله ونحوها جهراً لا بأس به والأفضل الإخفاء كذا فى القنية . (الفتاوى الهندية : ۳۱۷/۵).

قال الطحطاويؒ: وفى الدرة المنيفة عن القنية : يكره للقوم أن يقرأوا القرآن جملة لتضمنها ترك الاستماع والإنصات وقيل: لا بأس به . (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص۳۱۸، فصل فى صفة الاذكار، قديمى). وكذا فى الموسوعة الفقهية :۶۲/۳۳، نقلاً عن غنية المتملى).

وفى الفتاوى الهندية: ولا بأس باجتماعهم على قراء ة الإخلاص جهراً عند ختم

القرآن، ولو قرأ واحد واستمع الباقون فهو أولى، كذا في القنية . (الفتاوى الهندية: ٥/٣١٧).

(وكذافي مجمع الانهر في شرح ملتقى الابحر: ٤/٢٢٠،ط: بيروت،والبريقة المحمودية في شرح الطريقة المحمدية :٥/١١٠).

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: سماعِ قرآن میں دونوں قول ہیں، میں آسانی کے لیے اسی کو اختیار کرتا ہوں کہ خارج الصلوٰۃ مستحب ہے۔(امدادالفتاویٰ:۴/۵۹)۔(وکذافی خیرالفتاویٰ:۱/۲۶۰،وآپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۴۵۴)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قرآنِ کریم کی تلاوت کے آداب:

سوال: بہت سارے لوگ جن کو کچھ درد کی شکایت ہے وہ اپنے گھروں میں صوفہ،کرسی پر اور مسجد میں کرسیوں پر بیٹھ کر پیر لٹکا کر تلاوت کرتے ہیں جیسے کوئی اخبار پڑھ رہا ہو،اور یہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی گناہ نہیں؟ قرآن کریم کی تلاوت کے لیے کیسے بیٹھنا چاہئے؟اور ایسے لوگوں کو کیا نصیحت کرنی چاہئے؟بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ بوقتِ تلاوت ایسی ہیئت اختیا کرنی چاہئے جو قرآن شریف کے ادب واحترام کے خلاف نہ ہو،اگر چہ جواز کے اعتبار سے قاعداً،قائماً،ماشیاً اور مضطجعاً ہر طرح تلاوت وذکر واذکار جائز اور درست ہے،کما قال اللہ تعالیٰ:﴿**الذين يذكرون الله قياماً وقعوداً وعلى جنوبهم**﴾[آل عمران:١٩١]. لہذا کوئی گناہ نہیں ہے البتہ خشوع وخضوع اور سکون ووقار اور ادب واحترام کے ساتھ بیٹھ کر تلاوت کرنا اولیٰ اور بہتر ہے۔

ادب سے مراد تکریم ہے یعنی قرآنِ مجید کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے جس سے اس کی بزرگی اور عظمت ظاہر ہو اور ایسی کاروائی سے احتراز کیا جائے جس سے اس کی ناقدری یا اہانت ہوتی ہو۔(کفایت المفتی:۲/۴۹۲، جامعہ فاروقیہ)۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

ادب کا مدار عرف پر ہے،اس لیے اختلافِ ازمنہ سے وہ مختلف ہوسکتا ہے،حضراتِ صحابہ کرامؓ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مزاح کرنا ثابت ہے اور اب بزرگوں کے ساتھ مزاح کرنا خلافِ ادب سمجھا جاتا ہے۔(تحفۃ العلماء:۲/۱۶۷،ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ)۔

قرآنِ مجید کے بعض آداب اور مستحبات درجِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) تلاوت سے پہلے مسواک استعمال کرنا۔

(۲) باوضو تلاوت کرنا۔

(۳) حسبِ حیثیت عمدہ لباس پہن کر تلاوت کرنا۔

(۴) تلاوت سے پہلے خوشبو استعمال کرنا۔

(۵) سکون ووقار اور خشوع وخضوع کے ساتھ باادب بیٹھنا، متکبرانہ ہیئت اختیار نہ کرے۔

(۶) صاف ستھری جگہ بیٹھنا، سب سے افضل مسجد ہے۔

(۷) قبلہ رو ہو کر بیٹھنا۔

(۸) شروع کرنے سے پہلے تعوذ وتسمیہ پڑھنا۔

(۹) تدبر کے ساتھ پڑھنا۔

(۱۰) ترتیل سے پڑھنا یعنی حروف کی صحیح ادائیگی اور وقف کا لحاظ رکھتے ہوئے صاف صاف پڑھنا۔

وفي الفتاوى الهندية : رجل أراد أن يقرأ القرآن فينبغي أن يكون على أحسن أحواله يلبس صالح ثيابه ويتعمم ويستقبل القبلة لأن تعظيم القرآن والفقه واجب كذا في فتاوى قاضيخان . (الفتاوى الهندية:۵/۳۱۶).وكذا في المحيط البرهاني :۵/۱۴۵).

قال الإمام النوويؒ في التبيان: الباب السادس في آداب القرآن...فأول ذلك يجب على القارئ الإخلاص،كما قدمناه ومراعاة الأدب مع القرآن ...استعمال السواك وينبغي إذا أراد القراءة أن ينظف فاه بالسواك وغيره... محافظة على الطهارة ، يستحب أن يقرأ وهو على طهارة فإن قرأ محدثاً جاز بإجماع المسلمين والأحاديث فيه كثيرة معروفة ... نظافة المكان ، ويستحب أن تكون القراءة في مكان نظيف مختار ولهذا استحب جماعة من العلماء القراءة في المسجد لكونه جامعاً للنظافة وشرف البقعة ومحصلاً لفضيلة أخرى وهي الاعتكاف...يستحب للقارئ في غير الصلاة أن يستقبل القبلة فقد جاء في الحديث خير المجالس ما استقبل به القبلة ويجلس متخشعاً بسكينة ووقار مطرقاً رأسه ويكون جلوسه وحده في تحسين أدبه وخضوعه كجلوسه بين يدي معلمه فهذا هو الأكمل ولوقرأ

قائماً أو مضطجعاً أو في فراشه أوعلى غير ذلک من الأحوال جاز و له أجر ولكن دون الأول... فإن أراد الشروع فى القراء ة استعاذ فقال: أعوذ بالله من الشيطان الرجيم هكذا قال الجمهور من العلماء ...ثم إن التعوذ مستحب[سنة] وليس بواجب...وينبغي أن يحافظ على قراء ة بسم الله الرحمن الرحيم في أول كل سورة سوى براء ة...فإذا شرع فى القراء ة فليكن شأنه الخشوع و التدبر عند القراء ة ... وقال السيد الجليل: دواء القلب خمسة أشياء : ١۔قراء ة القرآن بالتدبر ٢۔ وخلاء البطن .٣۔ وقيام الليل .٣۔ والتضرع عند السحر .۵۔ ومجالسة الصالحين .

...وينبغي أن يرتل قراء ته وقد اتفق العلماءؒ على استحباب الترتيل...الخ. (التبيان فى آداب حملة القرآن،ص ٧٠۔٨٩،ط: دارابن حزم).

وفيه أيضاً: ومما يعتنى به ويتأكد الأمر به احترام القرآن من أمور قد يتساهل فيها بعض الغافلين القارئين مجتمعين فمن ذلک اجتناب الضحک واللغط والحديث في خلال القراء ة إلا كلاماً يضطر إليه ...(التبيان،ص٩٢).

وأيضاً قال: الباب السابع في آداب الناس كلهم مع القرآن، ثبت في صحيح مسلم عن تميم الدارىؓ قال: إن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الدين النصيحة قلنا لمن قال: لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم ، قال العلماءؒ: النصيحة لكتاب الله تعالىٰ هي الإيمان بأنه كلام الله تعالىٰ وتنزيله لا يشبهه شي ء من كلام الخلق ولايقدر على مثله الخلق بأسرهم ثم تعظيمه وتلاوته حق تلاوته وتحسينها والخشوع عندها...أجمع المسلمون على وجوب تعظيم القرآن العزيز على الإطلاق وتنزيهه و صيانته . (التبيان، ص: ١٦٣). وللمزيد راجع : (احياء علوم الدين :١/٣٢٥،دارالفكر،والاتقان فى علوم القرآن:١/٢٩١۔٢٩٨،ط: بيروت). واللہ ﷻ اعلم۔

تلاوت کے ختم پر صدق اللہ العظیم کہنے کا حکم:

سوال: قرآن شریف کی تلاوت کے بعد ’’صدق اللہ العظیم‘‘ پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟ نیز پڑھنا

چاہئے یانہیں؟ بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں اس کی کیا حیثیت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: علمائے کرام نے تلاوت کے آداب میں لکھا ہے کہ تلاوت کے اختتام پر صدق اللہ العظیم پڑھنا مستحب یعنی بہتر ہے، کیونکہ اس میں کلام اللہ کی سچائی اور حقانیت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا ہے اور یہ صحیح اور درست ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کس کا کلام سچا ہوسکتا ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿**ومن أصدق من اللّٰه قيلا**﴾ [النساء:۱۲۲]. **وقال تعالیٰ:** ﴿**و من أصدق من اللّٰه حديثاً**﴾ [النساء:۸۷].

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادتِ شریفہ تھی کہ حدیث بیان کرتے وقت **قال الصادق المصدوق صلى اللّٰه عليه وسلم** کہہ کر حدیث بیان کرتے تھے۔ چند روایات ملاحظہ ہوں:

قال ابن مسعود رضي الله عنه حدثنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وهو الصادق المصدوق ... (صحيح البخاري:۱/۱٤، باب قول المحدث حدثنا).

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: إي والذي نفس أبي هريرة بيده عن قول الصادق المصدوق ...الخ. (اخرجه البخاري: ۳۱۸۰،باب اثم من عاهدثم غدر).

وعن أبي ذر رضي الله عنه قال: إن الصادق المصدوق صلى اللّٰه عليه وسلم...الخ. (اخرجه النسائي، رقم: ۲۰۸٦،باب البعث).

عن علي رضي الله عنه قال: ...لأني سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الصادق المصدوق يقول ...الخ. (السنن الكبرى للبيهقي،رقم: ۱٦٤۹٤).

نیز ان حضرات کا قول الصادق المصدوق دیگر بہت ساری حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔

اسی طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صدق اللہ ورسولہ فرماتے تھے۔ چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

عن عبد اللّٰه بن بريدة أن أباه حدثه قال: رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يخطب...فقال: صدق اللّٰه ورسوله ...الخ. (رواه ابن ماجه، رقم: ۳٦۰۰،و ابن خزيمة في صحيحه، ۱۸۰۱، باب نزول الامام عن المنبر، والحاكم في المستدرك، ۱۰۵۹،كتاب الجمعة).

عن العلاء بن أبي حكيم أنه كان سيافاً لمعاوية، وأن رجلاً دخل على معاوية فحدثه

بهذا قال: صدق الله و رسوله...الخ. (رواه ابن خزيمة فى صحيحه،رقم: ۲۴۸۲،باب التغليظ فى الصدقة).

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: دخل سلمان الفارسي رضی اللہ عنہ على عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وهو متكئ على وسادة فألقاها له فقال سلمان: صدق الله و رسوله...الخ. (اخرجه الحاكم فى المستدرك: ۵۶۴۲/۵۹۹/۳).

امام غزالیؒ احیاء علوم الدین میں فرماتے ہیں:

الباب الثاني في ظاهر آداب التلاوة وهي عشرة...الثامن: أن يقول في مبتدأ قراء ته: أعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم، رب أعوذ بک من همزات الشياطين وأعوذ بک رب أن يحضرون وليقرأ قل: أعوذ برب الناس وسورة الحمد لله وليقل عند فراغه من القراء ة صدق الله تعالیٰ...الخ. (احياء علوم الدين: ۳۲۷/۱،ط:دارالفكر).

الوافی فی کیفیۃ ترتیل القرآن الکریم میں مرقوم ہے:

ومن آداب التلاوة...إذا انتهى القارئ من قراء ته يقول: صدق الله العظيم، وصدق رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنا على ذلک من الشاهدين. (الوافى ،للشيخ احمد محمود عبد السميع الشافعى،ص ۲۰۵، ط: دارالكتب العلمية).

(وكذا فى الميزان فى احكام تجويدالقرآن ،ص۱۷ ،دارالايمان ،القاهرة،واذهاب الحزن وشفاء الصدر السقيم ،لعبدالسلام مقبل مجبرى ،ص۳۱۷، دارالايمان ،القاهرة).

قاری القراء ابن ضیاء محبّ الدین احمد الٰہ آبادی اپنی کتاب جامع الوقف میں لکھتے ہیں:

قطع کرتے وقت **صدق الله العلي العظيم وصدق رسوله النبي الكريم ونحن على ذلک من الشاهدين والحمد لله رب العلمين،** وغیرہ الفاظ کہنا بہتر ہے تاکہ سامع کو قراءت کا انتظار نہ ہو۔ (ص۳۱،ط:لاہور)۔

تائید کے طور پر ایک مصری عالم کا فتویٰ ذکر کیا جاتا ہے۔ملاحظہ ہو:

بعض الناس يقولون: إن قول القارئ بعد الانتهاء من القراء ة صدق الله العظيم، بدعة، لا يجوز قولها فهل هذا صحيح؟

الجواب: حذرت كثيراً من التعجيل في إطلاق وصف البدعة على أى عمل لم يكن

في أيام النبي صلى الله عليه وسلم ولا في عهد التشريع ، ومن التمادى في وصف كل بدعة بأنها ضلالة وكل ضلالة فى النار ، ويمكن الرجوع إلى ، ص ۳۵۲، من المجلد الثالث من هذه الفتاوىٰ لمعرفة ذلك .

وقول” صدق الله العظيم“ من القارئ أو من السامع بعد الانتهاء من القراء ة ، أو عند سماع آية من القرآن ليس بدعة مذمومة ، أولاً لأنه لم يرد نهى عنها بخصوصها ، وثانياً لأنها ذكر لله والذكر مأمور به كثيراً ، وثالثاً : أن العلماء تحدثوا عن ذلك داعين إليه كأدب من آداب قراء ة القرآن ، وقرروا أن قول ذلك فى الصلاة لا يبطلها ، ورابعها : أن هذه الصيغة أو قريباً منها ورد الأمر بها فى القرآن وقرر أنها من قول المؤمنين عند القتال .

قال تعالىٰ: ﴿ قل صدق الله فاتبعوا ملة إبراهيم حنيفاً ﴾ [آل عمران:۹۵] وقال: ﴿ولما رأى المؤمنون الأحزاب قالوا هذا ما وعدنا الله ورسوله وصدق الله ورسوله ﴾ [الاحزاب:۲۲]، وذكر القرطبي في مقدمة تفسيره أن الحكيم الترمذى تحدث عن آداب تلاوة القرآن الكريم وجعل منها أن يقول عند الانتهاء من القراء ة : صدق الله العظيم أو آية عبارة تؤدى هذا المعنى، ونص عبارته (۱/۲۷): ومن حرمته إذا انتهت قراء ته أن يصدق ربه ويشهد بالبلاغ لرسوله صلى الله عليه وسلم [مثل أن يقول: صدق الله العظيم وبلغ رسوله الكريم]...

وجاء في فقه المذاهب الأربعة : نشر أوقاف مصر، أن الحنفية قالوا: لو تكلم المصلي بتسبيح مثل: صدق الله العظيم عند فراغ القارئ من القراء ة لا تبطل صلاته إذا قصد مجرد الثناء والذكر أو التلاوة ، وأن الشافعية قالوا: لا تبطل مطلقاً بهذا القول فكيف يجرؤ أحد في هذه الأيام على أن يقول: إن قول: صدق الله العظيم، بعد الانتهاء من قراء ة القرآن بدعة ؟ أكرر التحذير من التعجيل في إصدار أحكام فقهية قبل التأكد من صحتها ، والله سبحانه وتعالىٰ يقول: ﴿ ولا تقولوا لما تصف ألسنتكم الكذب هذا حلال وهذا حرام لتفتروا على الله الكذب إن الذين يفترون على الكذب لا يفلحون ﴾ [النحل: ۱۱٦]. (فتاوى دار الافتاء المصرية لمفتى عطية صقر، مايو ۱۹۹۷: ۸٦/۸،ط: وزارة الاوقاف المصرية).

خلاصہ یہ ہے کہ قراءت کے اختتام پر صدق اللہ العظیم کہنا آداب میں سے ہے، لازم اور ضروری نہیں ہے اس کو سنت اور باعثِ ثواب سمجھ کر نہیں پڑھنا چاہئے اور تارک کو ملامت بھی نہیں کرنا چاہئے ہاں قراءت کے اختتام کی علامت اور قرآنِ کریم پر ایمان کی تجدید کی وجہ سے ایک ادب اور اچھا کام ہے، البتہ بدعت بھی نہیں ہے کیونکہ یہ مسکوت عنہ کے حکم میں ہے اس کا ادنیٰ درجہ مباح ہے بدعت نہیں۔ ورنہ اگر متروکات اور مسکوتات کو بدعات میں شمار کیا جائیگا تو رات دن کے اکثر و بیشتر اعمال بدعات کی فہرست میں شامل ہو جائیں گے۔

شیخ عبد العزیز بن باز نے اس کو بدعت کہا لیکن کبھی کبھی سنت نہ سمجھتے ہوئے اس کو جائز کہا وہ لکھتے ہیں:

اعتاد الكثير من الناس أن يقولوا صدق الله العظيم عند الانتها ء من قراء ة القرآن الكريم وهذا لا أصل له ولا ينبغي اعتياده بل هو على القاعدة الشرعية من قبيل البدع إذا اعتقد قائله أنه سنة .

پھر فتوے کے آخر میں لکھا ہے: **أما إذا فعلها الإنسان بعض الأحيان لأسباب اقتضت ذلك فلا بأس به .** (فتاویٰ علماء البلد الحرام، ص ٤١٥). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قراءت کے دوران کلماتِ تشجیعیہ کا حکم:

سوال: اکثر قراءت کی محفلوں میں جب قاری تلاوت کرتا ہے تو اس کو شاباشی دینے اور ابھارنے کے لیے أحسنت وغیرہ کلمات پکارے جاتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ ہمارے فقہائے کرامؒ نے بوقتِ قراءت اس قسم کے کلمات پکارنے کو مکروہ قرار دیا ہے، بنابریں اس سے بچنا چاہئے۔ ملاحظہ فرمائیں:

قال في البحر الرائق: وقال الإمام شمس الأئمة السرخسيؒ ففي هذا الحديث بيان كراهة رفع الصوت عند سماع القرآن والوعظ . (البحر الرائق: ٥/٨٢، دار المعرفة).

(وكذا في الفتاوى الهندية: ٥/٣١٩، وفتاوى الشامي: ١/٥١٩، سعيد، وتحفة الملوك، ص ٢٨٤، رقم المسئلة: ٤٨٩، والسير الكبير، ص ٩٠).

البتہ قراءت کے وقفہ میں یا قراءت کے ختم پر مبارک بادی پیش کرنا یا احسنت وغیرہ کے الفاظ کہنا حدود کی رعایت کے ساتھ جائز اور درست ہے اور یہ احادیث سے ثابت ہے۔ بخاری شریف میں ہے، ملاحظہ فرمائیں:

عن علقمة قال: كنا بحمص فقرأ ابن مسعود رضي الله عنه سورة يوسف فقال رجل: ما هكذا أنزلت، قال: قرأت على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: أحسنت ...الخ. (رواه البخاري: ٢/٧٤٨/٥٠٠١، باب القراء من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، ومسلم: ١/٢٧٠).

بخاری شریف کی دوسری روایت میں ہے:

عن علقمة قال: كنا جلوساً مع ابن مسعود رضي الله عنه فجاء خباب فقال: يا أبا عبد الرحمن أيستطيع هؤلاء الشباب أن يقرؤوا كما تقرأ قال: أما أنك لو شئت أمرت بعضهم يقرأ عليك قال: أجل قال: اقرأ يا علقمة...فقرأت خمسين آية من سورة مريم فقال: عبد الله كيف ترى قال: قد أحسن ...الخ. (رواه البخاري: ٢/٦٣٠/٤٣٩١، باب قدوم الاشعريين).

وفي رواية لأحمد في مسنده، قال خباب: أحسنت. (مسنداحمد: ١/٤٢٤/٤٠٢٥).

وعن أبي بن كعب رضي الله عنه قال: كنت جالساً في المسجد، فدخل رجل فقرأ قراءة أنكرتها، ثم جاء آخر فقرأ قراءة سوى قراءة صاحبه... فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم للرجل: اقرأ، فقرأ، ثم قال للآخر: اقرأ، فقرأ، فقال: أحسنتما. (اخرجه البيهقي في السنن الكبرى: ٢/٣٨٣).

وفي رواية لمسلم عنه قال: فحسن النبي صلى الله عليه وسلم شأنهما. (رواه مسلم: ١/٢٧٣).

وعن جابر رضي الله عنه قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم على أصحابه فقرأ عليهم سورة الرحمن من أولها إلى آخرها فسكتوا فقال: لقد قرأتها على الجن ليلة الجن فكانوا أحسن مردوداً منكم كلما أتيت على قوله ﴿فبأي آلاء ربكما تكذبان﴾ قالوا: لا بشيء من نعمك ربنا نكذب فلك الحمد. (رواه الترمذي: ٢/١٦٤/٣٢٩١).

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قرأ منكم ﴿والتين والزيتون﴾ فانتهى إلى آخرها ﴿أليس الله بأحكم الحاكمين﴾ فليقل بلى وأنا على ذلك من الشاهدين ومن قرأ ﴿لا أقسم بيوم القيامة﴾ فانتهى إلى ﴿أليس ذلك بقادر على أن يحيي الموتى﴾ فليقل: بلى، ومن قرأ ﴿والمرسلات﴾ فبلغ ﴿فبأي حديث بعده يؤمنون﴾ فليقل: آمنا بالله. (رواه ابوداود، رقم: ٨٨٧، والترمذي، ٣٣٤٧).

ترمذی کی سند میں ایک مجہول اعرابی ہے۔
مستدرکِ حاکم کی سند میں یزید بن عیاض پر کلام ہے۔ (المستدرک:۲/۵۱۰)۔

بہر حال وقفہ میں یا قراءت کے اختتام پر ایسے کلمات کہنے کی اجازت ہے، لیکن قرآنِ کریم کے سننے کا اصل مقصد تدبر، تفکر اور معانی پر غور کرنا ہے لہذا اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

قال فی الاتقان في علوم القرآن: ويسن الاستماع لقراءة القرآن وترك اللغط والحديث بحضور القراءة. قال الله تعالىٰ: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون﴾. (الاتقان:۱/۳۰۴). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ختمِ آیتِ کریمہ کی تاثیر اور اس کا حکم:

سوال: آیتِ کریمہ: ﴿**لا إلٰه إلا أنتَ سبحانك إني كنت من الظالمين**﴾ کی تاثیر اور خواص کیا ہیں اور کتنی مرتبہ پڑھنی چاہیے، اس کے لیے کوئی خاص عدد متعین ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: آیتِ کریمہ: ﴿**لا إلٰه إلا أنتَ سبحانك إني كنت من الظالمين**﴾ کی تاثیر یہ ہے کہ جو مسلمان کسی بھی رنج وغم یا مصیبت میں اس آیتِ کریمہ کو پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے وہ رنج وغم اور مصیبت دور فرمادیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

أخرج الإمام الترمذي في سننه (رقم:۳۵۰۵) **عن سعد رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: دعوة ذى النون إذا دعا وهو في بطن الحوت: لا إلٰه إلا أنت سبحانك إني كنتُ من الظالمين، فإنه لم يدع بها رجل مسلم في شيء قط إلا استجاب الله له.**

وايضاً اخرجه احمد (۱۴۶۲)، والنسائي في الكبرى (۱۰۴۹۲)، والحاكم (۱۸۶۲) وقال: صحيح الاسناد، والبيهقي في شعب الايمان (۶۲۰).

الدر المنثور میں چند روایات مذکور ہیں:

وأخرج ابن جرير عن سعد رضي الله عنه سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اسم الله الذى إذا دعي به أجاب وإذا سئل به أعطي، دعوة يونس بن متى، قلت: يا رسول الله! هي ليونس خاصة أم لجماعة المسلمين؟ قال: هي ليونس خاصة وللمؤمنين إذا دعوا بها،

ألم تسمع قول الله ﴿ وكذلك ننجي المؤمنين ﴾ فهو شرط من الله لمن دعاه .

وأخرج ابن أبي حاتم عن الحسن قال: اسم الله الأعظم الذي إذا دعي به أجاب وإذا سئل به أعطي ﴿لا إله إلا أنتَ سبحانك إني كنتُ من الظالمين ﴾.

وأخرج الحاكم (١/٦٨٥/١٨٦٥) عن سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: هل أدلكم على اسم الله الأعظم؟ دعاء يونس ﴿ لا إله إلا أنتَ سبحانك إني كنتُ من الظالمين﴾ فأيما مسلم دعا به في مرضه أربعين مرة فمات في مرضه ذلك، أعطي أجر شهيد، وإن برأ برأ مغفوراً. (الدر المنثور:٥/٦٦٨،دار الفكر).

اس آیتِ کریمہ کے پڑھنے کے دوطریقے ہیں:

(۱) ایک ہی مجلس میں یا متفرق تین مجلسوں میں ایک لاکھ پچیس ہزار مرتبہ پڑھ کر دعا کرنا۔

(۲) ایک شخص اکیلا اپنے گھر میں طہارت کے ساتھ قبلہ رخ ہو کر پڑھے۔

مزید ملاحظہ ہو: (تفسیر عزیزی، پارہ ۲۹، سورۂ نون، ص ۹۹)۔

اگر مشائخ کے بتائے ہوئے طریقہ پر نہ پڑھے بلکہ کیف ما اتفق پڑھے تب بھی یہ آیتِ کریمہ دفعِ مصائب کے لیے مفید ہے، اور حدیث شریف میں یہی بات بیان کی گئی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

موسیقی کے مقامات میں تلاوت کرنے کا حکم:

سوال: آج کل مصری قراء، موسیقی کے مقامات میں تلاوت کرتے ہیں، جن میں سے بعض بیات، سیکا، حجاز سے معروف ہیں، کیا اس طرح تلاوت کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور ایسے قاریوں کی تلاوت سننے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حدیث شریف میں آتا ہے: اقرء وا القرآن بلحون العرب، یعنی عربوں کے طرز پر قرآن پڑھو، الحان عربوں کے طرزِ طبعی کا نام ہے اور یہ محمود اور مامور بہ ہے، بعض نے الحانِ عرب کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے۔ لیکن اس میں تفصیل ہے کہ اگر کسی خاص لحن کے ساتھ پڑھنے میں لحن جلی واقع ہو تو یہ ناجائز ہے اور لحن خفی ہو تو مکروہ ہوگا، اور اگر لحن جلی وخفی کا مرتکب نہ ہو تو مستحب ہے۔

قرآنِ کریم کی تلاوت کا دوسرا طرز ''انغام'' یعنی آواز کے ساتھ مدوجزر اور اتار چڑھاؤ کی کیفیت

پیدا کرنا، یہ موسیقی کے قواعد کے تحت کیا جاتا ہے، بعض حضرات نے انغام الموسیقی درجِ ذیل شمار کروائے ہیں:

رست، وهوى، بوسليك، حسينى، وحجاز و زنكلا وعراق، والنوى والبزرك مع زيرا فكن ده والاصبهان والعشاق.

ان انغامِ موسیقی کے مطابق قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا ممنوع اورناجائز ہے، البتہ ان قواعدِ موسیقی کی رعایت کے بغیر قاری سے بلا اختیار کسی قاعدہ کی مطابقت پائی جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

اہلِ فسق کے طرز پر قراءت ممنوع ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن حذيفة بن اليمان رضي الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: اقرؤا القرآن بلحون العرب وأصواتها وإياكم ولحون أهل الفسق وأهل الكتابين فإنه سيجئ من بعدى قوم يرجعون بالقرآن ترجيع الغناء والرهبانية والنوح لا يجاوز حناجرهم مفتونة قلوبهم وقلوب من يعجبهم شأنهم. (اخرجه البيهقى فى شعب الايمان: ۲/ ۵۴۰، رقم: ۲۴۰۶).

إسناده ضعيف، فيه: مجهول، وتفرد به بقية ليس بمعتمد، والخبر منكر. انظر: (الميزان و اللسان). **وأيضاً أخرجه القاسم بن سلام في فضائل القرآن** (رقم: ۱۹۵) **وابن وضاح فى البدع،** (رقم: ۲۵۱).

وقال الشيخ محمد المكي في شرح هذا الحديث: والمراد بالقراءة بلحون العرب قراءة الإنسان بحسب جبلته وطبيعته على طريق عرب العرباء الذين نزل القرآن بلغتهم، و المراد بلحون أهل الفسق... مراعاة الأنغام المستفاد من العلم الموضوع لها، فإن راعى القارئ النغمة فقصر المددود ومد المقصور حرم ذلك، وإن قرأه على حسب ما أنزل الله من غير إفراط ولا تفريط فإنه يكون مكروهاً... قال في شرح القول المفيد: الأمر فى الخبر محمول على الندب، والنهي على الكراهة إن حصلت المحافظة على صحة الألفاظ والحروف، و إلا فالأمر محمول على الوجوب والنهى على التحريم. (نهاية القول المفيد، ص۹، ۱۰، مكتبة علمية، لاهور).

قال الشيخ ابن تيمية رحمه الله: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لله أشد أذناً إلى الرجل الحسن الصوت بالقرآن من صاحب القينة إلى قينته، ومع هذا فلا يسوغ أن يقرأ القرآن

بـألـحـان الغناء ، ولا أن يقرن به من الألحان ما يقرن بالغناء من الآلات وغيرها... (الاستقامة: ١/٢٤٦، جامعة الامام ،المدينة المنورة،ومثله فى نهاية القول المفيد،ص٢٢).

الموسوعة الفقهية الكويتية میں ہے:

ذهب الجمهور إلى عدم جواز استماع تلاوة القرآن الكريم بالترجيع والتلحين المفرط الذي فيه التمطيط، وإشباع الحركات، والترجيع: أى الترديد للحروف والإخراج لها من غير مخارجها. قالوا: التالي والمستمع فى الإثم سواء ، أى إذا لم ينكر عليه أو يعلمه أما تحسين الصوت بقراءة القرآن من غير مخالفة لأصول القراءة فهو مستحب ، و استماعه حسن ، لقول رسول الله صلى الله عليه وسلم: زينوا القرآن بأصواتكم، وقوله عليه الصلاة و السلام في أبي موسى الأشعري : لقد أوتي مزماراً من مزامير آل داود . (الموسوعة: ٤/٨٦،٨٧).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (التغنى بالقرآن للشيخ لبيب السعيد، والتغنى بالقرآن للشيخ محمد ابوزهرة ، والبيان فى حكم التغنى بالقرآن للشيخ الدكتوربشارعوادمعروف ،والاتقان فى علوم القرآن: ١/٢٩٨، واحكام القرآن لابن العربى :٤/٤، والنشر فى القراءات العشر للشيخ ابن الجزرى : ١/٢٣٩،ط:مصر، وفضائل القرآن لابن كثير: ١/١١٤ ، باب من لم يتغن بالقرآن، وخوش آوازی کی آڑ میں گلے بازی، رسالہ از قاری ارشاد احمد قاسمی پڑتاپ گڑھی، وفوائد مکیہ مع الحاشیۃ ،ص۱۶۲۔۱۶۸)۔

احادیث کی روشنی میں اچھی قراءت کا معیار یہ ہے کہ قاری خشیت کے ساتھ پڑھے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

أخرج الإمام الطبراني فى الأوسط(٢٠٧٤) **بسنده عن ابن عمر رضي الله عنه قال: سئل النبي صلى الله عليه وسلم من أحسن الناس صوتاً بالقرآن قال: من إذا سمعت قراءته رأيت أنه يخشى الله عز وجل .**

قال الهيثمي:وفيه حميد بن حماد بن حوار وثقه ابن حبان وقال: ربما أخطأ وبقية رجال البزار رجال الصحيح . (مجمع الزوائد:٧/١٧٠،باب اى الناس احسن قراءة).

وأيضاً أخرجه ابن ماجة (١٣٣٩) **عن جابر رضي الله عنه وقال فى الزوائد: إسناده ضعيف لضعف**

إبراهيم بن إسماعيل بن مجمع والراوى عنه. والآجري في أخلاق حملة القرآن(٧٨). وتمام في فوائده (١٣٥٤)، وروى عن طاؤوس مرسلاً؛ أخرجه القاسم بن سلام في فضائل القرآن(١٩٣)، وأحمد في زهده (ص٢١٣)، وابن ابى شيبة في مصنفه (٣٠٥٦٤).

وأخرج الطبراني فى الكبير (١٠٨٥٢) بسنده عن ابن عباس رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن أحسن الناس قراء ة من إذا قرأ يتحزن.

قال الهيثمي: وفيه ابن لهيعة وهوحسن الحديث وفيه ضعف. (مجمع الزوائد: ٧/١٧٠، باب القراء ة بالحزن).

وأخرج الطبراني فى الأوسط (٢٩٠٢) بسنده عن عبد الله بن بريدة عن أبيه قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقرؤوا القرآن بالحزن فإنه نزل بالحزن.

قال الهيثمي: وفيه إسماعيل بن سيف وهوضعيف. (مجمع الزوائد: ٧/١٧٠،دارالفكر).

وأيضاً أخرجه أبوبكربن الخلال فى الأمربالمعروف والنهى عن المنكر (٢٠١)، وأبويعلى الموصلى فى معجمه (١١٠).

وأخرج ابن ماجة في سننه (١٣٣٧) بسنده عن عبدالرحمن بن السائب قال: قدم علينا سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه وقد كف بصره فسلمت عليه، فقال: من أنت؟ فأخبرته، فقال مرحباً بابن أخي، بلغني أنك حسن الصوت بالقرآن، سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن هذا القرآن نزل بحزن، فإذا قرأتموه فأبكوا، فإن لم تبكوا فتباكوا، وتغنوابه، فمن لم يتغن به فليس منا. قال فى الزوائد: في إسناده أبو رافع، اسمه إسماعيل بن رافع ضعيف متروك. وأيضاً أخرجه أبوعوانة في مسنده (٣٨٨١)، وأبويعلى في مسنده (٦٨٩)، والبزار في مسنده (١٢٣٥)، والقضاعي في مسند الشهاب (١١٩٨)، والبيهقي في شعب الإيمان (١٨٩١) وغيرهم. واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تلاوتِ قرآنِ کریم پر اجرت لینے کا حکم:

سوال: مصر سے جو قراء آتے ہیں وہ تلاوت کا عوض لیتے ہیں، تو انھیں عوض دیکر تلاوت سننا جائز ہوگا یا

نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ تلاوتِ قرآنِ پاک پر اجرت لینا جائز نہیں، ہاں اگر شرط کے بغیر لوگوں نے اتفاقاً کچھ دیدیا تو اس کا لینا جائز ہے، ہمارے اکابرؒ نے یہی تحریر فرمایا ہے۔ علامہ شامیؒ نے عدمِ جواز میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے جو رسائل ابن عابدین میں شامل ہے۔ چند دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) **عن عبد الرحمن بن شبل أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اقرؤوا القرآن فإذا قرأتموه فلا تستكثروا به ولا تغلوا فيه ولا تجفوا عنه ولا تأكلوا به ..الخ**. (اخرجه الطبرانی فی الاوسط،رقم: ۲۵۷٤).

وأيضاً أخرجه البيهقي في الكبرى، (رقم:۲۳٦۲)، **وأبويعلى في مسنده** ، (رقم:۱۵۱۸)، **وقال محشيه حسين سليم أسد: إسناده صحيح. وأحمد في مسنده** (۱۵۵۲۹)، **قال الشيخ شعيب: حديث صحيح وهذا إسناده قوى ...الخ .**

(۲) **وعن بريدة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قرأ القرآن يتأكل به الناس جاء يوم القيامة و وجهه عظم ليس عليه لحم** . (اخرجه البیهقی فی شعب الایمان، رقم: ۲۳۸٤). **وإسناده ضعيف .**

فقہاء نے استیجار علی تعلیم القرآن والفقہ کو ضرورت کے پیشِ نظر جائز فرمایا ہے لیکن استیجار علی التلاوۃ المجردۃ میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

لأن ما أجازوه ، إنما أجازوه للضرورة كالاستئجار لتعليم الفقه أو الفقه أو الأذان أو الامامة خشية التعطيل لقلة رغبة الناس في الخير، ولا ضرورة في استئجار شخص يقرأ على القبر وغيره . (فتاوی الشامی: ٦/٦۹۱،سعید).

امام ابوحنیفہؒ سے بھی عدمِ جواز مروی ہے۔ ملاحظہ ہو: المحیط البرہانی میں ہے:

وقيل: لا يجوز الوصية باستئجار القاري ليقرأ القرآن وإن كان القاري معيناً وهو قول أبي حنيفةؒ . (المحیط البرهانی :۲۳/۳۹،ط: الریاض).

وقال في الشامية : وإن القراءة لشيء من الدنيا لا تجوز وإن الآخذ والمعطي آثمان لأن ذلك يشبه الاستئجار على القراءة ونفس الاستئجارة عليها لايجوز فكذا ما أشبهه

كما صرح بذلك في عدة كتب من مشاهير كتب المذهب وإنما أفتى المتأخرون بجواز الاستئجار على تعليم القرآن لا على التلاوة وعللوه بالضرورة وهي خوف ضياع القرآن ولا ضرورة في جواز الاستئجار على التلاوة لما أوضحت ذلك في شفاء العليل . (فتاوى الشامي : ۲ /۷۳، مطلب في بطلان الوصية ،سعيد).

البتہ بلاشرط اکراماً بطورِ ہدیہ کچھ دیدیا جائے تو اس کی اجازت ہوگی۔

ترمذی شریف میں روایت ہے: **عن أنس بن مالک رضي الله عنه أن رجلاً من كلاب سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن عسب الفحل فنهاه ، فقال يارسول الله ! إنا نطرق الفحل فنكرم فرخص لهم في الكرامة . قال الإمام الترمذي: هذا حديث حسن.** (رواه الترمذي : ۱/ ۲٤۰).

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

وعظ کی اجرت پہلے سے مقرر نہ کی جائے اور واعظ کی نیت میں بھی یہ بات نہ ہو کہ مجھے کچھ ضرور ملے گا، وہ محض حسبۃً للہ وعظ کہہ دے اور کوئی شخص اس کو تبرعاً کوئی رقم دیدے تو یہ رقم دینا بھی جائز، اور واعظ کو لینا بھی جائز ہے۔ (کفایت المفتی: ۷/ ۳۱۹، ط: دارالاشاعت)۔

امداد الفتاویٰ میں ہے:

مسئلہ: بعد نکاح بقاضی ووکیل وشاہدان کہ از طرفِ عروس فی آیند بخوشی خود بدونِ مطالبہ شاں چیزے دادن جائز است یا نہ؟

جواب: دادنِ ایں مرداں بدونِ مطالبہ وجبر از طرفِ ایشاں مباح است.

جو چیز کسی کو دی جاتی ہے اس کی چار صورتیں ہیں:

(۱) بعوض دی جائے ایسی چیز کا عوض جو شرعاً متقوم وقابل عوض ہے۔

(۲) بعوض دی جائے ایسی چیز کا عوض جو شرعاً متقوم وقابل عوض نہیں۔

(۳) بلاعوض بہ طیبِ خاطر دی جائے۔

(۴) بلاعوض کراہتِ قلب سے دی جائے۔

قسمِ سوم بوجہ ہدیہ وعطیہ ہونے کے حلال ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۳/ ۳۷۰)۔

مذکورہ بالا نقولِ فقہاء واکابر کی روشنی میں قاری صاحب کو بطورِ ہدیہ وعطیہ بلاشرط بہ طیبِ خاطر کچھ دیدیا

جائے تو درست ہے اس کے لینے اور دینے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

تنبیہ: یہ بات یاد رکھیں کہ جو قراء حضرات مصر سے یا کہیں اور سے سفر کر کے آتے ہیں ان کی آمد و رفت اور قیام و طعام کے انتظام کے اخراجات دینا درست ہے بلکہ دینے چاہئے، وہ اجرت علی التلاوۃ میں داخل نہیں ہے۔ محض مجلس تلاوت میں تلاوت پر کچھ دینا درست نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ڈاڑھی منڈے قاری کی تلاوت سننے کا حکم:

سوال: ہمارے علاقہ میں بعض علماء اور دوسرے حضرات کو یہ فکر لاحق ہوا ہے کہ آج کل لوگوں کا تعلق قرآنِ کریم سے دن بدن کمزور ہوتا جا رہا ہے اور گانے موسیقی وغیرہ سننے کا رواج بہت عام ہو چکا ہے، بنابریں یہ حضرات مختلف جگہوں میں قراءت کے جلسے قائم کرتے ہیں، اس سلسلہ میں درجِ ذیل امور مطلوب ہیں:

(۱) جو قاری ڈاڑھی نہیں رکھتا اس کی تلاوت سننا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ایسے قاری کی تلاوت کا پروگرام مسجد میں رکھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: بہتر یہ ہے کہ منبر پر ایسے دیندار اور متقی شخص کی تلاوت سنی چاہئے جس کے تقویٰ سے لوگ متأثر ہو جائیں، تاہم بے ریش قاری کی تلاوت سننے میں بھی چنداں حرج نہیں بلکہ جائز اور درست ہے نیز اس کا اکرام کرنا اور کچھ تعریفی کلمات کہنا بھی احادیث کی روشنی میں درست ہے۔ بہت ساری احادیث سے ثابت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کی کسی خوبی پر تعریف فرمائی۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں:

(۱) أخرج الإمام البخاري بسنده عن محمد بن جبير عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال في أسارى بدر: لو كان المطعم بن عدى حياً ثم كلمني في هؤلاء النتنى لتركتهم له. (صحيح البخاري: ۱/۴۴۳/۳۱۳۹، باب مامن النبي صلى الله عليه وسلم على الاسارى).

چونکہ مطعم بن عدی نے شعبِ ابی طالب کے تین سالہ جس کے زمانہ میں مسلمانوں کے خلاف لکھے گئے صحیفہ کو ختم کرنے کے لیے بہت کوشش کی تھی اس لیے آپ نے ان کے نیک کام کی احسان شناسی فرمائی۔

(۲) عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أتاكم كريم قوم فأكرموه. (رواه ابن ماجه، رقم: ۳۷۱۲)، **قال في الزوائد في إسناده سعيد بن مسلمة وهو ضعيف. وأخرج الحاكم في المستدرك** (۴/۳۲۴/۷۷۹۱) **عن جابر بن عبد الله، وقال**

هـذا حـديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه بهذه السياقة ، سكت عنه الذهبي في التلخيص. فالحديث حسن بكثرة طرقه .

قـال فـي فيـض القدير: إذا أتاكم كريم قوم ، أى رئيسهم المطاع فيهم المعهود منهم بإكثار الإعظام وإكثار الاحترام ، فأكرموه ، برفع مجلسه واجتزال عطيته ونحو ذلك مما يليق به لأن اللّٰه تعالىٰ عوده منه ذلك ابتلاء منه له فمن استعمل معه غيره فقد استهان به وجفاه وأفسد عليه دينه فإن ذلك يورث في قبله الغل والحقد والبغضاء والعداوة وذاك يجر إلى سفك الدماء وفي إكرامه اتقاء شره وإبقاء دينه فإنه قد تعزز بدنياه وتكبره وتاه و عظم في نفسه فإذا حقرته فقد أهلكته من حيث الدين والدنيا وبه عرف أنه ليس المراد بكريم القوم عالمهم أو صالحهم كما وهم البعض، ألا ترى أنه لم ينسبه في الحديث إلى علم ولا إلى دين ؟ ومن هذا السياق انكشف أن استثناء الكافر والفاسق كما وقع لبعضهم منشؤه الغفلة ...الخ. (فيض القدير: ۱/۲٤۱).

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معزز آدمی کا اکرام کرنا چاہئے اس کے لیے نیک ہونا ضروری نہیں ہے۔

(۳) حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہونے سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اکرام فرمایا تھا کیونکہ وہ مشہور سخی حاتم طائی کے بیٹے تھے۔
ملاحظہ ہو کتب سیرت وتاریخ میں مرقوم ہے:

قـال عـدي: فـخـرجـت حتـى أقـدم عـلـى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم المدينة ، فـدخـلـت عليه وهو في مسجده ، فسلمت عليه، فقال: من الرجل؟ فقلت: عدى بن حاتم؛ فـقـام رسـول الـلّٰـه صـلى اللّٰه عليه وسلم فانطلق بي إلى بيته فو اللّٰه أنه لعامد بي إليه إذ لقيته امـرأة ضعيفة كبيرة فاسترفقته فوقف لها طويلاً تكلمه في حاجتها، قال: قلت في نفسي: و اللّٰه ما هذا بمَلِك قال: ثم مضى بي رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حتى إذا دخل بي بيته تـنـاول وسـادة من أدم محشوة ليفاً ، فقذفها إلي فقال: اجلس على هذه قال: قلت: بل أنت فـاجـلـس عـليهـا ، فـقال: بل أنت فجلست عليها، وجلس رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بالأرض قال: قلت في نفسي: واللّٰه ما هذا بأمر ملك ...الخ. (سيرة ابن هشام: ۲/۵۸۰،والروض

الانف:٤/٣٦٠،وتاریخ الرسل والامم:٢/١٨٨،دارالکتب العلمیة، بیروت).

(۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی بہن کا بہت اکرام فرمایا، جب وہ قید ہوکر آئی تو بغیر فدیہ کے رہا کردیا۔ ملاحظہ ہو الروض الانف میں ہے:

...وتخالفني خيل لرسول الله صلى الله عليه وسلم فتصيب ابنة حاتم فيمن أصابت فقدم بها على رسول الله صلى الله عليه وسلم في سبايا من طي وقد بلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم هربى إلى الشام، قال: فجعلت بنت حاتم في حظيرة بباب المسجد كانت السبايا يحبس فيها، فمر بها رسول الله صلى الله عليه وسلم فقامت إليه وكانت امرأة جزلة فقالت: يارسول الله! هلک الوالد وغاب الوافد فامنن علي من الله عليک، قال: ومن وافدک؟ قالت: عدی بن حاتم، قال الفار من الله ورسوله؟ قالت: نعم...فقال صلى الله عليه وسلم: قد فعلت...قالت: فكساني رسول الله صلى الله عليه وسلم وحملني، وأعطاني نفقة فخرجت معهم حتى قدمت الشام...الخ.(الروض الانف:٤/٣٦٠،امرعدی بن حاتم).

(وكذا في سيرة ابن هشام: ۳/۵۷۹،وعيون الاثرلابن سيد الناس: ۲/۲۸۶،وتاريخ الرسل والملوک :۲/۱۸۷، والسيرة النبوية لابن كثير: ۴/۱۲۴، وتاريخ مدينة دمشق: ۶۹/۱۹۹،ط: دارالفكر).

(۵) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رضاعی بہن شیما بنت الحارث کا اکرام فرمایا، حالانکہ وہ اس وقت مسلمان نہیں تھی۔ البدایہ والنہایہ میں ہے:

قال ابن اسحاق: وحدثني بعض سعد بن بكر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يوم هوازن: إن قدرتم على بجاد، رجل من بني سعد بن بكر فلا يفلتنكم...فلما ظفر به المسلمون ساقوه وأهله، وساقوا معه الشيماء بنت الحارث...فقالت للمسلمين: تعلمون والله إني لأخت صاحبكم من الرضاعة؟ فلم يصدقوها حتى أتوبها رسول الله صلى الله عليه وسلم...قالت: إني أختک من الرضاعة، قال: وما علامة ذلک؟ قالت: عضة عضضتنيها في ظهري وأنا متوركتک، قال: فعرف رسول الله صلى الله عليه وسلم العلامة، فبسط لها رداءه، فأجلسها عليه، وخيرها وقال: إن أحببت فعندي محببة مكرمة، فمتعها رسول الله صلى الله عليه وسلم وردها إلى قومها...وفيه بعد سطور: فبسط لها

رسـول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رداء ہ ثم قال: سلي تعطی و اشفعي تشفعي. (البداية والنهاية: ۴/۲۶۳، ۲۶۴، دارالمعرفة، بيروت). (وكذا في الروض الانف: ۴/۲۲۷،شأن الشيماء وبجاد ،وسيرة ابن هشام: ۲/۴۵۷،شأن بجاد والشيماء، وعيون الاثر: ۲/۲۲۱،ط: بيروت، لبنان،ومغازى الواقدى: ۳/۹۱۳،ط: بيروت ،عالم الكتب،وتاريخ الرسل والملوك: ۲/۱۷۱، والحاوى الكبير للماوردى: ۱۱/۸۰۴،ط: دارالفكر،والسيرة النبوية لابن كثير: ۳/۲۸۹).

(۶) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم کو خط تحریر فرمایا تو اس میں تعریفی کلمات تحریر فرمائے۔ ملاحظہ ہو:

...ثم دعا بكتاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الذی بعث به دحية إلى عظيم بصرى فدفعه إلى هرقل فقرأه فإذا فيه: بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحيم من محمد عبد اللّٰہ و رسوله إلى هرقل عظيم الروم سلام على من اتبع الهدى ...الخ. (رواه البخاری: ۱/۵/۷).

قال العلامة العيني: فيه؛ ملاطفة المكتوب إليه وتعظيمه. (عمدة القاری: ۱/۱۵۹، ط: دار الحديث، ملتان).

اشکال اور جواب:

اشکال: بعض حضرات یہ اشکال کرتے ہیں کہ ایسے قراء کو منبر پر بٹھانا اور ان کی تعظیم کرنا گناہ ہے اور حدیث شریف ”إذا مدح الفاسق غضب الرب تعالیٰ واهتزله العرش“ استدلال میں پیش کرتے ہیں، اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے اس سے استدلال مذکورہ بالا احادیثِ صحیحہ کے مقابلہ میں کمزور ہے۔ حدیث کی تحقیق ملاحظہ کیجئے:

إذا مدح الفاسق غضب الرب واهتز لذلك العرش . عن أنس رضی اللہ عنہ: أخرجه ابن أبی الدنيا في ذم الغيبة (ص۱۴۹،رقم: ۹۱)، وأبويعلى في معجمه (۱/۱۵۶،رقم: ۱۷۱)، والبيهقي في شعب الإيمان (۴/۲۳۰،رقم: ۴۸۸۶)، واخرجه أيضاً ابن حبان فی الضعفاء (۱/۲۶۷، ترجمة: ۲۷۳، حازم بن ابی عطاء) وقال: منكرالحديث ، يأتي بأشياء لاتشبه حديث الأثبات، وابن أبي الدنيا في الصمت(۱/۱۴۳، رقم: ۲۲۸)، والديلمي (۱/۳۳۶،رقم: ۱۳۳۶)، وأورده الذهبي في الميزان (۳/۱۶۱، ترجمة۳۰۴۴)،والحافظ في اللسان(۳/۲) كلاهما في ترجمة سابق بن عبد اللّٰہ ، وقالا:

هذا خبر منكر . وقال الحافظ في الفتح (١٠/٤٧٨): **في سنده ضعف.**

وروي عن بريدة: أخرجه ابن عدى (٥/٢٧٩،ترجمة ١٤١٥عقبة بن عبدالله الاصم الرفاعى) **. قال المناوى**(١/٤٤١): **قال العراقي: وسنده ضعيف .** (جامع الاحاديث للامام السيوطى : ٤/ ٧٤/ ٢٨٠٢).

وللاستزادة انظر: (تعليقات شعب الايمان : ٦/٥٠٩_٥١١،والمغنى عن حمل الاسفار للعراقى: ٣/١٥٩).

(۲) اگر حدیث کو حسن تسلیم کیا جائے تب بھی اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فاسق فاجر کی کوئی اچھی صفت بیان کرنا گناہ ہے۔ **قال العلامة المناويؒ: وظاهر الحديث يشتمل ما لو مدحه بما فيه كسخاء وشجاعة ولعله غير مراد .** (فيض القدير: ١/٤٤١).

لہذا جو قاری کی تعریف کرتا ہے وہ اس کی تلاوت اور حسنِ صوت پر تعریف کرتا ہے اس کے ڈاڑھی منڈوانے کی وجہ سے تعریف نہیں کی جاتی۔ خود حدیث کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں، **إذا مدح الفاسق**، قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی حکم مشتق پر ہوتا ہے تو علتِ حکم مبدأ اشتقاق ہوتی ہے، یعنی جب کسی کام کے کرنے کی وجہ سے کوئی حکم مرتب ہوا تو اس حکم کی علت وہ کام ہوگا۔ جیسے قرآنِ پاک میں ہے:

الزانية والزاني فاجلدوا... اور **السارق والسارقة فاقطعوا ...** کا مطلب یہی ہے کہ زنا کی وجہ سے کوڑے مارو اور چوری کی وجہ سے ہاتھ کاٹو۔

فتاویٰ رشیدیہ میں مرقوم ہے:

سوال: کافر یا فاسق کی مدح اگر اس کی صفاتِ حمیدہ مثل حسن خلق وصدق، حیا وغیرہ کے کہ حدیث شریف میں وارد ہے: **الحياء شعبة من الإيمان**، درست ہے یا ممنوع وحرام بوجہ حدیث شریف "**إذا مدح الفاسق غضب الرب تعالىٰ واهتزله العرش**"؟

جواب: بہ تخصیص یہ کہنا کہ فلان شخص میں یہ صفت اچھی ہے اگر چہ وہ کافر ہے، تو بظاہر جائز معلوم ہوتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، البتہ مدحِ مطلق کرنا گناہ ہے اس میں تعظیم فاسق کافر کی ہوتی ہے، اور رہم کو ان کی توہین کا حکم ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۵۴۷)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

قاری صاحب کے لیے اسٹیج بنانے کا حکم:

سوال: قاری صاحب کے لیے مسجد یا مسجد کے صحن میں اسٹیج بنانا اور اس پر بٹھانا درست ہے یا نہیں؟ نیز

اس قسم کے جلسہ میں دیواروں پر جھنڈے وغیرہ لگاتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قاری صاحب کے اکرام اور اعزاز میں اسٹیج بنانا اور اوپر بٹھانا درست ہے کیونکہ یہ قرآنِ کریم کے اعزاز کے مترادف ہے اور احادیث میں اس کی فضیلت وارد ہوئی ہے، البتہ دیواروں پر جھنڈے وغیرہ لگانا تکلّفات میں سے ہے اور مزاجِ شریعت اس قسم کے تکلفات سے منزہ ہے، اس لیے ترک اولیٰ ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اونچی جگہ بنائی گئی تھی تا کہ باہر سے آنے والا پہچان سکے۔

عن أبي ذر رضي الله عنه وأبي هريرة رضي الله عنه قالا: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجلس بين ظهرى أصحابه فيجئ الغريب فلا يدري أيهم هو حتى يسأل فطلبنا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نجعل له مجلساً يعرفه الغريب إذا أتاه قال: بنينا له دكاناً من طين فجلس عليه وكنا نجلس بجنبتيه . (رواه ابوداود:۲/۲۹۰/۴۷۰۰، باب فى القدر).

(وأيضاً رواه النسائى، رقم: ۴۹۹۱).

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا کرسی پر بیٹھ کر مسئلہ بیان کرنا احادیث سے ثابت ہے۔

عن حميد بن هلال قال: قال رفاعة : انتهيت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يخطب فقلت: يا رسول الله رجل غريب جاء يسأل عن دينه لايدرى ما دينه فأقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم وترك خطبته حتى انتهى إلى فأتى بكرسي خلت قوائمه حديداً فقعد عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم فجعل يعلمني مما علمه الله ثم أتى خطبته فأتمها . (رواه النسائى : ۲/۳۰۲،الجلوس على الكراسى، قديمى).

اہل قرآن کا اکرام کرنا احادیث سے ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن جابر رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يجمع بين الرجلين من قتلى أحد، يعني فى القبر، ثم يقول: أيهما أكثر أخذاً للقرآن؟ فإذا أشير له إلى أحدهما قدمه فى اللحد .

(رواه البخارى، رقم: ۱۳۵۳).

وعن أبي موسى رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن من إجلال الله تعالىٰ إكرام ذى الشيبة المسلم وحامل القرآن غير الغالى فيه والجافى عنه، وإكرام ذى السلطان المقسط . (رواه ابوداود، رقم: ۴۸۴۳،قال النووى اسناده حسن).

اہل القرآن اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں میں سے ہیں اور مخصوص حضرات کا اکرام کیا جاتا ہے۔

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إن للّٰہ أھلین من الناس قالوا: یارسول اللّٰہ من ھم؟ قال: ھم أھل القرآن أھل اللّٰہ وخاصتہ. (رواہ ابن ماجہ، رقم: ۲۱۵). **وقال فی الزوائد: إسنادہ صحیح. واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فصل سوم

درود شریف اور ذکر واذکار سے متعلق احکام کا بیان

افضل درود کے بارے میں تحقیق:

سوال: جو بھی درود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا جاتا ہے وہ بیشک کارِ خیر اور باعثِ اجر وثواب ہے، لیکن یہ معلوم کرنا ہے کہ ان درود میں سے افضل درود کونسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ درود شریف کے بہت سارے صیغے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں مگر مندرجہ ذیل چند وجوہ کی وجہ سے درودِ ابراہیمی افضل اور بہتر ہے؛

(۱) درودِ ابراہیمی کو نماز میں اختیار کیا گیا ہے، بنابریں اس کی افضلیت واضح ہے۔

(۲) یہ درود صحیحین میں وارد ہوا ہے۔

(۳) صحابہ کرامؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی درود شریف سکھایا۔

(۴) اس درود میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے اہل وعیال وآل پر بھی درود ہے۔

(۵) اس درود میں صلوٰۃ وبرکت دونوں شامل ہیں۔

دلائل درجِ ذیل ملاحظہ ہوں:

أخرج الإمام البخاريؒ في صحيحه(٦٣٥٧) بسنده عن عبدالرحمن بن أبي ليلى قال: لقيني كعب بن عجرة فقال: ألا أهدى لک هدية أن النبي صلى الله عليه وسلم خرج علينا فقلنا يارسول الله قد علمنا كيف نسلم عليک فكيف نصلي عليک قال: فقولوا: اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل إبراهيم إنک حميد مجيد اللهم بارک على محمد وعلى آل محمد كما باركت على آل إبراهيم إنک حميد مجيد .

وكذا أخرجه الإمام مسلم في صحيحه (٤٠٦).

قال العلامة الشاميؒ: والمختار في صفتها: ما فى الكفاية والقنية والمجتبى: قال سئل محمد عن الصلاة على النبي فقال: يقول: اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم إنک حميد مجيد ، وبارک على محمد وعلى آل محمد كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم إنک حميد مجيد وهى الموافقة لما فى الصحيحين وغيرهما. (فتاوى الشامي: ١/٥١٢،سعيد).

روح المعاني میں ہے:

وأفضل الكيفيات فى الصلاة عليه صلى الله عليه وسلم ما علمه رسول الله صلى الله عليه وسلم لأصحابه بعد سوالهم إياه لأنه لا يختار صلى الله عليه وسلم لنفسه إلا الأشرف والأفضل ومن هنا قال النووى فى الروضة : لو حلف ليصلين على النبي صلى الله عليه وسلم أفضل الصلاة لم يبرأ إلا بتلک الكيفية . (روح المعانى : ٢٢/٨٣،مكتبة دارالتراث).

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ فرماتے ہیں:

بہت سے اکابرؒ سے اس کا افضل ہونا نقل کیا گیا ہے، ایک جگہ علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے اس سوال پر کہ ہم لوگوں کو اللہ جل شانہ نے صلوٰۃ وسلام کا حکم دیا ہے تو کونسا درود پڑھیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب سے افضل ہے، حصن حصین کے حاشیہ پر حرز ثمین سے نقل کیا ہے کہ یہ درود شریف سب سے زیادہ صحیح ہے اور سب سے زیادہ افضل ہے، نماز میں اور بغیر نماز کے اسی کا اہتمام کرنا چاہئے۔ (فضائل درود شریف،ص۵۹)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

نماز میں عام طور پر انھیں الفاظ کے ساتھ صلوٰۃ کو اختیار کیا گیا ہے مگر یہ کوئی ایسی تعیین نہیں جس میں تبدیلی ممنوع ہو، کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلوٰۃ یعنی درود شریف کے بہت سے مختلف صیغے منقول و ماثور ہیں صلوٰۃ وسلام کے حکم کی تعمیل ہر اس صیغہ سے ہوسکتی ہے جس میں صلوٰۃ وسلام کے الفاظ ہوں، اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعینہٖ منقول بھی ہوں، بلکہ جس عبارت سے بھی صلوٰۃ وسلام کے الفاظ ادا کیے جائیں اس حکم کی تعمیل اور درود شریف کا ثواب حاصل ہوجاتا ہے، مگر یہ ظاہر ہے کہ جو الفاظ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں وہ زیادہ بابرکت اور زیادہ ثواب کے موجب ہیں، اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے الفاظ صلوٰۃ آپ سے متعین کرانے کا سوال فرمایا تھا۔ (معارف القرآن: ۷/۲۲۳)۔

اشکال اور جواب:

اشکال: بعض حضرات کہتے ہیں کہ درود ابراہیمی سلام پر مشتمل نہیں جبکہ سلام بھی مطلوب ہے، ہاں نماز میں اس درود کے ساتھ التحیات میں سلام موجود ہے، اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: خارجِ صلوٰۃ میں صرف درود پر اکتفا کرنا بلا کراہت جائز ہے جبکہ دوسرے اوقات میں سلام پڑھتا ہو۔ ملاحظہ ہو علامہ سخاویؒ القول البدیع میں فرماتے ہیں:

إن إفراد الصلاة عن التسليم لايكره وكذا العكس لأن تعليم السلام تقدم قبل تعليم الصلاة فأفرد التسليم مدة في التشهد قبل الصلاة عليه وقد صرح النووي في الأذكاروغيره بالكراهة واستدل بورود الأمر بهما معاً في الآية ،قال شيخنا: وفيه نظر، نعم يكره أن يفرد الصلاة و لا يسلم أصلاً أما لو صلى في وقت وسلم في وقت آخر فإنه يكون ممتثلاً . (القول البديع: ٢٦).

کراہت والے قول کی تردید علامہ شامیؒ نے بھی نقل کی ہے:

وإن كان عندنا لا يكره كما صرح به في منية المفتي، وهذا الخلاف في حق نبينا صلى الله عليه وسلم...أقول: وجزم العلامة ابن أمير حاج في شرحه على التحرير بعدم صحة القول بكراهة الإفراد ، واستدل عليه في شرحه المسمى [حلبة المجلى فى شرح منية المصلى] **بما في سنن النسائي بسند صحيح في حديث القنوت" وصلى الله على النبي" ثم**

قال: مع أن قوله تعالیٰ: وسلام علی المرسلین، وسلام علی عباده الذین اصطفی، إلی غیر ذلک أسوة حسنة ، و ممن رد القول بالکراهة العلامة منلا علی القاری في شرح الجزریة فراجعه . (فتاوی الشامی: ۱/ ۱۳،سعید).

اور **وسلموا تسلیماً** کا ایک مطلب مفسرین نے تابعداری بھی لکھا ہے۔ **قال العلامة الشامي: إن المراد بقوله تعالیٰ وسلموا أی لقضائه کما فی النهایة عن مبسوط شیخ الإسلام أی فالمراد بالسلام الانقیاد وعزاه القهستاني إلی الأکثرین**. (فتاوی الشامی:۱/ ۵۱۶،سعید).

خلاصہ یہ ہے کہ افضل درود کے بارے میں تین اقوال ہیں:

(۱) اکثر حضرات کے نزدیک درودِ ابراہیمی افضل ہے۔

(۲) یہ درود شریف افضل ہے:" **اللّٰهم صل علی محمد وعلی آل محمد** " اس کو علامہ شامیؒ نے مرزوقی سے نقل کیا ہے۔ملاحظہ ہو:

وأفضل العبارات علی ما قال المرزوقي:" اللّٰهم صلی علی محمد وعلی آل محمد" (فتاوی الشامی:۱/ ۱۳،سعید).

(۳) حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ نے ابن ماجہ کی روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول درجِ ذیل درود شریف کو افضل فرمایا ہے:

اللّٰهم اجعل صلاتک ورحمتک وبرکاتک علی سید المرسلین وإمام المتقین وخاتم النبیین محمد عبدک ورسولک إمام الخیر وقائد الخیر و رسول الرحمة ، اللّٰهم ابعثه مقاماً محموداً یغبطه به الأولون والآخرون ، اللّٰهم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی إبراهیم وعلی آل إبراهیم إنک حمید مجید ، اللّٰهم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی إبراهیم وعلی آل إبراهیم إنک حمید مجید .

أخرج الإمام ابن ماجه في سننه (ص:٦٥،رقم:٩٠٦) **بسنده عن عن الأسود بن یزید عن عبد اللّٰه بن مسعود** رضی اللہ عنہ **قال: إذا صلیتم علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فأحسنوا الصلاة علیه ، فإنکم لا تدرون لعل ذلک یعرض علیه ، قال : فقولوا له فعلمنا قال: قولوا : ...الخ .**

وفي الزوائد: رجاله ثقات، إلا المسعودي اختلط بآخر عمره ولم يتميز حديثه الأول من الآخر فاستحق الترك كما قاله ابن حبان .

قال الشيخ عبد الغني المجددي: أحسن الصلاة: اختيار أفضلها وأكملها في المعاني ... وقول ابن مسعود رضي الله عنه يدل على أفضلية المذكورة في هذه الرواية ولاشك أن هذه الصلاة أفضلها في المعاني والمباني، لأن في آخرها الصلاة المأثورة في الصلاة، وفي أولها ما لايخفى من حسنها. (حاشية ابن ماجه، ص:٦٥، رقم الحاشية: ١).

یعنی شاہ عبدالغنی صاحبؒ کے نزدیک یہ درود شریف بہتر ہے کیونکہ یہ درود ابراہیمی اور اس پر مزید اضافہ پر مشتمل ہے ان تینوں درود میں سے جس کو بھی پڑھ لے تو افضل پر عمل ہو جائیگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

درود ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کا ثبوت:

سوال: ایک شخص ''صلی اللہ علیہ وسلم'' صرف یہ درود پڑھتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ صحابہ کرام اسی طرح درود شریف پڑھتے تھے، کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: بہت ساری احادیث سے یہ ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس صیغہ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' سے درود پڑھتے تھے، اور اس کے علاوہ صیغے جو احادیث سے ثابت ہیں وہ بھی پڑھتے تھے۔

أخرج الإمام البخاريؒ في صحيحه (١/٢/١) بسنده عن علقمة بن وقاص الليثي يقول: سمعت عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه على المنبر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ... الخ .

اس قسم کی کتبِ احادیث میں بے شمار احادیث موجود ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیث بیان کرتے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک یا ذکر مبارک کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے اسی طرح کتبِ احادیث میں مرقوم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

''یا رسول اللہ'' کے ساتھ درود کا حکم:

سوال: آج کل یہ طریقہ بہت عام ہو چکا ہے کہ جب کوئی حدیث بیان کی جاتی ہے اور اس میں آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کومخاطب کرنے کا تذکرہ ہوتا ہے، مثلاً قالوا: یارسول اللہ !تو اس کے بعد لوگ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں یا کسی صحابی کومخاطب کرنے کا تذکرہ ہوتا ہے، مثلاً: قال: یاعمر !تو اس کے بعد لوگ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں چونکہ یہ طریقہ صحابہ کرام اور محدثین وفقہاء سے منقول نہیں ہے اس لیے بعض علماء اس کو بدعت کہتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ بینواتو جروا۔

الجواب: حدیث کی کتابوں میں جہاں بھی یارسول اللہ کا لفظ آیا ہے ان میں سے اکثر مواقع میں درود ثابت نہیں ہے بنابریں نہیں کہنا چاہئے ہاں بدعت بھی نہیں کہیں گے کیونکہ بعض مواضع میں درود ثابت ہے نیز صحابی کومخاطب کرتے وقت بھی ترضی ثابت نہیں ہے ہاں مطلق صحابی کا نام آئے تو رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآنِ کریم سے مستفاد ہے اور امت کا اس پر تعامل ہے اس لیے یہ صحیح ہے۔ دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ ہوں:

صحاحِ ستہ (حدیث کی مشہور چھ کتابوں) میں لفظ ''یارسول اللہ'' تقریباً ۱۷۳۱ مرتبہ آیا ہے، اور سوائے تین جگہوں کے اور کسی کے ساتھ درود مذکور نہیں۔

(۱) نسائی شریف، باب ذکر الدعاء فی الاستسقاء، ج۱/۲/۱۷۱، سعید کمپنی، اس میں یارسول اللہ کے بعد ''صلی اللہ علیک'' مرقوم ہے۔

(۲) ابوداود شریف، باب حق السائل، ج:۱/ ۲۳۵، ط: فیصل، میں یارسول اللہ کے بعد صلی اللہ علیک، مذکور ہے۔

(۳) ابوداود شریف، باب الامراض المکفرۃ للذنوب، ج ۲/ ۴۴۰، ط: فیصل، اس میں یارسول اللہ کے بعد صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے۔

صحاحِ ستہ کے علاوہ دیگر بعض کتبِ حدیث ملاحظہ کیجئے:

مصنف عبدالرزاق میں لفظ یارسول اللہ تقریباً ۳۶۵ دفعہ آیا ہے ان میں سے صرف چار کے ساتھ درود مرقوم ہے۔

(۱) ج ۳/ ۵٦۴، ادارۃ القرآن، لیکن اس کی تعلیق میں محدثِ کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ نے تحریر فرمایا ہے: والصواب عندي قال: قلت یا رسول اللّٰہ !۔ یعنی درود کے بغیر صحیح ہے۔

(۲) ج ۵/ ۴۱۵، رقم: ۹۷۴۸، ط: ادارۃ القرآن۔

(۳) ج ۵/ ۴۹۱، رقم: ۹۷۸۴، ط: ادارۃ القرآن۔

(۴) ج ٦/ ۸، رقم: ۹۸۲۹، ادارۃ القرآن۔

المستدرک للحاکم میں تقریباً ۸۳۸ مرتبہ آیا ہے ان میں سے صرف ۱۲ مرتبہ درود کے ساتھ موجود ہے۔

ج ۱/ رقم: ۱۰۱۰، ۱۳۹۱، ۱۸۴۶، ۱۸۸۱۔

ج ۲/ رقم: ۲۵۸۸۔

ج ۳/ رقم: ۵۸۰۳، ۶۶۱۸۔

ج ۴/ رقم: ۶۷۱۶، دوجگہ، ۶۸۱۶، ۷۱۸۵، ۷۸۸۷۔

مسند احمد بن حنبل میں تقریباً ۳۰۷۱ مرتبہ آیا ہے، ان میں سے صرف چھ مرتبہ درود کے ساتھ ہے۔

ج ۱۲/ رقم: ۷۲۴۲۔ (مؤسسۃ الرسالہ).

ج ۱۷/ رقم: ۱۱۱۲۳۔

ج ۱۸/ رقم: ۱۱۴۷۷، ۱۱۸۵۳۔

ج ۱۹/ رقم: ۱۲۰۱۸۔

ج ۲۰/ ۱۲۵۶۹۔

القول البدیع میں ہے:

...وقد أطلق القدوريؒ وغيره من الحنفية أن القول بوجوب الصلاة عليه كلما ذكر مخالف للإجماع المنعقد قبل قائله ، لأنه لا يحفظ عن أحد من الصحابة أنه خاطب النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله صلى الله عليك .

قلت: سيأتي في حديث أبي مسعود في أوائل الباب الأول، قوله: فكيف نصلى عليك إذا نحن صلينا في صلاتنا، صلى الله عليك ، وقول واثلة في أواخر الباب المذكور أيضاً : وأنا يا رسول الله من أهلك ، صلى الله عليك. وكذا في حديث أم سنبلة لما أهدت اللبن للنبي صلى الله عليه وسلم ، فقال لها: ما هذا معك؟ قالت: لبن أهديته لك يا رسول الله صلى الله عليك ، الحديث، أخرجه أبوإسحاق الحربي فی "الهدايا" وغيره .

وفي حديث المسيء صلاته أنه قال في الثالثة : فعلمني يا رسول الله صلى الله عليك وسلم. أخرجه ابن ماجه من حديث عبيد الله بن عمر، عن سعيد بن أبي سعيد ، عن

أبي هريرة رضی اللہ عنہ.

وفي حديث أيوب بن هانئ ، عن مسروق ، عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ: أنه صلى الله عليه وسلم لما أتى قبر أمه و بكى ، تلقاه عمر رضی اللہ عنہ فقال : يا رسول الله صلى الله عليك ما الذي أبكاك ؟ الحديث ، أخرجه البيهقي في الدلائل .

وكذا عنده فيها من طريق ابن اسحاق في قصة تخييره صلى الله عليه وسلم أصحابه لما بلغه مجيء المشركين إلى أحد أنهم قالوا له صلى الله عليه وسلم: فإن شئت فاقعد صلى الله عليك .

وفيها ايضاً في اول قصة تبوك : ان الجد بن قيس لمااستأذن رسول الله صلى الله عليه وسلم في التخلف عنها قال: فأذَن لي يارسول الله صلى الله عليك؟

بل فيها أيضاً في وفد بني تميم من أول وفود العرب ،قول قيس بن عاصم : يا رسول الله عليك السلام .

وكفي بدون هذا رداً . ووقع للقاضي أبي بكر ابن العربي في" شرح الترمذي" نحو ما وقع للقدوري، وذلك أنه قال: كان أصحابه إذا كلموه ونادوه لا يقول له أحد منهم: صلى الله عليك ، وصار الناس اليوم يذكرونه إلا قالوا: صلى الله عليه ، ثم قال: والسر فيه أن أولئك كانت صلاتهم عليه ومحبتهم له واتباعهم له وعدم مخالفتهم ، ولما لم يتبعه اليوم أحد من الناس يعني غالباً وخالفه جميعهم في الأقوال والأفعال: خدعهم الشيطان بأن صلوا عليه في كل ذكر ، وأن يكتبوه في كل رسالة ، ولو أنهم يتبعونه ويقتدون به ولايصلون عليه في ذكره ، ولا في رسالة إلا حال الصلاة كانوا على سيرة السلف . (القول البديع: ص:٧٦-٧٨،مؤسسة الرسالة).

اس کی تعلیقات میں شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ نے ابن عربی کے کلام کو بعید قرار دیا ہے اور احادیث سے مزید ۹ مثالیں پیش فرمائی ہیں۔تطویل سے دامن بچاتے ہوئے ترک کر دیا جاتا ہے وہاں ملاحظہ کر لی جائیں۔(تعلیقات القول البدیع ،ص ۷۸-۸۱)۔

فتاوی الشامی میں ہے:

قوله ويستحب الترضي للصحابة لأنهم يبالغون في طلب الرضاء من الله تعالىٰ ويجتهدون في فعل ما يرضيه ، ويرضون بما يلحقهم من الابتلاء من جهته أشد الرضاء ، فهولاء أحق بالرضاء وغيرهم لا يلحق أدناهم ولو أنفق ملء الأرض ذهباً زيلعي. (فتاوی الشامی: ٦/٧٥٤،سعید).

البتہ کسی صحابی کا نام سننے پر رضی اللہ عنہ کہنے کے بارے میں کوئی حکم منقول نہیں ہے اس کے برخلاف درودشریف کے بارے میں قرآنِ کریم میں حکم وارد ہوا ہے: **يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليماً.** [الاحزاب:٥٦].

ترمذی شریف میں روایت ہے:

عن حسين بن علي بن أبي طالب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: البخيل الذي من ذكرت عنده فلم يصل علي. قال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح غريب. (رواه الترمذی :٢/١٩٤). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ذکرِ حبیب پر ہر مرتبہ درود پڑھنے کا حکم:

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ایک ہی مجلس میں بار بار آئے تو ہر مرتبہ درود پڑھنا واجب اور لازم ہے یا ایک مرتبہ کافی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: امام طحاویؒ کے نزدیک ہر مرتبہ درود پڑھنا واجب اور لازم ہے البتہ مفتی بہ قول کے مطابق ایک مرتبہ واجب اور ہر مرتبہ پڑھنا مستحب ہے۔اگرچہ بعض حضرات نے امام طحاویؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے نیز تعظیماً واحتراماً یہ قول زیادہ صحیح ہے روایاتِ کثیرہ کے موافق ہونے کی وجہ سے ،لیکن حرج اور مشقت کی وجہ سے دوسرا قول ایسر للناس ہے۔

ملاحظہ ہو الدرالمختار میں ہے:

واختلف الطحاوي والكرخي في وجوبها على السامع الذاكر كلما ذكر صلى الله عليه وسلم والمختار عند الطحاوي تكراره أي الوجوب كلما ذكر ولو اتحد المجلس فى الأصح ، لا لأن الأمر يقتضي التكرار بل لأنه تعلق وجوبها بسبب متكرر وهو الذكر فيتكرر

بتكرره وتصير ديناً بالترك فتقضى...والمذهب استحبابه أى التكرار وعليه الفتوى والمعتمد من المذهب قول الطحاوي كذا ذكره الباقاني تبعاً لما صححه الحلبي وغيره ورجحه فى البحر بأحاديث الوعيد كرغم وإبعاد وشقاء وبخل وجفاء .

وقال فى الشامية : قوله عند الطحاوي، قيد به لأن المختار فى المذهب الاستحباب وتبع الطحاوي جماعة من الحنفية والحليمي وجماعة من الشافعية وحكى عن اللخمى من المالكية وابن بطة من الحنابلة ، وقال ابن العربي من المالكية: إنه الأحوط كذا فى شرح الفاسي على الدلائل ويأتي أنه المعتمد. قوله تكراره أى الوجوب ، قيد الكرماني في شرح مقدمة أبى الليث وجوب التكرار عند الطحاوي بكونه على سبيل الكفاية لا العين وقال: فإذا صلى عليه بعضهم يسقط عن الباقين لحصول المقصود وهو تعظيمه وإظهار شرفه عند ذكر اسمه .

قوله فى الأصح ، صححه الزاهدي فى المجتبى لكن صحح فى الكافى وجوب الصلاة في كل مجلس كسجود التلاوة حيث قال في باب التلاوة و هو كمن سمع اسمه عليه الصلاة والسلام مراراً لم تلزمه الصلاة إلا مرة فى الصحيح لأن تكرار اسمه لحفظ سنته التي بها قوام الشريعة فلو وجبت الصلاة بكل مرة لأفضى إلى الحرج غير أنه يندب تكرار الصلاة ...وحاصله أن الوجوب يتداخل فى المجلس فيكتفي بمرة للحرج كما فى السجود ، إلا أنه يندب تكرار الصلاة فى المجلس الواحد بخلاف السجود . (فتاوى الشامي:١/٥١٦،سعيد).

فتاوی ولوالجية میں ہے:

رجل سمع اسم النبي صلى الله عليه وسلم لا تجب عليه الصلاة ؛ لأن الصلاة فى الجملة فرض، لا عندكل سماع، وهذا قول الكرخي، وقال الطحاوي كلما سمع اسم النبي صلى الله عليه وسلم، والمختار قول الطحاوي. (الفتاوى الولوالجية:٢/٣٣١،الفصل الثالث من كتاب الكراهية والاستحسان).

فتاوی اللکنوی میں ہے:

الاستفسار: سمع اسم النبي مراراً في مجلس واحد، هل يجب عليه تكرار الصلاة ؟

الاستبشار: اختلف فيه ؛ قال الطحاوي: تجب الصلاة عند كل سماع، وقال آخرون: يكفي مرة واحدة ،كذا في فتاوى قاضيخان وفي القنية : وبالثانية يفتى، انتهى. قلت: بل المفتى به ، والأصح هو الأول ، لورود أحاديث كثيرة دالة على ذلک . (نفع المفتى والسائل، ص٤٠٦ ، مايتعلق بتعظيم اسم الله واسم حبيب الله ،ط:دارابن حزم). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

درود کی جگہ رموز واشارات لکھنے کا حکم:

سوال: بعض حضرات اپنی تحریروں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ کے وقت مکمل درود نہیں لکھتے بلکہ فقط علامت ''صلعم'' یا ؐ ،وغیرہ لکھتے ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے؟ اور صحیح کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ فقط علامت یا اشارات پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے بلکہ پورا درود شریف لکھنا چاہئے اس کے بہت فضائل وارد ہوئے ہیں۔ملاحظہ ہو مقدمہ ابن الصلاح میں ہے:

ينبغي له أن يحافظ على كتبة الصلاة والتسليم على رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم عند ذكره ، لايسأم من تكرير ذلک عند تكرره ، فإن ذلک من أكبر الفوائد التي يتعجلها طلبة الحديث وكتبته ، ومن أغفل ذلک حرم حظاً عظيماً...ثم ليتجنب فى إثباتها نقصين : أحدهما: أن يكتبها منقوصة صورة رامزاً إليها بحرفين أو نحو ذلک .

والثاني: أن يكتبها منقوصة معنى بأن لا يكتب (وسلم) وإن وجد ذلک فى خط بعض المتقدمين .

سمعت أبا القاسم منصور بن عبدالمنعم وأم المويد بنت أبى القاسم بقراء تي عليهما قالا: سمعنا أباالبركات...عن محمد بن إسحاق الحافظ قال: سمعت حمزة الكناني يقول: كنت أكتب الحديث وكنت أكتب عند ذكر النبي" صلى الله عليه " ولا أكتب" وسلم "، فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم فى المنام فقال لي: مالک لاتتم الصلاة علي؟ قال: فما كتبت بعد ذلک " صلى الله عليه وسلم " إلا كتبت " وسلم ". قلت:ويكره أيضاً الاقتصار

علی قوله" عليه السلام "، والله أعلم. (علوم الحديث لابن الصلاح:۱۸۸۔۱۹۰،النوع الخامس و العشرون في كتابة الحديث).

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں:

علامہ سخاویؒ قولِ بدیع میں لکھتے ہیں کہ جیسا کہ تو حضورِاقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی لیتے ہوئے زبان سے درود پڑھتا ہے اسی طرح نامِ مبارک لکھتے ہوئے اپنی انگلیوں سے بھی درود شریف لکھا کر کہ تیرے لیے اس میں بہت بڑا ثواب ہے اور یہ ایک ایسی فضیلت ہے جس کے ساتھ علمِ حدیث لکھنے والے کامیاب ہوتے ہیں۔علماء نے اس بات کو مستحب بتایا ہے کہ اگر تحریر میں بار بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک نام آئے تو بار بار درود شریف لکھے اور پورا درود لکھے اور کاہلوں اور جاہلوں کی طرح سے ''صلعم'' وغیرہ الفاظ کے ساتھ اشارہ پر قناعت نہ کرے۔اس کے بعد علامہ سخاویؒ نے اس سلسلہ میں چند حدیثیں بھی نقل کی ہیں،وہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضورِاقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد نقل کیا گیا کہ جو شخص کسی کتاب میں میرا نام لکھے فرشتے اس وقت تک لکھنے والے پر درود بھیجتے رہتے ہیں جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حضورِاقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے جو شخص مجھ سے کوئی علمی چیز لکھے اور اس کے ساتھ درود شریف بھی لکھے اس کا ثواب اس وقت تک ملتا رہے گا جب تک وہ کتاب پڑھی جائے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی حضورِاقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص مجھ پر درود لکھے اُس وقت تک اُس کو ثواب ملتا رہے گا جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے۔(فضائل درود شریف،ص۱۴۴،۱۴۵،از حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ)۔

مزید ملاحظہ فرمائیں: (القول البديع ،ص ۴۶۰،مؤسسة الريان،والباعث الحثيث للشيخ احمدمحمد شاكر، ص ۱۲۴،ط:مكتبة المعارف ،الرياض). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بوقتِ تلاوت اسمِ حبیب آنے پر درود پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر تلاوت کے دوران حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی آجائے تو تلاوت موقوف کر کے درود پڑھا جائے یا تلاوت جاری رکھی جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی اگر بہ وقتِ تلاوت آجائے تو قرآنی

ترتیب پر اپنی تلاوت جاری رکھنا درست ہے درود کا پڑھنا ضروری نہیں ہاں تلاوت سے فارغ ہوکر درود پڑھنا افضل ہے اور نہ پڑھے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ ملاحظہ کیجئے علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

ومكروهة في صلاة غير تشهد أخير، فلذا استثنى في النهر من قول الطحاوي. وفي رد المحتار: قوله فلذا استثنى في النهر، أقول: يستثنى أيضاً ما لو ذكره أو سمعه في القراءة أو وقت الخطبة لوجوب الإنصات والاستماع فيهما وفي كراهية الفتاوى الهندية: ولو سمع اسم النبي صلى الله عليه وسلم وهو يقرأ لا يجب أن يصلي وإن فعل ذلك بعد فراغه من القرآن فهو حسن كذا في الينابيع، و لو قرأ القرآن فمرعلى اسم نبي فقراءة القرآن على تأليفه ونظمه أفضل من الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم في ذلك الوقت فإن فرغ ففعل فهو أفضل وإلا فلا شيء عليه كذا في الملتقط . (فتاوى الشامي: ۱/۵۱۹، سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاوى الهندية: ۵/۳۱۶، الباب الرابع من كتاب الكراهية). **واللہ ﷻ اعلم۔**

غیر نبی کے لیے سلام اور غیر صحابی کے لیے ترضی کا حکم:

سوال: کسی غیر صحابی کے لیے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے یا کسی غیر نبی کے لیے علیہ السلام کہنے کا کیا حکم ہے؟ اور غیر نبی پر صلوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ اور اصول الشاشی میں والسلام علی ابی حنیفۃ واتباعہ آیا ہے اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: امتِ مسلمہ کا متوارث عمل قرونِ مشہور لہا بالخیر سے یہ چلا آرہا ہے کہ نبی کے لیے علیہ السلام اور صحابی کے لیے رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، ہاں تبعاً دوسرے حضرات کے لیے رضی اللہ عنہم کہتے ہیں مثلاً: **عن أبي حنيفه عن إبراهيم عن علقمه عن ابن مسعود رضى الله عنه وعنهم۔**

لیکن معنی کا اعتبار کرتے ہوئے غیر صحابی کے لیے رضی اللہ عنہ بھی جائز ہے البتہ غیر نبی کے لیے علیہ السلام استعمال کرنا درست نہیں ہے، ہاں تبعاً وضمناً ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

قال: ولا يصلي على غير الأنبياء والملائكة إلا بطريق التبع، لأن في الصلاة من التعظيم ما ليس في غيرها من الدعوات...ثم الأولى أن يدعو للصحابة بالرضاء فيقول

رضي الله عنهم لأنهم كانوا يبالغون في طلب الرضاء من الله تعالىٰ ويجتهدون في فعل ما يرضيه ويرضون بما لحقهم من الابتلاء من جهته أشد الرضاء فهولاء أحق بالرضاء وغيرهم لايلحق أدناهم ولو أنفق ملء الأرض ذهباً، والتابعين بالرحمة فيقول: رحمهم الله ولمن بعدهم بالمغفرة والتجاوز فيقول: غفر الله لهم وتجاوز عنهم ...الخ. (البحرالرائق: ٨/٥٥٥، دارالمعرفة).

وفي تبيين الحقائق: ولا يصلى على أحد غير الأنبياء عليهم الصلاة والسلام يروى ذلك عن ابن عباس رضي الله عنه توقيراً للأنبياء عليهم الصلاة والسلام ومنهم من أجاز على كل مسلم. (تبيين الحقائق: ١/١٢٣، ط:امداديه، ملتان، و٦/٢٢٨).

وفى الشامى: واختلف هل يكره تحريماً أو تنزيهاً أو خلاف الأولى وصحح النووى فى الأذكار الثاني، لكن خطبة شرح الأشباه للبيرى من صلى على غيرهم أثم وكره وهو الصحيح ...

ولأن ذلك مخصوص على لسان السلف بالأنبياء عليهم الصلاة والسلام كما أن قولنا عز وجل مخصوص بالله تعالىٰ فلا يقال محمد عز وجل وإن كان عزيزاً جليلاً ثم قال اللقاني وقال القاضى عياض الذي ذهب إليه المحققون وأميل إليه ما قاله مالك وسفيان واختاره غير واحد من الفقهاء والمتكلمين أنه يجب تخصيص النبي وسائر الأنبياء بالصلاة والتسليم كما يختص الله سبحانه عند ذكره بالتقديس والتنزيه ويذكر من سواهم بالغفران والرضاء كما قال الله تعالىٰ ﴿رضي الله عنهم ورضوا عنه﴾ [المائدة:١١٩] ﴿يقولون ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذين سبقونا بالإيمان﴾ [الحشر:١٠] وأيضاً فهو أمر لم يكن معروفاً فى الصدر الأول وإنما حدثه الرافضة في بعض الأئمة والتشبه بأهل البدع منهى عنه فتجب مخالفتهم. (فتاوى الشامى:٦/٧٥٤، سعيد).

وأيضاً فيه: ويستحب الترضي للصحابة لأنهم كانوا يبالغون في طلب الرضاء من الله تعالىٰ...الخ. (فتاوى الشامى: ٦/٧٥٤، سعيد). وكذا فى الفتاوى الهندية: ٥/٤٤٦، مسائل شتى).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (تفسیر ابن کثیر:٣/٥٦٧، واحسن الفتاویٰ:٩/٣٦، وکتاب الفتاویٰ:١/٣٤٥)۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کے لیے استعمال فرمایا مثلاً: اللّٰہم صل علی آل أبي أوفی، تو اس کا جواب یہ ہے صلاۃ والسلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا حق ہے اور آپ خود اپنا حق کسی کو دیدے تو آپ کے لیے سزاوار ہے کسی دوسرے کے لیے یہ جائز اور درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

روی البخاريؒ بسند عبد اللّٰہ بن أبي أوفی قال: کان النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذا أتاہ قوم بصدقتھم قال: اللّٰھم صل علی آل فلان فأتاہ أبي بصدقتھم فقال: اللّٰھم صل علی آل أبي أوفی... ذکر ما یستفاد منہ: احتج بالحدیث المذکور من جوز الصلاۃ علی غیر الأنبیاء علیھم الصلاۃ والسلام بالاستقلال، وھو قول أحمد أیضاً وقال أبوحنیفةؒ وأصحابہ ومالک والشافعي والأکثرون أنہ لایصلی علی غیر الأنبیاء علیھم الصلاۃ والسلام استقلالاً فلا یقال اللّٰھم صل علی آل أبي بکر ولا علی آل عمر أو غیرھما ولکن یصلی علیھم تبعاً، والجواب عن ھذا إن ھذا حقہ علیہ الصلاۃ والسلام لہ أن یعطیہ لمن شاء ولیس لغیرہ ذلک. (عمدۃ القاری: ٦/٥٥٥، دارالحدیث، ملتان).

فتح الملھم میں ہے:

قال عیاضؒ: والصلاۃ علی غیر الأنبیاء استقلالاً لم تکن من الأمر المعروف، وقال ابن القیم: المختار أن یصلی علی الأنبیاء والملائکة وأزواج النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم وآلہ وذریتہ وأھل الطاعة علی سبیل الإجمال وتکرہ في غیر الأنبیاء لشخص مفرد بحیث یصیر شعاراً ولا سیما إذا ترک في حق مثلہ أو أفضل منہ کما یفعلہ الرافضة فلو اتفق وقوع ذلک مفرداً في بعض الأحابین من غیر أن یتخذ شعاراً لم یکن بہ بأس ولھذا لم یرد في حق غیر من أمر النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم بقول ذلک لھم. (فتح الملھم: ٣/٤٤٦، مکتبة دارالعلوم).

وللاستزادۃ انظر: (شرح النووی علی صحیح مسلم: ۴/۱۲۷، باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ط: بیروت، وشرح العینی علی سنن ابی داود: ۵/۴۴۴، ط: مکتبة الرشد، الریاض، وفیض الباری: ۲/۴۹).

اشکال اور جواب:

اشکال: اصول الشاشی میں جو **والسلام علی أبي حنیفة و أتباعه** آیا ہے اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: مذکورہ عبارت کے چار جوابات دئے گئے ہیں: (۱) یہ جملہ ماقبل جملہ کے تابع قرار دیا جائے تو مستقل نہیں ہوگا۔ (۲) بعض حضرات نے صلوٰۃ وسلام کے مابین فرق کیا ہے کہ صلوٰۃ مستقلاً جائز نہیں ہے اور سلام جائز ہے۔ (۳) اصول الشاشی کے مصنف کوئی مشہور فقیہ نہیں ہے کہ ان کے قول سے استدلال کیا جائے، ہاں ان کے خلوصِ نیت کی برکت ہے کہ اپنے نام کو بھی مخفی رکھا اس لیے ان کی کتاب کو قبولیتِ عامہ نصیب ہوئی، البتہ کتاب میں علمِ اصول کے مسائل دوسری کتابوں کے موافق اور مستند ہیں۔ (۴) مصنفؒ نے جواز والوں کے قول پر عمل کیا کہ بعض حضرات نے مطلقاً اجازت دی ہے۔

مندرجہ ذیل دلائل ملاحظہ فرمائیں: علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

والظاهر أن العلة في منع السلام ما قاله النووي في علة منع الصلاة أن ذلک شعار أهل البدع ولأن ذلک مخصوص في لسان السلف بالأنبياء عليهم الصلاة والسلام كما أن قولنا عز وجل مخصوص بالله تعالىٰ. (فتاوی الشامی: ۷۵۳/۶،سعید).

وقال الشيخ أبو محمد الجويني: والسلام في معنى الصلاة، فإن الله تعالىٰ قرن بينهما فلا يفرد به غائب غير الأنبياء، فلا يقال: أبوبكر، وعمر، وعلي عليه السلام، وإنما يقال ذلک خطاباً للأحياء والأموات، فيقال: السلام عليكم و رحمة الله، والله أعلم ... والتابع يحتمل مالايحتمل استقلالاً. (شرح سنن ابی داود للعلامة العینی:۴۴۴/۵،ط:مکتبة الرشد،الریاض). (وکذا فی شرح النووی علی صحیح مسلم: ۱۲۸/۴،ط:بیروت).

وینظر: (روح المعانی: ۸۶/۲۲،ط:بیروت،واحکام القرآن: ۴۹۴/۳،ادارة القرآن،واجمل الحواشی: ۱۲، صفوة الحواشی: ۱۹،ونجوم الحواشی:۲). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

طلبِ وسیلہ کا مطلب:

سوال: جب وسیلہ کا مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے تو پھر اس دعا کا کیا مطلب ہے کہ میرے لیے وسیلہ کی دعا کرو، وہ تو ویسے ہی کسی اور کو نہیں مل سکتا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مقامِ محمود اگر چہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے لیکن امت کے لیے اس کی دعا کی وجہ سے ایمان میں ترقی اور قربِ درجات مطلوب ہے، اور شفاعت نصیب ہو جائے، نیز ممکن ہے کہ اس درجہ کے مختلف مراتب اور زینے ہوں تو امت کی دعاؤں کی وجہ سے درجات بڑھتے ہوں اگر چہ مرتبہ پہلے مل چکا ہے، جیسے کسی کی درخواست پر کوئی شاہی دربار میں پہنچے اور پھر پہنچنے کے بعد شاہی دربار میں مختلف درجات ہوتے ہیں۔ مرقاتِ شرح مشکوٰۃ میں مرقوم ہے:

والحكمة في سوال ذلک مع كونه واجب الوقوع بوعد الله (وعسى) فى الآية : للتحقيق ، إظهار لشرفه وعظم منزلته ، وتلذذ بحصول مرتبته ورجاء لشفاعته. (مرقاة المفاتيح: ٢/١٦٣، امداديه، ملتان).

فتح القدیر میں مذکور ہے:

والحديث في هذا الباب كثير، والقصد الحث على الخير. (فتح القدير: ١/٢٥٠،باب الاذان،ط: دارالفكر).

فتح الملهم میں ہے:

ومع ذلک فإن الله تعالىٰ يزيده بدعاء أمته له رفعة كما يزيدهم بصلاتهم عليه ، كذا قال الأبي . (فتح الملهم: ٣/٢٩٥، دارالعلوم كراتشى).

حادى الأرواح إلى بلاد الأفراح میں مسطور ہے:

وأمر النبي صلى الله عليه وسلم أمته أن يسألوها له لينالوا بهذا الدعاء زلفى من الله، وزيادة الإيمان، وأيضاً ، فإن الله سبحانه قدرها له بأسباب منها دعاء أمته له بها بمانالوه على يده من الإيمان والهدى صلوات الله وسلامه عليه . (حادى الارواح الى بلادالافراح ،ص١٠٨،الباب الثامن عشرفى ذكراعلى درجاتها واسم تلك الدرجة).

القول البدیع میں ہے:

فإن قيل: ما فائدة طلب الوسيلة له مع قوله : وأرجو أن أكون أنا هو. و رجاؤه عليه السلام لايخيب ، فالجواب: إن طلبنا إياها له عائدة علينا بامتثال ما أمرنا به من جهته الكريمة ، وهو صلاتنا وسلامنا عليه مع أنه قد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر. (القول

البدیع: ۱۸۰، فائدة طلب الوسیلة له). (و کذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص ۲۰۵، قدیمی).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دعا میں " نَسِیْنَا " تخفیف کے ساتھ پڑھنے کا حکم:

سوال: دعاؤں میں " نَسِیْنَا " تخفیف کے ساتھ پڑھنا چاہئے مثلاً: ایک دعا میں ہے: **و ذکرنا منه ما نسینا** " یا تشدید کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔ بعض روایات میں تخفیف کی ممانعت آئی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

الجواب: شارحینِ حدیث نے " نَسِیْتُ " کہنے کی کراہت کی مندرجہ ذیل وجوہات بیان کی ہیں:

(۱) نسیت تخفیف کے ساتھ غفلت اور جرءت پر دال ہے یعنی میں بھول گیا، جیسے ضربت میں نے پٹائی کی اور تشدید کے ساتھ معنی یہ ہے کہ میری تقصیر کی وجہ سے مجھ پر نسیان ڈالا گیا۔

(۲) جو آیات منسوخ التلاوۃ ہیں ان کے بارے میں " نُسِّیْتُ " بالتشدید کہے کیونکہ وہ آیات من جانب اللہ منسوخ ہوئیں اور بھلادی گئیں۔ " نَسِیْتُ " بالتخفیف نہ کہے۔

(۳) حدیث میں قول کی ممانعت نہیں بلکہ نسیان کی حالت سے بچنے کی کوشش کرنے کا حکم ہے، ہاں کچھ عوارض کی وجہ سے بھول جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ تشدید میں خارجی عوارض کی طرف اشارہ ہے، لیکن قرآنِ کریم میں " **إن نسينا أو أخطأنا** " موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تخفیف کے ساتھ کہنے کی گنجائش ہے، ہاں بہتر یہ ہے کہ یہ کہدے میں فلان فلان وجوہات کی وجہ سے بھول گیا۔

بخاری شریف میں ہے:

عن عبد الله رضی اللہ عنہ قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم بئس ما لأحدهم أن يقول: نَسِيْتُ آية كيت وكيت بل نُسِّي واستذكروا القرآن فإنه أشد تفصياً من صدور الرجال من النعم . (رواہ البخاری: ۲/۷۵۲، رقم: ۵۰۳۲).

علامہ عینیؒ عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

وقال القرطبي: التثقيل معناه أنه عوقب بوقوع النسيان عليه لتفريطه في معاهدته واستذكاره قال: ومعنى التخفيف أن الرجل تركه غير ملتفت إليه والحاصل أن الذم فيه يرجع إلى المقال فنهى أن يقال: نسيت آية كذا إلا أنه يتضمن التساهل والتغافل عنه وهو كراهة تنزيه وقال القاضي: الأولى أن يقال إنه ذم الحال لا ذم المقال أى بئس حال من

حفظ القرآن فيغفل عنه حتى نسيه ، وقال الخطابي: بئس يعني عوقب بالنسيان على ذنب كان منه أو على سوء تعهده بالقرآن حتى نسيه وقد يحتمل معنى آخر وهو أن يكون ذلک في زمنه حين النسخ وسقوط الحفظ عنهم فيقول القائل منهم نسيت كذا فنهاهم عن هذا القول لئلا يتوهموا على محكم القرآن الضياع فأعلمهم أن ذلک بإذن اللّٰه ولمارأه من المصلحة فى نسخه ومن أضاف النسيان إلى اللّٰه تعالىٰ فإنه خالقه وخالق الأفعال كلها ومن نسبه إلى نفسه فلأن النسيان فعل منه يضاف إليه من جهة الاكتساب والتصرف ومن نسب ذلک إلى الشيطان كما قال يوشع بن نون عليه السلام: وما أنسانيه إلا الشيطان . (عمدة القارى :۱۳/۵۷٦،باب استذكار القرآن ، ط: دارالحديث ، ملتان).

المنتقى شرح الموطا میں ہے:

وقد قال صلى اللّٰه عليه وسلم في حديث ابن مسعودؓ: وإنما أناْ بشر أنسى كما تنسون فإذا نسيت فذكروني فيحتمل أن يكون معنى الحديث الأول ما كان ينسخ من القرآن بالنسيان ينساه جميع الناس فلا يبقى في حفظ أحد فيكون ذلک نسخه له ويكون معنى الحديث الآخر النسيان المعتاد من السهو المعتاد فى الصلاة وما جرى مجراه . (المنتقى فى شرح الموطا:۱/۲۳٤).

وللاستزادة انظر: (فيض البارى :۴/۲۷۰،والكوكب الدرى مع التعليقات :۴/۴۷،وشرح صحيح مسلم للامام النووى :٦/۷٦،ط:بيروت،وفتح البارى: ۹/۸۰.۸۲). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

الحزب الاعظم کا نسخہ کافر کو دینے کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنی دکان پر بیٹھ کر الحزب الاعظم پڑھ رہا تھا، ایک غیر مسلم عورت آئی اوراس نے اس کتاب کے بارے میں پوچھا،اس شخص نے دعاوغیرہ کے بارے میں بتایا تو عورت نے ایک نسخہ طلب کیا، کیونکہ وہ عورت عیسائیت پر مطمئن نہیں ہے دوسرے ادیان پر تحقیق کرتی ہے۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا وہ شخص الحزب الاعظم کا نسخہ اس کو دے سکتا ہے؟ برائے مہربانی حکم شریعت سے مطلع فرما کر اجر عظیم کے مستحق ہوں۔

الجواب: الحزب الاعظم ملاعلی قاریؒ کی کتاب ہے اس کتاب میں انہوں نے قرآن اوراحادیث کی مختلف ادعیہ اور درود وغیرہ کو پورے ہفتہ پر تقسیم کر کے روزانہ کی ایک خاص منزل کے اعتبار سے مرتب فرمایا ہے، اس کا ورد بہت مفید ہے۔

علمائے کرام نے غیر مسلم کوقرآنِ کریم دینے کی اجازت دی ہے جیسا کہ ماقبل میں مذکور ہوا تو اس کتاب کے دینے کی درجہ اولیٰ اجازت ہوگی۔ بنابریں شخص مذکور اس عورت کوالحزب الاعظم دے سکتا ہے، ہاں ساتھ ساتھ اس کتاب کے ادب واحترام کی تاکید کردی جائے۔

دلائل کے لیے ملاحظہ کیجئے: (ردالمحتار:۱/۱۷۷،سعید،و۴/۱۳۰،سعید،وبدائع الصنائع :۱/۳۷،و۵۲،سعید،والاشباہ والنظائر:۱/۶۸او۲۹۳،وفتاویٰ رحیمیہ:۲/۱۵۱)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مستحب عمل کے لیے تداعی کا حکم:

سوال: ہم ہفتہ میں ایک مرتبہ ذکر کی مجلس منعقد کرتے ہیں۔ہم نے احباب کی آسانی کے لیے اتوار کی رات کومقرر کیا ہے۔شبِ اتوار کا تقرر لوگوں کی آسانی کے لیے ہے، پہلی مرتبہ اعلان ہوا تھا کہ شبِ اتوار کومجلس ذکر ہوگی جس میں وعظ ونصیحت کے علاوہ ذکر ہوگا اس کے بعد اعلان کی ضرورت نہیں پڑتی۔بعض علمائے دیوبند کواس پر دواشکالات ہیں ایک یہ کہ مستحب کام کے لیے تداعی یعنی لوگوں کودعوت دینا یا اعلان کرنا بدعت یا مکروہ ہے۔

دوسرا یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس قسم کے اجتماعات کومسجد کے اندر بدعت فرمایا اور قابل نکیر سمجھا، آپ چونکہ ذکر اجتماعی کے بارے میں لکھتے رہتے ہیں اس لیے یہ دونوں سوالات آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً ومسلماً:

پہلے سوال کا جواب: مستحب وہ کام ہے جس کا کرنا نہ کرنے سے بہتر ہو اس کی دوقسمیں ہیں؛ ایک وہ ہے جس کے لیے بلانا اور تداعی ثابت ہے۔اور دوسرا وہ ہے جس کے لیے تداعی ثابت نہیں ہے۔ جہاں مستحب یا مسنون کے لیے تداعی ثابت ہو اس کے لیے بلانا درست ہے، جیسے دعوتِ ولیمہ، دعوتِ عقیقہ، صلوٰۃِ استسقاء وغیرہ کے لیے بلانا درست ہے۔

صلوٰۃِ استسقاء کے بارے میں ملاعلی قاریؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل فرمایا: **شكى الناس قحوط المطر فأمر بمنبر فوضع له في المصلى، و وعد الناس يوماً يخرجون فيه، قالت عائشة ؓ: فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم حين بدا حاجب الشمس ...الخ.** اس میں ایک دن استسقاء کے لیے نکلنے کا وعدہ ہے۔(شرح نقایہ:۱/۳۴۹) آخر میں ملاعلی قاریؒ نے فرمایا: **رواه أبو داود** (رقم:۱۱۷۵) **وقال: غريب وإسناده جيد ورواه الحاكم في المستدرك** (۱/۳۲۷/۱۲۲۵) نیز صلوٰۃِ استسقاء باجماعت ثابت ہے۔

اسی طرح صلوٰۃِ کسوف میں بھی جماعت مسنون ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے: "**فإذا رأيتم ذلك فافزعوا إلى الصلاة**" مروی ہے۔جو تداعی ہے۔

اسی طرح ذکر کی مجالس کے لیے بھی احادیثِ قولیہ سے تداعی ثابت ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صومِ داودی نہیں رکھا لیکن آپ کے اقوال سے اس کا استحباب ثابت ہے، نیز رمضان میں عمرہ نہیں فرمایا لیکن احادیثِ قولیہ سے اس کا استحباب ثابت ہے اسی طرح اقوالِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجالس ذکر کے لیے ترغیب ثابت ہے اب ہم چند احادیث نقل کرتے ہیں جن سے مجالس ذکر کی طرف ترغیب وتداعی ظاہر ہوجائے:

(۱) **عن أبي الدرداء ؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليبعثن الله أقواماً يوم القيامة في وجوههم النور، على منابر اللؤلؤ يغبطهم الناس ليسوا بأنبياء ولا شهداء قال: فجثا أعرابي على ركبتيه فقال: يارسول الله! حلهم لنا نعرفهم قال: هم المتحابون في الله من قبائل شتى وبلاد شتىٰ يجتمعون على ذكر الله يذكرونه.** (مجمع الزوائد: ۱۰/۷۷، ۱۰۲۲۱۔ اسناده حسن).

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ منور چہروں والے لوگوں کو نور کے منبروں پر بٹھائیں گے جو مختلف قبائل اور مختلف شہروں سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے واسطے جمع ہوئے ہوں گے، ظاہر ہے کہ یہ لوگ اتفاقاً جمع نہیں ہوئے ہوں گے اور نہ کسی نے ڈنڈوں سے مار مار کر نکالا ہوگا بلکہ کسی اعلان کے نتیجہ میں جمع ہوئے ہوں گے۔

(۲) حضرت عمرو بن عبسہ ؓ کی روایت میں یہ الفاظ مروی ہے: **قيل: من هم؟ قال: هم جماع من نوازع القبائل يجتمعون على ذكر الله.** (مجمع الزوائد، رجاله موثقون) یہ لوگ پردیسیوں

کی طرح مختلف قبائل سے کھینچ کر اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے جمع ہوں گے، ان الفاظ میں تداعی کی طرف اشارات بلکہ صراحت ہے۔ جماع مختلف قبائل کے ملے جلے لوگوں کو کہتے ہیں، اور نوازع نازعہ کی جمع ہے نکالی ہوئی جماعتوں کو کہتے ہیں، اس مضمون کی احادیث مصنف عبدالرزاق، مسند احمد میں بھی موجود ہیں۔ (مسند احمد ۳/۵۳۰/ ۲۲۸۹، ومصنف عبدالرزاق: ۱۱/۲۰۱)۔

(۳) بخاری شریف میں حدیث ہے: **''إن للّٰہ ملائکة یطوفون فی الطرق یلتمسون أھل الذکر فإذا وجدوا قوماً یذکرون اللّٰہ تنادوا ھلموا إلی حاجاتکم''.** (رواہ البخاری: ۲/۹۴۸).

اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں گھومتے ہیں اور ذاکرین کو تلاش کرتے ہیں پس جب ذاکرین کی جماعت کو دیکھتے ہیں تو اعلان اور تداعی کرتے ہیں کہ آؤ آپ جو شئ تلاش کر رہے تھے وہ چیز یہاں ہے اس حدیث میں فرشتوں کا اعلان اور تداعی اہل فہم پر مخفی نہیں۔ یاد رہے کہ شامیؒ نے نفل نماز کی جماعت احیاناً جائز لکھی ہے، اس لیے امام نوویؒ نے کتاب الاذکار میں تحریر فرمایا ہے: **اعلم أنه کما یستحب الذکر یستحب الجلوس في حلق أھله، وقد تظاھرت الأدلة علی ذلک.** (کتاب الاذکار، ص: ۲۶، مع تعلیق الشیخ بشیر محمد عیون۔ مکتبة دار البیان)، اس کی مکمل عبارت بعد میں آرہی ہے۔

(۴) شعب الایمان للبیہقی میں حدیث ہے: **عن أبي رزین أنه قال له رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: ألا أدلک علی ملاک ھذا الأمر الذی تصیب به خیر الدنیا والآخرة علیک بمجالس أھل الذکر وإذا خلوت فحرک لسانک ما استطعت بذکر اللّٰہ.** (اخرجه الامام البیھقی فی شعب الایمان: ۱۱/۳۲۹، رقم: ۸۶۰۸. وقال محشیه: اسنادہ ضعیف؛ عثمان بن عطاء ھو ابن ابی مسلم ابو مسعود المقدسی، ضعیف).

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابو رزین رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا میں تم کو اس دین کی وہ بنیادی چیز جس کے ساتھ آپ دنیا و آخرت کی خیر حاصل کرو نہ بتاؤں؟ آپ ذکر کی مجالس سے چمٹے رہو، اس حدیث میں اللہ تعالیٰ خود مجالس ذکر میں شرکت کی دعوت دے رہے ہیں۔

(۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے وہ وعظ اور تذکیر میں مشغول تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایسی جماعت میں ہو کہ مجھے اللہ جل شانہ نے آپ کیساتھ بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿واصبر

نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی...﴾ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ذاکرین کی تعداد کے برابر فرشتے بھیجتے ہیں کہ تم ان کے ساتھ تسبیح، حمد اور اللہ اکبر پڑھتے رہو فرشتے اللہ تعالیٰ سے کہتے ہیں کہ یا اللہ آپ کے یہ بندے تسبیح وتکبیر وحمد وثنا پڑھتے تھے ہم بھی ان کے ساتھ پڑھتے تھے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے فرشتو میں نے ان کی مغفرت پر آپ کو گواہ بنایا۔الخ.اس کی سند میں محمد بن حماد کوفی ضعیف ہے۔

طبرانی کے شیخ موسیٰ بن عیسیٰ الحمصی پر بھی سخت کلام ہے۔(المعجم الصغیر للطبرانی، رقم:۴۷۴، مجمع الزوائد:۱۰/۷۶، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم:۵/۱۱۸، وجامع الحدیث للسیوطی ۲۹۷)۔

ہم نے اس روایت کو صرف بہ نیت تائید پیش کیا۔حلیۃ الاولیاء کی سند میں موسیٰ بن عیسیٰ الحمصی نہیں، ہاں محمد بن حماد الکوفی ضعیف راوی حلیۃ الاولیاء کی سند میں بھی موجود ہے۔

(۲) إذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا قیل: ما ریاض الجنة ؟ قال: حلق الذکر. (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حس غریب۔ ذکر اجتماعی وجہری ص۴۰). وفی تعلیق جمع الفوائد قال الالبانی : حسن. (٤/٤٣).

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر کی مجلس میں بیٹھنے اور اس سے متمتع ہونے کی ترغیب دے رہے ہیں فارتعوا تداعی، اعلان اور ترغیب ہے۔

اور دوسری حدیث میں ہے: إذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا قلت: یا رسول اللّٰہ وما ریاض الجنة قال المساجد . وما الرتع یا رسول اللّٰہ قال: سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا إله إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر . (رواہ الترمذی "کذا فی الترغیب والترھیب:٢/٢٨٤"وقال وھو مع غرابتہ حسن الاسناد). (ذکر اجتماعی وجہری، ص۵۲)۔

اس حدیث میں مساجد کو جنت کے باغیچے اور سبحان اللہ اور دوسرے اذکار کو چرنا اور متمتع ہونا کہا گیا ہے اور دونوں حدیثوں کو ملانے سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ مساجد میں ذکر کے حلقوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شرکت کی دعوت اور ترغیب دے رہے ہیں امام نوویؒ کتاب الاذکار میں لکھتے ہیں:

اعلم أنه کما یستحب الذکر یستحب الجلوس في حلق أھله ، وقد تظاھرت الأدلة علی ذلک وسترد في مواضعھا إن شاء اللّٰہ تعالیٰ ویکفي في ذلک حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ.

قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: إذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا. قالوا: وما ریاض الجنة یا رسول اللّٰہ قال: حلق الذکر فإن للّٰہ تعالیٰ سیارات من الملائکة یطلبون حلق الذکر فإذا أتوا علیهم حفوا بهم. (کتاب الاذکار،ص:۲۶، مع تعلیق الشیخ بشیرمحمدعیون ـمکتبة دارالبیان).

اس کی تعلیق میں بشیر محمد عیون لکھتے ہیں: أبونعیم فی الحلیة: ۳۵۴/۶، وأخرجه الترمذي من حدیث أبي هریرةؓ وأبویعلی والبزار والحاکم من حدیث جابر وفي إسناده عمر بن عبد اللّٰہ مولیٰ عفرة وهوضعیف وأیوب بن خالد لیس بذاک، آخر میں لکھتے ہیں: وهو حدیث حسن بشواهده ولتمام الفائدة انظر: (نتائج الافکار:۱/۱۶تا۲۳).

اس روایت میں مجالس ذکر کو ڈھونڈنے کے لیے فرشتوں کے گشت کا ذکر ہے۔

(۷) عن أنس بن مالکؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: لأن أقعد مع قوم یذکرون اللّٰہ من صلاة الغداة حتی تطلع الشمس أحب إلي من أن أعتق أربعة من ولد إسماعیل، ولأن أقعد مع قوم یذکرون اللّٰہ من صلاة العصر إلی أن تغرب الشمس أحب إلي من أن أعتق أربعة. (رواہ ابوداود:۵/۵۰۷/۳۶۶۷،الرسالة).

قال الشیخ شعیب الأرنؤوط في تعلیقاته علی سنن أبي داود: إسناده حسن من أجل موسی بن خلف العمی، فهو صدوق حسن الحدیث.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا جو نمازِ فجر کے بعد طلوعِ افتاب تک ذکر میں مشغول رہتے ہیں مجھے عرب کے چار غلاموں کے آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے اور ذاکرین کے ساتھ میرا بیٹھنا عصر کی نماز کے بعد غروبِ آفتاب تک چار عرب غلاموں کی آزادی سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کے بعد ذکر کی مجلس میں بیٹھنے کی تمنا فرما رہے ہیں اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا کو اپنی تمنا بنادے اور ایسی مجالس میں شرکت کے لیے کسی کو بلائے تو اس کو بدعت کیسے کہا جائیگا۔

(۲) **مستحب کی دوسری قسم**: وہ ہے جس کے لیے تداعی اعلان وجمع ہونا ثابت نہ ہو جیسے نفل نماز کے لیے جماعت بطورِ دوام ثابت نہیں ہاں احیاناً کو شامیؒ نے جائز لکھا ہے۔جن مستحبات کے لیے جمع

ہونا اور اعلان کرنا ثابت نہ ہوا گر اس کے لیے جمع ہونے کو سنت وعبادت سمجھ کر اعلان کرے تو یہ بدعت ہوگی۔ اور اگر ایسے اجتماع کو سنت وعبادت ومقصد نہ سمجھے اور لوگوں کو جمع کرنا ایک مصلحت اور مفید شئ سمجھ کر اعلان کرے اور نہ کرنے والوں پر لعن طعن نہ کرے اور ان کو قابل ملامت نہ سمجھے تو اعلان کرنے میں کوئی حرج نہیں بنا بریں اگر مجالس ذکر کے لیے بالفرض تداعی ثابت نہ ہو اور اس کو مصلحۃً نہ بطورِ سنت وعبادت اعلان کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے۔

ہم اس کی ایک نظیر پیش کرتے ہیں تاکہ یہ مسئلہ آپ کے ذہن میں بیٹھ جائے اور خوب الم نشرح ہو جائے۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے حلق الرأس کی چار قسمیں مجموعہ فتاویٰ (۲۱/۱۱۶۔۱۱۹) میں لکھی ہے:

(۱) حلق عبادت جو حج اور عمرہ میں ہوتا ہے۔

(۲) حلق ضرورت جیسے بالوں میں جوئیں پڑ جائیں اور ضرورت کی وجہ سے حلق کرانا پڑے یہ بھی جائز ہے۔

(۳) حلق عادت جو عام لوگ کراتے رہتے ہیں یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مباح ہے۔

(۴) حلق بدعت: اگر حج وعمرہ کے علاوہ حلق راس کو اپنا شعار بنادے اور اس کو عبادت سمجھ کر کرالے تو یہ حلق مذموم اور بدعت ہے۔ یہی حلق عام حالات میں مباح ہے لیکن اس کو عبادت سمجھ کر کرنا بدعت ہے، اسی طرح کسی مستحب کام کے لیے اجتماع اور خاص ہیئت کو اگر کوئی عبادت اور سنت سمجھ لیں تو قابل مذمت ہوگا جلسہ دستار بندی تبلیغی اجتماع اور شب گزاری کا اجتماع، پرانوں کا جوڑ، دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ جلسہ، مظاہر العلوم کے پرانے زمانے کے جلسے جس میں حضرت تھانویؒ بھی تشریف لاتے تھے، تصوف کے سلسلوں سے منسلک حضرات کے اصلاحی جلسے، مفتاح العلوم جلال آباد کا جلسہ دستار بندی، خلفائے راشدین کانفرس، ختم نبوت کا سالانہ جلسہ، اہل سنت کانفرس، انگلینڈ والوں کی توحید وسنت کانفرس، سلفیوں کی سعودی عرب میں مختلف کانفرس اشاعت التوحید والوں کی کانفرس اور جلسے، امام اعظم ابوحنیفہؒ کانفرس، اہل حدیث کانفرس، قراء کی حسن قراءت کا اجتماع، حق چاریار اجتماع، ختمِ بخاری کے اجتماعات، تقسیمِ انعامات کے اجتماعات، فقہی کانفرسیں۔

مذکورہ بالا سب اجتماعات پر مستحب کی تعریف ''جس کا کرنا نہ کرنے سے بہتر ہے'' صادق آتی ہے اس کو کرنے والے اچھا کام سمجھتے ہیں اس لیے ان پر قوم یا حکومتوں کے لاکھوں ڈالر خرچ کرتے ہیں یہ اجتماعات نبوت

کے عہدِ زرین سے ثابت نہیں لیکن چونکہ ہمارے علماء اور مشائخ ان کو سنت و مقصود نہیں بلکہ مصلحت اور مفید سمجھتے ہیں اس لیے یہ کانفرسیں اور جلسے منعقد کرتے ہیں اور نہ کرنے والوں پر ذرہ برابر بھی تنقید نہیں کرتے مجالس ذکر کو بھی بطورِ تنزل اسی زمرہ میں داخل سمجھ لیں ورنہ درحقیقت وہ قسمِ اول میں داخل ہیں۔

اور جو حضرات ان کانفرسوں اور جلسوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی واجبات میں محسوب کرتے ہیں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ان کی پرزور تردید فرمائی ہے۔ہم حضرت کی لمبی تقریر سے ایک مختصر اقتباس پیش کرتے ہیں ناظرین اس کو سرمہ بصیرت سمجھ لیں حضرت نے حقوق العلم نامی وعظ میں فرمایا اور فقہاء نے کتاب السیر میں تصریح فرمادی ہے اور عقل میں بھی یہ بات آتی ہے کہ جہاں اسلام واحکام پہونچ گئے ہوں وہاں تبلیغ واجب نہیں البتہ مندوب ہے۔(حقوق العلم،ص ۳۱،طبع سہارنپور)۔

دوسرے سوال کا جواب: سائل نے دوسرا سوال یہ فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ذکر کی مجلسوں کو بنظر استحسان نہیں دیکھتے تھے اس لیے مسجد میں تشریف لاکر اجتماعی ذکر کو منع فرمایا اس واقعہ کے مختلف جوابات اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے منع کرنے کی مختلف توجیہات اور اس کی اسانید پر بحث ہم نے اپنی کتاب ''ذکر اجتماعی وجہری شریعت کے آئینہ میں'' میں کی ہے یہاں ہم صرف ایک جواب پر اکتفا کرتے ہیں اور یہ جواب ہمارے خیال میں بہتر اور آسان ہے:۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خاص تعداد مقرر کرنے پر تنقید فرمائی اور اس کے دو اسباب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو اعداد کا پابند نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ان کی خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بے عدو بے حد ہو اس لیے ایک ضعیف روایت میں ان سے تسبیح کے دانوں کو رکھنے کی ممانعت مروی ہے۔اور دوسرا سبب جو زیادہ معقول ہے کہ اگر کسی حلقے کے شیخ نے ذکر کے کسی خاص عدد کو متعین کیا تو بہت ممکن ہے کہ آگے جا کر اس عدد کو سنت شرعی نہ سمجھا جائے جیسے بعض اصحابِ طریقت کبھی کسی حدیث پر عمل شروع کرتے ہیں پھر کچھ مدت کے بعد پتہ چلتا ہے کہ یہ روایت موضوعی یا اس کے قریب ہے لیکن پھر بھی اس سلسلہ کے حضرات اس پر عمل کرتے ہیں اور اس کو اتباع مشائخ فرماتے ہیں،اب ہم چند قرائن وشواہد ذکر کرتے ہیں جن سے یہ بات واضح ہو جائے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقصد خاص عدد پر انکار کرنا تھا:۔

۱۔مصنف ابن ابی شیبہ میں ابراہیم نخعی سے مروی ہے: **كان عبد الله يكره العدد ويقول: أيمن على الله حسناته.** (مصنف ابن ابی شیبہ:۵/ ۲۲۰،باب من کرہ عقدالتسبیح ، وفی اسنادہ : الخضربن ابان وفیہ

کـــلام) . حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ذکر کے شمار کو ناپسند کرتے تھے اور کہتے تھے کیا اللہ تعالیٰ پر اپنے حسنات کا احسان جتلاتے ہیں۔

۲۔ **مر ابن مسعود رضی اللہ عنہ بامرأة معها تسبيح تسبح به فقطعه وألقاه ثم مر برجل يسبح بحصى فضربه برجله ثم قال: لقد سبقتم ركبتم بدعة ظلماء ولقد غلبتم أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم علماً**. (سلسلة الاحاديث الضعيفة للالبانی:۱/۱۱۲) ، **رواه الصلت عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ولم يلقه** .

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک عورت کے پاس سے گزرے جس کے پاس تسبیح تھی اوراس کے ساتھ تسبیحات پڑھ رہی تھی تو اس کو کاٹ کر پھینکا پھر ایک مرد کے پاس سے گزرے تو اس کو لات ماری اور فرمایا تم سے پہلے صحابہ گزرے ہیں تم نے تو تاریک بدعت کا ارتکاب کیا اور تم علم میں صحابہ سے بڑھ گئے یہ بطورِ تہدید فرمایا، یادرہے کہ شیخ البانی نے اس منقطع روایت کو قبول کیا ہے۔

۳۔دارمی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: **فوقف أي ابن مسعود رضی اللہ عنہ عليهم فقال: ما هذا الذي أراكم تصنعون قالوا: يا أباعبد الله حصاً نعد بها التكبير والتهليل والتسبيح قال: فعدوا سيئاتكم فأناْ ضامن أن لايضيع من حسناتكم** . (سنن الدارمی : ۱/۵۷۹). **وفي إسناده عمرو بن يحيى وفيه كلام** .

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں مشغول اہل ذکر کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگے تم کیا کر رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں انہوں نے کہا کنکریوں سے تکبیر و تہلیل و تسبیح کو گن رہے ہیں آپ نے فرمایا: اپنے گناہوں کو گنو میں اس بات کا ذمہ دار ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے حسنات کو ضائع نہیں کریں گے یعنی ذکر حسنات میں سے ہے اس کی گنتی کی ضرورت نہیں اپنے گناہوں کو نوٹ کرنے اور گننے اور ان سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے اس روایت سے صاف معلوم ہوا کہ وہ گنتی پر معترض تھے۔

۴۔طبرانی کی معجم کبیر کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ گنتی پر اعتراض فرما رہے تھے اس میں یہ الفاظ آئے ہیں: **ذكر لابن مسعود رضی اللہ عنہ قاص يجلس بالليل ويقول للناس قولوا كذا وقولوا كذا. وفي إسناده كلام**، یعنی واعظ رات کو بیٹھ کر لوگوں سے یہ کہتا ہے: یافلان یہ کلمہ اتنی مرتبہ پڑھو، فلان یہ کلمہ اتنی دفعہ پڑھو پھر معجم طبرانی کی دوسری روایت کی روشنی میں یہ فرمایا کہ کونسی جماعت پہلے آئی تھی جب ان کو بتلایا گیا تو

دوسرے حلقے کو اٹھا کر پہلے حلقے کے ساتھ ملا دیا اور معجم کبیر کی ایک روایت میں **و أحصوا سيئاتكم** کے الفاظ ہیں۔ان دونوں روایتوں کو ملانے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں حلقہ ذکر کے خلاف نہیں تھے بلکہ گنتی اور شمار کے خلاف تھے ورنہ دو حلقوں کو ملا کر ایک حلقہ کیوں بنایا؟

ان روایات کی عبارتیں اور ان پر کلام ہماری کتاب ذکر اجتماعی و جہری میں، ص ۱۷۶ سے ۱۸۲ تک ملاحظہ کیجئے۔

تنبیہ: ہم نے ذکر اجتماعی و جہری میں لکھا تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر اجتماعی کے لیے جمع ہونے والوں پر انکار اور خاص عدد پر تکبیر ان کا تفرد تھا لیکن اگر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نکیر کا یہ مطلب لیا جائے کہ خاص عدد کو حکم شرعی سمجھ کر اس کے ساتھ سنت جیسا معاملہ کیا جائے تو پھر ان کا انکار ان کا تفرد نہیں ہوگا۔اور یاد رہے کہ سلاسل تصوف کے پیروکار مشائخ کے بتلائے ہوئے اذکار کی تعداد کو شرعی حکم کی طرح نہیں سمجھتے بلکہ مختلف مریدین کو مختلف تعداد بتلاتے ہیں اور بعض کو بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے جتنا کر سکتے ہو کرتے رہو، اور کثرت کی کوئی حد نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اشکال: بعض حضرات ذکر جہری کی ممانعت میں حدیث پیش کرتے ہیں: **عن قيس بن عباد كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يكرهون رفع الصوت عند الجنائز وعند القتال وعند الذكر** . (رواه البيهقي في السنن الكبرى ٤/١٢٤/٨١٨٢،دار الكتب العلمية).

ورواه الإمام الوكيع في الزهد(رقم:٢١١،دار ابن حزم) شیخ شعیب الارنؤوط نے سنن ابوداود کی تخریج میں لکھا ہے:

وروى ابن أبي شيبة (٣/٢٨٤)،**وابن المنذرفي الأوسط** (٥/٣٨٩)، **والبيهقي** (٤/٨٤)، **من طريق الحسن البصري عن قيس بن عباد قال: كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يكرهون رفع الصوت عند ثلاث عند القتال وعند الجنائز وعند الذكر . وإسناده صحيح ، وهو عند عبد الرزاق** (٦٢٨١) **ومن طريق ابن المنذر** (٥/٣٨٩) **عن الحسن قال: أدركت اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، دون ذكر قيس** . (سنن ابی داود: ٥/٨٢،دار الرسالة العالمية).

الجواب: حدیث کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کے وقت، قتال کے وقت اور ذکر کے وقت آواز بلند کرنے کو منع فرمایا۔حدیث کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ جب جنازہ لے جا رہے ہوں تو اس

وقت شورمت کرو خاموش رہو اور جب قتال ہو رہا ہو تو اس وقت بھی شورمت کرو اس لیے کہ قتال کے وقت شور کرنا کبھی کمزوری اور بزدلی کی دلیل ہے مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے علامہ شوکانی سے نقل فرمایا: **ولعل وجه كراهتهم لذلك أن التصويت في ذلك الوقت ربما كان مشعراً بالفزع والفشل بخلاف الصمت فإنه دليل الثبات و رباط الجيش.** (بذل المجهود: ۹/۲۶۷، ط: دارالبشائرالاسلامية).

جیسے مناظرہ میں کمزور فریق شور مچاتا ہے اسی طرح جب ذاکرین اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوں تو اس وقت بھی شورمت کرو اور ان کے ذکر میں خلل مت ڈالو، ورنہ جہر بالذکر کے دلائل آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

یاد رہے کہ جہاد میں بلند آواز سے ذکر احادیث میں وارد ہے خیبر کے جہاد میں: "**الله أكبر خربت خيبر وإنا إذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرين**" آیا ہے۔ خندق کی کھدائی کے وقت: "**والله لولا الله ما اهتدينا**" منقول ہے۔ ہاں گلے پھاڑ پھاڑ کر ذکر نہ ہو یا کسی جگہ اخفا مقصود ہو تو وہاں بھی جہر نہ کرے۔

مساجد میں ذکر اجتماعی وجہری سے متعلق حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب بھڑکودرویؒ سے اعتراضی شکل میں جنوبی افریقہ سے مفصل استفسار کیا گیا تو حضرت مفتی صاحبؒ نے معترض کے اشکالات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مثبت انداز میں قرآن واحادیث کی روشنی میں ذکر جہری وسری، اجتماعی وانفرادی کے اثبات میں چشم کشا جواب عنایت فرمایا۔ سوال کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے اور طوالت سے بچتے ہوئے فقط جواب سپردِ قرطاس کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

جواب: حامداً ومصلیاً:۔ ذکر الٰہی ایک ایسی اہم عبادت ہے جس کی کثرت کا قرآن وحدیث میں تاکیدی حکم دیا گیا ہے اور بہت ہی فضیلت ذکر کی گئی ہے۔ **كما قال تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا اذكروا الله ذكراً كثيراً﴾** [سورة الاحزاب: ٤١].

اس کے بعد یاد رکھنا چاہئے کہ ذکر کرنے کی چار صورتیں ہیں چاہے وہ ذکر کرنا مساجد میں ہو یا غیر مساجد میں وہ چار صورتیں حسبِ ذیل ہیں:

(۱) ذکر جہری اجتماعاً (۲) ذکر سری اجتماعاً (۳) ذکر جہری خلوۃً (۴) ذکر سری خلوۃً۔

ہر ایک کا ثبوت قرآن وحدیث میں موجود ہے اولاً آیاتِ قرآنیہ ملاحظہ فرمائیں:

﴿واصبر نفسک مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشى﴾ [سورة الكهف:۲۸].

﴿في بيوت أذن الله أن ترفع ويذكر فيها اسمه يسبح له فيها بالغدو والآصال﴾ [سورة النور:۳٦].

﴿فإذا أفضتم من عرفات فاذكروا الله عند المشعر الحرام﴾ [سورة البقرة:۱۹۹].

﴿الذين يذكرون الله قياماً وقعوداً وعلى جنوبهم﴾ [سورة آل عمران:۱۹۱].

﴿وادعوا ربكم تضرعاً وخفية﴾ [سورة الاعراف:۵۵].

﴿واذكر ربک فی نفسک تضرعاً وخيفة ودون الجهر من القول﴾ [سورة الاعراف:۲۰۵].

﴿إذ نادى ربه نداءً خفياً﴾ [سورة مريم:۳].

ثانیاً احادیثِ مبارکہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) إن لله تعالیٰ ملائكة يطوفون فی الطرق يلتمسون أهل الذكر فإذا وجدوا قوماً يذكرون الله عزوجل تنادوا هلموا إلى حاجتكم . (بخاری شریف:۲/۹۴۸، ومسلم شریف:۲/۳۴۴)۔

(۲) خرج معاوية رضي الله تعالیٰ عنه على حلقة فی المسجد فقال: ما أجلسكم قالوا : جلسنا نذكر الله . (مسلم شریف:۲/۳۴۲)۔

(۳) عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه وأبي سعيد رضي الله تعالیٰ عنه أنهما شهدا على رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: لا يقعد قوم يذكرون الله إلا حفتهم الملائكة وغشيتهم الرحمة وذكرهم الله فيمن عنده . (مسلم شریف:۲/۳۴۵)۔

(۴) عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الله عزوجل: أنا عند ظن عبدي بي وأنا معه حين يذكرني فإن ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي وإن ذكرني في ملإ ذكرته في ملإ خير منهم. (مسلم شریف:۲/۳۴۳)۔

(۵) عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ما من قوم اجتمعوا يذكرون الله لا يريدون بذلک إلا وجهه إلا ناداهم مناد من السماء أن قوموا مغفوراً لكم قد بدلت سيئاتكم حسنات . طبراني. (فضائل اعمال ص ۳۲۷)۔

(٦) عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: سبعة يظلهم الله في ظله يوم لا ظل إلا ظله وذكر منها رجل ذكر الله خالياً ففاضت عيناه . (مسلم شریف، فضائل اعمال، ص۳۴۱)۔

ان آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ نبویہ کے ملاحظہ کرنے کے بعد یہ بات ذہن میں رکھیں کہ ذکر کرنے کے لیے قرآن وسنت سے کچھ شرائط وقیود ثابت ہیں جن کو فقہاءؒ نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے ان کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اس کے ذکر سے کسی سونے والے یا کسی مصلی وغیرہ کو خلل نہ ہوتا ہو۔

(۲) اس کا فرائض کی طرح التزام نہ کیا جائے۔

(۳) مجلس میں نہ بیٹھنے والے کو ملامت نہ کی جاوے۔ (کفایت المفتی: ۲/۵۴، معارف القرآن: ۴/۱۶۸، فتاویٰ محمودیہ: ۱/۱۸۵)

(۴) یہ ذکر سنت کے موافق ہو۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۶/۲۱۹)۔

(۵) رضائے الٰہی مقصود ہو، ریا اور نام ونمود کے خاطر نہ ہو۔ (معارف القرآن: ۴/۱۶۸)۔

صورتِ مسئولہ میں جن شرائط وقیودات کے فقدان کا ذکر ہے مثلاً دیگر حاضرین مسجد کا مطلق خیال نہ کرنا، اجتماعی ذکر میں شامل ہونے والے کو حقارت کی نظر سے دیکھنا، نیز پابندی کے ساتھ اس کا التزام کرنا وغیرہ، ان شروط کی رعایت کرتے ہوئے اور ان شروط کے ترک کرنے کی قباحت سے بچتے ہوئے مساجد وغیر مساجد میں اجتماعی ذکر جہری کرنا جائز اور درست ہے۔

اخیراً بطورِ خلاصہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وفي حاشية الحموي عن الإمام الشعراني: أجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الجماعة فى المساجد وغيره إلا أن يشوش جهرهم على نائم أو مصل أو قارئ . (ردالمحتار: ١/٤٤٤)۔ والله تعالىٰ اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب. (لباب الفتاویٰ: ۱/۴۶۶-۴۶۹)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ختمِ خواجگان کا حکم:

سوال: ختمِ خواجگان پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: ختمِ خواجگان حصولِ برکت اور دعا کی مقبولیت کے لیے مشائخ کا مجرب عمل ہے جو کسی دینی یا جائز دنیوی ضرورت کے لیے پڑھا جاتا ہے، اس کا پڑھنا حاجات کے وقت جائز ہے، البتہ اس کا التزام نہ کیا جائے یعنی کبھی کبھی چھوڑ دیا کریں یا کم از کم تارکین کو ملامت نہ کریں، چنانچہ ختمِ خواجگان پڑھنے والے کم ہوتے ہیں اور نہ پڑھنے والے زیادہ ہوتے ہیں، لیکن پڑھنے والے نہ پڑھنے والوں کو قابلِ ملامت نہیں سمجھتے ہیں۔

قال الإستاذ الكامل السيد محمد حقى النازلي: اعلم أن الإمام جعفر الصادق وأبو يزيد البسطامي وأبوالحسن الخرقاني ومن دونهم إلى شاه النقشبندية قدس الله أسرارهم أنهم اتفقوا في قضاء الحاجات وحصول المرادات ودفع البلاء وقهر الأعداء والحساد ورفع الدرجات ووصول القربات وظهور التجليات قد استعملوا هذه الفائدة الجليلة والأسرار الغريبة وهي الاستغفار مئة مرة والفاتحة سبع مرات الخ. (خزينة الاسرار الكبرى للحقى، ص ۲۲۰، باب خواص ختم خواجكان نقلاً عن تعليقات فتاوى فريديه: ٤/ ٥٠٨، مسائل شتىٰ).

فتاویٰ فریدیہ میں ہے:

منکرات (مثلاً یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ) سے خالی ختمِ خواجگان حصولِ برکت کے لیے مشائخ کا مجرب عمل ہے، اور کسی بھی امر مندوب اور مستحسن پر دوام مندوب اور التزام مکروہ ہوتا ہے، **والمعروف هو الدوام لا الالتزام فافهم، وهو الموفق۔** (فتاویٰ فریدیہ: ۴/ ۵۰۷، مسائل شتیٰ)۔

فتاویٰ فریدیہ کے حاشیہ میں مرقوم ہے:

التزام اور دوام کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے پس جو شخص کسی مستحب امر کو ہمیشہ کے لیے کرتا ہے اور التزام کے ساتھ کرتا ہے وہ دوام اور التزام دونوں کا مرتکب ہوا، اور جو شخص کسی مستحب کو کبھی کبھی کرتا ہے البتہ التزام کے اعتقاد کے ساتھ کرتا ہے تو اس نے التزام کیا اور دوام نہیں کیا، اور جو شخص کسی مستحب ومندوب امر کو ہمیشہ کے لیے کرتا ہے لیکن نہ اسے لازم سمجھتا ہے اور نہ تارک پر انکار کرتا ہے تو اس نے دوام کیا اور التزام نہیں کیا اور بدعت سے بچ گیا۔ (حاشیہ فتاویٰ فریدیہ: ۴/ ۵۰۹، مسائل شتیٰ)۔

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (امداد الفتاویٰ: ۴/ ۲۰۵، وفتاویٰ رحیمیہ: ۲/ ۳۳، مکتبۃ الاحسان، وفتاویٰ محمودیہ: ۳/ ۶۷، جامعہ فاروقیہ، وایضاح المسائل ص ۱۴۱، ادارۂ تالیفات اشرفیہ، وعمدۃ السلوک، وخیر الفتاویٰ: ۱/ ۳۳۹)۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحبؒ ایک جگہ براہین قاطعہ میں تحریر فرماتے ہیں:

جو بدعت ہے وہ التزام بمعنی اصرار ہے اور جو مستحب ہے وہ دوام بلا التزام ہے۔(ص ۶۷)۔

دوسری جگہ تحریر فرمایا: دوام التزام کو مستلزم نہیں۔(ص ۶۵)۔

ہم یہاں سیر اعلام النبلاء للامام الذہبیؒ سے چند متروکات نقل کرتے ہیں جو متروکاتِ نبویہ ہیں مگر ممنوعات نہیں، ان کو دکتور عبدالالٰہ نے اپنی کتاب مفہوم البدعۃ میں نقل کیا ہے اس میں سے ہم چند واقعات نقل کرتے ہیں۔

(یاد رہے اس کتاب کے سب مسائل سے ہم متفق نہیں ہیں)۔

(۱) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزانہ ایک لاکھ تسبیح پڑھتے تھے (۲/۳۴۸)۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مہینے کے پہلے تین دن کے روزے رکھتے تھے۔(۲/۶۰۹)۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزانہ بارہ ہزار تسبیحات پڑھتے تھے۔(۲/۶۱۰)۔

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک دھاگہ تھا جس میں ۱۲ ہزار گرھیں لگی تھیں سونے سے پہلے ان پر تسبیحات پڑھتے تھے۔(۲/۶۲۳)۔

(۵) عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ صبح کے بعد سورج نکلنے تک قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے تھے۔(۴/۲۶۵)۔

(۶) علی بن حسین زین العابدین ۲۴ گھنٹے میں ایک ہزار رکعتیں پڑھتے تھے (۴/۳۹۲)۔

(۷) طاؤس بن کیسان اوران کے تلامذہ اور متعلقین عصر کے بعد کا وقت تا مغرب دعا کے لیے مخصوص کرتے تھے۔(۵/۴۸)۔

(۸) علی بن عبداللہ بن عباسؓ روزانہ ایک ہزار رکعتیں پڑھتے تھے۔(۵/۲۵۳)۔

(۹) امام احمد بن حنبل روزانہ دن رات میں تین سو رکعتیں پڑھتے تھے جب آزمائشوں نے ان کو کمزور کر دیا تو پھر ڈیڑھ سو رکعتیں پڑھتے تھے۔(۵/۲۱۲)۔

(۱۰) بقی بن مخلد ۱۳ رکعتوں میں قرآن کریم ختم کرتے تھے اور دن کے وقت سو رکعتیں پڑھتے تھے اور ہمیشہ روزے رکھتے تھے۔(۱۳/۲۹۲)۔

(۱۱) جنید بن محمدؒ روزانہ تین سو رکعتیں پڑھتے تھے اور کئی ہزار تسبیحات پڑھتے تھے۔(۱۴/۶۷)۔

(۱۲) علامہ ابن قیمؒ نے علامہ ابن تیمیہؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ ابن تیمیہؒ فرماتے تھے کہ جو شخص فجر کی سنتوں اور فجر کی فرض کے درمیان یا حی یا قیوم، لا الٰہ الا انت، روزانہ پابندی سے ۴۰ مرتبہ پڑھے گا، تو ان کلمات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو شاداب اور تروتازہ رکھے گا۔(مدارج السالکین للعلامۃ ابن القیمؒ: ۳/۲۶۴)۔

یہ سب متروکات ہیں جن حضرات نے ان کو معمول بنایا وہ خود پابندی کرتے تھے لیکن چھوڑنے والے پر انکار نہیں کرتے تھے۔

حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا: التزام بمعنی اصرار بدعت ہے اور دوام بلا التزام مستحب ہے۔(براہین قاطعہ،ص۶۷)۔ اس مسئلہ کی تفصیل مولانا عبدالحی لکھنویؒ کے رسالہ " **إقامة الحجة علی أن الإکثار فی التعبد لیس ببدعة** " میں مذکور ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصل چہارم

اشیائے مقدسہ کے احکام کا بیان

خط میں بسم اللہ کی بجائے ۷۸۶ لکھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص خط میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی جگہ ۷۸۶ لکھے تو کیا حکم ہے؟ کیا قرونِ اولیٰ میں یہ طریقہ تھا یا نہیں؟ نیز کیا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا عدد ۷۸۶ بنتا ہے یا نہیں؟ لوگ کہتے ہیں کہ ہری کرشنا کا عدد ہے، ابجد کے حساب سے اس کا خلاصہ تحریر کریں؟ اور ہری کرشنا کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: خط کی ابتدا اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاک نام سے ہونی چاہئے جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے نام جب والا نامہ تحریر فرمایا تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے اس کی ابتدا فرمائی۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہانِ عالم کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط تحریر فرمائے ان میں بھی بسم اللہ سے ابتدا فرمائی۔ اگر چہ ان کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے بے حرمتی کا اندیشہ تھا۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، اور حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ ۷۸۶ بسم اللہ کا عدد ہے۔ لیکن جب ابجد کے اعتبار سے حساب لگاتے ہیں تو حروفِ مکتوبہ کے حساب سے یعنی رحمٰن اور اللہ کا کھڑا زبر محسوب نہ کریں تو یہ عدد بنتا ہے اور اگر حروفِ ملفوظہ کا لحاظ کیا جائے یعنی اللہ اور رحمٰن کا کھڑا زبر محسوب کیا جائے تو عدد بڑھ جاتا ہے۔

حساب درجِ ذیل نقشہ میں ملاحظہ کیجئے:

ب	س	م	الف	ل	ل	ھ	الف	ل	ر	ح	م	ن	الف	ل	ر	ح	ی	م
۲	۶۰	۴۰	۱	۳۰	۳۰	۵	۱	۳۰	۲۰۰	۸	۴۰	۵۰	۱	۳۰	۲۰۰	۸	۱۰	۴۰

مجموعہ ۷۸۶ بنتا ہے۔

ہری کرشنا کا مجموعہ بھی ۷۸۶ بنتا ہے۔ حسب ذیل نقشہ میں ملاحظہ کیجئے:

ھ	ر	ی	ک	ر	ش	ن	الف
۵	۲۰۰	۱۰	۲۰	۲۰۰	۳۰۰	۵۰	۱

مجموعہ: ۷۸۶ بنتا ہے۔

فرہنگِ آصفیہ میں ہری کرشنا کا معنی لکھا ہے: ہری: اسم مذکر وشنو کا ایک نام، کرشنا: خدا۔ (۷۱۲/۴، ط: دہلی)۔

فیروز اللغات میں لکھتے ہیں: کرشن: شیو کے اوتار کنیا جی، اور اوتار کے معنی آتے ہیں: ہندوؤں کے عقیدے میں خدا کا کسی جنم میں داخل ہو کر مخلوق کی اصلاح کے لیے دنیا میں آنا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۵، ۱۰۰۳)۔

مزید حوالہ جات ملاحظہ ہوں: (قاموس الفقہ: ۴۶۲/۳، تسمیہ، وآپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۷۵/۲، وجواہر الفقہ: ۱۸۷/۲، رسالہ: احکام وخواص بسم اللہ، ط: مکتبہ دار العلوم کراچی، واحسن الفتاویٰ: ۲۴/۸، وعلمی مکاتیب، ص ۸۹، جمع وترتیب مولانا مرغوب احمد لاجپوری بحوالہ صوت القرآن احمد آباد)۔

قاموس الفقہ میں مولانا خالد سیف اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

آج کل عموماً لوگ بسم اللہ کے بجائے ۷۸۶ لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے، نمبرات واعداد جو لوگوں نے بطورِ خود متعین کر لئے ہیں اور جو نمبر کسی دوسرے جملہ کا بھی ہو سکتا ہے، اصل الفاظ کی جگہ نہیں لے سکتا ہے، اس لیے بسم اللہ کو مکمل طور پر لکھنا چاہئے۔ (قاموس الفقہ: ۴۶۲/۳، تسمیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دینی کتب اور رسائل کا حکم:

سوال: عام طور پر دینی کتب ورسائل جب پرانے ہو جاتے ہیں تو لوگ ان کو غلط جگہوں پر ڈالتے ہیں جن کی بے حرمتی کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لیے بعض حضرات نے ان کو جمع کرنے کا کام شروع کیا ہے لیکن اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے؟ نیز ان رسائل وغیرہ کی اصلاح کر کے دوبارہ استعمال کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ برائے کرم حکمِ شرعی سے مطلع فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

الجواب: دینی کتب اور رسائل کے بارے میں بعض کتب میں مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام مٹا دیا جائے لیکن اس میں حرج ہے، البتہ پاک صاف جگہ پر دفن کر دیا جائے یا پانی میں بہا دیا جائے، اگر یہ دوصورتیں بآسانی ممکن نہ ہوتو جلا دیا جائے اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت عثمانؓ نے مصاحف کو جلایا تھا جس کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔ ہاں بے حرمتی کی نیت سے جلانا درست نہیں۔

ان رسائل اور دینی کتب کی صفائی (Recycle) کر کے دوبارہ استعمال میں لانا بھی جائز اور درست ہے۔ ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

ولو كان فيه اسم الله تعالىٰ أو اسم النبي صلى الله عليه وسلم فيجوز محوه ليلف فيه شيء . (البحر الرائق: ۱/۲۱۲، دار المعرفة). (وكذافي الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۱۷۸، سعيد، والفتاوى الهندية: ۵/۳۲۲، الباب الخامس من كتاب الكراهية).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

جن کاغذوں پر آیاتِ قرآنیہ یا مباحثِ شرعیہ یا مسائل تحریر ہوں ان میں پڑیا باندھنا جائز نہیں، البتہ اگر مباحثِ شرعیہ نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ اور انبیائے کرام اور کتبِ الٰہیہ کے اسماء کاٹ کر باقی کاغذ میں پڑیا باندھنا جائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۸/۱۳)۔

وفي الدر: ويجوز لف شيء في كاغذ فقه ونحوه ، وفي كتب الطب يجوز . وفي الشامية : ولو كان فيه اسم الله تعالىٰ واسم النبي صلى الله عليه وسلم يجوز محوه ليلف فيه شيء . (فتاوى الشامي: ٦/٣٨٧، سعيد).

کفایت المفتی میں ہے:

قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق محفوظ مقام میں دفن کر دینا بھی جائز ہے لیکن جلا دینا آج کل زیادہ بہتر ہے کیونکہ ایسا محفوظ مقام دستیاب ہونا مشکل ہے کہ وہاں آدمی یا جانور نہ پہنچ سکیں، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مصاحف کو جلانا اس کے جواز کی دلیل ہے۔ (کفایت المفتی: ۱/۱۲۷، دارالاشاعت)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جائے نماز پر لفظ اللہ اکبر کا حکم:

سوال: ایک جائے نماز پر لفظ ''اللہ اکبر'' لکھا ہے اس میں سے لفظ ''اللہ'' کو مٹا دیا تو یہ بے ادبی سے

بچنے کے لیے کافی ہوگا یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ بے ادبی سے بچنے کے لیے فقط لفظ ''اللہ'' کا مٹانا کافی نہیں ہے بلکہ اکبر کو بھی مٹادیا جائے، جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی جائے نماز پر الملک للہ لکھا ہو اور اس میں سے للہ کو مٹا دیا جائے اور الملک باقی ہو تو یہ کافی نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

بساط أو مصلى كتب عليه " الملك لله " يكره بسطه و القعود عليه و استعماله و على هذا قالوا: لا يجوز أن يتخذ قطعة بياض مكتوب عليه اسم الله تعالىٰ علامة فيما بين الأوراق لما فيه من الابتذال باسم الله تعالىٰ و لو قطع الحرف من الحرف أو خيط على بعض الحروف في البساط أو المصلى حتى لم تبق الكلمة متصلة لم تسقط الكراهة و كذلك لو كان عليهما الملك لا غير و كذلك الألف وحدها كذا في الكبرى. (الفتاوى الهندية: ٥/٣٢٣). (و كذا في المحيط البرهاني: ٥/٢٩٧، ط: دار احياء التراث العربي، وفتاوى الشامي: ٦/٣٦٤، سعيد، و البحر الرائق: ١/٢١٢، دار المعرفة، بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية و شريعة نبوية: ٦/٢١٥، ايقاد الشموع في القبور). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مخصوص مکان کا نام بیت اللہ رکھنے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب نے اپنی بلڈنگ کی ایک مخصوص جگہ کا نام بیت اللہ رکھا، بعض دینی حلقوں کی طرف سے اس پر اعتراض ہوا، کیا کسی مخصوص جگہ کا نام بیت اللہ رکھا جاسکتا ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: جواب سے پہلے بطورِ تمہید سمجھ لیجئے کہ بیت اللہ کا لفظ مسجدِ حرام کے ساتھ مخصوص سمجھا جاتا ہے، اور قرآنِ کریم میں مسجدِ حرام کو اللہ تعالیٰ کا گھر کہا گیا ہے: " ربنا إني أسكنت من ذريتي بواد غير ذي زرع عند بيتك المحرم، ربنا ليقيموا الصلاة " (إبراهيم: ٣٧)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا فرماتے ہیں: اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد تیرے گھر کے پاس ٹھہرادی، اے ہمارے رب تاکہ وہ نماز قائم کریں۔ اس آیتِ کریمہ سے واضح ہوا کہ مسجدِ حرام اللہ کا گھر ہے، یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے گھر کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ خانہ کعبہ میں رہتے ہیں یا بیٹھتے ہیں (نعوذ باللہ) کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ جسم ہیں اور نہ زمان

ومکان کے پابند ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خانہ کعبہ اور مسجدِ حرام سے اللہ تعالیٰ کی خصوصی تجلی اور رحمت متعلق ہے، جو دوسری جگہوں سے نہیں، ہاں مسجدوں کے اندر نمازی خانہ کعبہ کی طرف منہ کرتے ہیں تو وہ بھی اس نور اور رحمت میں سے کچھ اپنے سینوں میں جذب کرتے ہیں۔

اب سوال کا جواب سن لیجئے (۱) شریعت میں جو لفظ کسی خاص مقام کے ساتھ یا خاص چیز کے ساتھ مخصوص ہو وہ دوسری جگہ یا دوسری چیز پر نہیں بولا جاتا، جبکہ اس لفظ کے ساتھ خاص عبادت بھی منسلک ہو، جیسے میدانِ عرفات، منی، مزدلفہ کسی دوسرے مقام کو نہیں کہا جاسکتا ورنہ پھر خطرہ رہے گا کہ کوئی بے وقوف حج کے افعال وہاں شروع کردیگا، یا کم ازکم ان مقامات کی تعظیم کا قائل ہو جائیگا، اس لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص اسماء کسی اور کے لیے استعمال نہیں کیے جائیں گے، جیسے: اللہ، رحمٰن، ہاں جو اسماء مشترک ہوں جیسے: کریم رحیم یہ دوسرے کے لیے رکھے جاسکتے ہیں۔

(۲) بعض جگہیں یا کام شعائر اللہ میں سے ہوتے ہیں شعائر اللہ کا معنی یہ ہے کہ وہ دین کی علامت اور یادگار ہوں ان کو دیکھ کر اسلام یاد آجائے اور اسلام کی خوشبو محسوس کی جائے، جیسے: مسجد، بیت اللہ، اذان، وغیرہ اور شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم ہے، اور تعظیم اس میں ہے کہ ان کا استعمال دوسری جگہوں میں نہ کیا جائے، ورنہ اگر کسی کوڑے کے ڈھیر یا فحاشی کے اڈے یا کسی بازار کو مسجد کہا جائے تو مسجد کی کیا تعظیم رہے گی، یاد رہے کہ عام جگہ کی نسبت بیت اللہ شریف سے ایسی ہے جیسے غلاظت کی نسبت پاک جگہ سے۔

(۳) جس جگہ کا نام بیت اللہ رکھا گیا، کبھی کبھی اس کی طرف غلط نسبت کی جائے گی، یا گالی دی جائیگی، مثلاً: یہ کہا جائے کہ بیت اللہ کتنی خراب اور بیکار جگہ ہے یہاں کوئی آواز سنائی نہیں دیتی، اس میں بیت اللہ کی طرف خرابی منسوب ہوگی، جس سے ذہن خانہ کعبہ کی طرف منتقل ہوگا، اور اس لفظ کی توہین ہوگی، اس لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں ''جاہلوں میں'' عبدالرحمٰن کا نام نہ رکھا جائے کیونکہ وہ نام کی تصغیر کرتے ہیں اور رحمٰن بولتے ہیں اور پھر رحمٰن کا لفظ ذکر کر کے صاحبِ نام کو گالی وغیرہ دیتے ہیں ان وجوہات کی بنا پر یہ نام تبدیل کرلیا جائے، اور اس کی جگہ دوسرا نام رکھا جائے۔ ہاں نام کی حفاظت کے ساتھ یہ بہتر نام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بیت اللہ شریف پر سیاہ غلاف ہونے کی وجہ:

سوال: بیت اللہ شریف کا غلاف سیاہ کیوں ہے؟

الجواب: زمانہ جاہلیت میں خانہ کعبہ کا غلاف مختلف رنگوں کا ہوا کرتا تھا یہی سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں اور خلفاءِ راشدین بنوامیہ اور بنوعباسیہ کے ابتدائی دور تک رہا پھر ۵۷۵ھ میں خلیفہ احمد ناصر لدین اللہ نے سیاہ رنگ کا غلاف چڑھایا، البتہ تاریخ مکہ میں مذکور ہے کہ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن یمن کا بنا ہوا سیاہ رنگ کا غلاف کعبہ پر چڑھایا لیکن معلوم نہیں کہ یہ کیسی روایت ہے، لہٰذا صحیح یہی ہے کہ عباسی خلیفہ احمد ناصر لدین اللہ نے سیاہ رنگ کا غلاف چڑہایا پھر اب تک سیاہ چلا آرہا ہے۔

تاریخ مکہ میں ہے:

كسى البيت في الجاهلية الانطاع، ثم كساه النبي ﷺ الثياب اليماني ثم كساه عمر و عثمان القباطي ثم كساه الحجاج الديباج ويقال: أول من كساه الديباج يزيد بن معاوية و يقال: ابن الزبير ويقال: عبد الملك بن مروان .

عن حبيب بن أبي ثابت قال: كسى النبي ﷺ الكعبة و كساها أبوبكر رضي الله عنه وعمر رضي الله عنه فلما ولى عبد الملك بن مروان كان يبعث كل سنة بالديباج فلما كانت خلافة المامون... فصارت الكعبة تكسى ثلاث كُسىً الديباج الأحمر يوم التروية وتكسى القباطي يوم هلال رجب و جعلت كسوة الديباج الأبيض التي أحدثها المامون. (تاريخ مكة للازرقى ص:٢٦٦، و كذا فى تاريخ مكة لابن الضياء الحنفى ص:١٢٠).

قصة التوسعة الكبرى میں ہے:

كسوة العباسيين: وكانت الكعبة تكسى مرتين، وصارت في عهد الخليفة العباسى المامون تكسى ثلاث مرات فى السنة ، وذلك بأمره ، وبدأ سنة ٢٠٦ھـ الكسوة الأولىٰ من الديباج الأحمر وتكساها يوم التروية، والثانية من القباطى وتكساها في غرة رجب، و الثالثة من الديباج الأبيض وتكساها فى السابع والعشرين من شهر رمضان المبارك، و بدأت تكسى الكعبة بالديباج الأسود منذ كساها الناصرلدين الله أبو العباس، أحمد الخليفة العباسي وقد بدأ حكمه سنة ٥٧٥ھـ واستمر إلى يومنا هذا. (قصة التوسعة الكبرى، ص: ١٠٨، و كذا فى الكعبة والكسوة ص: ١٣٨).

تاریخ مکہ میں ہے:

اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن یمن کا بنا ہوا سیاہ رنگ کا غلاف کعبہ پر چڑھایا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قباطی کا غلاف چڑھایا (قباطی ایک باریک قسم کا سفید مصری کپڑا)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سال میں دو مرتبہ غلاف چڑھاتے تھے ...خلیفہ ابوالنصر نے ہند کا بنا ہوا سفید غلاف چڑھایا بعد میں ناصر عباسی نے سبز دیباج کا اور ۶۴۳ھ میں سیاہ سوتی غلاف چڑھایا گیا، جس کے بعد اب تک کالے رنگ کا ہی غلاف چڑھایا جاتا ہے۔ (تاریخ مکہ: ۲/۱۴۸).

التاریخ القویم میں ہے:

احمد ناصر لدین اللہ نے سیاہ رنگ کا دیباج چڑھایا تھا۔ (التاریخ القویم: ٤/١٩٩).

خلاصہ یہ ہے کہ سیاہ رنگ کے غلاف کی ابتداء خلیفہ عباسی احمد ناصر لدین اللہ نے فرمائی اس کے بعد اب تک سیاہ رنگ کا چڑھایا جاتا ہے اور سیاہ پہنانے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ خلفائے بنوعباسیہ سیاہ رنگ کو پسند کرتے تھے اور عزت وغلبہ سے تفاؤل لیتے تھے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے موقع پر سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے، جب ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہ عمامہ پہنا تھا تو بعض خلفاء نے خانہ کعبہ کو جو ہمارے لیے محبوبہ کی طرح ہے سیاہ برقعہ پہنایا یا ان کے چہرے پر سیاہ زلفیں لٹکا دی گئیں۔ نیز سیاہ رنگ پر غبار و میل بھی نظر نہیں آتا۔ نیز حجر اسود سیاہ ہے تو اس کے حامل کعبہ کو بھی سیاہ لباس پہنایا گیا۔

ملاحظہ ہو جمع الوسائل فی شرح الشمائل میں ہے:

و الخلفاء العباسيون باقون على لبس السواد و كثير من الخطباء على المنابر و مستندهم ما سبق من دخول المصطفى مكة بعمامة سوداء أرخى طرفيها بين كتفيه فخطب بها فتفاول الناس لذلك فإنه نصروعز وزعم بعض بني المعتصم أن تلك العمامة التي دخل بها مكة وهبها ﷺ لعمه العباس وبقيت بين الخلفاء يتداولونها ويجعلونها على رأس من تقرر للخلافة. (جمع الوسائل: ١/١٦٥). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بیت اللہ میں نماز پڑھنے کی فضیلت:

سوال: خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کی کوئی فضیلت وارد ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ شریف میں نماز ادا فرمائی ہے، بنابریں اگر کسی کو موقع مل جائے تو نماز پڑھ لینی چاہئے، بیت اللہ میں نماز پڑھنا مستحب ہے لیکن آج کل چونکہ بیت اللہ شریف میں ہرکس وناکس کا داخلہ ممکن نہیں ہے اس لیے حطیمِ کعبہ میں نماز پڑھنے سے بھی بیت اللہ شریف میں نماز پڑھنے کی فضیلت حاصل ہوجائے گی۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

أخرج الإمام البخاري عن ابن عمر رضي الله عنه أنه كان إذا دخل الكعبة مشى قبل الوجه حين يدخل و يجعل الباب قبل الظهر يمشي حتى يكون بينه وبين الجدار الذي قبل وجهه قريباً من ثلاث أذرع فيصلي يتوخى المكان الذى أخبره بلال رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه و سلم صلى فيه وليس على أحد بأس أن يصلي في أى نواحي البيت شاء . (رواه البخاري: ۲۱۷/۷۲/۱).

وأخرج البخاري أيضاً عن ابن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل الكعبة وأسامة بن زيد وبلال وعثمان بن طلحة الحجبى رضي الله عنهم فأغلقها عليه ومكث فيها فسألت بلالاً حين خرج ما صنع رسول الله صلى الله عليه وسلم قال جعل عموداً عن يساره وعموداً عن يمينه وثلاثة اعمدة وراء ه وكان البيت يومئذٍ على ستة اعمدة ثم صلى ... (رواه البخاري: ۱/ ۷۲).

وأخرج ابن خزيمة في صحيحه (۳۰۱۳) عن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من دخل البيت دخل في حسنة وخرج من سيئة مغفوراً له. قال الأعظمى: إسناده ضعيف. قال الهيثمي: رواه الطبراني فى الكبير والبزار بنحوه وفيه عبد الله بن المؤمل وثقه ابن سعد وغيره وفيه ضعف . (مجمع الزوائد: ۲۹۳/۳).

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حطیمِ کعبہ بھی بیت اللہ کا حصہ ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

أخرج ابن خزيمة في باب استحباب الصلاة فى الحجر إذا لم يمكن دخول الكعبة إذ بعض الحجر من البيت...عن عائشةؓ قالت: كنت أحب أن أدخل البيت فأصلي فيه فأخذ

رسول الله صلى الله عليه وسلم بيدى فأدخلنى الحجر وقال: يا عائشةؓ إن قومك لما بنوا الكعبة استقصروا فأخرجوا الحجر من البيت فإذا أردت أن تصلين فى البيت فيصلي فى الحجر فإنما هو قطعة من البيت. (صحيح ابن خزيمة:۲/۱۴۱۳).

أخرج الإمام البخاري عن عائشةؓ قالت: سألت النبي صلى الله عليه وسلم عن الجدار أمن البيت هو قال: نعم، قلت: فما لهم لم يدخلوه فى البيت قال: إن قومك قصرت بهم النفقة قلت: فما شأن بابه مرتفعاً قال: فعل ذلك قومك ليدخلوا من شاءوا ويمنعوا من شاءوا ولولا أن قومك حديث عهدهم بالجاهلية فأخاف أن تنكر قلوبهم أن أدخل الجدار فى البيت وأن ألصق بابه بالأرض. (رواه البخارى: ۱/۲۱۵/۱۵۸۴). واللہ ﷻ اعلم۔

مومن کا درجہ بیت اللہ سے بڑھ کر ہے:

سوال: مسلمان کا مرتبہ کعبہ سے زیادہ ہے یا کم؟ اگر زیادہ ہوتو اس کا ثبوت کیا ہے؟ اگر زیادہ ہوتو پھر پیشاب و پاخانہ کے وقت کعبہ کی طرف استقبال و استدبار جائز ہونا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: احادیث کی روشنی میں مومن کا مرتبہ کعبہ سے زیادہ ہے۔

چند احادیث درجِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

أخرج الإمام ابن ماجه بسنده عن عبد الله بن عمر وؓ قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يطوف بالكعبة ويقول: ما أطيبك وأطيب ريحك، ما أعظمك وأعظم حرمتك، والذي نفس محمد بيده لحرمة المومن أعظم عند الله حرمة منك؛ ماله ودمه وأن نظن به إلا خيراً. قال فى الزوائد: في إسناده: مقال، ونصر بن محمد شيخ ابن ماجه ضعفه أبوحاتم وذكره ابن حبان فى الثقات.

وأخرجه الطبراني فى مسندالشاميين (۲/۳۹۶/۱۵۶۸).

وأخرج أبوعبد الله الفاكهي فى "اخبارمكة" (۲/۲۷۸/۱۵۲۳) بسنده عن الهيكل بن جابر قال: بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم يطوف بالبيت إذ جاء رجل فتعلق باستارالكعبة وهو يقول: بحرمة هذا البيت لماغفرت لى فقال النبي صلى الله عليه وسلم: ألا قلت:

بحرمتي إلا غفرت لي ؟ والذي أكرمني بالهدى و دين الحق لحرمة المومن أعظم من حرمة هذا البيت ...الخ .

قضائے حاجت کے وقت مسلمان کو جو استقبال واستدبار سے منع کیا گیا ہے وہ کعبہ کے اکرام کی وجہ سے منع فرمایا گیا ہے،اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کعبہ کا مرتبہ زیادہ ہے، کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اکرام کرنے والا ہمیشہ جس کا اکرام کیا جارہا ہے اس سے ادنی ہو بلکہ اعلیٰ عالی کا بھی اکرام کرتا ہے اوراس کی بہت ساری نظائر پائی جاتی ہیں ؛مثلاً: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اکرام میں شیطان کونہیں باندھا۔

أخرج الإمام البخاري بسنده عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه صلى صلاة فقال : إن الشيطان عرض لي فشد على ليقطع الصلاة علي فأمكنني الله منه فذعته ولقد هممت أن أوثقه إلى سارية حتى تصبحوا فتنظروا إليه فذكرت قول سليمان عليه السلام: رب هب لي ملكاً لاينبغي لأحد من بعدي، فرده الله خاسئاً . (صحيح البخاری:۱/۱۶۱/ ۱۲۱۰، باب مایجوزمن العمل فی الصلاۃ).

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اکرام میں آپ صحیح بیٹھ گئے اوراپنے کپڑے ٹھیک کر لیے۔

أخرج الإمام مسلم بسنده عن عن عائشة رضی اللہ عنہا أنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم مضطجعاً في بيتي كاشفاً عن فخذيه أو ساقيه فاستأذن أبوبكر رضی اللہ عنہ فأذن له وهو على تلك الحالة فتحدث ثم استأذن عمر رضی اللہ عنہ فأذن له وهو كذلك فتحدث ثم استأذن عثمان رضی اللہ عنہ فجلس رسول الله صلى الله عليه وسلم و سوى ثيابه...الخ. (صحیح مسلم :۲/۲۷۷/ ۲۴۰۱،باب من فضائل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ).

(۳) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتیں تو آپ ان کے اکرام میں کھڑے ہوجاتے ،ان کو بوسہ دیتے اورانھیں اپنی جگہ بٹھاتے۔

أخرج الإمام الترمذي بسنده عن عن عائشة أم المؤمنين رضی اللہ عنہا قالت: ما رأيت أحداً أشبه سمتاً ودلاً وهدياً برسول الله صلى الله عليه وسلم في قيامها وقعودها من فاطمة رضی اللہ عنہا بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم قالت: وكانت إذا دخلت على النبي صلى الله عليه وسلم قام إليها فقبلها وأجلسها في مجلسه...الخ. (سنن الترمذی:۲/۲۲۶،باب ماجاء فی فضل فاطمۃ رضی اللہ عنہا).

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کو اپنی اولاد کے اکرام اوران کے ساتھ احسان کا حکم دیا۔

أخرج الإمام ابن ماجه بسنده عن عن أنس بن مالك رضي الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أكرموا أولادكم وأحسنوا أدبهم. (سنن ابن ماجه، ص ۲۶۱/۳۶۷۱، باب بر الوالد والاحسان الى البنات).

نیز مومن کا مرتبہ اگر چہ کعبہ سے بڑھ کر ہے لیکن کعبہ بھی شعائر اسلام میں سے ہے، اس کی تعظیم بھی ضروری ہے اسی وجہ سے بوقتِ قضائے حاجت استقبال واستدبار سے منع کیا گیا تا کہ بیت اللہ کی بے حرمتی نہ ہو اورنجاست کا رخ انسان کے تابع ہے انسان کا رخ جس طرف ہوگا اس طرف نجاست کا رخ مانا جائیگا۔

عمدۃ القاری میں علامہ بدرالدین العینیؒ فرماتے ہیں:

باب لا تستقبل القبلة بغائط أو بول ....: فيه إكرام القبلة عن المواجهة بالنجاسة مطلقاً تعظيماً لها. (عمدة القارى:۲/۳۹۵، دار الحديث، ملتان). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قبلہ کی طرف پیر پھیلا کر سونے کا حکم:

سوال: قبلہ کی طرف پیر پھیلا کر سونے کا کیا حکم ہے؟ جائز ہے یا مکروہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ جان بوجھ کر بجانبِ قبلہ پیر پھیلا کر سونا مکروہِ تحریمی ہے، کعبہ شعائر اسلام میں ہے اوراس کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو قرآنِ کریم میں ہے:

﴿ **ومن يعظم شعائر الله فإنها من تقوى القلوب** ﴾ [الحج:۳۲].

حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے: **نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يصلى في سبع مواطن في المزبلة والمجزرة والمقبرة وقارعة الطريق والحمام ومعاطن الإبل وفوق الكعبة.** (رواه ابن ماجه، رقم:۷۴۶، باب المواضع التى تكره فيها الصلاة). **وفي إسناده: زيد بن جبيرة وفيه كلام.**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات جگہوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا: کوڑے کی جگہ، مذابح میں، مقبرہ میں، راستے کے بیچ میں، حمام میں، اونٹوں کے باڑے میں اور کعبہ کے اوپر۔

آپ خود سوچیں کعبہ کے اوپر نماز کی ممانعت کی وجہ بے ادبی کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے؟ اور یہ مسئلہ اور حکم

خلاف القیاس نہیں کہ اس کو اپنے محل تک محدود رکھیں بلکہ یہ عرف پر مبنی ہے تو عرف میں جیسے بیت اللہ پر نماز بے ادبی ہے اس طرح قبلہ کی طرف پیر پھیلانا بھی بے ادبی ہے، اگر کسی کے سامنے معزز آدمی بیٹھا ہو اور اس کی طرف پاؤں پھیلا دے تو اس کو سب حاضرین بے ادبی سمجھتے ہیں۔

قال في الفتاوى الهندية: ويكره مد الرجلين إلى الكعبة في النوم وغيره عمداً ...الخ.

(الفتاوى الهندية: ۳۱۹/۵). (وكذا في المحيط البرهاني: ۵۱/۶، الفصل الخامس من كتاب الاستحسان، وفتاوى الشامي: ۳۴۱/۱، سعيد، والبناية في شرح الهداية: ۵۵۹/۲، مكتبة رشيدية، والفتاوى التاتارخانية، وبريقة محمودية).

قال في الدر المختار: كره مد رجليه في نوم أوغيره إليها أي عمداً لأنه إساءة أدب قاله منلا ناكير...وقال في رد المحتار: قوله مد رجليه، أو رجل واحدة ومثل البالغ الصبي في الحكم المذكور، قوله عمداً أي من غير عذر أما بالعذر أو السهو فلا، قوله لأنه إساءة أدب أفاد أن الكراهة تنزيهية، لكن قدمنا عن الرحمتي في باب الاستنجاء أنه سيأتي أنه بمد الرجل إليها ترد شهادته، قال: وهذا يقتضي التحريم فليحرر. (فتاوى الشامي: ۶۵۵/۱، مطلب في احكام المسجد، سعيد).

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

بجانبِ قبلہ پیر پھلا کر سونا مکروہ تحریمی، قریب حرام ہے، جو شخص جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے وہ فاسق اور مردود الشہادۃ ہے یعنی شرعاً اس کی گواہی مردود اور نامقبول ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۵/۷۷)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نشست میں قبلہ کی طرف پشت کرنے کا حکم:

سوال: اپنی نشست میں قبلہ کی جانب پشت کر کے بیٹھنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عام حالات میں اپنی نشست میں قبلہ رو ہو کر بیٹھنا مستحب ہے، احادیث میں اس کو اکرم، سید اور اشرف المجالس کہا گیا ہے، البتہ قبلہ کی جانب پشت کر کے بیٹھے تو یہ بھی جائز ہے مکروہ نہیں ہے۔

رو بہ قبلہ نشست کی فضیلت میں احادیث ملاحظہ کیجئے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن لكل شيء سيداً وإن

سيد المجالس قبالة القبلة . رواه الطبراني في الأوسط، وإسناده حسن. وعن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أكرم المجالس ما استقبل به القبلة . رواه الطبراني في الأوسط وفيه حمزة بن أبي حمزة وهو متروك. وعن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن لكل شيء شرفاً وإن أشرف المجالس ما استقبل به القبلة . رواه الطبراني وفيه هشام بن زياد أبو المقدام وهو متروك . (مجمع الزوائد: ۵۹/۸،باب المجلوس مستقبل القبلة ،دار الفكر).

حضرت تھانویؒ امدادالفتاویٰ میں مذکورہ بالا روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ان روایات سے مستقبل قبلہ بیٹھنے کا ندب ثابت ہوتا ہے، بلکہ اگر بعض طرق کے اعتبار سے ضعف بھی مان لیا جاوے تب بھی فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بھی کافی ہوگی۔ (امدادالفتاویٰ:۵۸/۴)۔

فی زماننا عام طور پر یہ دستور ہے کہ مدرس صاحب قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھتے ہیں اور تلامذہ اردگرد روبہ قبلہ ہوکر بیٹھتے ہیں تو یہ بھی درست ہے، حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام بیت المعمور کی طرف پشت کیے ہوئے تھے اور بچے ان کے اردگرد تھے، نیز فقہاء نے لکھا ہے کہ قاضی مجلس قضا میں محراب کی طرف پشت کر کے بیٹھے اور لوگ اس کے سامنے روبہ قبلہ ہوں۔

أخرج الإمام مسلم في حديث طويل في باب الإسراء ،فقال: حدثنا شيبان بن فروخ حدثنا حماد بن سلمة حدثنا ثابت البناني عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أتيت بالبراق وهو دابة أبيض طويل فوق الحمار ودون البغل يضع حافره عند منتهى طرفه قال فركبته ...ثم عرج بي إلى السماء السابعة فاستفتح جبريل فقيل من هذا قال جبريل قيل: ومن معك قال محمد صلى الله عليه وسلم قيل: وقد بعث إليه قال: قد بعث إليه ففتح لنا فإذا أناْ بإبراهيم عليه السلام مسنداً ظهره إلى البيت المعمور. (مسلم شريف: ۱/۹۱/۱۶۲).

حدیثِ مذکور کی شرح میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

قوله " مسنداً ظهره "...ويستفاد منه جواز الاستناد إلى القبلة بالظهر وغيره. (فتح الملهم: ۳۵۳/۲).

قال في البحر الرائق : ويسند(القاضي) ظهره إلى المحراب و الناس بين يديه يقفون مستقبلي القبلة . (البحر الرائق: ۳۰۳/۶،ط:بیروت). **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مقدس کلمات شہر کے نام کے نیچے لکھنے کا حکم:

سوال: ہر علاقہ وشہر میں داخل ہونے سے پہلے اس شہر کے نام کا ایک تختہ نصب کیا ہوا ہوتا ہے اس پر جلی حروف میں اس شہر کا نام لکھا ہوا ہوتا ہے، اس کے نیچے کی جگہ استعمال کرنے کی حکومت کی طرف سے اجازت ہے تو مسلمانوں نے اس کے نیچے مقدس کلمات مثلاً: "**سبحان اللّٰه وبحمده ، سبحان اللّٰه العظم، اللّٰه أكبر**" وغیرہ کلمات لکھنا شروع کیا، اس پر بعض لوگوں نے اشکال کیا کہ اس میں متبرک کلمات کی توہین ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح لکھنے میں توہین ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی حکم شرعی سے مطلع فرما کر اجر عظیم کے مستحق ہوں۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ علاقائی نام اوپر لکھنا اور مقدس کلمات نیچے لکھنا ہمارے نزدیک جائز ہے اور یہ توہین کے زمرہ میں نہیں آتا، کیونکہ تختہ پر شہر کا نام مقصود ہے اس لیے اوپر لکھا گیا اور دیگر چیزوں کو نیچے لکھا گیا، اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو خطوط آتے تھے اس میں کاتب اور مرسِل کا نام پہلے مکتوب ہوتا تھا اور مکتوب الیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بعد میں ہوتا تھا، تاکہ شروع سے پتہ چل جائے کہ خط کس نے لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو السنن الکبریٰ للامام البیہقی میں ہے:

عن عن زاذان عن سلمان رضي الله عنه قال: لم يكن أحد أعظم حرمة من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا كتبوا إليه يكتبون من فلان إلى محمد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم. (السنن الكبرى: ۲۰۹۲۸/۱۳۰/۱۰).

وأخرجه الطبراني في الكبير (۶۱۰۸/۲۴۱/۶).

قال الهيثمي: وفيه: قيس بن الربيع وثقه الثوري وشعبة وضعفه غيرهما وبقية رجاله ثقات. (مجمع الزوائد: ۱۳۱۷۱/۱۸۴/۸،باب كتابة الكتب وختمها).

نیز جو چیز شناخت کے لیے ہوتی ہے وہ اوپر جلی حروف میں لکھی جاتی ہے تاکہ دور سے آنے والا مسافر پہچان لے اور تکلیف وپریشانی کا شکار نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

برکت کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنے کا حکم:

سوال: کیا برکت کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً یہ کہے کہ فلاں کی برکت سے یہ کام ہوگیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جب عقیدہ صحیح سالم ہو تو محض نسبت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے: **أخرج الإمام البخاري ومسلم عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أنها قالت: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في بعض أسفاره، حتى إذا كنا بالبيداء أو بذات الجيش انقطع عقد لي، فأقام رسول الله صلى الله عليه وسلم على التماسه، وأقام الناس معه، وليسوا على ماء، وليس معهم ماء ...فقال أسيد بن حضير وهو أحد النقباء: ما هي بأول بركتكم يا آل أبي بكر، فقالت عائشة رضى الله تعالىٰ عنها فبعثنا البعير الذي كنت عليه فوجدنا العقد تحته.** (صحيح مسلم: ١/ ٦٠،ومثله فى صحيح البخارى:١/ ٤٨).

فتح الملهم میں ہے:

قوله: بأول بركتكم، أى بل هي مسبوقة بغيرها من البركات، والمراد بآل أبي بكر نفسه وأهله اتباعه، وفيه دليل على فضل عائشةؓ وأبيها، وتكرار البركة منهما، وفي رواية عمرو بن الحارث: لقد بارک الله للناس فيكم، وفي تفسير إسحاق البستي من طريق ابن أبي مليكة عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لها: ما كان أعظم بركة قلادتكم. (فتح الملهم: ٣/ ٢٣٨،باب التيمم). وكذا فى عمدة القارى: ٣/ ١٩٠،ط: دارالحديث، ملتان،وفتح البارى: ١/ ٤٣٤).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بقیع الغرقد کو جنت البقیع کہنے کا حکم:

سوال: مدینہ منورہ کے قبرستان کو لوگ جنت البقیع کہتے ہیں، کیا کسی حدیث میں وارد ہے یا نہیں؟ اگر وارد نہیں ہے تو جنت البقیع کہنے کا کیا حکم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: کتبِ حدیث کی ورق گردانی اور تتبعِ کثیر کے باوجود کسی حدیث کی کتاب میں جنت البقیع کا لفظ دستیاب نہیں ہوا، بلکہ روایات میں اس کے لیے بقیع الغرقد کا لفظ آیا ہے، ممکن ہے کہ لوگ اس قبرستان کے

فضائل کو سامنے رکھتے ہوئے احتراماً کہتے ہوں۔فضائل کے اعتبار سے جنت البقیع کہنے میں چنداں حرج نہیں۔
مدینہ منورہ کے قبرستان بقیع الغرقد کے چند فضائل ملاحظہ فرمائیں:

أخرج الإمام البيهقي في سننه الكبرى، عن عائشةؓ أنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم كلما كان ليلتها من رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج من آخر الليل إلى البقيع فيقول: السلام عليكم دارقوم مومنين وأتاكم ما توعدون غداً موجلون وإنا إن شاء الله بكم لاحقون اللهم اغفر لأهل بقيع الغرقد . (السنن الكبرى: ۲۷۸/۲،زيارة القبور التى فى البقيع) . وكذا فى سنن النسائى: ۲۸۷/۱،قديمى).

وأخرج الإمام الترمذي عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أناْ أول من تنشق عنه الأرض ثم أبوبكر ثم عمر ثم آتي إلى أهل البقيع فيحشرون معي ثم انتظر أهل مكة حتى أحشر بين الحرمين . (رواه الترمذى: ۲۱۰/۲،ط: ديوبند).

أخرج الإمام الطبراني في الكبير (۲۰۹۵۲/۳۵۵/۱۸) عن أم قيس بنت محصن وهي أخت عكاشة أنها خرجت مع النبي صلى الله عليه وسلم إلى البقيع فقال: يحشرمن هذه المقبرة سبعون ألفاً يدخلون الجنة بغير حساب كان وجوههم القمر ليلة البدر .

وأيضاً أخرجه الحاكم فى المستدرك (٦٩٣٤/٦٨/٤).

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ لفظ بقیع مدینہ منورہ میں قبرستان کے علاوہ دیگر مقامات کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ کتبِ حدیث اس پر شاہد ہیں۔مثلاً: بقیع الخیل،گھوڑ دوڑ کی جگہ،بقیع المصلی ،بقیع السوق وغیرہ۔

نیز مدینہ منورہ کے قبرستان کے لیے جنت البقیع کا لفظ محض عوام کا ایجاد کردہ نہیں ہے بلکہ اکابر کے کلام میں بھی یہ لفظ موجود ہے۔چنانچہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

قوله” لا تشدوا الرحال“اختار ابن تيميةؒ أن السفر لزيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم المبارك غير جائز بل يريد السفر إلى المسجد النبوى ثم إذا بلغ المدينة يستحب له زيارة القبر المبارك ، وقال باستحباب زيارة القبور الملحقة للمكان لثبوت زيارة النبي صلى الله عليه وسلم جنة البقيع وغيرها . (العرف الشذى: ۸۲/۱ ،باب ماجاء فى اى المساجدافضل، ديوبند) .

وقال في مقام آخر: ورفع اليدين عند الدعاء على القبر جائز كما في جزء رفع اليدين للبخاري وصحيح مسلم: أنه دخل جنة البقيع ودعا رافعاً يديه . (العرف الشذی : ۱/۲۰۲، فی شرح باب زيارة القبورللنساء).

وذكر الشيخ محمد فؤاد عبد الباقي في تعليقه على الصحيح لمسلم:قوله بقيع الغرقد ، هومدفن المدينة وهو المعروف الآن بجنة البقيع . (مسلم شریف : ۲۰۳۹/٤/۲٦٤٧،باب كيفية الخلق الآدمی). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نقشہ نعل مبارک سے توسل کا حکم:

سوال: نقشہ نعل مبارک سے توسل کا کیا حکم ہے؟ احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اشیائے مقدسہ متروکہ سے تبرک حاصل کرنا فقط جائز ہی نہیں بلکہ مستحب اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق ومحبت کی علامت ہے، جس کا جذبہ ہر مسلمان کے سینہ میں وافر مقدار میں ہونا ضروری ہے لیکن تصویر اور نقشہ نعل مبارک کے سلسلہ میں کوئی حدیث سند کے ساتھ نظر سے نہیں گزری، نیز تصویر کا اصل کے ساتھ سو فیصد مطابق ہونا بھی غیر متیقن ہے، مزید براں اصل سے توسل تو معقول ہے مگر تصویر سے توسل غیر معقول ہے، بنا بریں نقشہ نعل مبارک سے توسل درست نہیں۔

ملاحظہ ہو کفایت المفتی میں ہے:

سوال: آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ یعنی پائے مبارک حضرت خاتم النبوۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے پتھر کا موم ہو کر قدم پاک کا نقشہ پتھر پر آجانا کہیں صحاحِ ستہ یا دوسری حدیث کی کتابوں یا دیگر معتبر یا غیر معتبر کتابوں سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب: (از نائب مفتی دارالعلوم دیوبند) آج کل جو بعض لوگ ایک نشان لیے پھرتے ہیں اور اس کو نقش اور نشانِ قدم مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بتاتے ہیں، یہ قول ان کا صحیح نہیں ہے، یہ نشان مصنوعی اور بناوٹی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ مسعود احمد نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

جواب: (از حضرت شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد مدنی قدس سرہ) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات

بہت زیادہ اور نہایت عظیم ہیں۔ ان کے سامنے پتھر کا مثل موم بن جانا اور نقش قدم اس پر پڑ جانا کوئی حیثیت نہیں رکھتا، یہ تو ادنی بات ہے۔ مگر اس وقت تک میری نظر سے کسی حدیث یا سیر کی کتابوں میں سے کسی کتاب میں یہ معجزہ نہیں گزرا۔ واللہ اعلم، حسین احمد غفرلہ۔

جواب (حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ) اگر چہ پتھر پر نشان قدم مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بطورِ معجزہ کے نقش ہو جانا مستبعد نہیں، مگر اس کے باور کرنے کے لیے کوئی سند اور روایت کی ضرورت ہے اور ایسی کوئی سند اور روایت نظر میں نہیں آئی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ (کفایت المفتی: ۱/ ۱۱۷، ط: دارالاشاعت)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: کسی چیز کو بے ثبوت اور بے پختہ سند کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا حرام ہے، نیز اصلی آثار کے ساتھ بھی اس قدر غلو کا معاملہ کرنا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے ناجائز اور بدعت ہے، بے ثبوت ہونے کی بنا پر اگر کوئی شخص ان آثار کی تعظیم واحترام سے منع کرے تو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا الزام لگانا ظلم اور جہالت ہے۔ (کفایت المفتی: ۱/ ۳۵۹، دارالاشاعت)۔

حضرت حکیم الامتؒ نے اس مسئلہ سے متعلق ایک رسالہ بنام ''نیل الشفاء بنعل المصطفی'' تحریر فرمایا تھا جو زاد السعید میں ص از ۴۷ تا ص ۵۳ موجود ہے، اس میں حضرت نے نقشہ نعل مبارک سے استبراک وتوسل کی مسلمانوں کو تلقین وترغیب اور نقشہ کی تشہیر واشاعت کی تحریض بیان کی ہے، پھر حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ نے اس کے خلاف رائے کا اظہار فرمایا اور دونوں حضرات کے مابین مکاتبت کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ حضرت حکیم الامتؒ نے عوام کے تجاوز عن الحدود اور غلو کو مدنظر رکھ کر استبراک وتوسل کی ترغیب وتشہیر واشاعت کی تلقین سے رجوع فرمالیا، جس کا خلاصہ کفایت المفتی، جلد دوم از ص ۹۱ تا ص ۹۹ پر مرقوم ہے، جس کو شوق ہو وہ نیل الشفاء، وزاد السعید اور کفایت المفتی اور بوادر النوادر وغیرہ کا مطالعہ فرمالے۔ تطویل سے دامن بچاتے ہوئے فقط ایک فتوے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو کفایت المفتی میں ہے:

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی استعمال کی ہوئی نعل شریف کسی کو مل جائے تو زہے سعادت اور فرط محبت سے اس کو بوسہ دینا سر پر اٹھانا بھی موجب سعادت ہے، مگر یہ تو اصل نعل نہیں اس کی تصویر ہے اور یہ بھی متیقن نہیں کہ یہ تصویر اصل کے مطابق ہے یا نہیں اور تصویر کے ساتھ اصل شئ کا معاملہ کرنا شریعت میں معہود نہیں ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک، پائے مبارک، موئے مبارک اور قمیص مبارک، جبہ مبارک کی تصویریں بھی بنائی جاسکتی ہیں اور اگر ان میں بھی اصل کی مطابقت کے ثبوت سے قطع نظر کر لی جائے تو پھر آج ہی

بے شمار تصویریں بن جائیں گی اور ایک فتنہ عظیمہ کا دروازہ کھل جائے گا جن بزرگوں نے اس تصویر کے ساتھ محبت کا معاملہ کیا وہ ان کے والہانہ جذبات محبت کا نتیجہ تھا مگر دستور العمل قرار دینے کے لیے حجت نہیں ہوسکتا۔ (کفایت المفتی:۲/۹۱،دارالاشاعت)۔

لباب الفتاویٰ میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل نعل مبارک سے برکت حاصل کرنا مطلوب اور مستحب ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل نعل مبارک کا حصول مشکل ہے اور آج کل نعل مبارک کا نقش اور تصویر طبع کروا کر اس کے ساتھ اصل نعل مبارک سے برکت اور محبت جیسا رویہ اپنایا جاتا ہے اور اصل نعل کی فضیلت کی طرح اس کے نقش کی بھی فضیلت سمجھی جاتی ہے، یہ جائز اور درست نہیں۔ (لباب الفتاویٰ:۱/۱۱۴)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مصادرومراجع
فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلدِ ہفتم

القرآن الکریم　　تنزیل من رب العلمین

الف

إكمال المعلم بفوائد مسلم　ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض　الریاض

اتحاف الخیرة المهرة　علامه بوصیری　الریاض

اسلامی فقہ　مولانا مجیب اللہ ندوی　لاہور

آپ کے مسائل اوران کاحل　مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ شہادت ۱۴۲۱　مکتبہ لدہیانوی

الاختیار لتعلیل المختار　عبد الله بن محمود الموصلی　بیروت

الاستذکار　ابن عبد البر

إعانة الطالبین　ابوبکر عثمان بن محمد الدمیاطی　التوفیقیةؒ

ابوداود　حافظ سلیمان بن اشعث ابو داود سجستانیؒ و ۲۰۲ ت ۲۷۵　کتب خانه مرکز علم کراچی

احسن الفتاوی　حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب　ایچ ایم سعید کمپنی

اوجز المسالک　شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا المهاجر المدنیؒ　مکتبه امدادیه ملتان

الاصابة فی تمییز الصحابه　حافظ ابن حجرؒ

امدادالفتاوی　حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی　مکتبہ دارالعلوم کراچی

احیاء علوم الدین　امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی ت ۵۰۵　دار الفکر

ابن ماجه   ابو عبد الله محمد بن يزيد بن ماجه القزوينیؒ و ۲۰۹ ت ۲۷۳   قديمی كتب خانه

امدادالاحکام   حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ومفتی عبدالکریم گمتھلویؒ   مکتبۃ دارالعلوم کراچی

اعلاء السنن   مولانا ظفر احمد عثمانی التهانویؒ   ادارة القرآن كراچی

الأشباه و النظائر   زين الدين بن ابراهيم ابن نجيم الحنفی ت ۹۷۰   ادارة القرآن كراچی

امدادالمفتین   حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ و۱۳۱۴ ت ۱۳۹۶   دارالاشاعت

انجاح الحاجة حاشية سنن ابن ماجه   الشيخ عبد الغنی المجددی الدهلوی ۱۲۹۵   قديمی كتب خانه

احکام القرآن   حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ

ایضاح المسائل   مفتی شبیر صاحب مرادآبادی

ایضاح النوادر   مفتی شبیر صاحب مرادآبادی   مکتبہ علمیہ سہارنپور

احكام القرآن   ابوبكر جصاص الرازی   سهيل

احکام القرآن   علامہ ظفر احمد عثمانی   ادارۃ القرآن

اصول الشاسی   نظام الدين الشاشی   بيروت

الأموال   ابن زنجويه

اشرف الاحکام   حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ   ادارہ اسلامیات

انسائیکلوپیڈیا برطانیکا

احكام القرآن   الشيخ ابن العربی

الاشباه والنظائر   الامام السيوطی   بيروت

انکاٹا انسائیکلوپیڈیا

احکام اسلام عقل کی نظر میں   حضرت تھانویؒ   مکتبہ عمر فاروق

الاستيعاب   ابن عبدالبر   دارالجيل

اسنی المطالب شيخ زكريا الانصاری   دارالكتب العلمية بيروت

الايضاح فی شرح الاصلاح   ابن كمال باشا   بيروت

الاوسط لابن المنذر

الآداب الشرعية ابن مفلح موقع الاسلام

أخلاق النبى صلى الله عليه وسلم ابوالشيخ الاصبهانى موقع جامع الحديث

الاحاديث المختارة الضياء المقدسى ملتقى اهل الحديث

الآداب للامام البيهقى موقع جامع الحديث

الانوار فى شمائل النبى المختار الامام البغوى بيروت

الاقناع فى حل الفاظ ابى الشجاع محمد الشربينى الخطيب

الاقناع فى فقه الامام احمد بن حنبل شرف الدين موسى بن احمد الحجاوى دارالمعرفة بيروت

اسوۂ رسول اکرم ڈاکٹر عبدالحی صاحب دارالاشاعت

اسد الغابة ابن الاثير

الاذكار الامام النووىؒ بيروت

الاعتصام الامام ابو اسحاق الشاطبى

امداد الفتاح العلامة الشرنبلالى

الانصاف فى معرفة الراجح من الخلاف علاء الدين ابوالحسن على بن سليمان الحنبلىؒ داراحياء التراث العربى

ارشاد السارى العلامه القسطلانىؒ

أصول السرخسى الامام السرخسىؒ

اشعة اللمعات الشيخ عبدالحق الدهلوى كتب خانه مجيديه ، و المكتبة الرشيدية

الآحاد والمثانى ابن ابى عاصم

اخبار مكة الامام الفاكهى

ادلة الحجاب الدكتورمحمد احمد اسماعيل المقدم دارالايمان

احكام الاحكام لتقى الدين ابن دقيق العيد دارالفكر

الاسرار المرفوعة للملاعلى القارى المكتب الاسلامى

آداب الزفاف الشيخ ناصرالدين الالبانى

الابواب والتراجم لشيخ الحديث مولانا محمد زكريا الكاندهلوىؒ

آکسفورڈ ڈکشنری

اتحاف السادة المتقين فی شرح احياء علوم الدين السيد محمد بن محمد الحسينی الزبيدی دارالفكر

اضواء البيان محمد الامين الشنقيطی

اكمال اكمال المعلم الامام محمد بن خليفة الابی دارالكتب العلمية بيروت

الامالی لابن بشران

اسلام صحت اور جدید سائنسی تحقیقات ادارہ اشاعت اسلام

آلات جدیدہ کے شرعی احکام حضرت مفتی محمد شفیع صاحب

آداب المعاشرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

الاخوان لابن ابی الدنيا

اوضح المسالک ابن هشام

الاختيارين الامام الاخفش

ارشاد الاخوان الی مناقب النعمان ترجمه وترتيب الشيخ محمدعبد الله القاسمی

الاشتقاق ابوبكر محمد بن الحسن القاهرة

امتاع الاسماع بماللنبی صلی الله عليه وسلم من الاحوال والاموال والحفدة والمتاع لتقی الدين المقريزی بيروت

الاستغناء فی حكم بيان الرقص والغناء الشيخ محمد بن احمد الوزير الوقشی

اسلام اور موسیقی حضرت مفتی محمد شفیع صاحب

ازالة الخفاء الشاه ولی الله

الامالی الشجرية يحيى بن الحسين الشجری

الاتقان فی علوم القرآن العلامة جلال الدين السيوطی داراحياء العلوم

اذهاب الحزن وشفاء الصدر السقيم الشيخ عبد السلام دار الايمان القاهرة

الاستقامة العلامة الشيخ ابن تيمية جامعة الامام ، المدينة المنورة

اجمل الحواشی حضرت مولانا جمیل احمد صاحب

ايضاح البخاری مولانا فخر الدين شيخ الحديث دارالعلوم ديوبند

اقامة الحجة علی ان الاکثار فی التعبد لیس ببدعة العلامة عبد الحي اللکهنوی

اخبار بنی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

احکام الخواتیم الحافظ ابن رجب الحنبلی بیروت

باء

البنایة شرح الهدایة العلامة العینیؒ فیصل آباد و مکتبه رشیریه

البخاری ابو عبد الله محمد بن اسماعیل البخاریؒ و۱۹۴ ت۲۵۶ فیصل پبلیکیشنز، دیوبند

البحر المحیط ابوحیان الاندلسی دار الفکر

بذل المجهود المحدث خلیل احمد سهارنپوریؒ ت۱۳۴۶ ندوة العلماء لکهنؤ

بہشتی زیور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی دار الاشاعت

بیان القرآن حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

بدایة المجتهد ابو الولید محمد بن احمد القرطبی دار نشر الکتب

البحر الرائق للشیخ زین الدین ابن نجیم المصری المکتبة الماجدیة

بلوغ المرام للحافظ ابن حجر العسقلانیؒ بیروت

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع علاء الدین أبوبکر بن مسعود الکاسانی ت۵۸۷ سعید کمپنی

بریقة محمودیة فی شرح طریقة محمدیة عبد الغنی بن اسماعیل النابلسی

بوادر النوادر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ادارہ اسلامیات

بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة للمفتی محمد تقی العثمانی

باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

البحر المحیط للامام الزرکشی

البیان و التحصیل ابن رشد القرطبی المالکی دار الغرب الاسلامی، بیروت

البدایة و النهایة ابن کثیرؒ

البدر المنیر الشیخ ابن الملقن الریاض

البهجة الوردیة الشیخ زین الدین بن ابی الفوارس الوردی

البلاغة العربية الشيخ عبدالرحمن الميدانی

بزمِ صوفیہ مصباح الدین عبدالرحمٰن

البلاغ (ماہنامہ دارالعلوم کراچی)

البرهان فی علوم القرآن الشيخ بدرالدين الزركشی دارالمعرفة

البيان فی حكم التغنی بالقرآن الدكتور بشار عواد

براہینِ قاطعہ شیخ الحدیث مولانا خلیل احمد سہارنپوری

الباحث الحثيث الشيخ احمد محمد شاكر مكتبة المعارف الرياض

تاء

تفسير القرطبی محمد بن احمد الانصاری القرطبیؒ دار الكتب العلمية

تهذيب التهذيب ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانیؒ ت۸۵۲ دار الكتب العلمية بيروت

تحفة الأحوذی ابو العلی محمد بن عبد الرحمن مباركپوریؒ و۱۲۸۳ ت۱۳۵۳ دار الفكر

الترمذی ابو عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمزیؒ و۲۰۹ ت۲۷۹ فيصل پبليكيشنز، ديوبند

التعليقات على الترمذی و ابی داؤد وابن ماجه و صحيح ابن خزيمه ناصر الدين الألبانی المكتب الاسلامی

التعليق الممجد للعلامه عبد الحی اللكهنوی بتحقيق الدكتور تقی الدين الندوی دمشق

تهذيب الكمال للحافظ جمال الدين ابی الحجاج يوسف المزّی و۶۵۴ ت۷۴۲ مؤسسة الرسالة

تقريب التهذيب للحافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی و۷۷۳ ت۸۵۲ دار نشر الكتب الاسلامية

تحرير تقريب التهذيب الدكتور بشار عواد معروف والشيخ شعيب الأرنؤوط موسسة الرسالة بيروت

التصحيح والترجيح العلامة قاسم بن قطلوبغا بيروت

تنوير الابصار للعلامة شمس الدين محمد بن عبد الله التمرتاشیؒ ۹۳۹ ت۱۰۰۴ سعيد كمپنی

التفسير المظهری قاضی محمد ثناء الله پانی پتیؒ ت۱۲۲۵ بلو چستان بک ڈپو

التمهيد ابو عمر يوسف بن عبد الله بن عبد البر النمری و۳۶۸ ت۴۶۳ مكتبة المؤيد

تفسیر عثمانی شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مدینہ منورہ

تفسير السمرقندی الفقيه ابو الليث السمرقندی

الکتاب	المؤلف	الناشر
الترغیب و الترهیب	للحافظ ذکی الدین عبد العلیم بن عبد القوی المنذری ت٦٥٦	دار احیاء التراث
تکملة فتح الملهم	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب	مکتبة دار العلوم کراتشی
تعلیق الشیخ محمد عوامة علی نصب الرایة	للشیخ محمد عوامة	المکتبة المکیة
تعلیق الدکتور بشار عواد علی سنن ابن ماجه	الدکتور بشار عواد معروف	دار الجیل بیروت
تنقیح الفتاوی الحامدیة	للسید محمد امین ابن عابدین الشامی	دار الاشاعة العربیة
تالیفات رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ت۱۳۲۳	ادارہ اسلامیات لاہور
تذکرة الموضوعات	أبو الفضل محمد بن طاهر بن علی المقدسی ت٥٠٧	میر محمد کتب خانه کراچی
تذکرة الموضوعات	الشیخ محمد بن طاهر بن علی الفتنی الهندی	
تبیین الحقائق	العلامة فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	مکتبه امدادیه ملتان
تعلیقات الشیخ محمد عوامه علی المُصَنَّف	الشیخ محمد عوامه حفظه الله و رعاه	المجلس العلمی
تقریرات الرافعی (التحریر المختار)	العلامة عبد القادر الرافعی	سعید کمپنی
تفسیر ابن کثیر	الحافظ اسماعیل ابن کثیر القرشی الدمشقی ت٧٧٤	دارالسلام
التحریر فی اصول الفقه	العلامة المحقق الشیخ ابن الهمام	دار الکتب العلمیة بیروت
تحفة الفقهاء	علاء الدین السمرقندی	
التقریر و التحبیر	الشیخ ابن امیر الحاج الحلبی	بیروت
التعلیقات علی المستدرک	صالح اللحام	
التعلیقات علی مسند احمد	الشیخ شعیب الارنؤوط	القاهرة
التعلیقات علی سنن ابن ماجه	الشیخ محمد فؤاد عبد الباقی	
التلخیص الحبیر	الحافظ ابن حجر عسقلانی	
تلخیص المستدرک	الامام الحافظ شمس الدین الذهبی	
تقریر ترمذی	مولانا محمد تقی عثمانی	
التعریفات	للسید شریف الجرجانی	
تکملة رد المحتار	الشیخ محمد علاء الدینؒ	سعید

تعلیقاتِ فتاویٰ محمودیہ زیرنگرانی حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ
التعليقات على بلوغ المرام صفی الرحمن المباركفوری بيروت
تفسير الماوردی (النكت والعيون) ابوالحسن علی بن محمد الماوردی البصری بيروت
التعريفات الفقهية السيد المفتی عميم الاحسان المجددی دارالكتب العلمية بيروت
تكملة عمدة الرعاية حضرت مولانا فتح محمد صاحب لکھنویؒ
تكملة البحرالرائق العلامة محمد بن حسين بن علی الطوریؒ
تعليقات شرح تحفة الملوك الشيخ سائد بكداش دارالبشائر الاسلامية
تحفة الملوك الامام زين الدين بن ابی بكرالرازی دارالبشائرالاسلامية
تعليقات اللباب فی شرح الكتاب الشيخ سائد بكداش دارالبشائر الاسلامية
تعليقات مراسيل ابی داود الشيخ شعيب الارنؤوط
تحفة المودود باحكام المولود العلامة ابن القيم دمشق
تنزيه الشريعة الشيخ ابن العراق بيروت
التعليقات على آداب البيهقی موقع جامع الحديث
تهذيب الآثار ابو جعفر محمد بن جرير بن يزيد الطبری القاهرة
التاج والاكليل محمد بن يوسف العبدری دارالفكر
تاج العروس السيد مرتضى الزبيدی دارالهداية
تحفة المحتاج الی ادلة المنهاج للحافظ سراج الدين عمر بن الملقن الشافعی م ۸۰۴هـ دارحراء بمكة
التعليقات على الطبقات الكبری محمد بن صامل السلمی
التقرير لاصول فخر الاسلام البزدوی الامام اكمل الدين البابرتی وزارة الاوقاف
تحفة الاخيار باخبار سنة الابرار العلامة عبد الحي اللكهنوی
تاريخ الرسل والامم الامام الطبری
التعليقات على المقالة العذبة ابو اسامة الجزائری
التعليقات على مسند الامام ابی حنيفة الشيخ لطيف الرحمن القاسمی

تاریخ الاسلام الحافظ الامام الذهبی

تربیت الطالبین فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ جامعہ محمودیہ یوپی

التعلیقات علی صحیح ابن حبان الشیخ شعیب الارنؤوط

التذییل علی کتاب تهذیب التهذیب محمد بن طلعت اضواء السلف

التحقیق فی احادیث الخلاف ابن الجوزیؒ

التاریخ الکبیر الامام البخاریؒ

تاریخ بغداد الحافظ الخطیب البغدادیؒ

تاریخ مدینة دمشق الحافظ ابن عساکرؒ

توجیه النظر الی اصول الاثر الشیخ طاهر الجزائری الدمشقی مکتبة المطبوعات الاسلامیة حلب

تحریم حلق اللحی عبدالرحمن بن محمد بن قاسم الحنبلی

التاریخ لابن الوردی

التاریخ لابن خلدون

التعلیقات علی سنن ابی داود الشیخ شعیب الارنووط

تحفة الاخیار ابو جعفر الطحاوی

التعلیق الصبیح الشیخ مولانا ادریس الکاندهلوی المکتبة العثمانیة

تدریب الراوی العلامة جلال الدین السیوطی

تبیین الامتنان بالامر بالاختتان ابن عساکر

التعلیقات علی فتاوی اللکهنوی صالح محمد ابو الحاج دارابن حزم

تسہیل المواعظ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

تفسیر المنار محمد رشید بن علی رضا الهیئة المصریة

تفسیر آیات الاحکام الشیخ محمد علی الصابونی

تفسیر البیضاوی القاضی البیضاوی

التیسیر بشرح الجامع الصغیر العلامة عبد الرؤوف المناوی

تفسیر السراج المنیر محمد بن احمد الشربینی دارالکتب العلمیة

تفسیر ابی السعود القاضی ابوالسعود العمادی الحنفی دارالکتب العلمیة

تهذیب لسان العرب ابو الفضل جمال الدین ابن منظور المکتب الثقافی بیروت

تفسیرعزیزی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سعید

التعلیقات علی روح المعانی الشیخ ماهر جیوش مؤسسة الرسالة

تفسیر الخازن علاء الدین علی بن محمد البغدادی الخازن دارالفکر

التفسیر الکبیر فخر الدین الرازی

تحریم النرد والشطرنج للآجری

تفسیر ابن ابی حاتم ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازی المکتبة العصریة

تفسیر العز بن عبد السلام الامام عز الدین عبد العزیز بن عبد السلام الشافعی دار ابن حزم بیروت

تفسیر مقاتل بن سلیمان ابو الحسن مقاتل بن سلیمان البلخی دار الکتب العلمیة بیروت

التفسیر المنیر الشیخ الدکتور وهبة الزحیلی دارالفکر

تفسیر الشیخ المراغی الشیخ احمد مصطفی المراغی مطبعة مصطفی البابی الحلبی

تفسیر الطبری ابوجعفر محمد بن جریر الطبری موسسة الرسالة

التصویر بالکامیرا والفیدیو (مقالة) الشیخ المفتی رفیع العثمانی موسسة الاسلامیة (تورنتو)

تصویر کے شرعی احکام حضرت مفتی محمد شفیع صاحب

التحریر والتنویر ابن عاشور تونس

تحریم کتابة القرآن الکریم بحروف غیر عربیة الشیخ صالح علی العود

التبیان فی آداب حملة القرآن الامام النووی دارابن حزم

تحفۃ العلماء حکیم الامت مولانا تھانوی

التغنی بالقرآن الشیخ لبیب سعید

التغنی بالقرآن الشیخ محمد ابو زهرة

التفسیر الواضح الشیخ محمد محمود حجازی

تفسیر ماجدی مولانا عبد الماجد

تنقیح تحقیق احادیث التعلیق الشیخ ابن عبد الهادی

التعلیقات علی القول البدیع الشیخ محمد عوامة

تاریخ مکة الازرقی

تاریخ مکة ابن الضیاء الحنفی

تاریخ مکہ (اردو) حمد عبد المعبود

التاریخ القویم لمکة وبیت الله الکریم محمد طاهر الکردی المکی دارخضر بیروت

ثاء

الثمر الدانی ابن ابی زید القیروانی دارالفکر

الثقات لابن حبان

جیم

جواہر الفقہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب و۱۳۱۴، ت۱۳۹۶، مکتبہ دار العلوم کراچی

الجامع الصغیر جلال الدین بن أبی بکر السیوطی و ۸۴۹ ت ۹۱۱ دار الکتب العلمیة بیروت

الجوهر النقی علی هامش السنن الکبری علاء الدین بن علی بن عثمان ابن الترکمانی ت ۷۴۵ دار المعرفة

جامع الأحادیث جلال الدین عبد الرحمن السیوطی ت ۹۱۱ دار الفکر

جامع المسانید محمدبن محمودالخوارزمی مکة المکرمة

الجوهرة النیرة أبو بکر بن علی بن محمد الحدادی ت ۸۰۰ مکتبة امدادیة

جدید فقہی مسائل مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

جدید فقہی مباحث قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

جواہر الفتاوی مفتی عبد السلام چاٹگامی، اسلامی کتب خانہ کراچی،

جامع الرموز شمس الدین محمد الخراسانی القهستانی المطبعة الکریمة

جامع احکام الصغار علی هامش الفصولین العلامه الاستروشنی اسلامی کتب خانه

جامع الاصول فی احادیث الرسول مجد الدین ابوالسعادات ابن الاثیر ۶۰۶م دارالبیان

جامع الفصولين الشيخ بدرالدين محمود بن اسرائيل ابن قاضى سماونه ۸۲۳ م

جامع العلوم والحكم ابن رجب حنبلى ۷۹۵ م

جمهرة القواعد الفقهية على احمد الندوى

جدید معاملات کے شرعی احکام (فقہ المعاملات) مفتی احسان اللہ شائق دارالاشاعت

جمع الوسائل فى شرح الشمائل ملا على القارىؒ اداره تاليفات

الجامع الصغير الامام محمد بن الحسن الشيبانىؒ

جدید فقہی تحقیقات اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

جزء سفيان بن عيينةؒ

الجليس الصالح الكافى والانيس الناصح الشافى القاضى ابوالفرج المعافى بن زكرياالصوفى دارالكتب العلمية

جمل الاحكام الامام الناطفى الرياض

الجامع لاخلاق الراوى وآداب السامع الشيخ الخطيب البغدادى

الجرء اللطيف فى الاستدلال بالحديث الضعيف الشيخ المفتى رضاء الحق زمزم پبلشرز

جامع الامهات ابن حاجب المالكى

الجامع فى الجرح والتعديل جمع وترتيب السيد ابوالمعاطى القدرى واخوانه عالم الكتب

جمهرة اللغة ابن دريد موقع الوراق

الجامع لما فى المصنفات الجوامع من اسماء الصحابة الاعلام اولى الفضل والاحكام الحافظ ابو موسى

جامع الفتاویٰ مفتی مصلح الدین برودوی

الجلالين جلال الدين محمد احمد المحلى و جلال الدين السيوطى

الجواب الشافى فى اباحة التصوير الفوتوغرافى العلامة محمد بخيت المطيعى مفتى مصر المطبعة الخيرية

جزء حنبل بن اسحاق

جمع القرآن فى مراحله التاريخية محمد شرعى ابوزيد

جامع الوقف القارى ابن ضياء محب الدين احمد لاهور

جواهر القرآن الطنطاوى

حاء

حاشیۂ مؤطا امام مالک مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی آرام باغ کراچی

حجة الله البالغة الشيخ الشاه ولى الله الدهلویؒ

حاشية الدسوقى شمس الدين محمد عرفه الدسوقى دار الفكر

حاشية تبيين الحقائق شيخ شهاب الدين شلبى امداديه

حلية الأولياء الحافظ أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصفهانى ت ۴۳۰ دار الفكر

حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح العلامه السيد أحمد الطحطاوى مير محمد كتب خانه كراچى

حاشية مشكوٰة المصابيح المولانا احمد على السهارنفوریؒ قديمى كتب خانه

حاشية الشرنبلالى على درر الحكام العلامه الشرنبلالى الحنفى و۹۹۴،ت۱۰۶۹،

حاشية الهداية العلامه عبدالحى اللكهنوى و۱۲۶۴،ت۱۳۰۴،

حاشية صحيح البخارى الشيخ المحدث احمد على السهارنفورى

حاشية السندى على سنن ابن ماجه محمد بن عبد الهادى السندى

حاشية الترمذى الشيخ المحدث احمد على السهارنفورى

حلال وحرام مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

حاشية الطحطاوى على الدر المختار العلامة السيد أحمد الطحطاوى و ۱۲۳۱ مكتبة العربية كوئٹه

حاشية سنن الدارمى فواز احمد وخالد السبع العلمى قديمى كتب خانه

حاشية فتح القدير الشيخ سعد الله چلپى دارالفكر

حاشية سنن ابن ماجه الشيخ عبد الغنى المجددیؒ

حلال حرام کے احکام (عطر ہدایہ) حضرت مولانا فتح محمد صاحب

حاشية العدوى على شرح الكفاية دارالفكر

حاشية الدرر على الغرر ابوسعيد محمد بن مصطفىٰ الخادمى مطبعة عثمانية

حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح السيد احمد الطحطاوى قديمى

حاشية التصحيح والترجيح الضياء يونس دارالكتب العلمية بيروت

الحاوی للفتاوی الامام السیوطی فاروقی کتب خانه

حاشیة کنز الدقائق مولانا حبیب الرحمٰن امدادیہ ملتان

حاشیہ نورالانوار محمد عبدالحلیم لکھنوی ایچ ایم سعید

حسن العزیز حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

حاشیة السراجی الادیب محمد نظام الدین الکیرانوی قدیمی کتب خانه

حاشیة الجمل للشیخ زکریا الانصاری دارالفکر

الحاوی القدسی فی فروع الفقه الحنفی القاضی الغزنوی دارالنوادر

حواشی الشروانی عبد الحمید المکی الشروانی

حاشیة فیض الباری مولانا بدر عالم میرٹھیؒ

حاشیة جمع الوسائل الشیخ عبدالرؤوف المناوی ادارة تالیفات اشرفیه

حاشیة الرملی ابوالحسن علی بن الحسین بن علی الرملی

حاشیة سنن النسائی المجتبی للشیخ محمد التهانویؒ قدیمی

حاشیة البحرالرائق العلامة ابن عابدین الشامیؒ کوئٹه ،

حاشیتان القلیوبی والعمیرة

حیاة الصحابة مولانا محمد یوسف الکاندهلوی

الحاوی الکبیر الامام الماوردی الشافعی دارالکتب العلمیة

حدیث اورفہم حدیث مولانا عبداللہ معروفی مکتبہ عثمانیہ

حاشیة تهذیب الکمال الدکتور بشار عواد

حاشیة الصاوی علی الشرح الصغیر

حاشیة اعانة الطالبین الشیخ الدمیاطی

حیاتِ مسلم مولانا سید محمد میاں صاحب

حاشیة بذل المجهود الدکتور تقی الدین الندوی دار البشائر الاسلامیة

حاشیة سبل السلام الشیخ بزاز احمد ، ابراهیم محمد الجمل دارالکتاب العربی

الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية الشيخ عبد الغنى النابلسى در سعادت

حكم الاسلام فى التصوير الشيخ محمد على الصابونى

حادى الارواح الى بلاد الافراح العلامة ابن القيم الجوزية دارالفكر

حقوق العلم حضرت تھانویؒ

خاء

خلاصة الفتاوى للشيخ طاهربن عبد الرشيد البخارى مكتبه رشيديه كوئٹه

خزانة المفتين للشيخ حسين بن محمد كراچى

خزانة الفقه للفقيه ابو الليث السمرقندیؒ

خلاصة البدرالمنير سراج الدين ابن الملقن الشافعیؒ ۸۰۴م

الخلاصة الفقهية محمد عربى القروى المالكى دارالكتب العلمية بيروت

خصائل نبوی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

خواتین کے فقہی مسائل جمع وترتیب مفتی محمد عثمان اراکانی

خواتین کی صحت ڈاکٹر ثمرین فرید دارالشعور، لاہور

الخيرات الحسان الشيخ شهاب الدين احمد بن حجر الهيتمى المكى الشافعیؒ

الخصائص الكبرى العلامة جلال الدين السيوطى

الخلاصة فى احكام اهل الذمة على بن نايف الشحود

خیرالفتاویٰ مولانا مفتی خیرمحمد جالندھریؒ

خوش آوازی کی آڑ میں گلے بازی قاری ارشاد احمد قاسمی

دال

الدرّ المنثور عبد الرحمن جلال الدّين السيوطیؒ و ۸۴۹ ت ۹۱۱ دار الفكر

الدر المختار علامه علاء الدين محمد بن على حصكفیؒ و ۱۰۲۵ ت ۱۰۸۸ ايچ ايم سعيد كمپنى

درر الحكام فى شرح غرر الأحكام قاضى ملا خسرو معارف نظارت جليلة

الدراية فى تخريج احاديث الهداية الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ

الدر المنتقی علی ھامش مجمع الانھر　علاء الدین الحصکفی الدمشقی

درس ترمذی　مفتی محمد تقی عثمانی صاحب　دارالعلوم کراچی

دین کی باتیں (خلاصہ بہشتی زیور)　مولانا اشرف علی تھانوی

درر الحکام شرح مجلة الاحکام　شیخ علی حیدر　بیروت

الدراری المضیة　علامه شوکانی　بیروت

دلائل النبوة　ابو نعیم الاصبھانی

دستور العلماء　القاضی عبد رب النبی الاحمد نگری　دارالکتب العلمیة بیروت

دراسات فی اصول الحدیث علی منهج الحنفیة　عبدالمجید الترکمانی　مدرسة النعمان

الدیباج علی صحیح مسلم　الامام السیوطی

دلیل الفالحین　ابن علان الشافعی

دلائل النبوة　الامام البیهقی

ڈال

ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں　مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری

ڈاڑھی کی شرعی حیثیت　مولانا حفظ الرحمٰن اعظمی

ذال

الذخیرة　شهاب الدین احمد بن ادریس القرافی　بیروت

ذخیرة الحفاظ　الامام محمد بن طاهر المقدسی

ذم الملاهی　ابن ابی الدنیا

ذم الملاهی　ابن عساکر

ذکر جہری واجتماعی　حضرت مفتی رضاء الحق صاحب

راء

روح المعانی　شهاب الدین السید محمود الآلوسی البغدادیؒ ت ۱۲۷۰　التراث القاهرة

رد المحتار المعروف بفتاوی الشامی　خاتمة المحققین محمد امین (ابن عابدین) ۱۲۵۲　ایچ ایم سعید کمپنی

رسائل ابن عابدین العلامة الشامیؒ سهیل اکیڈمی

رسم المفتی العلامة الشامیؒ

رمز الحقائق شرح کنز الدقائق العلامة بدر الدین العینیؒ بیروت

روضة الطالبین الامام النوویؒ المکتب الاسلامی

الروضة الندیة الشیخ محمد صدیق حسن خان دار المعرفة

الروض الانف العلامة السهیلی

رابطہ عالم اسلامی کا مجلّہ مکہ المکرّمہ

رسالة الحجاب فی الکتاب والسنة الشیخ عبد القادر بن حبیب الله السندی

راہِ سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر

الرخصة فی تقبیل الید الشیخ محمد ابراهیم المقری

زاء

زاد المعاد فی هدی خیر العباد شمس الدین أبو عبد الله الزرعی و ۶۹۱ ت ۷۵۱ مؤسسه الرسالة

الزیادات للامام محمد بن الحسن الشیبانیؒ المجلس العلمی

الزهد هناد بن السری الکوفی دار الخلفاء للکتاب الاسلامی ، الکویت

زاد المسیر للعلامة ابن الجوزیؒ

زهر الفردوس الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ

زاد السعید افادات حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اشرف العلوم

سین

سلسلة الاحادیث الضعیفة الشیخ محمد ناصر الدین الالبانیؒ المکتب الاسلامی

السنن الکبری ابو عبد الرحمن أحمد بن شعیب النسائی

سیر اعلام النبلاء شمس الدین محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی و ۶۸۱ ت ۷۴۷ مؤسسة الرسالة

سنن الدارمی عبدالله بن عبد الرحمن الدارمی السمرقندی و ۱۸۱ ت ۲۵۵ قدیمی کتب خانه

سنن الدارقطنی الحافظ علی بن أبی بکر الدارقطنی و ۳۰۶ ت ۳۸۵ مکتبة المتبنی القاهرة

السنن الصغری للبیهقی الامام البیهقی

سنن سعید بن منصور سعید بن منصور الخراسانی ت۲۲۷ الدار السلفیة الهند

السنن الکبری الحافظ ابو بکر احمد بن الحسین بن علی البیهقی دار المعرفة

السعایة العلامه اللکهنوی سهیل اکیڈمی

سبل السلام محمد بن اسماعیل الصنعانی

السراج الوهاج العلامه محمد زهری الغمراوی المکتبة التجاریة

السراجی الشیخ سراج الدین السجاوندی قدیمی کتب خانه

سنت نبوی اور جدید سائنس حکیم محمد طارق چغلتائی ادارہ اسلامیات

سبل الهدی والرشاد محمد بن یوسف الشامی بیروت

سلسلة الآداب الاسلامیة محمد بن صالح

السلوک لمعرفة دول الملوک الامام المقریزی

سنن النسائی المجتبی الامام احمد بن شعیب النسائیؒ

سوالات ابی عبد الرحمن السلمی للامام الدارقطنی

السیرة النبویة ابن هشام دارالجیل

السیرة الحلبیة علی بن برهان الدین الحلبی

سیرة النعمان مولانا شبلی نعمانی دارالاشاعت

سیرة النبی مولانا شبلی نعمانی

سیرت مصطفی مولانا ادریس کاندهلوی

السماع والرقص العلامة ابن تیمیة

السماع والرقص محمد بن محمد الحنبلی

السیر الکبیر الامام محمد بن الحسن الشیبانیؒ

سراج القاری حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب

سیرتِ انبیاء مولانا محمد عبد الرحمٰن صاحب

شین

شآبیب الغمامة فی تحقیق مسئلة العمامة الشیخ ابو عبد الله عبد البصیر الخراسانی

شرح صحیح البخاری الشیخ ابن بطال

شرح السنة الامام البغوی

شرح النقایة الحافظ علی بن محمد سلطان القاری الحنفی ت۱۰۱۴ سعید کمپنی

شرح المجلة الشیخ محمد خالد الاتالسی رشیدیه

شرح المجلة الشیخ سلیم رستم باز اللبنانی

شرح الوقایه عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعة مطبع مجیدی

شرح عقود رسم المفتی فقیه العصر ابن عابدین المعروف بالشامی مکتبه اسعدی

شعب الایمان الامام ابو بکر احمد بن الحسین البیهقی و۳۸۴ت۴۵۸ الدار السلفیة الهند

شرح معانی الآثار ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمة بن سلامة الطحاویؒ ایچ ایم سعید کمپنی

شرح مشکل الآثار ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمة بن سلامة الطحاویؒ بتعلیق شعیب الارناؤط

شرح المسلم للنووی ابو زکریا یحیی بن شرف الدین النووی و ۶۳۱ت۶۷۲ دار احیاء التراث

الشرح الکبیر الشیخ ابن قدامه المقدسی بیروت

شرح ریاض الصالحین الشیخ محمدبن صالح العثیمین

شرح الهدایة الشیخ سعد الله سعدی چلپی دارالفکر

الشرح الکبیر علی هامش الدسوقی ابو البرکات سید احمد الدردیرالمالکی

شرح منظومة ابن وهبان العلامه ابن الشحنةؒ

شرح المنار لابن ملکؒ

شرح المهذب الامام النووی دار الفکر

شرح القواعد الفقهیة الشیخ احمد بن محمد الزرقا بیروت

شرح تحفة الملوک محمد بن عبداللطیف ابن ملک دارالبشائر

شمائل کبریٰ مفتی محمد ارشاد صاحب قاسمی زمزم

شرح الصدور الامام السیوطی

شرح منتهی الارادات الشیخ سلیمان بن علی

شرح سنن ابی داود العلامة بدرالدین العینیؒ

الشمائل الامام الترمذی

الشمائل الشریفة الامام جلال الدین السیوطیؒ

شرح مذهب اهل السنة ابن شاهین

شرح شرح النخبة ملا علی القاریؒ

شرح سنن ابی داود عبد المحسن العباد

شرح سفر السعادة الشیخ عبد الحق محدث دهلوی

شرح سنن النسائی الامام جلال الدین السیوطی مکتب المطبوعات الاسلامية

شرح شرعة الاسلام یعقوب بن سیدی علی

الشرح الممتع علی زاد المستقنع الشیخ محمد بن صالح العثیمین دارابن الجوزی

شرح اختصار علوم الحدیث الشیخ ابراهیم بن عبدالله

شرح الزرقانی محمد بن عبد الباقی الزرقانی المالکی داراحیاء التراث بیروت

شرح شافیة ابن حاجب الشیخ رضی الدین محمد بن الحسن الاسترابازی النحوی بیروت

شرح الملا علی القاری علی الفقه الاکبر

شرح اسماء الله الحسنی فی ضوء الکتاب والسنة سعید بن علی القحطانی

شرح الرضی علی الکافیة

الشفاء بتعریف حقوق المصطفی القاضی عیاض

الشذرة فی الاحادیث المشتهرة العلامة محمد بن طولون الصالحی دارالکتب العلمية

شرح حدیث جبرئیل فی تعلیم الدین عبد المحسن

شرح النقایة لمولانا الیاس ایچ ایم سعید

صاد

صحیح ابن حبان محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم التمیمی موسسة الرسالة بیروت

صحیح ابن خزیمه ابوبکر محمدبن اسحاق ابن خزیمه

الصحاح الشیخ ابونصر اسماعیل بن حماد الجوهری

ضاد

الضعفاء للعقیلی دارالکتب العلمیة بیروت

ضوء المعالی ملا علی القاری

طاء

الطب النبوی العلامه ابن القیم الجوزیة دارالفکر

طبقات المحدثین ابو الشیخ الاصبهانی

الطبقات الکبری ابن سعد دار صادر

ظاء

ظفر الامانی العلامه عبد الحي اللکهنوی

عین

العرف الشذی علیٰ هامش سنن الترمذی العلامة المحدث الکبیر انور شاه الکشمیری فیصل دیوبند دهلی

عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل مولانا مجاہدالاسلام قاسمی

عصر حاضر کے فقہی مسائل مولانا بدرالحسن القاسمی حیدرآباد

عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل اوران کا حل مرتب مولانا موسیٰ کرماڈی

عون المعبود محمد شمس الحق العظیم آبادی دار الکتب العلمیة

العنایة شرح الهدایة أکمل الدّین محمد بن محمود البابرتیؒ ت ۷۸۶

عمدة القاری فی شرح صحیح البخاری بدر الدین محمد محمود بن احمد العینیؒ دار الحدیث ملتان

عزیزالفتاویٰ حضرت مفتی عزیزالرحمٰن صاحبؒ

عمدۃالفقہ مولانا سیدزوارحسین صاحب

عمل الیوم واللیلة العلامه ابن السنی

عمل اليوم والليلة الامام احمد بن شعيب النسائی

عمدة الرعاية حاشية شرح الوقاية العلامة عبدالحي اللكهنویؒ

علل الحديث ابن ابی حاتم

عيون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسير ابو الفتح ابن سيد الناس الاندلسی

علمی مكاتيب جمع وترتيب مولانا مرغوب احمد لاجپوری

عمدة السلوک حضرت مولانا سید زوار حسین صاحب

العلل المتناهية فی الاحاديث الواهية العلامه عبد الرحمن بن علی بن الجوزی دارالكتب العلمية

علوم الحديث ابوعمرو بن الصلاح

غين

غمز عيون البصائر الشيخ احمد بن محمد الحموی ادارة القرآن

غنية ذوی الاحكام العلامه الشرنبلالی

الغرر البهية الشيخ زكريا الانصاری الشافعی دارالكتب العلمية

غذاء الالباب شرح منظومة الآداب محمد بن احمد السفارينی الحنبلی

غنية المتملی فی شرح منية المصلی الشيخ ابراهيم الحلبی سهيل اكيڈمی

غريب الحديث ابوعبيد القاسم بن سلام الهروی دارالكتاب العربی بيروت

غريب الحديث ابراهيم ابن اسحاق الحربی ام القری

الغيلانيات ابوبكر الشافعی

غريب الحديث الامام الخطابی

غياث اللغات (فارسی) غياث الدين الرامپوری الهندی

غريب الحديث العلامة ابن الجوزی

غيث النفع فی القراء ات السبع ابوالحسن النوری

فاء

فتح القدير فی التفسير العلامه الشوكانی

فتاوی حقانیہ مفتیانِ کرام دارالعلوم حقانیہ دارالعلوم حقانیہ

فتح الباری شرح صحیح البخاری ابن رجب الحنبلی دار ابن جوزی

الفتاوی السراجیة ابو محمد سراج الدین علی بن عثمان آرام باغ کراچی وزمزم

فتاوی خلیلیہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

فتاوی عثمانی مفتی تقی عثمانی صاحب کراچی

فتاوی محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہیؒ جامعہ فاروقیہ کراچی

فتاوی دارالعلوم دیوبند (کبیر) حضرت مولنا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کتب خانہ امدادیہ دیوبند

فتح الملہم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مکتبہ دارالعلوم کراچی

فیض القدیر الحافظ محمد المدعو بعبد الرؤف المناویؒ دار الفکر

الفتاوی الهندية الشيخ نظام الدين وجماعة من علماء الهند الاعلام بلوچستان بک ڈپو

فتاوی ابن تیمیه الشيخ احمد بن تیمیه دار العربية بيروت

فتاوی رحیمیہ مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ مکتبہ رحیمیہ

فتح القدير كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسى ت ۶۸۱ دار الفكر

فیض الباری حضرت مولانا انور شاہ کشمیری ت ۱۳۵۲ مطبعہ حجازی القاهرة

فتاوی رشیدیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ت ۱۳۲۳ مکتبہ رحمانیہ لاہور

فتاوی قاضی خان فخر الدين حسن بن منصور اوزجندی الفرغانی ت ۵۹۲ بلوچستان بک ڈپو

الفقه الاسلامي و أدلته الدكتور وهبة الزحيلى دار الفكر

فتاوی دارالعلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، ومفتی محمد شفیع صاحب دارالاشاعت

الفتاوى التاتارخانية عالم بن علاء الانصاری الاندرپنی الدهلوی ت ۸۷۶ ادارة القرآن

فتاوی اللكهنوی أبو الحسنات عبد الحی اللكهنوی و ۱۲۶۴ ت ۱۳۰۴ دار ابن حزم كراچی

الفتاوی البزازية الحافظ الدين محمد بن محمد بن شهاب البزاز الكردی ۸۲۷ بوچستان بک ڈپو

الفقه على المذاهب الأربعة للشيخ عبد الرحمن الجزائرى دار الفكر

فتاوی فریدیہ مع التعلیقات حضرت مفتی فرید صاحبؒ اکوڑہ خٹک

الفتاوی الولوالجية ظهير الدين عبد الرشيد بن ابی حنيفة الولوالجی دار الكتب العلمية

الفقه الحنفی و ادلته الشيخ اسعد محمد سعيد الصاغرجی دار الكلم الطيب دمشق

الفقه الحنفی فی ثوبه الجديد عبد الحميد محمود طهماز دار القلم دمشق

فتح المعين محمد ابوالسعود المصری ایچ ایم سعید

فتاویٰ دارالعلوم زکریا حضرت مفتی رضاءالحق صاحب زمزم

فتاوی علماء البلد الحرام مرتب خالد بن عبدالرحمن

فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء مرتب شيخ احمد بن عبد الرزاق الدويش

فتاویٰ بینات مجلس دعوت وتحقیق اسلامی مکتبہ بینات کراچی

فتح المنان (المسند الجامع) ابوعاصم نبيل بن هاشم الغمری

فقہ حنفی کے اصول وضوابط افادات حکیم الامت مرتب مولانا محمد زید ندوی

فقہی مقالات حضرت مفتی محمد تقی عثمانی

فقه المعاملات الشيخ محمد على الصابونی

فيروز اللغات شيخ فيروز الدين

فتاوی الشيخ عبد العزيز بن باز

الفقه المنهجی الدكتور مصطفى الخن و الدكتور مصطفى البغا دارالقلم دمشق

الفقه الميسر احمد عيسى عاشور مكتبة القرآن القاهرة

الفتح الربانی الامام الساعاتی

فتح الغفار العلامة ابن نجيم المصری

الفوائد المجموعة للعلامة الشوكانی

فتح الباب فی الكنی والالقاب ابن مندة

الفجرالساطع على الصحيح الجامع محمد الفضل بن محمد الفاطمی

فقه اللغة الامام الثعالبی

الفتوحات الربانية على الاذكار النووية الشيخ محمد بن على بن محمد بن علان المكی احياء التراث العربی

فقه المشكلات القاضى مجاهد الاسلام ادارة القرآن

فضائل القرآن القاسم بن سلام

الفواكه الدوانى احمد بن غنيم بن سالم النفراوى دارالفكر

الفتاوى للامام العلامة محمد بن بخيت المطيعى مفتى الديار المصرية دارالصديق للعلوم

فص الخواتم فى ما قيل فى الولائم ابن طولون موقع الوراق

فقه السنة للسيد سابق

فتاویٰ شیخ الاسلام شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی مرتب مفتی سلمان منصور پوری

فصل الخطاب فى مسئلة الحجاب لمولانا المفتى محمد عاشق الهى البلندشهرى ادارة المعارف

الفتاوى الحديثية الشيخ ابن حجر الهيتمى

الفوائد تمام الرازى ابو القاسم مكتبة الرشد

الفائق العلامة الزمخشرىؒ

فتاویٰ اسلامية الشيخ عبدالعزيز و الشيخ صالح بن عثيمين

فقه النوازل فى العبادات الشيخ خالد بن على (المكتبة الشاملة)

الفردوس بماثور الخطاب ابوشجاع شيرويه بن شهردار الديلمى دارالباز مكة المكرمة

فتح المنان فى اثبات مذهب النعمان الشيخ عبدالحق الدهلوىؒ

فضائل التسمية باحمد و محمد الشيخ المحدث ابن بكير

الفتوحات المكية الشيخ محيى الدين ابن العربى الطائى المالكىؒ

الفقيه و المتفقه الخطيب البغدادى

فتاویٰ عزیزی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

فتاوى الازهر دار الافتاء المصرية

فتاوى السبكى الامام ابو الحسن تقى الدين السبكى بيروت

فتح الكريم المنان ضباع المصرى

فى ظلال القرآن السيد قطب

فتاوی دارالافتاء المصرية مفتی عطية صقر وزارة الاوقاف المصرية

فوائد مكيه مع الحواشی القاری المقری عبد الرحمن المكیؒ

فلکیاتِ جدیدہ حضرت مولانا موسیٰ روحانی بازی

الفتاوی المهمة الشيخ عبدالعزيز بن عبدالله بن بازؒ دارالغد الجديد

فضائل درودشریف حضرت مولانا محمدزکریا صاحبؒ

فضائل اعمال حضرت مولانا محمدزکریا صاحبؒ

قاف

القاموس الوحيد مولانا وحيد الزمان الكيرانوی حسينيه ديوبند

قواعد الفقه مولانا عميم الاحسان دار الكتاب ديوبند

القاموس الفقهی سعدی ابوجيب دارالفكر دمشق

قاموس الفقه مولانا خالدسیف اللہ

القول الراجح افاداتِ مفتی غلام قادرنعمانی

القاموس الجديد اردوعربی مولاناوحیدالزمان صاحب دیوبند

قواعد فی علوم الحديث مولاناظفراحمدعثمانی

القول المبين فی اخطاء المصلين ابوعبيدة مشهور بن حسين بن محمود بن سليمان

قواعد واسس في السنة والبدعة الدكتور حسام الدين عفانه

قفو الاثر رضی الدين محمد بن ابراهيم الحلبی الحنفی حلب

القبلة والمعانقة والمصافحة ابن الاعرابی

قرة العينين على تفسير الجلالين محمد احمد كنعان دارالبشائر الاسلامية

قيام الليل محمد بن النصر المروزی

قصة التوسعة الكبری حامد عباس

القول البديع العلامة شمس الدين السخاویؒ

كاف

کنز العمّال علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الهندی ت۹۷۵ مؤسسة الرسالة

کفایت المفتی مفتیٔ اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ دہلویؒ دارالاشاعت کراچی

کشف الخفاء للشیخ اسماعیل بن محمد العجلونی ت۱۱۶۲ دار احیاء التراث بیروت

کشاف القناع عن متن الاقناع منصور بن یونس بن ادریس البهوتی دار الفکر

کتاب الفتاویٰ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی زمزم

کنز الدقائق ابو البرکات النسفی امدادیة ملتان

کشف الاسرار عبد العزیز البخاری

الکفایة فی شرح الهدایة العلامة خوارزمیؒ

کتاب الام حضرت امام شافعیؒ

الکافی فی الفقه الحنفی وهبی سلیمان غاؤجی

کتاب الآثار للامام ابی یوسف دارالکتب العلمیة بیروت

کتاب الآثار للامام ابی حنیفةؒ کتب خانه مجیدیه ملتان

کتاب التجنیس والمزید برهان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی م ۵۹۳ هـ

الکامل ابن عدی بیروت

کفایت الطالب الربانی علی ابوالحسن المالکی

کشف المشکل من حدیث الصحیحین الامام ابن الجوزیؒ

الکنی والاسماء ابو بشر الدولابی دارابن حزم

کتاب الفروع شمس الدین ابوعبدالله محمد بن مفلح موسسة الرسالة

الکاشف الامام الذهبیؒ

کتاب الضعفاء ابن الجوزی

کتاب الضعفاء الامام النسائی

کتاب الضعفاء الامام البخاری

الکفایة فی علم الروایة الخطیب البغدادی

كتاب الاذكار الامام النووى مكتبة دارالبيان

كتاب الاصنام هشام ابن الكلبى القاهرة

كشف الظنون حاجى خليفه

كتاب المصاحف ابوبكر بن ابى داود

الكوكب الدرى حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ادارۃ القرآن

لام

لسان العرب العلامة ابن منظورؒ و ۶۳۰ ت ۷۱۱ مكتبة دار الباز مكة المكرمة

لامع الدرارى افاداتِ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سعید کمپنی

لسان الميزان ابو الفضل احمد بن على بن حجر العسقلانى ت ۸۵۲، اداره تاليفات اشرفيه ملتان

لغات الحديث حضرت علامہ وحید الزمان

لغات کشوری سید تصدق حسین صاحب رضوی منشی نول کشور

اللؤلؤ والمرجان محمد فواد عبدالباقى دارالفكر

اللآلى المصنوعة فى الاحاديث الموضوعة امام سيوطى بيروت

لسان الحكام فى معرفة الاحكام الشيخ ابوالوليد ابراهيم ابن الشحنة الحنفى دارالفكر

اللطائف فى اللغة احمد بن مصطفى الدمشقى دارالفضيلة

لغات سعیدی مولانا عبدالعزیز صاحب ومولانا محمد سعید صاحب ومولانا محمد منیر صاحب

لسان اللسان لابن منظور المكتب الثقافى

لباب الفتاویٰ حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب بھڈکودری گجرات

میم

مشكوٰة المصابيح ابو عبد الله محمد بن عبد الله خطيب طبريزىؒ قديمى كتب خانه كراچى

مرقاة شرح مشكوٰة للشيخ الملا على القارىؒ مكته امداديه ملتان

مسلم ابو الحسن مسلم بن حجاج القشيرىؒ و ۲۰۶ ت ۲۶۱، مكتبة الاشرفية ديوبند

مختصر القدورى ابوالحسن احمد بن محمد البغدادى سعيد

المحیط البرهانی محمود صدر الشریعة ابن مازة البخاری الریاض

منحة الخالق حاشیة البحر الرائق علامه شامی کوئٹه

منظومه ابن وهبان عبدالوهاب بن احمد ابن وهبان الدمشقی الوقف المدنی دیوبند

منتخبات نظام الفتاوی مفتی نظام الدین اعظمی

مغنی المحتاج محمد بن محمد الخطیب الشربینی التوفیقیة

معرفة السنن والآثار الإمام البیهقی جامع الحدیث

مطالب اولی النهی فی شرح غایة المنتهی مصطفی السیوطی الرحیبانی موقع الإسلام

المستدرک علی الصحیحین محمد بن عبد الله الحاکم ت۴۰۵ دار الباز للنشر والتوزیع۔ مکة المکرمة

مجمع الزوائد الحافظ نور الدین علی بن أبی بکر الهیثمیؒ ت۸۰۷ دار الفکر

مجمع الضمانات العلامة ابی محمد بن غانم بن محمد البغدادی ت۱۰۳۰ دار السلام بیروت لبنان

مسند الامام احمد بن حنبل الاما م احمد بن حنبل الشیبانیؒ و۱۶۴ ت۲۴۱ دار الفکر

معارف القرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ت۱۳۹۶ ادارۃ المعارف کراچی

مصنف ابن ابی شیبة حافظ ابو بکر عبد الله بن محمد بن أبی شیبة العبسی ت۲۳۵ ادارة القرآن کراچی

المجموع شرح المهذب ابو زکریا یحی بن شرف الدین النووی و۶۳۱ ت۶۷۲ دار الفکر

میزان الاعتدال حافظ محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی ت۷۴۸ دار الفکر العربی

المعجم الکبیر حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی و۲۶۰ ت۳۶۰ مکتبه ابن تیمیه

مجموعۃ الفتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنوی میر محمد کتب خانہ

المحلیٰ ابو محمد علی بن احمد سعید بن حزم الاندلسی دار الباز مکة المکرمه

مسند ابی عوانه ابو عوانه یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی دار المعرفة

المغنی عن حمل الأسفار علیٰ هامش احیاء العلوم علامه زین الدین عبد الرحیم العراقی ت۸۰۶ دار الفکر

مسند أبی داؤد الطیالسی أبو داود سلیمان بن داود الفارسی الطیالسی ت۲۰۴ دار المعرفة

المعجم الأوسط أبو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی ت۳۶۰ مکتبة المعارف

مسند أبی یعلی شیخ الاسلام أبو یعلی أحمد بن علی الموصلی و۲۱۰ ت۳۰۷ مؤسسة علوم القرآن

المعجم الصغير ابو القاسم سليمان بن أحمد الطبرانی و ۲۶۰ ت ۳۶۰ المكتب الاسلامی

المبسوط شمس الائمة ابو بكر محمد احمد السرخسی دار المعرفة بيروت

مصنف عبد الرزاق أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعانی و۱۲۶ ت ۲۱۱ ادارة القرآن كراچی

مؤطا الامام مالك الامام مالک بن انسؒ

المغنی ابن قدامة الحنبلی دار الكتب العلمية

معارف السنن العلامه السيد محمد يوسف البنوریؒ سعيد

مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر عبد الله بن شيخ محمد داماد افندی دار إحياء التراث

مسند الحميدی ابوبكر عبد الله بن الزبير الحميدی سملک ڈابهيل الهند

المقالات الفقهية مفتی رفیع عثمانی صاحب مکتبہ دارالعلوم کراچی

مجلة المجمع الفقهی الاسلامی رابطة العلم الاسلامی مكة المكرمة

معلم الفقه ترجمه مجموعة الفتاوی حضرت مولانا عبد الحی لكهنوی

المعجم الوسيط ابراهيم مصطفى مع اخوانه

الموضوعات العلامه ابن الجوزی

مسند عبد ابن حميد عبد بن حميد بن نصر

مجموعہ قوانین اسلامی قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ

المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم الامام القرطبی بيروت

مجلة البحوث الاسلامية مكة المكرمة

الموسوعة الفقهيه الكويتية وزارة الاوقاف بالكويت

الموافقات الامام الشاطبی

مدارک التنزيل ابوالبركات عبد الله بن احمد بن محمود النسفی

المدونة الكبرى الامام مالکؒ

المغرب ناصر الدين المطرزی

معين الحكام فيما يترددبين الخصمين من الاحكام العلامه الطرابلسیؒ دارالفكر

مشکل الآثار الامام الطحاویؒ

مجلّہ فقہ اسلامی قاضی مجاہدالاسلام اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

مطالب اولی النهی مصطفی سیوطی حنبلی دمشق

مجلة الاحكام العدلية جماعة من علماء الدولة العثمانية

المقاصد الحسنة العلامه السخاویؒ

متن المنار فی اصول الفقه ابوالبركات النسفیؒ ۷۱۰ م

معجم المصطلحات والالفاظ الفقهية محمد عبدالرحمن عبدالمنعم بيروت

معجم لغة الفقهاء الشيخ محمد رواس وشيخ حامد صادق ادارة القرآن كراچی

الملخص الفقهي صالح بن فوزان دارالعاصمة الرياض

مشارق الانوار قاضی عياض المكتبة العتيقة

المورد قاموس انگريزی عربی منير البعلبكی دارالعلم للملايين

المورد قاموس عربی انگريزی منير البعلبكی دارالعلم للملايين

المنجد فی اللغة دارالمشرق بيروت

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

مالابدمنہ قاضی ثناءاللہ پانی پتی

مجموع فتاوی ورسائل العثيمين

معارف الحدیث مولانا منظور نعمانی صاحب دارالاشاعت

مسند اسحاق بن راهويه

المطالب العالية الحافظ ابن حجر العسقلانی

معجم الصحابه ابن الاعرابی

مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی دیوبند

مختصر تاريخ مدينة دمشق ابن عساكر

المبسوط امام محمد ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشی

مصباح الزجاجة العلامه البوصیری

مسند الشامیین الامام الطبرانی

معرفة الصحابة ابو نعیم الاصبهانی

مقدمة فتح الباری الشیخ الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ

موسوعة کشاف اصطلاحات الفنون

المقالة العذبة فی العمامة العذبة للشیخ الملا علی القاری

موسوعة الدفاع عن رسول الله صلی الله علیه وسلم علی بن نایف الشحود

مسند الحارث الحارث بن ابی اسامة

معجم الصحابة ابن قانع

مقالات الامام الکوثری

مسئولیة المرأة المسلمة عبد الله بن جارة ابراهیم جارالله

المغیر مع التعلیقات الحافظ احمد الغماری

المغنی فی الضعفاء الامام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذهبیؒ

مواهب الجلیل لشرح مختصر الخلیل شمس الدین ابوعبد الله الطرابلسی المغربی دارعالم الکتب

الموضوعات الکبری ملا علی القاری

منهج النقد فی علوم الحدیث نور الدین عتر دارالفکر

مبادی علوم الحدیث واصوله شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب

المختصر فی اخبار البشر ابوالفداء

مختار الصحاح محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الرازی بیروت

مسند الامام ابی حنیفة

مسند ابن الجعد

مسئلة فی قص الشارب الحافظ زین الدین العراقی دارالبشائر الاسلامیة

مسند الربیع الشیخ ربیع بن حبیب الازدی البصری بیروت

مریض اور معالج کے اسلامی احکام ڈاکٹر مفتی عبدالواحد (ایم، بی، بی، ایس)
مجموع الفتاوى شيخ الاسلام ابن تيمية دارالوفاء
مجموعہ فتاویٰ برائے خواتین مرتب؛ مولانا مفتی ثناء اللہ محمود صاحب دارالاشاعت
المورد القريب (cassells french dictionary)
مردوں کے لباس اور بالوں کے شرعی احکام مفتی کمال الدین راشدی
الملتقط الشيخ ابو القاسم السمرقندى بيروت
المدخل الى مذهب الامام احمد بن حنبل الشيخ ابن بدران الحنبلى دارالكتب العلمية بيروت
المدخل ابوعبدالله ابن الحاج العبدرى الفاسى المالكى دارالفكر
مظاہر حق جدید شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ
مسائل اربعین حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحب
المبدع شرح المقنع ابن مفلح الحنبلى دار عالم الكتب الرياض
المجموعة فى الاحاديث الضعيفة والموضوعة ڈاكٹر سراج الاسلام حنيف
محاضرات فى علوم الحديث ماهر ياسين الفحل كلية العلوم الاسلامية
الموسوعة القرآنية الشيخ ابراهيم الابيارى موسسة سجل العرب
المعجم المفصل فى النحو العربى الدكتورة عزيزه فوال
المنار المنيف الحافظ ابن القيم الجوزية
المقتفى من سيرة المصطفى الامام المؤرخ الحسن بن عمر حبيب دارالحديث القاهرة
مصباح اللغات العلامة الشيخ عبدالحفيظ ابوالفضل البلياوى
موسوعة الاسرائيليات والموضوعات فى كتب التفسير
مجمع بحار الانوار الشيخ محمد طاهر الفتنى الهندى
مكانة الامام ابى حنيفة بين المحدثين الدكتور محمد قاسم
معجم مقاييس اللغة ابوالحسين احمد بن فارس بن زكريا دارالفكر
المنتقى شرح الموطا ابوالوليد سليمان بن خلف الباجى الاندلسى المتوفى ۴۷۴

المختصر الكبير فى سيرة الوسول

مقامات الحريرى ابومحمد قاسم بن على بن محمد بن عثمان الحريرى البصرى

مسند الرويانى ابوبكر محمد بن هارون الرويانى

مسائل فقهية معاصرة الشيخ عبد الملك بن عبد الرحمن السعدى دارالنور عمان

مسلمانانِ کناڈا کے بعض مسائل مولانا خالد سیف اللہ صاحب موسسۃ الاسلامیۃ تورنتو

مجموع فتاوى ابن باز

مس الاجهزة الالكترونية التى يخزن فيها القرآن وحملها محمد جنيد نورى المدينة المنورة

المقنع فى رسم مصاحف الامصار ابوعمرو الدانى

معجم ابن المقرى

الميزان فى احكام تجويد القرآن دار الايمان

مناهل العرفان فى علوم القرآن الشيخ محمد عبدالعظيم الزرقانى

مقدمة ابن خلدون

مسند الشهاب القضاعى

مغازى الواقدى بيروت

المواهب اللدنية العلامة احمد بن محمد القسطلانى المكتب الاسلامى

مفهوم البدعة الشيخ الدكتور عبد الاله

مدارج السالكين العلامة ابن القيم الجوزية

معانى اسماء الانبياء لابن الشريف

موسوعة الكتاب المقدس سحادة بشير

موسوعة اليهود واليهودية عبدالوهاب المسيرى

نون

نصب الرايه جمال الدين ابو محمد عبد الله بن يوسف الزيلعى الحنفى المكتبه المكية ١٥٦ ا

نيل الاوطار للشيخ محمد بن على بن محمد الشوكانی ادارة القرآن كراچی

نهاية المحتاج الى شرح المنهاج شمس الدين محمد بن أبی العباس دار الفكر

نسائی شريف ابو عبد الرحمن احمد بن شعيب النسائیؒ و ۲۱۵ ت ۳۰۳ قديمی كتب خانه

نظام الفتاوی مفتی نظام الدین اعظمی

النهر الفائق سراج الدين المصری قديمی

نئے مسائل اور علماء ہند کے فیصلے قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

نتائج الافكار شمس الدين قاضی زاده آفندی دار الفكر

النتف فی الفتاویٰ شيخ الاسلام قاضی القضاة ابوالحسن السغدی ۴۶۱ م دارالكتب العلمية بيروت

النافع الكبير العلامه اللكهنویؒ

نصاب الاحتساب عمر السنامی

نورالانوار للشيخ ملا جيون ايچ ايم سعيد كمپنی

النهاية فی غريب الاثر ابن الاثير

نوادر الفقه حضرت مفتی رفیع عثمانی صاحب

نوادر الاصول الحكيم الترمذی

نظرات فی كتاب حجاب المرأة المسلمة الشيخ عبد العزيز بن خلف

النكت على مقدمة ابن الصلاح العلامة بدرالدين ابوعبدالله الزركشی الشافعی اضواء السلف

النحو الوافی عباس حسن

نهاية الارب فی فنون الادب بيروت

النشرفی القراء ات العشر العلامة ابن الجزری دارالفكر

نيل الشفاء بنعل المصطفى حضرت مولانا اشرف علی تهانوی

نزهة الاسماع فی مسئلة السماع ابن رجب الحنبلی

نهاية القول المفيد فی علم التجويد الشيخ محمد المكی المكتبة العلمية

واو

وجوب اعفاء اللحية شيخ الحديث مولانا محمد زكريا كاندهلویؒ

الوسيط فی المذهب الامام الغزالی

ولڈ بک انسائیکلوپیڈیا

الوافی فی کیفیة ترتیل القرآن الكريم الشيخ احمد محمود الشافعی دارالکتب العلمية

هاء

الهداية ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغينانیؒ و ۱۱۵ ت ۵۹۳ مكتبة شركة علمية

هداية الحمكة شرح ميبذی

ياء

اليواقيت الشيخ عبد الوهاب الشعرابی

اليواقيت الغالية فی تحقيق الاحاديث العالية الشيخ محمد يونس السهارنفوری